سرپرست

حضرت مولانا مرغوب الرحمن صاحب مہتمم دارالعلوم دیوبند

مدیر

حبیب الرحمن قاسمی

دارالعلوم دیوبند کا ترجمان

دارالعلوم

شمارہ نمبر ۱ | بابتہ ماہ اکتوبر ۱۹۸۶ء مطابق صفر ۱۴۰۷ھ | جلد نمبر ۷۰

نگراں

حضرت مولانا مرغوب الرحمن صاحب مہتمم دارالعلوم

مدیر

مولانا حبیب الرحمن قاسمی

فی پرچہ -/3

سالانہ -/30

سالانہ بدل اشتراک بیرونی ممالک سے | سعودی عرب، کویت، لیبیا، جنوبی و مشرقی افریقہ، برطانیہ -/160

امریکہ، کناڈا وغیرہ بھی بذریعہ ایر میل —— -/160

پاکستان سے Rs 60/- ہندوستانی - بنگلہ دیش -/40 Rs ہندوستانی

دفتر ماہنامہ دیوبند | سرخ نشان اس بات کی علامت ہے کہ آپ کا زرِ تعاون ختم ہو گیا

فہرست مضامین

ہندوستانی و پاکستانی خریداروں سے ضروری گذارش

۱۔ ہندوستانی خریداروں سے ضروری گذارش یہ ہے کہ ختم خریداری کی اطلاع پاکر اول فرصت میں اپنا چندہ نمبر خریداری کے حوالہ کے ساتھ منی آرڈر روانہ کریں۔

۲۔ پاکستانی خریدار اپنا چندہ مبلغ -/۶۰ روپے ہندوستانی مولانا عبدالسلام صاحب مقام کرم علی والہ تحصیل شجاع آباد ملتان پاکستان کو بھیج دیں اور انھیں لکھیں کہ وہ اس چندہ کو رسالہ دارالعلوم کے حساب میں جمع کریں۔

۳۔ خریدار حضرات پتہ پر درج شدہ نمبر محفوظ فرمائیں۔ خط و کتابت کے وقت خریداری نمبر ضرور لکھیں،

والسلام

(منیجر رسالہ)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

حرفِ آغاز

قرآن کریم انسان کی ہدایت اور رہنمائی کے لئے خالق کائنات کی عطا کردہ آخری کتاب ہے جس میں اصولی طور پر دنیا و آخرت میں خیر و فلاح کے ساتھ زندگی بسر کرنے کی جامع ترین ہدایات بیان کر دی گئیں ہیں جو ہر زمانہ اور ہر طبیعت کے بالکل مناسب ہیں ان میں کسی ترمیم و تنسیخ اور حذف و اضافہ کی قطعاً کوئی گنجائش نہیں ہے، ارشاد باری تعالیٰ "مَا فَرَّطْنَا فِی الْکِتَابِ مِنْ شَیْءٍ" اور "اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ الَّذِیْ اَنْزَلَ عَلٰی عَبْدِہِ الْکِتَابَ وَلَمْ یَجْعَلْ لَہٗ عِوَجًا قَیِّمًا" الخ الآیۃ میں قرآن عظیم کی اسی جامعیت اور ہمہ گیری کو بیان کیا گیا ہے چنانچہ علامہ عثمانیؒ آخرالذکر آیت کے ذیل میں لکھتے ہیں۔

"اس کتاب میں کوئی ٹیڑھی ترچھی بات نہیں، عبارت انتہائی سلیس و فصیح اسلوب نہایت مؤثر و شگفتہ، تعلیم نہایت متوسط و معتدل جو ہر زمانہ اور ہر طبیعت کے مناسب اور عقل سلیم کے عین مطابق ہے" (فوائد عثمانی ص ۳۸۰)

یہ تغیر پذیر دنیا ہزار کروٹیں بدلے، تمدن و معاشرت اور انسانی مزاج و عادات میں لاکھ تبدیلیاں آجائیں، اقتصادیات و معاشیات کی قدریں گو یکسر مختلف ہو جائیں، علم و تحقیق کے معیار خواہ کتنی بلندیوں پر پہنچ جائیں، زندگی کے تقاضے اور ضروریات کوئی بھی صورت اختیار کریں، قرآن حکیم اور کتاب مبین کی جامع اور ہمہ گیر ہدایات حیات انسانی کے ہر مسئلہ اور ہر ضرورت کا حل پیش کرتی رہیں گی۔

اسی بناء پر خداوند عالم نے اہل دانش کو قرآن مبین کی آیات میں غور و فکر اور تدبر کی بار بار دعوت دی ہے چنانچہ ایک موقعہ پر ارشاد ہے

کِتَابٌ اَنْزَلْنَاہُ اِلَیْکَ مُبَارَکٌ لِّیَدَّبَّرُوْا اٰیَاتِہٖ وَلِیَتَذَکَّرَ اُولُوا الْاَلْبَابِ (سورہ ص)	(یہ) ایک کتاب ہے جو اتاری ہم نے تیری طرف برکت کی، تاکہ دھیان کریں لوگ اس کی آیتوں میں اور تاکہ سمجھیں عقل والے۔

لیکن تدبر کی اس عام دعوت کے ساتھ اللہ تعالیٰ اس کی قطعاً اجازت نہیں دیتا کہ اس کے کلام میں کوئی شخص اپنے افکار و نظریات اور خیالات و رجحانات کو شامل کردے، کیونکہ اس آزادی اور چھوٹ کا انجام یہ ہوگا کہ یہ دستورِ الٰہی اور کتاب ہدایت انسانی افکار و مزعومات کا ایک دفتر ہو کر رہ جائیگی اس لئے حق جل مجدہ نے اپنے کلام کی تفسیر و تشریح کے لئے خود اپنے مرسل رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو متعین فرمادیا۔

وَاَنْزَلْنَا اِلَیْكَ الذِّكْرَ لِتُبَیِّنَ لِلنَّاسِ مَا نُزِّلَ اِلَیْهِمْ

اور اتاری ہم نے تجھ پر یہ یادداشت تا کہ تو کھول دے لوگوں کے سامنے وہ چیز جو اتری ان کے واسطے

یعنی اے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) ہمنے آپ کو ایسی کتاب دیکر بھیجا جو تمام کتب سابقہ کا خلاصہ اور انبیاء سابقین کے علوم کی مکمل یادداشت ہے، آپ کا کام یہ ہے کہ تمام دنیا کے لوگوں کے لئے اس کتاب کے مضامین خوب کھول کر بیان فرمائیں اور اس کی مشکلات کی شرح اور مجملات کی تفصیل کردیں، اس سے معلوم ہوا کہ قرآن کا مطلب وہی معتبر ہے جو روایتِ رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) کے موافق ہو (فوائد عثمانی ۳۵۱)

اسی بنا پر رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی رائے سے قرآن حکیم کی تفسیر و تشریح کرنیوالے کو جہنم کی وعید سنائی ہے چنانچہ ترجمان قرآن حضرت عبداللہ ابن عباسؓ نبی پاکؐ کا ارشاد نقل فرماتے ہیں کہ:۔

قال من قال فی القرآن برایہ او بما لا یعلم فلیتبوء مقعدہ من النار (اخرجہ الترمذی والنسائی وابی داؤد وقال ترمذی ہذا حدیث حسن)

جس شخص نے قرآن حکیم میں اپنی رائے سے کوئی بات کہی یا ایسی بات کہی جسکا علم اسے (رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے) نہیں ہے تو اسے جہنم میں اپنا ٹھکانہ بنالینا چاہئے

قرآن و حدیث کی روشنی میں ائمہ مفسرین نے قرآن حکیم کی تفسیر کے لئے کچھ اصول و ضوابط اور معیار مقرر کئے ہیں جو تفسیر اس ضابطے اور معیار کے مطابق ہوگی وہی معتبر اور مقبول ہوگی اور جو اس معیار و اصول سے منحرف اور ہٹ کر ہوگی وہ غیر معتبر اور مردود سمجھی جائے گی، ائمہ تفسیر کے اس ضابطہ کا خلاصہ یہ ہے۔

(۱) آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابۂ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کی تفسیر کے مطابق یا کسی مرفوع حدیث یا اقوال صحابہ سے ماخوذ و مستنبط ہو۔

(۲) سیاق و سباق سے ہم آہنگ ہو یعنی قرآن عظیم کی ان آیات سے مربوط ہو جو اس سے پہلے اور بعد میں ہیں

(۳) قواعد عربیہ اور اہل زبان کے استعمال کے موافق ہو۔

(۴) اصول شریعت اور دین کے ثابت شدہ ان بنیادی امور کے مطابق ہو جن پر ایمان و اعتقاد لازم ہے
(۵) مقاصد قرآن کے ماتحت ہو۔

لیکن قرآن و حدیث اور علماء حق کی ان تمام ترپیش بندیوں کے باوجود ہر عہد اور ہر زمانہ کے علماء سوء اور اہل ہوا قرآن پاک کے تراجم و تفاسیر میں اپنے باطل عقائد اور کاسد نظریات کو ٹھونس کر کتاب مبین کی روشن تعلیمات و ہدایات کو غبار آلود کرنے کی مذموم کوشش اور ناروا جسارت کرتے رہے ہیں، خود ہمارے ملک ہندوستان میں بعض کم فہم مغرب زدوں اور اہل بدعت، دین بیزار کے اردو تراجم اور تفسیریں تحریفات اور باطل تاویلات سے بھری ہوئی ہیں، بالخصوص حکومت برطانیہ کے ساختہ و پرداختہ مرزا غلام احمد قادیانی نے تو قرآن حکیم کی معنوی تحریف میں حد ہی کردی ہے، بطور مثال کے چودہویں کے اس دجال اکبر کی چند تحریفات یہاں نقل کی جارہی ہیں

(۱) وَإِذْ قَتَلْتُمْ نَفْسًا فَادّٰرَءْتُمْ وَاللّٰهُ مُخْرِجٌ مَّا كُنْتُمْ تَكْتُمُوْنَ الآیۃ کے ذیل میں لکھتا ہے

ایسے قصوں میں قرآن شریف کی کسی عبارت سے نہیں نکلتا کہ فی الحقیقت کوئی مردہ زندہ ہوگیا تھا اور واقعی طور پر کسی قالب میں جان پڑگئی تھی بلکہ اس آیت میں غور کرنے سے صرف اس قدر ثابت ہوتا ہے کہ یہودیوں کی ایک جماعت نے خون کرکے چھپادیا تھا اور بعض بعض پر خون کی تہمت لگاتا تھا سو خدائے تعالیٰ نے اصل مجرم کے پکڑنے کے لئے یہ تدبیر سمجھائی کہ ایک گائے کو ذبح کرکے لاش پر نوبت بہ نوبت اس کی بوٹیاں ماریں اصل خونی ہاتھ سے جب لاش پر بوٹی لگے گی تو اس لاش سے ایسی حرکات صادر ہوں گی جس سے خونی پکڑا جائیگا، اصل حقیقت یہ ہے کہ یہ طریق مسمریزم کا ایک شعبہ تھا جس کے بعض خواص میں یہ بھی ہے کہ جمادات یا مردہ حیوانات میں ایک حرکت مشابہ بحرکت حیوانات پیدا ہوکر اس سے بعض مشتبہ اور مجہول امور کا پتہ لگ سکتا ہے (ازالۃ الاوہام ص۷۵۳/۷۴۴)

(۲) اسی طرح یہ کاذب نامراد — اپنے ظہور کی علامتوں کو بیان کرتے ہوئے بعض ان آیات کی جن میں قیامت کی ہونا کیوں کو بیان کیا گیا ہے ان کی معنوی تحریف کرکے کچھ سے کچھ بنادیا ہے چنانچہ لکھتا ہے چھٹا نشان ایک نئی سواری کا نکلنا ہے جو مسیح موعود کی خاص نشانی ہے جیسا کہ قرآن شریف میں لکھا ہے۔ وَإِذَا الْعِشَارُ عُطِّلَتْ۔ یعنی آخری زمانہ وہ ہے جب اونٹنیاں بیکار ہوجائیں گی

چھٹا نشان کتابوں اور نوشتوں کا بکثرت شائع ہونا جیسا کہ آیت۔ وَإِذَا الصُّحُفُ نُشِرَتْ۔ سے معلوم ہوتا ہے کیونکہ بباعث چھاپے کی کلوں کے جس قدر اس زمانے میں کثرت اشاعت کتابوں کی ہوئی ہے اس کی بیان کی ضرورت نہیں۔

ساتواں نشان کثرت سے نہریں جاری کئے جانا جیسا کہ آیت " واذا البحار فجرت "
سے ظاہر ہوتا ہے، پس اس میں کیا شک ہے کہ اس زمانہ میں اس کثرت سے نہریں جاری ہوئی ہیں
کہ جن کی کثرت سے دریا خشک ہوئے جاتے ہیں
نواں نشان زلزلوں کا متواتر آنا اور سخت ہونا ہے جیسا کہ آیت " یوم ترجف الراجفة
تتبعها الرادفة " سے ظاہر ہے غیر معمولی زلزلے دنیا میں آرہے ہیں ۔ (حقیقۃ الوحی ص ۱۹۵)

(۳) ولا تقولوا لمن یقتل فی سبیل اللہ امواتا بل احیاء کے تحت لکھتا ہے کہ
اس سے مراد وہ لوگ ہیں جو سچائی پر مرے ہیں، اور یہ مراد لینا کہ جو کافروں کے مقابلہ میں
لڑائی میں مارے گئے غلط اور حاسدانہ خیال ہے، مراد یہ ہے کہ جیسے سچائی زندہ رہتی ہے اسی طرح
سچے لوگ مرنے کے بعد زندہ رہتے ہیں یعنی وہ نجات پاتے ہیں، ان کو رنج و غم نہیں ہوگا،
چونکہ انگریزوں کے اس خود کاشت نبی نے اپنے آقاؤں کی خوشنودی میں اپنی اختراعی
شریعت سے جہاد کو منسوخ کر دیا تھا اس لئے اسکے لئے ضروری تھا کہ اس آیت میں
تحریف کرے ۔

بغرض اختصار صرف تین مثالوں پر اکتفاء کیا گیا ہے ورنہ مرزا قادیانی کی تصانیف
میں آیات قرآنیہ کی تحریف کی سیکڑوں مثالیں موجود ہیں ۔ ضرورت ہے کہ کوئی صاحب نظر عالم
انھیں جمع کرکے شائع کرادے اور اس مردود تفسیر کے ساتھ ساتھ مقبول تفسیر بھی نقل کر دیجائے
تاکہ اس ضلالت انگیز فتنہ کے گرداب میں پھنسنے سے امت محفوظ رہے اور قرآن حکیم کی واضح اور
روشن ہدایات پر اس امام تلبیس نے اپنے مفتریات اور تحریفات کا جو پردہ ڈالنا چاہا ہے اسکے
تار و پود کالعہن المنفوش ہو کر بکھر جائیں ۔

امام اعظم ابو حنیفہ "تدوینِ حدیث"

کتاب الآثار اور جامع المسانید

از مولانا عبدالقیوم حقانی رفیق مؤتمر المصنفین استاذ دارالعلوم حقانیہ

دیگر بہت سارے کمالات اور محاسن و فضائل کے ساتھ تدوینِ فقہ اسلامی اور اسکی ترتیب و تبویب میں بھی امام اعظم ابو حنیفہ کو مدوّنِ اوّل ہونے کا شرف حاصل ہے۔

علامہ جلال الدین سیوطی رح لکھتے ہیں :-

من مناقب ابی حنیفۃ انہ انفرد بھا انہ اول من دوّن الشریعۃ و رتبہ ابوابا [1]

امام ابو حنیفہ کی ان بزرگیوں میں سے جن میں وہ یگانہ ہیں ایک یہ ہے کہ ابو حنیفہ پہلے شخص ہیں جنہوں نے شریعت کی ترتیب و تدوین اور تبویب کا کام کیا۔

امام اعظم ابو حنیفہ اس شرف میں بقول جلال الدین سیوطی صرف یگانہ ہی نہیں بلکہ ائمہ متبوع کے مقتدا بھی ہیں حتیٰ کہ امام مالک نے بھی اپنی "موطا" میں امام ابو حنیفہ رح کی اقتدا کی ہے۔

ثم تبعہ مالک فی ترتیب الموطا [2]

پھر امام مالک نے "موطا" کی ترتیب میں ابو حنیفہ کی اتباع کی۔

---

[1] [2] تبییض الصحیفہ ص ۳٦

اور یہ ایک ناقابلِ انکار حقیقت ہے جیسا کہ قاضی ابوالعباس نے بھی اخبار ابی حنیفہ میں بسند متصل عبدالعزیز بن محمد دراوردی روایت کی ہے کہ امام مالک، امام اعظم ابوحنیفہ کی کتابوں سے استفادہ کرتے تھے۔

قال کان مالک ینظر فی کتب ابی حنیفۃ و ینتفع بہا[1] — امام مالک، امام ابوحنیفہ کی کتابوں کا مطالعہ کرتے تھے اور ان سے نفع اندوز ہوتے تھے

حدیث میں امام ابوحنیفہ کی تصنیفات

امام اعظم ابوحنیفہ نے کوفہ کی مشہور علمی درسگاہ میں تدریس اور تدوینِ فقہ کے علاوہ فقہ کے ابواب پر مشتمل حدیثوں کا ایک مجموعہ بھی صحیح اور معمول بہ روایات سے انتخاب کرکے مرتب کیا پھر اسے اپنے تلامذہ کے سامنے درس کی صورت میں پیش فرمایا۔ متقدمین میں لائق تلامذہ اپنے شیوخ کی جن تعلیمات کو دورانِ سبق زیرتحریر لے آتے تھے وہ تصانیف ان کے شیوخ ہی کی طرف منسوب ہوتی تھیں۔ جیسے ابن دقیق العید کی "احکام الاحکام" جس کو ان کے لائق شاگرد قاضی اسمٰعیل نے تحریر کیا ہے۔ امام اعظم ابوحنیفہ نے بھی اپنے لائق تلامذہ قاضی ابویوسف، محمد بن حسن شیبانی، زفر بن ہذیل اور حسن بن زیاد وغیرہ کے سامنے دورانِ درس جو احادیث بیان فرمائیں انھیں آپکے تلامذہ حدثنا اور اخبرنا کے صیغوں کے ساتھ قید تحریر میں لائے۔ آپ کے ان درسی افادات[2] کا نام "کتاب الآثار" ہے جو دوسری صدی کے ربع ثانی کی تالیف ہے

---

[1] مناقب ذہبی صلا [2] صدر اول میں تمام علوم اور رجہاتِ فنون عربیہ کی تدریس و افادہ کا یہی طریقہ تھا۔ مشائخ و اساتذہ درس و املاء اور تقریر کرتے اور تلامذہ اپنے حفظ و یادداشت کے لئے اساتذہ کے امالی یا ان کا خلاصہ لکھ لیا کرتے تھے۔ اور پھر یہ طریقہ بتدریج ترقی کرتا رہا حتیٰ کہ خود اساتذہ اور علماء فن اپنی مرویات کو بطور تصنیف مرتب کرنے لگے حدیث میں یہ طریقہ تمام علوم سے زیادہ مقبول ہوا اور تحمل روایت کی مشہور اور اعلیٰ قسم

بقیہ صد ۹ پر

امام اعظم ابوحنیفہ سے پہلے حدیث نبوی کے جتنے مجموعے اور صحیفے تھے ان کی ترتیب فقہی نہیں تھی۔ کتاب الآثار اس دور کی پہلی تصنیف ہے جس میں بعد کے آنے والے محدثین کے لئے ترتیب وتبویب کی شاہراہ قائم کردی گئی۔

کتاب الآثار

حدیث کی دوسری کتابوں کی طرح کتاب الآثار کے راویوں کے متعدد ہونے کی وجہ سے اس کے نسخے بھی متعدد ہوگئے ہیں چنانچہ امام اعظم ابوحنیفہ سے کتاب الآثار کی روایت کرنے والے تلامذہ کی تعداد تو زیادہ ہے لیکن ان میں شہرت درج ذیل چار نسخوں کو حاصل ہوئی۔

(۱) کتاب الآثار بروایت امام محمد (۲) کتاب الآثار بروایت امام ابویوسف (۳) کتاب الآثار بروایت امام زفر (۴) کتاب الآثار بروایت امام حسن بن زیاد

پھر ان چار نسخوں میں بھی سب سے زیادہ شہرت وقبولیت امام محمد کے روایت کردہ

(بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ) قرار پایا۔ حافظ زین الدین عراقی فرماتے ہیں۔ «سواء احدث من کتابہ او من حفظہ او باملاء او بغیر املاء وھو ارفع الاقسام» (تنقیح الانظار ج ۱ ص ...) علامہ محی الدین عبدالحمید نے اس طریقہ کو تالیف وتصنیف اور تدریس میں سب سے اعلیٰ قرار دیا ہے۔ فرماتے ہیں:- «حدیث حاصل کرنے کے طریقوں میں سب سے اونچا ترقی یافتہ اور عمدہ طریقہ یہ ہے کہ راوی شیخ کے الفاظ سے خواہ شیخ کسی دستاویز سے املا کررہا ہو یا زبانی یاد داشت سے املا کرارہا ہو تحریر میں لائے یہ سب سے اونچا ہے» (تعلیقات علی التوضیح ج ۲ ص ...)

حافظ ابن صلاح فرماتے ہیں «ھذا القسم ارفع الاقسام عند الجماھیر» حافظ ابن صلاح کی کتاب ... اس قسم کے اعلیٰ وارفع ... امام ابوحنیفہ کا ... پر ... سے متعلق ہوا۔ جس کو بعد میں آپ کے تلامذہ نے بھی اختیار فرمایا۔

نسخہ کو ملی۔ حافظ ابن حجر عسقلانی تحریر فرماتے ہیں :۔

والموجود من حدیث ابی حنیفۃ مفرداً انما هو کتاب الآثار التی رواها محمد بن الحسن عنہ[1]	اس وقت امام اعظم کی احادیث میں سے "کتاب الآثار" موجود ہے جسے محمد بن حسن نے روایت کیا ہے۔

حافظ ابن حجر عسقلانی نے کتاب الآثار کے رواۃ کے حالات پر دو کتابیں لکھی ہیں، پہلی تصنیف مستقلاً کتابُ الآثار کے رجال سے متعلق ہے جس کا نام "الایثار بمعرفۃ رواۃ الآثار" ہے۔ دوسری تصنیف کا نام "تعجیل المنفعۃ بزوائد رجال الاربعۃ" ہے۔ اس میں حافظ ابن حجر نے ان راویوں کے حالات لکھے ہیں جن سے ائمہ اربعہ نے اپنی اپنی تصانیف میں حدیثیں نقل کی ہیں اور صحاح میں ان راویوں کے حوالے سے کوئی حدیث منقول نہیں ہے۔ حافظ سخاوی نے کتاب الآثار کے رجال پر ایک دوسری مستقل کتاب کی نشاندہی بھی کی ہے۔ لکھتے ہیں :۔

وللذین قاسم الحنفی رجال کل من الطحاوی والموطا لمحمد بن الحسن والآثار ومسند ابی حنیفۃ لابن المقری[2]

ابوزہرہ مصری کی رائے

چلپی نے کشف الظنون میں کتاب الآثار پر حافظ ابوجعفر طحاوی کی شرح کا بھی ذکر کیا ہے۔ مشہور محقق ابوزہرہ مصری نے کتابُ الآثار کے متعلق لکھا ہے کہ :۔

"یہ کتاب علمی طور پر تین درجہ سے قیمتی ہے۔ اولاً یہ کہ امام اعظم ابوحنیفہ کے مرویات کا ذخیرہ ہے اور اس کے ذریعے سے ہمیں معلوم ہوتا ہے کہ امام موصوف نے استخراج مسائل میں احادیث کو کیسے دلائل کے طور پر استعمال کیا ہے۔ دوم یہ کہ کتاب ہمیں بتاتی ہے کہ امام موصوف کے یہاں مواقع استدلال میں فتاوی صحابہ اور احادیث مرسلہ کا

---

[1] تعجیل المنفعۃ برجال الائمۃ الاربعۃ ص۳۔ [2] یہ کتاب اب حیدرآباد سے چھپ چکی ہے اور دستیاب ہے۔ [3] الاعلان بالتوبیخ ص۱۱۱

کیا مقام تھا۔ سوم یہ کہ اس کتاب کے ذریعہ تابعین فقہائے کوفہ کے خصوصاً اور فقہائے عراق کے عموماً فتاویٰ تک ہماری رسائی ہوجاتی ہے۔[1]"

کتاب الآثار کا انتخاب

امام اعظم ابوحنیفہ کا زمانہ صحابہ اور کبار تابعین کا زمانہ ہے۔ حدیث کے طرق اور سندوں میں ابھی تک پھیلاؤ اور وسعت نہیں آئی تھی جو امام بخاری اور امام مسلم کے زمانے میں آگئی تھی اور ایک ایک حدیث کے لئے ہزاروں طرق رونما ہوچکے تھے مگر اس کے باوجود بھی امام ابوحنیفہ نے چالیس ہزار احادیث سے کتاب الآثار کا انتخاب کیا ہے۔ چنانچہ امام ابوبکر فرماتے ہیں:۔

انتخب ابوحنیفۃ الآثار من اربعین الف حدیث[2]	امام ابوحنیفہ نے کتاب الآثار کو چالیس ہزار احادیث سے منتخب کیا ہے۔

مشہور شارح حدیث ملا علی قاری لکھتے ہیں:۔ ان الامام ذکر فی تصانیفہ نیفاً و سبعین الف حدیث[3]۔ یحییٰ بن نصر فرماتے ہیں:۔

"میں امام ابوحنیفہ کے یہاں ایسے مکان میں داخل ہوا جو کتابوں سے اٹا ہوا تھا۔ میں نے دریافت کیا کہ یہ کیا ہے؟ فرمایا کہ یہ سب احادیث ہیں اور میں نے ان میں سے تھوڑی حدیثیں بیان کی ہیں[4]"

کتاب الآثار اور ابن مبارک کے مدحیہ اشعار

جلیل القدر محدث اور امام بخاری کے شیخ امام عبداللہ ابن مبارک نے امام اعظم ابوحنیفہ کی شان میں مدحیہ اشعار کہے ہیں اور ان کی کتاب الآثار کی جلالت شان کا تذکرہ بھی کیا ہے ؎

روی آثاراً فاجاب فیہا ۔۔۔ کطیران الصقور من المنیفۃ

---

[1] ابوحنیفہ صفحہ ۸۷ [2] مناقب الموفق ج ۱ ص ۹۵ [3] مناقب ملا علی قاری بذیل الجواہر ج ۲ [4] عقود الجواہر ۱ المنیفہ۔

فلم یث بالعراق لہ نظیر ۔۔ ولا بالمشارقین ولا بکوفۃ[1]

ترجمہ:۔ انھوں نے آثار کو روایت کیا تو اتنی تیزی سے چلے جیسے بلندی سے شکاری پرندے اڑتے ہوں۔ نہ تو عراق میں انکی نظیر تھی اور نہ کوفہ میں اور نہ مشرق و مغرب میں۔

کتب ابو حنیفہ کا مطالعہ اور ضرورت و اہمیت

امت مرحومہ کے سواد اعظم کا ادلین مذہبی علمی سرمایہ امام ابو حنیفہ کی کتاب الآثار وغیرہ ہے جسے امت میں تلقی بالقبول کا شرف حاصل رہا ہے۔ امام شافعیؒ فرماتے ہیں:۔

من لم ینظر فی کتب ابی حنیفۃ لم یتبحر فی الفقہ[2]

جو امام ابو حنیفہ کی کتابوں سے بے نیاز رہے گا اسے علم میں تبحر حاصل نہ ہوگا۔

شیخ الاسلام یزید بن ہارون نے ایک مرتبہ ایک استفسار کے جواب میں فرمایا:۔

انظروا فیھا ان کنتم تریدون ان تفقھوا فانی ما رأیت احدا من الفقھاء یکرہ النظر فی قولہ[3]

اگر تم فقیہ بننا چاہتے ہو تو امام اعظم کی کتابوں کا مطالعہ کرو۔ میں نے کسی بھی فقیہ کو ان سے بے نیاز نہیں دیکھا۔

ایک بار امام محمد بن احمد شرطی نے امام طحاوی سے دریافت کیا کہ آپ نے اپنے ماموں (امام مزنی، جو امام شافعی کے بڑے تلامذہ سے ہیں) کے خلاف ابو حنیفہ رہ کا مذہب کیوں اختیار کیا؟ تو امام طحاوی نے فرمایا:۔

"میں نے اپنے ماموں (امام مزنی) کو دیکھا کہ وہ ہمیشہ امام ابو حنیفہ رہ کی کتابوں کا مطالعہ کیا کرتے ہیں لہذا میں نے بھی انکے مذہب کو اختیار کر لیا"[4]

کتاب الآثار کے شروح، تعلیقات اور مختصرات

حدیث کی دوسری کتابوں کی طرح

---

[1] المناقب ج ۲ صفحہ ۱۹ [2] مناقب [3] تاریخ بغداد ج ۱۳ ص ۳۴۲ [4] وفیات الاعیان۔

کتاب الآثار کے ساتھ بھی محدثین نے بطور خاص اعتناء کیا ہے اور اسکی احادیث میں مزید اضافہ کرنے کے لئے مختلف انداز سے اس پر کام کیا ہے۔ چنانچہ ابو حنیفہ رہ کا ہر استاد کی مرویات کو یکجا کر کے اس کو مسند ابی حنیفہ کے نام سے موسوم کیا گیا ہے۔ مسند ہند حضرت شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی لکھتے ہیں :-

پس نسبت ایں مسند بحضرت امام اعظم ازیں باب است کہ مثلاً "مسند ابی بکر را از مسند احمد بحضرت ابی بکر نمائیم"[1]

اس مسند کو حضرت امام اعظم کی طرف نسبت کرنا ایسا ہی ہے جیسا کہ ہم مسند ابوبکر کو جو حضرت امام احمد کی مرتب کردہ ہے حضرت ابوبکر کی طرف نسبت کریں۔

ابوزہرہ نے امام ابوحنیفہ کے مسانید کی تعداد بالتفصیل ۱۵ بتائی ہے۔

مشہور عارف علامہ عبدالوہاب شعرانی نے مسانید امام اعظم کے مطالعہ کے بعد ارشاد فرمایا کہ :-

کل حدیث وجدناہ فی مسانید الامام الثلاثۃ فھو صحیح[2]

امام اعظم ابو حنیفہ کے مسانید ثلاثہ کی ہر حدیث ہمارے نزدیک صحیح ہے۔

مسانید امام اعظم پر مختلف حضرات نے کام کیا۔ علامہ صدرالدین موسیٰ (متوفی ۶۵۰ھ) نے ترتیب شیوخ اور علامہ سندی نے انہیں سنن اور ابواب کے طور پر مرتب کیا۔

مسانید امام اعظم کے شروح میں حافظ زین الدین قاسم کی ضخیم شرح، حافظ جلال الدین السیوطی کی شرح «التعلیقۃ المنیفۃ علی مسند ابی حنیفہ»، شرح ملا علی قاری اور تنسیق النظام از محمد حسن اسرائیلی سنبھلی (متوفی ۱۳۰۵ھ) زیادہ مشہور ہیں۔

جامع المسانید امام ابوالمؤید محمد بن محمود خوارزمی (متوفی ۶۶۵ھ) نے تمام متفرق مسانید کو جامع المسانید کے نام سے یکجا کر کے

---

[1] بستان المحدثین ص ۴۲ [2] المیزان الکبریٰ ج ۱ ص ۶۸

طبقۂ حنفیہ پر بہت بڑا احسان کیا ہے۔ خوارزمی نے جامع المسانید کو فقہی ابواب پر مرتب کیا ہے۔ اپنی کتاب کے مقدمہ میں تحریر فرماتے ہیں :-

"میں نے شام میں بعض جاہلوں سے امام ابوحنیفہ کی حدیثوں کے مقدار کے بارے میں ایسی حقیر مقدار کا ذکر سنا جس سے امام ابوحنیفہ کی تحقیر و تنقیص ہوتی تھی اور اسی بنا پر وہ امام صاحب کی طرف قلتِ حدیث کو منسوب کرتے تھے اور اس قلتِ حدیث کی دلیل میں وہ مسند شافعی اور موطا مالک کو پیش کرتے تھے اور دعویٰ کرتے تھے کہ امام ابوحنیفہ کی کوئی ایسی مسند یا حدیث کی کتاب نہیں ہے وہ تو صرف چند حدیثیں ہی روایت کرتے تھے اس پر دینی غیرت و حمیت دامنگیر ہوئی تو میں نے فیصلہ کر لیا کہ بڑے بڑے علماء حدیث نے امام ابوحنیفہ کی لکھائی ہوئی احادیث کو جو متفرق طور پر پندرہ مسندوں میں جمع کیا ہے انھیں ایک کتاب میں جمع کر دوں[1]"

ان جلیل القدر محدثین کے علاوہ امام شرف الدین اسماعیل بن عیسیٰ المکی، ابوالبقاء سید مرتضیٰ زبیدی وغیرہم نے جامع المسانید کا اختصار مختلف ناموں سے کر کے مرویات ابی حنیفہ کی عظیم الشان خدمت انجام دی ہے۔ بہرحال ماننے والوں نے تو مانا اور خوب مانا، نہ ماننے والوں کے لئے آج بھی چیلنج ہے اور انشاء اللہ جب بھی میدانِ تحقیق میں قدم رکھا جائے گا تو امام صاحب کی صرف املائی کتابوں میں ستر ہزار سے زیادہ حدیثیں موتیوں کی طرح بکھری نظر آئیں گی۔

علی بن جعد جوہری (جو حدیث کے بہت بڑے حافظ، امام بخاری اور امام ابوداؤد کے استاد ہیں) سے نقل کیا گیا ہے۔

قال علی بن جعد ابوحنیفہ اذا جاء بالحدیث جاء بہ مثل الدر[2]	ابوحنیفہ جب بھی حدیث پیش کرتے ہیں تو وہ ایک آبدار موتی کی طرح ہوتی ہے۔

---

[1] السنۃ ومکانتہا فی التشریع الاسلامی۔ [2] جامع المسانید ج ۲ ص۴۰۶۔

ایک اشکال اور اس کا حل

امام اعظم ابو حنیفہ اپنے معاصر محدثین اور تلامذہ حدیث میں حاکم[1] مانے جاتے تھے۔ مگر بظاہر یہ اشکال وارد ہوتا ہے اور نہ جاننے والوں کو فریب دینے کے لئے عموماً وارد کیا جاتا ہے کہ امام بخاری نے تو اپنی صحیح کا انتخاب چھ لاکھ احادیث سے کیا ہے جبکہ امام ابو حنیفہؒ نے صرف ستر ہزار احادیث سے چالیس ہزار احادیث کا انتخاب کر کے "کتاب الآثار" لکھی ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ امام صاحب حدیث میں قلیل بضاعہ ہیں اور حدیث کے ایک کثیر حصہ تک ان کی رسائی نہیں ہو سکی۔ معترضین کا یہی سب سے بڑا ہتھیار ہے جس سے امام ابو حنیفہ کی شخصیت کو مجروح کرنے کی ناکام کوشش کی جاتی ہے۔ ایسا اشکال اور اعتراض وہی لوگ کر سکتے ہیں جنہیں علم حدیث سے دور کا واسطہ بھی نہ ہو۔ علم حدیث کا مبتدی طالب علم بھی جانتا ہے کہ احادیث کی قلت اور کثرت درحقیقت طرق اور اسانید کی قلت اور کثرت سے عبارت ہے محدثین کی اصطلاح میں سند اور سند کے کسی راوی کے بدلنے سے حدیث کی گنتی اور تعداد بدل جاتی ہے جبکہ نفس حدیث کی تعداد چار ہزار چار سو سے زائد نہیں ہے۔

احادیث صحیحہ کی تعداد

امام ابو جعفر محمد بن الحسین البغدادی نے کتاب التمیز میں امام سفیان ثوری، امام شعبہ، امام یحییٰ، امام عبدالرحمٰن بن مہدی اور امام احمد بن حنبل کا متفقہ فیصلہ نقل کیا ہے۔

ان جملۃ الاحادیث المسندۃ عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم یعنی الصحیحۃ بلا تکرار اربعۃ الاف واربع مائۃ[2]	بلاشبہ وہ تمام مسند احادیث صحیحہ جو بلا تکرار حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے مروی ہیں انکی تعداد چار ہزار چار سو ہے۔

چنانچہ ارباب صحاح نے بھی مذکورہ تعداد کے قریب قریب اپنی کتابوں میں احادیث

---

[1] حاکم "فن حدیث" کی اصطلاح میں وہ شخص کہلاتا ہے جس کی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی جملہ احادیث پر متناً وسنداً دسترس ہو۔ [2] توضیح الافکار ص۹۳۔

کی تخریج کی ہے۔ چنانچہ حافظ عراقی نے صحیح بخاری کے مکررات نکال کر احادیث کی تعداد چار ہزار بتائی ہے[1] امام نووی نے بھی صحیح مسلم کی روایات کی تعداد بتاتے ہوئے لکھا ہے کہ
ومسلم باسقاط المکرر نحو اربعۃ الاف۔[2]
امام زرکشی نے سنن ابی داؤد کی احادیث کی تعداد چار ہزار آٹھ سو گنوائی ہے۔[3]
ابن ماجہ کے متعلق بھی علامہ ابوالحسن بن قطان فرماتے ہیں عدتہ اربعۃ الاف حدیث۔[4]
اسی پر دوسری کتب حدیث کو قیاس کیا جا سکتا ہے۔
امام ابوحنیفہ کا سن ولادت ۸۰ھ اور امام بخاری کا سن ولادت ۱۹۴ھ ہے۔
دونوں کے درمیان ۱۱۴ سال کا طویل وقفہ ہے۔ اس عرصہ میں ایک حدیث کو سیکڑوں بلکہ ہزاروں اشخاص نے روایت کیا ہوگا۔ اس لئے دونوں کے درمیان چھ لاکھ اور ستر ہزار کا جو فرق ہے وہ دراصل اسانید کی تعداد کا فرق ہے۔ اصل جہت کا نہیں۔

---

[1] تنقیح الانظار ج ۱ ص ۵۸۔ [2] التقریب ص ۱۵۔ [3] توضیح الافکار ص ۲۱۔ [4] توضیح الافکار ج ۱ ص ۶۲۔

حدیث عہد رسول میں
اخذ حدیث میں صحابہ کرام کی احتیاط

مولانا محمد حنیف ملی

صحابہ کا بعض حدیثوں کے لئے دوراوی کا مطالبہ قبول حدیث کے لئے بطور شرط ضروری نہیں تھا بلکہ انھوں نے ایک ہی راوی کی بے شمار حدیثیں قبول بھی کی ہیں اور اسے معمول بہا بھی بنایا ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ دوراوی کا اصرار انکی طرف سے غایت احتیاط، تحقیق اور بیداری کے لئے تھا نہ اسلئے کہ روایت دوراویوں کے بعد ہی صحیح ہوگی ایسی حدیثیں جنھیں خلفاء راشدین اور دیگر صحابہ نے ایک راوی سے لی ہیں ان کی مجموعی تعداد ان روایتوں سے کہیں زیادہ ہے جسمیں صحابہ نے دوراوی طلب کیا ہے۔ ہم آپکی خدمت میں چند روایات بطور مثال پیش کر رہے ہیں۔

۱۔ حضرت سعید بن مسیب رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ فرمایا کرتے تھے کہ دیت عاقلہ پر ہوگی اور عورت اپنے مقتول شوہر کی دیت میں وارث نہ ہوگی لیکن جب حضرت ضحاک بن سفیان نے یہ حدیث بتائی کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اشیم ضبابی کی بیوی کو ان کے شوہر کی دیت میں وارث قرار دیا ہے تو فاروق اعظم نے اپنے قول سے رجوع فرمالیا۔

۲۔ حضرت طاؤس سے منقول ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ اس آدمی پر قسم ہے۔ جس نے جنین کے بارے میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے کچھ سنا ہے اتنے میں حضرت حمل بن مالک ابن نابغہ کھڑے ہوئے اور عرض کیا امیر المومنین میری دو باندیوں کا معاملہ تھا ایک نے دوسری

کو خیمہ کی چوب (لکڑی) سے مار دیا جس سے اس کا جنین ساقط ہو گیا۔ اس پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ دیت میں ایک غلام دا جب الادا رہے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے یہ سُنکر فرمایا کہ میں اگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا فیصلہ نہ سنتا تو کچھ اور فیصلہ کرتا۔

۳ ۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضرت عمرؓ نے شام کا سفر کیا جب مقام سَرغ پہونچے تو اسلامی لشکر یعنی حضرت عبیدہ بن جراح اور ان کے ساتھیوں سے ملاقات ہو گئی انھوں نے بتایا امیر المومنین شام میں وبا پھیلی ہوئی ہے، مہاجرین، انصار اور قریش کے بزرگوں نے آپس میں مشورہ کیا ہے کہ ایسی حالت میں کیا کیا جائے۔ انکی رائے مختلف ہو گئی اتنے میں حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ جو اپنی کسی ضرورت سے غائب تھے آگئے اور فرمایا لوگو! یہ اختلاف کیا؟ میرے پاس اس مسئلہ کا حل اور علم ہے میں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ پاک ارشاد سنا ہے اذا سمعتم بہ بارض فلا تقدموا علیہ وا ذا وقع بارض وانتم بھا فلا تخرجوا فرارًا منہ ۔ جب تم کسی علاقے میں وبا پھیل جانے کی اطلاع پاؤ تو وہاں مت جاؤ اور پھر وبا اس جگہ آجائے جہاں تم ہو تو نکل کر مت بھاگو۔ یہ سُنکر حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے تمام ساتھیوں کو حضرت عبدالرحمٰن بن عوفؓ کی اس خبر پر رجوع فرمالیا۔

۴ ۔ حضرت علی ابن زین العابدین ناقل ہیں کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے مجوسیوں کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا کہ سمجھ میں نہیں آتا کہ آخر ان کے ساتھ کیا سلوک کیا جائے۔ حضرت عبدالرحمٰن بن عوف نے عرض کیا امیر المومنین قسم بخدا میں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد گرامی سُنا ہے۔ " سنوا بھم سنۃ اھل الکتاب " ان کے ساتھ اہل کتاب کا سا سلوک کرو۔

۵ ۔ حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے شرعی موزوں پر مسح کے سلسلہ میں حضرت سعد بن ابی وقاص کی خبر کو قبول فرمالیا اور اپنے صاحبزادے ابن عمر کو حکم دیا کہ اس پر نکیر نہ کریں اور فرمایا صاحبزادے! حضرت سعد کوئی بھی حدیث تم سے نقل کریں تو اسے مت ردکو، اس لئے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی موزوں پر مسح فرمایا ہے۔ بعض روایتوں میں

ہیکہ حضرت سعد تم سے کوئی حدیث بیان کریں تو پھر دوسروں سے مت پوچھو. آپکا یہ ارشاد خبر واحد کے قابل قبول ہونے کی واضح دلیل ہے حتیٰ کہ فاروق اعظم نے اپنے صاحبزادے کو بھی حضرت سعد کی حدیث پر دوسروں سے پوچھنے کی بھی ممانعت فرمادی. اگر حضرت عمرؓ کے یہاں کسی روایت کے لئے دو راوی کا ہونا شرط ہوتا تو وہ صاحبزادے کو حکم دیتے کہ حضرت سعد سے ایک راوی اور دریافت کرلو اور دوسروں سے دریافت کرنے کی ممانعت بھی نہیں کرتے۔

۶ - حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ایک پاگل عورت کو رجم کرنا چاہا لیکن جب معلوم ہوگیا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے "رفع القلم عن ثلاث عن النائم حتیٰ یستیقظ وعن المجنون حتیٰ افاق وعن الصبی حتیٰ ابلغ" ،تین شخص مرفوع القلم ہیں. سونے والا بیدار ہونے تک، دیوانہ ہوش میں آنے تک، بچہ بالغ ہونے تک" تو اب رجم نہ کرنے کا حکم دیا. امیرالمومنین نے حاطب کی باندی کو بھی رجم کرنا چاہا لیکن جب حضرت عثمان نے بتادیا کہ ناداں پر حد جاری نہیں ہوتی تو اس کو سنگسار کرنے سے باز آ گئے۔

۷ - حضرت عمر رضی اللہ عنہ انگلیوں کی دیت میں تفاوت حکم کے قائل تھے لیکن جب تمام انگلیوں کے نقصان پر یکساں دیت کا حکم آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد مبارک سے معلوم ہوگیا تو اپنے قول سے رجوع فرمالیا اور مساوات پر عمل پیرا رہے.

۸ - آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں اپنے پڑوسی حضرت عتبان انصاری کے ساتھ باری باری پہونچنے کا واقعہ تو بہت مشہور ہے. اس واقعہ میں حضرت عمر فرماتے ہیں کہ کبھی میں آپ کی خدمت میں حاضر ہوتا اور کبھی میرے پڑوسی. جب میں آپکے پاس ہوتا تو اس دن کی ساری حدیثیں اور خبریں پڑوسی کو آکر بتادیتا اور جب وہ آپکے یہاں پہونچتے تو اس دن کی تمام حدیثیں اور خبر مجھے بتادیتے. یہ واقعہ تو حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کی طرف سے اس حقیقت کے لئے کھلا اعتراف ہے کہ پڑوسی یا کسی اور کی خبر واحد قبول کرلینے میں کوئی مضائقہ اور قباحت نہیں ہے.

غرض ان تمام مثالوں سے معلوم ہوا کہ حضرت عمرؓ نے قبولیت حدیث کیلئے دو راوی کی شرط نہیں لگائی اور ابوموسیٰ اشعری کے ساتھ جو سلوک کیا اس کی وجہ انھوں نے خود بیان فرمادیا ہے کہ ان کا یہ اقدام بربنائے احتیاط تھا اس لئے ہرگز نہیں تھا کہ دو سے کم راوی ہوں تو روایت نہ لی جائے اور جن روایتوں میں دو راوی کی قید ہے اس کی توجیہ بھی یہی کی جائے گی۔

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کا موقف اور ان کا احتیاط بھی صرف اسی لئے تھا کہ ہر روایت راوی کی زبانی یاد ہو جائے۔ علاوہ ازیں انہوں نے کسی روایت میں دو راوی کی قید نہیں لگائی ہے بجز اس حادثہ کے جسے امام ذہبیؒ نے نقل کیا ہے۔ لیکن ابن حزم نے اس پر جرح کرتے ہوئے اس روایت کو منقطع بتایا ہے جسے حضرت ابوبکر کے موقف کے لئے حدیث کے باب میں صحیح تر معیار نہیں بنایا جا سکتا اس لئے کہ خود ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے بھی بہت سی خبر واحد قبول کیا ہے۔ ہم نے پچھلے اوراق میں صدیق اکبر کا طریقہ کار اور ان کے موقف کو بتایا ہے لیکن یہ کہیں نہیں ملتا کہ انھوں نے روایت کرنے والوں سے شہادت بھی طلب کی ہے۔ چنانچہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی روایت جس میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے کفن کا ذکر ہے ابوبکرؓ نے بلا شرط لے لیا ہے۔

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے بھی کسی روایت کے لئے دو راوی کا مطالبہ نہیں فرمایا ہے اور گذشتہ روایت میں وضو کے بعد تمام حاضرین سے شہادت حاصل کرنے کا جو ثبوت ملتا ہے یہ تو صرف پوری تاکید کے ساتھ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے وضو کی کیفیت بتانے کے لئے تھا۔ اور سب سے بڑی بات یہ ہے کہ خود حضرت عثمان سے خبر واحد پر عمل کرنے کا ثبوت ملتا ہے۔ چنانچہ حضرت ابوسعید خدری کی بہن فریعہ بنت مالک سے حضرت عثمانؓ نے ان کے شوہر کی عدت وفات دریافت کیا اور ان کی خبر پر فیصلہ کیا۔ اسی طرح حضرت علیؓ کے بارے میں جو مذکور ہے کہ روایت کرنے سے پہلے وہ راوی سے قسم لیتے تھے یہ بھی ان کی کوئی مقررہ عادت یا معمول نہیں تھا بلکہ وہ بھی بہت سی روایتیں بغیر قسم لئے راوی سے لیتے تھے خود حضرت علیؓ نے

ابوبکر صدیق رضی کی تمام روایات اسی طرح لیا ہے غور کیا جائے تو حضرت ابوبکر اور حضرت علی رضی اللہ عنہما کے موقف میں کوئی خاص فرق نہیں ہے۔ حضرت علی نے خود مذی کا حکم جاننے کیلئے مقداد بن اسود کی روایت پر حلفیہ بیان لئے بغیر اعتماد اور عمل کیا۔ بہر حال یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ خلفاء اربعہ کے یہاں اخذ حدیث اور قبولیت کے لئے کوئی خاص شرط نہیں تھی اور جن روایتوں سے شبہ ہوتا ہے وہ زبانی یاد کرلینے کے ساتھ تحقیق واحتیاط کی ایک مناسب اور معقول تدبیر تھی مزید یہ کہ ان خلفاء نے عام طور پر دوسرے صحابہ سے بلا کسی شرط کے حدیثیں سنی بھی ہیں اور نقل بھی کی ہیں۔

بعد کے دور میں تابعین اور تبع تابعین نے بھی حدیث حاصل کرنے میں کسی طرح صحابہ سے کم احتیاط اور اہتمام نہیں کیا ہے۔ وہ اپنے دلوں کی تسکین کے لئے تحقیق وجستجو کے ساتھ احتیاط کی ہر تدبیر کر لیا کرتے تھے۔ بلاشبہ راویانِ اسلام کی تاریخ کا جس نے بھی مطالعہ کیا اور حدیث حاصل کرنے والوں کی کیفیتوں کا جائزہ لیا ہے اسے تابعین کی بے مثال کاوشوں کا پورا علم ہے۔ انہی کوششوں کا نتیجہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث محفوظ شکل میں بعد میں آنے والوں تک پہونچی ان کے بھی چند نقوش و آثار قدرے تفصیل سے ہم آپ کی خدمت میں پیش کر رہے ہیں۔

حضرت مسعر بن کدام رحمۃ اللہ علیہ سے دریافت کیا گیا آپ کو اکثر شک کیوں ہوتا ہے فرمایا شک یقین کے لئے معین ہے یعنی شک جائیگا تو یقین آئیگا مصر کے مشہور محدث حضرت یزید بن ابی حبیب فرماتے ہیں کہ جب تم حدیث سنو تو ہر پہلو سے خوب اچھی طرح غور کرلو جیسے تم گمشدہ چیز کو تلاش کرتے ہو۔ اگر شناخت ہو جائے تو لے لو ورنہ چھوڑ دو۔ اسی طرح تابعین اور تبع تابعین کے یہاں حدیث لینے کے لئے کوئی مخصوص شرط نہیں تھی اور نہ کسی تابعی سے یہ منقول ہے کہ اس نے کسی روایت کو قبول کرنے کیلئے دو یا دو سے زیادہ کی شرط لگائی ہو بلکہ وہ عدالت کے ساتھ حدیث لینے اور ادا کرنے کی شرط پاتے تو بصد شوق حدیث لے لیا کرتے تھے۔ اور کسی راوی کا عادل ہونا مشتبہ ہو تو اس سے روایت کرنا اور لینا دونوں ترک

کر دیتے تھے با ایں ہمہ وہ روایت لیتے وقت اپنے دل کو مطمئن بھی کر لیتے تھے اس لئے کہ صحابہؓ کی نصیحتیں انکے دلوں میں محفوظ ہیں جو انھیں یاد دلاتی ہیں کہ "ان ھٰذا الحدیث دین فانظروا عمن تاخذون دینکم" دیکھو حدیث کا پورا ذخیرہ دین ہے اس لئے خوب اچھی طرح غور کرلو کہ تم اپنا دین کیسے لوگوں سے حاصل کر رہے ہو۔

صحابہ اور تابعین سیم و زر اور سونے چاندی کی امانت کو امانتِ حدیث سے بہت زیادہ آسان سمجھتے تھے۔ حضرت سلیمان بن موسیٰ فرماتے ہیں کہ انکی ملاقات حضرت طاؤس سے ہوئی اور عرض کرنے لگے کہ ایک شخص نے مجھ سے ایسی ایسی حدیث نقل کی ہے حضرت طاؤسؒ نے فرمایا اگر وہ علم سے معمور ہیں تو ان سے حدیث لے لو۔ حضرت ابن عون فرماتے ہیں کہ "لا یوخذ ھٰذا العلم الا ممن شہد لہ بالطلب" علم حدیث ایسے لوگوں سے حاصل کرو جن کے شوق اور طلب کی دنیا نے گواہی دی ہے۔ حضرت شعبہ بحوالہ ابن عمر، عبد اللہ بن دینار سے کوئی حدیث غلام کی میراث اور اس کے ہبہ سے متعلق سنتے تو قسم بھی لیتے کیا تم نے اس حدیث کو ابن عمر سے سنا ہے۔ حضرت حکم سعید بن مسیب کی سند سے یہودی، نصرانی، مجوسی کی دیت بیان کرتے تو شعبہ ان سے دریافت کرتے کیا تم نے سعید بن مسیب سے سنا ہے۔ اس پر حکم فرماتے کہ تم چاہو تو حضرت ثابت حداد سے سن لو۔ حضرت شعبہ فرماتے ہیں کہ میں ایک روز حضرت ثابت رحمۃ اللہ علیہ کے پاس آیا تو انھوں نے مجھے اسی سند کے ساتھ حدیث سنادی۔ حقیقت یہ ہے کہ ہم یہ نہیں کہہ سکتے کہ حضرت شعبہ رحمۃ اللہ علیہ نے کوئی بھی حدیث بغیر قسم کے یا دوسری روایت پر اعتماد کے بغیر قبول کیا ہو، بلکہ یہ سارا اہتمام، غایت احتیاط، غور و خوض، اعتماد اور تاکید صرف اس لالچ سے تھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی کوئی بھی حدیث محفوظ رہ سکے۔

مطالعات و تعلیقات

مولانا قاضی اطہر مبارکپوری

جامع قیروان

قیروان تونس کا مشہور تاریخی اسلامی شہر ہے جو قدیم کارتھیج کے قریب آباد کیا گیا تھا۔ یہاں کی مشہور عالیشان مسجد جس کی بنیاد فاتح افریقہ حضرت عقبہ بن نافع رضی اللہ عنہ نے رکھی تھی، اس کی تعمیر اغلبی دور سلطنت میں شروع ہوئی اور سلطان ابراہیم ثانی (۲۶۱ھ تا ۲۸۹ھ) کے عہد میں تکمیل کو پہونچی، اس مسجد کی تعمیر میں کارتھیج کے کھنڈروں کے سنگ مرمر اور دیگر سامان سے مدد لی گئی، اس کے مینارے اموی اور شامی طرز کے پتھر کے تھے، بعد میں شمالی افریقہ میں یہی طرز تعمیر جاری رہا، مصر کے میناروں کی طرح ان کی شکل دائری نہیں تھی بلکہ عمودی تھی، اسی جامع قیروان کی وجہ سے مکہ اور مدینہ اور بیت المقدس کے بعد قیروان اسلامی دنیا کا مقدس شہر تصور کیا جانے لگا۔ اغلبیوں کے دور سلطنت میں شمالی افریقہ کی زبان لاطینی کے بجائے عربی قرار پائی اور مقامی باشندوں کا مذہب عیسائیت کے بجائے اسلام بن گیا۔ اسی جامع قیروان کی درسگاہ کی وجہ سے قیروان اسلامی علوم و فنون کا مرکز بن گیا، یہاں سے ہر علم و فن کے بے شمار فضلائے زمانہ اور سرآمدگان روزگار پیدا ہوئے۔ رجال و تذکرہ کی کتابوں میں قیروانی علماء، محدثین، فقہاء، ادباء، شعراء کے درخشاں کارنامے سورج

کی طرح چمک رہے ہیں، اسی طرح عالم اسلام کی ایک ایک درسگاہ سے ہزاروں ارباب فضل وکمال پیدا ہوئے، جن کے ناموں اور کارناموں کی برکات وحسنات سے آج تک مسلمان فیضیاب ہو رہے ہیں۔ مدرسہ نظامیہ بغداد، مدرسہ مستنصریہ بغداد، جامع ازہر قاہرہ، جامع زیتون قیروان، جامع قیروان اور اس طرح کے ہزاروں جوامع و مدارس عالم اسلام میں موجود تھے، اور ہر شہر مدرسہ اور ہر مسلمان طالب علم کی حیثیت رکھتا تھا۔

ہم کون ہیں اور کیا ہیں؟

صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین کے بعد تابعین رحمہم اللہ کا زمانہ خیر القرون تھا۔ ہر طرف صحابہ کی مقدس صورتیں اور پاک سیرتیں دین وایمان کی روح کو تازہ کر رہی تھیں، جس طرف نظر اٹھتی تھی اسلام کی سچی تصویریں چلتی پھرتی نظر آتی تھیں، ہر بستی، ہر گھر اللہ اور اس کے رسول کے ذکر خیر سے گونج رہا تھا، ہر مجلس میں اسلامی زندگی برپا تھی، اس کے باوجود جب تابعین عظام صحابہ کرام کی عملی زندگی کو دیکھتے تو ان کے مقابلہ میں اپنے کو بالکل حقیر اور بے عمل پاتے تھے۔ اور ایسا سمجھتے تھے کہ ایمان ویقین اور عمل وکردار میں ہم میں اور ان میں وہی فرق ہے جو بادشاہ اور چور میں ہوتا ہے۔

مشہور تابعی حضرت ربیع بن خثیم رحمۃ اللہ علیہ اپنی زندگی پر بے اختیار رویا کرتے تھے، آنسوؤں سے داڑھی تر ہو جاتی تھی اور صحابہ کرام کی صحبتوں کو یاد کر کے فرمایا کرتے تھے۔

اَدْرَکْنَا قَوْمًا کُنَّا فِی جَنْبِھِمْ لُصُوصًا (طبقات ابن سعد ج ۶ ص ۱۳۱)

ہم نے ایسی جماعت کا زمانہ پایا ہے کہ ہماری حیثیت ان کے پہلو میں چور کی تھی۔

یعنی وہ حضرات علم وعمل کے بادشاہ تھے، اخلاق وکردار کے سلطان تھے، دین ودیانت کے شہریار تھے۔ اور ہم ان کے سامنے اپنے علم وعمل اور دین ودیانت کے معاملہ میں اس درجہ پیچھے تھے کہ ہمیں ان کی صحبت میں منہ چور ہونا پڑتا تھا اور چوروں کی طرح

ہم منہ چھپاتے پھرتے تھے۔

غور کرو یہ ان قدوسیوں کے احساسات ہیں جن کی گرد پا کو ہم نہیں پہونچ سکتے ہیں۔ وہ اپنی زندگی کو صحابہ کرام کی دینی زندگی کے مقابلہ میں کس قدر ہیچ سمجھتے تھے۔

اگر یہ حضرات آج ہماری بداعتقادی، بدعملی اور سینہ زوری کو دیکھیں تو ہمیں کیا کہیں گے۔ سوچنے کی بات ہے کہ ہم کون ہیں اور کیا ہیں؟

سندان کی جامع مسجد

بمبئی سے سورت جانے والی ریلوے لائن پر ایک اسٹیشن "سنجان" ہے جو غالباً علاقہ گجرات کا پہلا اسٹیشن ہے اور بمبئی سے قریب ہے اسی کو عربی میں "سندان" لکھتے ہیں یہاں دوسری صدی میں مسلمانوں کی ایک چھوٹی سی سلطنت دولت ماہانیہ سنجان تھی۔

مشہور اسلامی جغرافیہ نویس یاقوت حموی نے معجم البلدان میں لکھا ہے کہ سندان ایک شہر ہے، اس کے اور چیمور (بمبئی) کے درمیان پندرہ مرحلہ کا فاصلہ ہے اور یہاں سے سمندر نصف فرسخ پر واقع ہے۔ (معجم البلدان ج ۵ ص ۱۵۱)

بلاذری نے لکھا ہے کہ بنو سامہ کے غلام فضل بن ماہان نے سندان شہر کو فتح کیا اور اس پر قبضہ کرکے خلیفہ مامون کے پاس یہاں سے ہاتھی کا تحفہ بھیجا اور اس سے خط و کتابت کی۔ سندان میں ایک جامع مسجد کی بنیاد رکھی اور خلیفہ مامون کے حق میں جمعہ کے خطبہ میں دعا کی۔ فضل بن ماہان کے انتقال پر اس کا بیٹا محمد بن فضل حکمراں ہوا اور ستر جنگی جہازوں کو لیکر سمندری ڈاکوؤں سے جنگ کی اور سوراشٹر کے ساحلی علاقہ پالی فتح کرکے سندان واپس آیا تو دیکھا کہ اس کا بھائی ماہان بن فضل حکومت پر قابض ہو گیا ہے اور خلیفہ معتصم سے خط و کتابت کرکے اپنا کام کر چکا ہے اور اس کے پاس ساگوان کی ایک لمبی چوڑی لکڑی تحفہ میں بھیجی۔ آخر کار دونوں بھائیوں میں کشت و خون کی باری آئی، مقامی غیر مسلم باشندے ماہان بن فضل کے طرفدار تھے۔ اس برادر کشی کا نتیجہ

محمد بن فضل کے قتل کی صورت میں ظاہر ہوا، بلکہ اس کو قتل کے بعد سولی دیدی گئی۔

ثم ان الهند بعد غلبوا علی سندان فترکوا مسجدها للمسلمین یجمعون فیه ویدعون للخلیفة۔ (فتوح البلدان ص۴۳۳)	اس حادثہ کے بعد اہل ہند سندان پر قابض ہوگئے اور وہاں کی جامع مسجد کو مسلمانوں کے لئے چھوڑ دیا جس میں مسلمان جمعہ کی نماز پڑھتے تھے اور خلیفہ کے حق میں دعا کرتے تھے۔

دو بھائیوں کی جنگ میں ہندوؤں نے ایک بھائی کا ساتھ دیکر سندان پر قبضہ کر لیا۔ اس کے بعد بھی مسلمانوں کے ساتھ اچھا برتاؤ کیا، ان کی جامع مسجد ان کے حوالہ کر کے عالم اسلام سے تعلق پیدا کرنے کی راہ باقی رکھی، یہ مقامی غیر مسلموں کی فراخدلی اور حوصلہ مندی کی بات تھی کہ مسلمانوں اور ان کی مسجد پر حرف نہیں آنے دیا، خدا ہی بہتر جانتا ہے کہ شمالی بمبئی کے علاقہ سندان میں کتنی بار برسر منبر اسلام کا نام بلند ہوا اور خلیفۃ المسلمین کے لئے دعا کی گئی، کسی نے نہ مسجد ویران کی، نہ کسی نے مسلمانوں کو ستایا اور نہ ہی کسی نے خلیفہ اسلام کی طرف دیکھنے اور اس کے لئے دعا کرنے سے روکا۔ اس صورت میں جہاں مقامی غیر مسلموں کی رواداری، حوصلہ مندی اور شریفانہ برتاؤ کا ثبوت ہے وہیں مسلمانوں کے بلند کردار اور نیکی و شرافت کا بھی ثبوت ملتا ہے۔ مسلمان اپنے دین پر صحیح طور سے قائم رہ کر دنیا کے ہر گوشہ میں امن و عافیت سے رہ سکتا ہے، دنیا اس کی قدر کرے گی اور اس کے وجود کو اپنے لئے رحمت قرار دے گی۔

یہاں کے راجے مہاراجے اور انکی رعایا مسلمانوں کو بڑی عزت و احترام کی نظر سے دیکھتے تھے اور ان کے عقیدت و محبت میں اپنے لئے خیر و برکت سمجھتے تھے۔ ان کا عقیدہ تھا کہ مسلمانوں کے ساتھ حسن سلوک اور محبت کی وجہ سے راجوں مہاراجوں کی عمریں دراز ہوتی ہیں اور ان کے ملک میں امن وامان رہتا ہے۔

مسلمان اگر اسلامی اخلاق و کردار کا مظاہرہ کریں تو آج کے ناگفتہ بہ حالات میں بھی

نہایت پُرسکون، باعزت اور محترم زندگی بسر کر سکتے ہیں۔

مسلمان اور ہندو راجے مہاراجے

علامہ مسعودیؒ چوتھی صدی میں مشہور مؤرخ گذرے ہیں ان کی کتاب "مروج الذہب" تاریخ عالم کا خلاصہ ہے۔ مسعودی بہت بڑے سیاح بھی ہیں۔ ہندوستان کے ساحلی علاقوں کا سفر کر چکے ہیں۔ ۳۰۳ھ میں سندھ، گجرات، کھمبائت، سوپارہ، چمید، تھانہ وغیرہ میں آچکے ہیں اور یہاں کے دلچسپ حالات مروج الذہب میں بیان کئے ہیں۔ چنانچہ علاقہ گجرات، مہاراشٹر کے راجہ بلہرا (دلبھی رائے) کے بارے میں لکھتے ہیں کہ سندھ اور ہند کے ملکوں میں راجہ بلہرا کے علاوہ کوئی ایسا بادشاہ نہیں ہے جو مسلمانوں کے ساتھ عزت واحترام سے پیش آئے۔ اس کی حکومت میں اسلام محفوظ ہے۔ مسلمانوں کی مسجدیں اور جوامع نمازیوں سے ہر وقت بھری رہتی ہیں اور ان میں بڑی رونق رہتی ہے۔ اس سلطنت کا ایک ایک راجہ چالیس اور پچاس سال بلکہ اس سے زائد مدت تک حکومت کرتا ہے۔ ارباب سلطنت کا عقیدہ ہے کہ انکے راجاؤں کی عمریں اس لئے طویل ہوتی ہیں کہ وہ عدل وانصاف کی رسم کو زندہ رکھتے ہیں۔ اور مسلمانوں کی تعظیم وتکریم کرتے ہیں۔ مسلمان بادشاہوں کی طرح راجہ بلہرا کی فوجوں کو اس کے سرکاری خزانہ سے تنخواہ ملتی ہے اس کے پاس جنگی ہاتھی بھی ہیں (مروج الذہب ج۱ ص۱۰۱)

ہندوستان کے عوام خواص پر کیا موقوف ہے عہد سلف کے مسلمان جہاں گئے لوگوں نے ان کو اپنے لئے باعث خیر وبرکت سمجھا، کیونکہ ان کے اندر دین ودیانت اور اخلاق ومحبت کی اتنی کشش موجود تھی جو دنیا کے دل کو اپنی طرف کھینچنے کیلئے کافی تھی جب انکے اندر سے یہ مقناطیسی قوت ختم ہو گئی تو مسلمان کے اندر دنیا کیلئے دلکشی باقی نہیں رہی اس لئے اب لوگ کیوں اور کیسے ان سے برکت حاصل کریں؟ اب یہ خود زندگی کی قدروں سے محروم ہو گئے ہیں، دوسروں کو زندگی کیا دیں گے؟

قسط ۲

لَا وَ اِلَّا

جناب محمد بدیع الزماں صاحب ریٹائرڈ ایڈیشنل ڈسٹرکٹ مجسٹریٹ پٹنہ

خدا کی وحدانیت پر ایمان لانے کے دلائل قرآن مجید میں طرح طرح سے لاتعداد بار دیئے گئے ہیں۔ اور مختلف عنوانات اور مختلف ناموں سے اس کلمہ طیبہ کا ذکر فرمایا گیا ہے :۔

"ہم نے اِس قرآن میں لوگوں کو طرح طرح سے سمجھایا مگر اکثر لوگ انکار ہی پر جمے رہے۔" (سورہ بنی اسرائیل ۱۷۔ رکوع ۱۰)

"ہم نے اِس قرآن میں لوگوں کو طرح طرح کی مثالیں دیں کہ یہ ہوش میں آئیں۔" (سورۃ الزمر ۳۹۔ رکوع ۳)

"ہم نے اِس قرآن میں طرح طرح سے لوگوں کو سمجھایا کہ ہوش میں آئیں مگر وہ حق سے اور زیادہ دور ہی بھاگے جا رہے ہیں۔ اے نبیؐ، ان سے کہو کہ اگر اللہ کے ساتھ دوسرے خدا بھی ہوتے جیسا یہ لوگ کہتے ہیں، تو وہ مالکِ عرش کے مقام پر پہونچنے کی کوشش کرتے۔" (سورۃ بنی اسرائیل ۱۷۔ رکوع ۵)

"ہم نے اِس قرآن میں لوگوں کو طرح طرح سے سمجھایا، مگر انسان بڑا ہی جھگڑالو واقع ہوا ہے۔" (سورۃ الکہف ۱۸۔ رکوع ۷)

پھر بھی چند ارشادات جو نفسِ مضمون کو اور بھی واضح طور پر ذہن نشین کراتے ہیں۔ ذیل میں درج کئے جا رہے ہیں :۔

"تمہارا خدا ایک ہی خدا ہے، اُس رحمٰن اور رحیم کے سوا کوئی اور خدا نہیں ہے۔
(اس حقیقت کو پہچاننے کے لئے اگر کوئی نشانی اور علامت درکار ہے تو) جو لوگ عقل
سے کام لیتے ہیں اُن کے لئے آسمانوں اور زمین کی ساخت میں، رات اور دن کے
پیہم ایک دوسرے کے بعد آنے میں، اُن کشتیوں میں جو انسان کے نفع کی چیزیں لئے
ہوئے دریاؤں اور سمندروں میں چلتی پھرتی ہیں، بارش کے اُس پانی میں جسے اللہ
اوپر سے برساتا ہے، پھر اس کے ذریعے سے مُردہ زمین کو زندگی بخشتا ہے اور اپنے اسی
انتظام کی بدولت زمین میں ہر قسم کی جاندار مخلوق کو پھیلاتا ہے، ہواؤں کی گردش میں،
اور اُن بادلوں میں جو آسمان اور زمین کے درمیان تابع فرمان بناکر رکھے گئے ہیں،
بیشمار نشانیاں ہیں (مگر وحدتِ خداوندی پر دلالت کرنے والے ان کھلے کھلے آثار
کے ہوتے ہوئے بھی) کچھ لوگ ایسے ہیں جو اللہ کے سوا دوسروں کو اُس کا ہمسر اور
مدّمقابل بناتے ہیں اور اُن کے ایسے گرویدہ ہیں جیسی اللہ کے ساتھ گرویدگی ہونی
چاہیئے۔ حالانکہ ایمان رکھنے والے لوگ سب سے بڑھ کر اللہ کو محبوب رکھتے ہیں۔
(وَ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْٓا اَشَدُّ حُبًّا لِّلّٰهِ) کاش، جو کچھ عذاب کو سامنے دیکھ کر
اُنھیں سوجھنے والا ہے وہ آج ہی اِن ظالموں کو سوجھ جائے کہ ساری طاقتیں اور
سارے اختیارات اللہ ہی کے قبضے میں ہیں اور یہ کہ اللہ سزا دینے میں بہت سخت ہے۔"

(سورۃ البقرۃ ۲ ۔ رکوع ۲۰)

"اِن سے کہو، بتاؤ اگر تم جانتے ہو کہ یہ زمین اور اس کی ساری آبادی کس کی ہے؟
یہ ضرور کہیں گے اللہ کی۔ کہو، پھر تم ہوش میں کیوں نہیں آتے؟ ان سے پوچھو، ساتوں آسمانوں
اور عرشِ عظیم کا مالک کون ہے؟ یہ ضرور کہیں گے اللہ۔ کہو، پھر تم ڈرتے کیوں نہیں؟
اِن سے کہو، بتاؤ اگر تم جانتے ہو کہ ہر چیز پر اقتدار کس کا ہے؟ اور کون ہے جو پناہ دیتا
ہے۔ اور اس کے مقابلے میں کوئی پناہ نہیں دے سکتا؟ یہ ضرور کہیں گے کہ یہ بات تو اللہ

ہی کے لئے ہے، کہو، پھر کہاں سے تم کو دھوکہ لگتا ہے؟ جو امرِ حق ہے وہ ہم ان کے سامنے لے آئیں اور کوئی شک نہیں کہ یہ لوگ جھوٹے ہیں۔" (سورۃ المومنون ۲۳۔ رکوع ۵)

"حقیقت یہ ہے کہ آسمانوں اور زمین میں بے شمار نشانیاں ہیں ایمان لانیوالوں کے لئے۔ اور تمہاری اپنی پیدائش میں، اور اُن حیوانات میں جن کو اللہ (زمین میں) پھیلا رہا ہے، بڑی نشانیاں ہیں اُن لوگوں کے لئے جو یقین لانے والے ہیں۔ اور شب و روز کے فرق و اختلاف میں، اور اُس رزق میں جسے اللہ آسمان سے نازل فرماتا ہے پھر اسکے ذریعہ سے مُردہ زمین کو جلا اُٹھاتا ہے، اور ہواؤں کی گردش میں بہت سی نشانیاں ہیں اُن لوگوں کے لئے جو عقل سے کام لیتے ہیں۔ یہ اللہ کی نشانیاں ہیں جنہیں ہم تمہارے سامنے ٹھیک ٹھیک بیان کر رہے ہیں۔ اب آخر اللہ اور اس کی آیات کے بعد اور کون سی بات ہے جس پر یہ لوگ ایمان لائیں گے۔" (سورۃ الجاثیہ ۴۵۔ رکوع ۱)

"وہ اللہ ہی ہے جس کے سوا کوئی معبود نہیں۔ غائب اور ظاہر ہر چیز کا جاننے والا، وہی رحمٰن اور رحیم ہے۔ وہ اللہ ہی ہے جس کے سوا کوئی معبود نہیں، وہ بادشاہ ہے نہایت مقدّس، سراسر سلامتی، امن دینے والا، نگہبان، سب پر غالب، اپنا حکم بزور نافذ کرنے والا، اور بڑا ہی ہو کر رہنے والا، پاک ہے اللہ اُس شرک سے جو لوگ کر رہے ہیں ہیں، وہ اللہ ہی ہے جو تخلیق کا منصوبہ بنانے والا اور اُس کو نافذ کرنے والا اور اُس کے مطابق صورت گری کرنے والا ہے۔ اس کے لئے بہترین نام ہیں، ہر چیز جو آسمانوں اور زمین میں ہے اُس کی تسبیح کر رہی ہے اور وہ زبردست اور حکیم ہے۔"

(سورۃ الحشر ۵۹۔ رکوع ۳)

"تم رحمٰن کی تخلیق میں کسی قسم کی بے ربطی نہ پاؤ گے۔ پھر پلٹ کر دیکھو، کہیں تمہیں کوئی خلل نظر آتا ہے؟ بار بار نگاہ دوڑاؤ، تمہاری نگاہ تھک کر نامراد پلٹ آئیگی۔"

(سورۃ الملک ۶۷۔ رکوع ۱)

"اللہ نے خود اس بات کی شہادت دی ہے کہ اُس کے سوا کوئی خدا نہیں ہے اور فرشتے اور سب اہلِ علم بھی راستی اور انصاف کے ساتھ اس پر گواہ ہیں کہ اس زبردست حکیم کے سوا فی الواقع کوئی خدا نہیں ہے۔" (سورۃ آلِ عمران ۳۔ رکوع ۲)

قرآن مجید کی ہر سورۃ کے ہر رکوع میں لَا اِلٰہَ اِلَّا اللہ پر ایمان لانے کے دلائل موجود ہیں جن میں چند آیات اوپر پیش کی جاچکی ہیں۔ پھر بھی سورۃ النمل ۲۷۔ رکوع ۵ کے درجِ ذیل آیات میں دلائل کے استفہامیہ اندازِ بیان پر قربان جائیے۔ منکرینِ حق کے دل و دماغ میں تازیانے لگاتے ہیں:۔

"(اے نبیؐ ان سے پوچھو) اللہ بہتر ہے یا وہ معبود جنہیں یہ لوگ اس کا شریک بنا رہے ہیں؟ بھلا وہ کون ہے جس نے آسمانوں اور زمین کو پیدا کیا اور تمہارے لئے آسمان سے پانی برسایا پھر اس کے ذریعہ وہ خوشنما باغ اُگائے جن کے درختوں کا اُگانا تمہارے بس میں نہ تھا، کیا اللہ کے ساتھ کوئی دوسرا خدا بھی (ان کاموں میں شریک ہے؟) (نہیں) بلکہ یہی لوگ راہِ راست سے ہٹ کر چلے جارہے ہیں۔"

"اور وہ کون ہے جس نے زمین کو جائے قرار بنایا اور اس کے اندر دریا رواں کئے اور اُس میں (پہاڑوں کی) میخیں گاڑ دیں اور پانی کے دو ذخیروں کے درمیان پردے حائل کردیئے؟ کیا اللہ کے ساتھ کوئی اور خدا بھی (ان کاموں میں شریک) ہے؟ نہیں، بلکہ ان میں سے اکثر لوگ نادان ہیں۔"

"کون ہے جو بے قرار کی دعا سنتا ہے جبکہ وہ اُسے پکارے اور کون اُس کی تکلیف رفع کرتا ہے اور (کون ہے جو) تمہیں زمین کا خلیفہ بناتا ہے؟ کیا اللہ کے ساتھ کوئی اور خدا بھی (یہ کام کرنیوالا) ہے؟ تم لوگ کم ہی سوچتے ہو۔"

"اور وہ کون ہے جو خشکی اور سمندر کی تاریکیوں میں تم کو راستہ دکھاتا ہے اور کون اپنی رحمت کے آگے ہواؤں کو خوشخبری لیکر بھیجتا ہے؟ کیا اللہ کے ساتھ کوئی دوسرا خدا بھی (یہ کام کرتا)

ہے؟ بہت بالا و برتر ہے اللہ اُس شرک سے جو یہ لوگ کرتے ہیں۔
"اور وہ کون ہے جو خلق کی ابتدا کرتا اور پھر اُس کا اعادہ کرتا ہے؟ اور کون تم کو آسمان اور زمین سے رزق دیتا ہے؟ کیا اللہ کے ساتھ کوئی اور خدا بھی (ان کاموں میں حصّہ دار) ہے؟ کہو کہ لاؤ اپنی دلیل اگر تم سچے ہو۔
"ان سے کہو، اللہ کے سوا آسمانوں اور زمین میں کوئی غیب کا علم نہیں رکھتا۔ اور وہ (تمہارے معبود تو یہ بھی) نہیں جانتے کہ کب وہ اُٹھائے جائیں گے۔"
کلمہ طیبہ کا اقرار باللسان ہی مومن کی پہچان نہیں بلکہ اپنی عملی زندگی میں بھی عقیدۂ توحید کے تقاضوں کو پورا کرنا اصل ایمان ہے جیسے درج ذیل آیات میں "اُس پر ثابت قدم رہے" (ثُمَّ اسْتَقَامُوْا) کہا گیا ہے :-
"جن لوگوں نے کہا کہ اللہ ہمارا رب ہے اور پھر وہ اُس پر ثابت قدم رہے یقیناً اُن پر فرشتے نازل ہوتے ہیں اور اُن سے کہتے ہیں کہ "نہ ڈرو، نہ غم کرو اور خوش ہو جاؤ، اُس جنت کی بشارت سے جس کا تم سے وعدہ کیا گیا ہے۔ ہم اس دنیا کی زندگی میں بھی تمہارے ساتھی ہیں اور آخرت میں بھی۔" (سورۂ حٰمٓ السجدہ۔ ۴۱ رکوع ۴)
ذیل میں کلمہ طیبہ کی معضدیت اور افادیت پر چند احادیث درج کی جا رہی ہیں :-
(۱) "حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ ایک مرتبہ حضرت موسیٰ علیٰ نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام نے اللہ جل شانہٗ کی پاک بارگاہ میں عرض کیا کہ مجھے کوئی ورد تعلیم فرما دیجئے جس سے آپ کو یاد کیا کروں۔ ارشادِ خداوندی ہوا کہ "لَا اِلٰہَ اِلَّا اللہ" کہا کرو۔ انھوں نے عرض کیا اے پروردگار یہ تو ساری دنیا ہی کہتی ہے، ارشاد ہوا کہ "لَا اِلٰہَ اِلَّا اللہ کہا کرو"۔ عرض کیا۔ "میرے رب میں تو کوئی ایسی مخصوص چیز مانگتا ہوں جو مجھی کو عطا ہو۔ ارشاد ہوا کہ "اگر ساتوں آسمان اور ساتوں زمین ایک پلڑے میں رکھدی جائیں اور دوسری طرف لَا اِلٰہَ اِلَّا اللہ کو رکھدیا جائے تو لَا اِلٰہَ اِلَّا اللہ والا پلڑا جھک جائے گا۔"

(۲) حضرت ابو ہریرہؓ نے ایک مرتبہ حضوراقدس صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا کہ آپؐ کی شفاعت کا سب سے زیادہ نفع اٹھانے والا قیامت کے دن کون شخص ہوگا۔ حضورؐ نے جواب ارشاد فرمایا کہ سب سے زیادہ سعادتمند اور نفع اٹھانیوالا میری شفاعت کے ساتھ وہ شخص ہوگا جو دل کے خلوص کے ساتھ لا الٰہ الا اللہ کہے "

(۳) حضرت زید بن ارقمؓ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے نقل کرتے ہیں کہ جو شخص خلوص کے ساتھ لا الٰہ الا اللہ کہے وہ جنت میں داخل ہوگا۔ کسی نے پوچھا کہ کلمہ کے اخلاص (کی علامت) کیا ہے؟ آپؐ نے فرمایا کہ "حرام کاموں سے اس کو روک دے۔"

(۴) حضوراقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ اپنے ایمان کی تجدید کرتے رہا کرو یعنی تازہ کرتے رہا کرو، صحابہ نے عرض کیا "یا رسول اللہ، ایمان کی تجدید کس طرح کریں؟" ارشاد ہوا "کلمۂ لا الٰہ الا اللہ کثرت سے پڑھتے رہا کرو۔"

(۵) حضوراقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ جنت کے دروازے پر یہ لکھا ہوا ہے "اِنَّنِیْ اَنَا اللّٰہُ لَا اِلٰہَ اِلَّا اَنَا لَا اُعَذِّبُ مَنْ قَالَھَا (میں ہی اللہ ہوں میرے سوا کوئی معبود نہیں۔ جو شخص اس کلمہ کو کہتا رہے میں اس کو عذاب نہیں کرونگا)"

اس مضمون کو اقبال ہی کے درج ذیل شعر پر ختم کرنا زیادہ موزوں ہوگا۔ کیونکہ یہ نفسِ مضمون سے مطابقت رکھتا ہے ؎

نقی ہستی اک کرشمہ ہے دلِ آگاہ کا
لا کے دریا میں نہاں موتی ہے الا اللہ کا

(بانگِ درا)

متنبی مرزا غلام احمد قادیانی کی انگریز نوازی

مولانا امام علی دانش قاسمی

اسلام کا بنیادی عقیدہ حضرت محمد مصطفیٰ خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات گرامی پر سلسلۂ نبوت ورسالت ختم ہوچکا ہے۔ عقیدۂ ختم نبوت اسلام کے بنیادی عقائد میں شامل ہے جس پر قطعی اور غیر مشروط طور پر ایمان رکھنا فرض ہے۔ جو شخص آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد کسی بھی انداز میں نبی ہونے کا دعویٰ کرتا ہے یا جو شخص کسی ایسے مدعیٔ نبوت پر ایمان رکھتا، اُسے نبی و رسول اور پیغمبر تسلیم کرتا ہے وہ مسلمان باقی نہیں رہتا۔

مرزا غلام احمد قادیانی کے دعاوی مرزا غلام احمد قادیانی نے برطانوی دور حکومت میں پہلے مہدی و مسیح موعود ہونے کا اور پھر ظلی و بروزی نبی ہونے کا اور آخر کار مستقل طور پر منصب رسالت و نبوت پر فائز ہونے کا دعویٰ کیا تھا جس کی وجہ سے تمام علمائے حق نے قرآن و سنت اور اجماع امت کی روشنی میں قادیانیوں کو اسلام سے خارج قرار دیا ہے۔

اسلام کے خلاف انگریزوں کی سازش

۱۸۵۷ء کی جنگ آزادی میں جب ہندوستانیوں کو ناکامی ہوگئی اور ملک پر برطانوی حکومت کا قبضہ مستحکم ہوگیا اُس وقت صلیب پرست عیسائیوں نے منسوخ و محرف عیسائی مذہب پھیلانے کی بھرپور کوشش کر ڈالیں مگر مسلمانوں کو عیسائی بنانے کا ان کا خواب شرمندۂ تعبیر نہ ہو سکا اور علمائے حق کی مجاہدانہ سرگرمیوں اور مدافعانہ جد و جہد کے نتیجہ میں بفضل اللہ مسلمانوں کی اسلام سے پختہ وابستگی برقرار رہی۔ یہ دیکھ کر اسلام دشمن انگریزوں نے مکر و فریب کے نئے جال بچھائے اور مسلمانوں کو ملحد اور بے دین بنانے اور ان کی اسلام سے وابستگی اور ایمان میں پختگی کو مٹانے اور جہاد کا جذبہ ختم کرنے کے لئے خود کو مسلمان ظاہر کرکے اسلام کی تحریف کرنے والوں کی حوصلہ افزائی اور سرپرستی شروع کردی، مقصود یہ تھا کہ اسلام کی چودہ سو سالہ تشریح و تعبیر کو ٹھکرا کر اسلام کا نیا ایڈیشن تیار کیا جائے اور امت مسلمہ کا رشتہ مسلمانوں کے شاندار ماضی سے منقطع کردیا جائے۔ قرآن و حدیث کی نئی نئی تشریحات و تعبیرات رائج کرکے قدیم فقہاء، محدثین و مفسرین سے امت مسلمہ کی نئی نسل کو بدظن کردیا جائے۔ اس ناپاک مقصد میں انگریزوں کو ایک حد تک کامیابی ہوئی اور امت کے داخلی فتنوں نے مسلمانوں کو نقصانِ عظیم پہونچایا۔ اسلام دشمن مغربی مستشرقین کی فتنہ انگیزی اور تخریب کاری کا سلسلہ آج تک قائم ہے جس کا نتیجہ یہ ہے کہ ذہنی و فکری اعتبار سے جن کا رشتہ اسلام سے منقطع ہوچکا ہے وہ بھی اسلامی برادری میں شامل رہکر مارِ آستین بنے ہوئے ہیں۔

انگریز قادیانی نبوت کے سرپرست تھے

قادیان کے مدعیٔ نبوت کو بھی مسلمانوں کو حقیقی اسلام سے برگشتہ کرنے کا بڑا ذریعہ سمجھتے ہوئے انگریز نے تعاون دیا۔ مرزائی تحریک کی حمایت و سرپرستی برطانوی

حکومت کرتی رہی اور برطانیہ کی حمایت کا بدلہ بھی مدعیٔ نبوت نے اس طور پر ادا کیا کہ اپنی شریعت میں جہاد کو منسوخ قرار دیا تاکہ مسلمانوں کا جذبۂ جہاد ختم ہو جائے اور وہ ہمیشہ کے لئے دشمنانِ اسلام کی غلامی قبول کئے رہیں۔ قادیانی مذہب میں برطانیہ کی اطاعت کو فرض کر دیا گیا اور انگریز کی مخالفت کرنے والوں کو مطعون و بدنام کرنے کی کوشش پوری طرح کی گئی۔ مرزا غلام احمد قادیانی کی متعدد تصنیفات سے یہ باتیں عیاں ہوتی ہیں۔ چند حوالے بطور ثبوت پیش ہیں :-

"شہادۃ القرآن" جو خود مرزا غلام احمد قادیانی کی تصنیف ہے میرے پیش نظر اس کا جو نسخہ ہے وہ نظارت دعوت و تبلیغ قادیان کا پیش کردہ اور مرزا نسیم احمد ناظر دعوت و تبلیغ کا مصدّقہ ہے۔

قرآنی آیات میں معنوی تحریف

اس کتاب میں قرآنی آیات کی معنوی تحریف کرتے ہوئے بزعم خود مرزائے قادیان نے اپنا مسیح موعود ہونا قرآن سے (العیاذ باللہ) ثابت کیا ہے اور سورۃ انفطار، سورۃ انشقاق، سورۃ تکویر میں جن آیات میں قیامت کے ہولناک حالات اور خوفناک واقعات کو بیان کیا گیا ہے اُن تمام کے مطلب کو تبدیل کر کے مسیح موعود کے نزول کی علامات قرار دیا ہے مثلاً وَ اِذَا الْوُحُوْشُ حُشِرَتْ کا مفہوم لکھا ہے:۔ وحشی قومیں تہذیب کی طرف رجوع کریں گی (شہادۃ القرآن ص۲) اور وَ اِذَا النُّجُوْمُ انْکَدَرَتْ کے تحت لکھا ہے:۔ یعنی جب علماء کا نور اخلاص جاتا رہے گا۔ (حوالہ بالا ص۲۴) اور وَ اِذَا الْکَوَاکِبُ انْتَثَرَتْ کا مطلب لکھا ہے:۔ یعنی ربّانی علماء فوت ہو جائیں گے ص۲۴ اور وَ اِذَا الصُّحُفُ نُشِرَتْ کی ترجمانی یہ کی ہے:۔ یعنی اشاعت کتب کے وسائل پیدا ہو جائیں گے یہ چھاپے خانوں اور ڈاکخانوں کی طرف اشارہ ہے کہ آخری زمانہ میں ان کی کثرت ہو جائے گی۔ (ص۲۱) نقلِ کفر کفر نہ باشد پر یقین رکھتے ہوئے قرآن مجید کی

تحریف معنوی کے یہ چند نمونے پیش کئے گئے ورنہ پوری کتاب اس قسم کی تلبیسات و تحریفات سے بھری ہوئی ہے۔ بزعم خویش مسیح موعود ہونا ثابت کرکے مرزائے قادیان نے کتاب کے آخر میں ایک ضمیمہ شامل کیا ہے جس کا عنوان ہے "گورنمنٹ کی توجہ کے لائق" پھر اس کا آغاز ان جملوں سے کیا ہے:-

انگریز کے خاندانی وفادار:

"اور یہ عاجز صاف اور مختصر لفظوں میں گذارش کرتا ہے کہ بباعث اس کے کہ گورنمنٹ انگریزی کے احسانات میرے والد بزرگوار مرزا غلام مرتضیٰ مرحوم کے وقت سے آج تک اس خاندان کے شامل حال ہیں اس لئے نہ کسی تکلف سے بلکہ میرے رگ و ریشہ میں شکرگذاری اس گورنمنٹ کی سمائی ہوئی ہے۔" (صالف)

انگریز سے اپنے دیرینہ خاندانی تعلقات اور باہمی احسان شناسی و شکرگذاری کا ذکر اخلاص و محبت سے بھرپور لفظوں میں کرنے کے بعد انگریز کے خلاف جہاد کرنیوالوں کو دشنام دیتے ہوئے لکھتے ہیں:-

انگریز کے خلاف جہاد کرنے والے حرامی اور بدکار

"بعض احمق اور نادان سوال کرتے ہیں کہ اس گورنمنٹ سے جہاد کرنا درست ہے یا نہیں؟ سو یاد رہے یہ سوال ان کا نہایت حماقت کا ہے کیونکہ جس کے احسانات کا شکر ادا کرنا عین فرض اور واجب ہے اس سے جہاد کیسا؟ میں سچ سچ کہتا ہوں کہ محسن کی بدخواہی کرنا ایک حرامی اور بدکار آدمی کا کام ہے۔" (صگ)

انگریز کی اطاعت فرض ہے

"سو میرا مذہب جس کو میں بار بار ظاہر کرتا ہوں یہی ہے کہ اسلام کے دو حصے ہیں ایک یہ کہ خدا کی اطاعت کریں دوسرے اس سلطنت کی جس نے امن قائم کیا جس نے ظالموں کے ہاتھ سے اپنے سایہ میں ہمیں پناہ دی ہو سو وہ سلطنت حکومت برطانیہ ہے۔" (صنگ)

اسلام کے دو حصے ہیں۔ اول اللہ کے ایک معبود ہونے کا اقرار اور دوسرے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت پر مکمل اعتماد مگر مرزائی مذہب میں دوسرا رکن انگریزی حکومت کی اطاعت ہے۔

۱۸۵۷ء کی جنگ آزادی میں انگریز کی عملی مدد

مدعیٔ نبوت نے حکومت برطانیہ کی اطاعت کو اسلام کا دوسرا حصہ بھی قرار دیا اور عملی طور پر انگریز کی مدد کرتے رہنے پر اپنا خاندانی رکارڈ بھی پیش کیا ہے۔

ضمیمہ کتاب کے پہلے صفحہ پر ہی لکھا ہے:۔

"۱۸۵۷ء کے مفسدہ میں جبکہ بے تمیز لوگوں نے اپنی محسن گورنمنٹ کا مقابلہ کرکے ملک میں شور ڈالدیا تب میرے والد بزرگوار نے پچاس گھوڑے اپنی گرہ سے خرید کر اور پچاس سوار بہم پہونچا کر گورنمنٹ کی خدمت میں پیش کیے۔"

مجاہدین آزادی جاہل و بدچلن تھے

"۱۸۵۷ء میں جو کچھ فساد ہوا اس میں بجز جہلاء اور بدچلن لوگوں کے اور کوئی شائستہ اور نیک بخت مسلمان جو باعلم اور باتمیز تھا ہرگز مفسدہ میں شامل نہیں ہوا۔" (صک)

جو شخص اپنے محسن انگریز کے مخالفین کو جاہل، بدچلن، بدکار، حرامی لکھے، کیا اسے مہذب سلیقہ مند بھی کہا جا سکتا ہے۔ نبی و رسول اور مہدی و مسیح ہونا تو بڑی بات ہے۔

انگریز کا اعتراف

کتاب مذکور کے (صک) پر کمشنر پنجاب کے مراسلہ کو نقل کیا گیا ہے جو یہ ہے:۔

" مشفق مہربان مرزا غلام قادر رئیس قادیان حفظہ
آپ کا خط ۲ ماہ حال کا لکھا ہوا ملاحظہ حضور اینجانب میں گذرا۔ مرزا

غلام مرتضیٰ صاحب آپکے والد کی وفات سے ہم کو بہت افسوس ہوا۔ مرزا غلام مرتضیٰ سرکار انگریزی کا اچھا خیرخواہ اور وفادار بیش تھا ہم آپکے خاندانی لحاظ سے اسی طرح عزت کریں گے جس طرح تمہارے باپ وفادار کی جاتی تھی ہم کو کسی اچھے موقعہ کے نکلنے پر تمہارے خاندان کی بہتری اور پابحالی کا خیال رہے گا۔"

المرقوم ۲۹ جون ۱۸۷۶ء الراقم فنانشل کمشنر پنجاب۔

انگریز کی خیرخواہی کے لئے قرآن وحدیث کا تاکیدی حکم

ضمیمہ کتاب کو مرزا غلام احمد قادیانی نے ان جملوں پر ختم کیا ہے:-

"سو اس عاجز نے جس قدر حصہ سوم کے پرچہ مشمولہ میں انگریزی گورنمنٹ کا شکر ادا کیا ہے وہ صرف اپنے ذاتی خیال سے ادا نہیں کیا بلکہ قرآن شریف اور احادیث نبوی کی ان بزرگ تاکیدوں نے جو اس عاجز کے پیش نظر ہیں مجھ کو اس شکر ادا کرنے پر مجبور کیا ہے۔" (صفحہ)

معاذ اللہ قرآن وحدیث پر کتنا بڑا بہتان ہے کہ ظالم وسرکش ملحد انگریز کی شکرگذاری کو قرآن وحدیث کا حکم بتایا جائے۔

انگریز کے لئے مرزا کی دعا

ضمیمہ کے حاشیہ پر مرزائے قادیان کی یہ عبرتناک دعا بھی درج ہے:-

"مہذب اور بارحم گورنمنٹ نے ہم کو اس بات کے لئے دلی جوش بخشا ہے کہ ہم انکی دنیا ودین کے دلی جوش سے بہبودی وسلامتی چاہیں تاکہ انکے گورے سفید منہ جس طرح دنیا میں خوبصورت ہیں آخرت میں نورانی ومنور ہوں۔

مرزا غلام احمد قادیانی کی خود نوشتہ تحریروں سے روز روشن کی طرح واضح ہوتا ہے کہ قادیانی نبوت تحریک کو برطانوی حکومت کی حمایت حاصل تھی اور انگریز مسلمانوں کو اسلام سے بیگانہ رکھنے کیلئے اس قسم کی تحریکات کی سرپرستی مسلسل کرتے رہے ہیں۔ مسلمانوں اور ملک کے تمام دیگر باشندوں کو انگریزوں کے ملک سے چلے جانے کے بعد انکی سرپرستی میں اٹھنے والے فتنوں کو سمجھ کر انکے خلاف بھی سرگرم عمل رہنا چاہیئے۔

جب اُن کا غیروں نے اعتراف کیا

صحابہ کرام غیر مسلم مؤرخین کی نظر میں

عبدالملک فاروقی متعلم دارالعلوم دیوبند

حقائق اور واقعات کا انکار کرنا بہت مشکل ہے، خصوصاً کسی ایسی کھلی ہوئی حقیقت کا انکار جس کا مشاہدہ ایک شخص نے نہیں، ہزاروں اور لاکھوں آدمیوں نے اور ایک بار نہیں متعدد بار کیا ہو۔ اور جس کی صداقت و حقانیت کی گواہی ایک بستی اور ایک شہر کے لوگوں نے نہیں ایک عالم اور ساری کائنات نے مل کر دی ہو۔

یہ شان بے مثال اور یہ لازوال فوقیت مسلمانوں کے ان اکابر اور سلف کی اس مقدس اور خدا کی سب سے پیاری جماعت کو کیوں حاصل ہوئی؟ اس کی وجہ سوائے اس کے اور کچھ نہیں کہ یہی حضرات آگے چل کر حضرت خاتم الانبیاء اشرف الرسل محبوب داور شفیع محشر جناب نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم کی نبوت کے عینی شاہد اور گواہ عادل بنائے جانے والے تھے۔ اسی وجہ سے ان میں یہ عجوبۂ روزگار خوبیاں پیدا ہوگئی تھیں۔ اور اسی کی بدولت ان کی ذوات عالیہ کو حضرت حق جل مجدہٗ نے ایک جہان سے خراج تحسین دلوایا اور بتلا دیا کہ جس نبی کے شاگرد ایسے باکمال اور جس رسول کے صحابی ایسے

عدیم النظیر اخلاق وصفات کے مالک ہوں، اُس رسول کی عظمت و جلال، اخلاق و عادات، صدق و دیانت کا کیا مرتبہ ہوگا؟

خاتم المحدثین حضرت شاہ ولی اللہ صاحب محدث دہلوی نے اپنی کتاب ازالۃ الخفاء میں لکھا ہے کہ "جس وقت حضرت فاروق اعظمؓ کو بدنصیب ابو لولو، نے شہید کیا ہے اور اس حادثۂ جانکاہ کی اطلاع مدینہ منورہ سے نکل کر ممالکِ اسلام میں پہونچی ہے تو ملک شام کا ایک پادری جس کے زیر اثر ایک عالیشان گرجا اور گرجے کے ساتھ کئی گاؤں معافی کے تھے چیخ چیخ کر رونے لگا اور مسلمانوں کے مجمع سے الگ ہوکر اپنی جماعت اور عیسائیوں کے گھروں پر پہونچکر سب کو اطلاع دی کہ " آج امیر المومنین شہید ہوگئے۔ لہٰذا ہم سب کو بھی غم منانا چاہیے"۔ اور اس کے بعد ایک پتھر پر حسب ذیل عبارت کندہ کرا کر اپنے چرچ کے صدر دروازے پر نصب کرادی، جس میں اس نے لکھا تھا۔ یا عمرؓ مَا کنتَ وَلیاً بل کنتَ والداً۔ یعنی اے عمر تم ہمارے حاکم اور بادشاہ نہ تھے، تم تو ہمارے ساتھ وہ سلوک کرتے تھے جو باپ اپنے بیٹے کے ساتھ کرتا ہے۔

غور کرنے کا مقام ہے کہ یہ کس کا تأثر ہے اور کون اس طرح افسوس و حسرت کے ساتھ یہ کلمات کندہ کرانے پر مجبور ہو رہا ہے، یقیناً اُس وقت نہ تو خود حضرت فاروقؓ تھے اور نہ ان کے عتاب و سرزنش کا اندیشہ تھا اور پھر اس پادری کا مذہب بھی اسلام نہیں بلکہ مسیحی تھا اور ملک و قوم کے چھن جانے کا غضب بھی حد کو پہونچا ہوا تھا، پھر کیا چیز تھی جس نے اس کو اِس عبارت کے کندہ کرانے پر مجبور کیا؟ بس اِس کے سوا اور کیا کہا جائے کہ یہ اُن صحابۂ کرام کا ذاتی اخلاق اور عادلانہ برتاؤ تھا، جس سے ان کے دشمن بھی انکا دم بھرنے پر مجبور ہو جایا کرتے تھے۔

مشہور و معروف عیسائی مؤرخ سر ولیم میور اپنی کتاب لائف آف محمد میں لکھتا ہے:۔ "ہجرت سے تیرہ برس پہلے مکہ ایک ذلیل حالت میں پڑا

ہوا تھا، مگر ان تیرہ برسوں میں کیا ہی عظیم اثر پیدا ہوا کہ سیکڑوں آدمیوں کی جماعت نے بُت پرستی چھوڑ کر خدائے واحد کی پرستش اختیار کی اور اپنے اعتقاد کے خلاف وحی الٰہی کی ہدایت کے مطیع و فرمانبردار ہوگئے اور اسی قادر مطلق سے بکثرت و بشدت دعا مانگتے اور اُس کی رحمت پر مغفرت کی امید رکھتے تھے اور حسنات، خیرات، پاکدامنی اور انصاف کرنے میں بڑی کوشش کرتے تھے۔ انھیں شب و روز اسی قادر مطلق کی قدرت کا خیال تھا اور یقین رکھتے تھے کہ وہی رزاق اور ہماری ادنیٰ سے ادنیٰ حوائج کا خبر گیراں ہے۔ سب سے بڑھ کر یہ کہ اس نئی حالت روحانی سے جسمیں وہ ہمیشہ اپنے آقا کی یاد تازہ رکھتے تھے۔ مطمئن ہوکر اپنے مخالفین کی ہمہ گیر ذلت و رسوائی کا یقین رکھتے تھے۔ جناب محمدؐ کو جو ان کی ساری امیدوں کا مرکز تھے، ابدی حیات تازہ کا مطیع سمجھتے تھے اور ان کی ایسی کامل طور پر اطاعت کرتے تھے جو ان کے رتبۂ عالی کے مناسب تھی، اس تھوڑے ہی زمانہ میں جبکہ مکہ اس عجیب و غریب تاثیر سے دو حصوں میں منقسم ہو گیا تھا۔

مسلمانوں نے مصیبتوں کو صبر و تحمل کے ساتھ برداشت کیا، تقریباً ایک سو دو مرد اور عورتوں نے اپنا گھر بار چھوڑا لیکن ایمان عزیز سے اپنا منہ نہیں موڑا اور جب تک کفار قریش کے مظالم ختم نہ ہو گئے یہ لوگ اپنا ملک چھوڑ کر ایک دوسرے ملک حبش میں مہاجر بن کر رہے، پھر اس کے بعد اس تعداد سے بھی زیادہ آدمیوں نے جنہیں ان کے نبیؐ اور صدیقؓ بھی شامل تھے اپنے عزیز شہر اور مقدس سرزمین کعبہ کو جس کو وہ لوگ تمام روئے زمین سے زیادہ عزیز و محترم خیال کرتے تھے، چھوڑ کر مدینہ کی طرف کوچ کر گئے۔

ایک اور مؤرخ گاڈفری ہینگس اپنی کتاب اپالوجی فرام محمدؐ میں اس طرح رقم طراز ہے۔ "باوجودیکہ محمدؐ اور عیسیٰؑ کی ابتدائی سوانح عمری میں ایسے حالات ہیں جن میں بہت کچھ ایک دوسرے سے مشابہ ہیں۔ لیکن بعض باتوں میں بیّن طور پر اختلاف نظر آتا ہے۔ مثلاً حضرت عیسیٰؑ کے اول باوجودیکہ

کو نا تربیت یافتہ اور نہایت کم رتبہ مانا گیا ہے، بخلاف (حضرت) محمدؐ کے اولین مریدوں کے کہ بجز ان کے غلام (زیدؓ) کے سب لوگ نہایت ذی وجاہت اور صاحب شرافت تھے، اور جب وہ اپنے نبیؐ کی وفات کے بعد سردار اور سارے مسلمانوں کے افسر بنائے گئے ہیں تو اُس زمانے میں ان کے کام کو دیکھ کر یہ اندازہ ہوتا ہے کہ یہ لوگ بڑے عقلمند اور اعلیٰ درجہ کی قابلیت کے لوگ تھے اور غالباً ایسے نہ تھے جن کو جھوٹا مکار آدمی اپنے دام فریب میں پھانس لیتا۔ مجھ سے اگر کوئی سچی بات پوچھے تو میں بہ مجبوری اِس کا اقرار کرتا ہوں کہ اگر لاک اور نیوٹن جیسے اشخاص مذہبِ عیسوی کے محققین میں سے ہوتے تو مجھ کو بھی اپنے مذہب پر ویسا ہی اعتماد ہوتا جیسا مسلمانوں کو اپنے مذہب پر ہے۔ مسلمانوں کے پہلے چار خلفاء کے اطوار بالکل یکساں تھے۔ ان کی سرگرمی اور دلدہی اخلاص کے ساتھ ہوا کرتی تھی اور مال و دولت پاکر بھی وہ لوگ اپنی عمر میں ادائے فرائض اور اخلاقیات کی درستگی میں صرف کرتے رہے، بس یہی لوگ (حضرت) محمدؐ کے ابتدائی جلسے کے شریک تھے اور یہ لوگ اس وقت سے (حضرت) محمدؐ کے شریک تھے، جس وقت محمدؐ اور ان کے ساتھیوں کو تلوار اٹھانے کی اجازت نہ تھی، ان کی سچائی اور اخلاص اِسی ایک بات سے ظاہر ہو رہا ہے کہ وہ ایسے نازک اور آڑے وقت میں (حضرت) محمدؐ کی رفاقت کے لئے آمادہ ہوئے جب ان کے ساتھ نہ تو کوئی ظاہری شان و شوکت تھی اور نہ ہی کسی دنیاوی قوت کے حصول کی توقع، پھر اِس معمولی حالت سے ایک اعلیٰ سلطنت پر قابض ہو جانے سے ان کی قابلیت اور قوت عمل کا اندازہ کرنا تو بہت ہی مشکل ہے۔"

یہی مصنف اپنی اِسی کتاب میں آگے چل کر مزید لکھتا ہے :-

"...... اندریں حالات کیا یہ کوئی باور کرانے کے لئے تیار ہے کہ وہ لوگ

جنہوں نے طرح طرح کی ایذائیں پائیں اور اپنے عزیز ملک و وطن سے جدا ہونا اختیار کیا خصوصاً یہ خیال کرکے کہ یہ سب باتیں ایک جماعت نے صرف ایک شخص کی محبت اور ایک آدمی کی دلداری کی وجہ سے برداشت کیں۔ ہرگز گمان بھی نہیں کیا جا سکتا کہ ان تمام باتوں کا مدار اور مرکز جعل و فریب ہوگا۔ عیسائی میری اس بات کو یاد رکھیں کہ (حضرت) محمد صلعم نے اپنے ماننے والوں میں اپنے دین کا نشہ اس درجہ پیدا کردیا تھا جو (حضرت) عیسیٰ ع کے ابتدائی پیروؤں میں تلاش کرنے سے بھی ثابت نہیں کیا جا سکتا۔ یہی وجہ ہے کہ ان کا مذہب بڑی تیزی کے ساتھ سارے عالم میں پھیلا اور نصف صدی سے کم زمانہ میں دنیا کی ہر بڑی سے بڑی قوت اور پُرشوکت سلطنتوں پر ان کا قبضہ ہوگیا۔"

پنڈت دینا ناتھ اپنی کتاب "تاریخ مذاہب" میں لکھتے ہیں کہ "مسلمانوں کی اس عالیشان ترقی اور قوت پر پہونچ جانے کی اصل وجہ ان حضرات کا اخلاص و نیازسے دنیا والوں کے سامنے پیش آنا تھا، ان کا وہ زبردست ایثار جو انھوں نے اپنے نبی کے ساتھ ان کے ابتدائی زمانۂ تبلیغ میں دنیا والوں کے سامنے پیش کیا تھا، ایسا اہم اور قابلِ ستائش تھا، جس کو دیکھ کر اس وقت مشکل سے یہ سمجھا جا سکتا تھا کہ ایسی کمزور مخلوق جس کے پاس نہ گھر ہے اور نہ مال و دولت، اپنے ملک سے نکل کر دوسرے ملکوں پر بھی فتح پا سکے گی۔ مگر یہ سب مسلمانوں کی پہلی جماعت کے لوگوں کے ایثار و قربانی کا نتیجہ تھا۔

مجدد الف ثانیؒ کی تعلیمات

مرتبہ، ماسٹر محمد عمر، خان گڑھ

حقیقت تصوف فرمایا، فقیر کے نزدیک طریق صوفیار حقیقت میں علوم شریعت کا خادم ہے، نہ کہ شریعت کے مخالف، نیز طریق صوفیہ کے سلوک سے یہ مقصود ہے کہ احکام فقیہہ کے ادا کرنے میں آسانی ہو جائے اور وہ مشکل دور ہو جائے، جو نفس کی آمادگی سے پیدا ہوتی ہے، اس لئے طریق صوفیار حقیقت میں علوم شریعت کا خادم ہے، (جلد نمبر ۲)

کشف شہود، الہام خوارق عادات کرامات فرمایا، جو کچھ اعتبار کے لائق ہے وہ کتاب وسنت ہے، جو وحی قطعی سے مقرر ہے، علمار کا اجتماع واجتہاد مجتہدین بھی انہی دو اصولوں پر مبنی ہے، ان کے علاوہ جو کچھ ہو خواہ صوفیار کے معارف ہوں یا ان کے کشف والہام، اگر ان اصولوں پر ہوں تو مقبول ہیں وگرنہ مردود ہیں،

خوارق عادات وکرامات کا بکثرت ہونا کسی ولی کی فضیلت پر دلیل نہیں، ممکن ہے کوئی شخص جس سے کوئی خرق عادت وکرامت ظہور پذیر نہ ہوئی ہو وہ اس شیخ سے افضل ہو جس سے اکثر کرامات کا ظہور ہوتا رہتا ہو، بعض اولیار اللہ جن سے کرامات وخوارق عادات ظاہر ہوئیں وہ آخر دم تک ان کے ظہور سے نادم ہوئے اور اکثر افسوس کرتے رہے کہ کاش ہم سے اس بات کا ظہور نہ ہوتا اب سوال پیدا ہوتا ہے، خوارق عادات کا ظاہر ہونا ولایت کی شرط نہیں، ولی اور غیر ولی میں کیسے پہچان ہوگی اور سچے کو جھوٹے سے کیسے علیحدہ کیا جائیگا، تو اس کا جواب یہ ہے کہ تمیز نہ ہونا سچی حق

کا باطل کے ساتھ ملا رہنا اس جہان کے لوازم سے ہے، اور نہ ہی یہ ضروری ہے کہ ولی کو اپنی ولایت کا علم ہونا ضروری ہے، ہاں نبی کو اپنی نبوت کا علم ہونا اور خوارق عادات ہونا ضروری ہے، مگر نبی کا معجزہ بھی نبی کے اختیار میں نہیں ہوتا نبی تو اپنی شرع کے مطابق عمل کرتا ہے، جب ولی کو اپنی شریعت کی متابعت کرنا ضروری ہے، اس کے لئے خوارق عادات ہونا ضروری نہیں، اس کے علاوہ مرید رشید اور طالب صادق مستفد بہت عالی اپنے شیخ کے ہر معاملات سے خوارق وکرامات محسوس کرتا ہے

اولیاء اللہ نے جسمانی زندگی سے منہ پھیر کر روحانی زندگی کی طرف قدم بڑھایا اس لئے یہی لوگ زمین کا امن اور غنیمت روزگار ہیں، انہی کے طفیل لوگوں پر بارش ہوتی ہے، انہی کے طفیل مخلوق کو رزق ملتا ہے، بہم یرزقون وبہم یمطرون، ان کی نظر شفا ہے یہی لوگ اللہ تعالےٰ کے ہم نشین ہیں، اور ان کا ہم نشین بدبخت نہیں ہوتا، جس کی صحبت سے حق تعالےٰ کی طرف توجہ پیدا ہو جائے وہ شخص سچا ہے اور درجات کے فرق کے مطابق وہ اولیاء اللہ میں شمار ہے۔

پابندیٔ نماز نماز پنج وقتی با جماعت ادا کریں، اور زکوٰۃ رغبت سے ادا کریں، جوانی میں معمولی سا نیک عمل بھی بڑا اہم ہوتا ہے، کل بڑھاپے میں حواس اور قوتیں سست ہو جائیں گی، جمعیت قلب کے اسباب پراگندہ ہو جائیں گے، تو سوائے حسرت ویاس اور ندامت وپریشانی کے کچھ حاصل نہ ہوگا، اور یہ بھی ممکن ہے کہ کل تک حق تعالےٰ مہلت ہی نہ دیں اور ندامت وپشیمانی کا موقع جو ایک طرح کی توبہ ہے وہ بھی نصیب نہ ہو

فرائض کی تاکید جن اعمال سے خداوند تعالےٰ سبحانہ کا قرب حاصل ہوتا ہے، وہ فرائض ہیں فرائض کے مقابلے میں نوافل کا کچھ اعتبار نہیں، فرضوں کے مقررہ وقتوں میں سے وقت پر ایک فرض کا بجالانا ہزار وسال کے نوافل ادا کرنے سے بہتر ہے، اگرچہ وہ نوافل خالص نیت کے ساتھ ادا کئے جائیں اور خواہ ان نفلوں کا تعلق نماز، زکوٰۃ، روزہ اور ذکر یا اس کی مانند دوسری عبادات ہوں، بلکہ فرض ادا کرتے وقت سنتوں میں سے کسی سنت کا اور مستحب میں سے کسی مستحب کا بجالانا بھی کیوں نہ ہو۔

ایک مرتبہ سیدنا حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے صبح کی نماز پڑھائی آپ نے نماز کے بعد جماعت پر نگاہ ڈالی، اس وقت ایک صحابی کو موجود نہ پایا، پوچھا فلاں شخص جماعت میں کیوں حاضر نہ ہوئے حاضر حضرات نے عرض کی کہ وہ اکثر شب بیدار رہتے ہیں، اس لئے ممکن ہے ان پر نیند کا غلبہ ہو گیا ہوگا۔ آپ نے فرمایا اگر وہ ساری رات سویا رہتا اور فجر کی نماز باجماعت پڑھ لیتا تو یہ اس کے لئے ہزار درجے افضل ہوتا۔

ایک دانگ (چھ رتی) سونے کا فریضۂ زکوٰۃ کے حساب میں دینا، مرتبہ میں سونے کے پہاڑ جتنی مقدار نفلی خیرات دینے سے افضل ہے، اور اس کے ایک دانگ کے دیتے وقت کسی شرعی مستحب اور ادب کا بجالانا مثلاً کسی قریبی محتاج کو دینا بھی مرتبے میں نفلی خیرات کا ہزار روپیہ خرچ کرنے سے بہتر ہے۔

عمل کا وقت ضائع نہ کریں

عمل کا وقت گزرتا جا رہا ہے، اور ہر لمحہ جو گزرتا ہے وہ عمر کو گھٹاتا ہے اور موت کی مقررہ گھڑی کو قریب لاتا ہے اگر آج خبردار نہ ہوئے تو کل مرنے کے بعد حسرت و ندامت کے سوا کچھ حاصل نہ ہوگا، اور گزرا ہو وقت ہاتھ نہ آئے گا، اس لئے احتیاط کرنی چاہئے کہ اس زندگی کے چند روز شریعت مطہرہ کے مطابق گزر جائیں تاکہ نجات کی امید کی جا سکے، یہ وقت عمل کرنے کا ہے اور عیش و عشرت کا وقت آئندہ آنے والی زندگی میں ہے، اور اس جہاں میں کئے ہوئے نیک اعمال کا ثمرہ ہے، اس جہاں میں عمل کے وقت کو عیش و عشرت میں گنوا دینا ایسا ہے جیسے کہ کوئی اپنی کھیتی کو پکنے سے پہلے کھا جائے، فصل کاٹنے کے موسم میں اس کے پختہ پھل سے محروم رہے۔

ضرورت معاش کے بقدر دنیا کے ساتھ تعلق رکھنا چاہئے، اور باقی سارا وقت آخرت میں کام آنے والے اعمال بجالانے میں صرف کرنا چاہئے، حاصل کلام یہ ہے کہ دل ماسوائے اللہ تعالیٰ کی گرفتاری سے آزاد ہو اور یادِ خدا میں ہمہ وقت مصروف رہے، فراغت کو غنیمت سمجھنا چاہئے، ساری عمر بے فائدہ کاموں میں نہ گنوانی چاہئے، اور اپنی ساری زندگی مرضیاتِ مولیٰ میں صرف

کر دینی چاہیئے۔

ذکراللہ کا طریقہ بائیں جانب گوشت کا لوتھڑا قلب حقیقی کے لئے حجرہ سا ہے اسم مبارک اللہ کو اس قلب پر وارد کرنا ہے، اور ہمہ تن قلب کی طرف متوجہ ہو کر بیٹھیں حاضر ناظر محض ذات حق تعالیٰ کو سمجھیں۔

اتباع سنت کی تاکید اگر کوئی بات سنت اور بدعت کے درمیان پڑتی ہے تو سنت سمجھ کر اسے پورا کرنے کی نسبت اسے بدعت سمجھ کر ترک کر دینا بہتر ہے بدعت میں ضرر کا احتمال ہے، اور سنت میں نفع کی امید، اسی لئے ضرر کے احتمال کو نفع کی امید پر ترجیح دے کر بدعت کو ترک کر دینا ضروری ہے۔

آداب شیخ کی تائید پیر وہ ہے کہ جو مرید کو حق سبحانہ کی طرف راہنمائی کرے یہ بات طریقت کی تعلیم میں زیادہ واضح ہے، کیونکہ شیخ شریعت کی تعلیم کا استاد بھی ہے اور طریقت کا رہنما بھی اسلئے پیر کے آداب کی رعایت از حد ضروری ہے، اس طریق میں اصل مقصد اور ریاضت و مجاہدات کا مدعا احکام شرعی کی بجا آوری اور سنت کی متابعت ہیں تاکہ نفس امارہ کی خواہشات دور ہوں، احکام شرعی کی بجا آوری نفس پر سب باتوں سے زیادہ دشوار ہے، سنت کی تقلید کے علاوہ اور ریاضتیں معتبر نہیں، اسلئے شیخ کی توجہ و تصرف کے بغیر کام نہیں چلتا، اور صحبت شیخ کی توجہ و تصرف قوی ہوتی ہے، ان کی صحبت میں افادہ زیادہ تر خاموشی ہے، اہل حق کی بات یہ ہے کہ انہوں نے انوار نبوت سے نور لیا ہے انکی صحبت میں یہی کافی ہے کہ اللہ تعالیٰ کی رحمت بواسطہ قلب اقدس حضور صلی اللہ علیہ وسلم میرے شیخ کے قلب کے واسطہ سے میرے قلب میں پڑتی ہے۔

فرائض کی تاکید فرائض کو چھوڑ کر نوافل میں مشغول ہونا لایعنی میں شمار ہے اپنے حالات کی تفتیش کرنی چاہیئے کہ میں فرائض میں مشغول ہوں یا نوافل میں، مثلاً ایک نفلی حج کیلئے اتنے ممنوعات کا مرتکب نہیں ہونا چاہیئے، لایعنی میں مشغولیت خدا سے روگردانی ہے چاہے حج جیسی عبادت ہی کیوں نہ ہو، حج کے لئے استطاعت شرط اول ہے اس کے بغیر تضیع اوقات ہے، ضروری کام کو چھوڑ کر غیر ضروری کام میں مشغول ہونا لایعنی میں شمار ہے۔

دارالعلوم دیوبند کا ترجمان

دارالعلوم

دارالعلوم دیوبند کا ترجمان
دارالعلوم
شمارہ نمبر ۲
بابتہ ماہ نومبر ۱۹۸۶ء مطابق ربیع الاول ۱۴۰۷ھ
جلد نمبر ۷۰
نگراں
حضرت مولانا مرغوب الرحمٰن صاحب مہتمم دارالعلوم دیوبند
مدیر
مولانا حبیب الرحمٰن قاسمی
فی پرچہ
3/-
سالانہ
30/-
سالانہ بدل اشتراک بیرون ممالک سے
سعودی عرب، کویت، ابوظبی، جنوبی و مشرقی افریقہ، برطانیہ 160/-
امریکہ، کناڈا وغیرہ بذریعہ ایرمیل —— 160/-
پاکستان 60/- ہندوستانی، بنگلہ دیش 40/- ہندوستانی
سرخ نشان اس بات کی علامت ہے کہ آپ کا زرِ تعاون ختم ہو گیا۔
(محبوب پرنٹنگ پریس دیوبند)

فہرست مضامین

ہندوستانی و پاکستانی خریداروں سے ضروری گذارش

(۱) ہندوستانی خریداروں سے ضروری گذارش ہے کہ ختم خریداری کی اطلاع پاکر اوّل فرصت میں اپنا چندہ نمبر خریداری کے حوالہ کے ساتھ منی آرڈر سے روانہ کریں۔

(۲) پاکستانی خریدار اپنا چندہ مبلغ /۶۰ روپے ہندوستانی مولانا عبدالسلام صاحب مقام کرم علی والا تحصیل شجاع آباد، ملتان پاکستان کو بھیجدیں اور انھیں لکھیں کہ وہ اس چندہ کو رسالہ دارالعلوم کے حساب میں جمع کرلیں۔

(۳) خریدار حضرات پتہ پر درج شدہ نمبر محفوظ فرمالیں، خط و کتابت کے وقت خریداری نمبر ضرور لکھیں۔

والسلام

(منیجر رسالہ)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

حرفِ آغاز

رپورٹ اجلاس تحفظ ختم نبوت ۲۹، ۳۰، ۳۱ اکتوبر ۱۹۸۶ء

از مولانا معزالدین گونڈوی
معین مدرس دار العلوم دیوبند

اسلامیانِ ہند کی تاریخ شاہد ہے کہ برصغیر میں جب بھی اسلام یا مسلمانوں کے خلاف کسی فتنہ نے سر اٹھایا ہے تو دار العلوم نے آگے بڑھ کر اس کا کامیاب مقابلہ کیا ہے،

اور بحمد اللہ آج بھی یہ قلعۂ اسلام (دار العلوم) خرمنِ باطل کے لئے برقِ بے اماں بنا ہوا ہے چنانچہ ہندوستان میں قادیانیت کے فتنۂ خفتہ کی از سرِ نو حرکت کے پیشِ نظر دار العلوم کی مؤقر مجلس شوریٰ نے اپنے ۱۹، ۲۰، ۲۱ رشعبان ۱۴۰۶ھ کے اجلاس میں یہ فیصلہ کیا کہ چونکہ اس وقت سرزمینِ ہند پر قادیانیت کا عفریت پھر پنجہ گاڑنے کی تدبیریں کر رہا ہے اسلئے فوری طور پر اس کا علمی و عملی تعاقب ہونا چاہیئے اور اہلِ علم و دانشورانِ ملت کو جمع کر کے اس کے تازہ پیرہن کو تار تار کرنے کی جد و جہد کو تیز تر کر دینا چاہیئے۔

مجلس شوریٰ کی تجویز کے مطابق دار العلوم کی انتظامیہ نے ۲۹، ۳۰، ۳۱ اکتوبر ۱۹۸۶ء کو عالمی اجلاس تحفظ ختم نبوت کے انعقاد کا فیصلہ کیا۔ اور اساتذۂ دار العلوم پر مشتمل ایک تیاری کمیٹی بنائی گئی جس کا نگراں حضرت مولانا معراج الحق صاحب صدر المدرسین دار العلوم دیوبند کو منتخب کیا گیا اور کنوینر جناب مولانا قاری محمد عثمان صاحب منصور پوری استاذ دار العلوم دیوبند

کو بنایا گیا، اس کمیٹی نے اساتذۂ دارالعلوم، کارکنانِ مدرسہ اور طلبۂ دارالعلوم کے تعاون سے اجلاس کا ایسا عمدہ اور مؤثر نظام مرتب کیا، اور ایسے نظم ونسق سے اس کو چلایا کہ ہر شریک اجلاس تعریف وتحسین کئے بغیر نہ رہ سکا، اور اجلاس تمامتر کامیابیوں سے ہمکنار ہوا، قیام وطعام اور ریلوے اسٹیشن آمد ورفت کے سلسلہ میں معزز مہمانوں کو ہر قسم کی سہولت پہنچانے کی کوشش کی گئی اور ہر مندوب اجلاس کو ردّ قادیانیت کے سلسلہ کی دس عدد کتابیں بطور ہدیہ دی گئیں جسے اجلاس کے موقع پر دفتر اجلاس نے شائع کیا تھا۔

یہ امر خاص طور پر قابل ذکر ہے کہ اجلاس منتخب علماء ومشاہیر کی مخصوص علمی کانفرنس کے طور پر بلایا گیا تھا اس لئے دعوت نامے بھی محدود تعداد میں ارسال کئے گئے تھے لیکن اجلاس کی خبر سے ملک کے ہر علاقہ میں خوشی کی لہر دوڑ گئی اور اجلاس میں شرکت کی خواہش کا اظہار زبانی اور خطوط کے ذریعہ ان حضرات کی طرف سے بھی جو باقاعدہ مدعو نہیں تھے ہونے لگا، اس لئے ایسے حضرات کے لئے بھی اجلاس کی نشستوں میں گنجائش رکھی گئی، چنانچہ ہندوستان کے اکثر صوبوں کے علاوہ بنگلہ دیش، پاکستان، دبئی، ابوظبی، سعودی عرب وغیرہ سے مندوبین سمیت ایک محتاط اندازہ کے مطابق تقریباً دس ہزار افراد نے شرکت کی، مشاہیر ہندوستان کے علاوہ دیگر بلاد اسلامیہ سے آنے والوں میں رابطہ عالم اسلامی کے جنرل سکریٹری عبداللہ عمر نصیف الموقر، اخبار الاتحاد کے نامہ نگار محمد باسل الرفاعی، جامعہ اشرفیہ لاہور کے شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد مالک صاحب کاندھلوی، اسلامک فونڈیشن ڈھاکہ کے ڈائرکٹر جناب مولانا فریدالدین مسعود وغیرہ حضرات خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔

اجلاس کی تمام کارروائی چھ نشستوں میں ہوئی جن میں چوتھی نشست تجاویز کے لئے خاص تھی جبکہ پانچویں نشست میں صرف طلبۂ دارالعلوم کا پروگرام پیش کیا گیا بغرض اختصار ان نشستوں کی اجمالی کیفیت ذیل میں درج کی جارہی ہے۔

پہلی نشست: افتتاحی اجلاس ۲۹ر اکتوبر ۸۶ء کو صبح ۹ بجے حضرت مولانا

محمد منظور نعمانی رکن شوریٰ دارالعلوم دیوبند کی صدارت میں منعقد ہوا، جناب مولانا قاری ابوالحسن صاحب صدر شعبۂ تجوید دارالعلوم دیوبند کی تلاوت کلام پاک سے اجلاس کا آغاز ہوا، تلاوت کے بعد دارالعلوم کا مشہور ترانہ مولوی عرفان رامپوری، مولوی محمد عدنان دیوبندی، مولوی عبدالقیوم مظفرنگری نے پیش کیا، پھر حضرت مولانا مرغوب الرحمٰن صاحب مہتمم دارالعلوم دیوبند نے انتہائی جامع وقیع اور تاریخی خطبۂ استقبالیہ پیش کیا، اس کے بعد عالم اسلام کے مشہور عالم دین اور داعی حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ..... ندوی مدظلہ نے افتتاحی تقریر فرمائی جس میں دارالعلوم کے اس اقدام کی تحسین فرماتے ہوئے فرمایا کہ حفاظت اسلام کا کام ہمیشہ علماء اسلام ہی نے انجام دیا ہے اور ضروری ہے کہ آج بھی علماء کرام فتنۂ قادیانیت کے مقابلہ میں پوری تیاری کے ساتھ سامنے آجائیں۔

اس کے بعد صدر اجلاس حضرت مولانا محمد منظور نعمانی دامت برکاتہم کے خطاب عالی و دعا پر اس نشست کا اختتام ہوا۔

دوسری نشست:- ۲۹ر اکتوبر ۱۹۸۶ء کو بعد نماز عشاء ۹ بجے زیر صدارت حضرت مولانا قاضی زین العابدین صاحب رکن شوریٰ دارالعلوم دیوبند منعقد ہوئی۔ اجلاس کا آغاز قاری عبدالرؤف صاحب بلند شہری استاذ تجوید دارالعلوم دیوبند کی تلاوت سے ہوا، بعدہ مولوی شفیق عالم بستوی متعلم دارالعلوم دیوبند نے رد قادیانیت کے موضوع پر اپنی ایک لکھی ہوئی نظم پیش کی، اس اجلاس میں حضرت مولانا سعید احمد صاحب پالن پوری استاذ حدیث دارالعلوم دیوبند، مولانا حبیب الرحمٰن قاسمی استاذ دارالعلوم دیوبند، مولانا برہان الدین صاحب قاسمی سنبھلی استاذ ندوۃ العلماء لکھنؤ، مولانا ریاض احمد قاسمی فیض آبادی نے اپنے مقالات پیش کئے اور حضرت مولانا عبدالحلیم صاحب جونپوری دامت برکاتہم اور حضرت مولانا محمد اسمٰعیل صاحب کٹکی مدظلہ نے اپنے خطابات عالیہ سے سامعین کو مستفید فرمایا، صدر اجلاس کی تقریر اور دعا پر اجلاس کا اختتام ہوا۔

تیسری نشست:- ۳۰ر اکتوبر ۱۹۸۶ء کو صبح ۸½ بجے شروع ہوئی جس کی صدارت

جامعہ اشرفیہ لاہور کے شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد مالک صاحب کاندھلوی دامت برکاتہم صاحبزادہ شیخ التفسیر حضرت مولانا محمد ادریس کاندھلویؒ نے فرمائی، قاری محمد زکریا گونڈوی متعلم دارالعلوم دیوبند کی تلاوت سے اس اجلاس کا آغاز ہوا پھر عبدالوحید صاحب اشک نے ایک استقبالیہ نظم پیش کی۔

اس اجلاس میں حضرت مولانا منت اللہ صاحب رحمانی مدظلہ کا مقالہ مولانا محمد نعیم صاحب استاذ جامعہ رحمانیہ مونگیر نے پڑھ کر سنایا۔ اور حضرت مولانا نسیم احمد فریدی امروہہ، مولانا فریدالدین مسعود ڈھاکہ، مولانا عبدالحی صاحب فاروقی دہلی، مولانا عزیز احمد قاسمی استاذ دارالعلوم دیوبند، اور مولانا مفتی ظفیرالدین صاحب مفتی دارالعلوم دیوبند نے اپنے وقیع مقالات پیش کئے اور حضرت مولانا قاری محمد مشتاق صاحب شیخ الحدیث مدرسہ خادم الاسلام ہاپوڑ، حضرت مولانا منظور احمد مظاہری قاضی شہر کانپور، حضرت مولانا عبدالعزیز صاحب ناظم مجلس علمیہ آندھرا پردیش، حضرت مولانا عبدالعلیم صاحب فاروقی لکھنؤ، مولانا محمد عارف صاحب سنبھلی قاسمی استاذ ندوۃ العلماء لکھنو اور جناب ولی الدین صاحب حیدر آبادی (موصوف قادیانیت سے تائب ہوئے ہیں) نے اپنے خطابات اور تقریروں سے حاضرین اجلاس کو محظوظ فرمایا، صدر اجلاس کے خطاب عالی پر اجلاس کا اختتام ہوا۔

چوتھی نشست :- حضرت مولانا مرغوب الرحمن صاحب مہتمم دارالعلوم دیوبند کی صدارت میں (جو مندوبین کے لئے مخصوص تھی) ۳۰ر اکتوبر کو بعد نماز ظہر منعقد ہوئی، قاری عبدالرؤف صاحب کی تلاوت سے اجلاس کی کارروائی شروع ہوئی، اس اجلاس میں چھ تجویزیں پیش کی گئیں اور مندوبین نے ان کو منظور فرمایا۔

تجویز ۱ :- تحفظ ختم نبوت کا یہ اجلاس ہندوستان میں قادیانیوں کی بڑھتی ہوئی سرگرمیوں پر انتہائی تشویش کا اظہار کرتا ہے، اور ملک میں اس فتنہ کی از سر نو حرکت کو دین اور وطن دونوں کیلئے نہایت خطرناک تصور کرتا ہے، اس فتنہ کی ہلاکت خیزیوں کی

بناپر ضروری سمجھتا ہے کہ منظم ہوکر ملک گیر پیمانہ پر اس کا مقابلہ کیا جائے اسلئے یہ تجویز کرتا ہیکہ

الف :۔ کل ہند سطح پر مجلس ختم نبوت کی تشکیل کی جائے

ب :۔ مرکزی نظام قائم کرنے کیلئے ارکان منتظمہ پورے ملک سے منتخب کرلئے جائیں

ج :۔ نو یا گیارہ افراد پر مشتمل ایک سب کمیٹی بنادی جائے جو مجلس مرکزیہ کے اصول وضوابط اور طریقۂ کار کا مسودہ تیار کرے، کام میں تیزی اور سہولت پیدا کرنے کے لئے اس سب کمیٹی کو اختیار دیا جائے کہ وہ ملک کے صوبوں میں مجلس کی شاخیں قائم کرے، نیز مرکزی دفتر کے انصرام وانتظام کی ذمہ داریوں کو پورا کرے۔ سب کمیٹی کے افراد حسب ذیل ہوں گے۔ حضرت مولانا مرغوب الرحمن صاحب مہتمم دارالعلوم دیوبند، حضرت مولانا سید اسعد مدنی صدر جمعیۃ علماء ہند، حضرت مولانا مفتی منظور احمد صاحب قاضی شہر کانپور، حضرت مولانا سعید احمد صاحب پالن پوری استاذ دارالعلوم دیوبند، حضرت مولانا مفتی عبدالعزیز صاحب رائے پوری، مولانا اسرار الحق صاحب قاسمی، مولانا عبدالعلیم صاحب فاروقی دارالمبلغین لکھنؤ۔ منتظمہ اور سب کمیٹی دونوں کے کنوینر حضرت مولانا مرغوب الرحمن صاحب ہوں گے اور عارضی دفتر دارالعلوم دیوبند میں ہوگا

د :۔ یہ اجلاس دارالعلوم دیوبند اور اس کے ارکان سے اپیل کرتا ہے کہ وہ مجلس تحفظ ختم نبوت الہند کی سرپرستی فرماتے رہیں گے اور علمی وتبلیغی امور میں ان کا تعاون مجلس کو حاصل رہے گا۔

تجویز ۲ :۔ تحفظ ختم نبوت کا یہ اجلاس حکومت ہند کو اس طرف توجہ دلانا ضروری سمجھتا ہے کہ ہندوستان اور دنیا بھر کے تمام مسلم علماء اور پوری ملت اسلامیہ مرزا غلام احمد قادیانی کے پیروکاروں کو جنھیں۔۔۔ قادیانی، احمدی، لاہوری وغیرہ مختلف ناموں سے جانا جاتا ہے ایک جھوٹے مدعی نبوت کی پیروی کی بنا پر مرتد اور مسلمانوں سے علاحدہ ایک اقلیت قرار دے چکے ہیں اور بہت سی مسلم حکومتیں مسلمانوں کے

اس اجماعی اور متفقہ فیصلہ کو قانونی حیثیت دے کر اپنے اپنے ملکوں میں اسکا نفاذ کر چکی ہیں اس لئے یہ عظیم اسلامی اجلاس حکومت ہند سے مطالبہ کرتا ہے کہ وہ مسلمانان ہند کے دینی جذبات اور عالم اسلام کے اس متفقہ فیصلہ کا احترام اور لحاظ کرتے ہوئے قادیانی فرقہ کو ملت اسلامیہ سے الگ ایک اقلیت قرار دے اور مسلمانوں کے مخصوص معاملات اور حقوق میں اس فرقہ کو شریک نہ کرے۔

تجویز ۳:۔ تحفظ ختم نبوت کا یہ اجلاس وزیر قانون اور وزیر اعظم ہند کے ان بیانات کو جن میں ملک کے اندر یکساں سول کوڈ کے نفاذ کی بات کہی گئی ہے انتہائی تشویش کی نگاہ سے دیکھتا ہے، کیونکہ ہندوستان ایک ایسا ملک ہے جس میں متعدد مذاہب کے پیرو بستے ہیں اس ملک میں ایک زبان، ایک تہذیب اور ایک مذہب نہ کبھی ہوا ہے اور نہ کبھی ہو سکتا ہے، اس لئے جمہوریت اور آزادئ فکر ورائے کے اس دور میں یکساں سول کوڈ کا تجربہ نہ صرف یہ کہ یہاں بسنے والے مختلف اہل مذاہب کے ذہنی وفکری انتشار کا سبب بنے گا بلکہ ملک کی سالمیت اور قومی یک جہتی کو بھی پاش پاش کر دے گا

علاوہ ازیں یکساں سول کوڈ کے نفاذ سے مسلم پرسنل لا کی کوئی حیثیت باقی نہیں رہے گی، اور مسلمان کسی حال میں بھی اسے برداشت نہیں کر سکتا کہ کوئی فرد یا حکومت خواہ وہ مسلمانوں ہی کی کیوں نہ ہو اس کے دینی ومذہبی معاملات میں دخل اندازی کرے، اس لئے مسلمانوں کی نظر میں ہر وہ کوشش جو شرعی احکام اور اسکے ضابطوں کو ختم کرنے کیلئے یا گھٹانے بڑھانے کے لئے کیجائیگی مداخلت فی الدین کے ہم معنی ہے۔

اس لئے یہ اجلاس حکومت ہند سے مطالبہ کرتا ہے کہ وہ اس خطرناک اسکیم سے جو ملک وقوم دونوں کو انتشار اور پراگندگی میں مبتلا کردے، دست بردار ہو جائے اور بالفرض اگر وہ اس اسکیم کو بروئے کار لانے ہی کے درپے ہے تو کم از کم مسلمانوں کو دفعہ ۴۴ سے مستثنیٰ رکھے کیونکہ یہ اسکیم مسلمانوں کیلئے کسی صورت سے بھی قابل قبول نہ ہوگی۔

تجویز ۴ :۔ تحفظ ختم نبوت کا یہ عظیم اجلاس تمام برادران ملت اور اپنے دینی بھائیوں کو اس امر کی جانب توجہ دلانا اپنا ایک اہم فریضہ سمجھتا ہے کہ قادیانی فرقہ با جماع ملت اسلامیہ مرتد اور کافر ہے اس لئے مسلمانوں کو ان کے اسلامی ناموں سے دھوکہ نہیں کھانا چاہئے، یہ اسلام دشمن گروہ مسلمانوں میں گھس کر قرآن و حدیث کا نام لے کر اور مختلف قسم کے لالچ دے کر بھولے بھالے اور سادہ لوح مسلمانوں کو اپنے دام فریب میں گرفتار کرنے کی کوشش میں لگا رہتا ہے اس لئے مسلمان ان سے ہمہ وقت چوکنا رہیں اور ان کے ساتھ کسی طرح کا میل جول نہ رکھیں

تجویز ۵ :۔ تحفظ ختم نبوت کا یہ عالمگیر اجلاس قادیانی فتنہ کے تعاقب اور اس کی اسلام دشمن سازش کو بے نقاب کرنے کے سلسلہ میں رابطہ عالم اسلامی، موتمر عالم اسلامی الجامعۃ الازہر، مجلس تحفظ ختم نبوت پاکستان اور دیگر عالمی اداروں کے مساعی جمیلہ کو بنظر استحسان دیکھتا ہے اور انھیں اس کارکردگی پر خراج تحسین پیش کرتا ہے

یہ اجلاس اپنے اس یقین کا اظہار بھی مناسب سمجھتا ہے کہ مسلم علماء، دانشوران ملت اور اسلامی ادارے اس فتنہ کی مکمل سرکوبی کیلئے سرگرم عمل رہیں گے اور مجلس تحفظ ختم نبوت الہند کے ساتھ بھرپور تعاون کریں گے۔

تجویز ۶ :۔ دارالعلوم دیوبند اور دیگر مدارس دینیہ کا اصل مقصد حفاظت و اشاعت دین کیلئے افراد سازی ہے، اب گوناگوں اسباب کی بنا پر یہ ضروری معلوم ہوتا ہے کہ اس مقصد کیلئے ایک مخصوص شعبہ قائم کیا جائے جس میں منتخب فضلائے دارالعلوم کو دین کی اشاعت اور وقت کے فتنوں سے دین کی حفاظت کیلئے تیار کرنے پر خصوصی توجہ دی جائے۔

یہ اجلاس دارالعلوم دیوبند کی موقر مجلس شوریٰ سے اس شعبہ کو دارالعلوم دیوبند میں قائم کرنے اور اس جانب خصوصی توجہ کرنے کی اپیل کرتا ہے۔

پانچویں نشست :۔ ۳۰ راکتوبر ۱۹۸۶ء کو ۸ بجے شب میں زیر صدارت حضرت مولانا مفتی منظور احمد مظاہری قاضی شہر کانپور رکن شوریٰ دارالعلوم دیوبند منعقد ہوئی، نشست

طلبہ دارالعلوم کیلئے مخصوص تھی جس میں طلبہ دارالعلوم نے اپنی محنت وکاوش کو مقالات اور تقریروں کی شکل میں پیش کیا سامعین نے ذوق وشوق سے سنا، اور اندازے سے زیادہ یہ اجلاس کامیاب ہوا۔

اجلاس کی کارروائی قاری شفیق الرحمٰن بلند شہری متعلم دارالعلوم کی تلاوت سے شروع ہوئی طلبۂ دارالعلوم میں سے مولوی ریاست علی رامپوری، مولوی محمد سفیان دیوبندی، مولوی شرافت علی سہارنپوری، مولوی محب اللہ دربھنگوی، مولوی احترام عادل بستی پوری نے اپنے مقالات پیش کئے اور مولوی سید محمد سلمان منصور پوری، مولوی سعید الرحمٰن بستوی، مولوی خلیل الرحمٰن پورنوی، مولوی عبدالکریم گورکھپوری نے تقریروں سے سامعین کو ہمہ تن گوش کیا

اسی اجلاس میں ڈاکٹر احمد خلیل رئیس شؤن الدینیہ للقوت المسلحہ کا پیغام جناب محمد باسل الرفاعی نامہ نگار اخبار الاتحاد، دبئی نے پڑھ کر سنایا، صدر اجلاس کی تقریر و دعا پر اس نشست کا اختتام ہوا۔

چھٹی نشست :- کا آغاز ۳۱ر اکتوبر جمعہ کو صبح ۸ر بجے ہوا جس کی صدارت حضرت مولانا سید اسعد مدنی صدر جمعیۃ علماء ہند نے فرمائی۔ جناب قاری سید قمر الحسن میرٹھی کی تلاوت سے اجلاس کا آغاز ہوا، جناب مولانا نور الحق حیدرآبادی نے بارگاہ رسالت میں نذرانۂ عقیدت پیش کیا۔

اسکے بعد مولانا رشید الوحیدی دہلی اور مولانا جمیل احمد نذیری اعظم گڈھ نے اپنا اپنا مقالہ پیش کیا پھر مولانا ابوالقاسم بنارسی نے تجاویز پڑھ کر سنائیں جسے اجلاس نے منظور کیا اور مولانا سعید احمد پالن پوری استاذ دارالعلوم نے تقریر فرمائی، اس کے بعد دارالعلوم کا ترانہ پڑھا گیا، پھر حضرت مولانا مرغوب الرحمٰن صاحب مہتمم دارالعلوم کی جانب سے جناب مولانا نور عالم صاحب استاذ دارالعلوم دیوبند ایڈیٹر الداعی نے مہمان محترم ڈاکٹر عبداللہ عمر نصیف جنرل سکریٹری رابطہ عالم اسلامی مکہ مکرمہ کی خدمت میں سپاسنامہ پیش کیا۔ بعدہ مہمان محترم نے اجلاس سے خطاب فرمایا اور دارالعلوم

(باقی صفحہ ۸۰ پر)

عہد رسالت میں حدیث کیسے نقل ہوئی

مولانا محمد حنیف ملی

حدیث کے باب میں ہم نے صحابہ کی جستجو اور انہماک کا اندازہ لگالیا اور یہ بھی جان لیا کہ حدیث بیان کرتے وقت ان کا تقویٰ اور خشیت کتنی زبردست تھی کہ ایک ایک صحابی بڑے اشتیاق سے حروف، کلمات اور مفہوم ضبط کرکے روایت کرتا تھا، بلکہ کبھی کسی سے کچھ دریافت کیا جاتا تو اس کی خواہش ہوتی کہ یہ بار کوئی اور اٹھالیتا تو اچھا ہوتا، اور بعضوں کے بارے میں تو یہاں تک ملتا ہے کہ کمی اور بیشی کے اندیشہ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث نقل کرنے سے بھی انکار کردیتا تھا، اس کی مثال حضرت علاء بن سعد بن مسعود کی روایت ہے، فرماتے ہیں کہ ایک صحابی سے کہا گیا کہ فلاں فلاں کی طرح تم حدیث کیوں نہیں بیان کرتے، انھوں نے کہا ایسا نہیں ہے کہ میں نے ان لوگوں کی طرح پیغمبر علیہ السلام کی حدیث نہ سنا ہو یا ان کی طرح آپ کی مجلسوں میں شریک نہ ہوا ہوں، لیکن میں اس لئے روایت نہیں کرتا کہ کہیں کچھ ہی دنوں کے بعد لوگ غفلت برتنے لگیں، اور آج ایسے لوگ موجود ہیں جو حدیث کی حفاظت کیلئے کافی ہیں اور مجھے حدیث رسول صلی اللہ علیہ وسلم میں کمی بیشی پسند نہیں ہے۔

قلتِ حدیث اور احتیاط کے ساتھ ہمارے لئے یہ تحقیق کرلینا بھی ضروری ہے کہ آخر

صحابہ حدیث کس طرح روایت کرتے تھے آیا وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے الفاظ تک محفوظ رکھتے تھے یا ارشادگرامی کے مفہوم کو بدلے بغیر اسے اپنے الفاظ اور اپنی زبان میں نقل کرتے تھے، روایتوں پر نظر کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ بہت سے صحابہ آپؐ کے ارشاد مبارک کا ایک ایک لفظ نقل کرنے کے بے حد خواہش مند تھے اور بعض نے بوقت ضرورت روایۃ بالمعنی کی اجازت دے دی، اسی طرح تابعین بھی صحابہ کے نقش قدم پر عمل کرتے ہوئے دونوں رائے کے حامل ملتے ہیں، لیکن اس میں کوئی شک نہیں کہ صحابہ اور تابعین یہ چاہتے تھے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے جو کچھ سنا ہے بحیثیت مجموعی دوسروں تک پہنچا دیا جائے، اسی لئے بعض صحابہ نے یہ بھی گوارا نہیں کیا کہ حدیث کے کسی لفظ اور کلمہ کو بدل دیں، یا کسی کو آگے پیچھے کردیں، حضرت فاروق اعظمؓ فرمایا کرتے تھے "من سمع حدیثا فحدث بہ کما سمع فقد سلم" جس نے حدیث سن کر لفظ بلفظ نقل کردیا وہ محفوظ ہوگیا، یہی قول ابن عمر، زید بن ارقم وغیرہ صحابہ کا بھی ہے، صحابہ میں حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ الفاظ حدیث من وعن نقل کرنے میں بڑے سخت تھے، حضرت ابوجعفر بحوالہ محمد بن سوقہ نقل کرتے ہیں کہ جب وہ کوئی حدیث آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے سنتے یا کسی موقعہ پر آپ کے ساتھ شریک رہتے تو حدیث نقل کرنے میں کمی بیشی نہیں کرتے تھے، حضرت ابوجعفر کا بیان ہے کہ حضرت ابن عمرؓ ایک مجلس میں تھے، حضرت عبید بن عمیر مکہ والوں کو وعظ کر رہے تھے اتنے میں عبید نے کہا "مثل المنافق کمثل الشاۃ بین الغنمین ان اقبلت الی ھذہ الغنم نطحتھا وان اقبلت الی ھذہ نطحتھا" حضرت عبداللہ ابن صفوان نے فرمایا ابن عمر خدا آپ پر مہربان ہو دونوں تو ایک ہی ہے حضرت ابن عمر نے فرمایا میں نے تو ان الفاظ کے ساتھ نہیں سنا ہے۔ ایک مرتبہ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ نے یہ حدیث "بنی الاسلام علی خمس" بیان کی، کسی نے سن کر اس کا اعادہ کیا، حضرت ابن عمر نے فرمایا اس طرح نہیں "صیام رمضان" کو سب سے آخر میں ذکر کرو اسلئے کہ میں نے آنحضرت

صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان مبارک سے اسی طرح سنا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ خود ہم بھی روایتوں میں راوی کے مختلف اقوال پاتے ہیں مثلاً کذا وکذا یا " ایہما قال قبل" یہ دراصل راوی حدیث کی طرف سے آگاہی ہے کہ اس نے حدیث تو جان لی اس کا مفہوم بھی سمجھ لیا لیکن وہ قطعی طور پر دوناموں اور دو کلموں کی ترتیب نہیں یاد رکھ سکا، اس لئے ایسے موقعہ پر راوی شک کی جگہ واضح کر دیتا ہے، یہ بھی ملحوظ رہے کہ یہ شبہ اصل حدیث میں نہیں بلکہ الفاظ حدیث میں ہوا کرتا ہے جس سے مفہوم و معنی متاثر نہیں ہوتے جیسا کہ حضرت خالد ابن زید جہنیؓ نے ایک حدیث نقل کیا ہے جس کے الفاظ یہ ہیں " قریش والانصار، واسلم وغفار" یا " وغفار واسلم"

بعض راویوں نے حدیث کے ہر ہر لفظ کی حفاظت پر بہت زیادہ زور دیا ہے چاہے مفہوم نہ بدلے جب بھی ایک لفظ کی کمی بیشی سے بھی منع کیا ہے جیسا کہ حضرت سفیان بیان کرتے ہیں کہ امام زہری حضرت انس کے حوالہ سے نقل کرتے ہیں " نہی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عن الدباء والمزفت ان ینتبذ فیہ" حضرت سفیان سے کہا گیا کہ حدیث میں "ینبذ" ہے انھوں نے کہا نہیں نہیں ہم سے امام زہری نے بھی ینتبذ فیہ نقل کیا ہے، بعض راوی تو الفاظ حدیث کے اتنے زیادہ حریص ہوتے ہیں کہ مشدّد کو مخفف، اور مخفف کو مشدّد پڑھنا بھی گوارہ نہیں کرتے۔ نما۔ نمّی کا لفظ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی اس حدیث میں ہے " لیس الکاذب من اصلح بین الناس فقال خیرا او نمی خیرا ہر چند کہ اس عمل سے معنی میں کوئی فرق نہیں پڑتا تاہم حماد فرماتے ہیں کہ میں نے یہی حدیث دو شخصوں سے سنا ہے ایک نے نما مخفف اور دوسرے نے نمّی مشدد پڑھا ہے، بعض محدثین کو الفاظ حدیث کی حفاظت کا کتنا زیادہ شوق تھا اس کا اندازہ اس سے ہوتا ہے کہ جب شاگرد روایت لکھنا چاہتے تو یہ بیان کرتے ورنہ نہیں اس لئے کہ انھیں یہ ناپسند تھا کہ وہ کچھ کا کچھ یاد کرلیں اور اہل حدیث میں وہم کو راہ مل جائے جیسا کہ خطیب بغدادی نے حضرت ابن عیینہ سے

نقل کیا ہے کہ محمد بن عمرو کہتے ہیں، قسم بخدا جب تک تم حدیث لکھوگے نہیں میں بیان بھی نہیں کروں گا، مجھے ڈر ہے کہ تم میری طرف غلط بات منسوب نہ کردو، ایک دوسری مثال رامہرمزی نے طلحہ بن عبدالملک سے نقل کیا ہے، فرماتے ہیں، کہ میں حضرت قاسم کے پاس آیا اور ان سے کچھ باتیں دریافت کیں، میں نے عرض کیا کیا اسے لکھ لوں حضرت قاسم نے فرمایا ہاں لکھ لو پھر اپنے صاحبزادے سے کہا کہ ان کی کاپی دیکھ لو کہیں میری طرف کوئی زائد بات منسوب نہ کردیں، طلحہ فرماتے ہیں کہ ابو محمد: اگر مجھے کذب بیانی کا خیال ہوتا تو آپ کی خدمت میں کبھی نہیں آتا، حضرت قاسم نے فرمایا یہ مقصد نہیں کہ مجھکو آپ پر اعتماد نہیں رہا بلکہ میری منشاء تو یہ ہے کہ اگر سہواً کوئی لفظ رہ گیا ہو تو اسے بھی درست کریں، حضرت اعمش فرماتے تھے کہ یہ علم ایسے لوگوں کے پاس تھا جو یہ چاہتے تھے کہ ہم حدیث میں واؤ، الف یا دال کا اضافہ کریں اس سے اچھا یہ ہے کہ آسمان سے گر کر جان دے دیں۔

حضرت ابن عون رحمۃ اللہ علیہ نے ایسے تین ہی علما پائے جو الفاظِ حدیث کے باب میں بہت سخت تھے، قاسم بن محمد حجاز میں، محمد بن سیرین بصرہ میں، اور حضرت رجاء بن حیوۃ شام میں، حضرت ابراہیم بن میسرہ اور امام طاؤس دونوں ایک ایک حرف کی رعایت کرکے حدیث بیان فرماتے تھے، بلکہ طاؤس تو حدیث کا ایک ایک حرف گنتے تھے، یہی حضرت سفیان بن عیینہ کا بھی قول ہے، حجاز کے محدثین میں ابن شہاب زہری، یحییٰ بن سعید اور ابن جریج حدیث انھی الفاظ کے ساتھ بیان کرتے تھے جو حدیث میں موجود ہیں اس میں کوئی ترمیم نہیں کرتے تھے، حضرت امام مالک بھی انھی کلمات کے ساتھ حدیث نقل کرنے میں حریص تھے جو حدیث میں آئے ہیں

صحابہ اور تابعین کا دوسرا گروہ روایت بالمعنی کا قائل تھا اور ضرورت کے وقت ایک کلمہ کو دوسرے سے بدل دینے کی اجازت بھی دیا ہے، انھیں جب الفاظ بدلنے کی ضرورت ہوتی تو وضاحت کردیتے کہ یہ الفاظ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے نہیں ہیں، یہی وجہ ہے کہ ہمیں ایسے بھی بعض صحابہ ملتے ہیں جو غلطی کے اندیشے سے روایت کرنے میں بہت زیادہ احتیاط

کرتے تھے، یہ حضرت ابن مسعودؓ ہیں جب حدیث بیان کرتے تو" قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم" کہہ کر فرماتے ھکذا، او نحوا من ھذا، او قریبا من ھذا" یہ کہتے جاتے اور کانپتے جاتے۔ حضرت ابودرداء رضی اللہ عنہ جب حدیث بیان کرکے فارغ ہوجاتے تو فرماتے اونحو ھذا او شکلہ یعنی یا یہی الفاظ حدیث کے ہیں یا اس سے ملتے جلتے، اور فرماتے اللھم الاھکذا" خدا کرے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے یہی الفاظ ہوں، محمد بن سیرین فرماتے ہیں کہ حضرت انس رضی اللہ عنہ حدیث بہت کم بیان کرتے تھے اور جب آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا کوئی ارشاد نقل کرتے تو اوکما قال علیہ الصلوٰۃ والسلام فرما دیتے تھے حضرت عروہ کا بیان ہے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے مجھ سے فرمایا اچھا یہ بتاؤ کہ دو مرتبہ کی روایتوں میں کچھ فرق بھی ہوتا ہے، میں نے عرض کیا نہیں، اس پر انھوں نے فرمایا کہ پھر کوئی مضائقہ نہیں حضرت ایوب محمد بن سیرین سے نقل کرتے ہیں کہ بعض مرتبہ ایک حدیث الفاظ کے تھوڑے تھوڑے فرق سے دس آدمیوں سے سنتا ہوں جبکہ مفہوم ایک ہوتا ہے، حضرت مکحول فرماتے ہیں کہ میں اور حضرت ابو ازہر ایک مرتبہ حضرت واثلہ بن اسقع رضی اللہ عنہ کے پاس آئے ہم نے کہا ابن الاسقع رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وہ حدیث سنائیے جس میں وہم ونسیان اور کمی زیادتی کا کوئی امکان نہ ہو حضرت واثلہ نے فرمایا تم میں سے کسی نے قرآن بھی پڑھا ہے ہم نے کہا ہاں! لیکن ہمیں خوب یاد نہیں ہے، ہم کبھی واؤ، الف بڑھا دیتے ہیں اور کبھی گھٹا دیتے ہیں حضرت واثلہ نے فرمایا کہ جب یہ قرآن جو کاغذ میں تحریر ہے جسے تم خوب یاد کرتے ہو تمھیں یاد نہیں اور اس میں کمی و زیادتی ہوجاتی ہے تو پھر ان حدیثوں میں کمی بیشی کیسے نہ ہوگی جسے ہم نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے کاش ہم آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے ایک ہی بار حدیث سنتے اگر ہم کوئی روایت معنی کے لحاظ سے نقل کریں تو تم اس کو کافی سمجھو۔ حضرت زرارہ بن ابی اوفی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے متعدد صحابہ سے ملاقات کی میں نے محسوس کیا کہ ان کی روایتوں میں الفاظ کا فرق تو تھا لیکن سب کی روایتوں کا مفہوم ایک تھا، حضرت جریر بن حازم رحمۃ اللہ علیہ فرماتے

ہیں کہ میں نے حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ کو حدیث بیان کرتے ہوئے سنا ہے ان کے الفاظ مختلف لیکن مفہوم ایک ہی ہوتا تھا، حضرت عمران قصیر فرماتے ہیں کہ میں نے حسن بصری رحمۃ اللہ سے عرض کیا ہم جن الفاظ کے ساتھ حدیث سنتے ہیں بعینہ اسی طرح بیان نہیں کرپاتے فرمایا ہم بھی اگر سنی ہوئی حدیث کے ایک ایک لفظ کی رعایت کرکے روایت بیان کریں تو دو حدیث بھی بیان نہ کرسکیں بس حدیث میں حلال وحرام کا مفہوم آجائے تو کوئی مضائقہ نہیں۔

حضرت ابن مسعود، ابو درداء، انس بن مالک، حضرت عائشہ، حضرت عمرو بن دینار عامر شعبی، ابراہیم نخعی، ابن ابی نجیح، عمرو بن مرہ، جعفر بن محمد، ابن عیینہ اور یحییٰ بن سعید قطان رضی اللہ عنہم سے روایت بالمعنیٰ کی اجازت منقول ہے، ابن عون نے ایسے تین محدثین سے ملاقات نقل کی ہے جو روایت بالمعنیٰ کی اجازت دیتے ہیں ان کے نام یہ ہیں حسن بصری ابراہیم نخعی، اور عامر شعبی، ان بزرگوں نے بضرورت روایت بالمعنیٰ کی اجازت دی ہے، یہ بزرگ لوگوں سے کہا کرتے تھے ہم روایت بالمعنیٰ تو کرتے تھے لیکن آخر میں "او کما قال علیہ السلام" بھی کہہ دیتے تھے، صحابہ میں ایک گروہ ایسا بھی تھا جو لکھنے والوں کو روایت بالمعنیٰ کی اجازت نہیں دیتا تھا محض اسلئے کہ کوئی یہ خیال نہ کرلے یہی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے الفاظ بھی ہیں، چنانچہ حضرت عمرو بن دینار رضی اللہ عنہ روایت بالمعنیٰ کرتے وقت فرماتے تھے "احرج علی من یکتب عنی" جس نے میری روایات لکھی اس نے دشواری پیدا کردی، ہمیں یہاں تسلیم کرلینا چاہئے کہ جن علماء نے روایت بالمعنیٰ کی اجازت دی ہے کچھ شرطیں بھی لگادی ہیں اور سب کو روایت بالمعنیٰ کی اجازت بھی نہیں دی بلکہ بضرورت مخصوص حالات میں اجازت دی ہے مثلاً ذہن سے لفظ حدیث ہی ذہول کرجائے یا روایت بیان کرتے وقت کسی وجہ سے کلمات یاد نہ آئیں تو اسے روایت بالمعنیٰ کی اجازت ہے اور اس ضرورت کا استعمال بھی بقدر ضرورت ہوگا، امام شافعیؒ نے راوی کے اوصاف ذکر کرتے ہوئے فرمایا ہے کہ جس سے روایت بیان کی جائے وہ ثقہ ہو، صدق گوئی کے لئے مشہور ہو، اپنی نقل کردہ حدیث

کو سمجھتا بھی ہو، اور معنی میں جو تبدیلی پیدا ہو اس سے بھی واقف ہو، حدیث جن الفاظ کیساتھ سنے اسی طرح بیان کر دیا کرے اس لئے کہ جانکار نہ ہونے کی وجہ سے جب روایت بالمعنی کریگا تو اسے خود خبر نہ ہوگی کہ وہ حرام کو حلال سے اور حلال کو حرام سے بدل تو نہیں رہا ہے اور جب الفاظ وحروف سمیت ادا کرے گا تو حدیث کے کچھ سے کچھ ہو جانے کا اندیشہ نہ ہوگا۔

رامہرمزی فرماتے ہیں کہ امام شافعی کا ارشاد ہے کہ محدث الفاظ حدیث کا پابند ہو تو اسکے لئے روایت بالمعنی درست ہے، علاوہ ازیں وہ عربی زبان، محاورات عرب، رموز معانی، انداز گفتگو اور اسلوب کلام کی واقفیت کے ساتھ الفاظ کی تبدیلی سے پیدا ہونے والے معنی کو بھی جانتا ہو اگر اس میں یہ اوصاف ہوں تو اسے روایت بالمعنی کی اجازت ہے اس لئے کہ وہ اپنے فہم وذکاء سے مفہوم کو بدلنے اور حکم کو ختم ہونے سے بچا لیگا اور اگر راوی میں یہ اوصاف نہیں ہیں تو الفاظ کی رعایت کے ساتھ اس کو ادا کرنا ہی ضروری ہوگا بلکہ ظاہری الفاظ سے بھی انحراف کرنا اس کے لئے کسی طرح جائز نہ ہوگا، ہم نے اسی مسلک کا اکثر اہل علم اور فقہاء کو بھی پابند پایا ہے۔

جو لوگ روایت بالمعنی کے قائل ہیں ان کی دلیل یہ ہے کہ خدا نے گذشتہ نبیوں اور قوموں کے واقعات نقل کئے ہیں اور مختلف مقامات پر مختلف معنی ومفہوم کی رعایت رکھتے ہوئے بیان کیا ہے وہ بھی پچھلی قوموں کی زبان سے عربی میں منتقل کیا ہے جس میں تقدیم وتاخیر کے ساتھ کمی زیادتی بھی ہے بلکہ بعض باتوں کا ذکر ہے اور بعض کا نہیں ہے جس سے روایت بالمعنی کا ثبوت ملتا ہے۔

روایت بالمعنی کا یہ طریق صحابہ کے لئے کوئی نیا اور نرالا نہیں ہے بلکہ وہ تو خود قرآن کے حکیمانہ اسلوب اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے طریقے سے اس کا جواز فراہم کر رہے ہیں جیسا کہ رامہرمزی نے نقل کیا ہے چنانچہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے سفیر اور قاصد مختلف علاقوں میں جب روانہ فرمایا تو یہ لوگ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے نامہ مبارک کا ترجمہ عربی کے

علاوہ علاقائی زبانوں میں کرتے رہے، جس میں تقدیم وتاخیر بھی ہوئی ہے، پس اگر حدیث کی ترجمانی دوسری زبانوں میں صحیح ہے تو غیر ملکی اور اجنبی زبانوں کے مقابلہ پر حدیث کی ترجمانی عربی زبان میں بدرجہ اولیٰ درست ہونی چاہئے اور جو لوگ روایت بالمعنی پسند نہیں کرتے ان کے پاس بھی دلائل ہیں مثلاً رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے۔ نضر اللہ امرأ سمع مناحدیثا فاداہ کما سمعہ" خدا اس بندہ کو تروتازہ رکھے جس نے ہماری کوئی حدیث سنی اور انہی الفاظ کے ساتھ دوسروں تک پہنچا دیا۔ حضرت براء بن عازب فرماتے ہیں کہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے فرمایا کہ جب تم بستر پر لیٹنے لگو تو کیا کہوگے عرض کیا یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم خدا اور رسول بہتر جانیں آپ نے فرمایا کہ جب تم سونے لگو تو اپنے دائیں ہاتھ پر سر رکھ لو پھر یہ پڑھو۔ اللھم اسلمت وجھی الیک وفوضت امری الیک والجأت ظھری الیک رغبۃ ورھبۃ الیک آمنت بکتابک الذی نزلت ونبیک الذی ارسلت " حضرت براء فرماتے ہیں کہ آپ نے مجھے جس طرح سکھایا اسی طرح پڑھا ہاں نبیک کی جگہ رسولک کہہ دیا اس وقت آپ نے دست مبارک سے میرے سینہ پر ازراہ شفقت مارا اور فرمایا نبیک ہی کہو اور پھر فرمایا کہ جو شخص یہ کہہ لے اور اتفاق سے اسی رات انتقال ہو جائے تو اس کی فطری موت ہوگی۔

بعض علماء نے دونوں فریق کی دلیلوں پر لمبی چوڑی بحثیں کی ہیں لیکن تمام علماء کا اس پر اتفاق ہے کہ جاہل کو روایت بالمعنی کی مطلق اجازت نہیں ہے اور جن علماء نے اجازت دی ہے تو وہ بھی کچھ شرائط کے ساتھ، حضرت اوردی فرماتے ہیں کہ اگر راوی لفظ بھول جائے تو اس کے لئے جائز ہے اس لئے کہ وہ لفظ اور معنی دونوں کا امین ہے، لیکن اگر ایک کو ادا کرنے سے قاصر ہے تو اس کے لئے دوسری صورت ضروری اور ناگزیر ہے خصوصاً اس لئے بھی کہ بالکل روک دینے سے حدیث کا کتمان (چھپانا) لازم آئیگا۔ اس لئے ایسی صورت میں روایت بالمعنی کی اجازت ہے، ہاں اگر ایسے الفاظ یاد ہوں تو روایت بالمعنی درست

نہ ہوگی اس لئے کہ جو فصاحت آپ کے کلام مبارک میں ہے وہ دوسروں کے کلام میں نہیں ہے، علامہ سیوطیؒ فرماتے ہیں کہ میرے نزدیک ضروری یہ ہے کہ وہ روایت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے جوامع کلم میں نہ ہو اور ایسے الفاظ بھی نہ ہوں جنھیں بطور عبادت کے ادا کرنا حدیث میں منقول ہو تو روایت بالمعنی جائز ہے

ان تفصیلات کے بعد ہم قطعی طور پر کہہ سکتے ہیں کہ روایت بالمعنی ضرورت کی بنا پر ہے اور صحابہ کا تقویٰ، روایت میں ان کی دقت نظر، حفاظت حدیث کا اہتمام اور غایت احتیاط کے پیش نظر روایت بالمعنی مخصوص حالات میں جائز رہی ہے ہر وقت نہیں، میرے نزدیک یہی راجح ہے کہ روایت بالمعنی اگر تاریخی طور پر صحابہ سے ثابت بھی ہے تو آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے کلمات مبارکہ سے بہت زیادہ ہم آہنگ اور قریب ہے اسلئے کہ صحابہ نے آپ کو دیکھا ہے، آپ سے حدیث سنا ہے آپ کے مبارک حلقہ سے بافیض ہو کر اٹھے ہیں آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے التفات کریمانہ اور دعوت گرامی سے ان کے دیدہ و دل روشن ہوئے ہیں وہ فصاحت و بلاغت کے اعلیٰ مقام پر ہیں عربوں کی زبان کو امت میں سب سے زیادہ جاننے والے یہی ہیں ان کے کلام میں کسی غلطی اور مفسدہ کو راہ نہیں ملتی، قوموں اور علاقوں میں رہنے کے باوجود ان کی زبان و مزاج تغیر پذیر نہیں ہوئے انھیں رسول اللہ کے ارشادات عالیہ سے بے پناہ مناسبت ہے اس لئے روایت بالمعنی میں آپ کے مفہوم گرامی سے کبھی منحرف نہیں ہوں گے، میرے نزدیک زیادہ زوردار بات یہ ہے کہ صحابہ اور تابعین نے جو حدیث بھی بیان کی ہے وہ زیادہ تر آں حضرت کے الفاظ ہی ہوتے ہیں اس لئے کہ ان میں کچھ تو ایسے تھے جو حدیث سنتے ہی آپ کے سامنے لکھ لیتے تھے اور حلقہ بنا کر سنی ہوئی حدیث کا مذاکرہ کرتے تھے ایک دوسروں کی لفظی اصلاح بھی کرتے تھے اور اگر کسی کو کوئی شبہ ہو جائے تو فوراً ذات اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف رجوع کرکے شبہ دور کرلیتا تھا اور تابعین بھی صحابہ سے جو کچھ سنتے لکھ کر یاد کرلیتے تھے ان میں کچھ ایسے بھی تھے کہ حدیث یاد کرلینے کے

بعد اسے مٹا دیتے، بعض ایسے بھی تھے جو یاد کر کے اپنی بیاض یا تختی پر محفوظ کر لیتے اور بعض صحابہ اپنی ڈائری پر محفوظ کر لیتے تھے، اور جو تابعین لکھنے کا اہتمام نہیں کرتے ان کی تمام تر خواہش اور کوشش یہ ہوتی تھی کہ اسے اپنے سینوں میں زبانی محفوظ رکھیں حدیث کا وقتاً فوقتاً مذاکرہ کیا کبھی حدیث حاصل کرنے اور کبھی سنی ہوئی حدیث کی تصدیق و توثیق کیلئے صحابہ کے پاس ایک شہر سے دوسرے شہر جاتے اور اس طرح وہ حدیث کے ایک ایک لفظ اور اسکے مفہوم کو ضبط کرتے تھے۔

بلاشبہ اس قوت حافظہ سے جو خدا نے ان حاملینِ شریعت اور راویان حدیث کو بخشی ہے ہمارے اعتماد کو اور تقویت پہنچتی ہے کہ صحابہ نے جتنی روایات آں حضرت صلی اللہ علیہ سے کی ہیں زیادہ تر آپ ہی کے الفاظ ہیں چنانچہ تاریخ میں حضرت ابوہریرہ وغیرہ کے حفظ کا ذکر ملتا ہے اور جب کوئی صحابۂ کرام کی بے پناہ قوت حافظہ اور یاد داشت کی صحیح کیفیت معلوم کرتا ہے تو دنگ رہ جاتا ہے اسی قوت حافظہ کی بدولت حدیث رسول ہم تک صحت کے ساتھ پہنچی ہے۔ آپ قوت حافظہ کی چند مثالیں ملاحظہ فرمائیں۔

یہ ابن عباس رضی اللہ عنہ ہیں جو قوت حافظہ میں بہت مشہور ہیں، ان کے حافظہ کا یہ عالم تھا کہ حدیث ایک ہی مرتبہ سننے کے بعد ازبر ہو جاتی تھی، تذکرہ نگاروں نے لکھا ہے کہ حضرت ابن عباس نے ابن ابی ربیعہ کے اسّی اشعار پر مشتمل ایک قصیدہ سنا اور پہلی ہی مرتبہ اسے یاد کر لیا، حضرت ابن عباس کی طرح اور بھی مثالیں صحابۂ کرام میں ملتی ہیں ان میں حضرت زید بن ثابت بھی ہیں جنھیں بالغ ہونے سے پہلے ہی قرآن کریم کا اکثر حصہ یاد تھا اور کل سترہ دن میں یہودیوں کی زبان بھی انھوں نے سیکھ لی، یہ ام المؤمنین حضرت عائشہؓ ہیں جو ذکاوت اور حفظ میں امتیازی مقام رکھتی تھیں، تابعین میں حضرت ابن عمر خادم حضرت نافع رحمۃ اللہ علیہ جن سے ساری عمر حافظہ کی کوئی غلطی نہیں ہوئی اور جن کے حفظ کی باریکیوں پر تمام ناقدوں نے اتفاق کیا ہے انھیں میں اپنے زمانہ کے مشہور ترین محدث امام زہری علوم اسلامیہ

کے انسائیکلوپیڈیا امام شعبی اور ممتاز فقیہ حضرت قتادہ بن دعامہ دوسی بھی ہیں جو بلا کی مہارت، غضب کی یادداشت میں ضرب المثل ہیں

روایت کے مختلف طریقوں میں راوی کے اختلاف لفظ پر جب ہم غور کرتے ہیں تو ایک بڑا حصہ ایسی روایات کا ملتا ہے جس میں آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے کسی عمل کا ذکر ہوتا ہے یا پھر کسی خاص واقعہ کا جسے راوی نے خود مشاہدہ کیا ہے اور اس واقعہ سے کوئی نتیجہ اخذ کرکے دوسروں تک پہنچا رہا ہو تو عموماً الفاظ حدیث میں اختلاف ہو جاتا ہے جس کی رواۃ اس طرح تعبیر کرتے ہیں۔ "امر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بکذا اور نہی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عن کذا" وغیرہ حالانکہ دونوں کا مطلب ایک ہے اور یہ تو فطری بات ہے کہ صیغوں کی علیحدہ علیحدہ ادائیگی میں شک کی گنجائش نہیں ہے اس لئے کہ ہر راوی جو کچھ اپنی آنکھ سے دیکھتا ہے اس کی ترجمانی اپنے الفاظ میں کرتا ہے، ہاں یہ بات بہت شاذ و نادر ہے کہ راوی کا لفظی اختلاف عبادت کے لئے خاص کردہ الفاظ میں ہو یا ان حدیثوں میں ہو جو جوامع الکلم ہیں جیسے اذان و اقامت کے کلمات، مقررہ دعائیں اور تشہد کے جملے وغیرہ اس لئے کہ وہ تو بہرحال مقرر اور طے شدہ ہیں

یہ بھی ملحوظ رہے کہ ہم تک الفاظ کا جو اختلاف روایت بالمعنی کی وجہ سے پہنچا ہے اس کا زیادہ تر مدار آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی مجالس اور اسکی کثرت پر ہے اسلئے کہ آپ مختلف موقعوں پر ایک موضوع بیان فرماتے ہیں اور دریافت کرنے والوں کو ان کے مبلغ فہم کے مناسب جواب عنایت فرماتے ہیں، کبھی کبھی ایک ہی مسئلہ سے متعلق متعدد باتیں ذکر فرماتے اور ہر شخص کو مطمئن فرماتے تھے، جس کی تعبیر جداگانہ، الفاظ مختلف، اور جملے متفاوت ہوتے اور مقصود پورا ہو جاتا تھا، ان صورتوں میں جو روایات بالمعنی بیان کی جائیں ظاہر ہے کہ اہل علم کی غیر معمولی جستجو اور حدیث رسول کا بہت زیادہ مطالعہ ہونے کی وجہ سے یہ روایتیں ان کی نظر سے مخفی نہیں رہ سکیں بلکہ یہ علماء ضبط

(باقی برصفحہ)

مطالعات و تعلیقات

مولانا قاضی اطہر مبارکپوری

اسلامی عدل و انصاف

غزوۂ بدر کا خاتمہ اسلام کی شاندار فتح ہے کتنے ہی بڑے بڑے کفار مارے گئے، اور کتنے ہی سربرآوردگانِ کفر و شرک قید کئے گئے، قیدیوں میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا حضرت عباس بن عبد المطلب بھی ہیں، کفار قریش زبردستی کر کے ان کو اپنے ساتھ لائے تھے، اور گرفتاروں میں وہ بھی شامل ہو گئے فیصلہ ٹھہرا کہ قیدیوں سے فدیہ کی رقم لے کر ان کو چھوڑ دیا جائے، یہ کوئی ذاتی معاملہ اور خاندانی قضیہ نہیں تھا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے چچا حضرت عباسؓ سے مطالبہ فرمایا کہ وہ فدیہ کی رقم ادا کریں، اس پر ایک انصاری صحابی نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کہا

ایذن لنا فلنترك لابن اختنا العباس بن عبد المطلب فداءه — آپ ہمیں اجازت دیجئے کہ ہم اپنے بھتیجے عباس بن عبد المطلب کا فدیہ معاف کر دیں

یہ جملہ سنتے ہی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا

لا، ولا درهمًا (طبقات ابن سعد ص۳ ج۴) — نہیں، ایک درہم بھی معاف نہیں ہوگا

اپنے چچا کے ساتھ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے قلبی تعلق کا یہ حال تھا کہ زنجیروں میں انکی

کراہ کی وجہ سے آپ کو نیند نہیں آتی تھی، مگر عدل و انصاف کا یہ حال تھا کہ چچا کے فدیہ کی معمولی رقم بھی معاف نہیں فرمائی اور اسلام کے حربی قوانین کی رو سے جنگی قیدی کیساتھ جو معاملہ کیا جاتا ہے وہی معاملہ چچا کے ساتھ بھی کیا، یہ اسلامی عدل و انصاف کی ایک ہلکی سی مثال ہے۔

آخری باتیں

حضرت عمران بن حصین رضی اللہ عنہ مشہور صحابی ہیں، ۵۳ھ میں بصرہ میں فوت ہوئے، عرب میں علاج کا ایک طریقہ کَیْ یعنی داغنا بھی رائج تھا جس میں بدن کا حصہ گرم لوہے سے داغا جاتا ہے اسلئے ناپسندیدہ تھا مگر بعض اوقات مجبوراً ایسا کرنا پڑتا تھا حضرت عمران بن حصین بھی اس کو سخت ناپسند کرتے تھے بلکہ دوسروں کو بھی اس سے روکتے تھے، اتفاق سے ایک مرتبہ ایک مہلک بیماری میں مبتلا ہو گئے اور کَیْ کے ذریعہ علاج کرانا پڑا بعد میں اس پر افسوس کر کے فرمایا کرتے تھے کہ میں نے اپنے بدن کو آگ سے داغا لیکن نہ تکلیف سے نجات ملی اور نہ شفا نصیب ہوئی، ایک تابعی حضرت مطرفؒ کا بیان ہے کہ عمران بن حصین جب زیادہ بیمار ہو گئے تو مجھکو بلا کر کہا کہ میری زندگی میں ملائکہ مجھے سلام کیا کرتے تھے اس وقت میں چند باتیں بیان کر رہا ہوں اگر میں اس بیماری سے شفایاب ہو گیا تو تم ان باتوں کو چھپائے رکھنا اور اگر میرا انتقال ہو جائے تو تمہارا جی چاہے تو لوگوں سے بیان کر دینا ان باتوں سے شاید اللہ تعالیٰ تمکو نفع دے مجھے فرشتے سلام کیا کرتے تھے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حج اور عمرہ ایک ساتھ جمع کر کے ادا فرمایا اس کے بعد اس بارے میں نہ تو قرآن میں کچھ نازل ہوا اور نہ ہی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے منع فرمایا، اس بارے میں جس نے چاہا اپنی رائے سے بات کہدی

اور حضرت عمران بن حصین کا بالکل آخری وقت آیا تو کہا کہ جب میں مر جاؤں تو میرے عمامہ سے مجھے میری چارپائی سے باندھ دینا اور دفن سے لوٹ کر اونٹ ذبح کرنا اور اس کو

غربا، ومساکین کو کھلا دینا (طبقات ابن سعد ج ۱ قسم دوم ص ۱۵)

بندگان دین اور صحابہ کرام اپنے کو کس طرح دنیا کی نظر سے چھپاتے تھے حضرت عمران بن حصین نے دنیا سے جاتے وقت بتایا کہ مجھے ملائکہ سلام کیا کرتے تھے، اگر میں شفایاب ہوگیا تو اس کا تذکرہ کسی سے نہ کرنا، علمی و دینی معاملات و مسائل میں اس قدر محتاط تھے کہ جو کچھ حج و عمرہ کے بارے میں ان کو صحیح طور سے معلوم تھا بیان کردیا، اور کتمان سے کام نہیں لیا، اللہ والے اپنی مصلحتوں کو خوب سمجھتے ہیں، کسی مصلحت کی وجہ سے وصیت فرمائی کہ میرے عمامہ سے میری لاش کو میری چارپائی سے باندھ دینا، اس کا رمز ان کا ادا شناس ہی سمجھ سکتا ہے۔

امام احمد بن حنبلؒ کے دو خط

حضرت امام احمد بن محمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ جس وقت فتنۂ خلق قرآن میں مقام عسکر میں نظر بند کئے گئے تھے، اور آپ کے چھوٹے صاحبزادے ابوالفضل صالح بن احمد بغداد واپس آگئے تھے امام صاحب نے ان کے پاس یہ خط لکھا۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ! اللہ تعالیٰ تم کو نیک انجام بنائے اور دنیا کی تمام بلیات و مکروہات سے محفوظ رکھے، تم سے پہلے تمہارے بڑے بھائی عبداللہ سے میں نے کہا تھا کہ وہ بغداد ہی میں رہیں، میرے پاس عسکر میں نہ آئیں، اور آج تمہارے پاس اسی مضمون کا خط لکھ رہا ہوں، میری تمنا ہے کہ یہاں میرا چرچا نہ ہونے پائے، تم لوگوں کی موجودگی کی وجہ سے میرا تذکرہ ہوتا رہے گا، تمہاری مجلسوں میں آنے والے جب واپس جاتے ہیں تو میرا ذکر اِدھر اُدھر ہوتا ہے، اگرچہ یہ ذکر خیر کے ساتھ ہوتا ہے لیکن میں ہرگز نہیں چاہتا ہوں کہ لوگ میرے حالات سے واقف ہوں اور عقیدتمندی کے باعث میرے لئے مصیبت بنیں۔

پیارے بیٹے صالح! اگر تم اور تمہارے بھائی عبداللہ بغداد میں رہو اور میرے پاس نہ آؤ تو اس میں میری عین خوشی ہے، ان سطور سے اپنے دل میں کوئی خیال نہ لانا، اسی میں تم لوگوں کے لئے سراسر خیر ہے۔

اسی زمانہ میں امام صاحب نے ان کے نام یہ دوسرا مکتوب عسکر سے روانہ فرمایا

بسم اللہ الرحمن الرحیم ! اللہ تعالیٰ تمہیں نیک انجام بنائے، اور اپنی رحمت سے تمام برائیاں تم سے دور رکھے، یہ خط تمہارے نام ہے، لہذا تم اپنے کو مخاطب سمجھ کر اس پر عمل کرو، یہاں میرے پاس اللہ کی دی ہوئی ساری نعمت موجود ہے اللہ تعالیٰ ان میں مزید اضافہ کرے اور شکر کی توفیق دے، اب میری زندگی کی مشکل گرہیں کھل چکی ہیں یہاں پر جو دوسرے علماء ہیں شاہی عطیات قبول کر کے شاہی خواہش کے تابع ہو گئے ہیں اور دربار شاہی سے ان کے وظیفے مقرر ہو گئے ہیں، درحقیقت یہی وظائف ان کے لئے زنجیر بن گئے، ہیں جن میں وہ جکڑ چکے ہیں اور اب ان کا حال یہ ہے کہ دین میں نئے نئے باب کا اضافہ کرتے رہتے ہیں، دربار میں جا کر رات دن بادشاہ کی چشم وابرو کو دیکھتے رہتے ہیں، ہم تو اللہ تعالیٰ سے یہی التجا کرتے ہیں کہ ہمیں ایسے دنیادار علماء کے شر سے محفوظ رکھے اور ان کی صحبت سے بچائے۔

میں یہاں پر جس مکدّر فضا اور غیر دینی ماحول میں گھرا ہوں اگر اس سے مجھے نجات دلانے کیلئے تمکو اپنے اہل ومال کا فدیہ ادا کرنا پڑے اور میری خلاصی ہو جائے تو تم اسے بہت ہی سہل نسخہ سمجھو، ان حالات میں اگر تمہارے پاس اس قسم کے خطوط لکھوں تو تمہاری طبیعت پر گرانباری نہ ہونی چاہئے، یہ فتنہ وفساد کا زمانہ ہے، تم لوگ گھر سے باہر قدم نہ نکالو، یقیناً اللہ تعالیٰ میری نجات کی کوئی نہ کوئی سبیل نکالے گا، والسلام علیکم ورحمۃ اللہ

زچہ بچہ ام المومنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی خدمت میں نومولود بچے برکت کیلئے لائے جاتے تھے، اور آپ ان کے حق میں دعا، خیر وبرکت کیا کرتی تھیں ایک مرتبہ آپ نے ایک بچہ کو دیکھا کہ اسکے سرہانے تکیہ سے چھپا ہوا اُسترا رکھا ہے، گھر والوں سے دریافت کیا کہ یہاں اُسترا کس لئے رکھا گیا ہے؟ تو لوگوں نے بتایا کہ ہم لوگ جنات سے بچنے کیلئے بچوں کے سرہانے اُسترا رکھدیا کرتے ہیں، یہ سنکر حضرت عائشہؓ نے اُسترا اٹھا کر پھینکدیا، لوگوں کو سختی کے ساتھ اس سے روکا اور کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بدفالی کو

سخت مکروہ اور ناپسند سمجھتے تھے (الادب المفرد امام بخاری ص ۱۳۳)

مسلمانوں کے یہاں بھی ہندوؤں کی طرح زچہ بچہ کے بارے میں بہت سی توہم پرستیاں چلتی ہیں، زچہ خانے کے دروازے پر چھ سات دن تک مستقل طور سے آگ رکھی جاتی ہے اور لوہے کی سلاخ گاڑ دی جاتی ہے تاکہ جاہل عوام کے خیال کے مطابق ارواح خبیثہ اور جنات وشیاطین اس ترکیب سے بچہ زچہ کو تکلیف نہیں پہنچاتے ہیں، اسکے علاوہ بچہ جب تک سال دو سال کا نہیں ہو جاتا اس کے سرہانے کجوٹا (کاجل رکھنے کا لوہے کا برتن) رکھا جاتا ہے، کیا مجال کہ کسی وقت وہاں سے ہٹ جائے۔

یہ توہمات اسلامی ذہن ومزاج کے سراسر خلاف اور از روئے شریعت حرام ہیں، مسلمان مردوں اور عورتوں کو اس قسم کے توہمات سے دور رہنا چاہیئے، خاص طور سے عورتیں ان سے دور رہیں، یہ مرض مردوں کے مقابلہ میں عورتوں کے اندر زیادہ پایا جاتا ہے

ابوالحسن ابن حامد دیبلی بغدادیؒ

ہمارے ملک میں پرانے زمانہ میں بڑے بڑے اہل اور ارباب کمال گذرے ہیں، جن کو یہاں کے لوگ بھول گئے مگر اسلامی تاریخ نے ان کو اپنے سینے میں چھپائے رکھا ہے، انہی میں ابوالحسن ابن حامد دیبلی بغدادی رحمۃ اللہ علیہ بھی ہیں، ان کا پورا نام حسن ابن حامد بن حسن بن حامد بن حسن ہے، کنیت ابوالحسن ہے، سندھ کے شہر دیبل کے رہنے والے تھے مگر مستقل سکونت بغداد میں اختیار کر لی تھی، ۴۰۷ھ میں انتقال کیا، بہت بڑے محدث اور عربی زبان کے ادیب وشاعر تھے اسی کے ساتھ نہایت کامیاب تاجر اور مالدار عالم تھے، انھوں نے بغداد میں ایک سرائے بنوائی تھی ان کے نام سے خان ابن حامد مشہور تھی ان کا تذکرہ خطیب بغدادی نے تاریخ بغداد میں اور ابن عساکر نے تاریخ کبیر میں لکھا ہے کسی ہندی مورخ نے اس ہندی محدث اور شاعر وتاجر کا حال نہیں لکھا ہے خطیب کا بیان ہے۔

کان صدوقاً، تاجراً، مسولاً و الیہ ینسب خان ابن حامد الذی فی درب الزعفرانی ببغداد (تاریخ بغداد ج۳)

ابن حامد نہایت سچے اور مالدار تاجر تھے بغداد کی زعفرانی گلی والی سرائے خان ابن حامد ان ہی کی طرف منسوب ہے۔

ابوالحسن ابن حامد دیبلی کا بیان ہے کہ مشہور شاعر متنبیؔ جب بغداد آتا تو میرے ہی مکان پر قیام کرتا تھا، ایک مرتبہ متنبیؔ نے مجھ سے کہا کہ اگر میں کسی تاجر کی مدح میں شعر کہتا تو آپ کی مدح سب سے پہلے کرتا۔

دیبل سے نکل کر بغداد گئے اور وہاں مستقل سکونت اختیار کی اور موت کا وقت قریب آیا تو قسمت نے مصر پہنچا دیا جہاں شروع شوال بروز یکشنبہ ۳۴۱ھ میں انتقال کیا ان کے دو اشعار بھی سن لیں۔

شریت المعالی غیر منتظر بھا

کساداً ولا سوقاً یقوم لھا اخری

ولا انا من اھل المکاس و کلما

توفرت الاثمان کنت لھا اشری

ابوالحسن ابن حامد دیبلیؒ کے وطن دیبل کو حضرت محمد بن قاسم ثقفی نے پہلی صدی ہجری کے آخر میں پہلی بار فتح کیا تھا، وہاں بہت بڑا بت خانہ تھا اسی لئے اس شہر کا نام ہی دیول تھا جو عربی میں دیبل ہوگیا، راقم الحروف مارچ ۱۹۸۶ء میں دیبل میں حاضر ہوچکا ہے قدیم شہر کی کھدائی ہوئی ہے، شہر پناہ کی دیواریں اور بہت سی قدیم چیزیں نکلی ہیں، عجیب حسرت و عبرت کا منظر ہے، ایک مسجد کا فرش بھی نکلا ہے جس کے بارے میں بتایا جاتا ہے کہ مشرقی عالم اسلام کی پہلی مسجد ہے، میں نے اس میں دو رکعت نماز پڑھی اور ایک مجمع کے سامنے اس شہر کی اسلامی تاریخ پر مختصر تقریر کی، اس کا ایک عجائب خانہ بھی اس میں ہے جس میں وہاں سے ملی ہوئی قدیم چیزیں رکھی ہیں، میں نے اسکے بعض پتھروں سے عربی تحریر نقل کی جو

اسلامی ہند کی تاریخ میں بڑے کام کی ہے۔

مسجد و مدرسہ کے امام و معلم

حضرت عمرو بن سلمہ رضی اللہ عنہ اپنے والد حضرت سلمہؓ کی زبانی یہ واقعہ بیان کرتے ہیں کہ میں اور میری قوم کے چند افراد اپنی بستی سے چل کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں پہنچے اس سفر کا مقصد قرآن کی تعلیم حاصل کرنا تھا، جب میرے قبیلہ والے اپنا کام کر چکے تو انھوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا کہ ہماری بستی میں ہمارا امام کون ہوگا؟ آپ نے فرمایا کہ تم میں سے جس نے قرآن کی تعلیم زیادہ حاصل کی ہے وہی امامت کریگا۔

جب یہ لوگ اپنے قبیلے میں واپس گئے اور نماز کے لئے امام تلاش کرنے لگے تو مجھ سے زیادہ قرآن کا جاننے والا اور پڑھنے والا کوئی دوسرا شخص نہ مل سکا، میں اس وقت کم عمر لڑکا تھا لوگوں نے متفقہ طور پر مجھے نماز کیلئے آگے بڑھایا، اس وقت سے آج تک ان کا کوئی مجمع ایسا نہیں ہوتا جس کا امام میں نہ ہوتا ہوں (ابتدائے اسلام میں نابالغ کی امامت جائز تھی) اس واقعہ کے راوی حضرت سلمہؓ اپنی قوم کو پنج وقتہ نماز پڑھانے کے ساتھ ان کے جنازوں کی نماز بھی پڑھاتے تھے اور مختلف مسجدوں میں بوقت ضرورت امامت کرتے تھے، اس طرح زندگی بھر انھوں نے امامت کی اور آخری وقت تک یہ خدمت انجام دی (سنن بیہقی ۲۲۵/۳۷)

حضرت سلمہ رضی اللہ عنہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے جلیل القدر صحابی ہیں جس دن سے مدرسہ نبوت سے سند لے کر نکلے اپنی قوم کی امامت میں لگ گئے دور رسالت میں بلکہ اس کے بعد تک مسجدوں کے امام وہاں کے مدرس و معلم بھی ہوا کرتے تھے اور مسجدوں ہی میں دینی درس دیتے تھے حضرت سلمہؓ اپنے قوم کے چہیتے بچے تھے جو بچپن ہی سے عالم دین مانے جاتے تھے ان کی قوم ان کو ہر جگہ اور ہر موقع پر آگے بڑھاتی تھی اور جب تک زندہ رہے مسجد اور مدرسہ کے ذریعہ دینی خدمت انجام دیتے رہے

امامت اور معلمی دونوں کا عہدہ بہت شریف اور معزز ہے بشرطیکہ اس عہدہ والے اپنی ذمہ داری پوری کریں اور آجکل کے اماموں اور معلموں کی طرح اپنے کو مسجد کے نمازیوں اور مدرسوں کے ناظموں کا خادم سمجھ کر احساس کمتری میں مبتلا نہ ہوں بلکہ نہایت خود داری کیساتھ اپنی ذمہ داری پوری کریں، وہ خادم نہیں مخدوم ہیں۔

تاریخ طبری سے متعلق ایک غلط فہمی کا ازالہ

مولانا اسیر ادروی

ابوجعفر محمد بن جریر بن یزید الطبری علمی دنیا میں زندۂ جاوید اور عالمی شہرت کے مالک ہیں ان کے دو عظیم الشان کارنامے ہیں، ایک قرآن پاک کی ضخیم تفسیر جو جامع البیان عن تاویل آی القرآن" کے نام سے مشہور ہے، ان کا دوسرا زندہ جاوید کارنامہ اسلامی تاریخ کی قدیم ترین اور مبسوط کتاب "تاریخ الامم والملوک" ہے جو تاریخ طبری کے نام سے مشہور اور علمی دنیا سے خراج تحسین حاصل کر چکی ہے۔

ابن جریر طبری کے فضل وکمال کا اندازہ صرف ایک واقعہ سے کیا جاسکتا ہے جس کے ناقل مشہور مصنف ومورخ خطیب بغدادی متوفی ۴۶۳ھ ہیں، وہ طبری کے حالات میں لکھتے ہیں

ان الطبری قال لاصحابه اتنشطون تفسیر القرآن؟ قالوا، کم یکون قدره؟ قال، ثلاثون الف ورقة، فقالوا، هذا مما یفنی الاعمار قبل تمامه، فاختصره	طبری نے اپنے تلامذہ سے کہا تفسیر قرآن لکھنے سے دلچسپی رکھتے ہو؟ تو ان لوگوں نے دریافت کیا، وہ کتنی ضخیم ہوگی؟ تو طبری نے کہا کہ تیس ہزار اوراق میں آئے گی، تو لوگوں نے کہا کہ تفسیر پوری ہونے سے پہلے ہماری عمریں

فی نحو ثلاثة آلاف ورقة ثم قال اتنشطون لتاریخ العالم من آدم الی وقتنا هذا؟ قالوا کم یکون قدره؟ فذکر انحوامما ذکره فی التفسیر، فاجابوا مثل ذلك، فقال انا لله، ماتت الهمم فاختصره فی نحو ما اختصر التفسیر[1]

ہی ختم ہو جائیں گی، یہ سن کر آپ نے اس کو صرف تین ہزار صفحات میں لکھا۔ پھر پوچھا، تاریخ اسلام سے دلچسپی ہے جو آدم سے ہمارے زمانے تک کی تاریخ ہو؟ تو پھر لوگوں نے پوچھا، کتنے اوراق میں آ ئیگی تو پھر وہی بات فرمائی جو تفسیر کے سلسلہ میں کہی تھی لوگوں نے وہی جواب دیا جو پہلے دے چکے تھے، تو طبری نے کہا، انا للہ حوصلے پست ہو چکے ہیں اور تاریخ کو بھی تفسیر ہی کی طرح مختصر کر دیا۔

علمی دنیا میں یہ دونوں کتابیں قبولیت عامہ کے ہاتھوں لی گئیں اور شوق و عقیدت کی نگاہوں سے پڑھی گئیں، اکابر علماء امت نے شاندار لفظوں میں دونوں کتابوں کو خراج تحسین پیش کیا، ان کی تفسیر کے متعلق ابو حامد الاسفرائنی کے یہ الفاظ مشہور ہیں اور ہر تذکرہ نگار نے نقل کئے ہیں۔

لوسافر رجل الی الصین حتی یحصل له کتاب تفسیر ابن جریر لم یکن ذلك کثیراً[2]

اگر کوئی چین جیسے دور و دراز ملک کا سفر صرف تفسیر طبری حاصل کرنے کیلئے کرے تو یہ کوئی لمبا سفر نہیں ہے۔

مشہور محدث ابن خزیمہؒ صاحب صحیح ابن خزیمہؒ نے تفسیر طبری کو دیکھ کر فرمایا

قد نظرت فیه من اوله الی آخره

میں نے تفسیر از ابتدا تا انتہا دیکھی ہے،

---

[1] تاریخ بغداد ج ۲ ص ۱۶۳۔ [2] لسان المیزان ج ۵ ص ۱۰۲، تذکرۃ الحفاظ ج ۲ ص ۱۲، وغیرہ۔

وما اعلم علی ادیم الارض اعلم من محمد بن جریر الطبری[1] — میرے علم میں اس وقت محمد ابن جریر طبری سے بڑا کوئی عالم روئے زمین پر نہیں ہے

ان کی تاریخ کی مقبولیت کا یہ عالم ہوا کہ تصنیف کے کچھ ہی برسوں بعد مختلف زبانوں میں اسکے ترجمے کئے گئے اور پھر اس کتاب کو شاہی سرپرستی حاصل ہوگئی، اور بہت بڑے پیمانہ پر اسکی اشاعت ہوئی، اسلامی تاریخ میں کوئی کتاب اتنی جامع نہیں لکھی گئی تھی اس لئے مورخین میں تمام مشاہیر اصحاب تاریخ جیسے ابن مسکویہ، ابن اثیر، حافظ ابن کثیر وغیرہ نے اپنی اپنی کتابوں میں اس سے استفادہ کیا۔

طبری کی دونوں کتابوں کے بار بار ایڈیشن شائع ہوئے، تفسیر کے قدیم ایڈیشنوں میں وہ نسخہ ہے جو پہلے پہل امراء نجد میں آل رشید کے کتب خانہ کے مخطوطہ کو تصحیح و تحقیق اور کتب خانہ خدیویہ قاہرہ (مصر) کے مخطوطہ سے مقابلہ کرکے مطبع میمنیہ مصر سے شائع کیا گیا تھا، دور جدید میں یہ تفسیر خوبصورت ٹائپ میں ۳۰ جلدوں میں شائع ہو کر دنیا میں پھیل گئی ہے۔

ان کی تاریخ کا غالباً پہلا اور قدیم ایڈیشن لیڈن سے شائع ہوا تھا جو اب بھی لائبریریوں میں پایا جاتا ہے، ماضی قریب میں مصر سے ۱۳ جلدوں میں شائع ہوئی ہے اور عام طور سے کتب خانوں میں پائی جاتی ہے۔ ابن جریر طبری کی ان دونوں کتابوں کے علاوہ دوسری اور پندرہ کتابیں ہیں جن کی فہرست اکثر تذکرہ نگاروں نے دی ہے۔

عصر حاضر میں تاریخ طبری اسلامی تاریخ کے سلسلہ میں اہم ترین ماخذ کی حیثیت رکھتی ہے اسلامی دنیا سے گذر کر یورپین مصنفین اور مستشرقین کی تحقیق اور مطالعہ اور ان کے حوالجات نے اس کی اہمیت میں اور اضافہ کردیا ہے۔ تدوین حدیث کی تاریخ کے سلسلہ میں مستشرقین کا سب سے اہم اور بڑا ماخذ یہی کتاب بنتی ہے اور وہ اسی کے حوالے دیتے ہیں اور وہ اس تاریخ کو اسی ابن جریر طبری کی تصنیف مانتے ہیں جس کی وفات ۳۱۰ھ میں ہوئی اور جو مشہور

---

[1] البدایہ والنہایہ لابن کثیر ج ۱۱ ص ۱۴۶، تاریخ بغداد ج ۲ ص ۱۶۴

تفسیر جامع البیان عن تاویل آی القرآن کا مصنف ہے۔

اسی طرح قدیم مصنفین میں ابن ندیم متوفی ۳۸۵ھ اور خطیب بغدادی متوفی ۴۶۳ھ سے لے کر متاخرین میں حافظ ابن حجر، علامہ ذہبی، ابن العماد الحنبلی وغیرہ تک سبھی تفسیر طبری اور تاریخ طبری دونوں کا مصنف ایک ہی فرد کو تسلیم کرتے ہیں، کسی کے یہاں یہ شبہ بھی نہیں پایا جاتا کہ مذکورہ بالا دونوں کتابوں کے مصنف دو ہو سکتے ہیں، اور تفسیر کا مصنف صحیح العقیدہ اور تاریخ کا مصنف غالی رافضی ہے، یہ خیال چودھویں صدی میں منظر عام پر آیا ہے۔

یہ غلط فہمی کہاں سے پیدا ہوئی؟ اس کی بنیاد کیا ہے؟ اس کا سراغ ہمیں علامہ ذہبی کی کتاب میں ابن جریر طبری کے ترجمے میں سلیمانی کی جرح سے ملتا ہے، علامہ ذہبی لکھتے ہیں

محمد بن جریر بن یزید الطبری الامام الجلیل المفسر ابو جعفر صاحب التصانیف الباھرة مات سنة عشر وثلثمائة اقذع احمد بن علی السلیمانی الحافظ فقال، کان یضع للروافض۔ ھذا رجم بالظن الکاذب بل ابن جریر من کبار ائمة الاسلام المعتمدین . . . . فلعل السلیمانی اراد الآتی [۱]

محمد ابن جریر بن یزید الطبری جلیل القدر امام و مفسر جن کی کنیت ابو جعفر ہے، عظیم المرتبت کتابوں کے مصنف ہیں جن کا انتقال ۳۱۰ھ میں ہوا ہے، احمد بن علی سلیمانی نے ان کے بارہ میں برا بھلا کہا ہے، انھوں نے کہا کہ وہ رافضیوں کیلئے حدیثیں وضع کرتے تھے، یہ ان پر بے بنیاد اور غلط الزام ہے، ابن جریر تو قابل اعتماد ائمہ اسلام میں سے ہیں، ہو سکتا ہے کہ سلیمانی نے یہ بات اس ابن جریر کے متعلق کہی ہو جس کا ذکر آگے آرہا ہے۔

اس کے بعد ذہبی نے محمد بن جریر بن رستم ابو جعفر طبری کا ترجمہ لکھا ہے، اسکے

---

[۱] ابو الفضل احمد بن علی بن عمر السلیمانی الحافظ اللبیکندی المتوفی ۴۰۴ھ بیکند، کتاب الانساب للسمعانی ج ۲، ص ۱۹۸

متعلق انھوں نے صاف طور پر لکھدیا ہے۔

رافضی له تواليف منها كتاب الرواة عن اهل البيت، رماه بالرفض عبد العزيز الكتانی۔[1]	یہ رافضی ہے، اس کی کئی کتابیں ہیں، اسکی تصانیف میں قابل ذکر کتاب الرواۃ عن اہل البیت ہے کتانی نے اس پر رافضی ہونے کا الزام لگایا ہے

حافظ ابن حجر نے دونوں کے ترجموں میں ذہبی کی پوری عبارت نقل کردی ہے اور اس پر یہ اضافہ کیا ہے کہ ابن جریر بن یزید طبری پر رافضیت کا الزام غلطی سے لگایا گیا ہے، ان کے الفاظ ہیں۔

انما ضره بالاشتراك فی اسمه واسم ابيه ونسبه وكنيته ومعاصرته وكثرة تصانيفه[2]	ان کو نقصان اس رافضی کے نام، والد کے نام، نسبت اور کنیت میں اشتراک معاصری اور تصانیف کی کثرت کی وجہ سے پہنچا۔

ابن جریر طبری رافضی کے ترجمے میں حافظ ابن حجر نے ابن جریر ابن یزید طبری پر رافضیت کے الزام کی وجہ یہ بتائی ہے کہ یہ بات مشہور کردی گئی کہ وہ وضو میں پاؤں کو دھونے کے بجائے اس کے مسح کے قائل ہیں حالانکہ ایسی بات نہیں ہے، حافظ ابن حجر کے الفاظ ہیں۔

لعل ما حكی عن محمد بن جرير الطبری من الاكتفاء فی الوضوء بمسح الرجلين انما هو هذا الرافضی فانه مذهبهم[3]	شاید بات یہ ہوئی کہ لوگ کہنے لگے کہ وہ وضو میں پاؤں پر مسح کو کافی سمجھتے ہیں، حالانکہ یہ بات ابن جریر رافضی کی ہے کیونکہ رافضیوں کا یہی مذہب ہے۔

---

[1] میزان الاعتدال ج ۳ ص ۴۹۸-۴۹۹۔ [2] لسان المیزان ج ۵ ص ۱۰۰۔ [3] لسان المیزان ج ۵ ص ۱۰۰۔

اب یہ بات ناقابل انکار ہوگئی کہ طبری دو ہیں، ایک ابن جریر بن یزید طبری معتمد ائمہ اسلام ہیں، دوسرا ابن جریر بن رستم طبری غالی رافضی ہے، اتفاق سے دونوں ابن جریر صاحب تصانیف ہیں، اور "تاریخ الامم والملوک" کا طرز تحریر ایسا ہے سرسری مطالعہ کرنے والوں کو اس سے شیعیت کی بُو آتی ہے، بس اتنی سی بات نے ایک خلاف حقیقت اور بے بنیاد دعویٰ کرنے پر مجبور کر دیا حالانکہ ہونا یہ چاہیئے تھا کہ کتاب کا تحقیقی مطالعہ کرکے اس کی روایتوں کا مستند روایات سے موازنہ کرکے رد و قبول، جمع و تطبیق سے کام لیا جاتا اور طرز تحریر کی وضاحت کی جاتی۔ سہل الحصول طریقہ یہ سمجھا گیا کہ کتاب ہی کو ابن جریر رافضی کی طرف منسوب کر دیا جائے، خس کم، جہاں پاک۔

سوال یہ ہے کہ ابن جریر رافضی نے کوئی اسلامی تاریخ لکھی بھی ہے یا نہیں جتنے بھی قابل حصول تذکرے مجھے دستیاب ہوئے ان میں کہیں بھی یہ نہیں ملتا کہ ابن جریر رافضی کی فن تاریخ میں تاریخ الامم والملوک کے نام سے کوئی کتاب ہے، اس کے برعکس ابن جریر بن یزید طبری کی تمام کتابوں کی فہرست متعدد کتابوں میں پائی جاتی ہے اور ہر جگہ ان کی تفسیر و تاریخ ان کی تصانیف میں شامل پائی جاتی ہیں[1]۔

قدیم و جدید کسی تذکرے میں ادنیٰ شبہ کا اظہار بھی نہیں کیا گیا ہے کہ تاریخ الامم والملوک ابن جریر رافضی کی ہے اور تفسیر ابن جریر بن یزید طبری کی ہے، اس سلسلہ میں اتنی شہادتیں ہیں کہ کسی شک و شبہ کی کوئی گنجائش نہیں رہ جاتی، چند شہادتیں آپ کے سامنے پیش ہیں

علوم و فنون کے تعارف کے سلسلہ میں سب سے قدیم تصنیف ابن ندیم کی "الفہرست" ہے، ابن ندیم ابن جریر طبری سے قریب العہد بھی ہیں کیونکہ طبری کا انتقال ۳۱۰ھ میں ہوا ہے اور ابن ندیم کا سال وفات ۳۷۵ھ ہے یعنی طبری سے ۶۵ سال کے بعد اگر ابن ندیم نے اپنی

---

[1] تفصیل کیلئے دیکھئے تذکرۃ الحفاظ ج ۲ ص ۱۲، فہرست ابن ندیم ص ۳۲۶، ۳۲۷، طبقات الشافعیۃ الکبریٰ ج ۲ ص ۱۳۶ تاریخ الامم والملوک ج ۱ مقدمۂ ناشر ص ۴-۵

یہ کتاب دورِ شباب میں لکھی ہے تو طبری کے انتقال کو زیادہ سے زیادہ بیس چالیس سال کا زمانہ گذرا ہوگا، انھوں نے اپنی کتاب میں ایک مستقل عنوان ہی "الطبری واصحابہ" قائم کیا ہے، ان کی زندگی کے حالات اور سال وفات کو ابوالفرج المعافی بن زکریا النہروانی[1] کی روایت سے لیا جو بغداد کے قاضی تھے جہاں طبری کی علمی وتصنیفی زندگی کا بیشتر حصہ گذرا ہے، ان کے بچپن میں جب ان کی عمر سات سال کی تھی تو طبری کا بغداد میں انتقال ہوا تھا، ان کو ابن جریر سے وہ عقیدت تھی کہ لوگ ان کو "جریری" کہا کرتے تھے، انھی کے بیان پر ابن ندیم نے طبری کا سال وفات ۳۱۰ھ بتایا جو متفق علیہ ہے۔

ابن ندیم نے لکھا ہے کہ مجھ سے ابواسحاق بن محمد ابن اسحاق نے بتایا کہ مجھ سے ایک قابل اعتماد اور ثقہ آدمی نے بتایا جس نے مصر میں طبری سے ملاقات کی تھی اور ان کی مجلسوں میں شریک ہوا تھا، وہ کہتا ہے کہ میں طبری کے خط کو پہچانتا ہوں میں نے ان کے بہت سے مخطوطے ان کے قلم کے لکھے ہوئے دیکھے ہیں پھر اس نے طبری کی تصنیفات کو شمار کراتے ہوئے ان کی تفسیر وتاریخ کے متعلق بتایا۔

کتاب التاریخ ویضاف الیہ القطعات واخرما املی منہ الی سنۃ ۳۰۲ھ و ھھنا قطع، وقد اختصر ھذا الکتاب وحذف اسانیدہ جماعۃ منھم رجل یعرف بمحمد بن سلیمان الھاشمی ....کتاب التفسیر لم یعمل احسن منہ وقد اختصرہ جماعۃ منھم[2]

ان کی تاریخ کی کتاب ہے اس کے دو حصے بتائے جاتے ہیں، انھوں نے ۳۰۲ھ کے حالات املا کرائے ہیں، ہمارے یہاں ایک حصہ ہے بعض لوگوں نے اس کی تلخیص بھی کی ہے اور اس کی سندوں کو حذف کر دیا ہے تلخیص کرنے والوں میں محمد بن سلیمان ہاشمی ہیں، ان کی کتاب التفسیر ہے جس سے بہتر اب تک کوئی تفسیر نہیں لکھی گئی اس کی بھی تلخیص ہوئی ہے

---

[1] تفصیلی حالات کے لئے دیکھئے الاعلام للزرکلی ج ۸ ص ۱۶۰ البدایۃ والنہایۃ لابن کثیر ج ۱۲ ص ۳۲۸

[2] الفہرست لابن ندیم ص ۳۲۶-۳۲۷۔

ابن ندیم نے ان دو کتابوں کے علاوہ ان کی دوسری پندرہ کتابوں کو بھی شمار کرایا ہے۔ ان دونوں کتابوں کو اسی صحیح العقیدہ ابن جریر طبری کی تصنیف بتاتے ہیں جن کا انتقال ۳۱۰ھ میں ہوا ہے

ابن ندیم کے بعد خطیب بغدادی متوفی ۴۶۳ھ کا زمانہ آتا ہے انھوں نے اپنی مشہور عالم کتاب تاریخ بغداد میں طبری کا سات صفحات میں مفصل تذکرہ کیا ہے، ان کے علمی مقام ومرتبہ، فضل وکمال، اسفار، دیگر حالات اور وفات، تجہیز وتکفین، جنازہ پڑھنے والوں کا ازدحام تک کو تفصیل سے بیان کیا ہے، اور بتاتے ہیں کہ ان کا انتقال اتوار کے دن ۲۸ شوال ۳۱۰ھ کو نماز مغرب کے وقت ہوا، حنابلہ کے تشدد اور مخالفت کی وجہ سے ان کو عام قبرستان میں دفن نہیں کیا جاسکا بلکہ ان کو ان کے گھر میں جو "رحبہ یعقوب" میں واقع تھا دفن کیا گیا۔

خطیب بغدادی نے بڑے ہی پرشکوہ الفاظ میں ان کے فضل وکمال اور ان کی بے مثال تصانیف کو خراج تحسین پیش کیا ہے انھوں نے طبری کی کئی کتابوں کا ذکر کیا ہے پھر ان کی تفسیر وتاریخ کے بارے میں تحریر فرمایا

.... ولہ الکتاب المشھور فی تاریخ الامم والملوک وکتاب فی التفسیر ولم یصنف احد مثلہ[1]	انھیں کی فن تاریخ کی مشہور کتاب تاریخ الامم والملوک ہے اور تفسیر میں ایسی کتاب لکھدی کہ اب تک ایسی کتاب نہیں لکھی گئی

ان جملوں سے جہاں دونوں کتابوں کے مصنف کے ایک ہونے کی شہادت ملتی ہے انھیں سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ خطیب کے زمانے تک طبری کی تاریخ کی شہرت بام عروج پر پہنچ چکی تھی، یہ شہرت خود بتاتی ہے کہ اسکے مصنف کے بارے میں کسی کو کوئی اشتباہ واشکال نہیں تھا۔

---

[1] تاریخ بغداد ج ۲ ص ۱۶۲ تا ۱۶۸ ۵۸۹

فن اسمار الرجال کے امام علامہ ذہبی نے اپنی کتاب کے ۶ صفحات میں ابن جریر کے حالات لکھے ہیں اور ان کے علم وفضل اور کمال فن کو خراج عقیدت پیش کرنے کیلئے خطیب بغدادی کی عبارت مستعار لی ہے، تفسیر وتاریخ کے سلسلہ میں طبری نے اپنے تلامذہ سے جس ضخامت کا اظہار کیا تھا اور طلبہ کی کم ہمتی کی وجہ سے دونوں کتابوں کو مختصر کرنے کے واقعہ کو ذہبی نے بھی مفصل لکھا ہے، پھر ذہبی نے ان کے مشہور شاگرد فرغانی کا بیان نقل کیا ہے۔

قال الفرغانی تحوله التفسیر والتاریخ وکتاب القراءات وکتاب العدد والتنزیل وکتاب اختلاف العلماء وکتاب تاریخ الرجال وکتاب لطیف القول فی الفقه وکتاب التبصیر فی الاصول کتاب تهذیب الاثار[۱]۔	فرغانی کہتے ہیں کہ ان کی درج ذیل کتابیں مکمل ہوگئیں، تفسیر، تاریخ، کتاب القراءت کتاب العدد والتنزیل، کتاب اختلاف العلماء کتاب تاریخ الرجال، لطیف القول فی الفقہ اور اصول میں کتاب التبصیر اور کتاب تہذیب الآثار (جو مکمل نہ ہوسکی) وغیرہ

ابن ندیم اور خطیب بغدادی نے ان کی جن تصانیف کا ذکر کیا ہے اور جو فہرست دی ہے علامہ ذہبی اسی فہرست کو نقل کرتے ہوئے طبری کی تفسیر اور تاریخ کے سلسلہ میں لکھتے ہیں۔

له الکتاب الکبیر المشهور فی تاریخ الامم وله کتاب التفسیر الذی لم یصنف مثله[۲]۔	ان کی عظیم کتاب تاریخ امم میں مشہور ہے اور ان کی تفسیر کی کتاب تو ایسی ہے کہ اس جیسی کوئی تفسیر نہیں لکھی گئی۔

تاج الدین السبکی متوفی ۷۷۱ھ نے بھی اپنی کتاب میں ابن جریر کا مفصل تذکرہ لکھا

---

[۱] تذکرۃ الحفاظ ج ۲ ص ۷۱۱۔ [۲] حوالہ مذکور

ہے اور ان کی پیدائش، تاریخ وفات، تفسیر و تاریخ کی ضمانت کا واقعہ تصانیف کی فہرست یہ سب کچھ انھوں نے خطیب بغدادی سے ہو بہو لیا ہے اور حقیقت مسلمہ کے طور پر ان تمام باتوں کو نقل کرتے چلے گئے ہیں، تصانیف کو شمار کراتے ہوئے انھوں نے لکھا ہے۔

ومن تصانیفہ کتاب التفسیر وکتاب التاریخ۔[1]

ان کی تصانیف میں کتاب التفسیر اور کتاب التاریخ وغیرہ ہیں۔

باقی آئندہ

بقیہ ص۲۱ حدیث عہد رسول میں

اتقان، قوت حافظہ اور دقت نظر میں دنیا کے لئے بہترین مثال ثابت ہوئے، یہ روایت بالمعنی کرتے بھی ہیں تو پوری احتیاط ملحوظ رکھتے ہیں حتیٰ کہ روایت کے دوران سہو وخطا وغیرہ پر تنبیہ بھی کرتے ہیں ان کی ہر وقت یہ خواہش ہوتی ہے کہ جو کلمات آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے منقول ہیں بس اسے ہی نقل کریں، اس غایت احتیاط کے بعد کسی اندیشہ کا کوئی امکان نہیں رہ جاتا جیسے مصنفین اور اعتراض کرنے والے ہوا دیتے ہیں

یہ بھی یاد رہے کہ روایت بالمعنی کا یہ اختلاف اکثر علماء کے یہاں نظریاتی ہے قرن اول میں بھی روایت بالمعنی اسی دائرہ میں ہوتی رہی ہے جسے مضر نہیں کہا جاسکتا اسلئے اس بحث کو از سر نو چھیڑنا فضول ہے جبکہ زمانہ بھی لد چکا ہے اور امت نے ان صحیح کتابوں کی صحت کے ساتھ ذکر کردہ حدیثوں کی صحت پر بھی اجماع کرلیا ہے تو پھر دلوں میں شکوک پیدا ہونے کی کوئی گنجائش بھی نہیں رہ جاتی جبکہ یہ حدیثیں انتہائی محفوظ طریقوں سے اور امت کے سب سے بہترین گروہ صحابہ اور تابعین کے ہاتھوں ہم تک پہنچی ہے تو کیا شک وشبہ کی ادنی سی گنجائش بھی رہ جائے گی۔

---

[1] طبقات الشافعیۃ الکبریٰ ج ۲ ص ۱۳۵ تا ۱۴۰۔

سیف مسلول کا ایک باب

بیہقئ عصر قاضی ثناء اللہ پانی پتی، متوفی ۱۲۲۵ھ

ترجمہ :- مولانا عزیز اللہ اعظمی فاضل دیوبند

"سیف مسلول" قاضی ثناء اللہ صاحب پانی پتی کی ایک اہم تصنیف ہے، موضوع ردّ شیعیت ہے، کتاب کی زبان فارسی ہے، تقریباً دو سو صفحات پر پھیلی ہے، موضوع کے لحاظ سے کتاب بہت اہم اور نادر ہے، اس میں شیعوں کے فرقے، ان کے عقائد و نظریات، اور خلفاء ثلثہ حضرت عائشہؓ اور دیگر صحابہ کے بارے میں ان کے غلط سلط خیالات پر سیر حاصل بحث ہے اس کتاب کی امتیازی خصوصیت جو اس موضوع کی دیگر کتابوں کے مقابلہ میں اس کو ایک نمایاں مقام عطا کرتی ہے وہ یہ ہے کہ مصنف نے قرآنی آیات کے ساتھ خود ان کے معتبر علماء کی کتابوں سے بھرپور استدلال کیا ہے، اور جابجا محمد بن یعقوب الکلینی کی کتاب کافی ابوجعفر محمد بن حسن طوسی کی کتاب، تہذیب و استبصار، محمد بن علی بن بابویہ القمی کی فقہ من لایحضرہ الفقیہ، اور استبصار ابن مطہر الحلی اور جامع عباسی اور ابومحمد حسن العسکری کی تفسیر سے روایات نقل کرکے ان کے خلاف استدلال کیا ہے تاکہ کسی کے لئے انکار کی گنجائش باقی نہ رہے۔

کتاب ایک مقدمہ و خاتمہ اور سات مقالات پر مشتمل ہے، چوتھا مقالہ خلفاء اربعہ اور دیگر صحابہ کے مطاعن کے رد میں ہے، اس مقالہ میں قاضی صاحب نے ان کے اعتراضات کا مدلل جواب دیا ہے جو انھوں نے خلفاء ثلثہ وغیرہم پر کیا ہے، اس کی افادیت کے پیش نظر

ہم اس مقالہ کا خلاصہ سیف مسلول کا ایک باب " کے عنوان سے اردو میں پیش کر رہے ہیں۔
خلفاء ثلثہ کی ترتیب سے اعتراض وجواب تحریر کیا جا رہا ہے۔

پہلا اعتراض ——— حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

جہزوا جیش اسامہ لعن اللہ من تخلف عنہ۔ لشکر اسامہ کی تیاری کرو، جو اس سے پیچھے رہ جائے اللہ اس پر لعنت کرے۔

ابوبکر (رضی اللہ عنہ) نے لشکر سے تخلف کیا، اس طرح حضور کی نافرمانی کی اور اللہ کی لعنت کے مستحق ہوئے

جواب ——— یہ حدیث اپنی جگہ صحیح تو ہے لیکن اس کا آخری ٹکڑا لعن اللہ من تخلف عنہ کسی روایت میں موجود نہیں ہے شہرستانی صاحب ملل ونحل نے بیان کیا ہے کہ یہ ٹکڑا موضوع ہے، حدیث کا جزو نہیں ہے اور تجہیز جیش کا حکم حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے مرض الموت کی حالت میں دیا تھا۔ اس حدیث سے حضرت ابوبکرؓ پر طعن وتشنیع کرنا سراسر غلط ہے، اسکی چند وجہ ہے۔

(۱) حضرت ابوبکرؓ اس حکم سے خارج تھے، اسلئے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے آپ کو نماز کی امامت سونپ دی تھی کہ لوگوں کو وقت پر نماز پڑھایا کریں، ایسی صورت میں آپ لشکر اسامہؓ کے ساتھ نہیں جاسکتے تھے، اسلئے آپ بالیقین اس حکم سے مستثنیٰ تھے۔

(۲) بالفرض اگر اس حکم میں داخل ہوں تب بھی امامت کا حکم اس کیلئے ناسخ ہوگا، اور لشکر کے ساتھ جانا ضروری نہیں ہوگا۔

(۳) حضورؐ نے تجہیز جیش (لشکر اور سامان لشکر تیار کرنے) کا حکم دیا تھا، جس کے مفہوم میں خود لشکر میں شریک ہونا۔ یا دوسروں کو بھیجنا یا اس کیلئے ضرورت کا سامان تیار کرنا سب داخل ہیں بہ نفس نفیس جانا ضروری نہیں۔ تاریخ گواہ ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد حضرت ابوبکرؓ نے لشکر تیار کرکے محاذ پر روانہ کیا، پس کیونکر لعنت کے مستحق ہوں گے۔

دوسرا اعتراض ——— یہ ہے کہ عمر بن خطابؓ نے بیان کیا ہے

كانت بيعة ابي بكر فلتة وقى الله المؤمنين من شرها فمن عاد الى مثلها فاقتلوه۔

ابوبکرؓ کی بیعت اچانک پیش آئی، اللہ نے اس کے شر (اس وقت کے شر) سے مومنین کی حفاظت فرمائی، اب اگر کوئی بیعت کیلئے سر اٹھائے تو اس کا سر قلم کردو۔

عمر بن خطابؓ کا یہ قول اس بات کی صراحت ہے کہ ابوبکرؓ کی خلافت حقیقت پر مبنی نہیں تھی اور وہ خلیفہ برحق نہیں تھے۔

جواب ——— اس بے اصل اعتراض کا جواب یہ ہیکہ حضرت عمر بن خطابؓ کے قول کا جو مطلب بیان کیا گیا ہے وہ صحیح نہیں ہے اس کا حقیقی مطلب یہ ہے کہ حضرت ابوبکرؓ کی بیعت بغیر کسی تردد کے اچانک عمل میں آئی۔ طویل بحث ومباحثہ کی ضرورت نہیں ہوئی، اس کا یہ مطلب قطعاً نہیں کہ حضرت ابوبکرؓ کی بیعت ہی صحیح نہیں تھی ——— بالفرض یہ بات ہوتی تو حضرت عمرؓ وعبیدہؓ صحابہ کے بھرے مجمع میں کیونکر یہ کہتے ———

ابوبكر خيرنا وسيدنا ليس بيننا من هو افضل منه

ابوبکرؓ سب سے بہتر ہیں ان سے بہتر کوئی نہیں وہ ہمارے سردار ہیں۔

باقی "وقى الله المؤمنين من شرها" سے یہ اشکال کہ یہ بیعت شر پر مبنی تھی، صحیح نہیں ہے یہ غلط ذہن کی اپج اور عربی قواعد سے ناواقفیت کی دلیل ہے، عربی کا ایک عام قاعدہ ہے کبھی فعل کی اضافت ظرف کی جانب کردی جاتی ہے اور فعل کے خیر وشر کی نسبت اس سے جوڑ دیتے ہیں، قرآن میں اس طرح کی مثال ملتی ہے، آیت کریمہ ہے مكر الليل والنهار۔

اس قاعدہ کے پیش نظر حضرت عمرؓ کے قول کا مطلب یہ ہوگا کہ "اللہ نے حضرت ابوبکرؓ کی بیعت سے مسلمانوں کو اس وقت کے ایک عظیم فتنہ سے بچالیا، اگر صحابہ حضرت ابوبکرؓ سے بیعت نہ کرتے تو ایک عظیم فتنہ کھڑا ہوجاتا

تیسرا اعتراض ——— ابوبکر (رضی اللہ عنہ) نے

لست بخیرکم وعلیؓ فیکم — علیؓ کے ہوتے ہوئے میں کیونکر بہتر ہو سکتا ہوں

اگر یہ قول صادق ہے تو آپ خلافت کے قابل نہیں، کیونکہ ادنیٰ، اعلیٰ کے ہوتے ہوئے خلافت کا مستحق نہیں ہو سکتا ہے، اور اگر کاذب ہے تب بھی خلافت کے مستحق نہیں کہ جھوٹا خلیفہ نہیں بن سکتا ہے۔

جواب ـــــــ:۔ اولاً اہل سنت کے نزدیک آپ کا یہ قول ثابت نہیں ہے ثانیاً صحیح مان لیا جائے تو کسرِ نفسی اور انکساری پر محمول ہوگا یہ ایک عام بات ہے بزرگوں کے ہاں اس طرح کے اقوال بکثرت پائے جاتے ہیں، صحیفۂ کاملہ میں علی بن حسین سے مروی ہے کہ وہ دعا میں کہا کرتے تھے۔

انا الذی افنت الذنوب عمری — گناہوں نے میری زندگی کو فنا کے گھاٹ اتار دیا

اگر یہ اعتراض صحیح ہے تو علی بن حسین پر بھی یہی اعتراض ہو سکتا ہے اور امامت کے لئے مخل بن سکتا ہے۔

چوتھا اعتراض ـــــــ:۔ روایت ہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ہجرت کے نویں سال جب سورۂ براءت نازل ہوئی تو حضرت ابوبکرؓ کو مکہ روانہ کیا کہ جاکر حاجیوں کو اسکے نازل ہونیکی اطلاع کردیں اور سنادیں لیکن بعد میں اس کام کیلئے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علیؓ کو بھیجا اور ابوبکرؓ کو روک دیا گیا۔

جس میں ایک سورہ کی ادائیگی کی صلاحیت نہیں وہ کیونکر خلیفہ بن سکتا ہے اور مسلمانوں کے جملہ امور کو بحسن وخوبی انجام دے سکتا ہے۔

جواب ـــــــ:۔ واضح ہونا چاہیئے کہ یہ روایت ہی سرے سے غلط ہے حضورؐ نے حضرت ابوبکرؓ کو "امیر حج" بنا کر بھیجا تھا، ان کے جانے کے بعد جب سورہ براءت نازل ہوئی تو حضرت علیؓ کو اس کی تلاوت کے لئے بھیجا، ابوبکرؓ کو اس کام کیلئے بھیجنے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا

اگر روایت کو صحیح فرض کر لیا جائے تو اس کو کسی وقتی مصلحت پر محمول کیا جائیگا، جس سے عدم عدالت و استحقاق کا نتیجہ نکالنا کسی طرح صحیح نہیں ہو سکتا، اور اس روایت کو لے کر ابوبکرؓ پر طعن و تشنیع کرنا ایک لمحہ کیلئے جائز قرار نہیں دیا جا سکتا۔

پانچواں اعتراض ——— ابوبکرؓ نے چور کا بایاں ہاتھ کاٹنے کا حکم دیا تھا جب کہ یہ کسی طرح مناسب نہیں تھا۔

جواب ——— اہل سنت کے نزدیک یہ روایت ثابت نہیں ہے کہ حضرت ابوبکرؓ نے سرقۂ اولیٰ (پہلی چوری) میں بایاں ہاتھ کاٹنے کا حکم دیا تھا بلکہ نسائی طبرانی اور حاکم نے حارث بن حاطب سے روایت نقل کیا ہے کہ آپ نے سرقۂ سوم میں بایاں ہاتھ کاٹنے کا حکم صادر فرمایا تھا، اور امام مالک نے عبدالرحمن بن قاسم عن ابیہ کے واسطے سے نقل کیا ہے کہ چور کا داہنا ہاتھ اور بایاں پیر کاٹا ہوا تھا، اس وجہ سے بایاں ہاتھ کاٹنے کا حکم دیا گیا تھا، اور نیز آپ کا یہ عمل حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی مندرجہ ذیل حدیث کے عین مطابق تھا

عن ابی ھریرۃ ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال فی السارق ان سرق فاقطعوا یدہ ثم ان سرق فاقطعوا رجلہ ثم ان سرق فاقطعوا یدہ ثم ان سرق فاقطعوا رجلہ	رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے چور کے بارے میں فرمایا اگر چوری کرے (پہلی مرتبہ) تو ہاتھ کاٹ دو پھر اگر چوری کرے (دوسری مرتبہ) تو پیر کاٹ دو، پھر اگر کرے (تیسری مرتبہ) تو ہاتھ کاٹ دو پھر کرے (چوتھی مرتبہ) تو اسکا پیر کاٹ دو

چنانچہ امام شافعیؒ اور مالکؒ کا مذہب حدیث بالا پر ہی مبنی ہے، اسی پر عمل کرتے ہیں۔ البتہ اس سلسلے میں امام صاحب اور احمد بن حنبل کا مذہب یہ ہے کہ داہنا اور بایاں پیر کاٹنے کے بعد قید کر دیا جائیگا۔ حضرت علیؓ کا خیال بھی کچھ اسی قسم کا ہے۔

انہ قال انی لاستحی من اللہ ان	مجھے یہ پسند نہیں کہ اس کے پاس ایک ہاتھ بھی

لایکون له یدیا کل منها ویستنجی منها نہ ہو جس سے وہ کھاسکے اور پیشاب پائخانہ کرسکے
لیکن حضرت علیؓ کا یہ خیال استحسانِ عقلی کی قبیل سے ہے اور ابوبکرؓ کا عمل نص سے جوڑ کھاتا ہے اور استحسان عقلی، نص کے مقابلہ میں متروک ہوتا ہے، اور نیز حضرت ابوبکرؓ کا عمل قواعد کی رو سے راجح معلوم ہوتا ہے۔

پہلی چوری میں اس کا داہنا ہاتھ کاٹا جائیگا، اور دوسری چوری میں بنظر آیت فاقطعوا الخ بایاں ہاتھ کاٹا جانا چاہیے لیکن یہ حدیث کے بیان کردہ ترتیب کے خلاف ہوگا، اسلئے بایاں پیر کاٹ دیا جائیگا، جب تیسری مرتبہ چوری کریگا تب بایاں ہاتھ کاٹا جائیگا۔

اگر مان ہی لیا جائے کہ پہلی چوری میں ابوبکرؓ نے بایاں ہاتھ کاٹنے کا حکم دیا تھا تو یہ کہا جائیگا کہ آپنے حکم کو مطلق تصور کیا اور امر قطع ید میں دست راست وچپ دونوں کو داخل سمجھ کر بائیں ہاتھ کے کاٹنے کا حکم صادر فرمایا۔ اور جس واقعہ میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے چور کا داہنا ہاتھ کاٹنے کا حکم دیا تھا، اسے اتفاق پر محمول فرمایا، ایسی صورت میں آپ پر اعتراض کرنے کی گنجائش باقی نہیں رہتی ہے۔

یہ اشکال کہ یہ عمل اجماع کے خلاف تھا اس کا جواب یہ ہیکہ سرقۂ اولیٰ (پہلی چوری) میں قطع یمین پر ائمہ کا اجماع بعد میں منعقد ہوا تھا، جو ابوبکرؓ کیلئے حجت نہیں بن سکتا تھا۔

چھٹا اعتراض ——— ابوبکرؓ نے ایک شخص کو لواطت کی سزا میں نذر آتش کرادیا جبکہ حضورؐ نے تعذیب بالنار (آگ کی سزا) سے منع فرمایا ہے

جواب ——— قاضی صاحب نے اسکا جواب چند طریقے سے دیا ہے

(۱) روایتی اعتبار سے یہ حدیث ضعیف ہے، حضرت ابوذرؓ سے بسند ضعیف مروی ہے اور شاید اس کی کوئی اصل نہیں ہے، اور اس باب میں کوئی صحیح یا حسن حدیث منقول نہیں ہے اگر حدیث مذکور صحیح بھی ہو تو ممکن ہے آپ تک نہ پہنچی ہو یا پہنچی تو ہو مگر مخصوص ہے یا نہی، یا تنزیہی ہے

(۲) حضرت ابوبکرؓ نے زندہ نذر آتش نہیں کیا تھا۔ سوید بن غفلہ نے بیان کیا ہے کہ آپنے

حکم دیا تھا کہ پہلے سر قلم کر دیا جائے اس کے بعد نذر آتش کر دیا جائے اور حدیث میں زندہ جلانے کی ممانعت آئی ہے

(۳) ابوبکر رضؓ نے جلانے کا حکم حضرت علیؓ کے مشورہ سے دیا تھا، بیہقی نے شعب الایمان میں محمد بن المنکدر اور واقدی کے واسطے سے نقل کیا ہے

ان ابا بکر لما استشار الصحابة	ابوبکرؓ نے جب لوطی کی سزا کے سلسلے
فی عذاب اللوطی قال علیؓ اری ان	میں صحابہ سے مشورہ کیا تو حضرت علیؓ نے کہا کہ
یحرق بالنار واجتمع الصحابة	میری رائے یہ ہے کہ آگ میں جلا دیا جائے، صحابہ نے
علی ذلک فامر به ابوبکر	اس رائے سے اتفاق کیا، پس ابوبکر رضؓ نے
فاحرقه بالنار۔	اسے نذر آتش کرنے کا حکم دیدیا

فرقہ امامیہ کے عالم مرتضیٰ نے تنزیۃ الانبیاء والائمہ میں لکھا ہے کہ حضرت علیؓ نے لواطت کے فعل میں مبتلا ایک شخص کو آگ میں جلا دیا تھا، الفاظ یہ ہیں

ان علیاً احرق رجلا اتی	حضرت علی رضؓ نے ایک آدمی کو جس نے ایک
غلاماً فی دبرہ۔	لڑکے سے لواطت کیا نذر آتش کر دیا۔

ان حقائق کی روشنی میں حضرت علی رضؓ اعتراض بالا کے معاذ اللہ حقیقی مستحق ٹھہرتے ہیں نہ کہ ابوبکر رضؓ۔

ساتواں، آٹھواں اعتراض ——— ان دونوں اعتراض کا حاصل یہ ہے کہ حضرت ابوبکر رضؓ کو جدہ کی میراث اور کلالہ کے مسئلے میں جواب نہیں آتا تھا، صحابہ کے مشورے کے محتاج بنے۔

جواب ——— یہ دونوں اعتراض نہایت لچر اور بیہودہ ہیں، ایک دو مسئلہ نہ جاننے سے کسی کی لیاقت اور قابلیت میں فرق نہیں پڑتا۔ اور نہ اس پر آواز کسنے کا جواز نکلتا ہے، صحابہ کرام خصوصاً حضرات شیخین کی عادت کریمہ تھی کہ جب کوئی مسئلہ

پیش آتا تو سب سے پہلے قرآن و حدیث میں اس کا حکم تلاش کرتے۔ نہ ملنے کی صورت میں صحابۂ کرام کو جمع کرکے مشورہ کرتے اور سب کے اتفاق سے مسئلہ کا حکم بیان کر دیتے تھے اس طرح یہ مسئلہ اجماعی بن جاتا اور اس میں خطا کا احتمال نہیں ہوتا تھا، یہی وجہ ہیکہ شیخین کے زمانۂ خلافت میں کثرت سے اجماعی مسائل ظہور پذیر ہوئے، درحقیقت امت مسلمہ پر ان حضرات کا احسان عظیم ہے جس کے سبب وہ شکریہ کے مستحق ہیں نہ کہ طعن و تشنیع کے، اللہم اہدنا الی سواء السبیل۔

عبداللہ ابن بشیر سے روایت ہے کہ حضرت علی رضؓ سے کسی مسئلہ میں استفسار کیا گیا تو آپ نے صاف فرمادیا

لا علم لی بہا ——— مجھے اس کے بارے میں علم نہیں ہے

ایک دو مسئلہ کی ناواقفیت اگر طعن و تشنیع کا باعث بن سکتی ہے تو انصاف سے حضرت علی رضؓ بھی آپ کے اعتراض سے بچ نہیں سکتے، شاید اعتراض کرتے وقت آپنے واقعات سے نظر بند کرلی تھی" بریں عقل و دانش بباید گریست"

نواں اعتراض ——— حضرت فاطمہ زہراؓ نے جب حضرت ابوبکر رضؓ سے میراث پدری کا مطالبہ کیا تو انھوں نے مطالبہ رد کر دیا ۔ حضرت فاطمہ رضؓ نے فرمایا۔

یا ابن ابی قحافۃ تورث اباک ولا ارث ابی۔ — اے ابو قحافہ (والد کا نام ہے) کے لڑکے آپ اپنے والد کے وارث بنیں اور میں اپنے والد کی وارث نہ بنوں

جواب ——— ابوبکر رضؓ نے فرمایا حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے

نحن معاشر الانبیاء لا نورث ولا نورث ما ترکناہ صدقۃ۔ — ہم (انبیاء) نہ کسی کے وارث بنتے ہیں اور نہ ہمارا کوئی وارث بنتا ہے، ہمارا متروکہ صدقہ ہوتا ہے

یہ روایت خبر واحد کے درجہ میں ہے اس کے راوی صرف ابوبکر رضؓ ہیں، لہٰذا اس سے

زیر بحث مسئلہ میں استدلال کرنا صحیح نہیں۔ نیز یہ حدیث استدلال قرآن کی ان آیات کے مخالف بھی ہے

(۱) یوصیکم اللّٰہ فی اولادکم للذکر مثل حظ الانثیین — اللہ تعالیٰ تمکو تمہاری اولاد کے بارے میں حکم کرتا ہے کہ ایک لڑکے کو دو حصہ اور ایک لڑکی کو ایک حصہ۔

(۲) وورث سلیمان داؤد — سلیمانؑ، داؤدؑ کے وارث ہوئے۔

(۳) وھب لی من لدنك ولیًا یرثنی ویرث من آل یعقوب۔

پہلی آیت عام ہے اس لئے پیغمبر اور غیر پیغمبر دونوں کی اولاد میں وراثت کا قاعدہ جاری ہوگا، اور پیغمبر کی اولاد بھی وراثت کی مستحق ہوگی، اور اس کی تائید بعد کی دونوں آیتوں سے ہوتی ہے

جواب ——— ابوبکرؓ کے حق میں اس حدیث کو خبر واحد کہنا روایت اور درایت کے اصول کے خلاف ہے۔ ابوبکرؓ کے علاوہ متعدد صحابہ جیسے حذیفہؓ زبیر بن عوامؓ، ابودرداءؓ، ابوہریرہؓ، اور حضرت عائشہؓ اس کے راوی ہیں، ایسی صورت میں اسے خبر واحد کہنا کم علمی اور نادانی کی دلیل نہیں تو اور کیا کہا جا سکتا ہے۔ اور اگر بالفرض حضرت ابوبکرؓ روایت میں منفرد ہوں تب بھی حدیث ان کے حق میں متواتر کا درجہ رکھیگی علاوہ اس کے کہ دوسرے کے حق میں ظنی ہو، وجہ اس کی یہ ہیکہ زبان حق ترجمان سے سننے کے بعد حدیث صحابی کے حق میں واجب العمل ہو جاتی ہے، اس سے انحراف کسی حال میں بھی جائز نہیں ہوتا ہے۔

جب صورت یہ ہے تو حضرت ابوبکر کا زیر بحث مسئلہ میں حدیث بالا سے استدلال کرنا صحیح ہی نہیں بلکہ منشاء رسول کے عین مطابق ہے کہ انبیاء کرام اپنے مال و اسباب کا کسی کو وارث نہیں بناتے جو کچھ ان کی ملک میں ہوتا ہے وہ سب راہ خدا میں خرچ ہوتا ہے، ان کا اصل

ترکہ وہ علوم الٰہیہ ہیں جو ان کے سینۂ مبارک میں محفوظ ہوتے ہیں، اور ہر شخص اپنی اپنی وسعت اور ظرف کے مطابق لیتا اور حاصل کرتا ہے۔

خود اس طرح کی روایت ان کے علماء سے منقول ہے، محمد بن یعقوب نے کافی میں ابوالبختری کے واسطہ سے ابوعبداللہ جعفر بن محمد صادق سے نقل کیا ہے

العلماء ورثة الانبياء وذالك	علماء وارثین انبیاء ہیں، اسلئے کہ انبیاء نے
ان الانبياء لم يورثوا درهما	کسی کو درہم و دینار کا وارث نہیں بنایا بلکہ اپنی
ولا دينارا وانما ورثوا من احاديثهم	احادیث کا وارث بنایا ہے سو جو حاصل کرے
فمن اخذ بشئ منها فقد اخذ بحظ وافر	وافر مقدار میں حاصل کرے۔

کلمۂ انما حصر کے لئے آتا ہے تو مطلب ہوگا انبیاء علیہم السلام نے اپنی احادیث ہی کا وارث بنایا ہے مال و دولت کا وارث نہیں بنایا ہے۔ بالفرض آیت کریمہ یوصیکم اللہ الخ کو عام از اولاد و ازواج ابوبکرہ کو خبر واحد تسلیم کیا جائے تب بھی حدیث کا مطلب اپنی جگہ برقرار رہے گا اور زیر بحث مسئلہ میں فرق نہیں پڑے گا وجہ اس کی یہ ہے کہ جمہور فرقہ امامیہ کے نزدیک ان کے فقہاء کی تصریح کے مطابق آیت کی تخصیص، خبر واحد سے جائز ہے، دریں صورت غیر پیغمبر کی اولاد کو خاص ہوگی اور ان کے حق میں وراثت کا قاعدہ جاری نہ ہوگا

اس بحث و تمحیص سے صرفِ نظر کر کے حضرت فاطمہ زہراؓ کو مستحق وراثت مان لیں تو یہ سمجھ میں نہیں آتا ہے کہ حضرت عباس، ابن عباس اور ازواج مطہرات کیوں محروم کردی گئیں جبکہ یہ حضرات بھی تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے وارثین میں سے تھے۔

آیت کریمہ "وورث سلیمان" اور "وھب لی" سے وراثت انبیاء پر استدلال کرنا کسی طرح صحیح نہیں ہے کیونکہ دونوں آیتوں میں وراثتِ علم و نبوت مراد ہے وراثت مالی مراد نہیں ہے کلینی نے نقل کیا ہے

ان سلیمان ورث داؤد وان محمدا — سلیمانؑ، داؤدؑ کے وارث ہوئے اور بیشک

ورث سلیمان نبی محمد صلی اللہ علیہ وسلم سلیمانؑ کے وارث ہوئے

اگر وراثت مالی مراد ہوتی تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم سلیمان علیہ السلام کے کیونکر وارث ہوتے اور سلیمانؑ کی تخصیص بھی صحیح نہیں ہوتی کیونکہ داودؑ کے دوسرے صاحبزادے بھی تھے

ایسے ہی حضرت یحیٰ علیہ السلام تو اپنے پدر بزرگوار حضرت زکریا علیہ السلام کے سوا، آل یعقوبؑ کے کیسے وارث ہوسکتے تھے، پتہ چلا دونوں آیتوں میں وراثت سے مراد یقینی طور پر وراثت علمی ہے

واضح رہے کہ ازواج مطہرات کے حجرے ان کو وراثت میں نہیں ملے تھے بلکہ حضورؐ نے اپنی حیات میں الگ الگ ان کو مالک بنا دیا تھا، اس کی دلیل قرآن پاک کی یہ آیت شریفہ ہے۔

وقرن فی بیوتکن تم اپنے گھروں میں رہا کرو

اس میں بیوت (گھروں) کی اضافت کن (اپنے) ضمیر کی جانب کی گئی ہے، جس کا مطلب ہے تم "اپنے گھروں میں" رہا کرو۔

دسواں اعتراض ـــــ ابوبکرؓ نے فاطمہ زہراؓ کو "باغ فدک" نہیں دیا، فاطمہ زہرا نے دعویٰ کیا کہ حضورؐ نے مجھے بطور ہبہ دیا تھا، اور شہادت میں حضرت علیؓ وام ایمنؓ یا ام ایمن وحسنؓ کو پیش کیا، ابوبکرؓ نے ان پاک ہستیوں کی شہادت رد کردی فاطمہ زہرا ناراض ہوگئیں، جبکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا

فاطمة بضعة منی فمن اغضبها فقد اغضبنی فاطمہؓ میری لخت جگر ہے جس نے اسے ناراض کیا اس نے مجھے ناراض کیا۔

جواب ـــــ شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ نے قرۃ العینین میں لکھا ہے۔

باغ فدک کے بارے میں فاطمہ زہرا کا دعویٰ، اور علی وام ایمن یا ام ایمن اور حسن کو

شہادت میں پیش کرنا اور ابوبکرہ کا شہادت رد کردینا کسی صحیح روایت سے ثابت نہیں ہے
ابوداؤد میں ایک حدیث ہے۔

ان عمر بن عبد العزیز جمع بنی مروان حین استخلف فقال ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کانت لہ فدک فکان ینفق منہا ویعود منہا علی صغیر بنی ہاشم ویزوج منہا ایمہم وان فاطمۃ سئالتہ ان یجعلہا لہا فابی فکانت علی ذلک فی حیوۃ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حتی مضی بسبیلہ الخ	خلیفہ بننے کے بعد عمر بن عبدالعزیز نے بنی مروان کو جمع کرکے کہا فدک، حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس تھا اس میں سے کچھ اپنے لئے خرچ کرتے اور باقی سے بنی ہاشم کے یتیموں اور ان کی بیواؤں کی شادی میں خرچ کرتے تھے اور فاطمہ زہرا نے حضور سے کہا کہ اسکو میرے لئے خاص کردیا جائے تو آپ نے انکار کردیا آپ کی زندگی میں اسی حالت پر رہا یہاں تک کہ دنیا سے رخصت ہو گئے

حدیث بالا میں صاف وضاحت ہے کہ حضور نے باغ فدک فاطمہ زہرا کو عطا نہیں کیا، جب تک آپ باحیات رہے اپنی تحویل میں رکھا۔

اگر مان ہی لیا جائے تب بھی ہبہ کی بات نہیں کہی جاسکتی ہے اسلئے کہ ہبہ میں تملیک شرط ہوتی ہے اور یہاں یہ چیز مفقود ہے جیسا کہ اوپر کی حدیث سے ظاہر ہے، اور غالباً یہی وجہ ہے جس کی بنیاد پر حضرت علی رضؓ نے اپنے زمانہ خلافت میں فدک کو حکومت کی تحویل میں رکھا —— جہاں تک فاطمہ زہرا کی ناراضگی کا سوال ہے اس سلسلے میں دو باتیں عرض ہیں۔ پہلی بات یہ ہے کہ حدیث اغتضاب کا مصداق وہ شخص ہے جو قصداً اپنے فعل وعمل سے فاطمہ زہرا کو ناراض کرے، کسی شرعی حکم کے عمل میں لانے سے ناراض ہوں تو وہ شخص وعید کا مستحق نہیں ہوگا مثلاً حاکم کسی کو قصاص یا حد میں قتل کردے تو آیت کریمہ میں مذکور وعید کا مستحق نہیں ہوگا۔ فمن قتل مؤمنا متعمداً فجزاءہ جھنم۔ جو شخص کسی

مؤمن کو جان بوجھ کر ناحق قتل کر دے اس کی سزا جہنم ہے۔ — یہی حال یہاں ہے اب اگر فاطمہ زہرا حضرت ابوبکرؓ کے کسی شرعی فعل سے ناراض ہو جائیں تو ابوبکرؓ مذکورہ وعید کے مستحق نہیں ہوں گے۔

دوسری بات جو پہلی بات سے تعلق رکھتی ہے، حضرت ابوبکرؓ نے قرآن کی آیت فاستشہدوا الخ اور حضور کی حدیث " ان فاطمة سالته ان یعطیها" الخ پر عمل کیا اور اس سے فاطمہ زہرا ناراض ہوگئیں، جبکہ ناراض ہونے کی کوئی وجہ نہیں تھی — انصاف سے دیکھا جائے تو یہ اعتراض ابوبکرؓ کے بجائے فاطمہ زہرا کی جانب لوٹ رہا ہے اور ایک شرعی حکم سے اعراض لازم آرہا ہے جو مندرجہ ذیل آیت کی رو سے جائز نہیں معلوم ہوتا ہے۔

فلا وربك لا يؤمنون حتى	تیرے رب کی قسم وہ لوگ مومن نہیں ہو سکتے
يحكموك فيما شجر بينهم ثم	جب تک وہ اپنے اختلافی امور میں آپ کو ثالث
لا يجدوا في انفسهم حرجا مما	نہ بنائیں اور پھر اپنے جی میں تنگی نہ پائیں آپ کے
قضيت ويسلموا تسليماً۔	فیصلہ سے اور پورا پورا مان لیں

اس سلسلے میں بعض علماء کا یہ جواب کہ فاطمہ زہرا بشر تھیں، ان کے پاس بھی نفس تھا، حضرت ابوبکرؓ کے حکم سے جو بہر صورت قرآن و حدیث کے عین مطابق تھا خلاف طبع ہونے سے ناخوش ہوگئیں، فقیر (قاضی صاحب) کے نزدیک صحیح نہیں ہے، کیونکہ ایسی مقدس ذات سے اس طرح کی بات مستبعد معلوم ہوتی ہے، اس کا صحیح اور معقول جواب یہ ہے جس سے تمام بحث و مباحثہ اور تاویل و توجیہ کی ضرورت ختم ہو جاتی ہے۔ معترضین کہتے ہیں ابوبکرؓ نے فدک نہیں دیا جس سے فاطمہ زہرا ناراض ہوگئیں اور زندگی بھر ان سے بات نہیں کی۔

فغضبت ولم تتكلم حتى ماتت	پس ناراض ہوگئیں اور زندگی بھر بات نہیں کی

امام بخاریؒ نے مذکورہ بالا عبارت کی بجائے اپنی کتاب بخاری میں اس کو ان الفاظ کے ساتھ نقل کیا ہے

فوجدت ولم تتکلم حتی ماتت — پس شرمندہ ہوئیں اور زندگی بھر ان سے اسکے بارے میں کلام نہیں کیا۔

"وجدت" تین معنی۔ ندمت۔ اغتمت۔ اور غضبت میں مشترک ہے، اصل راوی نے وجدت کو ندمت یا اغتمت کے معنی میں روایت کیا ہے اور بعد کے راویوں نے روایت بالمعنی کی بنیاد پر "وجدت" کو غضبت کے معنی میں سمجھ کر روایت کرنا شروع کر دیا یہیں سے غلطی ہوئی جو آگے چل کر تمام غلط فہمیوں کی سرچشمہ بنی۔

جبکہ عبارت کا واضح مطلب یہ تھا کہ فاطمہ زہراؓ نے جب ابوبکرؓ کی بات سنی اور اپنے مطالبے کو خلافِ شرع سمجھا تو نادم ہوئیں کہ کیوں مجھ سے ایسا فعل سرزد ہوا، اور لم تتکلم حتی ماتت کا مطلب یہ ہے کہ جب تک زندہ رہیں اس کے بارے میں گفتگو نہیں کی

یہ سوال کہ فاطمہ زہراؓ کا مطالبہ بنظر آیت کریمہ تھا، البتہ حدیث لا نورث کا انھیں علم نہیں تھا بعد میں معلوم ہو جانے کے بعد جب مطالبہ کرنا بند کر دیا تو اس میں ندامت اور غم کی کیا بات تھی؟

بات دراصل یہ ہے کہ فاطمہ زہراؓ سے کسی غلطی کا صدور نہیں ہوا تھا، لیکن بارگاہ الٰہی کے مقربین کا حال ہم خطا کار و خطا کوش سے مختلف ہوتا ہے، ان کے ہاں تو حسنات الابرار سیئات المقربین کا معاملہ ہوتا ہے اگر ان سے بھول کر کوئی غلطی ہو جاتی ہے تو ندامت وغم میں آنسوؤں کے دریا بہا دیتے ہیں جب کہ وہ اس معاملہ میں عنداللہ ماجور اور مغفور ہوتے ہیں، کچھ یہی صورت فاطمہ زہرا کے ساتھ بھی پیش آئی ؎

کار پاکاں را قیاس از خود مگیر
گرچہ ماند در نوشتن شیر و شیر

سیرت نبوی علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والسلام ایک نظر میں

ترتیب .... مولانا حبیب الرحمٰن قاسمی

سن عیسوی	
۵۷۰ء	۲۰ راگست۔ ولادت باسعادت (ڈاکٹر حمید اللہ کی تحقیق کے مطابق آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت ۱۷ر جون ۵۶۹ء کو ہوئی)
۵۷۵/۷۶ء	وفات حضرت آمنہ والدہ ماجدہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم۔
۵۷۸ء	آنحضرتؐ کے دادا خواجہ عبدالمطلب کی وفات
۵۸۲ء	آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ملک شام کی طرف پہلا سفر۔
۵۹۵ء	ملک شام کا دوسرا سفر، حضرت خدیجہ الکبریٰ کی تجارت کی غرض سے
۵۹۵ء	حضرت خدیجۃ الکبریٰ سے عقد
۶۰۵ء	تجدید عمارت کعبہ معظمہ
۶۱۰ء	آغاز وحی۔ (ڈاکٹر حمید اللہ کی تحقیق کی رو سے وحی کی ابتداء ۲۳ر دسمبر ۶۰۹ء کو ہوئی ہے)
۶۱۵ء	حبشہ کی جانب پہلی ہجرت (رجب ۵ھ نبوی)
۶۱۷ء	قبائل عرب کی جانب سے بنی ہاشم و بنی عبدالمطلب کا معاشرتی مقاطعہ (سوشل بائیکاٹ)
۶۲۰ء	حضرت خدیجہ اور خواجہ ابوطالب کی وفات
۶۲۰ء	آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا سفر طائف۔

۶۲۱ء	معراج و فرضیت نماز (ہجرت سے ایک سال قبل ۲۷ رجب)
۶۲۱ء	بیعت عقبۂ اولیٰ (۱۲ نبوی)
۶۲۲ء ۲۸ جون	ہجرت مدینہ منورہ (۱۲ ربیع الاول بروز دوشنبہ) حسب تحقیق ڈاکٹر حمید اللہ ۱۳ مئی ۶۲۲ء یوم دوشنبہ
۶۲۳ء	تحویل قبلہ (آنحضرتؐ نے مدینہ منورہ میں ۱۶ مہینے بیت المقدس کی جانب رخ کرکے نماز ادا کی)
"	سریہ حمزہ و عبیدہ بن حارث
۶۲۳ء	(جون) غزوہ ابوا (جولائی) غزوہ بواط (اکتوبر) غزوہ عشیرہ (نومبر) سریہ عبداللہ بن جحش
۶۲۴ء	(جنوری) غزوہ بدرالکبریٰ (رمضان ۲ھ) ڈاکٹر حمید اللہ کی تحقیق کے مطابق ۱۸ نومبر ۶۲۳ء یوم جمعہ (فروری) غزوۂ بنی قینقاع (شوال ۲ھ) (اپریل) غزوۂ سویق، (ذی الحجہ ۲ھ) (ستمبر) سریہ زید بن حارثہ
۶۲۵ء	(جنوری) غزوہ احد (شوال ۳ھ) و غزوہ حمراء الاسد (مئی) حادثہ رجیع و بیر معونہ ۴ھ (جون) غزوہ بنو نضیر و غزوہ ذات الرقاع ۴ھ۔ اسی سال شراب حرام ہوئی
۶۲۶ء	(جولائی) غزوہ دومۃ الجندل (ربیع الاول ۵ھ) و غزوہ بنی مصطلق (شعبان ۵ھ) اس کو غزوہ مریسیع بھی کہا جاتا ہے
۶۲۷ء	(فروری) غزوہ خندق (۲۹ شوال ۵ھ) (ڈاکٹر حمید اللہ صاحب کی تحقیق ہے کہ غزوہ خندق ۱۴ جنوری ۶۲۷ء کو پیش آیا ہے) (اپریل) غزوہ بنی قریظہ (ذی قعدہ ۵ھ) (جون جولائی) غزوہ بنی لحیان (ربیع الاول ۶ھ) و غزوہ ذی قرد
۶۲۸ء	(جنوری) صلح حدیبیہ (ذی قعدہ ۶ھ) (مئی) روم و فارس کو دعوت اسلام بذریعہ مکتوب (اگست) غزوہ خیبر (محرم ۷ھ)
۶۲۹ء	(فروری) عمرۃ القضا (ستمبر) سریہ موتہ (جمادی الاولیٰ ۸ھ) (اکتوبر) سریہ ذات السلاسل (جمادی الثانی ۸ھ)
۶۳۰ء	(جنوری) فتح مکہ معظمہ و ہدم اصنام (رمضان ۸ھ) (فروری) غزوۂ حنین (۱۰ شوال ۸ھ)

سنہ ۶۳۰ء	(غزوۂ طائف (اپریل) آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے صاحبزادے حضرت ابراہیم کی ولادت، (اکتوبر) غزوۂ تبوک (رجب ۹ھ)
سنہ ۶۳۱ء	(مارچ) حضرت ابوبکر صدیقؓ کی امارت حج (ذی الحجہ ۹ھ (جون) صاحبزادۂ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حضرت ابراہیم کی وفات
سنہ ۶۳۲ء	(مارچ) حجۃ الوداع (۱۰ھ) حسب تحقیق ڈاکٹر حمید اللہ ۶ مارچ ۶۳۲ء یوم جمعہ (مئی) جیش اسامہ کی ملک شام جانے کی تیاری (صفر ۱۱ھ) (جون) وفات النبی صلی اللہ علیہ وسلم (ربیع الاول ۱۱ھ یوم دوشنبہ) ڈاکٹر حمید اللہ صاحب کی تحقیق کے مطابق ۲۵ مئی ۶۳۲ء کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا وصال ہوا۔

بقیہ رپورٹ تحفظ ختم نبوت ....

کے اس اقدام کو انتہائی مستحسن قرار دیتے ہوئے اس سلسلے میں رابطہ عالم اسلامی کی جانب سے بھرپور تعاون کا یقین دلایا اور فرمایا کہ دنیا میں ہمیشہ سے حق و باطل کی کشمکش جاری ہے اور آج بھی یہ کشمکش زوروں پر ہے، دارالعلوم اور اس جیسے تمام اسلامی اداروں کی ذمہ داری ہے کہ احقاق حق اور ابطال باطل کے سلسلہ میں اپنی تمام توانائیاں صرف کر ڈالیں۔ اور عوام کو قادیانیوں کی دسیسہ کاریوں سے بچانے کے لئے ہر قسم کے وسائل کام میں لائیں

ترجمانی کے فرائض جناب مولانا قاری محمد عثمان صاحب منصورپوری نے انجام دیئے

آخر میں صدر اجلاس حضرت مولانا سید اسعد مدنی صدر جمعیۃ علماء ہند نے خطاب فرمایا، اور حضرت مولانا عبدالحلیم صاحب جونپوری مدظلہ کی دعائے پُراثر پر یہ سہ روزہ اجلاس انتہائی کامیابی و کامرانی کے ساتھ اختتام پذیر ہوا۔

سلام بحضور آقائے کائنات امام المرسلین مخبر صادق شافع یوم النشور حضرۃ سیدنا ابوالقاسم محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

سید محمود رمز الہ آبادی

مصطفیٰ شانِ وحدت پہ لاکھوں سلام ان کے جلوؤں کی کثرت پہ لاکھوں سلام

کج کلاہِ رسالت پہ لاکھوں سلام راز دارِ مشیت پہ لاکھوں سلام

کعبۂ روحِ رحمت پہ لاکھوں سلام شبِ چراغِ محبت پہ لاکھوں سلام

آفتابِ شریعت پہ لاکھوں سلام ماہتابِ طریقت پہ لاکھوں سلام

جن کے آتے ہی چھٹتی گئیں ظلمتیں ایسے قدموں کی برکت پہ لاکھوں سلام

جس نے بخشا کلاہِ سعادت اسے قبلۂ آدمیت پہ لاکھوں سلام

جس کے لب سے ہے بولا خدائے کریم ایسے نطقِ صداقت پہ لاکھوں سلام

بخشدی ہے خطا جس نے ہر ایک کی سلسبیلِ مروت پہ لاکھوں سلام

جس نے دھویا گناہوں کے ہر داغ کو آبشارِ شفاعت پہ لاکھوں سلام

اسمِ پاک محمدؐ ہے وجہ سکون دافعِ رنج و کلفت پہ لاکھوں سلام

محفلِ انبیاء کے ہیں مسند نشیں خواجۂ بزمِ عصمت پہ لاکھوں سلام

ہمرکابِ نبوت میں صدیقؓ پاک اس رفیقِ رسالت پہ لاکھوں سلام

ہیں عمرؓ بالیقین شانِ جبل المتیں ان کے خرقِ جلالت پہ لاکھوں سلام

ہیں جو عثمانؓ دامادِ خیر البشر اس شہیدِ خلافت پہ لاکھوں سلام

جس طرف ہیں علیؓ حق بھی ہے اس طرف صدرِ بزمِ ولایت پہ لاکھوں سلام

فاطمہ سیدہ۔ صادقہ طاہرہ نازنینِ طہارت پہ لاکھوں سلام

ہیں امام حسنؓ نورِ چشمِ نبیؐ اس رگِ جانِ عترت پہ لاکھوں سلام

خسروِ کربلا شاہ گلگوں قبا آبروئے شہادت پہ لاکھوں سلام

رمزؔ حقدارِ جنت وہ ہے جو کہے
خاندانِ رسالت پہ لاکھوں سلام

زیر سرپرستی

حضرت مولانا مرغوب الرحمٰن صاحب مہتمم دارالعلوم دیوبند

مدیر

حبیب الرحمٰن قاسمی

ربیع الثانی ۱۴۰۷ھ مطابق دسمبر ۱۹۸۶ء

دار العلوم دیوبند کا ترجمان

دار العلوم

شمارہ نمبر ۹ | ماہ دسمبر ۱۹۸۶ء مطابق ربیع الثانی ۱۴۰۷ھ | جلد نمبر ۶۹

نگراں

حضرت مولانا مرغوب الرحمن صاحب مہتمم دار العلوم دیوبند

مدیر

مولانا حبیب الرحمن القاسمی

فی پرچہ =/3

سالانہ =/30

سالانہ بدل اشتراک بیرون ممالک سے { سعودی عرب، کویت، ابوظبی، جنوبی و مشرقی افریقہ، برطانیہ =/Rs 160
امریکہ، کناڈا وغیرہ بھی بذریعہ ایرمیل =/Rs 160

پاکستان =/60 ہندوستانی۔ اور بنگلہ دیش -/Rs 40 ہندوستانی

(محبوب پریس دیوبند) سرخ نشان اس بات کی علامت ہے کہ آپ کی مدت زرتعاون ختم ہوگیا ہے

فہرست مضامین

ہندوستانی و پاکستانی خریداروں سے ضروری گذارش

۱۔ ہندوستانی خریداروں سے ضروری گذارش ہے کہ ختم خریداری کی اطلاع پاکر اول فرصت میں اپنا چندہ نمبر خریداری کے حوالہ کے ساتھ منی آرڈر روانہ فرمائیں۔

۲۔ پاکستانی خریدار اپنا چندہ مبلغ -/۶۰ روپیہ ہندوستانی مولانا عبدالستار صاحب مقام کرم علی والہ تحصیل شجاع آباد، ملتان، پاکستان کو بھیج دیں اور انہیں لکھیں کہ وہ اس چندہ کو رسالہ دارالعلوم کے حساب میں جمع کریں۔

۳۔ خریدار حضرات پتہ پر درج شدہ نمبر محفوظ فرمالیں خط وکتابت کے وقت خریداری نمبر ضرور تحریر فرمائیں۔

والسلام

منیجر رسالہ دارالعلوم دیوبند

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

حرفِ آغاز

حبیب الرحمٰن قاسمی

ہر قوم اور ملت کا اپنا ایک مخصوص معاشرتی نظام اور اپنی ایک منفرد تہذیب ہوتی ہے۔ جس کے ذریعہ اس کی قومی شناخت اور ملی تشخص قائم رہتا ہے۔ اور اس کا معاشرہ شکست و ریخت اور دوسری تہذیبوں میں جذب ہونے سے محفوظ رہتا ہے۔ البتہ دیگر اقوام و مذاہب کے معاشرتی آئین بالعموم خود ان کے اپنے وضع کردہ عادات و رسوم پر مشتمل ہوتے ہیں جنکا مذہب سے تعلق برائے نام ہوتا ہے۔ جب کہ مسلمانوں کا یہ غیر متزلزل عقیدہ ہے کہ عبادات و معاملات وغیرہ کی طرح اسلامی نظام معاشرت بھی اپنی تمام تر تفصیلات کے ساتھ خدا اور رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادات و ھدایات پر مبنی ہیں۔ اس لئے کہ اسلام میں قانون سازی کا حق صرف اور صرف اللہ تعالیٰ ہی کو ہے۔ زندگی کے تمام شعبوں میں خدائے واحد ہی کے احکام و قوانین کی عملداری ہے۔

اللہ تعالیٰ کا صاف اعلان ہے " الا لہ الخلق والامر تبارک اللہ رب العٰلمین " (اعراف) یاد رکھو اللہ ہی کے لئے خاص ہے خالق ہونا۔ اور حاکم ہونا بڑی خوبیوں والے ہیں اللہ جو تمام عالم کے پروردگار ہیں۔

اس سلسلے میں اپنے رسول کو یہ ہدایت دی ہے۔

ثم جعلناك على شريعة من الامر پھر ہم نے آپ کو دین کے ایک خاص طریقہ پر

فاتبعها ولاتتبع اھواء الذین لایعلمون — کر دیا لہذا آپ اسی طریقہ پر چلیں اور ان جہلا کی خواہشوں پر نہ چلیں۔

(جاثیہ)

قانون الٰہی کے اساسی مجموعہ قرآن کے مقصد نزول کی وضاحت کرتے ہوئے ارشاد ہوتا ہے۔

انا انزلنا الیک الکتاب بالحق لتحکم بین الناس بما اراک اللہ (نساء) — بیشک ہم نے آپ کے پاس یہ قرآن بھیجا ہے واقع کے موافق تاکہ آپ اس کے مطابق فیصلہ کریں جو اللہ نے آپ کو بتایا ہے۔

٭ ٭ ٭ ٭ ٭ ٭

احکام خداوندی کو نظر انداز کرنے والوں کی مذمت ان الفاظ میں فرمائی گئی ہے۔

ومن لم یحکم بما انزل اللہ فاولئک ھم الظالمون (مائدہ) — اور جو لوگ اللہ کے بتائے ہوئے احکام وقوانین کے مطابق فیصلہ نہیں کرتے وہ ظالم ہیں

ان آیات قرآنیہ سے حسب ذیل باتیں ثابت ہوتی ہیں۔

(۱) تشریع اور قانون سازی کا حق صرف اللہ تعالیٰ کو ہے (۲) نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ان قوانین کا نفاذ فرماتے ہیں (۳) خدا کے مقرر کردہ احکام میں کسی کو تغیر و تبدل کا حق و اختیار نہیں ہے۔ ایسا کرنے والے اللہ کے نزدیک منکر، ستمگار اور نافرمان ہیں۔

اسلام کا یہ نقطۂ نظر اتنا واضح اور روشن ہے کہ مستشرقین بھی اس سے چشم پوشی نہیں کر سکے اور انھیں اس کا اعتراف کرنا پڑا۔ چنانچہ مشہور مستشرق "کولسن" اقرار کرتا ہے کہ اسلام کی بنیاد اس بات پر ہے کہ اللہ تعالیٰ ہی واحد قانون ساز ہے اور زندگی کے تمام شعبوں میں اسی کے احکام کا غلبہ ہے۔" (اے ہسٹری آف اسلامک لا، کولسن ص ۱۲)

فیز جیرالڈ بھی اسے تسلیم کئے بغیر نہ رہ سکا وہ لکھتا ہے "اسلام اللہ تعالیٰ کو واحد قانون ساز و صاحب تشریع قرار دیتا ہے اور اس سلسلہ میں کسی کو بھی اس کا شریک نہیں گردانتا" (دی ایجد ڈٹ آف اسلامک ٹورومن، فیز جیرالڈ ص ۸۲ ج ۶۸)

گوانے ٹائن مستشرق کو بھی اعتراف ہے کہ دقیق قانونی معاملات بھی دین سے مربوط ہیں

بلکہ وہ وحی الٰہی کا ناقابلِ تقسیم حصّہ ہیں شریعت ایسے عصری تقاضوں کا مجموعہ نہیں ہے جو قرآن اور نبی (صلی اللہ علیہ وسلم) کے بعد مرتب ہوئے ہوں بلکہ اسلامی معاشرہ میں ان کا با ضابطہ نفاذ خود رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) نے اپنی زندگی میں کیا" (اسٹڈیز ان اسلامک ہسٹری، گوائٹائن ص ۱۲۹) لہ

آیئے اب دستور ہند پر بھی ایک نظر ڈالتے چلیں اور دیکھیں کہ سیکولر ہندوستان میں بسنے والی اکائیوں کو وہ کیا حقوق دیتا ہے اس سلسلے میں ہم دیکھتے ہیں کہ دستور کی دفعہ (۲۵) میں یہاں کے ہر شہری کو کسی بھی مذہب کو قبول کرنے، اس پر قائم رہنے اس پر عمل کرنے اور اس کی تبلیغ اور پرچار کرنے کا حق دیا گیا ہے۔ دفعہ (۲۶) کی رو سے مسلمانان ہند جداگانہ ایک مذہبی گروہ قرار پاتے ہیں اور انھیں اپنے مذہبی امور کے منظم کرنے کا پورا پورا حق حاصل ہے۔ دفعہ (۲۹) مسلمانوں کو اپنے کلچر، زبان اور رسم الخط کے تحفظ کا حق اور اختیار دیتی ہے۔ اور دفعہ (۳۰) کے تحت انھیں تعلیمی ادارے قائم کرنے اور ان کے انتظام سنبھالنے کا حق ملتا ہے۔

اوپر کی تفصیلات سے معلوم ہو چکا ہے کہ مسلمان اپنی کمیونٹی اور انفرادیت کی بقا اور جداگانہ شناخت کے لئے جن عناصر کو تسلیم کرتے ہیں وہ ان کا عالمگیر مذہب، ان کی چودہ سو سالہ قدیم تہذیب اور مخصوص معاشرتی اقدار ہیں۔ اس لئے لازمی طور پر یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ۔

(۱) کیا موجودہ حکومت کا نظریۂ "یکساں سول کوڈ" دستور ہند میں دیئے گئے حقوق اور تحفظات سے ہم آہنگ ہے؟

(۲) کیا اس نظریہ کو پیش کرنے والے آئینِ ہند کے حق میں وفادار ہیں؟

(۳) کیا سول کوڈ کے نفاذ کے بعد ہندوستان کی سیکولر حیثیت محفوظ رہ جائے گی؟

(۴) کیا دستور ہند کی وفاداری سے دست بردار ہو جانے کے باوجود کسی فرد یا جماعت کو

لہ مستشرقین کے تینوں حوالے ماہنامہ معارف اعظم گڈھ سے ماخوذ ہیں

ملک میں حکومت کرنے کا حق باقی رہ جاتا ہے؟

(۵) کیا مسلمان مسلمان رہتے ہوئے اس نظریہ کو قبول کر سکتے ہیں۔

(۶) کیا مسلمانوں کو مذہبی طور پر یہ حق پہنچتا ہے کہ وہ اسلام کے پیش کردہ معاشرتی نظام کے مقابلے میں کسی اور نظام کو اختیار کر لیں؟

(۷) کیا اس نظریہ کو قبول کر لینے اور اپنی زندگی میں نافذ کر لینے کے بعد مسلمانوں کی علاحدہ شناخت اور ان کا ملی تشخص باقی بچے گا؟

امید ہے کہ ان سوالات پر علمائے امت، دانشوران قوم اور ملکی وسیاسی رہنما بالخصوص حکومت میں دخیل اصحاب فکر ورائے ہر قسم کے سیاسی، مذہبی اور قومی تعصب اور جنبہ داری سے بلند ہو کر بالغ نظری کے ساتھ غور وخوض کریں گے۔

حدیثِ رسول

عن عمرو بن شعیب عن جدہ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان اللہ یحب ان یری اثر نعمتہ علی عبدہ (ترمذی)

(ترجمہ) عمرو بن شعیب اپنے والد شعیب سے اور وہ اپنے دادا حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی سے نقل کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ پسند کرتا ہے کہ بندے پر اس کی طرف سے جو انعام ہوا اس کا اثر اس پر نظر آئے۔

(تشریح) مالی وسعت اور فراخ دستی کے باوجود جو لوگ محض طبیعت کے بخل یا لاابالی پن کی بناء پر پھٹے حال رہتے ہیں گویا کہ تنگ دستی اور فقر کی وجہ سے انھیں کپڑے بھی نصیب نہیں ہیں وہ اپنی زبان حال سے اللہ کی نعمتوں کا انکار کر رہے ہیں ان کی یہ طرز زندگی اللہ کے نزدیک پسندیدہ نہیں ہے۔ (ایک صاحبِ خیر)

(از حکیم حبیب شیدائی آمبوری)

حیاتِ نبیؐ

انسانیت کاملہ کا ایک نمونہ

انسانی زندگی کیلئے وہی شخصیت نمونہ بن سکتی ہے جس کی سیرت میں یہ چار چیزیں پائی جائیں۔ تاریخیت، کاملیت، جامعیت، اور عملیت،

تاریخیت ایسی کہ تمام دنیا متفق ہے کہ اسلام نے اپنے پیغمبر کی بلکہ ہر اس چیز کی اور اس شخص کی جس کا ادنیٰ سا تعلق بھی حضرت کی مبارک زندگی سے تھا جس طرح حفاظت کی ہے وہ عالم کیلئے مایہ حیرت ہے آنحضرتؐ کے اقوال وافعال اور متعلقات زندگی کی روایت، تحریر اور تدوین کا فرض صحابۂ کرام اور اس کے بعد تابعین اور تبع تابعین نے انجام دیا۔ جب تمام سرمایۂ روایت تحریری صورت میں آگیا تو ان تمام راویوں کے نام ونشان، تاریخ زندگی، اخلاق، عادات کو بھی تحریر میں لایا گیا جس کی تعداد ایک لاکھ کے قریب ہے۔ اور ان سب کے مجموعہ احوال کا نام اسماء الرجال ہے۔ ایسی مستند سیرت بتایئے کس کی ہو سکتی ہے۔

آنحضرتؐ کی کاملیت کا یہ عالم کہ پوری زندگی لوگوں کے سامنے موجود ہے۔ آنحضرتؐ کی زندگی کا کوئی لمحہ پردہ میں نہ تھا۔ اندر آپ بیوی اور بچوں کے مجمع میں ہوتے تھے باہر معتقدوں اور دوستوں کی محفل میں۔ آپ خواہ جلوت میں ہوں یا خلوت میں، مسجد میں ہوں یا میدانِ جہاد میں، نمازِ پنجگانہ میں مصروف ہوں یا فوجوں کی درستگی میں مجلس میں

وعظ فرما رہے ہوں ۔ یا خلوت میں آرام فرما ہوں ہر وقت ہر شخص کو حکم تھا کہ جو کچھ میری حالت اور کیفیت ہو وہ سب منظر عام پر لائی جائے ۔ ازواج مطہرات آپ کے خلوت خانوں کے حالات سنانے اور بتانے میں مشغول ہیں ۔ اصحاب صفہ کا کام محض آپ کے ملفوظات سننا ۔ آپ کے حالات دیکھنا اور ہمہ وقت آپ کی معیت میں گزارنا تھا ۔ آنحضرتؐ پر جو لوگ ایمان لائے وہ معمولی قسم کے افراد نہیں تھے ۔ بلکہ ایک ایسی آزاد قوم کے افراد تھے جو اپنی عقل و دانش کے لحاظ سے ممتاز تھی ۔ جس نے ابتدائے آفرینش سے آج تک کبھی کسی کی اطاعت نہیں کی تھی وہ لوگ جو مشہور و معروف تاجر تھے ۔ جن کی دقیقہ سنجی ، نکتہ رسی اور عقل و ذہانت کے ثبوت مسائل اور احکام کی صورت میں آج بھی موجود ہیں ۔ کیا ایک لمحہ کے لئے بھی کوئی یہ تصور کر سکتا ہے کہ ایسے پُرزور ، قوی بازو ، اصحابِ عقل و خرد سے آنحضرتؐ کا کوئی حال چھپا رہ سکتا تھا ؟ اور وہ دھوکہ کھا سکتے تھے ؟ بلکہ یہی وہ لوگ ہیں جنھوں نے آپ کی ایک ایک جنبش کی نقل کی ہے ۔ اور آپ کے نقش قدم پر چلنا اپنی سعادت سمجھتے تھے ۔ یہ آپ کی کاملیت کی ناقابل تردید دلیل ہے ۔

عزم و استقلال ، شجاعت ، صبر ، شکر ، توکل ، رضا بتقدیر ، مصیبتوں کی برداشت ، قربانی قناعت ، استغناء ، جود ، تواضع ، خاکساری ، مسکنت ، غرض نشیب و فراز ، بلند و پست ہر ایک اخلاقی پہلو کیلئے جو مختلف انسانوں کو مختلف حالتوں میں ـــــ اور مختلف صورتوں میں پیش آتے ہیں ۔ ہم کو عملی ہدایت اور مثال کی ضرورت ہے ۔ مگر وہ کہاں مل سکتی ہے ؟ صرف محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس ۔ ایک ایسی شخصی زندگی جو ہر طائفہ انسانی اور ہر حالتِ انسانی کی مختلف زندگیوں اور ہر قسم کے صحیح جذبات اور کامل اخلاق کا مجموعہ ہو صرف رسول اللہ کی سیرت ہے ۔ اگر تم دولت مند ہو تو مکّے کے تاجر اور بحرین کے خزینہ دار کی پیروی کرو ، اگر تم غریب ہو تو شعب ابی طالب کے قیدی اور مدینہ کے مہمان کی کیفیت سنو ! اگر تم استاد ہو اور معلم ہو تو صفہ کی درسگاہ کے معلم قدس کو دیکھو ۔ اگر تم شاگرد ہو تو روح امین کے سامنے

بیٹھنے والے کو دیکھو اگر تم تنہائی اور بے کسی کے عالم میں حق کی منادی کا فرض انجام دینا چاہتے ہو تو مکہ کے بے یار و مددگار نبی کا اسوہ تمہارے سامنے ہے، اگر تم حق کی نصرت کے بعد دشمنوں کو زیر اور اپنے مخالفوں کو کمزور بنا چکے ہو تو فاتح مکہ کا نظارہ کرو، اگر تم جوان ہو تو مکہ کے ایک چرواہے کی سیرت پڑھو۔ اگر تم یتیم ہو تو عبداللہ اور آمنہ کے گوشۂ جگر کو نہ بھولو۔ اگر تم بیویوں کے شوہر ہو تو خدیجہؓ اور عائشہؓ کے مقدس شوہر کی حیات پاک کا مطالعہ کرو۔ اگر تم عدالت کے قاضی ہو اور پنچایتوں کے ثالث ہو تو کعبہ میں نورِ آفتاب سے پہلے داخل ہونے والے ثالث کو دیکھو، جو حجرِ اسود کو کعبہ کے ایک کونے میں کھڑا کر رہا ہے۔ مدینہ کی کچی مسجد کے صحن میں بیٹھنے والے منصف کو دیکھو جس کی نظرِ انصاف میں شاہ و گدا اور امیر و غریب برابر تھے۔ تمہاری سیرت کی درستی و اصلاح کے لئے سامان۔ تمہارے ظلمت خانے کے لئے ہدایت کا چراغ اور رہنمائی کا نور محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی جامعیت کبریٰ کے خزانے میں ہر وقت اور ہر دم مل سکتا ہے۔

حضورؐ کے علاوہ جن شخصیتوں کو دُنیا مانتی ہے۔ ان کی سیرتوں کے تمام صفحات پڑھ جائیے۔ دلچسپ تصویریاں ملیں گی۔ دلآویز حکایتیں ملیں گی۔ خطیبانہ بلند آہنگیاں ملیں گی۔ تقریر کا زور و شور اور فصاحت و بلاغت کا جوش نظر آئے گا۔ مؤثر تمثیلیں تھوڑی دیر کیلئے دل خوش کر دیں گی۔ مگر جو چیز نہیں ملے گی وہ عمل، کام اور اپنے احکام اور نصیحتوں کو آپ برت کر اور کر کے دکھانا ہے بحیثیت ایک عمل پیغمبر کے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت پاک درحقیقت قرآن حکیم کی عملی تفسیر ہے۔ جو حکم آپ پر اتارا گیا آپؐ نے خود اس کو کر کے دکھایا۔ ایمان، توحید، نماز، روزہ۔ حج، زکوٰۃ، صدقہ وخیرات، جہاد، ایثار، قربانی، عزم، استقلال، صبر، شکر، ان کے علاوہ اور حسنِ عمل اور حسنِ خلق کی باتیں جس قدر آپ نے بیان فرمائیں ان کے لئے سب سے پہلے آپ نے اپنا عملی

نمونہ پیش فرمایا۔ جو کچھ قرآن میں تھا وہ سب مجسم ہو کر آپ کی زندگی میں نظر آیا۔ چند صحابی حضرت عائشہ رضؓ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا کہ اے امّ المومنین! حضورؐ کے اخلاق اور معمولات بیان فرمائیے۔ ام المؤمنین جواب میں کہتی ہیں۔ کیا تم نے قرآن نہیں پڑھا؟ قرآن الفاظ وعبارت ہے۔ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت اس کی عملی تفسیر ہے۔ بتائیے ایسی عملیت ہم کس کی زندگی میں پا سکتے ہیں؟ یہ تو صرف اور صرف حضورؐ ہی کی شخصیت ہے۔

ابن آدم میں کہاں اس کی مثال اس کا جواب
ایک کملی پوش لیکن آبروئے شش جہات
ایک درس خلق اطہر اک محبت کی کتاب
ایک چرواہا مگر ہاتھوں میں نبض کائنات

اس لئے طبقہ انسانی کے ہر طالب علم اور نور ایمانی کے ہر متلاشی کے لئے صرف محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت ہے۔ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت آج سکون اور حق کی متلاشی دنیا کے لئے واحد دوکان ہے۔ جہاں ہر جنس کے خریدار اور ہر شئے کے بہترین نمونے موجود ہیں۔

قسط ۲

تاریخ طبری سے متعلق ایک غلط فہمی کا ازالہ

از ــ مولانا اسیر ادروی

حافظ ابن کثیر نے اپنی تاریخ میں ابن جریر کا نسب نامہ، سال پیدائش، حلیہ، وفات اور تصنیفات کا تذکرہ کرتے ہوئے دوسری بعض حقیقتوں سے بھی پردہ اٹھایا ہے، وہ اپنی گفتگو کا آغاز یہاں سے کرتے ہیں۔

محمد بن جریر بن یزید بن کثیر بن غالب الامام ابوجعفر الطبری کان مولدہ فی سنة اربع وعشرین ومائتین وکان اسمر العین ملیح الوجه مدید القامة فصیح اللسان، روی الکثیر عن الجم الغفیر رحل الی الآفاق فی طلب الحدیث وصنف التاریخ الحافل وله التفسیر الکامل الذی لایوجد له نظیر وغیرهما من المصنفات ..... [1]

محمد ابن جریر بن یزید بن کثیر بن غالب امام ابوجعفر طبری کی پیدائش ۲۲۴ھ میں ہوئی، گندم گوں، سرگیں آنکھوں والے ملیح چہرے والے، دراز قامت، فصیح اللسان تھے۔ ایک جم غفیر سے انھوں نے روایتیں کی ہیں اور طلب حدیث میں دنیا کا کونہ کونہ چھان مارا ہے انھوں نے ایک جامع تاریخ اور ایک مکمل تفسیر تصنیف کی ہے، جس کی کوئی نظیر نہیں ہے ان دونوں کتابوں کے علاوہ ان کی اور بھی تصنیفات ہیں۔

[1] البدایہ والنہایہ ج ۱۱ ص ۱۴۵۔

اس کے بعد طبری کی دوسری تصنیفات کے نام لکھے ہیں آخر میں اُن کا سالِ وفات، تاریخ اور وقت تحریر فرماتے ہیں۔

قد کانت وفاته وقت المغرب عشیة یوم الاحد لیومین بقیا من شوال من سنة عشر وثلث مائة وقد جاوز الثمانین بخمس سنین او ست سنین وفی شعر راسه و لحیته سواد کثیر ودفن فی داره[1]	ان کی وفات اتوار کے دن مغرب کے وقت ہوئی اور تاریخ ۲۸ رشوال ۳۱۰ھ تھی۔ ان کی عمر پچاسی یا چھیاسی سال کے قریب ہوگئی تھی لیکن ان کے سر اور داڑھی کے بالوں میں سفیدی سے سیاہی زیادہ تھی اور وہ اپنے مکان ہی میں دفن کیے گئے۔

اتنی جزئی تفصیلات اور چھوٹی چھوٹی باتوں کے ذکر کرنے سے یہ اندازہ ہوتا ہے کہ ابن کثیر کو ابن جریر طبری کی شخصیت متعین کرنے میں کوئی دھوکا نہیں ہو سکتا تھا۔ وہ صحیح العقیدہ طبری اور رافضی طبری دونوں کی الگ الگ شخصیتوں کو خوب پہچانتے ہیں اور پھر پورے وثوق کے ساتھ فرماتے ہیں۔

«عارفا بایام الناس واخبارهم وله الکتاب المشهور فی "تاریخ الامم والملوک" وکتاب فی التفسیر لم یصنف احد مثله، وکتاب سماه تهذیب الآثار ولم ار سواه فی معناه الا انه لم یتمه....[2]	ایام الناس اور اخبار کو خوب جاننے والے تھے تاریخ میں ان کی مشہور کتاب "تاریخ الامم و الملوک" ہے اور تفسیر کی کتاب تو ایسی ہے کہ کسی نے اس جیسی تفسیر نہیں لکھی، تہذیب الآثار کے نام سے ایک کتاب لکھنی شروع کی تھی یہ کتاب بھی بے مثل ہوتی، مگر افسوس کہ وہ مکمل نہ کر سکے.....»

ابن کثیر نے اس تفصیل کے بعد حقائق سے ان پردوں کو اٹھایا ہے جو رافضی طبری کی کتاب ان کے نام سے مشہور عوام ہوگئی تھی، انھوں نے ہمیں بتایا کہ طبری کے علم وفضل اور عظمت و

---

[1] البدایہ والنہایہ ج ۱۱ ص ۱۴۶، [2] حوالہ مذکور، ص ۱۴۵،

شہرت کا سب سے بڑا دشمن ابوبکر محمد بن داؤد ظاہری تھا۔ وہ طبری پر نکتہ چینیاں کرتا اور ان پر رافضیت کا جھوٹا الزام عائد کرتا تھا۔ اور بہت سی غلط باتوں کو ان کی جانب منسوب کرکے عوام میں ان کی مقبولیت کو داغدار بنانے کی کوشش کرتا رہتا تھا۔ اس کی ریشہ دوانیوں کی وجہ سے بغداد کے حنابلہ طبری کے دشمن ہوگئے اور ان کو عام قبرستان میں دفن نہیں ہونے دیا۔

ان کی جانب غلط باتوں کے منسوب کئے جانے کے متعلق انھوں نے لکھا ہے کہ ایک ضخیم کتاب دو جلدوں میں ہے۔ جس میں غدیر خم کی روایتیں جمع کی گئی ہیں، ایک اور کتاب ہے جس میں حدیث منطق الطیر کے طرق جمع کئے گئے۔ یہ رافضی طبری کی کتابیں ہیں۔ جو ابن جریر طبری کے زمانہ میں تھا۔ عوام ان کی جانب منسوب کرکے ان کو متہم کرنے لگے تھے، اس کے ساتھ ساتھ ایک اور غلط بات ان کی جانب منسوب کی گئی کہ وہ وضو میں پاؤں دھونے کے بجائے ان کے مسح کے قائل ہیں جو شیعوں کا مذہب ہے، یہ تمام تفصیل حافظ ابن کثیر ہمیں بتاتے ہیں اور اس کے بعد تحریر فرماتے ہیں۔

فمن العلماء من یزعم ان ابن جریر اثنان احدھما شیعی والیہ ینسب ذٰلک و ینزھون ابا جعفر ھذا عن ھٰذہ الصفات۔ [1]	بعض علماء کہتے ہیں کہ ابن جریر دو ہیں، ان میں ایک شیعہ ہے اور وہ لوگ مذکورہ بالا باتوں کو اسی شیعی طبری کی طرف منسوب کرتے اور ان کی طرف سے صفائی دیتے ہیں۔

مذکورہ بالا تفصیل سے یہ معلوم ہوا کہ ابن جریر طبری کو بدنام کرنے کے لئے رافضی طبری کی کتابیں ان کی جانب منسوب کرکے عوام کو ان کے خلاف بھڑکایا جاتا تھا۔ خود ان کی کسی تصنیف کو رافضی طبری کی طرف کبھی منسوب نہیں کیا گیا۔ کیونکہ اس سے ان کا کوئی فائدہ نہیں تھا۔ اسی سازش کے ذیل میں رافضی طبری کی تصانیف کا بھی ذکر آگیا ہے،

---

[1] البدایہ والنہایہ ج ۱۱ ص ۱۴۷، [2] میزان الاعتدال ج ۳ ص ۴۹۹،

علامہ ذہبی نے اس کی کتاب الرواۃ "عن اہل البیت" کا ذکر کیا ہے اور حافظ ابن کثیر نے اس کی کتاب غدیر خم" اور حدیث منطق الطیر کے نام لئے ہیں[۱]۔ اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ اس کی تمام کتابوں کا تعلق شیعی مسلک سے تھا۔ اس نے تاریخ الامم والملوک" جیسی کتاب نہیں لکھی ہے، ورنہ متقدمین میں سے کوئی نہ کوئی اس کا ذکر ضرور کرتا۔ لیکن ہم دیکھتے ہیں کہ ابن جریر طبری کے دور سے لے کر آج تک کسی مصنف نے نہیں بتایا کہ اس کی فن تاریخ میں کوئی کتاب ہے، اس لئے تاریخ طبری کو رافضی طبری کی طرف منسوب کرنا ایک بے بنیاد دعویٰ ہے جس کی کوئی اصل نہیں ہے۔

طاش کبریٰ زادہ متوفی ۹۶۲ھ کی کتاب علوم وفنون کی تاریخ اور تعارف میں معتبر ومستند کتاب تسلیم کی جاتی ہے۔ انھوں نے بھی ابن جریر طبری کے حالات تفصیل سے لکھے ہیں اور پورے جزم ویقین کے ساتھ لکھتے ہیں۔

ومن التواريخ، تاريخ الطبري وهو ابوجعفر محمد بن جرير الطبري وقيل يزيد بن كثير بن غالب صاحب التفسير الكبير والتاريخ الشهير ....،،[۲]	فن تاریخ میں تاریخ طبری ہے جن کا پورا نام ابوجعفر محمد ابن جریر الطبری ہے ان کے اوپر کے نسب میں ہے یزید بن کثیر بن غالب جن کی جلیل القدر تفسیر اور تاریخ کی مشہور ومعروف کتاب ہے،،

طاش کبریٰ زادہ نے تاریخ طبری کے ذکر کے ساتھ پورا نام ونسب شاید اسی لئے لکھدیا ہے کہ صرف محمد ابن جریر طبری کہنے سے رافضی طبری کے نام میں اشتراک کی وجہ سے دھوکا ہو سکتا ہے اس لئے دادا نام بھی لکھدیا کہ رافضی طبری کے دادا کا نام رستم ہے اور ان کے دادا کا نام یزید، یہیں سے دونوں میں امتیاز ہوتا ہے اس لئے شخصیت کی تعیین کیلئے پورا نسب نامہ بیان کر دیا، اور تاریخ وتفسیر دونوں کی نسبت اس کے

[۱] البدایہ والنہایہ ج ۱۱ ص ۱۴۵، [۲] مفتاح السعادۃ ج ۱ ص ۲۵۲-۲۵۳،

حقیقی مصنف کی طرف کردی،

شذرات الذہب بہت پہلے چھپی تھی پھر کمیاب ہوگئی، ماضی قریب میں دار المیسرہ بیروت سے خوبصورت اور روشن ٹائپ میں چھپ کر علمی دنیا میں عام ہوگئی ہے اور تحقیقی کام کرنے والوں کے یہاں اس کے حوالے بہت ملنے لگے ہیں، اس کے مصنف ابن عماد حنبلی متوفی ۱۰۸۹ھ ہیں، انھوں نے ۳۱۰ھ کے حالات میں لکھا ہے۔

فیھا الحبر البحر الامام ابوجعفر محمد بن جریر الطبری صاحب التفسیر و التاریخ والمصنفات الکثیرۃ۔ [۱]

اسی سال عظیم المرتبت امام ابوجعفر محمد بن جریر طبری جو تفسیر و تاریخ اور دوسری بہت سی کتابوں کے مصنف ہیں، انتقال فرمایا،

حاجی خلیفہ کاتب چلپی متوفی ۱۰۶۷ھ کی کشف الظنون عن اسامی الکتب والفنون مشہور ومعروف ہے۔ کتابوں کے نام اور ان کے مصنفین کے سلسلہ میں علمی حلقوں میں ایک قابلِ اعتماد اور مستند مأخذ کی حیثیت رکھتی ہے۔ عام طور سے لائبریریوں میں پائی جاتی ہے۔ اس میں حاجی خلیفہ لکھتے ہیں۔

تاریخ الطبری، ہو الامام ابوجعفر محمد بن جریر المتوفی سنۃ عشر و ثلث مائۃ وھو من التواریخ المشہورۃ الجامعۃ لاخبار العالم، ابتدأ من اول الخلیقۃ وانتھیٰ الی سنۃ تسع و ثلث مائۃ وسماہ "تاریخ الامم والملوک"۔ [۲]

تاریخ طبری، اس کے مصنف ابوجعفر محمد ابن جریر متوفی ۳۱۰ھ ہیں۔ یہ تاریخ کی مشہور کتابوں میں سے ہے اور اخبار عالم کی جامع ہے حضرت آدم سے لیکر ۳۰۹ھ تک کے حالات پر مشتمل ہے۔ طبری نے اس کا نام تاریخ الامم والملوک رکھا ہے۔"

٭ ٭ ٭ ٭ ٭

یعنی تاریخ الامم والملوک اسی ابن جریر طبری کی تصنیف ہے جن کی وفات ۳۱۰ھ میں

---

[۱] شذرات الذہب ج ۲ ص ۲۶۰۔

ہوئی پھر تفسیر کے سلسلہ میں وہ رقمطراز ہیں،

تفسیر ابن جریر، ھو ابوجعفر محمد الطبری المتوفی ۳۱۰ھ عشر وثلثمائۃ وقال السیوطی فی الاتقان وکتابہ اجل التفاسیر و اعظمہا.... نقلہ بعض المتاخرین الفارسیۃ لمنصور بن نوح السامانی [1]

تفسیر ابن جریر" کے مصنف ابوجعفر محمد طبری متوفی ۳۱۰ھ ہیں، اس تفسیر کے بارے میں سیوطی نے اپنی کتاب الاتقان میں لکھا ہے کہ یہ تفسیروں میں جلیل القدر اور عظیم ترین تفسیر ہے... متاخرین میں سے کسی نے منصور بن نوح سامانی کیلئے اسکا فارسی میں ترجمہ کیا ہے،

سب سے بڑی اور مضبوط شہادت کہ تفسیر و تاریخ دونوں کا مصنف ایک ہے خود تاریخ طبری ہی سے ملتی ہے، مورخ طبری نے القول فی خلق آدم" کے عنوان کے تحت اپنی تاریخ میں لکھا ہے۔

وقیل اقوال کثیرۃ فی ذالک، قد حکینا منہا جملانی کتابنا المسمی جامع البیان عن تاویل آی القرآن فکرھنا اطالۃ الکتاب بذکر ذلک فی ھذا الموضع [2]

اس سلسلہ میں بہت سے اقوال ہیں ان میں سے بہت سے ہم نے اپنی کتاب جامع البیان عن تاویل آی القرآن میں نقل کر دیئے ہیں، طوالت کے خیال سے ان کا یہاں نقل کرنا ہم نے پسند نہیں کیا۔

مذکورہ بالا قول کی صداقت و حقیقت معلوم کرنے کے لئے تفسیر جامع البیان کو دیکھا تو یقین ہو گیا کہ مورخ طبری نے اپنی تاریخ میں جن اقوال کو اپنی تفسیر میں ذکر کرنے کو بیان کیا ہے، حقیقتاً وہ اقوال تفسیر میں موجود ہیں۔ یہ سارے اقوال قرآن کی آیت قالوا اتجعل فیہا من یفسد فیہا ویسفک الدماء کے ذیل میں پورے سات صفحات میں نقل کئے ہیں [3]۔ یقین و صداقت میں مزید اضافہ اس وقت اور بھی ہو گیا جب میں نے دیکھا کہ تاریخ میں اس موقعہ پر بعض الفاظ

---

[1] کشف الظنون ج ۱ ص ۴۳۷ [2] تاریخ الامم والملوک ج ۱ ص ۴۵۔ [3] جامع البیان مطبوعہ میمنیہ مصر جلد اول از صفحہ ۱۵۴ تا ۱۶۲،

اور جملے جو استعمال کئے ہیں ٹھیک وہی الفاظ تفسیر میں بھی موجود ہیں۔

تاریخ میں اس موقعہ پر ایک جملہ ہے یقول اعلم مالا تعلمون من انطواء ابلیس علی التکبر تفسیر میں اسی لفظ انطواء کو اس موقعہ پر استعمال کرتے ہیں، اظہر لهم من ابلیس ما کان منطویا علیہ من الکبر، تاریخ میں ایک موقع پر لکھتے ہیں فخلق اللّٰہ ادم من طین لازب واللازب اللزج الطیب من حمأ مسنون، منتن انما کان حمأ مسنونا بعد التراب قال فخلق منہ ادم بیدہٖ [۱] بالکل یہی عبارت تفسیر میں بھی ہے۔ایک حرف کی کمی بیشی نہیں۔

خلق اللّٰہ من طین لازب کے ذیل میں اپنے شیخ ابو کریب کی جس روایت کو اپنی تاریخ میں لکھا ہے۔ٹھیک وہی روایت انھیں سے اپنی تفسیر میں بھی لکھی ہے۔تخلیق آدم کیلئے مٹی لانے کیلئے فرشتوں کو بھیجنے کا ذکر اپنی تاریخ میں اپنے شیخ موسیٰ بن ہارون کی روایت سے بیان کرتے ہیں،انھیں کی وہی روایت ان کی تفسیر میں بھی درج ہے،علم ادم الاسماء کلها کی تفسیر میں اگر پہلی روایت ان کے شیخ ابو کریب کی ان کی تفسیر میں ہے تو تاریخ میں بھی پہلی وہی روایت انھیں ابو کریب کی ہے۔پھر ان کے شیخ محمد بن عمرو کی روایت تاریخ میں ہے وہی روایت محمد بن عمرو کی ان کی تفسیر میں بھی ہے۔درمیان میں تین چار روایتیں تفسیر میں زیادہ ضروری ہیں۔لیکن ترتیب قائم ہے پھر تاریخ میں ابن وکیع کی روایت آتی ہے وہی روایت اسی ترتیب سے تفسیر میں بھی ہے،تاریخ میں پھر ان کے شیخ بشر بن معاذ کی روایت ہے،تفسیر میں بھی انھیں کی وہی روایت موجود ہے پھر قاسم بن حسن کی جو روایت ہے دونوں کتابوں میں ہے [۲]۔

اس طرح دونوں کتابوں کو سامنے رکھکر مقابلہ کرنے پر روایتوں کی ترتیب تاریخ میں وہی بنتی ہے جو ترتیب تفسیر میں ہے۔ایسا معلوم ہوتا ہے کہ جب طبری نے تاریخ لکھنی

---

[۱] تاریخ الامم والملوک ج ۱ ص ۹۵ [۲] تفسیر طبری ج ۱ ص ۱۵۵ تاریخ طبری ج ۱ ص ۹۴،

شروع کی تو اپنی تفسیر سامنے کھول لی ہے۔ اور جس روایت کو تاریخ کے لئے مناسب سمجھتے ہیں لے لیتے ہیں اور باقی روایتوں کو چھوڑتے جاتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ مشترک موضوعات سے متعلق ان کی تفسیر و تاریخ دونوں کی روایتوں میں ایک مخصوص ترتیب پائی جاتی ہے۔

طبری نے اپنی تاریخ میں صرف "خلق آدم" کے عنوان کے تحت اپنے شیوخ میں سے ابوکریب، ابن حمید موسیٰ بن ہارون، احمد بن اسحاق الاہوازی، یعقوب بن ابراہیم، علی بن الحسن، محمد بن عمرو وکیع، حسن بن یحییٰ، ابن وکیع، بشر بن معاذ، قاسم بن الحسین، یونس بن عبدالاعلیٰ اور بعض دوسرے شیوخ کی روایتیں درج کتاب کی ہیں۔ انھیں شیوخ سے وہی روایتیں اسی ترتیب سے وہ اپنی تفسیر میں پہلے لکھ چکے ہیں،

گہرائی سے جائزہ لینے سے یہ پتہ چلتا ہے کہ ان کی تفسیر یقیناً ان کی تاریخ سے پہلے لکھی گئی ہے چونکہ تفسیر کے مقابلہ میں تاریخ میں اختصار مدنظر تھا اور تفسیر میں روایات کا بہت بڑا ذخیرہ تھا۔ اس لئے تاریخ لکھتے ہوئے انھوں نے انھیں روایتوں میں سے انتخاب کیا ہے، حیرتناک یکسانیت واشتراک یہ ہے کہ تاریخ میں جس ترتیب سے جن مشائخ سے جن روایتوں کو لکھتے ہیں یہ ٹھیک وہی ترتیب ہے جو تفسیر میں ہے جبکہ درمیان میں کئی کئی صفحات تک دوسری تفصیلات و روایات پیش کرتے جاتے ہیں مگر تاریخ میں تفسیر سے روایتوں کا انتخاب اپنی ترتیب کے ساتھ ہے[1]

دو مصنف کی دو کتابوں میں یہ اشتراک، یکسانیت، ترتیب مضامین و روایات ممکن ہے؟ یقیناً آپ کا جواب نفی میں ہو گا۔ اگر بالفرض ایسی کوئی مثال مل جائے تو سوا اس کے اور کیا کہا جائے کہ اپنی کتاب بعد میں مرتب کرنے والا شخص مصنف نہیں کچھ اور ہے۔ اور اس کا ہاتھ تو نہیں کاٹا جائے گا۔ لیکن اس کے قلم کو ذلت و رسوائی کی سزا ضرور دی جائیگی،

طبری کی تفسیر و تاریخ میں مضامین روایتوں اور عبارتوں میں اشتراک و یکسانیت اور ترتیب اس بات کا قطعی ثبوت ہے کہ مؤرخ طبری نے اپنی تاریخ میں اپنی تفسیر کا اس

---

[1] دیکھئے تاریخ الامم والملوک از صفحہ ۵۴ تا ۵۲ و تفسیر جامع البیان ج ۱، از ص ۱۵۵ تا ۱۶۴

موقعہ پر جو حوالہ دیا ہے وہ اپنے اندر پوری صداقت لئے ہوئے ہے۔ مصنفین کی اپنی اپنی خصوصیات ہوتی ہیں، ہر ایک کے کچھ مخصوص الفاظ، جملے اور مخصوص طرز تحریر ہوتا ہے۔ اور وہ ان سے اپنی ہر تصنیف میں کام لیتے ہیں۔ اگر کوئی مصنّف اپنی ایک کتاب کے بعد کوئی دوسری کتاب لکھتا ہے اور اس میں اس کی پہلی کتاب میں درج کسی خاص بحث کا موقعہ آتا ہے تو بالعموم وہی انداز بیان، وہی معلومات وہی عبارت اور جملے بلا تکلّف زیر تصنیف کتاب میں استعمال کرتا ہے کیوں کہ یہ اس کا اپنا فراہم کردہ سرمایہ ہے اور اس کو استعمال کرنے کا اس کو حق حاصل ہے، اور یہ کوئی عیب نہیں ہے۔ طبری نے پہلے تفسیر لکھی اور جب تاریخ لکھنی شروع کی تو جو باتیں تفسیر میں تفصیل سے لکھ چکے تھے۔ ضرورت پڑنے پر اس کی تلخیص کرکے اس بحث کو اپنی تاریخ میں شامل کر دیا۔ یہی سب سے بڑا ثبوت ہے کہ تفسیر و تاریخ دونوں ایک ہی مصنّف کی کتابیں ہیں۔

اس تفصیل سے میرا مقصد یہ کہ تفسیر طبری جس کا نام جامع البیان عن تاویل آی القرآن ہے اور تاریخ طبری جس کا نام تاریخ الامم والملوک ہے آج ہمارے ہاتھوں میں ہیں اور ساری دنیا میں پھیلی ہوئی ہیں۔ ان دونوں کے مصنّف ابوجعفر محمد ابن جریر بن یزید الطبری متوفی ۳۱۰ھ ہیں اور صحیح العقیدہ ہیں البتہ اتنی سی بات ضرور ہے جو علامہ ذہبی اور حافظ ابن حجر نے ان کے بارے میں لکھی ہے۔ ثقۃ، صادق فیہ تشیع یسیر وموالاۃ لاتضر[1]، مذکورہ بالا شہادتوں کے بعد اس کہنے کی گنجائش نہیں رہ جاتی ہے کہ تفسیر طبری تو ضرور ان کی ہے لیکن تاریخ رافضی طبری کی ہے،

میں نے طبری کے معاصرین سے لے کر گیارہویں صدی تک کے ارباب تحقیق و تصنیف کی شہادتیں آپ کے سامنے پیش کر دی ہیں۔ ان شہادتوں کی روشنی میں آپ خود فیصلہ کریں کہ تفسیر طبری اور تاریخ طبری کے بارے میں ایک مصنّف کی تصنیف ہونے کا جو دعویٰ کیا گیا ہے۔ کیا یہ دعویٰ غلط ہو سکتا ہے؟ مجھے کسی تذکرے میں یہ شائبہ بھی

---

[1] میزان الاعتدال ج ۳ ص ۴۹۹ و لسان المیزان ج ۵ ص ۱۰۰

نہیں ملا کہ تفسیر و تاریخ میں سے کسی کو کسی دوسری شخصیت کی طرف منسوب کیا جاسکتا ہے۔ یہ تو ضرور ہوا کہ طبری کی عزت و شہرت کو نقصان پہونچانے کی نیت سے رافضی طبری کی بعض ہفوات کو ان کی جانب منسوب کرکے ان کے خلاف محاذ بنانے کی کوشش کی گئی۔ لیکن پوری تاریخ سے ایک معمولی شہادت بھی ایسی نہیں ملی کہ ان کی کتابوں کو کسی نے رافضی طبری کی طرف منسوب کیا ہو، ان حالات میں یہ بات کس طرح قابلِ قبول ہوسکتی ہے کہ تاریخ طبری شیعی ہے اور تفسیر سنی طبری کی ہے، اس تقسیم کی پوری تاریخ میں کہیں بھی گنجائش نظر نہیں آتی،

یہ سوال کیا جاسکتا ہے کہ اس تقسیم سے کیا نقصان ہے؟ بظاہر نقصان کے بجائے فائدہ نظر آتا ہے اگر تاریخ کو رافضی طبری کی طرف منسوب کردیا جاتا ہے تو سیکڑوں وہ روایتیں جو اس کتاب میں ہیں جن سے صحابہ کرام کی پاکیزہ زندگی بدمنظر ہوجاتی ہے ان سے نجات حاصل ہوجائے گی اور کہدیا جائے گا کہ یہ تاریخ ہمارے لئے قابلِ حجت نہیں کیوں کہ اس کا مصنف غالی رافضی ہے، لیکن یہ دعویٰ آسان نہیں ہے۔

چونکہ یہ دعویٰ بلا دلیل ہوگا، اس لئے علمی دنیا میں اس کی کوئی قیمت نہیں ہوگی۔ آج کی علمی دنیا بہت آگے بڑھ چکی ہے۔ قدیم سے قدیم مخطوطے تحقیق و تفتیش کے دیوانے حاصل کرچکے ہیں اور قدیم ترین مخطوطے برابر دستیاب ہوتے جارہے ہیں۔ جن مصنفین کی تصنیفات کو ناممکن الحصول سمجھ کر ہم مطمئن ہوچکے تھے۔ آج ان کے مخطوطے دریافت ہوگئے۔ اسی طرح تاریخ طبری کے بہت سے مخطوطے علمی دنیا نے حاصل کرکے اس کی تحقیق کی ہے، اور ناقابلِ شکست دلائل سے اس کتاب کا مصنف اسی شخصیت کو قرار دیا گیا ہے۔ جس کی تصنیف ماننے سے انکار کیا جارہا ہے!

آج بہت سی علمی بحثوں میں طبری کی یہ تاریخ مستند مآخذ کی حیثیت رکھتی ہے، مستشرقین کا ایک پورا گروہ جو اپنی تحقیق اور وسعتِ مطالعہ کی بنا پر طبری کی اس تاریخ

کے مقام و مرتبہ سے خوب واقف ہے وہ آپ کے دعویٰ بلا دلیل کو کسی قیمت پر تسلیم نہیں کرے گا، اور اگر علمی بنیاد پر اپنے دعویٰ کو ثابت کرنا چاہیں گے اور ثبوت و شہادت کی تلاش میں نکلیں گے تو ہر قدم پر آپ کو آپ کے دعویٰ کے خلاف ہی ثبوت و شہادت ملتی جائے گی۔

اس تقسیم سے سب سے بڑا نقصان یہ ہوگا کہ یہ کتاب ناقابل اعتبار ہو جائے گی اور اہل علم کا اعتماد اٹھ جائے گا۔ اور اسی کتاب کی بنیاد پر بعد میں لکھی جانے والی بہت سی اسلامی تاریخوں کا دار و مدار ہے۔ اس لئے وہ تمام کتابیں اور تاریخیں بھی ناقابل اعتماد اور ناقابل حجت بن جائیں گی۔ جن میں تاریخ طبری سے استفادہ کیا گیا ہے۔ اس طرح اسلامی تاریخ کا پورا سرمایہ ردی کی ٹوکری میں ڈالنے کے لائق ہو جائے گا اس لئے یہ تقسیم کسی بھی حیثیت سے قابل قبول نہیں ہو سکتی،

رہ گئی تاریخ طبری کی وہ روایتیں جن سے صحابہ کرام کی شخصیتوں پر حرف آتا ہے تو ایسی روایتوں کی علمی بنیاد پر تردید ہونی چاہیئے، ہمارے ہاتھوں میں فن اسماء الرجال اور فن جرح و تعدیل کی کسوٹی موجود ہے۔ اگر تاریخ طبری کی کوئی بھی روایت اس کسوٹی پر کھری ثابت نہیں ہوتی تو اس کو ردی کی ٹوکری میں ڈال دینے کا ہم کو حق حاصل ہے، خود طبری کو بھی اس کا اعتراف ہے کہ ہم نے روایتوں کی صحت و صداقت جانچنے کی کوشش نہیں کی ہے۔ بلکہ جو رطب و یابس روایتیں ہم تک پہونچیں ہم نے ان کو اسی طرح انھیں راویوں کی زبانی نقل کر دیا ہے[۵]۔ اب یہ قاری کی ذمہ داری ہے کہ وہ جواہرات کو پرکھ کر الگ کر لے اور خزف ریزوں کو ردی کی ٹوکری میں ڈال دے،

چونکہ اس بحث کو ہم نے اپنی کتاب "تاریخ طبری کا ایک تحقیقی جائزہ" میں مفصل لکھ دیا ہے اس لئے سلسلۂ کلام یہیں ختم کیا جاتا ہے۔

---

[۵] تاریخ الامم والملوک مطبوعہ دار الفکر ج ۱ ص ۵۔

حضرت نانوتویؒ اور عشق رسول صلی اللہ علیہ وسلم

از:- مولانا حافظ محمد اقبال رنگونی مانچسٹر انگلینڈ

بسم اللہ الرحمن الرحیم!

گذشتہ صدی عالم اسلام خصوصاً ہند و پاک کیلئے عجیب مد وجزر کی حامل رہی ہے اس میں خلافت عثمانیہ کا سورج غروب ہوا۔ اسی میں قادیان سے انکار ختم نبوت اور دعوے نبوت کا فتنہ اٹھا۔ اسی میں فتنۂ انکار حدیث نے جنم لیا۔ اسی میں عیسائیت نے اپنا جال بچھانے کی بھرپور کوشش کی، اسی میں مسلمانوں نے مسلمانوں پر تیغ تکفیر بے نیام کی اسی میں فرق باطلہ نے مستقل روپ دھار کر اسلام اور اہل اسلام پر کمندیں ڈالنے کی کوششیں کیں غرضیکہ اسلام اور مسلمانوں پر کوئی آزمائش ایسی نہ تھی جو اس صدی میں نہ آئی ہو۔ لیکن خالق کائنات کی عنایت ہوئی کہ اس نے ہندوستان کے ایک قصبہ دیوبند میں دارالعلوم کی بنیاد رکھوائی اور اس درسگاہ سے ایسی ایسی جہابذۂ روزگار اور تاریخ ساز شخصیتیں پیدا ہوئیں جنہوں نے ہر ہر مرحلے اور ہر ہر موڑ پر اسلام اور مسلمانوں کی حفاظت کی۔ ہر باطل قوت سے ٹکر لی۔ ہر تاریکی کے آگے علم وعمل کے چراغ روشن کئے۔ ان چراغوں کی ہی روشنی میں ہر آگے آنے والے قافلے کو راہ ملتی رہی۔ اور انشاءاللہ جو بھی اس سے روشنی حاصل کرتا رہے گا۔ اپنی زندگی کے ہر خاکے میں رنگ بھرتا چلا جائے گا۔

چلی سمت غیب سے اک ہوا کہ چمن سرور کا جل گیا ✿ مگر ایک شاخ نہال غم جسے دل کہیں وہ ہری رہی

ان حضرات نے اپنی زندگی میں جو چراغ روشن کئے اور جو کارہائے نمایاں انجام دئے اس کا داعیہ کیا تھا؟ کس لئے قید و بند کی صعوبتوں کو برداشت کیا؟ کیوں جابر و ظالم حکمرانوں کے آگے پہاڑ کی طرح ڈٹ گئے؟ کس لئے اپنے جان و مال۔ اہل و عیال ملک و وطن کو خیرباد کہا؟ جب تک ان سوالوں کے جوابات دل و دماغ میں نہ ہوں گے۔ ان حضرات کے کارنامے ذہن نشین نہیں ہو سکتے؟

ہم ذیل میں چند اکابر کے چند واقعات درج کریں گے جن سے بآسانی معلوم ہو جائیگا کہ ان حضرات کی ان بے لوث قربانیوں اور ہر مرحلے میں جان کی بازی تک لگا دینے سے گریز نہ کرنے کی اصل وجہ کیا تھی؟ خلاصہ اس کا یہ ہے کہ ان حضرات کو اپنے آقا رحمۃ للعالمین خاتم النبیین حضرت محمد مصطفےٰ احمد مجتبیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ والہانہ عشق، محبت و عقیدت اور آپ کے لائے ہوئے دین عزیز کے ساتھ پیار تھا اور بس! اس کی خاطر سب کچھ کیا سب کچھ کر رہے ہیں۔ اور سب کچھ کرتے رہیں گے۔ (انشاء اللہ)

توحید کی امانت سینوں میں ہے ہمارے ❁ آساں نہیں مٹانا نام و نشاں ہمارا،

قبل اس کے کہ حجۃ الاسلام حضرت مولانا محمد قاسم صاحب نانوتویؒ کا تذکرہ چھیڑوں مناسب معلوم ہوتا ہے کہ پہلے دارالعلوم دیوبند۔ دیوبندیت، اور اکابر دیوبند کے ضمن میں تین بیانات پیش کروں۔

دارالعلوم کیا ہے؟ حضرت مولانا حبیب الرحمٰن قاسمی صاحب مدیر ماہنامہ دارالعلوم اس کی تشریح فرماتے ہیں کہ:

خاصانِ خدا کی دعائے سحرگاہی کا ثمرہ، علمائے حق کے جذبۂ ایثار و قربانی کا مظہر، مجاہدین اسلام کے جہد و اخلاص کی لازوال نشانی، علم و معرفت کا حسین امتزاج، مسلمانان ہند کے حیات ملی کی صراط مستقیم اور لامذہبیت کے اس دور میں اسلامی تہذیب و تمدن اور دینی آثار و اقدار کا نقیب و علمبردار، تاریخ اسلامی کی اوّلین درسگاہ۔ صفہ کی یادگار اور عکس

جمیل ۔اور ہر باطل فتنے کے خلاف برصغیر کی واحد اسلامی چھاؤنی ۔۔۔ اور تربیت گاہ حریت

(ملخص) دارالعلوم ماہ جون ۸۶ء

دیوبندیت کیا ہے؟ محقق العصر حضرت علامہ ڈاکٹر خالد محمود صاحب مدظلہٗ (ایم۔ اے۔ پی۔ ایچ ڈی برمنگھم) تحریر فرماتے ہیں کہ دارالعلوم دیوبند کسی مستقل مکتب فکر کا بانی نہیں اور نہ مسلک اکابر دیوبند کی تاریخ دارالعلوم دیوبند کی تاریخ سے شروع ہوتی ہے بلکہ تمام اکابر دیوبند انہی عقائد و افکار کے پابند رہے جو قرون ثلثہ مشہود لہا بالخیر سے "ما انا علیہ و اصحابی کی مقدس وراثت کے طور پر چلے آرہے تھے۔ دیوبندیت کسی مستقل مکتبِ فکر یا مسلک عمل کا نام نہ تھا بلکہ سلف صالحین اہل تحقیق کی کامل اتباع اور اسی کی تعلیم و اشاعت اکابر دارالعلوم دیوبند کا طرہ امتیاز رہا ہے۔ یہ تمام حضرات عقائد میں اہل سنت والجماعت اور فروعات میں امام اعظم ابوحنیفہ رح کے مسلک پر عمل پیرا تھے اور دارالعلوم دیوبند پورے ایشیا میں حنفی مسلک فکر کا سب سے بڑا مرکز تھا۔

(مقام حیات ص ۲۲۳ (۱۳۸۰ھ)

اکابر دارالعلوم کیا تھے؟ اس کا جواب پاکستان کے مشہور عالم دین جسٹس مولانا محمد تقی عثمانی صاحب مدظلہٗ کی زبانی سنئے! فرماتے ہیں۔

اس کا جواب مختصر لفظوں میں یوں بھی دیا جاسکتا ہے کہ وہ خیر القرون کی یادگار تھے سلف صالحین کا نمونہ تھے۔ اسلامی مزاج و مذاق کی جیتی جاگتی تصویر تھے لیکن ان مختصر جملوں کی تشریح و تفصیل کرنے بیٹھیں تو اس کے لئے دفتر کے دفتر بھی ناکافی ہیں اور سچی بات تو یہ ہے کہ ان کی خصوصیات کو لفظوں میں سمیٹنا مشکل ہی نہیں تقریباً ناممکن ہے اس لئے کہ ان کی خصوصیات کا تعلق درحقیقت اس مذاق و مزاج سے ہے جو حضرات صحابہ کرام رض کی سیرتوں اور ان کے طرزِ زندگی سے مستنیر تھا۔ اور مذاق و مزاج وہ چیز ہے جسے محسوس تو کیا جاسکتا ہے۔ لیکن الفاظ کے ذریعے ٹھیک ٹھاک بیان نہیں کیا جاسکتا۔ جس طرح گلاب کی

خوشبو کو سونگھا تو جا سکتا ہے لیکن اس کی پوری کیفیت کو الفاظ میں ڈھالنا ممکن نہیں۔ اسی طرح ان حضرات کے مزاج و مذاق کو ان کی صحبتوں اور ان کے واقعات سے سمجھا جا سکتا ہے مگر اس کی منطقی تعبیر ناممکن ہے۔ (دارالعلوم دیوبند نمبر ص۳۶۲)

ان تین بیانات سے دارالعلوم دیوبند، دیوبندیت، اور اکابر دیوبند کے خدوخال واضح ہو گئے ہیں۔ اسی لئے ہم کہہ سکتے ہیں کہ

اولٰئک آبائی فجئنی بمثلھم اذا جمعتنا یا جریر مجامع

حضرت مولانا نانوتویؒ اور بارگاہِ رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم

حجۃ الاسلام حضرت مولانا محمد قاسم صاحب نانوتویؒ کا سلسلۂ نسب سیدنا حضرت ابوبکر صدیقؓ سے جا کر ملتا ہے۔ آپ دارالعلوم دیوبند کے سرپرست اوّل اور عارف باللہ حضرت حاجی امداد اللہ صاحب مہاجر مکیؒ کے مرید و مجاز تھے۔ حضرت حاجی صاحبؒ، حضرت نانوتویؒ کے متعلق فرمایا کرتے تھے کہ:

حق تعالیٰ اپنے بندوں کو جو اصطلاحی عالم نہیں ہوتے ایک لسان (زبان) عطا کرتے ہیں چنانچہ حضرت شمس تبریزیؒ کو مولانا رومؒ لسان عطا ہوئے جنہوں نے شمس تبریزی کے علوم کو کھول کھول کر بیان فرما دیا اسی طرح مجھ کو مولوی محمد قاسم لسان عطا ہوئے ہیں۔ (سوانح قاسمی جلد ۱ ص۲۹۴ و حسن العزیز ص۳۸۲ ج۱)

امیر شاہ خاں صاحب مرحوم کہتے ہیں کہ ایک مرتبہ حضرت حاجی صاحبؒ کی مجلس میں مولانا اسماعیل شہیدؒ کا تذکرہ ہو رہا تھا۔ اور ان کے مناقب بیان کئے جا رہے تھے۔ حضرت حاجی صاحبؒ نے مولانا نانوتویؒ کی طرف اشارہ کرکے فرمایا کہ:

مولانا اسماعیلؒ تو تھے ہی ــــ کوئی ہمارے اسماعیل کو بھی دیکھے

(ارواح ثلاثہ ص۲۷۷)

اسی طرح ایک مرتبہ فرمایا۔

اگر حق تعالیٰ مجھ سے دریافت کرے گا کہ امداد اللہ کیا لائے تو میں قاسمؒ اور رشیدؒ کو پیش کروں گا کہ یہ لے کر حاضر ہوا ہوں۔ (حیات اشرف)

حضرت حاجی صاحبؒ کی یہ الہامی تحریر بھی ملاحظہ فرمایئے!

جو آدمی اس فقیر سے محبت۔ عقیدت اور ارادت رکھتا ہے اسے چاہئے کہ مولوی محمد قاسم اور مولوی رشید احمد صاحبؒ جو کہ تمام ظاہری اور باطنی کمالات کے جامع ہیں میری طرح بلکہ مجھ سے بڑھ کر شمار کرے اگرچہ معاملہ برعکس ہے وہ میری جگہ اور میں ان کی جگہ ہوں ان کی صحبت کو غنیمت سمجھے کیونکہ ان جیسے آدمی اس زمانہ میں نایاب ہیں۔

(ضیاء القلوب ص۔۔۔)

ایک مرتبہ حضرت حاجی صاحبؒ نے حضرت نانوتویؒ کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا کہ:

ایسے لوگ کبھی پہلے زمانہ میں ہوا کرتے تھے۔ اب مدتوں سے نہیں ہوتے

(سوانح قاسمی جلد ۱ ص۳۴۵)

اور پھر ساتھ ہی حضرت نانوتویؒ کے رفقاء حج کو حج سے واپسی پر وصیت فرمائی کہ:۔

مولوی صاحب کی تحریر و تقریر کو محفوظ رکھا کرو اور غنیمت جانو (ایضاً ص۳۴۶)

یہ اس بابرکت ہستی کا ارشاد فرمان اور وصیت و اعلان ہے جو علمائے دیوبند اور علمائے بریلی دونوں کے نزدیک قابل احترام ہے۔ اور دونوں مکتبِ فکر ان کی عزت و عظمت کے قائل ہیں۔۔۔ اور بریلوی مکتبہ فکر کے مولانا سعید احمد کاظمی نے اپنی کتاب الحق المبین میں حضرت حاجی صاحبؒ کو علماء حق اور علماء اہل سنت میں شمار فرمایا ہے (ص۱۴)

علاوہ ازیں وقت کے مسلم عند الکل قطب اور مشہور روحانی شخصیت حضرت مولانا شاہ فضل رحمٰن گنج مرادآبادیؒ کی یہ شہادت بھی پڑھ لیجئے!

مولانا محمد قاسم کو کم سنی ہی میں ولایت مل گئی (کمالات رحمانی ص۱۶۷)

اس کے باوجود جو لوگ حضرتؒ پر الزام واتہام رکھتے ہیں وہ خود غور کریں کہ ان کے اس الزام سے کون کون سی شخصیتیں مجروح ہورہی ہیں ؟۔

حضرت نانوتویؒ کو اپنے محبوب نبی آخرالزماں صلی اللہ علیہ وسلم سے کس قدر عشق وتعلق تھا اور آپ کے ارشادات گرامی کا کس قدر پاس تھا اسے چند واقعات اور ارشادات کی روشنی میں بیان کرتے ہیں اور التماس کرتے ہیں کہ نگاہ تعصب کے بجائے حقیقت کی عینک لگا کر ان واقعات وارشادات کو پڑھیں۔ اور فیصلہ کریں کہ کیا ایسا شخص (نعوذ باللہ) گستاخ رسول کہلانے کا مستحق ہو سکتا ہے۔

(۱) حضرت مولانا محمد قاسم صاحبؒ نانوتوی جب حج کی سعادت حاصل کرنے کے لئے تشریف لے گئے۔ فراغت کے بعد جب مدینۃ الرسول صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف روانگی ہوئی تو دیار حبیب سے کئی میل دور ہی سے گنبد خضراء پر نظر پڑتے ہی اپنا جوتا اتار لیا حالانکہ وہاں سے راستہ نوکدار پتھر کے ٹکڑوں سے بھرا تھا مگر آپ کے ضمیر نے گوارا نہ کیا کہ دیار حبیب میں جوتا پہن کر چلا جائے نامعلوم کس مقام پر حضور پُرنور صلی اللہ علیہ وسلم کے اقدام مبارک پڑے ہوں اور میری کیا مجال کہ میں جوتا پہن کر اس مقام پر چلوں۔ حضرتؒ کے رفیق سفر مولانا حکیم منصور علی خاں مرحوم فرماتے ہیں کہ :۔

جب منزل بمنزل مدینہ شریف کے قریب ہمارا قافلہ پہونچا جہاں سے روضہ پاک جناب لولاک (صلی اللہ علیہ وسلم) نظر آتا تھا فوراً جناب مولانا مرحوم نے اپنے نعلین (جوتے) اتار کر بغل میں دبائے اور پا برہنہ چلنا شروع کیا۔ (سوانح قاسمی جلد ۳ صـ ۵)

شیخ الاسلام حضرت مولانا حسین احمد مدنیؒ اس سفر کے متعلق تحریر فرماتے ہیں کہ:۔

جناب مولانا نانوتویؒ چند منزل برابر بھی اونٹ پر سوار نہ ہوئے حالانکہ اونٹ ان کی سواری کا موجود تھا اور خالی تھا پیر میں زخم پڑ گئے تھے کانٹے لگے تھے پتھروں اور نوکیلے ٹکڑوں کی تلخیاں محبوب کے دیدار کے مقابلے میں بالکل ہیچ ہو گئی تھی۔ نہ آپ کی زبان پر

شکوہ آیا نہ چہرے پر اُس کے آثار ظاہر ہوئے۔ اور ہوتے بھی کیسے؟ یہ تو دیا حبیب ہے یہاں شکوہ وشکایت کو کیا دخل اور کیا مجال؟ یہ تو وہ مقام ہے جہاں ہزاروں جانیں بھی فدا ہو جائے پھر بھی یہ ہی کہا جائے گا کہ!

حق تو یہ ہے کہ حق ادا نہ ہوا۔

دیکھئے تو سہی کہ حضرت نانوتوی رح کو مدینہ منورہ اور گنبد خضرا اور مکین گنبد خضرا ﷺ کے ساتھ کس قدر عقیدت ومحبت اور کیسی وابستگی وفریفتگی تھی اور یہ بھی دیکھئے کہ کیسا عاشقانہ اور محبّانہ طریقہ اختیار فرما کر اپنی فرط محبت کا اظہار فرمایا یہ ساری عقیدت ومحبت حضرت سیدالانبیاء والمرسلین صلی اللہ علیہ وسلم ہی کی وجہ سے تو ہے ورنہ یہ ایک سنگلاخ رقبہ پتھریلی زمین ہے۔ اس میں جو کچھ بھی ہے اور جتنا کچھ بھی ہے وہ سب کا سب محبوب رب العلمین خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم ہی کی بدولت اور آپ ہی کے واسطہ سے ہے۔ اسی لئے نہ آپ کی زبان پر آہ یا اوہ کے الفاظ آئے نہ زخم کی کوئی پرواہ کی، شدید تکلیف کو راحت سمجھکر ان سے فرحت ولذّت حاصل کرتے ہوئے دیار محبوب کی طرف کشاں کشاں چلتے رہے۔ گویا۔ بزبان حال یہ کہہ رہے ہیں ؎

اے میرے دل ادب کر ادب کر وہ ادب کا مقام آرہا ہے۔

پھر عقیدت کے سجدے لٹا کہ ان کا دارالسّلام آرہا ہے۔

حضرت نانوتوی رح خود بھی اسی کی طرف اشارہ کر گئے ہیں کہ۔

فلک پہ عیسیٰ وادریس ہیں تو خیر سہی! زمیں پر جلوہ نما ہیں محمد مختار ﷺ

فلک پہ سب سہی پر ہے نہ ثانیٔ احمد زمیں پہ کچھ نہ ہو پر ہے محمدی سرکار ﷺ

عرش پر گر فرش بھاری ہے تو ہے اس لئے جس میں محو خواب ہے کون دوکاں کے تاجدار ﷺ

میرا اور میرے تمام اکابر کا عقیدہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر مبارک کا وہ حصہ جو آپ کے جسد اطہر سے متصل اور ملا ہوا ہے وہ عرش عظیم سے بھی زیادہ مرتبہ اور فوقیت رکھتا ہے (بحوالہ دارالعلوم دیوبند نمبر صـ ۵۱۹)

(۲) حضرت نانوتویؒ نے اپنے پیر و مرشد حضرت حاجی امداد اللہ صاحبؒ کی زیر قیادت ۱۸۵۷ء میں انگریزوں سے جہاد کیا اور شاملی کی مشہور لڑائی میں پیش پیش رہے۔ انگریز حکومت کی طرف سے آپ کی گرفتاری کے وارنٹ جاری ہو چکے تھے اور انعام بھی مقرر کر دیا گیا تھا۔ وارنٹ کی خبر سنکر دوست، احباب متعلقین و متوسلین تلامذہ و اعزہ نے مصلحت کے پیش نظر روپوش ہو جانے پر اصرار کیا۔ مجبور ہو کر آپ ایک مکان میں روپوش ہو گئے۔ تین دن تک آپ اسی مکان میں رہے۔ جب چوتھا دن ہوا تو گوشۂ تنہائی کو خیر باد کہکر باہر تشریف لے آئے مخلصین و متوسلین نے جب آپ کو باہر دیکھا تو حیران ہوئے اور دوبارہ روپوش ہونے پر اصرار کیا۔ آپ نے ان کے جواب میں ارشاد فرمایا کہ۔

جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہجرت کے وقت غار ثور میں تین دن ہی روپوش رہے ہیں تین دن سے زیادہ روپوش ہونا سنت سے ثابت نہیں۔ لہذا روپوشی بھی ختم (نقش حیات جلد ۲ ص۵۸، سوانح قاسمی جلد ۲ ص۱۳۷)

غور کیجئے اس جذبۂ اتباع سنت و محبت پر کہ ظالم و جابر حکمراں جو ان دنوں اہل ہند پر عموماً اور مسلمانوں پر خصوصاً کس قدر سفاکانہ اور قاتلانہ حربے استعمال کر رہا تھا اور مسلمانوں کے خون سے سرزمین ہند کو سیراب کر کے اپنا سکہ بٹھانا چاہتا تھا۔ وہ کونسی دلآزار اور شرمناک حرکت نہ تھی جو ان ظالموں اور بدبختوں نے نہ کی ہو۔ اس نازک موڑ پر حضرت نانوتویؒ کا اپنی حیات سے بے نیاز ہو کر روپوشی ختم کر دینا کیا۔ اس بات کا بین ثبوت نہیں کہ یہ سب کچھ محض رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت کی وجہ سے ہے۔ جو آپکے دل میں رچی بسی تھی اور اتباع سنت کا جذبہ آپکے رگ و ریشے میں سرایت کر چکا تھا۔

(۳) ہندوستان میں بعض حضرات سبز رنگ کا جوتا بڑے شوق سے پہنتے تھے اور اب بھی پہنتے ہیں۔ لیکن حضرت نانوتویؒ نے ایسا جوتا مدت العمر کبھی نہیں پہنا۔ سبز رنگ کا جوتا پہننے سے گریز محض اس لئے کرتے تھے کہ سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کے گنبد خضرا کا رنگ

سبز ہے پھر بھلا ایسے رنگ کے جوتے پاؤں پر کیسے اور کیونکر استعمال کئے جا سکتے ہیں؟
حضرت شیخ الاسلام حسین احمد صاحب مدنی رحمۃ اللہ علیہ تحریر فرماتے ہیں کہ:

حضرت نانوتوی نے تمام عمر کمخت کا جوتا اس وجہ سے کہ قبہ مبارک سبز رنگ کا ہے نہ پہنا۔ (الشہاب الثاقب ص ۵۴)

اندازہ فرمادیں۔ حضرت نانوتوی کے اس عشق و محبت کا کہ گنبد خضرا کے ظاہر رنگ کے ساتھ بھی کس قدر عقیدت اور اس پر فدا اور قربان تھے۔

(۴) ایک مرتبہ حضرت مولانا رشید احمد صاحب گنگوہی نے حاضرین مجلس سے فرمایا کہ مولانا محمد قاسم صاحب نانوتوی کو گلاب سے زیادہ محبت تھی جانتے بھی ہو کیوں تھی؟ ایک صاحب نے عرض کیا کہ حضرت ایک ضعیف حدیث میں آیا ہے کہ گلاب جناب رسول اللہ علیہ وسلم کے عرق مبارک سے بنا ہوا ہے۔ فرمایا کہ ہاں حدیث ضعیف ہے مگر ہے تو حدیث۔

(ارواح ثلٰثہ)

کیا یہ عشق و محبت کی معراج نہیں؟ کہ گلاب کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے ایک تعلق ہے اس لئے مجھے سب سے زیادہ محبوب ہے۔ اس حدیث کی صحت اور ضعف سے اس وقت بحث نہیں بتلانا صرف یہ ہے کہ حضرت نانوتوی کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے کس قدر عقیدت و محبت تھی۔

(محدثین کا قاعدہ ہے کہ ضعیف روایت بالخصوص جب کہ وہ متعدد طرق سے نقل کی جائے فضائل میں معتبر ہوتی ہے۔ فضائل درود شریف از حضرت شیخ الحدیث ص ۱۱۲) مگر عقائد کا معاملہ اس سے مختلف ہے عقائد کے لئے پکی اور صحیح حدیث کا ہونا ضروری ہوگا۔)

(۵) اصح الکتب بعد کتاب اللہ یعنی بخاری شریف جن کے ۲۵ پارے محدث سہارنپوری حضرت مولانا احمد علی صاحب اور آخر کے ۵ پارے حضرت نانوتوی کے قلم سے ہیں۔ یہ حاشیہ بخاری شریف برصغیر پاک و ہند میں مقبول و معروف ترین اور متداول ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم

کی حدیث مبارک کی خدمت سے بڑھکر اور کونسی دولت ہوسکتی ہے۔ اللہ تعالیٰ شانہٗ نے آپ سے یہ خدمت بھی لے لی اور یہ اتنی بڑی خدمت ہے کہ آج تک علماء و محدثین اسی حاشیہ کو اصول کے طور پر سامنے رکھتے ہیں اور جہاں جہاں بخاری شریف طبع ہوئی اسی حاشیہ کے ساتھ طبع ہوئی ہے۔ اسی کے ساتھ ساتھ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کی بحث آئی اور فرق باطلہ نے...... اس میں تاویلات و تحریفات کا دروازہ کھولنے کی کوشش کی تو آپ نے مسئلہ ختم نبوت پر کتاب مستطاب، تحذیر الناس تحریر فرمائی جس میں آپ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر نبوت کو ہر طرح سے ختم فرمانا ثابت فرماکر جہاں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے عشق و عقیدت کا اظہار کیا ہے۔ وہیں فرق باطلہ کے لئے بھی کوئی جگہ نہ چھوڑی۔

(۶) حضرت نانوتویؒ نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی شان اقدس میں نعت شریف کا بھی نذرانہ پیش کیا ہے۔ چند اشعار ملاحظہ کیجئے۔

تو فخر کون و مکاں زبدۂ زمین و زماں	امیر لشکر پیغمبراں، شہ ابرار
تو بوئے گل ہے گر مثل گل ہیں اور نبی	تو نور شمس اگر اور انبیاء ہیں شمس نہار
جہاں کے سارے کمالات ایک تجھ میں ہیں	تیرے کمال کسی میں نہیں مگر دو چار
جو انبیاء ہیں وہ آگے تیری نبوت کے	کریں ہیں امتی ہونے کا یا نبیؐ اقرار
امیدیں لاکھوں ہیں لیکن بڑی امید ہے یہ	کہ ہو سگان مدینہ میں میرا نام شمار
جیوں تو ساتھ سگان حرم کے تیرے پھروں	مروں تو کھائیں مدینے کے مجھ کو مرغ و مار
اڑا کے باد مری مشت خاک کو پس مرگ	کرے حضورؐ کے روضہ کے آس پاس نثار
ولے یہ رتبہ کہاں مشت خاک قاسم کا	کہ جائے کوچۂ اطہر میں تیرے بن کے غبار

مندرجہ بالا اشعار بلا رعایت ترتیب پیش کئے ہیں۔ آپ کا یہ قصیدہ تقریباً ۱۵۱ اشعار پر مشتمل ہے۔ یہ تمام اشعار عشق و محبت، عقیدت و الفت، عزت و عظمت میں ڈوبے ہوئے ہیں ہر ہر شعر سے عشق رسول صلعم ٹپکتا نظر آتا ہے۔ اور ہر ہر شعر سے پتہ چلتا ہے کہ آپ کے قلب میں حضورؐ کی عظمت اور محبت کوٹ کوٹ کر بھری ہوئی ہے —————— (باقی آئندہ)

تحقیق حدیث دجال پر ایک نظر

مولانا محمد عبد الدیان اعظمی

حامداً و مصلیاً و مسلماً۔ رسائل و مسائل حصہ اول میں مولانا سید ابوالاعلی مودودی صاحب کی ایک تحقیق ہے "تحقیق حدیث دجال" اس میں مولانا موصوف نے دجال کے زمانہ خروج و مقام خروج وغیرہ کے متعلق حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادات کو قیاس کی طرف منسوب کیا ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو اپنے قیاس سے فرمایا تھا اور قیاس کی طرف منسوب کرنے کا مقصد لوگوں کو یہ تأثر دینا ہے کہ ان ارشادات میں دی گئی خبروں کے صحیح ہونے کی کوئی گارنٹی نہیں۔ غلط بھی نکل سکتی ہیں اور نکلیں بھی۔ چنانچہ بعد کے واقعات اور ساڑھے تیرہ سو برس کی تاریخ نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ان فرمودات کی تردید کردی اور ثابت کر دیا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا اندیشہ صحیح نہیں تھا۔ بس حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ان ارشادات کے صحیح ہونے کا اعتقاد رکھنا اور ان کی نقل و روایت کرنا اسلام کی صحیح نمائندگی نہیں۔

مجھ کو مولانا کی اس تحقیق سے اتفاق نہیں بلکہ علمی حیثیت سے شدید اختلاف ہے اور قبل اس کے کہ میں اس پر کچھ عرض کروں مولانا موصوف کی یہ تحقیق ناظرین کے سامنے من وعن پیش کر دینا ضروری سمجھتا ہوں تاکہ کسی صاحب کو قطع و برید یا حذف و اضافہ

یا من مانا مطلب نکالنے کے الزام لگانے کا موقع ہی نہ ملے۔ نیز ناظرین کے سامنے مسئلہ کا دونوں رُخ موجود رہے تاکہ وہ دونوں رُخ دیکھکر اپنی صحیح رائے قائم کرسکیں۔ کیونکہ مولانا مودودی صاحب کی خود ہدایت ہے کہ :-

"کسی پڑھے لکھے آدمی کیلئے یہ بات مناسب نہیں ہے کہ محض یک رُخ مطالعہ پر اپنا ایک ذہن بنانے اور دوسرا رُخ دیکھنے سے انکار کرے۔"

(ترجمان القرآن لاہور ۳۰ جولائی سنہ ۱۹۶۱ء جلد نمبر ۵۶ عدد ۴ منصب رسالت نمبر کا دیباچہ ص ۱۸)

مولانا کی تحقیق سوال وجواب پر مشتمل ہے یعنی کسی صاحب نے مولانا سے سوال کیا تھا اس کا مولانا نے جواب دیا ہے۔ وہ سوال وجواب درج ذیل ہے[۱]۔

تحقیق حدیث دجال

سوال :-

ترجمان القرآن میں کسی صاحب نے سوال کیا تھا کہ "کانے دجال کے متعلق مشہور ہے کہ وہ کہیں مقید ہے تو آخر وہ کون سی جگہ ہے؟ آج دنیا کا کونہ کونہ انسان نے چھان مارا ہے پھر کیوں کانے دجال کا پتہ نہیں چلتا" اس کا جواب آپ کی طرف سے یہ دیا گیا کہ "کانا دجال وغیرہ تو افسانے ہیں جن کی کوئی شرعی حیثیت نہیں"۔ لیکن جہاں تک مجھے معلوم ہے کم از کم تیس روایات میں دجال کا تذکرہ موجود ہے جس کی تصدیق بخاری ومسلم

---

[۱] یہاں ہم رسائل ومسائل کے ابتدائی ایڈیشن سے مولانا کی تحقیق نقل کررہے ہیں بعد کے ایڈیشنوں میں سنتے ہیں مولانا نے عبارت بدل دی ہے مگر پھر بھی نظریہ وہی ہے جو پہلے ایڈیشن کا ہے۔ بلکہ بعد کی عبارت اس پہلی عبارت کی مزید تائید کرتی ہے۔ عبارت بدلنے کے بعد بھی جب مولانا کا نظریہ اپنی جگہ برقرار ہے تو اختلاف بھی برقرار ہے۔ ۱۲

ابوداؤد، ترمذی شرح السنۃ بیہقی کے ملاحظہ سے کی جاسکتی ہے۔ پھر آپ کا جواب کس سند پر مبنی ہے۔

جواب:۔

میں نے جس چیز کو افسانہ قرار دیا ہے وہ یہ خیال ہے کہ دجال کہیں مقید ہے۔ باقی رہا یہ امر کی ایک بڑا فتنہ پرداز (الدجال) ظاہر ہونے والا ہے تو اس کے متعلق جو احادیث میں خبر دی گئی ہے۔ میں اس کا قائل ہوں۔ اور ہمیشہ اپنی نماز میں وہ دعا ماثورہ پڑھا کرتا ہوں جس میں منجملہ دوسرے تعوذات کے ایک یہ بھی ہے کہ "اَعُوْذُبِكَ مِنْ فِتْنَةِ الْمَسِيْحِ الدَّجَّالِ"

دجال کے متعلق جتنی احادیث نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے مروی ہیں۔ اُن کے مضمون پر مجموعی نظر ڈالنے سے یہ بات واضح ہوجاتی ہے کہ حضورؐ کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس معاملہ میں جو علم ملا تھا وہ صرف اسی حد تک تھا کہ ایک بڑا دجال ظاہر ہونے والا ہے۔ اور اس کی یہ اور یہ صفات ہوں گی اور وہ ان خصوصیات کا حامل ہوگا۔ لیکن آپ کو یہ نہیں بتایا گیا کہ وہ کب ظاہر ہوگا اور کہاں ظاہر ہوگا۔ اور یہ کہ آیا وہ آپ کے عہد میں پیدا ہو چکا ہے۔ یا آپ کے بعد کسی زمانہ میں پیدا ہونے والا ہے۔ ان امور کے متعلق جو مختلف باتیں حضورؐ سے احادیث میں منقول ہیں وہ دراصل آپؐ کے قیاسات ہیں جن کے بارے میں آپ خود شک میں تھے [1]

---

[1] بعد کے اڈیشنوں میں یہ خط کشیدہ عبارت نکال دی گئی ہے اور اس کی جگہ مندرجہ ذیل عبارت لکھی گئی ہے۔

"ان امور کے متعلق جو مختلف باتیں حضور سے احادیث میں منقول ہیں ان کا اختلاف مضمون یہ ظاہر کرتا ہے اور حضورؐ کے طرز کلام سے بھی یہی مترشح ہوتا ہے کہ وہ آپ نے بربنائے وحی نہیں بلکہ بربنائے ظن و قیاس ارشاد فرمائیں۔ کبھی آپ نے یہ خیال کیا۔۔۔۔۔ (بقیہ حاشیہ ص۳۵ پر)

کبھی آپ نے یہ خیال ظاہر[1] فرمایا کہ دجّال خراسان سے اٹھے گا کبھی یہ کہ اصفہان سے اور کبھی یہ کہ شام وعراق کے درمیان علاقے سے پھر کبھی آپ نے ابن صیاد نامی اس یہودی بچے پر جو مدینہ میں غالباً ۲ھ یا ۳ھ میں پیدا ہوا تھا یہ شبہ کیا کہ شاید یہی دجّال[2] ہو۔ اور آخری روایت یہ ہے کہ ۹ھ میں جب فلسطین کے ایک عیسائی راہب تمیم داریؓ نے آکر اسلام قبول کیا اور آپ کو یہ قصہ سنایا کہ ایک مرتبہ وہ سمندر میں (غالباً بحر روم یا بحر عرب) سفر کرتے ہوئے ایک غیر آباد جزیرے میں پہنچے اور وہاں ان کی ملاقات ایک عجیب شخص سے ہوئی اور اس نے انھیں بتایا کہ وہ خود ہی دجّال ہے تو آپؐ نے ان کے بیان کو بھی غلط باور کرنے کی کوئی وجہ نہ سمجھی۔ البتہ اس پر اپنے شک کا اظہار فرمایا کہ اس بیان کی رو سے (دجّال) بحر روم، یا بحر عرب میں ہے مگر میں خیال کرتا ہوں[3] کہ مشرق سے ظاہر ہوگا۔ یہ تردد اول تو خود ظاہر کرتا ہے کہ یہ باتیں آپؐ نے علم وحی کی بنا پر نہیں فرمائی تھیں اور آپؐ کا گمان وہ چیز نہیں ہے جن کے صحیح نہ ثابت ہونے[4] سے آپؐ کی نبوت پر کوئی حرف آتا ہو[5]۔ یا

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۳۴) دونوں عبارتوں میں حضورؐ کے ارشادات کو ظن وقیاس کہا گیا ہے جب کہ وہ ارشادات اخبار غیب وامور دین سے متعلق ہیں۔ سوال ہے کہ کیا انبیاء علیہم السلام غیب کی خبریں اپنے قیاس سے دیتے رہے ہیں۔ اس کے لئے دیکھا جائے۔ نبوت اور کہانت کا فرق۔

[1] یہاں کہا جارہا ہے کہ آپؐ نے کبھی یہ خیال ظاہر فرمایا کبھی یہ اور کبھی یہ۔۔۔۔ سوال ہے کہ کیا حضورؐ اپنے خیالات کی پیروی کے لئے آزاد تھے؟ دیکھئے خود مولانا ہی کی کتاب منصب رسالت ص۳۱۔ یا کتاب ہذا ص۳۱

[2] کیا شبہ کرنے کا کوئی قطعی ثبوت بھی ہے؟ دیکھئے کتاب ہذا ص

[3] سوال ہے کہ "میں خیال کرتا ہوں" کا ترجمہ کہاں سے کیا گیا جب کہ حدیث کے الفاظ یہ ہیں"۔۔۔۔ لابل من قبل المشرق ماھو، لابل من قبل المشرق ماھو، لابل من قبل المشرق ماھو واومیٰ بیدہٖ الی المشرق" (مسلم)، (دیکھئے کتاب ہذا ص تحریف معنوی)

[4] صحیح نہ ثابت ہونے سے" یہ جملہ غمازی کر رہا ہے کہ مولانا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی دی ہوئی خبروں کے غلط ہونے کے قائل ہیں۔

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۳۶ پر)

جس پر ایمان لانے کے لئے ہم مکلف کئے گئے ہوں پھر جب کہ بعد کے واقعات سے ان باتوں کی تردید بھی ہو چکی ہے[۱]۔ جو اس سلسلے میں آپؐ نے گمان کی بنا پر فرمائی تھیں تو کوئی وجہ نہیں ہے کہ خواہ مخواہ ان کو عقائد میں داخل رکھنے پر اصرار کیا جائے[۲]۔ ابن صیاد پر آپؐ کو شبہ ہوا تھا شاید وہی دجال ہو اور حضرت عمرؓ نے تو قسم بھی کھائی تھی کہ یہی دجال ہے مگر بعد میں وہ مسلمان ہوا[۳]، حرمین میں رہا حالت اسلام میں مرا اور اس کی نماز جنازہ مسلمانوں نے پڑھی۔ اب اسکی کیا گنجائش باقی رہ گئی کہ آج تک ابن صیاد پر دجال ہونے کا شبہ کیا جاتا رہے۔ تمیم داری کے بیان کو حضورؐ نے اس وقت تقریباً صحیح سمجھا تھا مگر کیا ساڑھے تیرہ سو برس تک بھی اس شخص کا ظاہر نہ ہونا جیسے حضرت تمیم نے جزیرے میں محبوس دیکھا تھا یہ ثابت کرنے کیلئے کافی نہیں ہے کہ اس نے اپنے دجال ہونے کی جو خبر حضرت تمیم کو دی تھی وہ صحیح نہ تھی حضورؐ کو اپنے زمانہ میں یہ اندیشہ تھا کہ شاید دجال آپؐ کے عہد ہی میں ظاہر ہو جائے یا آپؐ کے بعد کسی قریبی زمانہ میں ظاہر ہو۔ لیکن کیا ساڑھے تیرہ سو برس کی تاریخ نے یہ ثابت نہیں کر دیا کہ حضورؐ کا اندیشہ صحیح نہیں تھا[۴]۔ اب ان چیزوں کو اس طرح نقل و روایت کئے جانا گویا یہ بھی اسلامی عقائد ہیں نہ تو اسلام کی صحیح نمایندگی ہے[۵]

(بقیہ حاشیہ ص۳۵ کا) [۱] معلوم نہیں کس بنیاد پر مولانا کہہ رہے ہیں کہ حرف نہیں آتا جب کہ یہاں یہ عالم تھا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خموشی بھی سند و حجت قرار دی جاتی تھی۔ اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک ایک حرکت اور سکون سے قانون بن رہا تھا۔ (منصب رسالت نمبر ص۳۰)

[۲] بعد کے واقعات تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اشاروں پر ڈھلتے اور آپ کی باتوں کی تائید و تصدیق کرتے ہیں نہ کہ تردید۔ جیسا کہ آئندہ معلوم ہوگا۔ [۵] بعد کے ایڈیشن میں یہ خط کشیدہ عبارت اس طرح بدل دی گئی ہے:۔

"ان مختلف روایات پر جو شخص بھی مجموعی نظر ڈالے گا وہ اگر علم حدیث اور اصول دین سے کچھ بھی واقف ہو تو اسے یہ سمجھنے میں کوئی زحمت پیش نہ آئے گی کہ اس معاملہ میں حضورؐ کے ارشادات دو اجزاء پر مشتمل ہیں۔ (بقیہ ص۳۷ پر)

(بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ) **جزو اوّل** یہ کہ دجال آئے گا اور ان صفات کا حامل ہوگا اور یہ اور یہ فتنے برپا کرے گا۔ یہ بالکل یقینی خبریں ہیں۔ جو آپؐ نے اللہ تعالیٰ کی طرف سے دی ہیں۔ ان میں کوئی روایت دوسری روایت سے مختلف نہیں ہے۔ **جزو دوم** یہ کہ دجال کب اور کہاں ظاہر ہوگا اور وہ کون شخص ہے اس میں نہ صرف یہ کہ دجال کب اور کہاں ظاہر ہوگا اور وہ کون شخص ہے اس میں نہ صرف یہ کہ روایات مختلف ہیں بلکہ اکثر روایات میں شک وشبہ اور گمان پر دلالت کرنے والے الفاظ بھی مروی ہیں۔ مثلاً ابن صیاد کے متعلق آپ کا حضرت عمرؓ سے فرمانا کہ اگر دجال یہی ہے تو اس کے قتل کرنے کا کوئی حق نہیں ہے یا مثلاً ایک حدیث میں آپؐ کا یہ ارشاد کہ اگر وہ میری زندگی میں آگیا تو میں حجت سے اس کا مقابلہ کروں گا۔ ورنہ میرے بعد میرا رب تو ہر مومن کا حامی وناصر ہے۔ اس دوسرے جزو کی دینی اور اصولی حیثیت ظاہر ہے کہ وہ نہیں ہو سکتی جو پہلے جزو کی ہے۔ جو شخص اس کی بھی تمام تفصیلات کو اسلامی عقائد میں شمار کرتا ہے وہ غلطی کرتا ہے بلکہ اس کے ہر حصے کی صحت کا دعویٰ کرنا بھی درست نہیں ہے"

اس عبارت میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادات کو دو اجزاء میں تقسیم کرکے حضورؐ کی جُدا جُدا دو حیثیتیں قرار دی گئی ہیں (دیکھئے کتاب ہذا ص حضورؐ کی دو حیثیت قرار دینا)

۳ے ابن صیاد کے مسلمان ہونے کا آپ کے پاس قطعی ثبوت کیا ہے؟ (دیکھئے کتاب ہذا ص ابن صیاد کیا تھا) ۵ے یہاں کی خط کشیدہ عبارت اس طرح بدل گئی ہے۔

"لیکن کیا یہ واقعہ نہیں ہے کہ ساڑھے تیرہ سو برس گذر چکے ہیں اور ابھی تک دجّال نہیں آیا۔

۵ے غور فرمایئے کہ دجال کے زمانہ ومقام وغیرہ سے متعلق حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیثوں کو صحابہ وتابعین ائمہ مجتہدین نے اور فقہاء ومحدثین نے برحق اور اسلام کی صحیح نمائندگی سمجھ کر بلّغوا عنی ولو آیۃ کے تحت ان کی نقل وروایت کیا۔ آج مولانا کے نزدیک ان کی نقل وروایت اسلام کی صحیح نمائندگی نہیں ہے یعنی مولانا کا راستہ سلف صالحین کے راستے سے ہٹا ہوا ہے۔

اور نہ اُسے حدیث ہی کا فہم صحیح کہا جا سکتا ہے۔ جیسا کہ میں عرض کر چکا ہوں۔ اس قسم کے معاملات میں نبی کے قیاس و گمان کا درست نہ نکلنا ہر گز منصب نبوت پر طعن کا موجب نہیں ہے[1] نہ اس سے عصمت انبیاء کے عقیدے پر کوئی حرف آتا ہے۔ اور نہ ایسی چیزوں پر ایمان لانے کیلئے شریعت نے ہم کو مکلف کیا ہے۔ اس اصولی حقیقت کو تابیر نخل والی حدیث[2] میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم خود واضح فرما چکے ہیں"

(ترجمان القرآن فروری ۱۹۴۶ء)

(مولانا کی تحقیق سے مترشح عقیدے)

مولانا کی تحقیق کا بیان آپنے ملاحظہ فرمایا۔ یہ بیان علمی حیثیت سے کہاں تک صحیح ہے اس کو بعد میں دیکھا جائے گا پہلے یہ ملاحظہ فرمائیے کہ تحقیق میں کس نظرے کی تعلیم دی گئی ہے اور ایک خالی الذہن شخص جب تحقیق کو پڑھتا ہے تو پڑھتے ہی اوّل وہلہ میں اس کے دل میں رسول و احادیث رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق کیا کیا عقیدے بنتے ہیں۔

۱۔ جب وہ تحقیق میں یہ دیکھتا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک ہی شخص (دجال) کی صفات وخصوصیات کے بارے میں تو بذریعہ وحی بیان فرمایا۔ اور پھر اسی کے زمان و مکان کے بارے میں اپنے قیاس سے تو یہ دیکھ کر اس کا منکرین حدیث جیسا یہ عقیدہ بننے لگتا ہے کہ محمد رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) انسان ہونے کی حیثیت سے ماسوا اس وحی کے جو ان کے پاس خدا کی طرف سے آتی ہے وہ خود اپنے بھی کچھ خیالات رکھتے تھے۔ اور اپنے ان خیالات کے زیر اثر وہ کام

([1] یہاں کی عبارت یہ بدلی گئی ہے:۔

"اس قسم کے معاملات میں اگر کوئی بات نبی کے قیاس یا گمان یا اندیشے کے مطابق ظاہر نہ ہو تو یہ اس کے منصب نبوت میں ہرگز قادح نہیں ہے"۔

[2] تابیر نخل والی حدیث دنیاوی امور سے متعلق ہے اور دجال کی بابت حدیثیں اخبار غیب اور امور دین سے متعلق، پھر معلوم نہیں مولانا کا دینی اور غیبی امور کو دنیاوی امور پر قیاس کرنا کیونکر صحیح ہے جبکہ خود حدیث تابیر نخل میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم اس کو واضح فرما چکے ہیں۔

کرتے تھے۔ جبھی تو اپنے خیالات کے زیر اثر اس کے زمان و مکان کے بارے میں اِدھر اُدھر کی خبریں دیں کبھی یہ فرمایا کہ وہ خراسان سے اٹھے گا۔ پھر کبھی یہ کہ اصفہان سے اور کبھی یہ کہ شام و عراق کے درمیانی علاقے سے۔۔۔۔ وغیرہ

۲۔ جب وہ تحقیق میں یہ پڑھتا ہے کہ "یہ باتیں آپ نے علم وحی کی بنا پر نہیں فرمائی تھیں (بلکہ قیاس و گمان سے فرمائی تھیں) اور آپؐ کا قیاس و گمان وہ چیز نہیں ہے جس کے صحیح نہ ثابت ہونے سے آپؐ کی نبوت پر حرف آتا ہو ــــ بعد کے واقعات سے ان باتوں کی تردید بھی ہو چکی ہے۔ تو یہ پڑھکر اس کا عقیدہ یہ بنتا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے جو کچھ اپنے قیاس و خیال کے زیر اثر فرمایا ان کے صحیح ہونے کی کوئی گارنٹی نہیں۔ چنانچہ دجّال ہی کے مقام خروج کے بارے میں خراسان، اصفہان اور شام و عراق کا درمیانی علاقہ وغیرہ کئی کئی خبریں دیں جب کہ اس کا خروج ان فرمائے ہوئے مقامات میں سے کسی مقام سے اگر ہو گا بھی تو زیادہ سے زیادہ صرف ایک مقام سے اور باقی مقامات بہر حال غلط اور بغیر گارنٹی کے فرمائے گئے پس آپؐ کے قیاس و خیال سے فرمائی ہوئی باتیں نہ تو ہمارے لئے سند و حجت ہیں اور نہ ہم اس پر ایمان لانے کے لئے مکلف اور نہ ان کے صحیح نہ ہونے سے آپؐ کی نبوت پر کوئی حرف ہی آتا ہے۔ جیسا کہ منکرین حدیث کہتے ہیں کہ "یہ صحیح ہے کہ محمد رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) نے کوئی گناہ نہیں کیا مگر وہ غلطیاں تو کر سکتے تھے اور یہ حقیقت قرآن میں تسلیم کی گئی ہے"۔

۳۔ جب وہ تحقیق میں یہ پڑھتا ہے کہ "حضورؐ کے ارشادات دو اجزاء پر مشتمل ہیں جزو اول یہ کہ۔۔۔۔ جزو دوم یہ کہ۔ اور پھر اس کے بعد یہ لکھا ہوا دیکھتا ہے کہ "اس دوسرے جزو کی دینی اور اصولی حیثیت ظاہر ہے کہ وہ نہیں ہو سکتی جو پہلے جزو کی ہے۔ بلکہ اس کے ہر حصے کی صحت کا دعویٰ کرنا بھی درست نہیں ہے"۔ تو اس سے اس کا عقیدہ یہ بنتا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی (نعوذ باللہ) جدا جدا دو حیثیتیں تھیں ایک رسول ہونے کی حیثیت جس میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم بذریعہ وحی کلام فرماتے تھے جس کو جزو اول قرار دیا گیا ہے۔ اور اسی جزو اول

کی حیثیت سے فرمائی ہوئی باتوں کے ماننے کے ہم مکلف ہیں اور دوسری شخصی اور انسان ہونے کی حیثیت جس کو جزء دوم سے تعبیر کیا گیا ہے۔ اس حیثیت کی باتیں قیاس وخیال کے زیر اثر ہوتی تھیں ان کے ماننے کے ہم مکلف نہیں۔ جو شخص اس کی بھی تمام تفصیلات کو اسلامی عقائد میں شمار کرتا ہے وہ غلطی کرتا ہے۔ بلکہ اس کے ہر حصے کی صحت کا دعویٰ کرنا بھی درست نہیں ہے۔

۴۔ جب وہ تحقیق پڑھ کر یہ محسوس کر لیتا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے تمام ارشادات کے صحیح ہونے کی کوئی گارنٹی نہیں ان میں بھی غلطی کا امکان ہے تو پھر اس کا عقیدہ یہ بنتا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی کوئی بات بلا چون وچرا صحیح تسلیم کرنے کے لائق نہیں ہے۔ دوسرے لفظوں میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ذاتِ گرامی بھی (نعوذ باللہ) معیارِ حق اور تنقید سے بالاتر نہیں ہے۔ ان کے اقوال وافعال کو خوب جانچا اور پرکھا جائے کہ کس حیثیت کے ہیں جزو اول کے قبیل سے ہیں یا جزو دوم کے بحیثیت رسالت ہیں یا بحیثیت شخصی صحیح ہیں یا غلط۔ نقل وروایت کے لائق ہیں یا نہیں بہر حال جس درجے میں پائے جائیں اس درجے میں ان کو رکھا جائے

۵۔ جب وہ تحقیق میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادات کو دو اجزاء پر مشتمل دیکھتا ہے تو اس کا عقیدہ یہ بنتا ہے کہ مسلمانوں کے پاس جو ذخیرۂ احادیث ہے وہ اسی طرح وحی وقیاس اور صحیح وغلط کا ایک مرکب مجموعہ ہے۔ جو قابلِ اعتماد نہیں، معلوم نہیں جس حدیث کو ہم آج صحیح سمجھ رہے ہوں غلط ثابت ہو جائے اور نقل وروایت کے لائق نہ رہے جیسا کہ دجال کی حدیثوں کو سلف صالحین صحیح سمجھ رہے تھے اور نقل وروایت کرتے چلے آرہے تھے مگر ساڑھے تیرہ سو برس بعد آج وہ خود مولانا ہی کی تحقیق سے غلط ثابت ہو گئیں۔

۶۔ اسی کے ساتھ یہ بھی عقیدہ بنتا ہے کہ پوری امت دجال کے معاملہ میں غلطی میں مبتلا تھی کہ اس کے زمانہ ومقام وغیرہ سے متعلق حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی دی ہوئی خبروں کو برحق سمجھ رہی تھی اور "بَلِّغُوا عَنِّي وَلَوْ آيَةً" کے تحت ان کی نقل وروایت کرتی چلی جا رہی تھی مگر

(باقی صفحہ ۴۴ پر)

ڈاکٹر محمد یوسف خاں
شعبۂ عربی مسلم یونیورسٹی علیگڑھ

متنبی
عربی شاعری کا منفرد شاعر

ابوطیب متنبی جدتِ ادا اور امثال و حکم کا امام تھا۔ خصوصاً وہ معرکہائے جنگ کو اس طرح نئے نئے انداز میں پیش کرتا ہے کہ اس کے الفاظ میں بہادر اور نبرد آزما سورموں کی تصویریں آنکھوں کے سامنے پھر جاتی ہیں۔ اس کے اشعار پڑھتے پڑھتے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ معرکۂ کارزار گرم ہے۔ جنگ آزما بہادر برق وش تلواروں اور گندمی نیزوں کے ساتھ شدید ضرب و پیکار میں مصروف ہیں۔ ساتھ میں معلوم ہوتا ہے کہ فصاحت و بلاغت کے جواہر پارے آسمانِ ادب سے بارش کی طرح برس رہے ہیں۔

شریف رضی نے لکھا ہے کہ متنبی سپہ سالار ہے۔ جس کے الفاظ سے لوگوں کی نظروں کے سامنے ایسے شیر دل بہادروں کے خوفناک اور بارعب چہرے آجاتے ہیں۔ جو ہتھیاروں سے مسلح حملہ کی تیاری میں لگے ہوئے ہیں۔

علامہ ثعلبی نے اپنی کتاب یتیمۃ الدھر میں ایک مستقل باب قائم کرکے متنبی کے کلام پر تنقید کی ہے۔ اور لکھا ہے کہ اس شاعر نے سیف الدولہ کو حیات جاوید بخش دی ہے۔ اور اس کے ذکر کو زمین سے آسمان تک پھیلا دیا ہے۔ زمانہ میں جب تک چاند اور سورج طلوع اور غروب ہوتے رہیں گے۔ اس کا کلام یاد رکھا جائے گا۔ اور اس کے اشعار گائے جاتے رہیں گے۔ اس کے ماننے والوں میں کچھ شیعہ ہیں۔ جو

اس کی مدح سرائی میں ضرورت سے زیادہ مبالغہ کرتے ہیں۔ اور بعض خوارج ہیں جو اس کے کلام پر جرح کرنے میں حد سے زیادہ غلو کرتے ہیں۔

متنبی کے اشعار امثال وحکم سے پُر ہیں۔ کوئی خطیب یا انشاء پرداز ایسا نہیں جو اس کے اشعار سے مدد نہ لیتا ہو، عربی زبان اس کے کلام کی وجہ سے بلیغ صنائع اور جدید استعارات وکنایات سے مالامال ہو گئی۔ معنیٰ آفرینی، طرزِ ادا میں جدت، دقیق افکار کو حسنِ ادا کے قالب میں ڈھالنا۔ نئے نئے اسلوب بیان کو استعمال کرنا اس کی شاعری کی خصوصیات میں سے ہیں۔

متنبی دل کی ترجمانی کرتا ہے۔ وہ بے چین دل کی کروٹوں سے خوب واقف تھا، اس لئے اس کے اشعار زبانوں پر ایسے چڑھے رہتے تھے کہ فضا اس سے گونج اٹھتی تھی۔ اس کے کلام میں جادو تھا، اور الفاظ میں شیرینی اس کے نغمات نے کانوں کو ایسا مسحور کر لیا کہ وہ ان میں کھو کر رہ گئے۔ اور اس کے اشعار کے قالب میں ڈھالی ہوئی تصویریں آنکھوں میں کھپ کر رہ گئیں۔

ابن الاثیر نے کتاب الوشی المرقوم میں لکھا ہے کہ جب میں ۵۹۶ھ میں مصر گیا۔ تو میں نے دیکھا کہ لوگ متنبی کے اشعار کے بڑے گرویدہ ہیں۔ میں نے اس کی وجہ معلوم کرنا چاہی تو قاضی عبدالرحیم البیانی جیسے فاضل نے کہا اور سچ کہا۔ "إنّ ابا الطیب ینطق عن خواطر الناس"

اسی طرح ابن رشیق نے کتاب العمدہ میں بڑے بڑے شعراء عرب کا تذکرہ کرتے ہوئے لکھا ہے "ثم جاء المتنبی، فملأ الدنیا"،

متنبی ان طباع شعراء میں سے تھا جو معنیٰ آفرینی اور تخیل کی بلند پروازی کے مقابلہ میں الفاظ کی تحسین اور صنائع لفظی کے اصول و قواعد کی قطعی پرواہ نہیں کرتے۔ بلکہ ان نوابغ میں سے تھا۔ جو فطرت کی طرف سے شعر گوئی میں

ماہرانہ کمال رکھتے تھے۔ ان کے آئینۂ دل میں جو بات بھی منعکس ہوتی ہے وہ بالکل نئے نئے انداز میں اور اچھوتے اسلوب میں جلوہ نما ہوتی ہے۔ ان میں اور دوسرے شعراء میں وہی فرق ہے۔ جو سونے اور پیتل میں ہے۔

قصیدہ گوئی میں متنبی کا امتیاز

عہد بنو امیہ میں اخطل، جریر اور فرزدق پھر دور عباسیہ میں بشار، مروان بن ابی حفصہ، ابو نواس، ابو تمام، بحتری، اور متنبی عربی شاعری کے بڑے نامور شعراء میں سے ہیں۔ اور یہ سب بہت بلند مرتبہ تھے۔ لیکن ان میں متنبی کے علاوہ کسی نے قصیدہ گوئی میں تمام اصناف شاعری کو قربان نہیں کیا۔ یہ صرف متنبی تھا جس نے قصیدہ گوئی کو عروج کمال پر پہونچا دیا۔ اس نے شاعری کو اس حد تک کسب معاش کا ذریعہ بنایا کہ قصیدہ گوئی اور کاسہ لیسی دو مترادف الفاظ بن کر رہ گئے۔

اس میں کوئی شبہ نہیں کہ متنبی سرزمین عرب کا سب سے بڑا قصیدہ گو شاعر تھا۔ اس کی شاعری میں تمام فنی خوبیاں پائی جاتی ہیں۔ الفاظ کی کثرت، تشبیہ کی بلاغت استعارہ و تمثیل کی لطافت، مضمون کی گہرائی، طرز ادا کی دلکشی، جدت طرازی اور مبالغہ آرائی جو قصیدہ کی جان سمجھی جاتی ہیں۔ پھر اس نے قصائد کا اتنا بڑا مجموعہ چھوڑا ہے کہ اگر ان کو اس کے صحیح دیوان سے الگ کر لیا جائے تو باقی اشعار اس کے کلام کا آٹھواں حصہ بھی نہیں رہ جاتے۔ یہ ایک ایسا امتیاز ہے جس میں وہ یقیناً منفرد ہے۔

دوسری خصوصیت جس کی وجہ سے اس کے قصائد ایک ممتاز مرتبہ پر فائز ہیں یہ ہے کہ اس نے اپنی شاعری سیف الدولہ کے سنہرے دور میں اس کے ساتھ شریک جہاد ہو کر پروان چڑھائی ہے۔ اس موقع پر اس نے جو اشعار کہے ہیں وہ اس

قدر پُرجوش اور ولولہ انگیز ہیں کہ بجائے خود اس کی شاعری کا ایک باب بن گئے ہیں یہ ایسا امتیاز ہے جو شعرائے عرب میں کسی کو حاصل نہیں۔

تیسری خصوصیت اور سب سے بڑا امتیاز جس پر متنبی کے قصر شاعری کی بنیاد ہے جدت طرازی ہے۔ شاعری اس کے نزدیک معنیٰ آفرینی کا نام ہے۔ نہ کہ قافیہ پیمائی کا۔ شاعری میں سارا کھیل کہنے کے انداز کا ہے متنبی نے جو کچھ کہا ہے وہ صنائع و بدائع کی خاطر نہیں کہا ہے۔ بلکہ اختراعِ معانی کی صناعی سے ایک نیا پیکر خیال پیش کیا ہے۔ یا پھر کسی پامال خیال کو اپنی جگہ رکھکر طرزِ ادا کی جدت سے اس میں ایک نئی روح پھونک دی ہے۔ یا پھر نئی تشبیہات و استعارات سے صہبائے کہن کو نئے شیشوں میں پیش کیا ہے۔ یہ ایک ایسا بڑا امتیاز ہے جس میں کوئی اس کا شریک نہیں ہے۔

(بقیہ صفحہ کا) آج ساڑھے تیرہ سو برس بعد یہ غلطی ظاہر ہوئی۔ اور مولانا کی بدولت معلوم ہوا کہ اب اُن چیزوں کی اس طرح نقل و روایت کرنا نہ اسلام کی صحیح نمائندگی ہے اور نہ حدیث کا صحیح فہم ہی ہے۔

۷۔ جب وہ تحقیق میں دجّال کی حدیثوں کی نسبت جو علوم غیب اور امور دین سے متعلق ہیں قیاسی اور ناقابلِ حجّت ٹھہرانے کیلئے حدیث تابیر نخل سے مولانا کا استدلال دیکھتا ہے تو وہ سمجھتا ہے کہ حدیث تابیر نخل انکار حدیث کیلئے ایک ایسا حربہ ہے۔ جس کی مثال دیکر جس حدیث کو چاہو، مجروح کردو۔ مضائقہ نہیں۔

یہ مذکورہ بالا عقائد جو ایک خالی الذہن اور سادہ مزاج شخص کے دل میں تحقیق کے پڑھنے سے پیدا ہورہے ہیں۔ کس قدر غلط اور خلافِ دینِ اسلام ہیں۔ اس کو اب آئندہ سطور میں ملاحظہ فرمائیے۔ وَمَا تَوفیقی اِلّا باللّٰہ،

جدید کتابیں

تبصرہ کیلئے کتاب کے دو نسخے ضروری ہیں

شہید کربلا تاریخ و مذہب کی روشنی میں، مؤلفہ، مولانا قاضی زین العابدین سجاد میرٹھی صاحب

تقطیع خرد، کاغذ، کتابت، طباعت بہتر، صفحات ۱۷۸، مجلد مع کور، قیمت درج نہیں، ناشر مکتبہ علمیہ قاضی منزل، قاضی اسٹریٹ میرٹھ، یو، پی، موضوع کتاب کے نام سے ظاہر ہے۔ اسلامی تاریخ کا یہ ایک نازک ترین موضوع ہے۔ جس پر ہر دور کے اصحاب قلم اپنے اپنے انداز تحقیق سے لکھتے آتے ہیں۔ لیکن ان میں گنتی کے چند ہی مصنف ایسے ہیں جو افراط و تفریط کی آلودگی سے اپنے قلم کو محفوظ رکھ پائے ہیں۔ زیر نظر کتاب کا مطالعہ بتا رہا ہے کہ حضرت قاضی صاحب بھی انھیں خوش بخت مصنفین کی فہرست میں شامل ہیں۔ کتاب شہید کربلا اگرچہ اوراق کی ضخامت کے اعتبار سے مختصر ہے لیکن موضوع سے متعلق مستند، مفید اور مناسب مندرجات اور نقول کے لحاظ سے اس قابل ہے کہ اس موضوع لکھی گئی ضخیم کتابوں کے مقابلہ میں پیش کی جاسکتی ہے شروع میں پس منظر کے طور پر خلافت راشدہ اور حضرت حسن و حضرت معاویہ رضی اللہ عنہما کے عہد کے ساتھ یزید کے دور حکومت پر بھی اجمالی نظر ڈالی گئی ہے۔ آخر میں "صحابہ کرام کے اختلافات کی نوعیت" کے عنوان سے مشاجرات صحابہ کے سلسلے میں بڑی معتدل بحث کی گئی ہے جو خاصے کی چیز ہے۔ امید کہ علمی حلقوں میں کتاب پسندیدگی اور رقعت کی نگاہ سے دیکھی جائیگی

بابری مسجد تاریخی پس منظر اور پیش منظر کی روشنی میں، مرتبہ جناب سید صباح الدین عبدالرحمٰن صاحب۔ تقطیع کلاں، کاغذ، کتابت و طباعت عمدہ، صفحات ۱۵۶ قیمت/۲۱ Rs

شائع کردہ دارالمصنفین شبلی اکیڈمی اعظم گڈھ ۔ بابری مسجد اجودھیا ہندوستان کی وہ بدقسمت مسجد ہے۔ جس پر انتظامیہ اور عدلیہ کی سازش سے ناجائز قبضہ کرکے مندر میں تبدیل کردیا گیا ہے اور آج اس میں اللہ اکبر کی صدائیں بلند ہونے کے بجائے سنکھ اور گھنٹہ کی آوازیں گونج رہی ہیں۔ زیر نظر کتاب میں اسی مسجد کی مسجدیت کو مستند تاریخی حوالوں اور ناقابل تردید نقول سے ثابت کیا گیا ہے اور نواب واجد علی شاہ والی اودھ کے دور سے لیکر آج تک اس مسجد کے خلاف جو کوششیں ہوتی رہی ہیں ان کی تفصیلات بیان کی گئی ہیں۔ زبان و بیان کی خوبی و متانت اور تحقیق و تدقیق کی اہمیت کیلئے مرتب کا نام ضمانت کے لئے کافی ہے۔ البتہ کہیں کہیں کتابت کی غلطیاں ہیں۔ امید ہے کہ اگلے ایڈیشن میں انھیں ٹھیک کردیا جائے گا۔ بڑے کتبے کی آخری دوسطروں کی عبارت یہ ہے۔ "تمت ہٰذا التوحید ونعت ومدح و صفت نوراللہ برھانہ۔ خط عبدالضعیف نحیف فتح اللہ محمد غوری، اس عبارت کے انکشاف سے یہ بات مزید معلوم ہوگئی کہ اس کتبہ کے کاتب کوئی فتح اللہ غوری ہیں۔ اگلے ایڈیشن میں اس کا اضافہ مناسب ہوگا۔

تاریخ قضاۃ و مفتیان بھوپال :۔ تالیف مولانا قاضی سید عابد علی وجدی الحسینی صاحب تقطیع خورد، کاغذ بہتر، کتابت و طباعت معمولی، مجلد صفحات ۲۷۵ ،قیمت ۲۵/ روپے۔ ملنے کا پتہ۔ بھوپال بک ہاؤس، بدھوارہ، بھوپال،

قاضی صاحب کی بھوپال سے متعلق یہ چوتھی تصنیف ہے۔ اس سے پہلے تاریخ ریاست بھوپال، تحریک آزادیٔ ہند میں بھوپال کا حصہ، انقلابی سوانح مولانا برکت اللہ بھوپالی موصوف کے قلم سے نکل کر شائع ہوچکی ہیں۔ زیر تبصرہ کتاب جیسا کہ اس کے نام سے ظاہر ہے، بھوپال کے قاضیوں اور مفتیوں کے تراجم پر مشتمل ہے۔ ابتداء میں مؤلف ہی قلم سے مبسوط مقدمہ ہے، جس میں دارالقضاء کی تاریخ، اہمیت اور ضرورت پر روشنی ڈالی گئی ہے۔ صفحہ ۹۷ سے قضاۃ اور مفتیان کا تذکرہ شروع ہوا ہے۔ پوری کتاب میں ۲۱ قاضی اور ۲۰ مفتی کے حالات درج

کیئے گئے ہیں - کتاب جانفشانی اور تحقیق سے لکھی گئی ہے - لیکن کتابت، تصحیح اور طباعت کے سلسلہ میں سہل انگاری سے کام لیا گیا ہے - جس کی بنا پر کتابت کی غلطیاں جا بجا نظر آتی ہیں - مثلاً ص ۲۹ سطر ۵ میں خدا کے رسول کی جگہ خدا رسول ہے - ص ۵۰ سطر ۳ میں احکام نے استنباط کا سہرا چھپا ہے، جبکہ "احکام کے" ہونا چاہیئے - اسی طرح ص ۵۹ سطر تین پر ان کی دو بیٹیاں تھیں لکھا گیا ہے جبکہ "دو بیویاں تھیں" ہونا چاہیئے امید ہے کہ اگلے ایڈیشن میں ان غلطیوں کو درست کر دیا جائے گا - ان کتابتی اور طباعتی کوتاہیوں کے باوجود کتاب لائق مطالعہ ہے - اور ہندوستان کی علمی تاریخ سے دلچسپی رکھنے والوں کیلئے اچھا مواد فراہم کرتی ہے -

ماہنامہ الفاروق کراچی ، افغان جہاد نمبر ، مرتبہ مولانا عبیداللہ خالد

کاغذ گلیز، کتابت عمدہ، طباعت آفسیٹ، خوشنما سرورق، صفحات ۱۰۴، قیمت ۱۰/- روپے

پتہ :- دفتر الفاروق جامعہ فاروقیہ کراچی -

ماہنامہ الفاروق کراچی اپنے مضامین کے تنوع اور حسن ترتیب کے اعتبار سے پاکستان کے دینی جرائد میں اپنا خاص مقام رکھتا ہے - زیر نظر شمارہ مجاہدین افغانستان کی داستان عزیمت کے لئے مخصوص ہے جس میں تقریباً ۲۰ عنوانات کے تحت اصحاب قلم کے مقالات درج .... ہیں - اکثر مضامین جہاد اور مجاہدین افغانستان ہی سے متعلق ہیں - میدان جنگ کے جا بجا فوٹو بھی دیئے گئے ہیں - جس سے نمبر کی افادیت دوبالا ہو گئی ہے مولانا نصیر احمد خالد کمانڈر حرکۃ الجہاد الاسلامی کا ولولہ انگیز پیغام اور ڈاکٹر عبداللہ عزام کا مقالہ " ہم جہاد کیوں کرتے ہیں " خاصے کی چیزیں ہیں - الحاصل نمبر ظاہری اور معنوی خوبیوں سے مزین ہے - امید ہے کہ علمی حلقوں میں پسندیدگی کی نگاہ سے دیکھا جائے گا - البتہ " ایک دفعہ کا ذکر ہے " کے عنوان سے جو مقالہ ص ۱۲ سے شروع ہوا ہے - اس کے خط کی باریکی مطالعہ کرنے والوں کے لئے بار خاطر ضرور ہوگی -

ادبیات

غزل

سید محمود رمزؔ الہ آبادی

مجھے زندگی کی خبر ملے مجھے آگہی کی نظر ملے
مجھے رہگذارِ خیال میں کہیں وہ جو بارِ دگر ملے

کبھی سوئے راہِ حرم چلے کبھی بتکدے میں ٹھہر گئے
تری جستجو کے دیار میں کئی رہبرانِ سفر ملے

یہ حصارِ غم، یہ ردائے شب، تری یاد کے ہیں اسیر سب
مرے غمکدہ میں تو آ بھی جا مجھے سے تو مفر ملے

جو خودی پہ تیرا یقین ہو تو کٹیں سلاسلِ بندگی !!
اسی کارزارِ حیات میں تجھے ہر قدم پہ ظفر ملے

اُسی سمت ہی میں بناؤں گا نیا ایک کعبۂ کافراں
کہیں شاہراہِ حیات میں ترا نقشِ پا جو اگر ملے

ہے فصیلِ شب میں گھرا ہوا ہی صندلیں سا رُخِ حسیں
وہ ہٹائے زلف اگر کہیں تمہیں کاروانِ سحر ملے

بڑی ہونگی مجھ پہ عنایتیں بنے غمکدہ بھی قسم بکف،
کبھی بھولے سے چلے آئیے سرِ راہ مرا جو گھر ملے

میں تھا رمزؔ جس کے شعور کا میرے ساتھ وہ بھی نہ چل سکا
مجھے رہ نوردی سے کام ہے مجھے کیوں رفیقِ سفر ملے،

سرپرست

حضرت مولانا مرغوب الرحمن صاحب مہتمم دارالعلوم دیوبند

مدیر

حبیب الرحمن قاسمی

دارالعلوم دیوبند کا ترجمان
دارالعلوم
شمارہ نمبر [illegible]
بابتہ ماہ جنوری ۱۹۸[illegible] مطابق جمادی الاولیٰ [illegible]
جلد نمبر [illegible]
نگراں
حضرت مولانا مرغوب الرحمن صاحب مہتمم دارالعلوم دیوبند
مدیر
مولانا حبیب الرحمن قاسمی
فی پرچہ
3/-
سالانہ
30/-
سالانہ بدل اشتراک بیرون ممالک سے
سعودی عرب، کویت، ابوظبی جنوبی و مشرقی افریقہ، برطانیہ 160/-
امریکہ، کناڈا وغیرہ بذریعہ ایرمیل —— 160/-
پاکستان -/60 ہندوستانی، بنگلہ دیش -/40 ہندوستانی
سرخ نشان اس بات کی علامت ہے کہ آپ کا زرتعاون ختم ہوگیا۔

فہرست مضامین

ہندوستانی و پاکستانی خریداروں سے ضروری گذارش

۱- ہندوستانی خریداروں سے ضروری گذارش یہ ہے کہ ختم خریداری کی اطلاع پاکر اول فرصت میں اپنا چندہ نمبر خریداری کے حوالہ کے ساتھ منی آرڈر سے روانہ کریں۔

(۲) پاکستانی خریدار اپنا چندہ مبلغ ۶۰/ روپئے ہندوستانی مولانا عبدالستار صاحب مقام کرم علی والہ تحصیل شجاع آباد ملتان پاکستان کو بھیجدیں اور انھیں لکھیں کہ وہ اس چندہ کو رسالہ دارالعلوم کے حساب میں جمع کرلیں۔

(۳) خریدار حضرات پتہ پر درج شدہ نمبر محفوظ فرمالیں خط و کتابت کے وقت خریداری نمبر ضرور لکھیں۔

والسلام منیجر رسالہ

حرف آغاز

حبیب الرحمٰن القاسمی

فرقہ شیعہ اپنے ابتدائے وجود سے آج تک مسلسل مسلمانوں کی بیخ کنی میں کوشاں ہے اور اسلام دشمن طاقتوں کے ساتھ ملکر اسلام اور مسلمانوں کو صفحۂ ہستی سے مٹا دینے کیلئے سرگرم عمل ہے۔ حضرت عثمان غنی داماد رسول و خلیفۂ راشد کے خلاف بغاوت اور ان کی شہادت سنہ ۳۵ھ / ۶۵۵ء بسازش عبداللہ ابن سبا موجد شیعیت جنگ جمل سنہ ۳۶ھ / ۶۵۶ء، جنگ صفین سنہ ۳۷ھ / ۶۵۷ء بہ سازش پیروان ابن سبا سقوط خلافتِ عباسیہ اور مسلمانوں کا قتل عام سنہ ۶۵۶ھ / ۱۲۵۸ء بہ سازشِ شیخ الشیعہ نصیر طوسی اور وزیر علقمی شیعی، نادر شاہ کے ہاتھوں دلی کی تباہی اور علمائے اسلام کی تذلیل و اہانت سنہ ۳۵ھ / ۱۳۴۴ء سلطان ٹیپو کی شہادت اور ریاستِ میسور پر انگریزوں کا قبضہ سنہ ۱۱۶۰ھ / ۱۷۴۷ء بہ سازش میر صادق شیعی، ریاستِ چوبیس پرگنہ بنگال کا سقوط اور انگریزوں کا تسلط سنہ ۱۱۷۱ھ / ۱۷۵۷ء بسازشِ میر جعفر شیعی، حکومتِ روہیلہ کا خاتمہ سنہ ۱۱۸۸ھ / ۱۷۷۴ء بذریعہ شجاع الدولہ وغیرہ سیکڑوں قیامت نما حادثات ہیں جن سے اسلام اور مسلمانوں کو محض شیعوں کی فتنہ پردازیوں کی بنا پر دوچار ہونا پڑا ہے۔

اسلام اور مسلمانوں کے ساتھ ان پیہم غداریوں کے باوجود عام طور پر علماء دین انکی تکفیر کے سلسلے میں خاموش رہے۔ کیونکہ تقیہ اور کتمان مذہب کی وجہ سے ان کے عقائد و نظریات کی صحیح حقیقت واضح ہو کر سامنے نہیں آئی تھی۔ لیکن پریس کے ایجاد نے جب علمی کتابوں کی

اشاعت عام کردی تو ان کی کتابیں بھی علمائے اسلام کے ہاتھوں میں پہنچیں جن کے مطالعہ سے تقیہ وکتمان کا غبار ان کے عقائد سے صاف ہوگیا۔ اور علماء اسلام اس نتیجہ پر پہنچے کہ فرقہ اثنا عشری اپنے کفریہ عقائد کی بناء پر خارج از اسلام ہے۔ کیونکہ ان کا عقیدہ ہے کہ ان کے ائمہ پر فرشتے وحی لیکر نازل ہوتے ہیں۔ (الجامع الکافی ص۸۲) ائمہ کا مرتبہ انبیاء ورسل سے بھی بلند تر ہے۔ (الحکومۃ الاسلامیہ خمینی ص۵۲۔ ائمہ کی تعلیمات احکام قرآنی کی طرح واجب الاتباع ہیں (الحکومۃ الاسلامیہ خمینی ص ۱۱۳) رسول کی اطاعت کی طرح ائمہ کی اطاعت بھی فرض ہے۔ (الکافی ۱۰۹) ائمہ گناہوں سے پاک اور معصوم ہیں (الکافی ص۹۶) شیعوں کے ان عقائد سے ختم نبوت کا اجماعی وقطعی عقیدہ باقی نہیں رہتا جب کہ علمائے امت کا متفقہ فیصلہ ہے کہ اس عقیدہ کے انکار سے آدمی کافر ہوجاتا ہے۔ مسند ھند حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی کافر، منافق، اور زندیق میں فرق بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔ او قال ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم خاتم النبوۃ ولکن معنیٰ ھذا الکلام انہ لا یجوز ان یسمّٰی بعدہٗ احد نبیًا واما معنی النبوۃ وھو کون الانسان مبعوثاً من اللہ تعالیٰ الی الخلق مفترض الطاعۃ معصوماً من الذنوب فھو موجود فی الائمۃ بعدہ فذالک ھو الزندیق وقد اتفق جماھیر المتاخرین من الحنفیۃ والشافعیۃ علیٰ قتل من جری ھذہ المجری (المسویٰ شرح مؤطا ج ۲ ص ۱۳۰ کتبخانہ رحیمیہ سنہری مسجد دھلی)

یا اقرار کرے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم خاتم نبوت ہیں لیکن اس کا مطلب یہ ہے کہ آپؐ کے بعد کسی کو نبی کہنا جائز نہیں ہے۔ البتہ حقیقت نبوت یعنی کسی انسان کا اللہ کی جانب سے مخلوق کی طرف بھیجا جانا، اس کی اطاعت وپیروی کا فرض ہونا، گناہوں سے معصوم ہونا تو یہ وصفات وخصوصیات) نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد اماموں میں موجود ہیں تو ایسا کہنے والا زندیق ہے۔ متأخرین علمائے احناف وشوافع باتفاق اسطرح کے عقائد رکھنے والوں کے قتل کا فتویٰ دیتے ہیں۔

علاوہ ازیں فرقہ اثنا عشری تحریف قرآن کا بھی قائل ہے۔ چنانچہ اس فرقہ کے العالم الکبیر المحدث المجتہد العلامہ حسن بن محمد تقی النوری الطبرسی المتوفی ۱۳۲۰ھ نے اس موضوع پر فصل الخطاب فی اثبات تحریف کتاب رب الارباب" کے نام سے ایک ضخیم کتاب لکھی ہے۔ جسمیں وہ اثنا عشری کے تینتیس جلیل القدر محدثین، مفسرین اور مجتہدین کا نام شمار کرانے کے بعد لکھتے ہیں کہ یہ سب علماء تحریف قرآن کے قائل ہیں (فصل الخطاب ص ۳۰) مجتہد طبرسی اسی کتاب میں یہ بھی لکھتے ہیں کہ مشہور محدث سید نعمت اللہ الجزائری نے لکھا ہے کہ ائمہ کی جن روایتوں سے تحریف قرآن کا ثبوت ہوتا ہے۔ وہ دو ہزار سے زائد ہیں اور علماء کی ایک جماعت ان کو متواتر مانتی ہے (فصل الخطاب ص ۲۲۷)

فرقہ اثنا عشری کا یہ دعویٰ بھی موجب کفر ہے۔ علامہ قاضی عیاض متوفی ۵۴۴ھ لکھتے ہیں "وکذٰلک من انکر القرآن او حرفا منہ او غیّر شیئاً منہ او زاد فیہ" الشفا ص ۲۴۶) اسی طرح وہ بھی کافر ہے جس نے قرآن یا اس کے کسی ایک حرف کا انکار کیا یا اس میں ردّ و بدل اور زیادتی کی علامہ بحر العلوم متوفی ۱۲۲۵ھ تحریف قرآن کے قائل کو کافر لکھتے ہیں (فواتح الرحموت ص ۶۱۷)

اثنا عشری فرقہ کے ان عقائد کے منظر عام پر آجانے کے بعد علمائے امت کیلئے اس کے علاوہ کوئی چارۂ کار باقی نہیں رہا کہ اس فرقہ کو خارج از اسلام قرار دیں۔ کیونکہ کافر کو کافر نہ کہنا اُسے مسلمان تسلیم کرنا ہے جو شریعت کی نگاہ میں جرم عظیم ہے "ادخال کافر فی الملۃ واخراج مسلم عنہا عظیم فی الدین" (اکفار الملحدین ص ۲۰) کافر کو اسلام میں شامل کرنا اور مسلمان کو ملت سے خارج کرنا از روئے دین کے (دونوں) جرم عظیم ہیں۔ اس لئے کسی فرد یا جماعت سے کفریہ عقائد کے ظاہر ہو جانے کے بعد اس کی تکفیر سے گریز کسی طرح بھی درست نہیں ہے بلکہ علمائے دین کی ذمہ داری ہے کہ ایسے لوگوں کے کفر کو ظاہر کر دیں تاکہ دوسرے مسلمان ان سے اور اُن کے باطل عقائد سے دُور رہیں۔

چنانچہ ۱۳۴۴ھ میں امام اہل سنت مولانا عبدالشکور لکھنوی کے ایک فتوی کی تصدیق کرتے ہوئے علمائے دیوبند نے متفقہ طور پر فرقہ اثنا عشری کی تکفیر کی تھی۔ بعد میں یہ فتوی کتابی شکل میں شائع ہوگیا تھا جس کا جدید ایڈیشن اضافہ کے ساتھ حال ہی میں پاکستان سے شائع ہوا ہے۔ ادھر ماضی قریب میں ایران کے اندر سیاسی انقلاب کے بعد خمینی حکومت کیطرف سے جس شدومد کے ساتھ پُرفریب انداز میں شیعیت کی تبلیغ ہو رہی ہے۔ اس کا تقاضا ہے کہ علمائے اسلام خصوصی طور پر اس فتنہ کی سرکوبی کے لئے سرگرم عمل ہوجائیں۔ یہ ضرورت اس لئے اور بڑھ گئی ہے کہ بعض اسلامی جماعتیں سیاسی مفاد یا اپنے زیغ اور کجی کی بنا پر ایران کے شیعی انقلاب کو اسلامی انقلاب بتاکر مسلمانوں کو اس کی تائید و حمایت کی دعوت دے رہی ہیں۔ اس لئے عالمی اجلاس تحفظ ختم نبوت دارالعلوم (منعقدہ ۲۹، ۳۰، ۳۱ر اکتوبر ۱۹۸۶ء) کے موقع پر اسی تقاضائے شرعی کے تحت حضرت مولانا محمد منظور نعمانی مدظلہ العالی نے ایک تجویز پیش فرمائی جو بحث و تمحیص کے بعد اجلاس نمائندگان میں منظور کرلی گئی تجویز کا متن یہ ہے۔

یہ اجلاس اعلان کرتا ہے کہ شیعی اثنا عشری مسلک کا، جو فی زمانہ دنیا کے شیعوں کی اکثریت کا مسلک ہے اور ایران میں اسی مسلک کے ماننے والوں کے ذریعہ ماضی قریب میں ایک انقلاب برپا ہوا ہے جس کو اسلامی انقلاب کہکر عالم اسلام کو زبردست دھوکہ دیاجارہا ہے۔ اس مسلک کا ایک بنیادی عقیدہ، عقیدۂ امامت براہ راست ختم نبوت کا انکار ہے۔ اسی بناء پر حضرت شاہ ولی اللہؒ نے صراحت کے ساتھ ان کی تکفیر کی ہے۔ لہذا یہ اجلاس تحفظ ختم نبوت اعلان کرتا ہے کہ یہ مسلک موجب کفر اور ختم نبوت کے خلاف پُرفریب بغاوت ہے۔ نیز یہ اجلاس تمام اہل علم سے اس فتنہ کے خلاف سرگرم عمل ہونے کی اپیل کرتا ہے۔

اجلاس کی جو رپورٹ گذشتہ سے پیوستہ شمارے میں شائع ہوئی تھی غلطی سے یہ تجویز اس میں نہیں آسکی تھی حالانکہ اس تجویز کی اہمیت کا تقاضا تھا کہ اسے نمایاں طور پر شائع کیا جاتا حضرت مولانا محمد منظور نعمانی مدظلہ العالی اور شرکائے اجلاس سے معذرت کے ساتھ تجویز شائع کی جارہی ہے۔

العذر عند کرام الناس مقبولٌ

مسکویہ کا تلفظ
ایک علمی تحقیق

از حضرت مولانا حکیم محمد زماں صاحب حسینی

ابن مسکویہ (المتوفی ۴۲۱ھ) اس نام کی ایک عظیم شخصیت آل بویہ یعنی دیلمیوں کے دور حکومت میں گذری ہے۔ اس خاندان کے سلاطین وامراء خود بھی بڑے صاحب علم و فن تھے اور دوسرا ارباب علم و فن کے قدرداں بھی تھے۔ اسی عہد میں شیخ بوعلی ابن سینا جیسے ماہر فن طبیب وفلسفی اور بدیع الزماں ہمدانی جیسے جامع الفنون نامور ارباب کمال بھی تھے۔ جن کا ملک کے گوشے گوشے میں چرچا تھا۔ اس زمانہ میں ابن مسکویہ کا بھی علمی شہرہ ہوا اور خوب ہوا۔ اس زمانے کے تمام مروجہ علوم و فنون پر اس نے بے مثال کتابیں تصنیف کیں۔ طب، منطق، طبعیات، الہیات، ریاضیات، اخلاقیات، کیمیا، سارے مضامین پر اس نے داد تحقیق دی،

یہ شیخ بوعلی ابن سینا اور ہمدانی سے ذاتی تعلقات بھی رکھتا تھا، الغرض یہ شخص آل بویہ کا ایک ایسا نامور فرد فرید ہے کہ صدیوں سے مجالس علم وادب میں اس کا بھی ذکر خیر اصحاب علم کی زبانوں پر آتا رہتا ہے۔ اور آج بھی طلبۂ علم اور شیدایان تحقیق اس کی تحقیقات وخیالات سے مستفید ہوتے ہیں۔ اسی تقریب سے باہمی علمی گفتگو

میں کبھی کبھی اس فلسفی کا نام بھی زبانوں پر آتا ہے۔

یہ فلسفی بین الاقوامی مقبولیت کی بنا پر ہر ملک کے حلقۂ علم میں قابلِ ذکر شخصیت ہے۔ مگر چونکہ خطۂ ایران کے علاقے رے سے رشتۂ زاد و بوم رکھتا ہے، اس لئے ایرانی دانشوروں کو اس سے خصوصی دلچسپی ہے اور عرب اور دوسرے ملکوں کے ارباب دانش اور فضل و کمال بھی اس میں عمومی رغبت رکھتے ہیں۔

ایک دن میرے ایک مہمان نے جو بڑے علم دوست، محقق اور پی، ایچ، ڈی ہیں اور ایک مشہور یونیورسٹی سے تعلیمی تعلق رکھتے ہیں۔ مجھ سے ذاتی علاقہ اور محبت کی بنا پر اس فلسفی کے نام "مسکویہ" کے صحیح تلفظ کے بارے میں سوال کیا اور ساتھ ساتھ اس لفظ کے صحیح تلفظ کے بارے میں اپنا ایک ذاتی واقعہ بھی سنایا کہ۔

—— میں نے اپنے ایک بزرگ استاذ، پروفیسر کی مجلس علمی میں "مسکویہ" میرے اس تلفظ پر انھوں نے مجھے ٹوکا اور تعجب سے کہا کہ "تم بھی اوروں کی طرح یہی تلفظ کرتے ہو؟ اس کا صحیح تلفظ ہے" بکسر المیم، بسکون سین، بضم کاف، بفتح یا، یعنی "مِسْکُوْیَہ"، اور حوالہ میں کسی ایرانی پروفیسر کا نام لیا جس نے ان کو بھی اسی طرح اس کے تلفظ پر ٹوکا تھا۔

یہ سن کر میں نے تو اس کے تلفظ کے بارے میں اپنی معلومات کی بنا پر اپنے مہمان کو اپنی رائے بتادی تھی، مگر مزید تحقیق کا وعدہ کر لیا۔ اس لئے اس واقعہ کی نوعیت نے مجھے اپنی طرف خاص طور پر متوجہ کر لیا تھا۔ اور مجھے بھی اس سے گہری دلچسپی ہوگئی تھی۔ چنانچہ طالب علمانہ تفتیش و تحقیق شروع کردی، بحمدہ تعالیٰ ایک صحیح اور واضح نتیجہ پر میں پہنچ گیا۔ جس سے خوشی ہوئی اور معلومات میں اضافہ بھی ہوا۔ اس مرحلہ پر جی چاہا کہ دوسرے اہل علم دوستوں کو بھی شریک مسرت کروں، اسی غرض سے یہ چند سطریں قلم بند کردی ہیں۔

غور کرنے پر درج ذیل چیزیں اس سلسلہ میں سامنے آئیں۔

۱۔ یہ سوال صرف لفظ "مسکویہ" کے تلفظ کا نہیں ہے۔ بلکہ اس وزن اور وضع کے جتنے بھی اعلام و اسماء ہیں سبھوں کے تلفظ کا یکساں سوال ہے۔ ادنیٰ توجہ سے اس قسم کے چند ناموں کی ایک فہرست بن گئی۔ جو درج کر رہا ہوں۔ یہ نام بڑے حکماء، علماء، اطباء اور محدثین کے ہیں، اپنے، اپنے فن کے یہ حضرات امام ہیں اور اسی تقریب سے کتب علم و حکمت میں ان حضرات کے نام آتے ہیں۔

(۱) سیبویہ (۲) اسحاق بن راہویہ (۳) ابن مندویہ (۴) ماسرجویہ، (۵) سلمویہ (۶) ماسویہ (۷) نردویہ (۸) دوستویہ (۹) ابن بختویہ (۱۰) ابن خالویہ (۱۱) نطفویہ (۱۲) حکمویہ (۱۳) بویہ (۱۴) بابویہ (۱۵) زادویہ (۱۶) شاہویہ۔ یہ ایک مختصر فہرست ہے ان ناموں کی جو لفظ "مسکویہ" کے مماثل ہیں۔ بس اس کا جو صحیح تلفظ ہوگا وہی تمام اسامیٔ مذکورہ کا ہوگا۔

(۲) یہ تمام اسامی دو لفظوں سے مرکب ہیں، جزء اوّل وہ حصہ ہے جو لفظ "ویہ" سے قبل ہے اور جزء دوم خود لفظ "ویہ" ہے مثلاً "مسکویہ"، جزء اوّل "مسک" ہے اور جزء دوم "ویہ" ہے اسی طرح دیگر اسامی مذکورہ کا تجزیہ کیا جائے گا۔

۳۔ ان اسامی کی فہرست پر نظر ڈالی جائے تو فوراً یہ محسوس ہوگا کہ یہ اسامی اپنی فطری وضع اور بناوٹ کے لحاظ سے عجمی نژاد ہیں اس لئے کہ ان ناموں کا جزء اوّل یا تو خالص فارسی لفظ ہے۔ یا اگر عربی ہے تو اہل فارس نے فارسی میں اسے داخل کر کے فارسی کا درجہ دے دیا ہے۔ اور ایرانی ڈھنگ سے اس کی ترکیب کی گئی ہے۔

۴۔ اور رواج و چلن کے اعتبار سے جس طرح ایرانیوں میں یہ اسماء مروج ہیں اسی طرح سے عربوں نے بھی اُسے اپنے ہاں قبول کیا ہے۔ عربی لغات و نحو کی کتابوں میں

بھی علمی طور پر ارباب علم نے ان اسامی کی بناوٹ اور تلفظ اور اعراب و دیگر قواعد کے بیان میں ان اسامی کا ذکر بطور سند پیش کر کے ان کو عربی ادب و زبان کا جزء ہونے کا شرف بخشا ہے۔

۵ - ایسی صورت میں لسانی تقاضے کے مطابق یہ ممکن ہے کہ ان الفاظ کے بارے میں عجمیوں اور عربوں کے تلفظ جدا جدا ہوں۔ جیسا کہ عموماً یہ ہوتا ہے کہ جب کسی زبان کا لفظ دوسری زبان میں داخل ہوجاتا ہے تو اس زبان کے مزاج اور اہل زبان کے ذوق کے مطابق اس کا تلفظ و لہجہ ہوتا ہے اور یہ کبھی کبھی اس قدر اصل زبان کے تلفظ و لہجہ سے مختلف ہوجاتا ہے کہ یہ تمیز مشکل ہوتی ہے کہ یہ لفظ دخیل ہے یا اس زبان کا اصل لفظ ہے۔

ان اسامی کے ساتھ بھی یہی صورت پیش آئی کہ گو یہ عجمی الفاظ ہیں مگر عربوں نے اپنے یہاں ان کو اپنے ڈھنگ کا بنا کر لغات عربی میں داخل کیا اور ان کا تلفظ اپنی زبان کے مزاج کے مطابق کیا۔ عربوں کے یہاں ان الفاظ کی ایسی وضع بن گئی جو ایرانیوں، فارسیوں کے تلفظ سے بالکل جداگانہ ہے۔

اصل حقیقت کی وضاحت کیلئے میں ضروری سمجھتا ہوں کہ چند محققین اہل لغت اور ماہرین فن لسان و ادب کی رائیں نقل کروں تاکہ اصل سوال کے صحیح جواب کے تعین میں مدد مل سکے۔

(۱) القاموس۔

"ویہ"، وتکسر الهاء وويها اغراءٌ وتكون للواحد والجمع والمذكر والمؤنث وكل اسمٍ ختم به۔ کسیبویه وعمرویه، یعنی لفظ "ویہ" میں ہا کو کبھی زیر دیدیتے ہیں اور کبھی اس کا تلفظ "ویہا" بھی کرتے ہیں۔ یہ لفظ اس موقع پر استعمال کرتے ہیں جب کسی کو کسی معاملہ میں ابھارنا بھڑکانا ہو، واحد جمع مذکر، مؤنث ہر صورت میں اسی طرح استعمال ہوتا ہے اور یہی صورت حال ہر اس

اسم کی ہے جس کا آخر "ویہ" پر ہو جیسے "سیبویہ"، "عمرویہ"

(۲) ابن خلکان

والعجم یقولون سیبویہ بضم الباء الموحدۃ وسکون الواو وفتح الیاء المثناۃ من تحتہا، یعنی اہل عجم سیبویہ کا تلفظ با کے ضمہ اور واؤ ساکن یا مفتوحہ کے ساتھ کرتے ہیں یعنی سیبُوَیہ

(۳) ابن خلکان

بویہ بضم الباء الموحدۃ وفتح الواوُ وسکون الیاء المثناۃ من تحتہا وبعدہا ہاء ساکنۃ (وفیات جلد اوّل ص۱۵۹) یعنی بویہ با کو ضمہ اور واؤ کو فتحہ اور یائے ساکن اور ہائے ساکن کے ساتھ تلفظ ہوگا بُوَیہ ۔ وفیات ج ۱ ص ۱۵۹)

۴:۔ السیوطی :۔

نفطویہ :۔ قال یاقوت الحموی قد جعل ابن بسام بضم الطاء و سکون الواو و فتح الیاء (المزھر) یعنی یاقوت حموی نے کہا ہے کہ ابن بسام نے نطفویہ کا تلفظ طاء کے ضمہ اور واؤ ساکن یا مفتوحہ کے ساتھ قرار دیا ہے یعنی نفطویہ۔

(۵) صراح :۔

"ویہ" ویقال ویہا یا فلان وتحریض کما یقال دونك یا فلان یعنی، ہلا ہین، اے فلان ۔ سیبویہ نام استاد نحو ولغت فہو اسم بنی مع صوت فجعلا اسماً واحداً وکسر آخرہ وکذا عمرویہ وسعدویہ ونفطویہ (صراح ص۵۴۴)

ویہ اور اس کا تلفظ ویہا بھی ہوتا ہے یہ لفظ تحریض کیلئے آتا ہے۔ سیبویہ، امام نحو ولغت کا نام ہے۔ یہ ایسا اسم ہے جو صوتی لفظ سے ملا کر بنایا

گیا ہے اور دونوں مل کر ایک اسم قرار پا گئے ہیں، اس کے اخیر یعنی لفظ ہا میں کسرہ دیتے ہیں۔ یہی حال عمرویہ وسعدویہ، نفطویہ کا ہے۔

صاحب صراح کی اس صراحت کے مطابق کہ یہ لفظ مرکب اور مبنی بر کسرۂ آخر ہے۔ اس کا تلفظ خود بخود متعین ہو جاتا ہے۔ یعنی واؤ مفتوحہ اور ہائے ساکن کے ساتھ اس قسم کے مرکبات مبنیہ اور یا غیر متصرفہ کے ملاحظہ ہو شرح جامی بحث اسم کے صفحات ص۱۴ وص۲۱۴ بحث مرکبات)

. . . .

اب ارباب لغات وادب کی منقولہ تحریروں سے یہ واضح طور پر معلوم ہو گیا کہ زیر بحث اسامی کے تلفظ میں عربوں اور ایرانیوں کی روش میں فرق ہے۔

اہل عرب یائے ساکن والی شکل پسند کرتے ہیں اور اہل عجم یائے مفتوحہ والی صورت کو اختیار کرتے ہیں۔

مذکورہ حوالوں کی روشنی میں علمی اور لسانی طور پر دونوں تلفظ صحیح ہیں۔ کسی ایک متعین تلفظ کو اختیار کرنے پر کسی کی تغلیط و تخطیہ بے بنیاد بات ہے۔

ایرانی پروفیسر صاحب کا اپنے ذوق وماحول کے مطابق "مسکویہ" کے تلفظ میں ایرانی مذاق کی رعایت کی وجہ سے دوسروں کو اس کی ترغیب وتلقین تو بالکل درست وبجا ہے، اس لئے کہ زبانوں کی اصل حفاظت عصبیت ہی پر مبنی ہے جب تک کسی قوم کو اپنی زبان سے جذباتی وعصبی لگاؤ نہیں ہوگا۔ اس وقت تک اس زبان کی ہیئت وخصوصیت باقی رکھنا ناممکن ہے۔ لیکن اس کے خلاف اگر باعتبار لغتِ عرب صحیح تلفظ کوئی کرنا چاہے تو اس کی تغلیط نامناسب ہے۔ اسی طرح کسی عرب کا اپنے لہجہ خاص اور تلفظ خاص کا پابند بنانے کی دلچسپی فطری ہے۔ مگر ایرانی تلفظ کے خلاف پر بھی اصرار کرنا غیر مناسب ہے۔

یہ الفاظ زیر بحث اہل عرب کی طرح اہل فارس کے یہاں بھی مرکبات میں سے ہیں اور دو جُزء پر مشتمل ہیں۔ اور دونوں جزء الگ الگ بامعنی ہیں اس کے تجزیہ کی دو صورتیں ہیں۔

۱:- مسکویہ :- اس میں پہلا جُزء "مسک" ہے۔ الگ بامعنیٰ لفظ ہے بمعنیٰ مشک نافہ، مشہور، خوشبودار چیز اور دوسرا جزء ہے "ویہ" یہ لفظ فارسی میں "چہ خوش" کے معنیٰ میں ہے۔ جیسا کہ کشوری نے لکھا ہے۔ اب یہ دونوں جُزء کی ترکیب سے مل کر ایک بامعنیٰ مرکب لفظ ہو گیا۔ "مسکویہ" یعنی اچھا مشک، یہی مرکب جب کسی شخص کا علم اور اسم بنا تو گو معنوی اعتبار سے اس جگہ یہ معنیٰ مذکور مراد نہیں ہے۔ لیکن باعتبار تلفظ اس مرکب کا تلفظ وہی ہوگا جو عربوں کا تلفظ ہے۔ جس کا ذکر اوپر ہو چکا ہے اور یہی حال اس کے مماثل اسماء کا ہوگا۔ مگر تجزیہ کی یہ صورت باعتبار تلفظ ان ایرانیوں اور فارسیوں کے نزدیک وقیع ہوگی۔ جو ان اسامی کا تلفظ عربوں کے انداز پر کرنا جائز خیال کرتے ہوں۔ مگر وہ حضرات جو عربوں کے بالمقابل ان اسامی کے تلفظ میں واؤ ساکن اور یائے مفتوحہ پڑھنا ضروری سمجھتے ہیں ان کے اعتبار سے تجزیہ کی یہ صورت ہے کہ :-

۲ :- اس مرکب کا لفظ آخر "یہ" قرار دیا جائے۔ فارسی میں یہ لفظ "والا" کے معنیٰ میں آتا ہے جیسے کہ "دورویہ" "دوجویہ" "چوپایہ" اس صورت میں تلفظ ایرانیوں کا باقی رہے گا اور معنویت بھی باقی رہے گی۔ گو بصورت علمیت یہ معنیٰ مراد نہ ہو۔

اب مسکویہ کے معنیٰ ہوئے، مشک والا، سیبو یہ۔ رواں پانی والا، وغیرہ وغیرہ اس وضاحت کے بعد بآسانی یہ حقیقت کھل گئی کہ ان اسامی کے تلفظ کے بارے میں خواہ عربوں کی روش اختیار کی جائے۔ خواہ اہل فارس کی، ہر دو طریقے لفظاً و معناً ہر لحاظ

سے درست ہیں۔

البتہ یہ ایک اہم سوال ہو سکتا ہے کہ ہندوستان ارباب علم و دانش زمانۂ قدیم سے ان الفاظ کے تلفظ میں عربوں ہی کی پیروی کیوں کرتے ہیں؟ ۔ اس سوال کا جواب میرے خیال میں یہ ہے کہ، ہندوستاں میں زبان فارسی اور زبان عربی کی تعلیم کا پورا نظام بنیادی طور پر ان علماء کرام سے متعلق رہا جو دراصل عربی زبان وادب کے ماہر اور اسی سے مذہبی ربط و تعلق زیادہ رکھتے تھے اور ان حضرات کا سلسلہ تعلیم بھی خاص عرب اساتذہ پر منتہی ہوتا ہے، ان حضرات نے عربوں سے جو کچھ سیکھا انہی لوگوں کے ڈھنگ سے سیکھا پھر ان لوگوں کی وساطت سے پورے ہندوستان میں جس قدر بھی نظام تعلیم کو وسعت ہوئی اس پر انہی لوگوں کے علمی اطوار کی چھاپ پڑی۔

کچھ اساتذہ کا اگرچہ سلسلہ تلمذ ایرانی اساتذہ پر منتہی ہوتا ہے مگر کچھ اسباب کی بنا پر ان لوگوں کا حلقہ ملک میں بہت ہی مختصر اور چھوٹا ہے جس کی بنا پر عموماً ہندوستانی ارباب علم ان لوگوں سے کچھ کم متأثر ہوئے، نتیجہ کے طور پر ہندوستانی فارسی دانوں کا انداز تلفظ اور لہجہ وغیرہ ایرانیوں سے ہٹ کر یا تو خالص عربی انداز کا ہوگیا یا ہندی، عربی ایرانی اختلاط کے زیر اثر ایک ایسی قسم کا ہوگیا جو ان تینوں زبانوں کے اصل لہجہ سے بالکل جداگانہ قسم کا معلوم ہوتا ہے۔

انگریزی دور حکومت کے قبل ایرانی ہندی علماء کا آپس میں جو رابطہ تھا وہ انگریزی دور حکومت میں قریب قریب ختم ہوگیا۔ اس ڈیڑھ صدی میں بھی دونوں ملکوں کے اہل علم میں بہت دوری ہوگئی۔ اور اگر کچھ تعلق رہا تو وہ صرف ہندوستانی اہل تشیع حضرات کی بدولت۔ اس لئے کہ ان لوگوں کا ایران سے مذہبی اور روحانی رشتہ بھی ہے۔ مگر ظاہر ہے کہ اس بنیاد پر ایرانی مذاق علمی کا رواج صرف اہل تشیع حضرات کے محدود علمی حلقہ میں رہا۔ اس کے عمومی اثرات ہندوستان کے عام ارباب علم پر نہیں ہوئے بلکہ

ہندوستانی آبادی کا بڑا حصہ بالخصوص مسلمانوں کا تجارتی، سیاسی، مذہبی علمی لحاظ سے ارتباط عربوں ہی سے تھا۔ اور اب بھی ہے اس لئے زیادہ تر عربوں ہی کے علمی اثرات کا نفوذ ہوا۔ البتہ اب ہندوستانی یونیورسیٹیوں میں فارسی زبان کا جو جدید نظام تعلیم رائج ہوا ہے۔ اس کے زیر اثر جو طلبہ فارسی زبان سیکھ رہے ہیں وہ بڑی حد تک ایرانی فارسی اثرات قبول کر رہے ہیں۔ اور یہی طلبہ رفتہ رفتہ ہمارے ملک میں اس فارسی کی ترویج کا مضبوط ذریعہ بنیں گے۔ جو ایرانی لہجہ اور فارسی زبان کی اصل مزاج و مذاق سے مطابقت رکھے گی۔

ہندوستانی اور ایرانی طلبہ کا دونوں ملکوں کی یونیورسیٹیوں میں آمد و رفت اساتذہ کے باہمی علمی تبادلے اور ان کی آپس کی میل ملاقات اس صورت حال کو روز بروز مستحکم بنا رہی ہے۔

ادھر ملک میں قدیم نظام تعلیم کا ڈھانچہ بے جان ہو رہا ہے۔ اس لئے ممکن ہے کہ اب یہاں کے ارباب علم، زبان عربی اور زبان فارسی کیلئے کوئی جدید راہ اختیار کر لیں جس کے واضح امکانات نظر آرہے ہیں اور ان کی روشنی میں نئے خطوط پر تعلیمی نظام مرتب ہو سکتا ہے۔

خلاصہ یہ کہ الفاظ زیر بحث کا تلفظ عربوں کے ڈھنگ کا ہمارے ہندوستانی ارباب علم میں عربوں کے اثرات علمی کے نفوذ کا نتیجہ ہے۔ فقط۔

مسلم پرسنل لا اور طلبہ برادری

از:- مولانا عبدالحمید نعمانی القاسمی - آئی - ٹی - او، نئی دہلی

دور جدید میں یہ بات واقعاتی مرحلے میں داخل ہو چکی ہے کہ دنیائے انسانیت خالق فطرت کے فطری قانون ہی کو اپنا کر منزلِ مقصود تک پہونچ سکتی ہے۔ اس فطری قانون اور ضابطۂ حیات کا نام "اسلام" ہے۔ جسے اصولی و آفاقی حیثیت حاصل ہے۔ وقت اور تجربے نے خدا کی اس وسیع و عریض دنیا میں رہنے والے انسانوں کو واضح طور پر جتلا دیا ہے کہ تمہارے درد و دکھ کا صحیح مداوا اسلام کے علاوہ دنیا میں پائے جانے والے کسی نظریہ اور ازم کے پاس نہیں ہے۔ چاہے مغرب کی ذہنی و فکری فیکٹری کا ڈھلا ہوا قانون ہو۔ چاہے اس کے شرخ آسمان کا نازل کردہ ضابطہ۔

ایک مثال اپنی بات کی وضاحت کے لئے میں یہاں ایک چھوٹی سی مثال دونگا گریٹا گاربو مغرب کی فلمی دنیا کی ایک ایسی ابھرتی اداکارہ تھی جس نے جوانی کی ترنگ میں شادی نہیں کی۔ لیکن شادی نہ کرنے کا اسے زندگی کے آخری ایام میں بہت زیادہ قلق تھا۔ اور بڑی حسرت سے کہتی تھی، شادی نہ کرنا ایک بہت بڑی بھول ہے۔ یہ چھوٹا سا واقعہ خدا کے فطری قانون کو چھوڑ کر اپنی بنائی ہوئی ڈگر پر چل کر حسرت ناک زندگی گزارنے کا آئینہ دار ہے۔ قانون خداوندی سے منحرف

آغاز ہونے والے ہر سفر زندگی کا اختتام حسرت و ناکامی پر ہوتا ہے۔ زندگی گزارنے کے دو ہی... طریقے ہیں (۱) انسانی فطرت سے مکمل طور پر ہم آہنگ خدائی طریقہ دوسرا خود اپنے جیسے بے خبر انسانوں کا خود ساختہ...... پہلا طریقہ کامیابی اور منزلِ مقصود تک پہونچانے کا ضامن اور دوسرا زندگی کے تاریک جنگل میں سرگرداں پھرنے اور ناکامی کا پیش خیمہ ہے۔ یہ حقیقت واقعاتی و مشاہداتی طور پر بالکل واضح انداز میں سامنے آچکی ہے اور اُسے انسانوں کی ایک عظیم اکثریت تسلیم کر چکی ہے۔ لیکن شیطان کے بہتے چڑھے ہوئے انسانوں کی ایک دوسری عظیم اکثریت بھی ہے جو اپنی آنکھوں پر رنگین عینک لگا کر مذکورہ فلمی اداکارہ کی سی غلطی کا ارتکاب کر رہی ہے۔ اور پیشاب کی شیشی پر "آب حیات" کا لیبل لگا کر اسے امرت دھارا کا نام دینے اور دوسروں سے زبردستی منوانے کا احمقانہ اقدام برابر کرتی آرہی ہے۔ جس کے نتیجے میں طرح طرح کے فتنے خدا کی زمین پر برپا ہوتے رہتے ہیں ان ہی فتنوں میں سے ایک جدید فتنہ خالقِ کائنات کے دین فطرت اسلام کے الوٹ حصے "مسلم پرسنل لاء" میں ترمیم و تبدیلی کا بھی ہے۔ یہ اس قدر شدت کے ساتھ اپنے بال و پر نکالتا اور پھیلاتا جا رہا ہے کہ آج لیلائے مغرب کی زلفِ گرہ گیر میں گرفتار مسلمان بھی خدا کے فطری قانون کی جگہ انسانی ذہن و فکر کے خود ساختہ طریقے کو رائج کرنے کا خواب دیکھ رہے ہیں اور اس خام خیالی میں مبتلا ہیں کہ باری تعالیٰ کے محکم قانون اور ضابطۂ حیات کو از کار رفتہ اور فرسودہ قرار دے کر مسلمانوں کے ملی وجود کو معرض خطر میں ڈال دیں یا کم از کم اسلام کو مسلمانوں کی معاشرتی زندگی سے خارج کر دیں۔

ایسا خیال کیوں پیدا ہوا؟ یہاں پہنچ کر یہ سوال فطری طور پر پیدا ہوتا ہے کہ آخر یہ شیطانی خیال لوگوں کے ذہن میں پیدا کیوں ہوا؟ اس کے

اسباب کیا ہیں ؟ جہاں تک ہماری معلومات اور مطالعہ کا تعلق ہے اس کی روشنی میں ہمارے نزدیک مذکورہ خیال کے پیدا ہونے کے چند وجوہ ہیں ۱۔ دین کو مختلف خانوں میں بانٹنے کا غلط اور غیر اسلامی رجحان کہ دین و مذہب کا دائرہ صرف مسجدوں، مندروں، کلیساؤں اور انسان کی روحانی اور انفرادی زندگی تک محدود ہے۔ وہ زندگی کے عام اجتماعی مسائل اور معاملات سے کوئی تعرض نہیں کرتا ہے۔ ان مسائل میں انسان کو اختیار ہے۔ وہ جو راستہ چاہے اختیار کرے۔ اور زندگی کا جو نظام چاہے اپنائے۔ خدا اور مذہب کو اس سے کوئی سروکار نہیں۔
(۲) اسلامی قانون کو دیگر مذاہب کے قانونی تناظر میں دیکھنا (۳) خدائی قانون کو انسانی ذہن کے بنائے ہوئے قانون کی سطح پر لاکھڑا کرنا۔ صرف یہی نہیں بلکہ خدائی قانون پر انسانی قانون کو ترجیح دینے کا غلط رجحان ہے۔ ان وجوہ کے علاوہ دیگر اور وجوہ بھی ہیں۔ لیکن یہ سب کی سب جزئی اور مذکورہ تینوں وجوہ کی پیداوار ہیں۔

اسلامی شریعت ناقابل تقسیم ہے

مذکورہ باتیں ان مذاہب کے متعلق تو صحیح ہو سکتی ہیں اور بڑی حد تک صحیح بھی ہیں۔ جو رسوم و رواج اور فرسودہ اوہام و خیالات سے عبارت ہیں لیکن جہاں تک دین فطرت اسلام کا تعلق ہے۔ اس میں سو فی صد غلط اور خلاف واقعہ ہیں۔ تقسیم دین کے متعلق مذکورہ غیر اسلامی خیال کو اسلامی شریعت سے دور کا بھی واسطہ نہیں ہے۔ اسلام نے دین و شریعت کا جو تصور دیا ہے۔ وہ مغرب اور دیگر تصور مذاہب سے یکسر مختلف ہے۔ اسلامی شریعت ناقابل تقسیم اکائی کی حیثیت رکھتی ہے۔ خالق کائنات نے اس کائنات میں رہنے والے انسانوں کا جو نظام زندگی اور ضابطۂ حیات عطا فرمایا ہے۔ اس میں اس کی قطعاً گنجائش نہیں ہے کہ "بادشاہ کا

حصہ بادشاہ کو دو، اور پوپ کا حصہ پوپ کو، بلکہ اس نے بادشاہ اور پوپ کے تمام حصے ختم کرکے صرف ایک ہی ذات کا حصہ دین و دنیا میں قائم کیا ہے۔ دنیا کا معاملہ ہو یا آخرت کا سب میں ایک ہی برتر ہستی کی طرف اپنی نیت، عمل اور فکر ونظر کا رُخ رکھنے کی اس نے تلقین کی ہے، ہر جزء دوسرا اجزاء سے اس قدر مربوط اور جڑا ہوا ہے کہ کسی حال میں الگ الگ نہیں کیا جا سکتا۔ اسلامی نقطۂ نظر سے تمام نازل کردہ احکام کی تابعداری ضروری ہے۔ اتبعوا ما انزل الیکم من ربکم، اس لئے نتائج کے اعتبار سے دین میں جزئی ترمیم کلی ترمیم کے ہم معنٰی ہے۔

دین کا دائرہ اثر صرف نجی اور روحانی زندگی تک محدود نہیں ہے۔ بلکہ اسلامی شریعت ایک ہمہ گیر اور مکمل طریقۂ زندگی ہے۔ جو عقائد، عبادات، اخلاق، معاشرت معاملات، معیشت، سیاست اور بین الاقوامی امور یعنی انسانی زندگی کے تمام گوشوں کو بیک وقت محیط ہے۔ اس نے ہر شعبۂ زندگی کے بارے میں واضح ہدایات دی ہیں۔ اسلام کے نزدیک دین ومذہب انسان کا کوئی پرائیوٹ معاملہ نہیں ہے۔ جس سے دنیوی زندگی کے معاملات خارج ہوں۔ بلکہ وہ عالم انسانیت کی فلاح وصلاح کا ایک ایسا جامع دستور ہے جس میں پیدائش سے لیکر موت تک کے تمام معاملات اور نشیب وفراز داخل ہیں۔ خدا کا ایک وفادار بندہ اس کے احکام کا ہر وقت پابند ہے۔ اِنّ صلاتی ونسکی ومحیایٔ ومماتی لِلّٰہ رب العٰلمین۔ اسلامی شریعت انسان کی زندگی سے لیکر موت تک حاوی ہے۔ یہ ایک ایسی مسلّمہ حقیقت ہے۔ جسے اپنے ہی نہیں غیر بھی تسلیم کرتے ہیں۔ چنانچہ ایک مغربی ماہر قانون پروفیسر۔ جے۔ این۔ ڈی اینڈرس لکھتا ہے "اسلامی قانون اپنے دائرۂ کار کے لحاظ سے مغربی قانون سے غیر معمولی طور پر وسیع ہے۔ اسلامی قانون سب انسانی معاملات کو اپنے دائرۂ کار میں لیتا ہے"۔ دوسری جگہ لکھتا ہے

اسلامی قانون زندگی کے ہر شعبہ اور قانون کے ہر میدان کو محیط ہے[1]

اسلامی شریعت کی اسی ہمہ گیری اور جامعیت کے پیش نظر ہم کہتے ہیں کہ اس میں کسی کو تراش خراش کا حق نہیں ہے۔ اور نہ اس میں کمی بیشی کی گنجائش ہے۔

اسلامی قانون اور دیگر مذاہب

اسی طرح اسلامی قانون و شریعت کو دیگر مذاہب و ادیان کے آئینی تناظر میں دیکھنا بھی غلط اور غلط رُخ کی طرف لے چلنے والا ہے۔ کیوں کہ اسلامی شریعت کا معاملہ تمام رائج الوقت آئینِ مذاہب سے بالکل الگ ہے۔ چند لفظوں میں اس کا خلاصہ یہ ہے کہ اسلامی شریعت خدائی آئین اور فطری قوانین کا وہ مجموعہ ہے۔ جو بندوں کی ہدایت و رہنمائی اور ان کی دنیا اور آخرت کی صلاح و فلاح کے لئے بتوسط رسولؐ بھیجا گیا ہے یا یہ کہیے کہ وہ زندگی کے تمام گوشوں کے لئے دستور فکر و عمل بنا کر اتارا گیا ہے۔ جس کی بنیاد باری تعالیٰ کے اٹل ارشادات پر ہے۔ جو ناقابلِ تبدیل اور بھول چوک سے بالاتر اور عین فطرت کے مطابق ہے۔ فطرۃ اللہ التی فطر الناس علیہا لا تبدیل لخلق اللہ ،، اس میں تبدیلی اسی وقت ہو سکتی ہے جب کہ انسانی فطرت کو بدل دیا جائے۔ حالانکہ یہ ناممکن ہے۔ کیونکہ فطرت نہ بدلنے کی چیز ہے اور نہ بدلی جا سکتی ہے۔

اسلامی شریعت کی بنیاد وحی الٰہی اور مستند نقل صحیح پر ہے۔ وہ تاریخی طور پر ایک مستند قانون ہے۔ وہ ایک روشن اور زندہ قانونِ زندگی ہے۔ جس کی روشنی میں انسانیت کامیاب سفر کر سکتی ہے۔ اس کے برعکس دیگر آئینِ مذاہب کی بنیاد سماجی اور خیالی رسوم و رواج اور عقلی اختراعات پر ہے۔ جسے انسانی فطرت سے دور کا بھی واسطہ نہیں ہے۔ وہ تاریخی استناد سے بھی محروم ہے۔ اور اس کا وجود "مفروضاتی اور قیاسی" ہے

---

[1] دیکھئے۔ اسلامی قانون جدید دنیا میں صـ ۱۷۴

وہ ایک تاریک اور مردہ قانون ہے۔ جسے اپنا کر انسانیت زندہ رہ سکتی ہے اور نہ کامیاب سفر کرسکتی ہے۔

خدائی قانون اور انسانی آئین میں فرق

خدا کے عطا کردہ اسلامی قانون کے سلسلے میں یہ تیسرا انداز فکر بھی راست نہیں ہے کہ اسے انسانی قانون کی سطح پر لا کھڑا کیا جائے۔ کیونکہ دونوں قانون کے مابین مختلف حیثیت و نوعیت سے واضح فرق ہے۔

آپ اس اصولی اور واضح فرق کو ایک مثال سے سمجھئے کہ جس قدر کسی کو مستقبل کے بارے میں علم و آگہی ہوگی۔ اسی قدر وہ جامع مکمل اور صحیح قانون بنائے گا۔ مخلوق کے پاس چونکہ مستقبل کا صحیح علم نہیں ہے۔ ساتھ ہی بہت ہی ناقص بھی۔ یہی وجہ ہے کہ ہم شب و روز سر کی کھلی آنکھوں سے مشاہدہ کرتے رہتے ہیں کہ ملک و قوم کے اعلیٰ ذہین و فطین قانون ساز افراد بڑی کوشش اور بسیار بحث و تمحیص کے بعد ایک قانون وضع کرتے ہیں اور چند دنوں کے بعد ہی اس میں ترمیم و تنسیخ کا پیوند لگانا پڑتا ہے۔ اس کے برعکس خدا کے پاس مستقبل کے متعلق پورا علم ہوتا ہے۔ اس لئے اس کا وضع کردہ قانون جامع اور مکمل ہونے کے ساتھ ساتھ انسانی فطرت کے چوکھٹے میں بالکل فٹ بیٹھتا ہے۔

دوسری بات یہ ہے کہ عصر حاضر کی جدید علمی تحقیق نے یہ ثابت کر دیا کہ انسان کا علم محدود ہے۔ اور ہمیشہ محدود رہے گا۔ وہ اپنا قانون زندگی صحیح معنی میں دریافت کرنے کی صلاحیت ہی نہیں رکھتا۔ ہزارہا ترقیوں کے باوجود انسانی دنیا، تلاش کی منزل میں ہے۔ جب بات یہ ہے تو پھر کیوں کر خدائی اور انسانی قانون کو ایک حیثیت میں رکھا جا سکتا ہے۔

تیسری بات یہ ہے کہ قانون ساز کو قانون پر عمل پیرا ہونے والے سے جتنی گہری محبت اور دنیاوی مفاد سے بے غرضی ہوگی وہ اتنا ہی نفع بخش اور کارآمد آئین بنائیگا اور ظاہر ہے کہ خدا سے بڑھ کر کوئی حقیقی ہمدرد (الصمد) اور بے نیاز نہیں۔ ہر انسانی

قانون کی بنیاد مفاد پرستی، خود غرضی پر ہوتی ہے۔ اس سے اوپر اٹھکر کوئی قانون بنا ہی نہیں سکتا۔ قانون کے اندر جو بنیادی اوصاف ہونے چاہئیں۔ وہ صرف خدائی قانون میں پائے جاتے ہیں۔ مثلاً قانون معاشرے کی ترقی و فلاح کا ذریعہ بنے۔ اس کے بنیادی تصورات و افکار کے مطابق ہو۔ تہذیبی اصول و اقدار کا نمونہ اور جذبات و احساسات کا عکاس ہو۔ ایسا قانون ہو جس سے انسان ذہنی طور پر مانوس ہو۔ اور خوش دلی سے اس کی پابندی پر آمادہ ہو جائے۔ یہ اوصاف صرف اور صرف خدائی قانون میں پائے جاتے ہیں۔ ایک فرق انسانی اور خدائی قانون میں یہ بھی ہے کہ انسان کا بنایا ہوا اور قانونِ خداوندی ہمیشہ سے ایک منظم اور مکمل شکل میں موجود رہتا ہے۔

ایک فریب

مذکورہ باتوں کی روشنی میں یہ بات پورے یقین و اعتماد سے کہی جاسکتی ہے کہ اسلام نہ تشکیل جدید کا محتاج ہے اور نہ اسلامی شریعت ترمیم و تبدیلی کی اور اسلامی قانون و شریعت میں تبدیلی کے سلسلے میں جو پُر فریب بات کہی جاتی ہے کہ اسلامی قانون کی افادیت اپنے عہد کے ساتھ مخصوص تھی۔ آج کے برق رفتار ترقی یافتہ اور سائنسی دور میں اس کے چلنے کی گنجائش نہیں ہے تو یہ اسلامی قانون و شریعت سے سراسر بے خبری پر مبنی ہے۔ متانت و سنجیدگی سے اسلام کا مطالعہ کرنے والا جانتا ہے کہ اسلام کا قانونی نظام اپنی ماہیت و ترکیب میں اتنا ترقی پذیر اور لچک دار ہے کہ زمان و مکان کے اختلافات ہوں یا سیاسی و سماجی ماحول کے اثرات ان تمام احوال میں وہ اپنے ماننے والوں کی صحیح اور صحت مند تہذیبی خطوط پر رہنمائی اور رہبری کر سکتا اور کرتا ہے۔ اسلام کا نظام حیات بالخصوص عائلی نظام مکمل طور پر خود مکتفی ہے۔ یہ اور بات ہے کہ بہت سے مسلمان عملی کوتاہی اور بے علمی کی وجہ سے پوری ذمہ داری سے اپنی سماجی زندگی میں اس کو بتمام و کمال برپا نہیں کرپاتے۔ مسلمانوں کی اس بے عملی کی وجہ سے اسلامی قانون کو مطعون نہیں کیا جاسکتا۔

۴ قانون انسانی زندگی کے ارتقاء میں [illegible]

ہے۔ اسلام کی تو یہی دعوت ہے کہ باری تعالیٰ کے نازل کردہ اسلام کے دائرہ حیات میں لوگ کلیتہً داخل ہوجائیں۔ یاایھاالذین آمنوا ادخلوا فی السلم کافۃً

یہ بات صحیح ہے کہ آج کی سائنسی دُنیا نے حیرت انگیز ترقی کی ہے۔ مگر اس کا اثر اسلامی قانون و شریعت پر کیا پڑتا ہے؟ واقعہ تو یہ کہ اس سے اسلام کی حقانیت اور کھل کر سامنے آتی ہے۔ اور آتی جارہی ہے۔ سائنسی ترقی کا تعلق اسباب و وسائل سے ہے نہ کہ انسان کی اٹل فطرت سے۔ اسلام تو انسان اور اس کی فطرت سے بحث کرتا ہے نہ کہ اسباب و وسائل سے۔ اور یہ بات پہلے کہی جاچکی ہے کہ فطرت میں تبدیلی نہیں ہوسکتی۔ کیونکہ اس کی پُشت پر لَاتَبْدِیْلَ لِخَلْقِ اللّٰہِ کی مضبوط قوت ہے۔ بالکل اسی طرح اسلامی شریعت و قانون میں جس کا تعلق کائنات کے فرمانروائے اعلیٰ کے نظام امر سے ہے۔ تغیر و تبدیل نہیں ہوسکتا۔ کیوں کہ اس کی بنیاد بھی لا تبدیل لکلمات اللّٰہ کے اٹل نظام پر ہے۔

جاری ہے

ماہنامہ دارالعلوم۔ آپ کا اپنا رسالہ ہے۔ اس کی توسیع اشاعت میں اپنا بھرپور تعاون پیش کیجئے۔

منیجر رسالہ

قسط ۲

عشق رسول صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت نانوتوی رح

از حافظ محمد اقبال مانچسٹر۔ انگلینڈ

۷- رسول اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات مقدس سے جو چیز منسوب ہو جائے وہ باعظمت ہو جاتی ہے اب ایک محب کا حال یہ ہونا چاہئے کہ محبوب جس چیز سے خوش ہو اس سے یہ بھی خوش ہو، محبوب جس سے ناراض ہو یہ بھی اس سے ناراض ہو جائے۔ محب کے ساتھ تعلق رکھنے والی چیزوں سے محبت اور شیفتگی صحیح محبت کی علامت اور نشانی ہے۔

امرّ علی الدیار دیار لیلی　　اقبّل ذا الجدار و ذا الجدار

وماحب الدیار شغفن قلبی　　ولکن حب من سکن الدیار

حضرت نانوتوی کا ارشاد ملاحظہ کیجئے۔

رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے نسبت کی وجہ سے وہ مکانات باعظمت ہو گئے۔ وہاں کے اشخاص باعظمت ہو گئے۔ عربوں سے بغض وعناد رکھنا نفاق کی علامت ہے اور ان سے الفت اور محبت کی پینگیں بڑھانا ایمان کی علامت ہے۔

(ماہنامہ دارالعلوم فروری ۱۹۵۶ء)

سرزمین عرب اور اہالیان عرب سے یہ تعلق کیوں؟ صرف اسی وجہ سے کہ محبوب یہاں مقیم ہے۔ محبوب کا در اور گھر ہے اور یہ لوگ محبوب کے شہر کے باشندے ہیں۔ اس لئے ان سے بھی محبت اور عشق علامت محبت وعشق محبوب ہے۔

۸ - حضرت نانوتویؒ کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ قلبی تعلق کتنا تھا؟ اور آپ کے نام اقدس کی ان کے دل میں کس قدر عظمت تھی - اس کا اندازہ کیجئے کہ اسم گرامی جناب رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کا سُنکر لرزہ بدن میں پڑجاتا تھا اور چہرہ کا رنگ متغیر ہوجاتا تھا اور ایک عجیب حالت نمایاں ہوتی تھی جو معرضِ بیان میں نہیں آسکتی۔ (سوانح قاسمی جلد ۱ صـ۲۸۲)

۹ - حضرت نانوتویؒ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر درود وسلام کی خود بھی کثرت فرماتے تھے اور اپنے معتقدین ومتوسلین کو بھی اسی کی نصیحت ووصیت فرماتے تھے۔ ایک جگہ لکھتے ہیں کہ:-

درود شریف کی جتنی کثرت ہوسکے اتنی بہتر ہے۔ (مکتوبات اکابر صـ۵۴)

۱۰- حضرت نانوتویؒ کے نزدیک اصل علم قرآن وحدیث ہی تھا۔ رامپور کے ایک وعظ میں آپ نے ارشاد فرمایا کہ لوگوں نے معقول معقول پکار رکھا ہے۔ اصل علم تو قرآن وحدیث میں ہے۔ (حسن العزیز جلد ۱ صـ۳۸)

۱۱- حضرت نانوتویؒ کے نزدیک نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی احادیث مبارکہ کو کسی طرح کا بھی تغیر وتبدل کرنا خدا تعالیٰ کے غضب کو دعوت دینا ہے۔ آپ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی احادیث مبارکہ کا مقام یوں بیان فرماتے ہیں کہ

تمام امّت (کے لوگوں) کو عالم ہوں یا جاہل فقیر باصفا ہوں یا دنیادار خدا تعالیٰ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادات میں عقائد ہوں یا اعمال۔ قواعد کلیہ ہوں یا صور جزئیہ تبدل وتغیر کمی بیشی کا اختیار نہیں اور کریں تو خدا تعالیٰ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مغضوب اور خلائق کے نزدیک بحکم عقل مغلوب ہوں گے۔ (سوانح قاسمی جلد ۲ صـ۵۹)

۱۲- حضرت نانوتویؒ کے نزدیک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی احادیث بھی وحی ہیں۔

آپ فرماتے ہیں۔

اہل اسلام بھی اس بات کے قائل ہیں کہ مضامین احادیث وحی سے متعلق ہیں پر الفاظ وحی میں نہیں آتے۔ چنانچہ اسی وجہ سے قرآن وحدیث کو باہم ممتاز سمجھتے ہیں اور قرآن شریف کو جو نماز میں پڑھتے ہیں اور احادیث کو نہیں پڑھتے تو اس کی بھی یہی وجہ ہے کہ وہ گویا ہم کلامی خدا ہے۔ اس وقت وہی الفاظ چاہئیں جو خدا کے یہاں سے آئے ہیں۔ (حجۃ الاسلام ص۱۲)

ایک جگہ فرماتے ہیں ہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا کہا خدا ہی کا کہا ہے —— جو کچھ آپ کی زبان پر جاری ہوا وہ سب القائے ربانی تھا۔ (ھدیۃ الشیعہ ص۵۵ ص۵۶)

حضرت نانوتویؒ کے اس علمی کلام کو سامنے رکھئے آپ کا عقیدہ یہی تھا کہ احادیث مبارکہ کے مضامین بھی وحی سے ہی ماخوذ ہیں یہ الگ بات ہے کہ قرآن کریم وحی متلو ہے اسکے الفاظ بھی منجانب اللہ ہیں۔ اور احادیث وحی غیر متلو ہیں یعنی الفاظ آپؐ کے ہیں البتہ مضامین خدا کی طرف ہی سے القاء کئے گئے ہیں۔

۱۲۔ حضرت نانوتویؒ احادیث مبارکہ کی سند اور منکرینِ حدیث کو تازیانہ عبرت دیتے ہوئے فرماتے ہیں کہ اہل اسلام کے پاس احادیث کی سندیں من اوّلہ الی آخرہ موجود اس زمانہ سے لیکر اوپر تک تمام راویوں کا سلسلہ تبلا سکتے ہیں اور ظاہر ہے کہ یہ بات کس قدر موجب اعتبار ہے علاوہ بریں جس زمانہ تک احادیث متواتر تھیں اس زمانہ تک کے راویوں کے احوال مفصّل بتلا سکتے ہیں۔ (حجۃ الاسلام ص۲۵)

(۱۳) آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی پیشین گوئیوں کے سلسلہ میں ارشاد فرماتے ہیں کہ:

ہمارے پیغمبر آخر الزماں صلی اللہ علیہ وسلم کی پیشین گوئیاں بھی اس قدر ہیں کہ کسی اور نبی کی نہیں کسی صاحب کو دعویٰ ہو تو مقابلہ کرکے دیکھیں جن میں سے کثرت سے صادق بھی ہو چکی ہیں۔ مثلاً خلافت کا ہونا حضرت عثمانؓ اور حضرت حسینؓ

کا شہید ہونا۔ حضرت حسنؓ کے ہاتھ پر دو گروہ اعظم کا صلح ہو جانا۔ ملک کسریٰ اور ملک روم کا فتح ہونا۔ بیت المقدس کا فتح ہونا۔ مروانیوں اور عباسیوں کا بادشاہ ہونا نار حجاز کا ظاہر ہونا۔ ترکوں کے ہاتھ سے اہل اسلام پر صدمات کا نازل ہونا جیسا چنگیز خاں کے زمانہ میں ظاہر ہوا۔ اور سوا ان کے بہت سی باتیں ظہور میں آچکی ہیں۔ ادھر وقائع ماضیہ کا یہ حال کہ باوجود اتمی ہونے اور کسی عالم نصرانی یا عالم یہودی کی صحبت کے نہ ہونے کے وقائع انبیاء سابقہ کے احوال کا بیان فرمانا ایسا روشن ہے کہ بجز متعصب ناانصاف اور کوئی انکار نہیں کرسکتا۔ (حجۃ الاسلام ص۳۲)

۱۴۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اخلاق عالیہ کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ:

اب اخلاق کو دیکھئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کہیں کے بادشاہ یا امیر نہ تھے آپ کا افلاس ایسا نہیں جو کوئی نہ جانتا ہو اس پر اپنے لشکر کی فراہمی جس نے اوّل تو تمام ملک عرب کو زیر و زبر کر دیا اور پھر فارس اور روم اور عراق کو چند عرصہ میں تسخیر کر لیا۔ اور اس پر معاملات میں وہ شائستگی رہی کسی لشکری نے سوائے مقابلہ جہاد کسی کی ایذا رسانی کسی طرح گوارا نہ کی۔ بجز تسخیر اخلاق اور کسی وجہ پر منطبق نہیں آسکتی۔ القصہ آپ کے علم و اخلاق کے دلائل قطعیہ کے آثار تو اب تک موجود ہیں اس پر بھی کوئی نہ مانے تو وہ جانے۔ (حجۃ الاسلام ص۳۳)

(۱۵) آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے معجزات علمی کے سلسلہ میں فرماتے ہیں کہ۔

الغرض معجزات علمی میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور سب سے زیادہ ہیں..... اسلئے کہ وہ نبی جس کے پاس معجزہ علمی ہو تمام ان نبیوں سے اعلیٰ درجہ میں ہوگا جو معجزہ عملی رکھتے ہوں گے۔ کیونکہ جس درجہ کا معجزہ ہوگا وہ معجزہ اس بات پر دلالت کرے گا کہ صاحب معجزہ اس درجہ یکتائے روزگار ہے اور اس فن میں بڑا

بڑا سردار ہے۔ اس لئے ہمارے حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی افضلیت کا اقرار بشرط فہم وانصاف ضرور ہے۔ (حجۃ الاسلام ص۳۴)

اس عبارت کو پڑھئے حضرت نانوتوی کے نزدیک تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم تمام انبیاء کرام سے اعلیٰ اور سردار ہیں مگر افسوس کہ کچھ ناسمجھوں یا کہئے نادانوں نے خدا معلوم کن مصالح کے پیش نظر حضرت نانوتویؒ پر تیغ تکفیر بے نیام کی تھی؟

ایک اور جگہ فرماتے ہیں:۔

۱۶:۔ باعتبار معجزات علمیہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا اور انبیاء سے بڑھا رہنا۔ تو بحکم انصاف ظاہر و باہر ہو گیا بلکہ اس ضمن میں بعض معجزات عملی کی رُو سے بھی آپ کی فوقیت اور انبیاء پر واضح وآشکار ہو گئی اس لئے کہ درختوں کا چلنا اور ستون کا رونا من جملہ اعمال ہے منجملہ علوم نہیں گو بایں اعتبار کہ اعمال اختیاری اور درد وزاری کیلئے اوّل ادراک وشعور اور حیات کی ضرورت ہے۔ ان اعمال سے اوّل انھیں وقائع میں ظہور معجزہ علمیہ بھی ہو گیا۔ (حجۃ الاسلام ص۳۹)

پھر معجزات عملی کا بیان شروع کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ:۔

۱۷۔ اہل انصاف کی خدمت میں یہ گذارش ہے کہ کسی قدر اور گذارش بھی سن لیں تاکہ فوقیت محمدی باعتبار معجزات عملی بھی ظاہر ہو جائے (ص۳۹)

۱۸۔ اس کی تفصیل کے بعد فرماتے ہیں۔

۱۹۔ حضرت نانوتویؒ کے نزدیک رحمۃ للعالمین صلی اللہ علیہ وسلم کا دست مبارک منبع فیوض لاانتہا تھا۔ تحریر فرماتے ہیں:۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام کی برکت سے اگر پتھر میں سے پانی نکلتا تھا تو یہاں دست مبارک میں سے نکلتا تھا اور ظاہر ہے کہ پتھروں سے پانی کا نکلنا اتنا عجیب نہیں جتنا گوشت پوست میں سے نکلنا عجیب ہے۔ اس پر حضرت موسیٰ علیہ السلام کے

معجزہ میں پتھر کے پانی کے نکلنے سے یہ ثابت نہیں ہوتا کہ جسم مبارک موسوی کا یہ کمال تھا اور یہاں یہ ثابت ہوتا ہے کہ دست مبارک محمدی منبع فیوض لا انتہا ہے الخ (حجۃ الاسلام ص۳۹)

۲۰۔ حضرت نانوتویؒ کے نزدیک خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم کا جسم مبارک منبع البرکات ہے۔ آپ فرماتے ہیں کہ :-

حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھ لگانے سے ٹوٹی ہوئی ٹانگ کا فی الفور صحیح وسالم ہوجانا اور بگڑی ہوئی آنکھ کا آپ کے ہاتھ لگاتے ہی اچھا ہوجانا فقط یوں ہی بیماروں کے اچھے ہوجانے سے کہیں زیادہ ہے۔ کیونکہ وہاں تو اس سے زیادہ کیا ہے کہ خداوند عالم نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے کہتے ہی بیماروں کو اچھا کر دیا۔ کچھ برکت جسمانی حضرت عیسیٰ علیہ السلام نہیں پائی جاتی اور یہاں دونوں موجود ہیں کیونکہ اصل فاعل تو پھر بھی خداوند عالم ہی رہا پر بواسطہ جسم محمدی اس اعجوبہ کا ظاہر ہونا بے شک اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ آپ کا جسم مقدس منبع البرکات کا ہے۔ (حجۃ الاسلام ص۴۱)

۲۱۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت کی برکات بیان کرتے ہیں کہ

حضرت موسیٰ علیہ السلام کے ید بیضا کی خوبی میں کچھ کلام نہیں۔ پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعض اصحاب کی چھڑی کے سر پر بطفیل جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اندھیری رات میں جب وہ آپ کی خدمت سے رخصت ہونے لگے روشنی ہوگئی وہ جانے والے دو شخص تھے جہاں سے راہ جدا ہوئی وہاں سے وہ روشنی دونوں کی ساتھ ہوئی۔ اب خیال فرمائیے دست مبارک موسیٰ علیہ السلام اگر جیب میں ڈالنے کے بعد بوجہ قرب قلب منور روشن ہوا تھا تو اول ...... تو وہ بنی دوسرے نور قلب کا قرب وجوار جیسے بوجہ قرب ارواح اجسام میں ان کے

مناسب حیات آجاتی ہے۔ ایسے ہی اگر بوجہ قرب نور قلب دست موسوی میں اس کے مناسب نور آجائے تو کیا دور ہے۔ یہاں تو وہ دونوں صاحب نہ نبی تھے نہ ان کی لکڑی کو قلب سے قرب وجوار نہ اخذ فیض میں وہ قابلیت جو بدن میں بہ نسبت روح ہوتی ہے۔ فقط برکت صحبت صلی اللہ علیہ وسلم تھی۔
(حجۃ الاسلام ص۴۳)

۲۲۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم جس جگہ بیٹھ جائیں جس پر نظر کرم فرما دیں۔ جس دسترخوان پر بیٹھ کر طعام تناول فرمالیں۔ اس کی شان ہی نرالی ہو جاتی ہے۔ حضرت نانوتویؒ فرماتے ہیں کہ:۔

آتش نمرود نے اگر جسم مبارک حضرت ابراہیم علیہ السلام کو نہ جلایا تو اتنا تعجب انگیز نہیں جتنا اس دسترخوان کا آگ میں نہ جلنا جو حضرت انسؓ کے پاس بطور تبرک نبوی تھا وہ بھی ایک بار نہیں بارہا اس قسم کا اتفاق ہوا کہ جہاں میل چکناہٹ زیادہ ہوگیا۔ جبھی آگ میں ڈال اور جب میل چکناہٹ جل گیا جبھی نکال لیا۔ خیال فرمائیے کہ ایک تو آدمی کا نہ جلنا اتنا موجب تعجب نہیں جتنا کھجور کے پٹھوں کے دسترخوان کا اور وہ بھی ایسا جس پر عجب نہیں چکناہٹ بھی ہوتا ہو۔ دوسرے حضرت ابراہیم علیہ السلام اور دسترخوان میں زمین و آسمان کا فرق وہ خود بھی نبی اور نبی بھی کیسے خلیل اللہ اور وہاں دسترخوان میں فقط اتنی بات کہ گہ و بیگاہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے رکھا گیا اور آپ نے اس پر کھانا کھایا ہو (حجۃ الاسلام ص۴۴)

حضرت نانوتویؒ ان تمام مثالوں اور تفصیلات کے بعد یہ نتیجہ اخذ کرتے ہیں کہ:۔

الحاصل معجزات عملی میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہی سب میں فائق ہیں (ص۴۴)

۲۳۔ حضرتؒ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی فضیلت بیان فرماتے ہوئے ارشاد فرماتے ہیں کہ:۔

۱۔ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو متکلم کی جانب مانا تو وہی افضل ہوں گے (ص ۳۷)

۲۔ (یہ واقعہ) اور بھی افضلیت محمدی صلی اللہ علیہ وسلم پر دلالت کرتا ہے۔ (ص ۳۷)

۳۔ تاثیرات صفت کلام میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حضرت موسیٰ اور حضرت عیسیٰ سے بڑھے ہوئے ہیں۔ (ص ۳۸)

۴۔ پنڈت دیانند سرسوتی کے ایک اعتراض کا جواب دیتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں کہ یہاں تک کہ ہمارے نزدیک بعد خدا سب میں افضل و برتر محمد رسول صلی اللہ علیہ وسلم ہیں نہ کوئی آدمی ان کے برابر نہ کوئی فرشتہ، نہ عرش، نہ کرسی، ان کے ہمسر نہ کعبہ ان کا ہم پلہ۔ (قبلہ نما ص ۵)

۲۳۔ حضرات انبیاء کرام (حضرت آدم صفی اللہ سے لیکر حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تک) کی عصمت کے متعلق ارشاد فرماتے ہیں کہ:

انبیاء کرام علیہم السلام سے قبل نبوت یا بعد نبوت نہ کوئی گناہ کبیرہ ہوتا ہے نہ صغیرہ (مجالس حکیم الامت ص ۲۱)

ایک اور جگہ فرماتے ہیں کہ:۔

(خدا تعالیٰ) اپنے مقربوں سے اور اپنے خواصوں سے فرمائے اور وہ اوروں کو پہنچائیں ایسے لوگوں کو اہل اسلام انبیاء اور پیغمبر اور رسول کہتے ہیں لیکن دنیا کے تقرب اور خواصی کے لئے سراپا اطاعت ہونا ضرور ہے۔ اپنے مخالفوں کو اپنی بارگاہ میں کون گھسنے دیتا ہے۔ اور مسند قرب پر کون قدم رکھنے دیتا ہے اسلئے یہ ضرور ہے کہ وہ مقرب جن پر اسرار اور مافی الضمیر آشکار کئے جائیں یعنی اصول احکام سے اطلاع دیجائے۔ ظاہر و باطن میں مطیع ہوں مگر جس کو خداوند علیم و خبیر باعتبار ظاہر و باطن مطیع و فرمانبردار سمجھے اس میں غلطی ممکن نہیں۔

آگے چل کر فرماتے ہیں:۔

یہ لازم ہے کہ انبیاء معصوم بھی ہوں اور مرتبہ تقرب نبوت سے برطرف نہ کئے جائیں

پھر فرماتے ہیں :۔

انبیاء کی معصومیت اور ان کی سفارش تو قرینِ عقل ہے۔ (حجۃ الاسلام صـ۲۷)

آگے چل کر اس کی تفصیل کرتے ہیں کہ :۔

بالضرور نبی میں تین باتیں ضرور ہوں گی۔ اوّل تو یہ کہ اخلاص و محبتِ خداوندی اس قدر ہو کہ ارادہ معصیت کی گنجائش ہی نہ ہو۔ دوسرے یہ کہ اخلاق حمیدہ و پسندیدہ ہوں۔ تیسری بات جواز قسیم دوم ہے وہ خوبی عقل و فہم ہے کیونکہ اوّل تو بدفہمی خود ایک ایسا عیب ہے کہ کیا کہئے دوسرے تقرب مقربین خود اسی غرض سے ہوتا ہے کہ بات کہئے تو سمجھ جائیں اور سمجھ کر خود بھی تعمیل کریں اور اوروں سے بھی کرائیں (حجۃ الاسلام صـ۲۹)

امت کو جس قدر علم و فہم نصیب ہوتا ہے۔ وہ انبیاء کرام کا صدقہ اور انھیں کے علوم سے ماخوذ ہوتا ہے۔ انبیاء کرام خدا سے لیتے ہیں اور امت کو دیتے ہیں۔

حضرت نانوتوی رح فرماتے ہیں کہ :۔

انبیاء علیہم السلام خدا اور امت کے بیچ میں ایسے ہوں گے جیسے آفتاب کے اور زمین کے بیچ میں قمر یعنی جیسے نور قمر آفتاب سے ماخوذ ہوتا ہے اور زمین تک پہنچتا ہے۔ اور درحقیقت مادۂ نورانی زمین وہ نور نور قمری ہوتا ہے ایسے ہی مادہ علم و فہم امت انبیاء ہی سے ماخوذ ہوتا ہے مگر مادہ علم فہم وہی عقل ہے اس صورت عقل و فہم امت بالضرور مثل چاندنی جو پرتو نور قمر ہوتی ہے پرتو عقل و فہم انبیاء علیہم السلام ہوگا اور اس وجہ سے یہ لازم ہے کہ مادہ حیات امت بھی انبیاء کی حیات سے ماخوذ ہو کیونکہ عقل حیات سے جدا نہیں ہو سکتی یعنی یہ نہیں ہو سکتا کہ حیات نہ ہو اور عقل ہو اور جب حیات امت حیات انبیاء سے

ماخوذ ہوئی تو بالضرور تمام اخلاق امت، اخلاق انبیاء سے ماخوذ ہوں گے۔ بشرطیکہ امت گمراہ نہ ہو۔ الخ۔ (حجۃ الاسلام صـ۳۰)

دور جاہلیت کا نقشہ پیش کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ:۔

ملک عرب کی جہالت اور درشت مزاجی اور گردن کشی کون نہیں جانتا۔ جس قوم میں ایسی جہالت ہو کہ کوئی آسمانی کتاب ہو نہ غیر آسمانی اور اخلاق کا یہ حال کہ قتل کر دینا ایک بات ہو۔ فہم کی یہ کیفیت کہ پتھروں کو اٹھا لائے اور پوجنے لگے۔ گردن کشی کی یہ صورت کہ کسی بادشاہ کے مطیع نہ ہوئے۔ جفاکشی کی یہ نوبت کہ ایسے خشک ملک میں شاد و خرم عمر گذاریں۔ ایسے جاہلوں گردن کشوں کو راہ پر لانا دشوار ہی تھا۔

مگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان میں کیا انقلاب پیدا فرمایا۔ ان کو کیا سے کیا بنا دیا۔ یہ آپ کا ہی فیض ہے کہ انھیں فرش سے اٹھا کر............ عرش تک پہنچا دیا۔ انھیں قابلِ رشک بنا دیا۔ حضرت نانوتویؒ کی زبان سے سنئے۔

علوم الہیات و اخلاق و سیاست مدن میں۔ اور علم معاملات و عبادات میں رشک افلاطون و ارسطو اور دیگر حکمائے نامدار بنا دیا۔ اعتبار نہ ہو تو اہلِ اسلام کے کتب اور ان کے کتب کا موازنہ کر کے دیکھیں مطالعہ کنانِ کتب فریقین کو معلوم ہوگا کہ ان علوم میں اہل اسلام تمام عالم کے علماء پر سبقت لے گئے۔ نہ یہ تدقیقات کہیں ہیں نہ یہ تحقیقات کہیں ہیں۔

جب اس امت کے علماء و فقہاء کا یہ حال ہے تو خود سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے علوم مبارکہ کا کیا مقام اور کیا شان ہوگی۔ خود حضرت نانوتویؒ بھی فرماتے ہیں کہ:

جن کے شاگردوں کے علوم کا یہ حال ہے تو خود موجد علوم کا کیا حال ہوگا اگر یہ بھی معجزہ نہیں تو اور کیا ہے۔ صاحبو! انصاف کرو۔ حجۃ الاسلام صـ۳۱)

جو لوگ علمائے دیوبند پر بلا سوچے سمجھے یہ اعتراض کر دیتے ہیں کہ علمائے دیوبند نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے علوم کے قائل نہیں۔ انھیں اس الزام سے توبہ کرنی چاہیئے۔ حضرت نانوتویؒ نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے علوم مبارکہ کے سلسلہ میں جو بیان دیا ہے۔ اسی سے اندازہ کیا جاسکتا ہے کہ علمائے دیوبند کا اس بارے میں کیا عقیدہ ہے۔ حضرت نانوتویؒ کے دیگر رسائل میں بھی اس امر کی وضاحت بصراحت موجود ہے۔ یہاں بغرض اختصار حضرت کی صرف ایک تقریر کے چند اقتباسات پیش کئے گئے ہیں۔

(جاری)

حدیث رسول صلی اللہ علیہ وسلم

عن انسؓ قالَ قال رَسُول اللہ صَلی اللہ عَلیہ وسَلم مَن اَحبَّ اَن یبسط لہٗ رزقہٗ وینسالہ فی اثرہ فلیصل رحمہ (متفق علیہ)

(ترجمہ) حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو کوئی پسند کرے کہ اس کے رزق میں فراخی اور وسعت ہو جائے، اور دُنیا میں اس کے آثار قدم تادیر باقی رہیں (یعنی اس کی عمر دراز کر دی جائے) تو وہ (اہل قرابت کے ساتھ) صلہ رحمی کرے

اسلام نے رشتہ داروں کے ساتھ اور حسن سلوک اور ان کے حقوق کی ادائیگی پر بہت زور دیا ہے۔ قرآن حکیم اور احادیث رسول صلی اللہ علیہ وسلم میں جا بجا اس کی تاکید آئی ہے۔ صلہ رحمی کی دو صورتیں ہیں ایک یہ کہ آدمی اپنی کمائی سے اہل قرابت کی مالی خدمت کرے۔ دوسرے اپنے وقت اور زندگی کا کچھ حصہ ان کے کاموں میں صرف کرے۔ اس کے عوض مال میں وسعت اور زندگی کی مدت میں اضافہ و برکت بالکل قرین قیاس اور اللہ تعالیٰ کی حکمت و رحمت کے عین مطابق ہے۔ صلہ رحمی اور اہل حق کے حقوق کی ادائیگی ایک بڑا فائدہ یہ بھی ہے کہ خاندانی جھگڑے اور خانگی الجھنیں اس کی وجہ سے رونما نہیں ہوتے۔ اور زندگی نہایت اطمینان سے بسر ہوتی ہے۔

(ایک صاحب خیر)

قسط ۔۲

مولانا مودودی کی تحقیق حدیثِ دجّال پر ایک نظر

مولانا عبدالدیّان اعظمی

مترشح عقیدہ کی تردید

(۱) خیالات کی پیروی مولانا نے اپنی تحقیق میں جس بات کا تاثر دینے کے لئے اپنی ساری کوشش صرف کی ہے وہ یہ ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم وحی الٰہی کے ساتھ ساتھ اپنے قیاس وخیال کے زیر اثر بھی کلام فرماتے تھے۔ چنانچہ ان کا کہنا ہے کہ دجال کے زمان ومکان وغیرہ کے بارے میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو کوئی علم نہیں دیا گیا تھا آپ نے ان کے متعلق بغیر علم ہی کے اپنے قیاس وخیال سے خبریں دیں۔ اسی لئے مولانا اپنے بیان میں جابجا قیاس وگمان اور خیال واندیشے وغیرہ کے الفاظ لا رہے ہیں۔ مثلاً فرماتے ہیں۔

(الف) ان امور کے متعلق جو مختلف باتیں حضورؐ سے احادیث میں منقول ہیں وہ دراصل آپ کے قیاسات ہیں جن کے بارے میں آپ خود شک میں تھے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے (یہ باتیں) بربنائے وحی نہیں بلکہ بربرائے ظن وقیاس ارشاد فرمائیں۔

(ب) کبھی آپؐ نے یہ خیال ظاہر فرمایا کہ دجّال خراسان سے اٹھے گا۔ کبھی یہ کہ اصفہان سے کبھی یہ کہ شام وعراق کے درمیانی علاقے سے۔

(ج) پھر کبھی آپؐ نے ابن صیاد پر (جو مدینہ ہی میں تھا) یہ شبہ کیا کہ شاید یہی دجال ہو۔

(د) (پھر قصہ تمیم سن کر آپؐ نے) اپنے شک کا اظہار فرمایا کہ میں خیال کرتا ہوں کہ وہ مشرق سے ظاہر ہوگا۔

(ﮦ) آپؐ کا گمان وہ چیز نہیں جس کے صحیح نہ ثابت ہونے سے ....

(و) کیا ساڑھے تیرہ سو برس کی تاریخ نے یہ ثابت نہیں کر دیا کہ حضورؐ کا اندیشہ صحیح نہیں تھا۔ وغیرہ وغیرہ۔

یہ بار بار قیاس وگمان اور خیال و اندیشے کے الفاظ دیکھ کر طبعاً سوال پیدا ہوتا ہے کہ "کیا حضور صلی اللہ علیہ وسلم اپنی امت کو کسی بات کی خبر دینے میں۔ اپنے خیال وقیاس کی پیروی کے لئے آزاد تھے"؟ اور کیا یہ صحیح ہے کہ "رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ماسوا اس وحی کے جو ان کے پاس خدا کی طرف سے آئی تھی خود اپنے بھی کچھ خیالات رکھتے تھے اور ان خیالات کے زیر اثر کام کرتے تھے"؟

ہم تو جواب یہی دیں گے کہ یہ صحیح نہیں اور ہمارے جواب کی دلیل مندرجہ ذیل آیتیں ہوں گی۔

(۱) وَلَا تَقْفُ مَا لَيْسَ لَكَ بِهٖ عِلْمٌ

(۲) وَمَنْ اَضَلُّ مِمَّنِ اتَّبَعَ هَوَاهُ بِغَيْرِ هُدًى مِّنَ اللّٰهِ (القصص ۵۰)

(۳) وَمَا يَنْطِقُ عَنِ الْهَوٰى ۔ ان هو الا وحى يوحىٰ (النجم)

(۴) قل انما اتبعُ ما يوحىٰ اِلَىَّ مِنْ رَّبِّىْ (الاعراف ۲۰۳)

مگر یہ تو ہم کہہ رہے ہیں اور ہماری سنتا ہی کون ہے
کون سنتا ہے کہانی میری ٭ اور پھر وہ بھی زبانی میری

لہٰذا بہتر ہوتا کہ خود مولانا ہی کا کوئی بیان اس سلسلے میں مل جاتا تاکہ حجت تمام

ہو جاتی۔ اچھا لیجئے مولانا کی مایہ ناز کتاب "ترجمان القرآن منصب رسالت نمبر" کا صفحہ ۲۶۲، ۲۶۳ اور صفحہ ۳۱۰، ۳۱۱ دیکھئے ص ۲۶۲، ص ۲۶۳ پر فاضل جج محمد شفیع صاحب مغربی پاکستان کا یہ قول نقل ہے کہ۔

"۔۔۔۔۔ محمد رسول اللہ۔۔۔۔۔۔(صلعم) انسان ہونے کی حیثیت سے ماسوا اس وحی کے جو ان کے پاس خدا کی طرف سے آئی تھی وہ خود اپنے بھی کچھ خیالات رکھتے تھے اور اپنے ان خیالات کے زیر اثر وہ کام کرتے تھے یہ صحیح ہے کہ محمد رسول اللہ نے کوئی گناہ نہیں کیا مگر وہ غلطیاں تو کر سکتے تھے اور یہ حقیقت خود قرآن میں تسلیم کی گئی ہے۔"

فاضل جج کے اس قول کا جواب مولانا ص ۳۱۰، ص ۳۱۱ پر اس عنوان کے ساتھ دے رہے ہیں کہ "کیا حضورؐ اپنے خیالات کی پیروی کے لئے آزاد تھے؟" اور اس عنوان کے تحت اپنے بیان میں ثابت کر رہے ہیں کہ فاضل جج کا یہ قول نہ قرآن کے مطابق ہے اور نہ عقل اس کو باور کرتی ہے۔ مولانا کا پورا بیان مع عنوان آگے ملاحظہ ہو۔

(مولانا کا بیان ماخوذ از منصب رسالت نمبر ص ۳۱۰، ۳۱۱)

کیا حضورؐ اپنے خیالات کی پیروی کیلئے آزاد تھے؟

پھر فاضل موصوف کا یہ ارشاد شدت کے ساتھ نظر ثانی کا محتاج ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم "ماسوا اس وحی کے جو ان کے پاس خدا کی طرف سے آئی تھی خود اپنے بھی کچھ خیالات رکھتے تھے اور ان خیالات کے زیر اثر کام کرتے تھے" یہ بات نہ قرآن سے مطابقت رکھتی ہے اور نہ عقل اس کو باور کر سکتی ہے۔ قرآن مجید بار بار اس امر کی صراحت کرتا ہے کہ رسول ہونے کی حیثیت سے جو فرائض حضور پر عائد کئے گئے تھے اور جو خدمات

آپ کے سپرد کی گئی تھیں ان کی انجام دہی میں آپ اپنے ذاتی خیالات و خواہشات کے مطابق کام کرنے کیلئے آزاد نہیں چھوڑ دئے گئے تھے بلکہ آپ وحی کی رہنمائی کے پابند تھے۔ اِنْ اَتَّبِعُ اِلَّا مَا یُوْحٰی اِلَیَّ (الانعام ۵۰) قل اِنَّمَا اَتَّبِعُ مَا یُوْحٰی اِلَیَّ مِنْ رَّبِّی (الاعراف ۲۰۳) مَا ضَلَّ صَاحِبُکُمْ وَمَا غَوٰی وَمَا یَنْطِقُ عَنِ الْهَوٰی اِنْ هُوَ اِلَّا وَحْیٌ یُّوْحٰی (النجم۔۲-۳-۴) رہی عقل، تو وہ کسی طرح یہ نہیں مان سکتی کہ ایک شخص کو خدا کی طرف سے رسول بھی مقرر کیا جائے اور پھر اُسے رسالت کا کام اپنی خواہشات ورجحانات اور ذاتی آراء کے مطابق انجام دینے کے لئے آزاد بھی چھوڑ دیا جائے ایک معمولی حکومت بھی اگر کسی شخص کو کسی علاقے میں وائسرائے یا گورنر یا کسی ملک میں اپنا سفیر مقرر کرتی ہے تو وہ اُسے اپنی سرکاری ڈیوٹی انجام دینے میں خود اپنی مرضی سے کوئی پالیسی بنا لینے اور اپنے ذاتی خیالات کی بنا پر بولنے اور کام کرنے کے لئے آزاد نہیں چھوڑ دیتی اتنی بڑی ذمہ داری کا منصب دینے کے بعد اس کو سختی کے ساتھ حکومت بالادست کی پالیسی اور اس کی ہدایات کا پابند کیا جاتا ہے۔ اسکی سخت نگرانی رکھی جاتی ہے کہ وہ کوئی کام سرکاری پالیسی اور ہدایات کے خلاف نہ کرنے پائے جو معاملات اس کی صوابدید پر چھوڑے جاتے ہیں۔ ان میں بھی گہری نگاہ سے یہ دیکھا جاتا ہے کہ وہ اپنی صوابدید کو ٹھیک استعمال کر رہا ہے یا غلط اس کو صرف وہی ہدایات نہیں دی جاتیں جو پبلک میں پیش کرنے کے لئے یا جس قوم کی طرف وہ سفیر بنایا گیا ہے اُسے سُنانے کیلئے ہوں بلکہ اُسے خفیہ ہدایات بھی دی جاتی ہیں جو اس کی اپنی رہنمائی کے لئے ہوں۔ اگر وہ کوئی بات حکومت بالادست کے منشاء کے خلاف کر دے تو اس کی فوراً اصلاح کی جاتی ہے یا اُسے واپس بلا لیا جاتا ہے۔ دنیا اس کے اقوال وافعال کے لئے اس

حکومت کو ذمہ دار ٹھہراتی ہے۔ جس کی وہ نمائندگی کر رہا ہے۔ اور اس کے قول و فعل کے متعلق لازماً یہ سمجھا جاتا ہے۔ اسے اس کی مقرر کرنے والی حکومت کی منظوری حاصل ہے یا کم از کم یہ کہ حکومت اس کو ناپسند نہیں کرتی۔ حد یہ کہ اس کی پرائیوٹ زندگی تک کی برائی اور بھلائی اس حکومت کی نامودری پر اثرانداز ہوتی ہے جس کا وہ نمائندہ ہے اب کیا خدا ہی سے اس بے احتیاطی کی امید کی جائے۔ وہ ایک شخص کو اپنا رسول مقرر کرتا ہے۔ دنیا بھر کو اس پر ایمان لانے کی دعوت دیتا ہے۔ اُسے اپنی طرف سے نمونے کا آدمی ٹھہراتا ہے۔ اس کی بے چون وچرا اطاعت اور اس کے اتباع کا بار بار تاکید حکم دیتا ہے۔ اور یہ سب کچھ کرنے کے بعد اُسے چھوڑ دیتا ہے کہ اپنے ذاتی خیالات کے مطابق جس طرح چاہے رسالت کی خدمات انجام دے۔

(ترجمان القرآن جلد ۵۶ عدد ۶ منصب رسالت نمبر ص۳۱۰، ص۳۱۱)

مولانا کے اس جواب کے بعد کیا اب خود مولانا سے یہ پوچھا جا سکتا ہے کہ۔

۱۔ حضرت محترم! تحقیق میں جو آپ نے بار بار ارشادات رسول کے متعلق قیاس وخیال وغیرہ کے الفاظ استعمال کئے ہیں۔ تو کیا حضور صلی اللہ علیہ وسلم اپنے قیاس وخیال کی پیروی کے لئے آزاد تھے جو بغیر علم کے اپنے خیال سے کبھی یہ فرمایا کبھی وہ۔

۲۔ اور کیا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے یہ سب فرمانے پر اللہ تعالیٰ نے نگرانی بھی نہیں فرمائی۔ اور ایسی ایسی باتیں فرمانے کیلئے آزاد چھوڑ دیا۔ جو ساڑھے تیرہ سو برس بعد چل کر غلط نکل گئیں۔

۳۔ کیا اب خدا ہی سے اس بے احتیاطی کی امید کی جائے کہ وہ ایک شخص کو اپنا رسول بھی مقرر کرے۔ دنیا بھر کو اس پر ایمان لانے کی دعوت بھی دے۔ اُسے اپنی طرف سے نمونے کا آدمی اور امت کے لئے معیار حق بھی ٹھہرائے۔ اور اس کی بے چون وچرا اطاعت اور اس کے اتباع کا بار بار حکم بھی دے۔ اور عام فرمان نازل کرے کہ

وَمَا اٰتٰكُمُ الرَّسُوْلُ فَخُذُوْهُ وَمَا نَهٰكُمْ عَنْهُ فَانْتَهُوْا (جو کچھ رسول تم کو دیں۔ اس کو لے لو اور جس چیز سے تم کو منع کریں۔ اُس سے رُک جاؤ۔) اور یہ سب کرنے کے بعد اُسے اپنے خیالات کی پیروی کے لئے آزاد چھوڑ دے کہ جا اور اپنے ذاتی خیالات وخواہشات کے مطابق جس طرح چاہے رسالت کی خدمات انجام دے اور جو باتیں جی میں آئیں کہہ۔ ایسی ایسی باتیں جن کے صحیح ہونے کی کوئی گارنٹی نہ ہو اور نہ جن سے اسلام کی صحیح نمائندگی ہو رہی ہو۔ بلکہ جو ساڑھے تیرہ سو برس بعد غلط اور بے بنیاد ثابت ہو جائیں۔ جب کہ ایک معمولی حکومت بھی اپنے وائسرائے اور گورنر وغیرہ کے ساتھ ایسا نہیں کرتی۔

۴۔ جب خدا نے بر وقت حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادات کی اصلاح نہیں فرمائی۔ تو کیا ہم اس سے یہ نتیجہ نہیں نکال سکتے کہ یہ ارشادات خدا کے منشاء کے خلاف نہیں بلکہ ان کو خدا کی منظوری حاصل ہے؟ ۔ فتدبروا ۔ (جاری)

(بقیہ صفحہ ۴۴) خوب واقف تھے۔ خصوصاً عربی اور ترکی زبانوں میں مہارت کا درجہ رکھتے تھے۔ اٹھارویں صدی میں اسلام قرآن۔ اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پر روس میں بہت سی کتابیں لکھی گئیں، روسیوں میں یہ کتابیں خوب رائج ہوئیں، جس کا اثر یہ ہوا کہ روسی روزناموں، ہفت روزے اور ماہانہ جرائد میں عرب کی تاریخ پر مضامین شائع ہونے لگے۔ نیز عربی نظم ونثر اور کتابوں کا ترجمہ بھی وقتاً فوقتاً چھپتا رہا۔
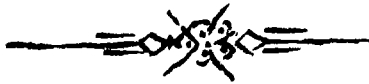
روس میں ترجمۂ قرآن کریم

ڈاکٹر جابر الجابر، ترجمہ — مولانا ابوالکلام قاسمی شمسی سلیم۔

شروع اسلام میں قرآن شریف کو نئے مسلمانوں کو سکھانے کی کوشش کی جاتی۔ لیکن عجم کے باشندوں کو قرآن سمجھنے اور غور وفکر کرنے سے زبان حائل ہوجاتی تو بعض ماہرین فن نے قرآن شریف کی آیتوں کا ترجمہ کیا۔ تاکہ یہ عجمی مسلمان اور غیر مسلم قرآن سمجھ سکے۔

آج ہم اپنی اسی بحث تحقیق میں مرحلہ وار روس میں ترجمۂ قرآن کی ترقیات کا جائزہ لیں گے۔ تاریخی وثائق سے معلوم ہوتا ہے کہ قرآن شریف اور اسلام گیارہویں صدی عیسوی میں روس پہنچ گیا تھا۔

ترکی کی تاریخی کتابیں اور اس وقت کی تالیفات اوّلاً روس پہنچی جو اسلام کو اور اس کی تعلیمات اور اس کی اصلی صورت کو بگاڑ کر پیش کرتی تھیں۔ اسی بنا پر روسی تاریخی کتابوں اور ان لٹریچروں نے ایک لمبی مدت تک رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور اسلامی تعلیمات کو فرضی افسانوں سے لبریز رکھا۔ لیکن شرق الاوسط (الاسلامی) کے ساتھ روس کے تجارتی اور سفارتی تعلقات جوں جوں بڑھتے گئے۔ تو روسیوں کے ذہن مسلمانوں کے متعلق آہستہ آہستہ بدلنے لگے۔

تاجر، سیاح، حجاج، روسی سفارتی کارندے۔ جب اپنے ملک لوٹتے تو مسلمانوں کی زندگی اور ان کے دین اور تاریخ کی جدید وقدیم معلومات لیکر لوٹتے۔

ان آنے والوں کے چشم دیدہ واقعات اوران کی باتیں اور اسلام اور مسلمانوں کی مسجدوں اور عیدوں اور طرز معیشت پر مفصل بیان ہوتا جس میں اسلامی احکام اوراس کے بنیادی عقائد ونظریات کے سلسلے میں بھی معلومات ہوتیں۔

پندرہویں صدی کا آخر

پندرہویں صدی کے آخر میں ایک ایسی کتاب کا روسی زبان میں ترجمہ کیا گیا جس میں دو اسلامی شہروں مکہ، مدینہ کی طویل منظر کشی کی گئی تھی۔ پندرھویں اور سترھویں صدی میں ایسی کتابوں کی مقدار اور زیادہ ہو گئی جو دینِ اسلام کے بارے میں لکھی گئیں تھیں۔ اور اسلامی قوانین اور اس کی حقیقی صورت سے زیادہ قریب تھیں۔ نیز ان کتابوں میں ان اسلامی ممالک کی تاریخ بھی شامل تھی جو روس کے مشرق اور مغرب میں واقع ہیں۔ زیادہ تر اہتمام قرآن شریف پر تحقیق اور اس کے ترجمہ کی جانب تھا۔ کیونکہ وہ مسلمانوں کی مقدس کتاب ہے۔ اسلام اور عقیدۂ توحید کا سرچشمہ ہے علاوہ ازیں وہ ایک تاریخی اہم دستاویز بھی ہے۔

مسلم ممالک سے بڑھتے ہوئے تعلقات کی بناء پر روسی شہنشاہی کی ایک بڑی رعیت یہ چاہتی تھی کہ قرآن شریف کو اپنی مادری زبان میں دیکھے۔

تاتاریوں کے حلقے جو" بلٹانیا" زبان بولتے تھے۔ جو رفتہ رفتہ اپنی مادری زبان بھول گئے۔ اور اپنی مادری جدید" بیلاراسی" زبان بولنے لگے انھوں نے بھی پندرھویں اور سترھویں صدی عیسوی میں بڑی کوششیں کیں کہ قرآن شریف کا ترجمہ ان کی اسی نئی زبان میں ہو جائے۔

لیٹ دان سے قرآن شریف کے جو مخطوطات دستیاب ہوئے ہیں۔ جو آج کل "لینگراڈ" یونیورسٹی کے کلیۃ الاشراق کے کتب خانہ میں موجود ہیں۔ عربی کے ساتھ ساتھ اس کے بین السطور میں" بیلوروسی" زبان میں ترجمہ بھی ہے۔ سترھویں صدی کے

اواخر میں پہلا معلوماتی مجموعہ جس میں صرف قرآن شریف سے بحث کی گئی تھی۔ رونما ہوا جسے امیر "بطرس الاکبر" (جو آگے چل کر روس کا بادشاہ بن گیا تھا) اور اس کے چھوٹے بھائی ایفان کیلئے قلم بند کیا گیا تھا۔ اس موقع پر مناسب ہے کہ میں بتلادوں کہ اسی کتاب نے بطرس الاکبر کو پورے قرآن شریف کو روسی زبان میں ترجمہ پر ابھارا۔

بطرس الاکبر کی کوششیں

مذکورہ بالا اسباب کے ساتھ ساتھ تجارتی اور سفارتی تعلقات جو بطرس الاکبر کے زمانہ میں مشرقی ممالک سے روبہ ترقی تھے۔

نیز شہنشاہ ایران اور حکومتِ ترکی کے ساتھ بطرس الاکبر کی طویل جنگ نے اُسے اسلام کا باقاعدگی سے مطالعہ کرنے پر متوجہ کیا۔ بطرس الاکبر نے بذاتِ خود اس بحث وتحقیق کا خاکہ تیار کیا۔ پھر اس کے اشارہ سے علمی کمیٹیاں بنیں جس نے عربی میں ڈھلے ہوئے سکے نقشے اور مخطوطات کو جمع کیا۔ بطرس الاکبر کے زمانہ میں ہی ایک مدرسہ کی بنیاد بھی پڑی۔ جس میں صرف شرق الاوسط کی زبانوں کی تعلیم دیجاتی۔ جس میں عربی زبان بھی شامل تھی۔

بطرس الاکبر نے ایک محکمہ بنایا۔ جو مشرقی تہذیب وتمدن اور ان کے مادی اور روحانی (آثار)..... کو جمع کرے۔ جس کی بنیاد کا علم سو سال بعد "ایشیا میوزیم" کے نام سے ظاہر ہوا۔ جو مشرقی علوم کا پہلا مرکز بن گیا ہے۔ اس کے علاوہ اسی بادشاہ کے حکم سے پورے قرآن شریف کا ترجمہ روسی زبان میں ہوا "جو لینگراڈ" سے ۱۷۱۶ء میں طبع ہوا۔ اسکا نام "محمد کا قرآن یا قانون ترکی" رکھا گیا۔

سترھویں واٹھارہویں صدی کے مشہور روسی عالم "پیوٹر پوسنیکوف" نے یہ ترجمہ کیا تھا۔ "پوسنیکوف" نے فرانس کے پہلے ترجمہ قرآن کریم سے روسی زبان کا یہ

پہلا ترجمہ کیا۔ فرانس کا یہ پہلا ترجمہ مستشرق فرانسی سفارت کار" اندریہ دی ریبر"
نے یہ جو پیرس سے ۱۶۴۷ء میں طبع ہوا۔ اس زمانہ میں "دی ریبر" کا یہ ترجمہ بہت
مقبول ہوا۔ اور کئی مرتبہ اس کی طباعت ہوئی۔ دی ریبر کے ترجمے کی اہمیت میں اضافہ
اس وجہ سے بھی ہوا کہ روسی زبان کے اُن دو ترجموں کی بنیاد اسی پر تھی۔ جو اٹھارہویں
صدی میں منصۂ شہود میں آئے۔ یورپی زبانوں میں بھی اس کی مدد سے کئی ترجمے
کئے گئے۔ اس کا یہ مقام اور درجہ باقی رہا۔ تاآنکہ اس سے زیادہ لطیف اور کامل
ترجمہ مستشرق، "ونیکولا دی ساخاری" نے کیا جو ۱۷۸۳ء میں پیرس سے
طبع ہوا۔"

بوسنیکوف کے ترجمہ کی اس اہمیت کے باوجود وہ اسلامی نقطۂ نظر سے بہت
دور تھا۔ مزید براں اس میں بعض ان بیجا غلط باتوں کا جو فرانسی ترجمہ میں تھیں۔
بار بار ۔۔۔۔ اعادہ کیا گیا تھا۔ علاوہ ازیں اپنی طرف سے بھی بہت سی غلطیاں جمع
کر دی گئی تھیں۔ کیونکہ مترجم فرانسی زبان پر پورے طور سے قادر نہ تھا۔ اور
نہ اسلامی تعلیمات سے اس کی واقفیت تھی۔

ترجمہ کے کچھ ہی دنوں بعد روسی زبان میں ایک دوسرا ترجمہ بھی ہوا۔ یہ بھی
فرانسیسی سے نقل کیا گیا تھا۔ سوء قسمت سے یہ ترجمہ شائع نہیں ہوا۔ اور نہ اس کے
مترجم کے بارے میں تفصیلات دستیاب ہیں کہ وہ ۔۔۔ کون تھا۔ خود اس مخطوطہ
اطلاع بھی بیسویں صدی کے آغاز میں ہوئی اور یہ ترجمہ روس کے شمال میں پایا
گیا ـــــ بوسنیکوف کے ترجمہ نے روسی علمار کو قرآن میں غور و فکر کرنے کی طرف
متوجہ کیا۔ اس کے ساتھ ساتھ بطرس اعظم نے ڈمٹری کانٹیمہ کو (جو ایک لمبی مدت
تک ترکی میں رہ چکے تھے) لکھا کہ قرآن شریف اور سرکار دو عالم (صلی اللہ علیہ وسلم)
کی حیات طیبہ کے متعلق ان کے پاس کچھ لکھیں۔ ڈمٹری کانٹیمر مشرقی زبانوں سے

(باقی صفحہ ۲۰ پر)

جدید مطبوعات

تعارف و تبصرہ کیلئے کتاب کے دو نسخے ضروری ہیں

دفاع امام ابو حنیفہؒ :- تالیف مولانا عبدالقیوم حقانی، تقطیع متوسط، کاغذ عمدہ کتابت و طباعت قابل تعریف، ٹائٹل - خوش رنگ دیدہ زیب ضخامت ۳۵۲، ناشر مؤتمر المصنفین اکوڑہ خٹک، پاکستان، قیمت ۴۵/- روپے۔

مولانا عبدالقیوم دارالعلوم حقانیہ اکوڑہ خٹک کے ممتاز فاضل اور کامیاب استاذ ہونے کے علاوہ مؤتمر المصنفین اکوڑہ خٹک کے رفیق بھی ہیں۔ موصوف درس و تدریس کے ساتھ تصنیف و تالیف اور بحث و تحقیق کا بھی ستھرا ذوق رکھتے ہیں۔ ان کے مقالات پاکستان کے علمی دینی جرائد میں چھپتے رہتے ہیں۔ ماہنامہ دارالعلوم میں بھی کئی ایک مقالات شائع ہو چکے ہیں زیر نظر کتاب موصوف کی سات سالہ محنتوں اور کاوشوں کا نتیجہ ہے۔ یہ کتاب تیرہ ابواب پر مشتمل ہے باب اول میں امام اعظم ابو حنیفہؒ کے وطن "کوفہ" کی علمی مرکزیت، حضرات صحابہ کا اس سے تعلق، امام صاحب کی تعلیم و تحصیل کی سرگذشت بعض حضرات صحابہ سے ان کی ملاقات اور ان سے اخذ حدیث و شرف تلمذ کو بیان کیا گیا ہے۔ دوسرے باب میں امام ابو حنیفہؒ کے متعلق بشارت نبوی علی صاحبہا الصلوٰۃ والتسلیم پر بحث کی گئی ہے۔ نیز فقہ حنفی کو موافق بالحدیث ہونے کو ثابت کیا گیا ہے۔ تیسرا باب امام صاحب کے درس و افادہ، تلامذہ و مستفیدین اور آپ کے درس کی شہرت و مقبولیت کے تذکرہ کے لئے مخصوص ہے۔ چوتھے باب میں امام صاحب کی محدثانہ جلالت شان، اخذ روایت میں ان کے حزم و احتیاط اور قبول حدیث میں ان کی مقرر کردہ شرائط پر روشنی ڈالی گئی ہے۔ اسی باب میں امام صاحب کے بارے میں ائمہ حدیث کے آراء و اقوال بھی نقل کئے

گئے ہیں۔ جن سے علم حدیث میں امام صاحب کی عبقریت کا پتہ لگتا ہے۔ پانچویں باب میں امام صاحب کے اوپر سے قلتِ حدیث کے اعتراض کو قوی دلائل سے دفع کیا گیا ہے۔ چھٹے اور ساتویں باب میں امام صاحب کی تصانیف ان کی افادیت واہمیت بالخصوص "کتاب الآثار" پر تفصیلی روشنی ڈالی گئی ہے۔ علاوہ ازیں امام صاحب کے اہم ترین اور محیّر العقول کارنامہ "تدوین فقہ اسلامی" پر بھی شرح وبسط سے بحث کی گئی ہے۔ یہ دونوں ابواب بطورِ خاص قابلِ مطالعہ ہیں۔ آٹھویں باب میں امام صاحب کے تبحر علمی، ان کی ذہانت وفطانت، نکتہ رسی، دقیقہ سنجی، حسن اخلاق اور کریم النفسی کو واقعات کی روشنی میں بیان کیا گیا ہے۔ نویں باب میں امام صاحب کے مجاہدہ وریاضت، ورع وتقویٰ، توکل واستغناء۔ تواضع وانکساری، شفقت علی الخلق اور انسانی مروّت پر روشنی ڈالی گئی ہے۔ اسی ذیل میں دیگر فقہائے احناف کے سیرت وکردار کے نمونے بھی پیش کئے گئے ہیں۔ دسواں باب امام صاحب کی وصایا اور نصائح پر مشتمل ہے جو انھوں نے اپنے بعض تلامذہ مثلاً امام ابو یوسف اور یوسف بن خالد سمتی وغیرہ کو زبانی یا تحریری کی تھیں جن میں سربراہ مملکت کے ساتھ اہل علم کا رویہ، شہری آداب، ازدواجی آداب، معاشرتی آداب، مجلسی آداب، زندگی گذارنے کے طریقے، تزکیۂ نفس اور نیک وبد کی پہچان، فرقِ مراتب و ادائے حقوق وغیرہ کے سلسلے میں گرانقدر ارشادات ونصائح ہیں۔

گیارہواں باب ۱۵ صفحات پر پھیلا ہوا ہے۔ جس میں امام صاحب کے نظریہ انقلاب اور سیاسی مسلک کو بڑی تحقیق وتفصیل سے بیان کیا گیا ہے۔ جس میں امام صاحب کے تیار کردہ سیاسی لائحہ عمل، قانون کی بالادستی، احترام امت اور جبر وظلم کے مقابلے میں ان کی استقامت وپامردی اور حق کی حمایت ونصرت وغیرہ امور پر سیر حاصل بحث ہے۔ درحقیقت یہ باب کتاب کی جان ہے۔ اور بجائے خود ایک مستقل کتاب کی حیثیت رکھتا ہے۔

بارہویں باب میں قیاس واجتہاد کی شرعی وآئینی حیثیت، حدیث وقیاس کا تلازم، قیاس ورائے کے رہنما اصول وغیرہ پر تفصیلی اور مدلل بحث کی گئی ہے۔ اسی ضمن میں امام صاحب کو

اہل رائے کہکر ان پر طعن و تشنیع کرنے والوں کے جوابات بھی دیئے گئے ہیں۔ اور ان بیجا اعتراض کرنے والوں کی علم و عقل سے تہی دستی و بے مائگی کو ظاہر کیا ہے۔ یہ بات بھی دیگر ابواب کے مقابلے میں مفصل ہے۔

تیرہویں اور آخری باب میں تقلید کی ضرورت و اہمیت، اجتہاد مطلق کی شرعی حیثیت، تقلید شخصی کے وجوب، عدم تقلید کی مضرت اور بیجا توسع کی مذمت پر بحث کی گئی ہے۔ اسی ضمن میں پاکستان کے مشہور صاحب قلم و صحافی ڈاکٹر اسرار احمد کے نظریہ نیم تقلید کی بحث بھی آگئی ہے۔ اور ڈاکٹر صاحب کے اس جدید فلسفہ کو تعلیمات اسلامی کی روح و مزاج کے خلاف بنایا گیا ہے۔ آخر میں کتابیات کے عنوان سے مأخذ و مصادر کی طویل فہرست دی گئی ہے جن میں ۷۰ کتابیں اور ۵ رسالے ہیں۔ اس فہرست سے مؤلف کی تلاش و جستجو اور محنت و کاوش کا اندازہ لگایا جا سکتا ہے۔

بلاشبہ کتاب اپنے موضوع پر جامع مستند اور کتابیات کی دنیا میں ایک قابل ذکر اضافہ ہے۔ البتہ چونکہ مؤلف خطۂ پنجاب سے تعلق رکھتے ہیں اور اُردو ان کی زبان نہیں ہے۔ اس لئے کہیں کہیں لسانی و ادبی خامیاں رہ گئی ہیں۔ بعض جگہ نقل میں بھی غلطی ہوگئی ہے مثلاً ص ۳۲ پر علامہ اقبال مرحوم کے مشہور شعر کا پہلا مصرعہ یوں نقل کیا گیا ہے، "ستیزہ کار رہی ہے ازل سے تابہ ہنوز"، جبکہ صحیح "ستیزہ کار رہا ہے ازل سے تا امروز" ہے۔ بعض جگہ کتابت کی غلطیاں بھی ہیں۔ ان معمولی (اور قابل نظر انداز خامیوں) کے باوجود کتاب اپنے مستند مواد اور صحیح نقول کی جامعیت کے لحاظ سے قابل قدر ہے اور یقین ہے کہ اہل علم کے حلقہ میں پسندیدگی کی نگاہ سے دیکھی جائے گی۔

سید محمود رمز ایڈوکیٹ

حیات و موت کا عنواں ترے طرزِ سخن میں ہے
عروسِ فتنہ کا جلوہ فروغِ بانکپن میں ہے

مزاجِ باغباں کے ساتھ نظمِ گلستاں بدلا،
گلوں کی آبرو باقی کہاں صحنِ چمن میں ہے

شرافت، خلق، ہمدردی، اخوت، جذبۂ اغاث
یہ سب موجود ہے لیکن کتب ہائے کہن میں ہے

جنوں نے روند ڈالا رفعتِ ادراکِ انساں کو
خرد کی چیرہ دستی کیوں حجابِ فکر و فن میں ہے

فرازِ دار پر چڑھ کر ہوا منصور وارفتہ
زبانِ عشق گویا حلقۂ دار و رسن میں ہے

لکھے تھے کچھ ورق میں نے تری غفلت شعاری پر
حکایت اس کی کچھ پنہاں گلوں کے پیرہن میں ہے

قرینہ آگیا خاروں کو پابوسی کا اے ہمدم
مزا چلنے کا اب صحرا میں اور دشت و دمن میں ہے

پگھلنے کا سلیقہ دیکھئے چشمِ تحیر سے،
کہ سب سوز و گداز دل چراغِ انجمن میں ہے

یہی سیمابیٔ رمزِ محبت روئے شیریں ہے۔
مزاجِ ناشکیبائی خمیرِ کوہکن میں ہے،

سرپرست

حضرت مولانا مرغوب الرحمن صاحب مہتمم دارالعلوم دیوبند

مدیر

حبیب الرحمن قاسمی

جمادی الثانی ۱۴۰۷ھ مطابق فروری ۱۹۸۷ء

سالانہ بدل اشتراک بیرون ممالک سے } سعودی عرب، کویت، ابوظہبی، جنوبی و مشرقی افریقہ۔ برطانیہ 160/=
امریکہ، کناڈا وغیرہ بذریعہ ایر میل —— 160/=
پاکستان ۷۰/- ہندوستانی۔ بنگلہ دیش ۵۰/- ہندوستانی

سرخ نشان اس بات کی علامت ہے کہ آپ کا زر تعاون ختم ہوگیا۔

فہرستِ مضامین

ہندوستانی و پاکستانی خریداروں سے ضروری گذارش

(۱) ہندوستانی خریداروں سے ضروری گذارش یہ ہے کہ ختم خریداری کی اطلاع پاکر اوّل فرصت میں اپنا چندہ نمبر خریداری کے حوالہ کے ساتھ منی آرڈر سے روانہ کریں۔

(۲) پاکستانی خریدار اپنا چندہ مبلغ -/۲۰ روپئے ہندوستانی مولانا عبدالستار صاحب مقام کرم علی والہ تحصیل شجاع آباد ملتان پاکستان کو بھیجدیں اور انھیں لکھیں کہ وہ اس چندہ کو رسالہ دارالعلوم کے حساب میں جمع کریں۔

(۳) خریدار حضرات پتہ پر درج شدہ نمبر محفوظ فرمالیں خط وکتابت کے وقت خریداری نمبر ضرور لکھیں۔

والسلام

منیجر رسالہ

حرفِ آغاز

حبیب الرحمٰن القاسمی

دارالعلوم دیوبند اور اس کی تاریخ سے واقفیت رکھنے والے بخوبی جانتے ہیں کہ علمائے دیوبند کا مزاج مسلمانوں کی تعمیر کا ہے۔ تخریب کا نہیں، وہ وحدتِ ملی کے داعی ہیں تفریق وتحزب کے نہیں۔ ان کا نصب العین دائرۂ اسلام میں وسعت دینا ہے، تکفیرِ مسلم کا نہیں۔ ان کی جدوجہد کا موضوع ومحورِ علوم کتاب وسنت کی ترویج واشاعت ہے مناقشہ ومکابرہ نہیں۔ لیکن اس کا مطلب یہ ہرگز نہیں ہے کہ اثباتِ حق وتردیدِ باطل سے علمائے دیوبند کو کوئی سروکار نہیں اور وہ اس اہم ترین فریضہ کی ادائیگی سے گریزاں ہیں۔

تاریخ شاہد اور زمانہ گواہ ہے کہ طاقت وکثرت، علم وفکر، دجل وتلبیس، جہل وافتراء جس راہ سے بھی حوزۂ اسلام میں دراندازی کی کوشش کی گئی۔ اسلام کے دفاع میں ہراول دستے کی خدمت اسی طائفہ منصورہ نے انجام دی ہے۔ اسلامی شعائر ومآثر کو مسخ ومحو کرنے کے لئے جب بھی کسی طوفان نے سر اٹھایا ہے۔ علمائے دیوبند نے اپنے علمی رسوخ وروحانی نفوذ کے ذریعہ اس کا سر کچل دیا ہے۔ آریائی پنڈتوں اور عیسائی پادریوں کیسے نازک اور ہمت شکن وقت میں اسلام پر حملہ آور ہوتے تھے تاریخ ہند کا طالب علم اس سے ناواقف نہیں ہے۔ لیکن اکابرِ دیوبند نے حالات کی انتہائی سنگینی کے باوجود جان ومال اور عزت وآبرو کے زیاں سے بے پرواہ ہو کر ان کا تعاقب کیا اور انھیں

شکست پر شکست دیکر راہِ فرار اختیار کرنے پر مجبور کر دیا۔ ... سدھی وسنگھٹن کا فتنہ کس قوت وشدت کے ساتھ برپا کیا گیا تھا؟ اس کی تباہ کاریوں کو دیکھنے والے آج بھی موجود ہیں مگر اسلام کے یہ فدا کار سپاہی کوہِ استقامت بن کر اس کے مقابلے میں ڈٹ گئے۔ اور بالآخر ہمیشہ کے لئے اسے گمنامی کے گورستان میں دفن کر دیا۔

جب جماعتِ مسلین میں سے "سرسید احمد خاں نے ... مستشرقین کے بیجا اعتراضات سے مرعوب ہوکر معجزات وغیرہ اسلام کے منصوص ومتوارث مسلمات میں دوراز کار تاویلات کا باب کھول دیا۔ تو اس وقت کے اکابرِ دیوبند نے ان کی غلط اور بے بنیاد تاویلوں پر کھل کر علمی انداز سے تنقیدیں کیں۔ حضرت نانوتوی قدس سرہ کی مشہور تصنیف "تصفیۃ العقائد" اسی سلسلہ کی اولین کڑی ہے۔ اس اہم ترین علمی اختلاف کے باوجود تواصی بالحق کا رشتہ ان سے قائم رکھا اور ان کے ساتھ تعاون علی البر میں ادنیٰ کوتاہی نہیں کی۔ چنانچہ جب انھوں نے اپنے کالج میں دینیات کا شعبہ قائم کیا تو حضرت نانوتوی کے داماد اور دارالعلوم دیوبند کے ممتاز فاضل مولانا عبداللہ انصاری اور پھر ان کے صاحبزادے مولانا احمد میاں انصاری نے اس شعبہ کی نظامت کے فرائض انجام دیکر یہ ثابت کر دیا کہ علمائے دیوبند کا سرسید احمد خاں سے علمی ودینی اختلاف امورِ خیر میں ان کے ساتھ تعاون میں رکاوٹ نہیں بن سکتا۔

اسی طرح جب مولانا احمد رضا خاں بریلوی نے اپنی نفسانی اغراض کی تکمیل کے لئے اسلام کے دلکش وعطر بیز لباس میں بدعات وخرافات کا بدنما ومتعفن پیوند لگانا چاہا تو علمائے دیوبند نے ان کی اس ناروا جسارت پر برملا نکیر کی۔ لیکن اس علمی وفقہی اختلاف کو کفر واسلام کا مسئلہ نہیں بنایا۔ اگرچہ مولانا احمد رضا خاں صاحب اور ان کے فرقہ کی طرف سے علمائے دیوبند کے خلاف کیا کچھ نہیں کیا گیا حتیٰ کہ انھیں کافر تک کہا اور کہلایا گیا لیکن علمائے دیوبند اپنی اعتدال پسندی پر قائم رہے اور علمی اسلوب میں ان کے ہر اعتراض اور الزام کا جواب دے کر احقاقِ حق وابطالِ باطل کے فریضہ کی انجام دہی کرتے رہے۔

مرزا غلام احمد قادیانی نے جس وقت اپنے آقائے فرنگ کی ہدایات پر مسلمانوں کو دینِ اسلام سے برگشتہ کرنے اور ان کی جماعت میں انتشار و افتراق کرنے کی غرض سے قرآن و حدیث اور اجماعِ امت سے ثابت شدہ قطعی و لازمی عقیدہ "ختم نبوت" کو پسِ پشت ڈال دیا اور اپنی جعلی نبوت کا اعلان کر کے خود اپنے ہاتھوں اپنے کفر پر مہر ثبت کر لی تو علمائے دیوبند کیلئے علمی و شرعی اعتبار سے یہ ضروری ہو گیا کہ وہ اس مسیلمۂ ہند کے خارج از اسلام ہونے کی وضاحت کر دیں۔ تاکہ امت اس کے دجل و تلبیس کے دام میں گرفتار ہونے سے محفوظ رہے۔

فرقہ اثنا عشریہ بھی اپنے ائمہ کے بارے میں جس طرح کا عقیدہ رکھتا ہے اُس سے حسب تصریح حضرت شاہ ولی اللہ عقیدۂ ختم نبوت کا انکار لازم آتا ہے۔ علاوہ ازیں یہ گروہ تحریف قرآن اور باستثناء پانچ صحابیوں کے جملہ حضرات صحابہ کے (نعوذ باللہ) فسق و کفر کا قائل ہے جو کھلا ہوا کفر ہے۔ اس لئے ان کے خارج از اسلام قرار دئے جانے پر جو لوگ مُنہ بگاڑتے ہیں۔ وہ یا تو اسلام کی حقیقت کو سمجھتے ہی نہیں یا جانتے ہوئے اپنی خود ساختہ وسعتِ ظرفی اور رواداری کا عوام پر سکّہ جمانے کے لئے علمائے دیوبند پر کفر سازی کی پھبتی کستے ہیں۔ لیکن انھیں معلوم ہونا چاہئے کہ یہ رواداری نہیں بلکہ مداہنت فی الدین ہے جس کی آخرت میں جواب دہی کرنی ہوگی۔

اَللّٰھُمَّ اَرِنَا الْحَقَّ حَقًّا وَّارْزُقْنَا اتِّبَاعَہٗ وَاَرِنَا الْبَاطِلَ بَاطِلًا وَّارْزُقْنَا اجْتِنَابَہٗ

ایک شعر

ہو حلقۂ یاراں تو بریشم کی طرح نرم
رزم حق و باطل ہو تو فولاد ہے مؤمن

حدیث رسول صلی اللہ علیہ وسلم

عن علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اذا فعلت امتی خمس عشرۃ خصلۃ حلت بہا البلاء وفیہ واتخذ القیان و المعازف (رواہ الترمذی)

حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے منقول ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جب میری امت پندرہ ۱۵ چیزوں کی عادی ہوجائے گی اُسے مصیبتوں سے دوچار ہونا پڑے گا۔ آپؐ نے ان پندرہ چیزوں میں سے دو چیزیں وہ بیان فرمائیں جب گانے والیوں اور باجے کا رواج ہوجائے۔

تشریح مذکورہ حدیث پاک سے پتہ چلتا ہے کہ نزول مصائب کے اسباب میں سے مغنیہ عورتوں اور موسیقی کی کثرت اور رواج بھی ہے۔ آج امت مسلمہ جس طرح ہر چہار طرف سے آلام ومصائب میں گھری ہوتی ہے۔ جس کی نظیر گذشتہ زمانے میں کمتر نظر آتی ہے۔ اس کی ایک بہت بڑی وجہ ہماری ناچ باجوں سے غیر معمولی دلچسپی بھی ہے۔ اس لئے کم ازکم ہمیں اپنی دنیا کی عافیت وراحت کے لئے ہی ان محرمات سے الگ ہونا چاہئے جو آخرت کو تو تباہ کرتی ہی ہیں۔ ہماری دنیا بھی برباد کررہی ہیں۔

(ایک صاحب خیر)

حبیب الرحمٰن قاسمی

عقائدِ اہلِ سُنّت والجماعت و عقائد شیعہ ایک تقابلی مطالعہ

عقائدِ اہلسنّت والجماعت در باب

الٰہیات :- اس باب میں اہل سنت والجماعت سے ۲۲ عقائد میں شیعہ مختلف ہیں۔ جن میں سے بعض یہ ہیں۔ (عقائد اہل سنت والجماعت)

(۱) اللہ تعالیٰ کی معرفت میں غور و فکر کرنا شرعاً واجب ہے، نہ کہ عقلاً یعنی قطع نظر حکم خداوندی کے ازروئے عقل معرفتِ خداوندی میں غور و فکر واجب نہیں ہے۔

(۲) اللہ تعالیٰ حیات کے ساتھ زندہ ہے۔ علم کے ساتھ عالم ہے، قدرت کے ساتھ قدیر ہے یعنی جس طرح ان اسماء کے مشتقات کا اطلاق اللہ تعالیٰ پر درست ہے اس طرح خود ان اسماء کا بھی اطلاق صحیح ہے۔

(۳) اللہ تعالیٰ ہر چیز کو اس کے وجود سے پہلے جانتا ہے یہی تقدیر کا مطلب ہے کہ اللہ تعالیٰ کے علم میں ہر شے کا اندازہ ہے کہ یہ ایسی اور ویسی ہوگی اور اسی کے مطابق وہ چیز اپنے وقت معین پر وجود میں آتی ہے۔

(۴) قرآن پاک اللہ تعالیٰ کا کلام ہے اس میں تحریف یا کمی وزیادتی نہ اب تک ہوئی ہے اور نہ آئندہ ہو سکے گی!۔

(۵) حق تعالیٰ کے لئے بدا جائز نہیں ہے۔ یعنی اللہ تعالیٰ ایک چیز کا ارادہ فرمائے پھر اس کو اس کے خلاف مصلحت نظر آئے جو پہلے معلوم نہ تھی لہذا پہلے ارادہ کو ترک کر کے دوسرے ارادہ کو اختیار کرے۔ کیونکہ اگر اسے اللہ تعالیٰ کے لئے جائز قرار دیا جائے تو لازم آئے گا کہ امور کے نتائج سے وہ واقف نہیں ہے اور نعوذ باللہ ناعاقبت اندیش ہے۔

رسالہ اعلام الہدیٰ فی تحقیق البدا میں "بدا" کی تحقیق یوں کی گئی ہے۔

یقال بدا له اذا ظهر له رای مخالف للرای الاول وهو الذی حققه الشیخ فی العمدة وابو الفتح الکراجکی فی کنز الفوائد والذی حققه المرتضیٰ فی الذریعة ویشعر به کلام الطبرسی وهو ان معنیٰ قولنا بدا له تعالیٰ انه ظهر له من الامر مالم تکن ظاهرا الی آخره۔

ان تحقیقات کے نقل کرنے کے بعد صاحب اعلام الہدیٰ نظام الدین جیلانی یکے از محققین شیعہ ان ...... کا خلاصہ یوں نقل کرتے ہیں۔ الحاصل ان علمہ سبحانہ بالحوادث حادث علی مادل علیه الاحادیث والآیة المذکورة ونظائرها وصرح به المرتضیٰ والطبرسی والمقداد قدس الله ارواحهم یعنی حوادث کے ساتھ اللہ تعالیٰ کا علم قدیم نہیں ہے۔

(۶) اللہ تعالیٰ اپنے بندوں میں سے کسی کے کفر و گمراہی پر راضی نہیں ہوتا جیسا کہ ارشاد ہے لایرضیٰ لعبادہ الکفر۔

(۷) اللہ تعالیٰ پر کوئی چیز واجب نہیں ہے۔

(۸) آخرت میں اللہ تعالیٰ کی رویت ہوگی۔

عقائدِ اثنا عشریہ

(۱) اللہ تعالیٰ کی معرفت میں غور و فکر کرنا عقلاً واجب ہے، یعنی قطع نظر شرع کے از روئے عقل ہر مکلف پر واجب ہے کہ خدا کو پہچانے۔ یہ عقیدہ اَلَا لَہُ الْحُکْم، لامعقب لحکمہ

وَمَا کنت معذ بین حتیٰ بنعث رسولا کے خلاف ہے کیونکہ اگر تقاضائے عقل کوئی چیز واجب ہوتی تو رسول کی بعثت سے پہلے عذاب دیا جا سکتا تھا۔

(۲) امامیہ کے نزدیک اللہ تعالیٰ صفات سے عاری ہے۔ البتہ ان صفات کے مشتقات اس کی ذات پر بولے جا سکتے ہیں۔ مثلاً اللہ تعالیٰ کو حی، سمیع، بصیر، علیم وغیرہ کہنا جائز ہے لیکن اس کے لئے علم، قدرت، سمع اور بصر کا اطلاق درست نہیں۔ ان کا یہ عقیدہ عقل کے خلاف ہونے کے ساتھ قرآن کے بھی مخالف ہے۔ کیونکہ بہت سی آیات سے باری تعالیٰ کے لئے ان صفات کا ثبوت ہوتا ہے مثلاً وَلَا یُحِیطُوْنَ بشیٔ مِنْ عِلْمِہٖ، اَنزلہ بعلم وغیرہ۔

(۳) اثنا عشریہ کے متقدمین و متاخرین کی ایک جماعت (جن میں مقداد کنز العرفان کا مصنف بھی شامل ہے) کا عقیدہ ہے کہ اللہ تعالیٰ جزئیات کو ان کے وجود سے پہلے نہیں جانتا یہ عقیدہ قرآن کے سراسر خلاف ہے کیونکہ ارشاد خداوندی ہے۔ اِنَّ اللہ بکلِّ شیٔ عَلِیْم۔ قد احاط بکل شیٔ علمًا، ما اصاب من مُصیبۃ فی الارض وَلا فی انفسکم الا فی کتاب من قبل ان نبرأھا۔ انا کل شیٔ خلقناہ بقدر، ولا رطب ولا یابس الا فی کتاب مبین۔ الم غلبت الروم فی ادنی الارض وھم من بعد غلبھم سیغلبون۔ اور یہ آیت فارس پر روم کے غلبہ سے پہلے کی ہے۔

(۴) اثنا عشریہ کلام مجید میں تحریف اور کمی وزیادتی کے قائل ہیں۔ یہ عقیدہ انا انزلناہ الذکر وانا لہٗ لحافظون ہ اور آیت شریفہ لا یاتیہ الباطل من بین یدیہ ولا من خلفہ تنزیل من حکیم حمید کے بالکل خلاف ہے۔

(۵) فرقہ امامیہ جو اثنا عشریہ کی ایک شاخ ہے اور خود اثنا عشریہ بھی بدا کے قائل ہیں چنانچہ کلینی میں زرارہ بن امین سے مروی ہے کہ اللہ کے پاس بدا سے بہتر کوئی چیز نہیں ہے ایک دوسری روایت کے الفاظ یہ ہیں ما عظم اللہ بمثل البداء۔ اور ابن صلت رضی اللہ عنہ

سے ناقل ہے کہ مابعث اللہ نبیًا قط الا یتحرم الخمر وان یقرّ لہ البدأ ء
شیعوں کے نزدیک بدا اپنی ہر سہ اقسام بدا فی الاخبار، بدا فی التکوین، بدا فی التکلیف اللہ تعالیٰ کیلئے جائز بالفاظ دیگر بدا فی العلم، بدا فی الارادہ، بدا فی الحکم اللہ کیلئے ثابت ہے

(۶) اثناعشریہ کہتے ہیں کہ وہ شیعہ کے علاوہ دوسروں کے کفر پر راضی ہے چنانچہ صاحب محاسن نے امام موسیٰ کاظم سے یہ روایت نقل کی ہے کہ لاتعلموا ھذا الخلق اصول دینھم وارضوالھم بمارضی اللہ لھم من الضلال۔

(۷) شیعہ سب کے سب متفق ہیں کہ بتقاضائے عقل بہت سی چیزیں اللہ تعالیٰ پر واجب ہیں۔ گویا عقل کارخانہ قدرت میں شریک ٹھہری، اور خدا عقل کا محکوم یہ خیال مرتبۂ الوہیت وربوبیت کے سراسر منافی ہے۔

(۸) شیعہ میں مجسمہ فرقہ کے علاوہ سب متفق الخیال ہیں کہ اللہ تعالیٰ کو دیکھا نہیں جاسکتا ہے ان کا یہ عقیدہ آیت پاک وجوہ یومئذ ناضرۃ الیٰ ربّھا ناظرۃ وغیرہ آیات کے بالکل خلاف ہے۔ شیعہ کے پاس اس مسئلہ میں عقل کے علاوہ کوئی دلیل نہیں ہے وہ غائب کو ظاہر پر قیاس کرتے ہیں جو انتہائی گستاخی اور بے ادبی کی بات ہے کہ اپنی ناقص عقل کو انھوں نے آیت قرآنیہ کے مقابلہ میں ترجیح دی۔

عقائد اہل سنت والجماعت درباب رسالت

پندرہ عقیدوں میں اختلاف ہے۔

(۱) صرف اہل سنت والجماعت ہی نہیں بلکہ تمام اسلامی فرقوں کا یہ متفقہ عقیدہ ہے کہ جملہ حضرات انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام مخلوقات میں سب سے افضل اور بزرگ ہیں ثواب اور قرب رتبہ میں ان کی ہمسری کوئی بھی نہیں کرسکتا۔ چہ جائیکہ ان سے افضل ہو۔

عقائد شیعہ

جب کہ امامیہ کے نزدیک حضرت علیؓ اولوالعزم انبیاء کے علاوہ تمام نبیوں سے افضل ہیں

اس عقیدہ کا کتاب وسنت کے خلاف ہونا بالکل ظاہر ہے۔ جس پر دلیل قائم کرنے کی ضرورت نہیں چنانچہ شیعوں کا فرقہ زیدیہ خود اس مسئلہ میں امامیہ اثناعشریہ کا مخالف ہے انکی پُر زور تردید کی ہے۔
امامیہ کا اپنے ائمہ کے بارے میں غلو کی چند مثالیں۔

(۱) یہ کہتے ہیں کہ انبیاء کی پیدائش ائمہ کے ضمن میں ہے اور عارضی ہے اصل مقصد ائمہ کو پیدا کرنا ہے۔

(۲) حق تعالیٰ نے ائمہ کی اطاعت پر فرشتوں اور نبیوں سے عہد لیا ہے اور اس سلسلے میں وہ متعدد روایتیں بیان کرتے ہیں۔ جن میں سے ایک یہ ہے۔ جسے شیخ ابن بابویہ نے ذکر کیا ہے۔ انہ لما اسری بہ وکلمہ ربہ قال بعد کلام انک رسولی الی خلقی وان علیا ولی امیر المؤمنین اخذت میثاق النبیین وملائکتی وجمیع خلقی بولایتہ۔ ابن صفار نے بھی اس باب میں ایک روایت ان الفاظ میں نقل کی ہے۔ ان اللہ اخذ میثاق النبیین بولایۃ علی بن ابی طالب۔ ان روایتوں کی تضعیف وتکذیب کی ہمیں ضرورت نہیں۔ کیونکہ خود ان کے ایک مشہور عالم شریف مرتضیٰ نے جو علم الہدیٰ کے لقب سے یاد کئے جاتے ہیں اپنی کتاب الدرر والغرر میں ان میثاق کی روایتوں کی بڑی شد ومد سے تکذیب کی ہے۔ وکفی اللہ المؤمنین القتال

(۳) کہتے ہیں کہ انبیاء نے ائمہ کے انوار سے اقتباس نور کیا ہے۔ حالانکہ یہ بات عقل کے قطعًا خلاف ہے کہ اگلا پچھلے کی اقتدا کرے اور ان سے فیض حاصل کرے۔ اور اس باب میں بھی انھوں نے ابن بابویہ کی زنبیل سے ایک روایت ابو محمد حسن عسکری کی جانب منسوب کرکے نکال لی ہے جس کے الفاظ یہ ہیں۔ اعوذ باللہ من قوم حذفوا محکمات الکتاب ونسوا رب الارباب والنبیؐ وساقی الکوثر یوم حساب ولظی الطامۃ الکبریٰ ونعیم دار المتقین فنحن السنام الاعظم وفینا النبوۃ والولایۃ والکرم فنحن منار الہدیٰ والعروۃ الوثقیٰ والانبیاء کانوا یقتبسون من انوارنا ویقتفون آثارنا وسیظہر حجۃ اللہ

علی الخلق وَالسیفُ المسلول لاظہار الحق ۔ اس عبارت کا جعلی اور من گھڑت ہونا بالکل ظاہر ہے ۔

(۴) کہتے ہیں کہ بروز قیامت حضرت امیر اور ائمہ کا درجہ بلند و بالاتر ہوگا ۔ چنانچہ ابن بابو یہ معانی الاخبار میں یہ روایت ذکر کرتا ہے کہ حضرت امیر نے فرمایا ۔ انا یوم القیامة علی الدرجة الرفیعة دون درجة النبی واما الانبیاء والرسل فد وننا علی المراقی ۔

عقائد اھل سنّت والجماعت

رسالت (۲) حضرات انبیاء دروغ گوئی اور بہتان طرازی سے عمداً ، سہواً بعد از نبوت وقبل از نبوت ہر حیثیت سے پاک اور مبرا ہیں ۔

(۳) حضرات انبیاء کا قبل از بعثت اور بعد از بعثت واجبات ایمان سے واقف ہونا ضروری ہے کیونکہ عقائد میں جہالت کفر و زندیقیت کا سبب ہے اور یہ ممکن نہیں کہ حضرات انبیاء (نعوذ باللہ) اس قسم کی جہالت میں رہیں ۔ ہاں نزول وحی سے پہلے احکام شرعیہ سے انھیں لاعلمی ہوتی ہے چنانچہ اسی کی طرف اشارہ وعلمك ما لم تکن تعلم ، وکُلّا اتینٰه حکمًا و علمًا ۔ وآتینٰه الحکم صبیًا ، وآتیناه الحکمة وفصل الخطاب ، اور بعض متعلقات پر اس مضمون کے بعد بعثت ، رسالت ، وحی ، نزول کتاب کا ذکر آیا ہے بلکہ حضرت لقمان کے حق میں حکمت کا لفظ آیا ہے ۔ جن کے پاس نہ وحی آئی اور نہ انھیں نبوت ملی ۔

(۴) کسی نبی نے ادائیگئ فرائض رسالت سے معافی نہیں چاہی اور نہ احکام خداوندی کی بجاآوری سے معذرت چاہی ۔

(۵) حضرت محمد رسول اللہ خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد اللہ تعالیٰ نے فرشتہ کو کسی کے پاس پیغام رساں بنا کر نہیں بھیجا ۔ اور سلسلۂ وحی ہمیشہ کے لئے ختم ہوگیا ۔

(۶) کوئی امام اس بات کا مجاز نہیں ہے کہ احکام شرعیہ میں سے کسی حکم منسوخ یا تبدیل کردے ۔

عقائد شیعہ (رسالت)

امامیہ کہتے ہیں کہ انبیاء کیلئے کذب جائز ہے اور بلحاظ تقیہ واجب ہے۔

(۳) امامیہ کا عقیدہ ہے کہ بعثت کے وقت بلکہ بوقت مناجات (جو جناب باری تعالیٰ سے بشری قرب کا اعلیٰ ترین مقام ہے) حضرات انبیاء کو اصول عقائد کی معرفت حاصل نہیں ہوتی دلیل میں محمد بن یعقوب کلینی کی کافی میں بیان کردہ روایت کو پیش کرتے ہیں جسے کلینی نے ابوجعفر کے حوالہ سے نقل کیا ہے۔ الفاظ یہ ہیں۔ ان موسی ابن عمران صلوات اللہ وسلامہ علیہ سال اللہ تعالیٰ یا رب بعیل۔ انت منی فاناديك ام قريب فاناجيك، اس سے پتہ چلتا ہے کہ مناجات کے وقت باری تعالیٰ کے قرب و بعد مکانی سے پاک ہونے کا انہیں علم نہیں تھا۔

(۴) امامیہ کہتے ہیں کہ بعض اولوالعزم رسولوں نے ذمہ داریٔ رسالت سے سبکدوشی حاصل کرنی چاہی ہے اور ٹال مٹول، حیلے حوالے اور عذر کئے ہیں۔

حالانکہ رسالت سے معافی وحی کو رد کرنا ہے۔ اور حکم خداوندی کو تسلیم نہ کرنا ہے۔ اور انبیاء اس سے معصوم ہیں۔

(۵) امامیہ کا عقیدہ ہے کہ حضرت امیر کے پاس وحی آتی تھی آپ کی اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وحی میں صرف اتنا فرق ہے کہ آنحضرتؐ کو فرشتہ دیکھائی دیتا تھا اور حضرت امیر اس کی صرف آواز سنتے تھے دیکھتے نہ تھے چنانچہ کافی میں سجاد علیہ السلام سے کلینی نے نقل کیا ہے کہ۔ ان علی بن ابی طالب کان محدثا وھو الذی یرسل اللہ الیہ الملک فیکلمہ ویسمع الصوت ولایری الصورۃ۔

اثنا عشریہ کا عقیدہ یہ ہے کہ امام کو احکام میں تبدیلی کا حق حاصل ہے۔ یہ عقیدہ عقل و نقل دونوں کے خلاف ہے۔ کیونکہ امام تو دراصل پیغمبر کا نائب اور اس کی شریعت کی اشاعت کرنے والا ہوتا ہے۔ اگر اس کو احکام میں ردو بدل کرنے کا اختیار دیدیا جائے تو یہ اس کا

مخالف ہو جائے گا نہ کہ نائب۔
اور ظاہر ہے کہ شارع صرف اللہ تعالیٰ ہے چنانچہ ارشاد ہے۔ شرع لکم من الدین ما وصّی بہ نوحًا، ولکل جعلنا منکم شرعۃ ومنہاجًا۔

امامت (عقائد اہل سنت والجماعت)

اہل سنت کہتے ہیں کہ مکلفین پر واجب ہے کہ وہ اپنے میں سے کسی کو امیر منتخب کر لیں، اور شریعت کی روشنی میں اس کی اتباع اپنے اوپر لازم جانیں اور امور شرعیہ میں اس کی معاونت کریں۔ البتہ شارع نے امیر کے اوصاف، شرائط اور لوازم کو بیان کر دئے ہیں تاکہ ان کی رعایت سے ریاست بدنظمی اور فتنہ وفساد کا شکار نہ ہو۔ شریعت کا قانون یہی ہے کہ وہ ان عمومی شرائط اور لوازم کی وضاحت کر دیتی ہے جو صلاح وفلاح کا باعث ہیں اور تعین وتخصیص عقل کے حوالہ کر دیتی ہے۔ چنانچہ نکاح کے باب میں منکوحہ کے اوصاف اور شرائط نکاح (کفائت، شہادت، مہر و ولایت) اور اس کے لوازم نان ونفقہ اور مکان وغیرہ کی تصریح کر دی گئی۔ اور منکوحات کے تعین کے بارے میں کوئی تعرض نہیں کیا گیا کہ فلاں کا نکاح فلاں سے اور فلاں کا فلاں سے کیا جائے۔ یہی حال تمام معاملات بلکہ امور دینیہ کا ہے چنانچہ فرمایا گیا۔ فاسئلوا اھل الذکر ان کنتم لا تعلمون ۵ اور علماء مجتہدین کی کوئی تخصیص نہیں فرمائی۔

(۲) امام کی امامت کیلئے اس کا ظاہر ہونا شرط ہے۔

(۳) امام کا علم واجتہاد میں خطا سے پاک ہونا ضروری نہیں ہے اور نہ گناہ سے معصوم ہونا شرط ہے۔ البتہ بوقت تقرر اس کا گناہ کبیرہ سے پاک ہونا اور صغیرہ پر اصرار سے بری ہونا چاہئے

(۴) امام کے لئے یہ ضروری نہیں ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک اہل زمانہ میں سب سے افضل ہو۔ چنانچہ طالوت کو حق تعالیٰ نے خود اپنے حکم سے امام بنایا تھا حالانکہ حضرت شمویل اور خود حضرت داؤد موجود تھے۔ اور بلاشبہ یہ دونوں حضرات طالوت سے افضل تھے۔

(۵) جمیع اہل سنت کا عقیدہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد بلا فاصلہ حضرت ابو بکر صدیق خلیفہ وامیر ہیں۔

عقائد شیعہ

(۱) امامیہ کہتے ہیں کہ امیر وامام کا مقرر کرنا خدا کے ذمہ واجب ہے۔

(۲) شیعہ امام کے ظاہر ہونے کی اس شرط کو نہیں مانتے۔

(۳) شیعہ کے نزدیک امام کا خطا سے پاک ہونا اور معصوم ہونا شرط ہے۔ یہ عقیدہ قرآن کے خلاف ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔ إِنَّ اللّٰهَ قَدْ بَعَثَ لَكُمْ طَالُوتَ مَلِكًا لہٰذا طالوت واجب الاطاعت امام ہوئے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ نے ان کو مقرر کیا حالاں کہ بالاجماع یہ معصوم نہیں ہیں۔

(۴) ان کے نزدیک امام کا اپنے زمانہ میں سب سے افضل ہونا ضروری ہے۔

(۵) شیعہ اس عقیدہ سے انکار کرتے ہیں۔ ان کے تمام فرقے اس انکار میں متفق ہیں وہ کہتے ہیں کہ امام بلا فاصلہ حضرت علی رضی اللہ عنہ ہیں۔ ابو بکر غاصب تھے۔

عقیدۂ معاد (عقیدۂ اہل سنت والجماعت)

(۱) قیامت کے دن بندوں کا زندہ کرنا اللہ تعالیٰ پر واجب نہیں ہے۔ البتہ اللہ تعالیٰ اللہ تعالیٰ کے وعدہ کے مطابق بعث ونشر ایک وقوع میں آنے والا امر ہے تاکہ وعدہ خلافی لازم نہ آئے۔

(۲) عذاب قبر حق ہے۔

(۳) مُردوں کی قیامت سے پہلے دنیا میں واپسی نہیں۔

(۴) اللہ تعالیٰ اپنے گنہگار بندوں میں سے جسے چاہے گا عذاب دیگا اس کو کسی فرقہ کا پاس ولحاظ اس سے روک نہ سکے گا۔ جیسا کہ فرمایا۔ يُعَذِّبُ مَنْ يَّشَآءُ وَيَرْحَمُ مَنْ يَّشَآءُ۔

عقیدۂ معاد (عقائد شیعہ)

(۱) امامیہ کے نزدیک بعث ونشر اللہ پر واجب ہے الٰہیات کے باب میں گذر چکا کہ اللہ تعالیٰ پر کوئی چیز واجب نہیں ہے۔

(۲) شیعہ کے اکثر فرقے حتیٰ کہ زیدیہ بھی عذاب قبر کے منکر ہیں۔ حالانکہ قرآن وحدیث سے یہ ثابت ہے۔

(۳) امامیہ سب کے سب اور رافضیوں کے اکثر اس کے قائل ہیں۔ کہتے ہیں کہ پیغمبر، وصی سبطین اور ان کے دشمن یعنی ہر سہ خلفاء، معاویہ، یزید، مروان اور دوسرے ائمہ اور ان کے متبعین حضرت مہدی کے ظہور کے بعد زندہ ہوں گے اور حادثہ دجّال سے پہلے ان سب قصورواروں کو عذاب دیا جائے گا۔ اور ان سے قصاص لیا جائے گا۔ پھر وہ مر جائیں گے اور قیامت میں پھر زندہ کئے جائیں گے۔ یہ عقیدہ بھی باطل ہے۔ خود فرقہ زیدیہ نے اس عقیدہ کی پُرزور تردید کی ہے۔

(۴) امامیہ کا متفقہ اور اجماعی عقیدہ ہے کہ کسی امامیہ کو گناہ صغیرہ اور گناہ کبیرہ کسی پر بھی عذاب نہ دیا جائے گا۔ اسی لئے وہ ترک واجبات اور ارتکاب معاصی پر جری ہوتے ہیں۔ وہ کہتے ہیں کہ نجات اور خلاصی کے لئے حضرت علی کی محبّت کافی ہے۔ دراصل یہ عقیدہ یہود سے لیا گیا ہے۔

اثنا عشریہ کا عقیدہ یہ بھی ہے کہ ان کے علاوہ تمام فرقے شیعہ وغیر شیعہ کے دوزخ میں رہیں گے ناجی صرف اثنا عشریہ ہیں۔ ان کا مشہور مذہب یہی ہے۔ ابن مطہر حلی شرح تجرید میں لکھتا ہے کہ ان فرقوں کے بارے میں ہمارے علماء میں اختلاف ہے بعض کہتے ہیں کہ وہ ہمیشہ دوزخ میں رہیں گے۔ اور بعض کہتے ہیں کہ انھیں دوزخ سے نکال کر بہشت میں لایا جائیگا۔

مسلم پرسنل لا کی حیثیت و اہمیت

مولانا عبدالحمید نعمانی ـــــ شعبۂ تالیف جمعیۃ علماء ہند

مسلم پرسنل لاء کی ملّی اہمیت

مسلم پرسنل لاء کے جتنے بھی مسائل ہیں یا تو وہ کتاب و سنّت میں صراحت کے ساتھ موجود ہیں۔ یا کتاب و سنّت " سے ،، ثابت ہیں۔ بقول حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحبؒ " کتاب تشریع اصل ہے۔ جس سے شریعت بنتی ہے۔ حدیث تشریح اصل ہے جس سے شریعت کھلتی ہے اور فقہ تفریع اصل ہے جس سے شریعت پھیلتی ہے۔ اور منضبط ہو کر قانون کی صورت اختیار کرتی ہے سے اور یہ بالکل حقیقت ہے کہ مسلم پرسنل لاء کی بنیاد ان ہی تینوں پر ہے۔ یا یہ کہئے کہ مسلم پرسنل لاء کا ماٰخذ کتاب و سنّت، اجماع، اور قیاس شرعی ہیں۔ اسی بناء پر اُسے دینی و ملّی حیثیت سے ایک اہم مقام حاصل ہے۔ اس پر مسلمان کے مسلمان رہنے کا مدار ہے۔ اسلام کے عائلی اور شخصی قانون کی بقاء کے بغیر ملّت اسلامیہ کا وجود باقی نہیں رہ سکتا۔ وہ روح ملّت کا محافظ ہے۔ ملّت کے عائلی قانون کی بقاء سے ہی عقائد و افکار کی زندگی وابستہ ہوتی ہے۔ وہ شجرۂ اسلام کی شاخوں اور ٹہنیوں کی حیثیت رکھتا ہے۔ جس طرح جڑ کاٹ دینے سے شاخ اور پتے ختم ہو جاتے ہیں ، اسی طرح بارہا دیکھا گیا ہے کہ شاخ اور پتے کاٹ دینے سے آہستہ آہستہ درخت

بھی سڑ گل کر ختم ہوجاتا ہے جس طرح درخت کی زندگی کا اندازہ پتوں اور شاخوں کی ہریالی سے لگایا جاتا ہے اسی طرح افکار و تصورات کی زندگی کا اندازہ شخصی مظاہر سے ہوتا ہے۔ ان عملی مظاہر کے میدان حیات سے ختم ہوجانے سے عقائد و افکار کی نبض بھی کمزور ہوجاتی ہے۔

اگر غور سے دیکھا جائے تو مسلم پرسنل لا رہی اسلامی اقدار کا مظہر ہونے کے ساتھ مسلمانوں کے اندر ایمانی تقاضوں کے سموئے رکھنے کا ناگزیر وسیلہ اور خداپرستی کا ناگزیر لازمہ ہے۔ اس کو ختم کر دینا۔ یا اس میں تبدیلی کر دینا مسلمانوں کی انفرادیت کو ختم کرنے کے ہم معنیٰ ہے۔

مسلم پرسنل لا، کتاب و سنّت کا اہم باب ہے

کتاب و سنّت کا سرسری مطالعہ بھی یہ جاننے کیلئے کافی ہے کہ مسلمانوں کے معاشرتی زندگی سے اکثر متعلق مسائل کتاب و سنّت میں صراحت کیساتھ مذکور ہیں۔ اور کسی حکم کا کتاب و سنت میں مذکور ہونا یہ معنیٰ رکھتا ہے کہ اس کی پابندی لازم ہے۔ اور خلاف ورزی کی صورت میں سخت وعید سنائی گئی ہے۔ مثلاً نکاح کے کچھ احکام بیان کرنے کے بعد قرآن حکیم کہتا ہے! کتابَ اللّٰہِ عَلَیکُم" طلاق و خلع کے سلسلے میں یہ تنبیہ کی ہے۔ تلکَ حُدُودُ اللّٰہ۔ مستحقین کے حصّے کو نصیباً مفروضاً سے تعبیر کیا ہے۔ وغیرہ وغیرہ۔ اس سے مسلم پرسنل لا کی شرعی و ملّی اہمیت کا بخوبی اندازہ لگایا جاسکتا ہے۔

مسلم پرسنل لا کی تہذیبی اہمیت

مسلمانوں کے پرسنل لاء کی دینی و شرعی اہمیت کو جان لینے کے بعد اب ذرا پرسنل لا کی تہذیبی اہمیت پر ایک نظر ڈال لیں۔ اس بات سے ہر باشعور انسان واقف ہے کہ شخصی قوانین کی پابندی و عدم پابندی پر قوموں کی بقا و فنا کا مدار ہوتا ہے۔ اور ان کو

تہذیبی حیثیت سے ایک اہم ترین مقام حاصل ہے۔ کوئی قوم اپنے شخصی امتیازات کو کھو کر زندہ نہیں رہ سکتی ہے۔ پرسنل لار قوموں کے نظریہ زندگی کی پیداوار ہے۔ اس سے قومی فکر کو عملی رنگ ملتا ہے۔ اسی کے اندر مذہب وتہذیب کی روح جذب ہوتی ہے۔ اور اس سے قوم کا شب و روز سابقہ پڑتا ہے۔ عائلی قوانین ایسے ضوابط ہیں جو ان کے بنیادی عقائد وتصورات کی سرزمین سے جنم لیتے ہیں۔ اور جن کے مطابق اس کی زندگی کا پورا نظام چلتا ہے۔ ان کے بغیر قوموں کا تشخص باقی نہیں رہ سکتا ہے۔ جب عام قوموں کے پرسنل لار کی اہمیت کا یہ حال ہے تو پھر مسلمانوں کے اس پرسنل لار کو کیسے نظر انداز کیا جا سکتا ہے۔ جس کا سرچشمہ خالق کائنات کا کلام جاوید اور رسول پاکؐ کا خالق کے سرچشمہ سے مقتبس اسوہ ہے۔ جو مسلم تہذیب وتمدن کا واحد مظہر اور تنہا نشان ہے۔ جس کی فنا و بقا سے مسلمانوں کے مذہبی وملی اقدار کی موت وحیات وابستہ ہے۔ جو ان کے فکر وعقیدہ کے لئے جسم کی حیثیت رکھتا ہے۔ جس پر ان کے عقیدہ وایمان کا مدار ہونے کے ساتھ اس کے وجود کا انحصار ہے۔ جس کو اپنائے بغیر مسلمانوں کی دینی زندگی کا رشتہ برقرار نہیں رہ سکتا۔

مسلم پرسنل لار سے سماجی ارتقار کا گہرا تعلق ہے۔ اگر مسلمانوں کے فطری عائلی قانون کا رشتہ ان کی زندگی سے کاٹ دیا جائے تو فطرت کی فلک بوس عمارت چشم زدن میں زمین پر آرہے گی۔ عائلی قانون وہ پٹری ہے جس پر مسلمانوں کی زندگی کی گاڑی چل رہی ہے۔ اگر مسلمان اپنے آپ کو مسلم پرسنل لار کے تابع کرنے کے بجائے اس کو اپنے تابع کریں گے تو پٹری گاڑی اور گاڑی پٹری بن جائے گی۔ اور ایسا کبھی نہیں ہو سکتا۔ اگر ایسا ہو گیا تو انجام معلوم ۔ ۔ ۔ ۔ ۔

ہمیں دوسری قوموں کے بارے میں فی الوقت کچھ نہیں کہنا ہے۔ ابھی تو صرف مسلم قوم کے بارے میں کہنا ہے اور پورے یقین واعتماد سے کہنا ہے کہ اس کو ہمیشہ

اپنے پرسنل سے گہرا تعلق رہا ہے۔ ایسا کبھی نہیں ہوا کہ اس کے دل میں اپنے پرسنل لار سے دست برداری کا خیال پیدا ہوا ہو۔ اس نے ہمیشہ اپنے عائلی قانون کے تحت اپنی زندگی

مسلم پرسنل لاء اور حکومت

گزارنے کی کوشش کی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ہمیشہ سے حکومتِ وقت نے اس کے پرسنل لار کی حفاظت کی۔ حتّٰی کہ برٹش حکومت نے بھی جو اپنی استبدادی اور ظالمانہ ... زیادتیوں کے لئے بدنام ہے مسلم پرسنل لار کی حفاظت کی ضمانت دی۔ مگر صد افسوس کہ آزاد ہندوستان کے "کرتا دھرتا"

ع " فلک پہ اڑکے بھی شاہیں اسیر دام رہے "

کے مقام پر کھڑے ہو کر مسلم پرسنل لار میں تبدیلی لانے کی گندی سازش اور سعی نامشکور برابر کر رہے ہیں۔

آئین بھارت میں پرسنل لار کے تحفظ کی ضمانت

حالانکہ آئین بھارت کی دفعہ ۲۵، ۲۶، ۲۹ میں ہندوستان کے تمام شہریوں کو اظہار رائے و مذہب کی آزادی دینے کے ساتھ، اسکول مدرسے، اور اپنی تہذیب و تمدن، زبان اور رسم الخط باقی رکھنے کا حق دیا گیا ہے۔ اور اسے اتنی اہمیت دی گئی ہے کہ اس حق سے ٹکرانے والی تمام دفعات کو مسترد کیا جا سکتا ہے[1]۔

ایک لنگڑی دلیل

اس دستور آزادی کے بعد بھی بہت سے بے شرم لوگ بڑی ڈھٹائی سے اس سے انحراف کرتے ہوئے مسلم پرسنل لار میں تبدیلی کا جواز پیدا کرنے کے لئے چند مسلم ممالک کا بار بار حوالہ دیتے رہتے ہیں۔ جو سراسر ناواقفیت پر مبنی ہے۔ آخر ہندوستان کو دوسرے ممالک کی طرف دیکھنے کی ضرورت ہی کیا ہے؟ جب ہندوستان کے پاس اپنا آئین و دستور موجود ہے۔ کسی نام و نہاد سحر افرنگ سے مسحور مسلم ملک کے غلط اقدام اسلامی قانون میں تبدیلی کا جواز فراہم نہیں

---

[1] دیکھئے جمہوریہ ہند کا دستور ص۱۲ "بنیادی حقوق، بغاوت کا آئین"، دفعہ ۱۳ ص۳۸، ـــــ میرے سامنے آئین بھارت کا جنوری ۱۹۵۵ء تک کا ترمیم شدہ ایڈیشن ہے۔

کیا جاسکتا کچھ مسلم ممالک کے بوقت شدید ضرورت ایک مکتب فکر کی فقہ کو چھوڑ کر دوسرے مکتب فکر کی فقہ کو اپنانے کو "تبدیلی" کا نام نہیں دیا جاسکتا ہے۔ جس ملک میں جہاں بھی شریعت کے خلاف قدم اٹھایا گیا وہاں کے زندہ دل علماء اور مسلم عوام نے اس کی پُرزور مخالفت کی۔

یہاں پر یہ بھی قابلِ لحاظ نکتہ سامنے رہنا چاہیئے کہ اسلامی حکومت اور مسلم حکومت ایک نہیں ہیں۔ کسی مسلم حکومت کا اسلامی قانون میں تبدیلی کا شیطانی اقدام مسلمانوں کیلئے حجت نہیں بن سکتا۔ اسلامی شریعت میں ترمیم کا حق کسی کو نہیں پہنچتا ہے۔ چاہے وہ مسلمان ہی کیوں نہ ہو۔ یہ بات سراسر لایعنی اور لغو ہے کہ مسلمانوں کے پرسنل لاء میں تبدیلی ان کے کہنے پر ہوگی۔ ان کی مرضی کے خلاف تبدیلی نہیں ہوگی۔ مسلمان شرعی احکام پر عمل کرنے کا پابند ہے نہ کہ ان میں تبدیلی وترمیم کا حقدار۔

مذکورہ تفاصیل سے یہ حقیقت روز روشن کی طرح عیاں ہوگئی کہ مسلم پرسنل لاء اسلامی شریعت وقانون کا اٹوٹ حصہ دین کا لاینفک جُزء ہے، جو جامع، مکمل اور ناقابل تبدیل ہونے کے ساتھ وقت کے تمام پیش آمدہ مسائل کو حل کرنے کی صلاحیت رکھتا ہے۔

مسلمانوں کے کرنے کا کام

لیکن اسی سے صرف ہمارا مسئلہ حل نہیں ہوسکتا بلاشبہ ہمارا پرسنل لاء، جامع مکمل اور ناقابلِ تبدیل ہے۔ تاہم مسلمانوں کو بھی اس سلسلے میں کچھ کرنا ہوگا۔ مثلاً (۱) مسلم معاشرے سے ان ناانصافیوں اور مشکلات کو دور کرنا جن سے اس وقت معاشرہ دوچار ہے (۲) مسلم پرسنل لاء کو استعمال کرنا اس پر عمل کرنا (۳) علم کو فروغ دیکر جہالت کو دور کرنا (۴) معاشرے کو صحیح اسلامی معاشرہ بنانے کی جدوجہد کرنا (۵) اور ایک دوسرے کے حقوق کی ادائیگی ـــــ اگر مسلمان ان باتوں پر عمل پیرا ہوجائیں تو بہت سے وہ مسائل خود بخود حل ہوجائیں گے جو بہت سے لوگوں کے دل ودماغ کو پریشان کئے ہوئے ہیں۔

قسط ۳

حضرت نانوتویؒ اور عشق رسول صلی اللہ علیہ وسلم

از مولانا الحافظ محمد اقبال مانچسٹر،

حضرت نانوتویؒ اور عقیدۂ ختم نبوّت

عقیدہ ختم نبوت اسلام کا ایک اہم اور بنیادی رکن ہے اسے تسلیم کئے بغیر کوئی شخص مسلمان نہیں ہوسکتا۔ جو شخص حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو اللہ تعالیٰ کا آخری پیغمبر رسول نہیں مانتا یا آیت ختم نبوت میں تاویل و تحریف کرتا ہے۔ اس کا اسلام سے قطعاً تعلق نہیں وہ بے ایمان اور دائرہ اسلام سے خارج ہے۔ یہی عقیدہ تمام اہل اسلام علمائے دیوبند اور حضرت نانوتویؒ کا بھی ہے۔

حضرت نانوتویؒ نے اسی عقیدے کی تائید کے لئے ایک مختصر مگر بھرپور علمی رسالہ "تحذیرالناس" تحریر فرمایا جس میں اس عقیدہ کو ثابت کرنے کیلئے مختلف علمی دلائل دیئے اور اعتراضات و اشکالات کا جواب دیکر ہر تاویلات فاسدہ کی ناکہ بندی کی۔ حق تو یہ تھا کہ ہم حضرت نانوتویؒ کے احسان مند ہوتے کہ آپ نے اتنی بڑی علمی خدمت سرانجام دی مگر حیف در حیف کہ کچھ لوگوں نے الٹا انہیں ہی طنز و تشنیع کا نشانہ بنا دیا۔ اور انہیں ہی اس عقیدہ کا منکر بتلاکر تیغ تکفیر بے نیام کی۔

حضرت نانوتویؒ نے جس دور میں یہ رسالہ تصنیف فرمایا۔ ظاہر ہے کہ ہندوستان میں اور بھی مدارس اور خانقاہیں تھیں۔ ان تک بھی یہ کتاب پہونچی تھیں۔ مگر کسی نے اس رسالہ

میں کوئی قابلِ اعتراض مسئلہ نہیں دیکھا۔ نہ صراحۃً نہ کنایۃً۔ البتہ بریلی کے ایک اعلیٰ حضرت جو مولانا احمد رضا خاں کے نام سے جانے پہچانے جاتے ہیں انے یونہی ایک الزام منسوب دیا کہ اس کتاب میں انکارِ ختم نبوت کا عقیدہ موجود ہے۔

سننے والے حیران تھے کہ ہم نے پوری کتاب مطالعہ کی مگر کہیں نام و نشان نہیں۔ مگر اعلیٰ حضرت مصر رہے کہ اس میں موجود ہے۔ اس وقت سے لیکر آج تک بریلوی جماعت کے اکابر ہوں یا اصاغر اسی لکیر کے فقیر بنے رہے اور یہی الزام عائد کرتے رہے۔ میں حیران ہوں کہ یہ الزام آج تک الزام ہی رہا کبھی حقیقت کا روپ نہ دھار سکا۔ اگر واقعۃً وہ بات ہوتی جو اعلیٰ حضرت کے علم مبارک سے بیان ہوئی تھی تو ضرور ثابت ہوتی مگر افسوس کے ساتھ کہنا پڑتا ہے کہ نہ تو ان کے کسی اکابر نے نہ کسی اصاغر نے اعلیٰ حضرت کی کتاب "حسام الحرمین" کی وہ عبارت جو مولانا نانوتویؒ کے سر تھوپ دی گئی تھی تحذیر الناس" سے دکھائی ہے۔ اور قیامت تک نہیں دکھا سکیں گے اس لئے کہ ایسی کوئی عبارت جو حسام الحرمین" میں ہے۔ تحذیر الناس میں نہیں پائی جاتی ہے۔

حضرت نانوتویؒ کی کتاب میں یہ عقیدہ موجود نہیں۔ پھر یہ الزام کیسے اور کیوں لگایا گیا؟ اس کے جواب کیلئے ہمیں تاریخ کے اوراق الٹنے پڑیں گے۔ آپ کو معلوم ہوگا کہ ہندوستان میں انگریزوں کے خلاف جہاد میں علماء دیوبند کے یہ اکابر پیش پیش تھے۔ انگریز چاہتے تھے کہ مسلمانوں کے درمیان ہی افتراق و انتشار پھیل جائے اور لڑاؤ اور حکومت کرو۔ کی پالیسی پر عمل کیا جائے۔ چنانچہ مجاہدینِ اسلام کے اس منصوبہ کو ختم کرنے کے لئے انگریزوں نے سوچی سمجھی اسکیم کے تحت یہ مسئلہ پیدا کرا دیا۔ چنانچہ جب ہم دیکھتے ہیں کہ حضرت نانوتویؒ کے رسالہ میں سے تین مختلف صفحات کی تین مختلف سطریں سیاق و سباق سے الگ کر کے ایک مربوط عبارت ترتیب دی گئی؟ آخر کیوں؟ آخر تین مختلف صفحات کی تین مختلف سطریں کن کن مصلحتوں کے پیشِ نظر ملائی گئیں

اور اعلیٰ حضرت کا یہ فتویٰ کہ "بفضلہ تعالیٰ ہندوستان دارالاسلام ہے" (احکام شریعت) کیوں چلتا رہا۔ اور آخر کیوں اعلام الاعلام بان ہندوستان دارالاسلام رسالہ شائع ہوتا رہا۔

میرا خیال ہے کہ تاریخ عالم میں کسی نے اپنے مخالفین کے رسائل میں اس طرح کی خیانت کا ارتکاب نہ کیا ہوگا۔ جیسا کہ اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی نے کیا تھا۔

پھر یہ بات بھی غور طلب ہے کہ اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی جب اس عبارت کو ترتیب دے رہے تھے اور اس کو لیکر جارہے تھے تو جانے سے پہلے اکابر دارالعلوم سے کیوں رجوع نہ کیا گیا؟ ان سے براہِ راست مسئلہ اور عقیدہ کیوں نہ پوچھا گیا؟ دارالعلوم دیوبند نہ سہی۔ ہندوستان میں اور بھی مدارس اور دارالافتاء موجود تھے ان سے کیوں رجوع نہ کیا گیا؟ کیا مفتیانِ کرام کا وجود نہ تھا؟ کیا علمی مدارس اور خانقاہیں ختم ہوچکیں تھیں؟ کیا حضرت نانوتویؒ کے تلامذہ اور متوسلین موجود نہ تھے؟ چلئے کچھ نہ سہی۔ حضرت حاجی امداداللہ صاحب مہاجر مکیؒ سے ہی رجوع فرمالیتے جن کے حضرت نانوتویؒ مرید بھی تھے اور مجاز بھی۔ اور یہی وہ حضرات حاجی صاحبؒ ہیں جن کے بارے میں بریلوی مکتب فکر کے مولانا سعید احمد کاظمی (پاکستان) نے لکھا ہے کہ آپ علمائے حق اور علمائے اہلسنت میں سے ہے۔ (الحق المبین صفحہ ۱۴۱) بات صحیح تھی یا غلط فوراً فیصلہ ہوجاتا اور اتحاد امت پارہ پارہ نہ ہوتا۔ مگر افسوس کہ ان تمام باتوں سے قطع نظر کرتے ہوئے سب کچھ کرلیا گیا اور پھر بھی اعلیٰحضرت ہی رہے — پھر یہ مسئلہ بھی قابل توجہ ہے کہ علمائے دیوبندؒ کی ان عبارات کا خود ہی عربی میں ترجمہ کیوں کیا؟ خود ہی سائل کیوں بنے؟ خود ہی مجیب کیوں ہوئے؟ خود ہی فتویٰ کیوں دیا؟ ان کے ناموں کے ساتھ مرزا غلام احمد قادیانی علیہ ما علیہ کا نام کیوں جوڑا؟ پھر جو عربی ترجمہ کیا تھا اس میں اضافہ و ترمیم کیوں کی؟ کسی غیر جانبدار عربی داں سے ان تراجم کی تصدیق کیوں نہ کرائی؟ اور پھر یہ کہ ان کے پاس کیوں گئے جو اردو زبان سے نابلد تھے؟

ان سوالات کی روشنی میں یہ بات سامنے آتی ہے کہ مخالفین کی عبارات میں قطع و برید کرنا اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی کی عادت شریفہ تھی اور اپنے مخالفوں کے ساتھ یہ سلوک کہ ان کی عبارات کچھ کی کچھ بنا دیں ان کا طرۂ امتیاز رہا ہے۔ جمعیت انوار خواجہ شریف کے ناظم اور خواجہ قمرالدین سیالوی کے استاذ مولانا معین الدین صاحب مرحوم جو ایک غیر جانبدار بزرگ ہیں (جو نہ علمائے دیوبند کے استاذ ہیں نہ شاگرد نہ ہی ارادت وعقیدت کا تعلق بلکہ بعض فروعی مسائل میں اختلاف بھی رکھتے تھے) اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی کی ان عبادات سے سخت پریشان تھے ان کی کسی کتاب کے ساتھ بھی ایسا ہی واقعہ پیش آیا تھا۔ چنانچہ انھوں نے اپنے رسالہ تجلیات انوارالمعین میں اعلیٰ حضرت کے اس فعل کا رونا رویا ہے۔ موصوف اعلیحضرت کی خصوصیت ۲ کے ذیل میں لکھتے ہیں کہ:۔

الزام بمالا یلتزم یعنی جس امر کا مخالف کو التزام نہ ہو نہ شرعاً نہ عرفاً اس کا لزوم ہو اس کو اپنے مخالف کے سر تھوپ دینا اعلیحضرت کی صفت خاصہ ہے جس کا اکثر مواقع میں ظہور ہوتا رہتا ہے۔ نمونہ کے طور پر مثالیں پیش کی جاتی ہیں کہ:۔
(تجلّیات انوارالمعین ص ۸)

خصوصیت ۳ بیان کرتے ہیں کہ

مغالطہ دہی یہ خاصیت اعلیٰ حضرت کی تمام تالیفات کی بانی اور روح رواں ہے اس کی مثالیں آپ کی تالیفات میں بکثرت ہیں جس کے احاطے کے لئے ایک دفتر بھی کفایت کی ضمانت نہیں دے سکتا۔ مجبوراً دو مثال پر اقتصار مناسب سمجھا گیا۔۔۔ (ص ۹)

خصوصیت ۱۳ بہتان طرازی اور اس کی مثالیں بیان کرتے ہوئے آخر میں خصوصیت ۱۴ بیان کرتے ہیں کہ — خلاف بیان ص ۱۲

اس کے ضمن میں اپنے رسالہ میں اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی نے جو ہاتھ کی صفائی دکھا کر

ان کی عبارات کا جو مطلب بیان کیا تھا اس کی شکایت کرتے ہوئے رقم طراز ہیں کہ:۔

پھر آپ کو کیا حق ہے کہ غلط نسبت کرکے یہ الزام قائم کریں (ص۱۷)

اور اعلیٰ حضرت سے گذارش کرتے ہیں کہ:۔

آپ کو اگر اس کے اجماعی ہونے میں کلام ہے تو شوق سے اس کا اجماعی ہونا باطل کیجئے گو بے سروپا بیانات سے سہی لیکن خدارا یہ ستم ظریفی تو نہ کیجئے کہ جو بات آپ کا مخالف نہ کہے اس کو بھی اس کے سر تھوپیں (ص۱۷)

غور کیجئے اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی کہاں کہاں ہاتھ کی صفائی دکھایا کرتے تھے۔ اور کس طرح علماء حقانی کو بدنام کیا کرتے تھے۔ پیش نظر رہے کہ "تجلیات انوار المعین" اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی کی زندگی میں طبع ہو چکی تھی مگر اس کے جواب سے لاچار تھے! علاوہ ازیں بریلوی مکتبہ فکر ہی کے ایک اور عالم مفتی خلیل احمد خاں قادری برکاتی بجنوری ثم البدایونی جو پہلے اعلیٰحضرت فاضل بریلوی ہی کے ہمنوا و ہم مشرب و ہم مسلک تھے۔ مگر انکشاف حق کے بعد اپنے اس سابقہ عقائد سے توبہ کرتے ہوئے اسی نام "انکشاف حق" سے ایک کتاب تحریر فرمائی ہے جو ۱۳۸۶ھ کو بدایوں ہی سے شائع ہوئی ہے۔ اس میں بھی اسی بات کا رونا رویا گیا ہے۔ مفتی صاحب موصوف لکھتے ہیں کہ:۔

سمجھ لیجئے کتاب موجود ہے اس میں ملا کر دیکھ لیجئے اوّل فقرہ ص۱۴ کا ہے اور دوسرا ص۲۸ کا ہے اور تیسرا ص۳ کا یہ تین جگہ کے ٹکڑے ملا کر ایک عبارت بنائی گئی جس میں کفری مضمون پیدا کیا گیا ہے ان فقرات کو بھی اس طور سے نقل کیا گیا ہے کہ کوئی علامت ایسی نہ قائم کی گئی جس سے یہ معلوم ہو جائے کہ عبارت ایک جگہ کی نہیں ہے۔ بلکہ چند مقامات سے مختلف فقروں کو ایک جگہ کیا گیا ہے پھر ان فقرات کا سیاق وسباق غائب۔ مسلمانو! بڑی حیرت کا مقام ہے کہ کجا فاضل بریلوی کی شان اور کجا یہ صنعت کہ آگے کا فقرہ پیچھے اور پیچھے کا فقرہ آگے۔

اس صورت میں تو کفری مضمون آپ ہی ہو جائے گا۔ اگر قرآن کریم کی آیت شریفہ میں بھی کوئی بدبخت ایسا تصرف کرے تو کیا کفری مضمون نہ ہو جائے گا۔ مثلاً اِنّ الابرار لفی نعیم وانّ الفجّار لفی جحیم میں صرف اس قدر تحریف کر دے گا نعیم کی جگہ جحیم اور جحیم کی جگہ نعیم پڑھے تو بالکل مطلب الٹا ہو جائے گا اور کلام صریح کفر ہو جائے گا حالانکہ اس میں سب لفظ قرآن پاک کے ہیں صرف دو لفظوں کی جگہ بدل گئی ہے الخ (انکشاف حق ص۱۴۵)

مفتی صاحب موصوف نے ایک جگہ یہ بھی چیلنج دیا ہے کہ:۔

حسام الحرمین میں جو عبارت تحذیر الناس کی تبدیل و تحریف لفظی و معنوی کے ساتھ نقل کی گئی ہے وہ بہت ہی افسوسناک ہے۔ فقیر سچائی کے ساتھ عرض کرتا ہے کہ اگر تحذیر الناس کی عبارت جس طور و ترتیب سے حسام الحرمین میں نقل کی گئی ہے۔ تحذیر الناس کے کسی ایک ورق میں دکھا دیں تو فقیر کے اختلاف کا اسی وقت فیصلہ ہو جائے گا۔ (انکشاف حق ص۱۴۴)

آپ نے غیر جانبدار علماء کی شہادت سن لیں۔ جو کسی تبصرے کی محتاج نہیں۔ ہم عرض یہ کر رہے تھے کہ حضرت نانوتویؒ تو عقیدۂ ختم نبوت کے قائل بلکہ اس پر ہونے والے اشکالات و اعتراضات کا مدلل جواب دے رہے تھے۔ مگر انہی کو مورد الزام اور قابلِ گردن زدنی قرار دیا گیا۔ نہ صرف یہ بلکہ جو بھی ان سے عقیدت کا اظہار کرے بلکہ انھیں صرف مسلمان ہی سمجھے انھیں بھی تکفیر کی تلوار سے گھائل کر دیا گیا۔ اِنّا لِلّٰہ واِنّا الیہ رَاجعُون۔

حضرت نانوتویؒ کا ختم نبوت کے باب میں کیا عقیدہ تھا اُسے ملاحظہ فرمایئے!

۱۔ اپنا دین و ایمان ہے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کسی اور نبی کے ہونے کا احتمال نہیں جو اس میں تاویل کرے۔ اسے کافر سمجھتا ہوں۔ (جوابات محذورات ص۵)

۲۔ خاتمیت زمانی اپنا دین و ایمان ہے ناحق تہمت کا البتہ کچھ علاج نہیں (ص۳۹)

۳۔ جیسے آفتاب پر سلسلہ فیض نور ختم ہوجاتا ہے ہمارے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر فیض نبوت ختم ہوجاتا ہے۔ (مکتوبات ص ۹۵)

۴۔ خاتمیت زمانی سے مجھ کو انکار نہیں بلکہ یوں کہئے کہ منکروں کیلئے گنجائش انکار نہ چھوڑی افضلیت کا اقرار ہے بلکہ اقرار کرنے والوں کے پاؤں جما دیئے اور نبیوں پر ایمان ہے پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے برابر کسی کو نہیں سمجھتا۔ (مناظرۂ عجیبہ ص ۵)

(۵) جب حضرت خاتم النبیین خاتم مراتب علیہ وخاتم مراتب نبوت حکومت ہوئے تو نہ ان کی تعلیم کے بعد کوئی معلم تعلیم آسمانی لیکر آئے اور نہ اُن کے بعد اور کوئی حاکم خدا کی طرف سے حکم نامہ لائے۔ (آریہ سماج کو جواب ترکی بہ ترکی ص ۵۱)

۶۔ اس بات کا یقین ہوجاتا ہے کہ حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر تمام مراتب کمال اسی طرح ختم ہوگئے۔ جیسے بادشاہ پر مراتب حکومت ختم ہوجاتے ہیں۔ اس لئے جیسے بادشاہ کو خاتم الحکام کہہ سکتے ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو خاتم الکاملین اور خاتم النبیین کہتے ہیں۔۔۔۔ اس لئے آپ کے دین کے ظہور کے بعد سب اہل کتاب کو بھی ان کا اتباع ضرور ہوگا کیونکہ حاکم اعلیٰ کا اتباع تو حکام ماتحت کے ذمہ بھی ہوتا ہے رعایا تو کس شمار میں ہیں علاوہ بریں جیسے لارڈ لٹن کے زمانہ میں لارڈ لٹن کا اتباع ضروری ہے۔ اس وقت احکام لارڈ نارتھ برک کا اتباع کافی نہیں ہوسکتا اور نہ اس کا اتباع باعث نجات سمجھا جاتا ہے۔ ایسے ہی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ بابرکات میں اور ان کے بعد انبیاء سابق کا اتباع کافی اور موجب نجات نہیں ہوسکتا۔ یہی وجہ ہوئی کہ سوا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اور کسی نبی نے دعوے خاتمیت نہ کیا بلکہ انجیل میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا یہ ارشاد کہ جہاں کا سردار

آتا ہے خود اس بات پر شاہد ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام خاتم نہیں کیونکہ حسب اشارہ مثال بادشاہ خاتم وہی ہوگا جو سارے جہاں کا سردار ہو۔ اس وجہ سے ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو سب میں افضل سمجھتے ہیں پھر یہ آپ کا خاتم ہونا آپ کے سردار ہونے پر دلالت کرتا ہے اور بقرینہ دعویٰ خاتمیت جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے منقول ہے یہ بات یقینی سمجھتے ہیں کہ وہ جہاں کے سردار جن کی خبر حضرت عیسیٰؑ دیتے ہیں۔ حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہی ہیں

(حجۃ الاسلام ص۳۵)

ایک مقام پر فرماتے ہیں۔

حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت تو اور نبیوں کی نبوت سے بالاتر ہے۔

(ھدیۃ الشیعہ ص۵۴)

ایک اور مقام پر فرماتے ہیں کہ:۔

یہ بات واجب التسلیم ہے کہ آپ (یعنی محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم) تمام انبیاء کے قافلہ کے سالار، اور سب رسولوں کے سردار اور سب سے افضل اور سب کے خاتم ہیں

(میلہ خداشناسی ص۲۳ سوانح قاسمی ص۴۳)

آپ کا یہ ارشاد بھی پڑھئے۔

آج کل نجات کا سامان بجز اتباع نبی آخر الزماں محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور کچھ نہیں۔ (مباحثہ شاہجہاں پور ص۲۶)

پھر یہ دو ٹوک بات بھی ملاحظہ کیجئے!

کوئی شخص اس زمانہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو چھوڑ کر اوروں کا اتباع کرے تو بے شک اس کا یہ اصرار اور یہ انکار از قسم بغاوت خداوندی ہوگا جس کا حاصل کفر و الحاد ہے۔ (حوالہ بالا ص۲۷)

پھر یہ بھی منادی کردی گئی کہ :-

عذاب آخرت اور غضب خداوندی سے نجات اس وقت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اتباع میں منحصر ہے۔ (سوانح قاسمی جلد ۲ صفحہ ۴۳۸)

ایک اور جگہ فرماتے ہیں !

لفظ خاتم الصفات میں بھی اس طرف اشارہ ہوگیا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو خاتم النبیین اس لئے بھی فرمایا گیا ہے کہ آپ خاتم الصفات ہیں یعنی اس صفت خاص کے مظہر کامل ہیں جس سے اوپر اور کوئی صفت نہیں جو مخلوقات میں سے کسی کو عطا کئے جانے کے قابل ہو۔ (انتصار الاسلام صفحہ ۱۲۰)

ایک جگہ فرماتے ہیں !

ہم اسی کو عبد کامل اور سید الکونین اور خاتم النبیین کہتے ہیں اور وجہ اس کہنے کی خود اسی تقریر سے ظاہر ہے اب کلام اس میں رہا کہ وہ کون ہے ؟ ہمارا دعویٰ یہ ہے کہ وہ حضرت محمد عربی صلی اللہ علیہ وسلم ہیں (ایضاً صفحہ ۱۲۲)

ایک جگہ فرماتے ہیں !-

آپ کا دین سب دینوں میں آخر ہے چونکہ دین حکم نامہ خداوندی کا نام ہے تو جس کا دین آخر ہوگا۔ وہی شخص سردار ہوگا کیونکہ اس کا دین آخر ہوتا ہے جو سب کا سردار ہوتا ہے۔ (قبلہ نما صفحہ ۱۱)

ایک جگہ فرماتے ہیں !-

ایک بار وہ دین تمام عالم میں پھیل جائے اور کوئی فرد بشر بظاہر ایسا نہ بچے کہ وہ دین خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم کا پابند نہ ہو۔ (انتصار الاسلام صفحہ ۱۲۵)

حضرت مولانا نانوتویؒ کی ان عبارات سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ آپ آنحضرت ختمی مرتبت صلی اللہ علیہ وسلم کو اللہ تعالیٰ کا آخری پیغمبر سمجھتے تھے آپ کے ان عقائد کے خلاف جو بھی آپ پر الزام لگاتا ہے درحقیقت وہ اپنا خبث باطن ظاہر کرتا ہے اور امت میں افتراق وانتشار پیدا کرتا ہے۔

جاری

قسط ۳ مولانا عبدالدیان اعظمی

تحقیق حدیث دجال پر ایک نظر

مولانا کی تحقیق!

آیت "وَمَا يَنْطِقُ عَنِ الْهَوٰى"... کے خلاف

تحقیق میں مولانا کا یہ فرمانا کہ "حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ نہیں بتایا گیا کہ دجال کب ظاہر ہوگا اور کہاں ظاہر ہوگا۔۔۔۔ وغیرہ، ان امور کے متعلق جو مختلف باتیں حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے احادیث میں منقول ہیں وہ دراصل آپ کے قیاسات ہیں" میرے نزدیک آیت "وَمَا يَنْطِقُ عَنِ الْهَوٰى اِنْ هُوَ اِلَّا وَحْيٌ يُّوْحٰى" کے خلاف ہے۔ کیونکہ یہاں مولانا اس بات کا دعویٰ کر رہے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے دجال کے زمانہ خروج ومقام خروج وغیرہ کی خبریں جو امور دین وعلم غیب سے متعلق ہیں بغیر علم وحی کے اپنی طبیعت سے اور اپنے خیالات کے زیر اثر دیں جب کہ آیت میں صراحۃً بغیر مرضی الٰہی اپنی طبیعت اور اپنے قیاس وخیال کے زیر اثر کوئی بات کہنے کی نفی آئی ہے۔

مولانا محمد بدر عالم صاحب رحمۃ اللہ علیہ اپنی کتاب ترجمان السنۃ حصہ اول ص۱۴۱ کے حاشیہ میں آیت مذکورہ کے متعلق فرماتے ہیں کہ:۔

مولوی اسلم صاحب اس آیت (وَمَا يَنْطِقُ عَنِ الْهَوٰى اِنْ هُوَ اِلَّا وَحْيٌ يُّوْحٰى) کو صرف قرآن کے ساتھ مخصوص کرتے ہیں۔ حالانکہ یہاں رسول کی صفت نطق کی مطلقاً مدح مقصود ہے۔ قرآن کریم پڑھنے کیلئے تمام جگہ تلاوت یا قرأت کا

لفظ مستعمل ہوا ہے۔ اگر یہاں قرآن مراد ہوتا تو وما ینطق کی بجائے وَمَا یَتْلُوْ یا وَمَا یَقْرَءُ کا لفظ ہونا چاہئے تھا۔ منکرین حدیث چونکہ حدیث کے سرے سے مخالف ہیں اس لئے وہ رسول کو کسی ایسی صفت کے ساتھ موصوف دیکھنا نہیں چاہتے جس کے بعد اس کو عام امراء و حکام سے کوئی خصوصی امتیاز حاصل ہو جائے۔ اصل یہ ہے کہ رسول اپنی ذات اور تمام صفات میں عام انسانوں سے ممتاز ہوتا ہے۔ اس لئے ان کے کان وہ سنتے ہیں جو عام مخلوق کے کان نہیں سنتے، ان کی آنکھیں وہ دیکھتی ہیں جو عام آنکھیں نہیں دیکھتیں۔ اسی لئے فرمایا "اِنِّیْ اَرٰی مَا لَا تَرَوْنَ" یہی حال اُن کے نطق کا ہے۔ اسی لئے آپ نے اپنے منہ کی طرف اشارہ کرکے فرمایا کہ اس منہ سے حق بات کے سوا کبھی کچھ نہیں نکلتا۔ حتّٰی کہ اپنی خوش طبعی کے متعلق بھی فرمایا "اِنِّیْ لَا اَقُوْلُ اِلَّا حَقًّا"، (میں خوش طبعی میں بھی سچی بات کہتا ہوں) اسی لئے فرمایا کہ غصّہ اور رضامندی کے ہر حال میں جو میرے منہ سے نکلے سب لکھ لو وہ حق ہی حق ہوگا۔ جب اس کے عام نطق کا حال یہ ہے تو جو قرآن اس کی زبان سے نکلتا ہے۔ وہ صدق و صفا کی کس منزل پر ہوگا۔ یہ بات یاد رکھنا چاہئے کہ یہاں قرآن نے آپ کے کسی خاص بات کہنے کے متعلق صفائی پیش نہیں کی یعنی وَمَا یَنْطِقُ بِالْقُرْاٰنِ وغیرہ نہیں فرمایا بلکہ معقول کو حذف کیا ہے لہذا بلاغت کے قاعدہ کے مطابق اس کا مطلب یہ ہے کہ یہاں مفعول مقصود ہی نہیں بلکہ صرف آپ کی صفت نطق کی پاکیزگی تبلانا منظور ہے۔"

(ترجمان السنۃ حصہ اوّل ص۱۱۱ حاشیہ میں)

اس تفسیر کی روشنی میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان مبارک سے نکلے ہوئے تمام کلام مبنی بر وحی ہیں چہ جائے کہ دجّال کے متعلق خبریں جو امور دین اور غیب کی پیشین گوئیوں پر

مشتمل ہیں ان کو علمِ وحی سے خارج اور مبنی بر قیاس اور خیالات کے زیرِ اثر قرار دیا جائے۔

یہ تفسیر ہم نے ترجمان السنہ سے لکھی ہے۔ مگر ہمیں تو خود مولانا ہی کی دوسری تحریر کی تلاش ہے۔ اور انھیں کی تحریر سے ثابت کرنا ہے کہ ان کی تحقیق کا دعویٰ باطل ہے تاکہ یؤخذ المرءُ باقرارہ کے تحت خود ان کی اپنی ہی تحریر ان پر حجت ہو۔ لہٰذا دو تحریریں ملاحظہ ہوں۔

۱۔ مولانا نے اپنے بیان "کیا حضورؐ اپنے خیالات کی پیروی کے لئے آزاد تھے؟" میں اس بات کا اعتراف کیا ہے کہ فاضل جج کا یہ عقیدہ کہ "حضورؐ اپنے خیالات کے زیر اثر کام کرتے تھے" قرآن کی آیت وَمَا يَنْطِقُ عَنِ الْهَوٰى ..... کے خلاف ہے چنانچہ لکھتے ہیں۔

"...... یہ بات نہ قرآن سے مطابقت رکھتی ہے۔ اور نہ عقل اس کو باور کرسکتی ہے۔ قرآن مجید بار بار اس امر کی صراحت کرتا ہے کہ رسول ہونے کی حیثیت سے جو فرائض حضور پر عائد کئے گئے تھے ..... ان کی انجام دہی میں آپ اپنے ذاتی خیالات و خواہشات کے مطابق کام کرنے کیلئے آزاد نہیں چھوڑ دیئے گئے تھے بلکہ آپ وحی کی رہنمائی کے پابند تھے۔ اِنْ اَتَّبِعُ اِلَّا مَا يُوْحٰى اِلَيَّ (الانعام) قل انما اتبع مَا يُوْحٰى اِلَيَّ مِنْ رَّبِّيْ (الاعراف ۲۰۳) مَا ضَلَّ صَاحِبُكُمْ وَمَا غَوٰى وَمَا يَنْطِقُ عَنِ الْهَوٰى اِنْ هُوَ اِلَّا وَحْيٌ يُّوْحٰى (النجم ۲-۳-۴) رہی عقل تو .... (ترجمان القرآن منصب رسالت نمبر صفحہ ۳۱)

اس تقریر سے صاف طور سے معلوم ہوا کہ اپنے قیاس و خیال کے زیر اثر کلام کرنا، قرآن کے خلاف اور نطق عن الهوىٰ کے مرادف ہے جس کی گنجائش فرائض و خدمات کی

انجام دہی میں بالکل نہیں ہے۔ پھر کیسے تسلیم کیا جائے کہ دجّال کے باب میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے آیت کے خلاف اپنے قیاس وخیال کے تحت خبریں دیں جب کہ دجّال کی خبر اخبار غیب سے متعلق ہے جس کے فتنہ سے امت کو ڈرانا فرائض نبوت میں سے تھا۔ چنانچہ حضرت نوح علیہ السّلام اور ان کے بعد کے تمام نبیوں نے اس فریضہ کے تحت اپنی اپنی امتوں کو اس کے فتنہ سے ڈرایا[1]۔ کیا یہاں آ موجب تحقیق حضور صلی اللہ علیہ وسلم اپنے ذاتی خیالات وخواہشات سے خبریں دینے کے لئے آزاد چھوڑ دئے گئے تھے کہ جو خیال میں آتا گیا کہتے گئے۔ اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس باب میں وحی کی رہنمائی کے پابند نہیں تھے؟ اور کیا آپ صلی اللہ علیہ وسلم زمانہ نبوت میں وحی الٰہی کے ساتھ اپنے قیاس سے باتیں کر کے وحی الٰہی کو بھی مشکوک کر رہے تھے؟

۲۔ مولانا نے تفہیم القرآن میں اس آیت کی جو تفسیر کی ہے اس سے بھی دجال کے متعلق دی گئی خبروں کے قیاسی کہنے کی گنجائش نہیں ہے۔ مولانا کی تفسیر کا خلاصہ یہ ہے کہ قرآن کے علاوہ جو کلام حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی زبانِ مبارک سے نکلے وہ تین ہی قسموں پر ہو سکتے ہیں۔ اوّل وہ جو تبلیغ دین ودعوتِ الی اللہ سے یا احکام قرآن وغیرہ کی تشریحات

---

[1] ایک حدیث میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا انہ لم یکن نبی بعد نوح الا قد انذر الدجال قومہ وانی انذرکموہ (مشکوٰۃ) یعنی فرمایا کہ نوح علیہ السّلام کے بعد کوئی نبی ایسا نہیں ہوا جس نے اپنی قوم کو دجّال سے ڈرایا نہ ہو۔ اور میں بھی تم لوگوں کو اس سے ڈراتا ہوں۔ دوسری حدیث میں فرمایا۔ انّی انذرکم کما انذر بہ نوحٌ قومہ (مشکوٰۃ) یعنی فرمایا کہ بیشک میں تم لوگوں کو ڈراتا ہوں۔ جیسا کہ نوح علیہ السّلام نے اپنی قوم کو دجّال سے ڈرایا۔ تیسری حدیث میں فرمایا۔ ما من نبی الا قد انذر امتہ الاعور الکذاب الا انہ اعور وان ربکم لیس باعور.... (مشکوٰۃ) یعنی فرمایا کہ کوئی نبی ایسا نہیں گذرا جس نے اپنی امت کو کانے کذاب (دجال) سے نہ ڈرایا ہو۔ (لہٰذا) آگاہ ہو جاؤ بیشک وہ دجّال کانا ہوگا اور تمہارا رب کانا نہیں

سے متعلق ہیں۔ دوم وہ جو آپؐ اعلائے کلمۃ اللہ کی جدوجہد اور اقامتِ دین کی خدمات کے سلسلے میں کرتے۔ اپنے اصحاب سے مشورہ فرماتے اور اپنی رائے چھوڑ کر ان کی رائے قبول کر لیتے۔ اُن کے دریافت کرنے پر کبھی کبھی یہ صراحت بھی فرما دیتے کہ یہ بات میں خدا کے حکم سے نہیں اپنی رائے سے کہہ رہا ہوں۔ یا آپؐ نے اپنے اجتہاد سے کوئی بات کہی اور بعد میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس کے خلاف ہدایت اور تنبیہ آگئی۔ سوم وہ انسان ہونے کی حیثیت سے نبوت کے پہلے بھی فرمائے اور نبوت کے بعد بھی۔ ان تینوں قسموں میں سے اوّل کی بابت مولانا فرماتے ہیں کہ یہ بالکل مبنی بر وحی ہیں اور سوم کی بابت فرماتے ہیں کہ اس نجی پہلو میں بھی کبھی کوئی بات خلاف حق نہیں نکلی۔ اس میں بھی درحقیقت وحی کا نور کارفرما تھا۔ رہے قسم دوم کے کلمات تو ان کی بابت مولانا فرماتے ہیں کہ۔

"بجز ان باتوں کے جن میں آپؐ نے خود تصریح فرمائی ہے کہ یہ اللہ کے حکم سے نہیں ہیں یا جن میں آپؐ نے صحابہ سے مشورہ طلب فرمایا ہے اور ان کی رائے قبول فرمائی ہے۔ یا جن میں آپؐ سے کوئی قول وفعل صادر ہونے کے بعد اللہ تعالیٰ نے اس کے خلاف ہدایت نازل فرما دی ہے۔ باقی تمام باتیں اسی طرح وحی خفی پر مبنی تھیں جس طرح پہلی نوعیت کی باتیں ......"

پھر آگے فرماتے ہیں کہ:۔

"....... اس معاملے میں آپؐ نے جو باتیں اپنے اجتہاد سے کی ہیں ان میں بھی آپؐ کا اجتہاد اللہ کو پسند تھا۔ اور علم کی اس روشنی سے ماخوذ تھا جو اللہ نے آپؐ کو دی تھی۔ اس لئے جہاں آپؐ کا اجتہاد ذرا بھی اللہ کی پسند سے ہٹا ہے وہاں فوراً وحی جلی سے اس کی اصلاح کر دی گئی ہے آپؐ کے بعض اجتہادات کی یہ اصلاح بجائے خود اس بات کی دلیل ہے کہ آپؐ کے باقی اجتہادات عین مرضی الٰہی کے مطابق تھے[۵]"

۵ حاشیہ اگلے صفحہ پر ملاحظہ کیجئے

کوئی صاحب تفہیم القرآن سے آیت کی پوری تفسیر پڑھ کر ہمیں تبلائیں کہ دجال سے متعلق حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادات ان مذکورہ تینوں قسموں میں سے کسی قسم میں سے داخل کئے جاسکتے ہیں۔ اگر پہلی یا تیسری قسم میں داخل کیجئے تو وہ ارشادات لازمی طور پر وحی خفی پر مبنی ہوں گے یا وحی کا نور ان میں کار فرما ہوگا جیسا کہ مولانا نے فرمایا ہے اور اگر دوسری قسم میں داخل کیجئے تو سوال ہے کہ کیا دجال کا معاملہ بھی کوئی مشورہ کی چیز ہے۔ یا اس سے متعلق حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادات پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے کوئی ہدایت اور تنبیہ آئی ہے یا حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے کبھی فرمایا ہے کہ میں یہ اللہ تعالیٰ کے حکم سے نہیں اپنی طرف سے کہہ رہا ہوں جب کوئی بات نہیں ہے تو پھر یہ برنبائے وحی کیوں نہیں ہیں؟ اور مولانا اپنی اس تفسیر کے بعد کس رو سے انھیں قیاسی ٹھہراتے ہیں۔ هَاتُوا بُرْهَانَكُمْ إِنْ كُنْتُمْ صَادِقِيْنَ ○

لے حاشیہ ص ۳۵ کا) مولانا مودودی صاحب کے بیان سے صاف عیاں ہوتا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا کوئی بھی اجتہاد جو اللہ تعالیٰ کی پسند سے ذرا بھی ہٹا بغیر اصلاح کے نہ رہا۔ اور اصلاح بھی کی گئی تو وحی جلی سے یعنی قرآن میں کی گئی۔ لہٰذا اگر کسی اجتہاد کی اصلاح کا ذکر قرآن میں نہ ہو تو ذکر کا نہ ہونا خود دلیل ہے اس کے صحیح اور عین مرضی الٰہی کے مطابق ہونے کی۔ مولانا جو اپنی تحقیق میں دجال کے زمانۂ خروج وغیرہ کی حدیثوں کو قیاسی اور غلط ٹھہرا رہے ہیں تو کاش وہ اپنی ہی تفہیم القرآن میں ان کی اصلاح کا ذکر بھی دکھا دیتے ورنہ یہی کہا جائے گا کہ جب ان کی اصلاح کا ذکر نہیں تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے یہ ارشادات عین مرضی الٰہی کے مطابق صحیح ہیں اور مولانا کی تحقیق باطل۔

قسط دوم

روس میں ترجمہ قرآن مجید

مولانا ابو الکلام قاسمی سیلم

پہلی مرتبہ :-

شاہ کارٹرین ثانی نے جب جزیرۃ القرم (جو روس میں شامل کر لیا گیا تھا۔) کا دورہ کیا تو اُن تاتاری مسلموں کی توجہ کیلئے ۱۷۸۷ء میں پہلی مرتبہ بطرسبورغ کی اکیڈمی سے پورا قرآن شریف عربی میں چھپوایا

مولانا عثمان ابراہیم تاتاری نے قرآن شریف کو جمع کیا اور اس پر حاشیہ اور شرح بھی لکھی۔ صرف اس کی خاطر عربی الفاظ ڈھالے گئے۔ اور اس کی طباعت ہوئی۔ ان ڈھلے ہوئے الفاظ اور مخطوط کے درمیان ذرہ برابر فرق نہ تھا۔ اس زمانہ کے مشہور دو مسلمان کاتبوں میں سے ایک کاتب کا خط تھا۔ اور یورپ میں عربی رسم الخط کی سب سے خوبصورت شکل تھی۔ اور دنیا میں قرآن شریف کی یہ تیسری طباعت تھی اس سے قبل صرف دو مرتبہ قرآن چھپا تھا۔ یہ طباعت اپنی عمدگی میں یورپ کے سابقہ دونوں طباعتوں پر فوقیت لے گئی۔ جس کی وجہ سے مزید شہرت ہوگئی۔ ۱۷۸۹ء اور ۱۷۹۰ء اور ۱۷۹۳ء اور ۱۷۹۸ء میں یہ قرآن شریف بار بار طبع ہوتا رہا۔ اور جب یورپ پہنچا تو یورپ میں رائج پیرانی مارشی اور ھنکلاما کی طباعت والے قرآنوں کی مانگ کم ہوگئی۔ اور مغربی مستشرقین نے سیلفسٹر ڈی ساسی اور کرسیتون نے آگے

بڑھکر اس قرآن کو ہاتھوں ہاتھ لیا اور بہت تعریف کی۔ روس میں توانیسویں صدی کی تمامتر طباعت اسی قرآن کی تھی۔ ۱۸۰۰ء میں دینی اور... مذہبی کتابوں کی نشر و اشاعت پر جو قیدیں تھیں وہ تمام ختم کردی گئیں اس قانون کے آتے ہی، "قازان" نامی شہر میں صرف اسلامی کتابوں کی طباعت کیلئے ایک مطبع شروع کیا گیا۔

بطرسبورغ اکیڈمی کے ڈھلے ہوئے حروف ہی اس پریس میں استعمال ہوتے "قازان" کے پریس نے اپنے ابتدائی سال میں "۱۲۰۰" قرآن شریف طبع کئے ۱۸۴۳ء اور ۱۸۵۲ء کی قلیل مدت کے مابین اس کی تعداد "۲۳۶۰۰"، ہو گئی۔ اور ۱۸۵۳ء اور ۱۸۵۹ء کی مدت میں "قازان" اور بعض خاص پریسوں میں قرآن چھپنے کی تعداد "۸۲۳۰۰" نسخہ تک ہو گئی۔

قابل ذکر امر یہ ہے کہ یہ تمام کے تمام نسخے بطرسبورغ کے پہلے ڈھلے ہوئے حروف پر مبنی تھے جو ۱۷۸۷ء میں ڈھلے گئے تھے۔

مزید براں یہ قرآن صرف روسی مسلمانوں کے ہاں نہیں بلکہ روس سے باہر بھی مقبول ہوئے۔ اور اس کی مانگ بہت بڑھ گئی۔

انیسویں صدی کے اواخر میں پورے عالم اسلامی، ترکی مصر، ہندوستان اور "جزیرۃ القرم" بقچہ صرای میں اور خود روس میں یہ مطبوعہ قرآن بہت زیادہ پھیل گیا۔

قرآن شریف کی اس پہلی کامل طباعت کے بعد تیسرا روسی قرآن کا ترجمہ شائع ہو گیا۔ جو ۱۷۹۰ء ڈی ریڑ فرانس کے پرانے ترجمہ سے کیا گیا تھا۔ اور یہ ترجمہ روس کے مشہور انشاء پرداز میخائیل فیرونیکن ۱۷۳۲ء-۱۷۹۵ء نے کیا تھا۔ اور یہ اس وقت قازان کے اسکولوں کے ڈائرکٹر تھے۔ اور انھی کی معمولی کوششوں سے ان مدرسوں میں شرقی زبانوں کی تعلیم ہونے لگی۔ دو سال بعد بطرسبورغ سے چھوٹا ترجمہ قرآن کریم شائع ہوا۔ (تیسرا مطبوعہ چونکہ دوسرا ترجمہ طبع نہیں ہوا تھا) جس کو لماکوف متوفی ۱۸۰۷ء

نے انگریزی سے روسی زبان میں نقل کیا تھا۔ اور یہ انگریزی ترجمہ پادری جورج سال نے کیا تھا۔ جو فرانسیسی ترجمہ کے مقابلہ میں اچھا اور کامل تھا۔

ایک اہم دور

میخائیل فیرومنیکین کے ترجمہ نے روسی ادب میں ایک اہم رول ادا کیا کیونکہ مترجم جو ایک بڑے انشاء پرداز اور مصنف اور ڈرامہ نگار تھے۔ انھوں نے اپنے ترجمہ میں بلند پایہ ادب کو سمو دیا۔ جس کی وجہ سے بہت سے روسی انشاء پرداز قرآن شریف کی طرف متوجہ ہوئے۔

بڑے بڑے ادیب جو اس ترجمہ سے متأثر ہوئے ان میں سے روس کے مشہور شاعر بوشکین بھی ہیں۔ جن کو قرآن کے بلیغ اور فصیح اسلوب اور طرز نگارش نے متأثر کیا۔ اور انھوں اقرار کیا کہ قرآن شریف پہلی دینی کتاب ہے۔ جس نے ان کے خیالات میں جلا بخشی۔ اور ان کے جذبات کو ابھارا ہے۔ اس زمانہ میں بوشکین جنوبی روس میں جلاوطنی کی زندگی گذار رہے تھے۔ بوشکین رومی نظریہ سے کافی متأثر تھے لیکن جب ان کو قریب سے دیکھا کہ وہ ظلم و زیادتی سے دوچار ہیں۔ تو اس رومی بحران سے نکلنے اور صحیح راستہ کو اختیار کرنے کیلئے بیچین ہوگئے۔ اور انسانی تہذیبی لٹریچر کیطرف ان کی توجہ مبذول ہوگی۔

اس بحرانی زندگی میں قرآن شریف بھی ایک وہ کتاب تھی جو اس ادیب کے مطالعہ میں تھی۔ جس نے حقیقی صورت حال ان پر منکشف کردی۔

نیز میخائیل کے روسی ترجمہ کو پڑھنے کے بعد بوشکین کے جذبات ابھر جاتے ہیں اور "قرآن کی وحی" والی اپنی مشہور نظم قلم بند کئے دیتے ہیں۔ ۱۲۳ر آیتوں کو اپنے شعروں میں انھوں نے نظم کیا۔ ان کی اس نظم میں سورہ نجم اور دوسری وہ آتیں جس میں قسم کھائی گئی ہے۔ اس کا ذکر ہمیں ملتا ہے۔ روس کے اس بڑے

شاعر نے اپنے بلیغ شعروں میں دین اور قرآن شریف کے فلسفہ کو بیان کیا ان کے اس قصیدہ نے قرآن کو صحیح طور پر سمجھنے کی ایک بنیاد ڈالی اور اس کی راہ ہموار کی اور بڑی حد تک روسی زبان دانوں کی توجہ قرآن کیطرف ہو گئی۔

لیکن یہ تراجم ان روسیوں کے بڑھتے ہوئے شوق کو پورا نہ کر سکے۔ باوجودیکہ وہ اس وقت میں ایک نادر علمی مجموعہ شمار کئے جاتے تھے۔

اس کے پیش نظر ۱۸۶۴ء میں ماسکو میں ایک نیا ترجمہ قرآن شریف کا شائع ہوا جس کو ایقان نیکو لائیف نے کیا اور یہ ترجمہ بھی اس زمانہ کے مشہور فرانسیسی ترجمہ سے کیا گیا۔ جس کو مستشرق اور مشہور سفارت کار کازلمیکرسکی نے کیا تھا۔

جو پولان کے اصل باشندے تھے۔ اور یہ ترجمہ ۱۸۴۰ء میں ہوا پوری انیسویں صدی میں یہی ترجمہ چلتا رہا۔ اور نصف صدی سے کم میں تقریبًا پانچ مرتبہ اس ترجمہ کی طباعت ہوئی (۱۸۶۴ء۔ ۱۸۷۶ء، ۱۸۸۰ء۔ ۱۹۰۱ء) اور یہ ترجمہ وہ آخری ترجمہ ہے جس کو کسی غیر عربی داں نے کیا ہو۔

مذکورہ بالا ترجموں میں بہت سے عیوب اور کمیاں تھیں باوجود اس کے ان تراجم نے ایک اہم رول ادا کیا۔ اسلام اور قرآن کے بارے میں جو غلط خیالات اور تصورات تھے۔ اس کے ازالہ میں بڑا رول ادا کیا اسلام اور سرکار دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات طیبہ کے بارے میں جو غلط تصورات اور صورت روسیوں میں آئی اس کا اصلی سبب یونانی تاریخی کتابیں اور مسیحی تالیفات ہیں۔

یوغسلافسکی کی کوششیں

انیسویں صدی کے ساتویں دھائی میں بیک وقت براہ راست دو ترجمہ قرآن کریم کے ہوئے اور ایک دوسرے سے بالکل الگ چنانچہ ۱۸۷۱ء جنرل دمتری یوغسلافسکی

(۱۸۲۶ء – ۱۸۹۳ء) نے روسی زبان میں براہِ راست عربی زبان سے نیا قرآن کریم کا ترجمہ تیار کیا۔ لیکن یہ ترجمہ شائع نہیں ہوا۔ بطرسبورغ یونیورسیٹی میں ریسرچ کے دوران یوغلافسکی نے بڑی معلومات عربی لٹریچر کے بارے میں حاصل کرلیں تھیں۔ آستانہ میں کئی سال فوجی معاون کی حیثیت سے کام کررہے تھے۔ تو ان کی توجہ مشرقی علوم کی طرف اور زیادہ بڑھ گئی۔ جیساکہ ان کے تعلقات شام کے مختلف مسلم انشاپرداز اور بڑی بڑی شخصیتوں کے ساتھ تھے۔ مثلاً شام کے مشہور ادیب رزق اللہ حسون جنھوں نے روس کے مشہور شاعر ایفان کریلوف کے قصوں کا عربی مطبوعہ ترجمہ اور اس کے علاوہ اپنا کلام پیش کیا۔ یوغلافسکی ترکی میں قیام کے دوران قرآن کریم کے ترجمہ کی طرف متوجہ ہوئے۔ ان کا یہ ترجمہ ادبی اور باریک بینی کے لحاظ سے بہت فائق اور بلند تھا۔ بڑے بڑے نقادوں نے اس کو بہت سراہا اور تعریف کی۔ مثلاً نکوٹر روذین، اگنائیوس، کرانسکوفسکی وغیرہ کے نزدیک۔ لیکن۔ یوغلافسکی جب روس لوٹے تو معلوم ہوا کہ اسی سال (۱۸۷۸ء) میں فاران سے قرآن شریف کا ایک نیا ترجمہ کیا گیا، اس ترجمہ کا نام گولڑدی سابلوکوف ۱۸۰۴ء – ۱۸۸۰ء تھا۔ تو یوغلافسکی اپنے ترجمہ کی اشاعت کرنے یا نہ کرنے کے بارے میں پس وپیش میں پڑگئے۔ جس کی تیاری میں انھوں نے کئی سال لگائے تھے۔

قصہ مختصر عربی زبان سے براہ راست روسی زبان میں ترجمہ کرنے کا سہرا گوردی سابلوکوف کے سر باندھا جاتا ہے جنھوں نے ذاتی شوق اور شرقی ممالک کے علوم سے دلچسپی کی بناء پر بہت سی زبانیں بغیر کسی استاد کے سیکھ لیں تھیں۔ چنانچہ انھوں نے روس کو مشرقی علوم سے مالامال کرنے میں ایک زبردست پوزیشن حاصل کرلی تھی۔ ان کی تالیفات اور تاریخی بحثیں اور آثار قدیمہ وغیرہ کے مقالے قرآن شریف کے معانی و مفہوم سے بہت زیادہ وابستہ ہوئے۔ کیونکہ سابلوکوف نے اپنی پوری زندگی قرآن شریف

کے ترجمہ کیلئے وقف کردی تھی۔ چنانچہ جب وہ بہتّر ۷۲ سال کے تھے اس وقت ان کا ترجمہ قرآن کریم اتمام کو پہونچا۔ اس عربی دانوں کے حلقہ میں اس ترجمہ کو ہاتھوں ہاتھ لیا گیا۔ نیز ان کی وفات کے بعد دوبار ۱۸۹۴ء اور ۱۹۰۴ء میں اس کی طباعت ہوئی۔ اخیر کی اشاعت میں قرآن کریم کے الفاظ بھی موجود تھے۔ اسوقت کے روسی معاشرہ کی ضروریات اور سائنسی معلومات کے بارے میں بھی اس ترجمہ کے اندر روشنی ڈالی گئی تھی۔

حضرت عثمان بن عفان (رضی اللہ عنہ) کا قرآن

۱۹۰۵ء بطرسبورغ سے حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ کے قرآن کی فوٹو آفسیٹ لے کر طبع کیا گیا تھا۔ جس کو آٹھویں صدی عیسوی میں نقل کیا گیا تھا۔ اس نسخہ کی تاریخی اہمیت کی وجہ سے بہت سے لوگوں کی توجہ اس طرف ہوگئی۔ انیسویں صدی اور بیسویں صدی میں قرآن کریم اور اسلام کے بارے میں ریسرچ کی مزید زیادتی ہوگئی۔

اسلام اور قرآن کے متعلق بڑے بڑے روسی عربی دانوں نے علمی بحثیں اور علمی مکالمے لکھے۔ مثلاً وکٹور روزین (۱۸۴۹ء) (۱۹۰۸ء) فیشالی لمرغاس (۱۸۳۵ء۔ ۱۸۸۴ء) اور فاسیلی بارتولڈ (۱۸۶۹ء۔ ۱۹۳۰ء) کسندر سمیٹ (۱۸۷۱ء۔ ۱۹۳۹ء) آغا فانغل کریمسکی (۱۸۷۱ء۔ ۱۹۴۱ء) اور مغربی مستشرقین نے بھی روسی زبان کو بہت کچھ دیا۔ اس زمانہ میں بھی اسلام اور قرآن اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا مفصل جائزہ لیا گیا۔ نیز طباعت واشاعت کا دائرہ بھی وسیع تر ہوگیا۔ عربی پریس روسی سہنشاہیت کے بڑے بڑے شہروں میں پھیل گئیں تھیں۔ خاصکر، بطرسبورغ" اور قازان" ایریلورغ" اور باکو تفلیس" اور تیمیر خان شورا اور "طاقشقند جیسے بڑے بڑے شہروں میں۔ اسی دوران" آذربیجانی" اور تاتاری زبانوں میں قرآن شریف کے ترجمہ کی۔

کوشش کی گئی تھی۔ روسی تاتاری مسلمانوں کی رضا اور خوشنودی کیلئے جو عربی زبان سے پوری طرح واقف نہ تھے۔ چنانچہ ۱۹۱۱ء میں ادیب موسیٰ بیغیف نے پہلا تاتاری زبان میں قرآن کا ترجمہ کیا۔ لیکن یہ ترجمہ نشر نہیں کیا گیا۔ کیونکہ مسلمانوں نے صرف قرآن کے ترجمہ کے پڑھنے کو حرام قرار دیدیا تھا۔ لیکن محمد کامل تحفۃ الدین نے ۱۹۱۴ء میں قرآن شریف کے عربی الفاظ کے ساتھ تاتاری ترجمہ نشر کیا یہ تو ترجموں کی نسبت سے ہم نے کچھ لکھا۔ لیکن بغیر ترجمہ کے کتنے قرآن چھپے اس کی کوئی عدد اور گنتی نہیں ہے۔ اور یہ تمام تر اشاعتیں انھی پرانے "قازان" کی پریس کے طباعت کے مطابق ہوتی رہیں۔

روس میں جو کتابیں تالیف ہوئیں ان میں قابلِ ذکر کتابیں "بارتولد" کی ہیں "الاسلام" "مسیلمۃ" "قرآن و سمندر" محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کے متعلق "حضرت محمد" (صلی اللہ علیہ وسلم) اسی طرح روسی عربی داں کسینا کا شتا لیف ۱۸۹۷ء ۱۹۳۹ء) کی اہم بحثیں جو قرآن اور اس کے طرز نگارش کے متعلق تھیں۔ نیز پرویز اسحٰق فینیکوف کے، نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پر مکالمے اور بعض آیتوں کی تفسیر میں

کراتشکوفسکی کا کردار

۱۹۶۳ء میں ماسکو کی غیر ملکی زبانوں کی نشر و اشاعت کے شعبہ سے ایک ترجمہ شائع ہوا جس کو عربی سے روسی زبان میں مستشرق اغناطیوس کراتشکوفسکی نے انجام دیا تھا۔ اور ان کا یہ ترجمہ سابلوکون کے ترجمہ کو نئے ڈھنگ میں پیش کرتا تھا جو موجودہ سائنسی ضروریات کا حامل تھا۔ بیسویں صدی کے آغاز سے ہی کراتشکوفسکی اس کی طرف توجہ کرنے لگے تھے۔ چنانچہ ۱۹۱۱ء میں ایک مقالہ شائع کیا۔ جس میں جرمن کے مستشرق غوستاف فلوغیل کی پریسی اور خود ترجمہ کی

غلطیوں کی طرف نشان دہی کی گئی تھی۔ جیساکہ کراتشکوفسکی نے پہلا لکچر پطرسبورغ کی یونیورسٹی میں شرقی زبانوں پر دیتے ہوئے بتایا۔ یہ قرآن شریف کے متعلق لکچر دیتے رہتے تھے۔

کراتشکوفسکی نے ۱۹۱۷ء میں لینغراد یونیورسٹی کے ایشیا میوزیم میں قرآن کے محفوظ مخطوطات کا ایک جائزہ لیا۔ اور ۱۹۲۴ء اور ۱۹۲۵ء میں کئی مقالے اور بحثیں لکھیں جو پندرہویں صدی اور سترہویں صدی میں بیلوروسی زبان میں ترجمۂ قرآن کے متعلق تھیں۔ جو تاتاری بلتوانیاں کے باشندے تھے۔

اور ۱۹۳۰ء میں انکا ایک مقالہ لفظ "نجم" کے بارے میں شائع ہوا ۱۹۳۴ء ۱۹۴۰ء میں کراتشکوفسکی اور یوغلافسکی کے ترجموں کے بارے میں مقالے لکھے۔

۱۹۱۹ء میں کراتشکوفسکی نے انکشاف کیا کہ ان کا پختہ ارادہ ہے کہ وہ قرآن کریم کا ایک نیا ترجمہ کریں۔ اور اس کو عالمی لٹریچر کے کتب خانہ سے نشر کریں۔ جس کے نگراں اعلیٰ اس وقت مشہور انشا پرداز مکسیم غوری تھے۔ چنانچہ ۱۹۲۱ء میں ترجمہ کا آغاز کیا۔ جس کا سلسلہ ان کی زندگی کے آخری لمحات تک رہا۔

کراتشکوفسکی نے نوسال روسی زبان میں ترجمۂ قرآن کرنے پر گذارے ۱۹۳۰ء میں اپنے مسودہ سے فارغ ہوئے۔ لیکن جس بڑے کام کا انھوں نے آغاز کیا تھا اس کا یہ ابتدائی مرحلہ تھا۔ ۱۹۳۰ء کے بعد وہ ان کتابوں میں غور وخوض کرنے لگے۔ جو یورپی اورعربی زبانوں میں قرآن شریف کے متعلق لکھی گئی تھیں۔

اپنے ترجمہ میں شرح اور وضاحت اور حاشیہ کے لئے جن کتابوں کو انتخاب کیا اس کی تعداد چار سو تک پہنچتی ہے۔

عصر حاضر کی کتب لغات کو کراتشکوفسکی نے ترجمۂ قرآن کیلئے پیش نظر رکھا نیز قرآن کے ریسرچ اور مطالعہ کے لئے قرن اول کے مفسرین اور بڑے بڑے

فقہار کی روش اختیار کی۔ قرآنی ترکیبات، اور مفردات، اور تعبیرات کو، بخوبی سمجھنے لگے تھے جاہلی شعراء کے اشعار، اور جزیرۃ العرب کے ان شاعروں کے دیوانوں کا بھی مطالعہ کیا، جو سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی معیت میں رہے۔ اسی طرح سے حدیث کا پہلا مجموعہ بھی۔ لیکن ان کے اس عظیم کارنامہ کے پورا ہونے سے قبل موت نے اُن کو آگھیرا،

(بقیہ ص ۲۷ کا)

— اسی طرح کا خواب اسی رات کو میری اہلیہ نے بھی دیکھا۔ اسی دن سے ہم اس کوشش میں لگ گئے کہ کسی طرح باقاعدہ کلمہ پڑھا جائے۔ آخرکار قسمت نے علماء کے شہر بھوپال میں پہنچادیا اور ۱۰ رمئی ۱۹۸۶ء کو رمضان المبارک کی چاند رات میں۔ میں میری اہلیہ اور میری جوان سال بیٹی اس مبارک مذہب "اسلام میں داخل ہوگئے۔

اس وقت ڈاکٹر صاحب تبلیغ دین کی کوشش میں مصروف ہیں اور عملی طور پر مندرجہ ذیل امور کو اپنی زندگی کا مقصد بنا رکھا ہے۔

(۱) دفاع و تحفظ اسلام، (۲) مسلمانوں کو دنیوی و دینی قدروں کے دائرہ میں سنبھالے رکھنا، (۳) پورے عالم کو ان کی ہی زبانوں میں دعوت دین پہنچانا۔

ڈاکٹر صاحب کا رہائشی خط و کتابت کا پتہ درج ذیل ہے۔ لہذا جو حضرات ان سے مراسلت کرنا چاہیں اس پتہ پر انھیں خطوط بھیجیں۔

روحانی کلینک ۱۵ نیلم کالونی نزد مسجد ضوابط لائن للی ٹاکیز
بھوپال (ایم، پی)

ادارہ

ایک عظیم مہنت اور اچاریہ کا قبولِ اسلام

۱۰ مئی ۱۹۸۶ء کو ہندو دھرم کی ایک اہم ترین شخصیت ڈاکٹر سوامی شوشکتی سروپ مہاراج اداسین، اپنی بیوی، اور بیٹی کے ساتھ بھوپال میں حلقہ بگوش اسلام ہوگئے، اب ان کا اسلامی نام ڈاکٹر اسلام الحق، بیوی کا نام خدیجہ اور صاحبزادی کا نام عائشہ حق رکھا گیا ہے۔

ڈاکٹر صاحب کی ابتدائی تعلیم آشرم میں ہوئی، پھر الہ آباد یونیورسٹی سے اورینٹلزم میں ایم، اے کیا۔ گرد کل کانگڑی سے اچاریہ کی ڈگری حاصل کی اور آکسفورڈ یونیورسٹی انگلینڈ سے ڈی، ڈی، یعنی (Doctor of Divinity) دنیا کے دس بڑے مذاہب میں اور پی، ایچ۔ ڈی۔ اس طرح ڈبل پی۔ ایچ، ڈی کے بعد پوپ پال ششم کی دعوت پر اٹلی گئے۔ جہاں پر انھوں نے سات مختلف موضوعات پر کامیاب تقریریں کیں۔ جن سے متأثر ہوکر پوپ پال نے انھیں (O-F-M-CAP) کے اعزاز سے نوازا۔

ڈاکٹر صاحب بارہ زبانوں سے واقفیت رکھتے ہیں۔ جن میں۔ انگریزی۔ سنسکرت، گریک، ڈبرد، ہندی، پراکرتک، پالی، گورمکھی، مراٹھی۔ گجراتی، اُردو اور عربی شامل ہیں ان بارہ زبانوں میں سے انگریزی، سنسکرت، ہندی، اُردو، گورمکھی اور عربی سے انھیں زیادہ دلچسپی ہے۔

چونکہ ڈاکٹر صاحب نے دنیا کے دس بڑے مذاہب کا براہِ راست مطالعہ کر رکھا ہے اور ان میں ڈگری یافتہ ہیں۔ اس لئے اسلام کی حقانیت وصداقت کے وہ پہلے ہی سے معترف تھے۔ ان کے ہمعصروں میں ہندو دنیا کے بڑے بڑے جگت گرو، شنکراچاریہ، مثلاً رام گوپال شال والے، پوری کے شنکراچاریہ، اکھنڈانندجی، گروگوالکر باباصاحب، دیشمکھ، بال ٹھاکرے، ناناصاحب دیشمکھ، ونوبا بھاوے وغیرہ ہیں۔ اور یہ سب ان کا بیحد احترام کرتے تھے۔ اچاریہ ونوبا بھاوے نے ۱۹۸۱ء میں انھیں اپنے آشرم پرم دھام میں تقریر کے لئے مدعو کیا تھا۔ اس وقت وہاں ہندو دھرم کے بڑے بڑے مہنت موجود تھے جن میں ایک دادا دھرم ادھیکاری بھی ہیں۔ دادا دھرم ادھکاری نے اس موقع پر ڈاکٹر صاحب سے ایک دن یہ غیر معمولی سوال کرلیا کہ سوامی جی آپ نے دنیا کے تمام دھرموں کا مطالعہ کیا ہے آپ کو انسان کیلئے سب سے بہتر دھرم کون سا لگا۔ ڈاکٹر صاحب نے بغیر کسی جھجک کے جواب دیا کہ "اسلام" اس پر وہ بولے کہ اسلام تو بہت بندھا ہوا دھرم ہے۔ اس پر ڈاکٹر صاحب نے کہا کہ جو بندھا ہے وہی آزاد کرتا ہے۔ اور جو پہلے سے ہی آزاد ہے وہ ہمیشہ ہمیشہ کے لئے باندھ دیتا ہے۔ اس لئے دھرتی پر آدمی کو ایک عرصے سے بندھے ہوئے دھرم کی ضرورت ہے۔ جو اُسے دنیا میں اچھی طرح باندھ کر پرلوک میں کھولے اور ایسا دھرم میری نظر میں صرف اسلام ہے۔

ڈاکٹر صاحب نے اپنے قبولِ اسلام کا واقعہ یوں بیان کیا ہے کہ جنوری ۱۹۸۲ء میں ایک رات میں نے خواب دیکھا کہ ایک بڑی جماعت میرا پیچھا کررہی ہے۔ اور میں اس کے خوف سے بھاگ رہا ہوں۔ اچانک مجھے ٹھوکر لگی اور میں گر پڑا۔ ایک لمحہ کے بعد انجانے ہاتھوں نے مجھے سہارا دیکر اٹھایا۔ اٹھ کر میں اس روشن اور تابناک چہرے کو ٹکٹکی لگا کر دیکھنے لگا لیکن پہچان نہیں پارہا تھا کہ یہ کون ہے جس نے مجھے سہارا دیکر کھڑا کیا پاس ہی کھڑے ایک صاحب نے کہا کہ یہ محمد رسول اللہ ہیں مجھ پر ایک کیفیت طاری ہوگئی آپ نے فرمایا کلمہ پڑھو اور میرے ہاتھ کو اپنے ہاتھ میں لیکر جیسے جیسے وہ پڑھتے گئے میں بھی پڑھتا گیا اور پھر آپ نے مجھے سینہ سے لگایا۔"

(بقیہ ص ۴۵ پر)

بحضور سرورِ کائنات، مطلعِ دیوانِ نبوت، مقطعِ قصیدۂ رسالت امام الانبیاء، سید البشر جناب سیدنا و مولانا، شفیعنا، احمد مجتبیٰ محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم

صاحبزادہ سید محمود رمز ایڈوکیٹ الہ آبادی

لہجہ ہی اُن کا دیکھئے رحمت شعار ہے ٭ ان کا خرام ناز ہی پیہم بہار ہے
اے مصطفیٰ! تو آیتِ پروردگار ہے، ٭ منشائے کبریا کا تو ہی شاہکار ہے
تلوؤں کی چھوٹ ہی سے بنی کہکشانِ شب ٭ نقشِ قدم بھی تیرا عجب نور بار ہے
کل تک جو سرزمین تھی صحرائے بے گیاہ ٭ تیرے کرم سے آج وہی لالہ زار ہے
قرآن میں ہے سورہ محمدؐ کے نام کا! ٭ ذکرِ جمیل ان کا بہت خوشگوار ہے
پیتا ہے جو شراب ولائے رسولؐ پاک ٭ سچ پوچھئے تو دہر میں وہ بادہ خوار ہے
گیتی پہ جو ہے خواجۂ بدر و حنین و عشق ٭ وہ حشر میں بھی نازشِ صد نو بہار ہے
چھینٹیں پڑی ہیں جس سے شفاعت کی چار سو ٭ ختم رسُل ہی حشر میں وہ آبشار ہے
ملت کی سمت دیکھ لے آقائے کائنات ٭ اس کو کرم کا تیرے بہت انتظار ہے

نعتِ نبیؐ کے پڑھنے سے عزت ملی تجھے۔
اے رمز تیرے واسطے یہ افتخار ہے،
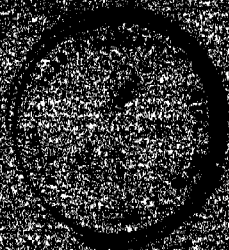
دارالعلوم دیوبند کا ترجمان

دارالعلوم

باسمہ سبحانہ

دار العلوم دیوبند کا ترجمان

ماہنامہ دار العلوم
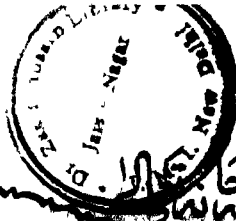
شمارہ نمبر ۶ | بابتہ ماہ مارچ ۱۹۸۷ء مطابق رجب ۱۴۰۷ھ | جلد نمبر ۷

نگراں

حضرت مولانا مرغوب الرحمن صاحب مہتمم دار العلوم دیوبند

مدیر

مولانا حبیب الرحمن قاسمی

فی پرچہ 3/-

سالانہ 30/-

سالانہ بدل اشتراک بیرون ممالک سے

سعودی عرب، کویت، ابوظہبی، جنوبی و مشرقی افریقہ۔ برطانیہ Rs 160/- امریکہ۔ کناڈا وغیرہ

بذریعہ ایرمیل = Rs 160/- پاکستان = 70/- ہندوستانی۔ بنگلہ دیش = 50/- ہندوستانی

سرخ نشان اس بات کی علامت ہے کہ آپ کا زر تعاون ختم ہوگیا ہے

(مطبوعہ محبوب پریس دیوبند)

فہرست مضامین

ہندوستانی اور پاکستانی خریداروں سے ضروری گذارش

(۱) ہندوستانی خریداروں سے ضروری گذارش یہ ہے کہ ختم خریداری کی اطلاع پاکر اوّل فرصت میں اپنا چندہ نمبر خریداری کے حوالہ کے ساتھ منی آرڈر سے روانہ کریں۔

(۲) پاکستانی خریدار اپنا چندہ مبلغ -/۷ روپئے ہندوستانی مولانا عبدالستار صاحب مقام کرم علی ڈاک تحصیل شجاع آباد ملتان پاکستان کو بھیجدیں اور انھیں لکھیں کہ وہ اس چندہ کو رسالہ دارالعلوم کے حساب میں جمع کرلیں۔

(۳) خریدار حضرات پتہ پر درج شدہ نمبر محفوظ فرمالیں، خط وکتابت کے وقت خریداری نمبر ضرور لکھیں۔

والسلام
منیجر رسالہ

حرف آغاز

حبیب الرحمٰن قاسمی

۱۸۵۷ء ہندوستان کی تاریخ میں ایک سنگ میل کی حیثیت رکھتا ہے۔ مغلیہ سلطنت جو اپنے تمام تر امتیازات و تشخصات کے باوجود ہندوستان کی سیاسی وحدت کی ضامن تھی یہاں پہنچ کر دم توڑ دیتی ہے۔ اور اس کے ملبہ پر ایک جدید حکومت کا قصر اقتدار تعمیر ہوتا ہے اس انقلاب کو چشم ظاہر بیں نے اگرچہ ایک سیاسی کھیل سمجھا جسے سیاست و اقتدار کے بازیگر زندگی کی فیلڈ میں کھیلتے رہتے ہیں۔

بازیچۂ اطفال ہے دنیا مرے آگے ہوتا ہے نیا روز تماشا مرے آگے

لیکن ارباب بصیرت اور سیاسی عروج و زوال کے عوامل و محرکات پر نظر رکھنے والے واضح طور پر سمجھ رہے تھے اور کھلی آنکھوں دیکھ رہے تھے کہ یہ محض سیاسی بازیگری اور اقتدار کا تبادلہ نہیں ہے۔ بلکہ اس کے عوامل نہایت دوررس اور ہمہ گیر ہیں۔ یہ انقلاب زندگی کے پورے محور کو بدل کر رکھ دے گا۔ اس کی طوفانی موجیں معیشت و معاشرت، تہذیب و تمدن، افکار و نظریات اور اعمال و اخلاق کی پرانی قدروں کو ملیامیٹ کردیں گی سیاسی انقلاب کی اس ہمہ جہت شکست و ریخت کو قرآن حکیم نے اپنے بلیغ اور معجزانہ اسلوب میں ملکۂ سبا بلقیس کی زبانی یوں واضح کیا ہے۔ قَالَتْ إِنَّ الْمُلُوكَ إِذَا دَخَلُوا قَرْيَةً أَفْسَدُوهَا وَجَعَلُوا أَعِزَّةَ أَهْلِهَا أَذِلَّةً ، (ترجمہ) وہ بولی بادشاہ جب کسی شہر میں داخل ہوتے ہیں تو اُسے خراب کر دیتے ہیں اور بنا دیتے ہیں اس کے سرداروں کو ذلیل ،

اب مسلمان ارباب فکر و علم کے سامنے دو راستے تھے یا تو وہ حالات کے سامنے سرنگوں ہو کر اس سے

سمجھوتہ کر لیتے اور اطمینان و سکون سے اسی ڈگر پر چل پڑتے جس پر اس وقت کے حالات انھیں لے جا رہے تھے۔ چنانچہ ایک مصلحت پسند مفکر قوم کو اسی بات کی تلقین کرتا ہے۔

سدا ایک ہی رُخ نہیں ناؤ چلتی ✿ چلو تم ادھر کو ہوا ہو جدھر کی

اور یا "تو زمانہ با تو نسازد تو با زمانہ ستیز" کے جرأت مندانہ فلسفہ پر عمل کرتے ہوئے حالات کو بدلنے کیلئے اس سے برسر پیکار ہو جاتے۔

تاریخ شاہد ہے کہ ہمارے اسلاف نے اسی دوسرے راستے کا انتخاب کیا حضرت شاہ عبدالعزیز دہلوی قدس سرہٗ کا فتویٰ دارالحرب حالات سے نبرد آزمائی کا کھلا ہوا ایک اعلان تھا۔ دارالحرب تو دیکھنے میں ایک چھوٹا سا فقرہ ہے لیکن جو لوگ اس کی اصطلاحی حقیقت اور ہندوستان کی دینی و علمی اور سیاسی بساط پر خاندان ولی اللٰہی کے اثرات سے واقفیت رکھتے ہیں وہ اس کی اہمیت اور وسعت کو خوب جانتے ہیں۔ حضرت سید احمد شہید بریلوی قدس سرہ کی تحریک کی بنیاد درحقیقت حضرت شاہ عبدالعزیزؒ کا یہی فتویٰ تھا۔ سید الطائفہ حضرت حاجی امداد اللہ مہاجر مکی اور اُن کے دونوں اصحاب حجۃ الاسلام حضرت مولانا محمد قاسم نانوتوی اور قطب ارشاد حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی قدس اسرارہم کو اسی فتوے نے مجبور کیا تھا کہ وہ تلوار لیکر شاملی کے میدان میں نکل پڑیں۔ یہی وہ فتویٰ ہے جس کے مقتضیات کو بروئے کار لانے کے لئے دیوبند میں ایک مرکز قائم کیا گیا۔ آج دنیا "دارالعلوم دیوبند" کے نام جانتی پہچانتی ہے۔ یہی فتویٰ ہے جو حضرت شیخ الہند مولانا محمود حسن قدس سرہٗ کو آمادہ کرتا ہے کہ ریشمی رومال کی تحریک مرتب فرمائیں اور اُسے مؤثر بنانے کیلئے ضعف پیری اور کثرت امراض کے باوجود طول طویل اسفار کریں۔ اور مالٹا میں اسیری کی زندگی گذاریں۔ یہی وہ فتویٰ ہے جو حضرت شیخ الاسلام مولانا سید حسین احمد مدنی قدس سرہٗ کو مجبور کرتا ہے کہ وہ مکدرہ و خانقاہ کے گوشۂ عافیت سے نکل کر خارزار سیاست کی بادیہ پیمائی کریں اور قید و بند کی بے پایاں صعوبتیں برداشت کریں۔

مقام فیض کوئی راہ میں جچا ہی نہیں　　جو کوئے یار سے نکلے تو سوئے دار چلے

برٹش حکومت جو ملک عزیز پر تسلط قائم کر لینے کے بعد یہ خواب دیکھنے لگی تھی کہ یہاں کے باشندوں کے مذہب و مسلک کو تبدیل کر کے سب کو اپنے مزاج و مذاق کے مطابق بنالے چنانچہ لارڈ میکالے نے ۷ مارچ ۱۸۳۹ء کو تعلیمی کمیٹی کی صدارت کرتے ہوئے جو رپورٹ پیش کی تھی اس میں وہ صاف طور پر لکھتا ہے۔

ہمیں ایک جماعت چاہئے جو ہم میں اور ہماری کروڑوں رعایا کے درمیان مترجم ہو اور یہ ایسی جماعت ہونی چاہئے جو خون و رنگ کے اعتبار سے تو ہندوستانی ہو مگر مذاق اور رائے الفاظ اور سمجھ (فکر) کے اعتبار سے انگریز ہو۔ (علماء حق۔ ج ۱ ص ۳۹)

زمانہ گواہ ہے کہ حضرات اکابر رحمہم اللہ نے اپنی پامردی، استقامت، جوش عمل اور جہد مسلسل سے نہ صرف یہ کہ اس ظالم حکومت کے خواب کو شرمندۂ تعبیر نہیں ہونے دیا بلکہ ایک دن وہ بھی آیا کہ اپنی تمام تر قوت و شوکت کے باوجود اس جابر و متکبر قوم کو بے نیل و مرام یہاں سے جانا پڑ گیا۔ اور اس طرح سے ایسے عظیم فتنہ سے جس میں ملتِ اسلامیہ گھر گئی تھی اور قوی خطرہ پیدا ہو گیا تھا کہ اس سیلاب بلاخیز میں وہ اپنے امتیازات و تشخصات کو محفوظ نہ رکھ سکے گی نجات ملی۔ (شکر اللہ سعیھم وجزاھم اللہ عنی وعن سائر المسلمین جزاء حسناً)

آج کل کے حالات بتا رہے ہیں کہ اسلام مخالف طاقتیں ایک بار پھر اسلام اور مسلمانوں کے خلاف محاذ آرائی کے درپے ہیں۔

آگ ہے اولاد ابراہیم ہے نمرود ہے　×　کیا کسی کو پھر کسی کا امتحاں مقصود ہے!!

اسلام دشمن طاقتوں کو ملک عزیز میں مسلمانوں کا وجود کانٹے کی طرح کھٹک رہا ہے اور اس کانٹے کو نکالنے کیلئے وہ پوری قوت سے میدان میں آگئی ہیں۔ مسلمانوں کو اقتصادی، سیاسی علمی اور دینی اعتبار سے بے جان کر کے انھیں ہضم کرنے کی فکر میں ہیں اسی لئے مسلمانوں کے

اقتصادی مراکز کو تاک تاک کر نشانہ بنایا جارہا ہے اور دیکھتے دیکھتے لاکھوں اور کروڑوں کی املاک کو خاکستر کے ڈھیر میں بدل دیا جاتا ہے۔ اور یہ عمل ایسے مرتب اور منظم طریقے پر انجام دیا جاتا ہے کہ ایک جگہ کے مسلمان ابھی سنبھلنے نہیں پاتے کہ دوسری جگہ خاک و خون کا کھیل شروع ہوجاتا ہے۔ بھیونڈی، بمبئی، حیدرآباد، مئو ناتھ بھنجن، احمدآباد اور گجرات کے شہروں میں جس طرح ایک طرفہ قتل وغارت گری ہوئی ہے وہ ہماری بات کا کھلا ثبوت ہے۔ اسی کے ساتھ اب تو مسلمانوں کی مشہور اور قدیم مساجد پر بھی نگاہیں اٹھنے لگی ہیں اور باقاعدہ تنظیم کے تحت یہ کوشش کی جاری ہے کہ ان مسجدوں کی قدیم اور تاریخی دینی ومذہبی حیثیت کو ختم کرکے انھیں اپنے قبضہ میں لے لیا جائے۔ بابری مسجد اجودھیا جس کا زندہ ثبوت ہے کہ تقریبًا پونے پانچ سو سال کی قدیم مسجد کو کس ڈرامائی انداز میں مندر میں تبدیل کردیا گیا۔ اور سیکولر وجمہوریت کی بالادستی کا گلا پھاڑ پھاڑ کر نعرہ لگانے والے ہندو فرقہ پرستی کے اس ننگے ناچ کو دیکھ رہے ہیں اور خاموش ہیں۔ مسلم اوقاف کا جو حشر ہورہا ہے وہ بھی کوئی ڈھکی چھپی بات نہیں ہے۔ مسلم پرسنل لاء خطرے کی زد سے محفوظ نہیں ہے۔ اور یکساں سول کوڈ کے سہارے سرکاری سطح پر کوشش ہو رہی ہے کہ مسلمانوں کے ملی تشخص کو مٹا دیا جائے تاکہ زندہ اور متحرک قوم بیجان ہو کر رہ جائے۔ تعلیمی اور سیاسی اداروں سے مسلمانوں کو جس طرح بے دخل رکھا جارہا ہے وہ سب پر عیاں ہے، یہ تمام کارروائیاں ایک عظیم طوفان کا پتہ دے رہی ہیں۔

نہ سمجھوگے تو مٹ جاؤگے اے ہندوستاں والو ✕ تمہارا تذکرہ تک بھی نہ ہوگا داستانوں میں۔

ان حالات میں ہمارے سامنے بھی دوہی راستے ہیں۔ ایک یہ کہ ہم حالات کے سامنے سر تسلیم خم کردیں اور ہوائے زمانہ جس سمت لے جانا چاہتی ہے۔ بغیر کسی مزاحمت کے ہم اس رُخ پر چل پڑیں۔ دوسرا راستہ یہ ہے کہ اپنے دین اپنے تہذیب وتمدن اور اپنی جان مال کی حفاظت اور بقاء کے لئے اپنے اکابر واسلاف کے اسوہ کے مطابق استقامت وپامردی اور ہمت، جرأت کے ساتھ ہر مخالف قوت کا مقابلہ کریں۔

(بقیہ صفحہ ۴۶ پر)

کفارت کی رعایت کہاں تک؟

مولانا عزیز اللہ صاحب مدرسہ امداد العلوم کوپاگنج اعظم گڈھ

۱۔ شرعی نقطۂ نظر سے کفارت کی حیثیت کیا ہے؟

۲۔ کیا ہر دور میں اس کی پابندی ضروری ہے؟

۳۔ اور کفارت میں حسب ونسب، دیانت و دولت اور حرفت جملہ پہلو کو ملحوظ رکھنا ضروری ہے۔ یا کسی پہلو سے صرفِ نظر بھی ممکن ہے۔؟

۴۔ موجودہ دور میں غیر کفو میں شادی ہونے پر اولیاء کو حق فسخ حاصل ہوگا یا نہیں؟

۵۔ موجودہ وقت میں کفارت کی پابندی کہاں تک ہونی چاہئے اور کن امور میں؟

یہ چند سوالات ہیں جو مسلم معاشرہ میں حسب ونسب اور مال و دولت جیسی فانی چیزوں پر مبنی اونچ نیچ اور تفریق سے قوم وملت کے ایک درد منداور غیرتمند کے دل میں پیدا ہوتے ہیں

شرعی نقطۂ نظر سے کفارت کی حیثیت کیا ہے؟

اس سلسلہ میں بنیادی بات یہ سمجھنی چاہئے کہ

حدیث نبوی صلی اللہ علیہ وسلم۔

اَلا، لا یزوج النساء الا الاولیاء ولا یزوجن الّا من الاکفاء[1]

خبردار عورتوں کا نکاح ان کے اولیا ہی کریں۔ اور صرف کفو میں کریں۔

٭ ٭ ٭ ٭ ٭ ٭ ٭

[1] فتح القدیر ج ۳۔ ص ۱۸۵۔

جس سے فقہاء کرام زیر بحث مسئلہ میں استدلال کرتے ہیں، ضعیف ہے۔ محدثین نے اس کے رواۃ پر کلام کیا ہے۔ اس لئے اس سے استدلال کرنا محلِ نظر ہے۔ اگر شواہد و نظائر کی بنیاد پر قابل حجت مان بھی لی جائے تب بھی زیادہ سے زیادہ یہ کہا جا سکتا ہے کہ یہ حکم خانگی امور اور اس سے متعلق دیگر مصلحتوں کے پیش نظر ہے۔ چنانچہ علامہ ابن ہمام نے حدیث بالا کی روشنی میں کفارت کے تشریعی پہلو پر کلام کرتے ہوئے لکھا ہے ۔

قلنا مقتضى الادلة التي ذكرناها الوجوب اعنى وجوب نكاح الاكفاء و تعليلها بانتظام المصالح [1]	مذکورہ دلائل کا مقتضیٰ کفو میں نکاح کا واجب ہوتا ہے اور اس کی علت خانگی مصالح ہیں۔

درحقیقت نکاح میں کفارت کا منشاء اور حسب و نسب اور حرفت و دیانت کی رعایت کا بنیادی مقصد خانگی امور کو برقرار رکھنے اور میاں بیوی کے تعلقات کو صحیح ڈھنگ سے قائم رکھنے کے سوا اور کچھ نہیں سمجھ میں آتا۔ اگر کفارت کی رعایت کوئی لازمی شے ہوتی تو اس میں اختلاف کا سوال ہی نہیں پیدا ہوتا۔ مگر اختلاف ہے جو اس بات کی واضح دلیل ہے کہ یہ "امر" خانگی مصلحت کے مد نظر ہے۔

اس سلسلہ میں ائمہ کی کیا رائیں ہیں اسے بھی ملاحظہ فرماتے چلیں۔

یہ امام مالکؒ ہیں آپ کی رائے یہ ہے کہ کفارت کا اعتبار صرف "دین" میں ہونا چاہئے۔ باقی دوسری چیزوں میں نہیں۔

وقد جزم بان اعتبار الكفاءة مختص بالدين مالكؒ [2]	امام مالکؒ نے پورے یقین کے ساتھ فرمایا ہے کہ کفارت کا اعتبار دین کے ساتھ خاص ہے

سفیان ثوریؒ کا خیال یہ ہے کہ کفارت کا اعتبار ہی نہیں ہونا چاہئے اس لئے کہ

---

[1] فتح القدیر ج ۳ - ص ۱۸۶ ، [2] فتح الباری لابن حجر ج ۹ ص ۱۱۳ -

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے۔

الناس سواسیۃ کاسنان المشط لافضل لعربی علی عجمی انما الفضل بالتقوی [1]

تمام انسان کنگھی کے دندانے کی طرح برابر ہیں۔ عربی کو کسی عجمی پر فضیلت نہیں۔ اگر ہے تو صرف تقویٰ سے۔

امام کرخیؒ کی بھی .... یہی رائے ہے کہ نکاح میں کفاءت کی بالکل رعایت نہیں ہونی چاہئے۔

عن الکرخی انہ کان یقول الاصح عندی انہ لا تعتبر الکفاءۃ اصلاً [2]

امام کرخیؒ سے منقول ہے۔ میرے نزدیک صحیح بات یہ ہے کہ نکاح میں کفاءت کا بالکل اعتبار نہیں

⁂ ⁂ ⁂ ⁂ ⁂

امام شافعیؒ نے بعض چیزوں میں کفاءت کا اعتبار کیا ہے۔

ونقل ابن المنذر عن البویطی ان الشافعی قال الکفاءۃ فی الدین [3]

ابن منذر نے بواسطہ بویطی امام شافعیؒ کا یہ قول نقل کیا ہے کہ نکاح میں دینداری کے لحاظ سے برابری ہوگی۔

⁂ ⁂ ⁂ ⁂ ⁂

البتہ فقہ حنفی میں کچھ تفصیل سے بحث کی گئی ہے۔ اور کفاءت میں حسب و نسب اور حرفت و دیانت کی تفصیل بیان کی گئی ہے۔ اور ان میں سے ہر ایک کا خیال کیا گیا ہے تفصیل حسب ذیل ہے۔

(۱) ثم الکفاءۃ تعتبر فی النسب لانہ یقع بہ التفاخر فقریش بعضھم اکفاء لبعض [4]

نسب میں کفاءت کا اعتبار ہوگا کیونکہ یہ بھی باہمی تفاخر کا سبب ہے سو قریش آپس میں ایک دوسرے کے کفو رہیں گے

---

[1] فتح القدیر ج ۳۔ ص ۱۸۶ ۔ [2] کفایۃ علی ہامش فتح القدیر ج ۳ ص ۱۸۸۔

[3] فتح الباری ج ۹ ص ۱۱۳ ۔ [4] ھدایہ مع فتح القدیر ج ۳۔ ص ۱۹۰ ۔

(۲) انما الموالی فمن کان لہ ابوان فی الاسلام فصاعداً فھو من الاکفاء یعنی من لہ ابوان فی الاسلام لان تمام النسب بالاب والجد ومن اسلم بنفسہ لایکون کفوءً لمن لہ اب واحد فی الاسلام

جس کے باپ دادا اوپر تک مسلمان ہیں وہ برابر ہے جس کے صرف باپ دادا مسلمان ہیں یعنی آپس میں نکاح کر سکتے ہیں۔ اور اسکی وجہ یہ ہے کہ نسب باپ دادا سے مکمل ہوتا ہے۔ اور جو تنہا مسلمان ہے وہ کفو نہیں ہے جس کا باپ مسلمان ہے (یعنی نومسلم اس کی بیٹی سے نکاح نہیں کر سکتا ہے)

⁂ ⁂ ⁂ ⁂ ⁂ ⁂

(۳) وتعتبر ایضاً فی الدین ای الدیانۃ وھذا قول ابی حنیفۃ رح و ابی یوسف وھو الصحیح لانہ من اعلی المفاخر والمرءۃ تعیر بفسق الزوج فوق ما تعیر بضعفۃ نسبہ [۵۲]

امام ابوحنیفہ رح اور یوسف رح کے نزدیک دینداری میں بھی برابری کا اعتبار کیا جائے گا۔ کیونکہ یہ سب سے بڑی فخر کی چیز ہے عورت ضعفِ نسب سے اتنا عار نہیں کرتی جتنا شوہر کی بددینی سے کرتی ہے۔

(۴) وتعتبر فی المال وھو ان یکون مالکًا للمھر والنفقۃ وھذا ھو المعتبر فی ظاھر الروایۃ حتی ان من لایملکھا اولا یملک احدھما لایکون کفوءً لان المھر بدل البضع فلابُدّ من ایفائہ۔ [۵۳]

مال میں برابری کا لحاظ ہوگا اس کا مطلب یہ ہے کہ شوہر میں مہر اور نان ونفقہ کے دینے کی استطاعت ہو۔ اگر کسی میں دونوں کی یا ایک کی بھی استطاعت نہیں ہے تو وہ کفو نہیں ہوگا۔ اس لئے کہ مہر بدل ہے اور اس کی ادائیگی ضروری ہوتی ہے۔

(۵) وتعتبر فی الصنائع وھذا عند ابی یوسف ومحمد رح عن ابی حنیفۃ

صاحبینؒ کے نزدیک پیشہ کے لحاظ سے بھی برابری دیکھی جائے گی۔ امام ابوحنیفہ رح سے

---

[۵۱] ھدایہ فتح القدیر ج ۳ ص ۱۹۱ - [۵۲] ایضاً ج ۳ ص ۱۹۱ - [۵۳] ایضاً ج ۳ ص ۱۹۲ -

فی ذالك روایتان وعن ابی یوسف انه لاتعتبر الا ان تفحش کالحجام والحائك والدباغ وجه الاعتبار ان الناس یتفاخرون لشرف الحرف ویتعیرون بدناءتها وجه القول الآخر ان الحرفة لیست بلازمنه یمکن التحول عن الخسیسة الی النفیسة منها [۱]

اس بارے میں دو روایت ہے۔ امام یوسفؒ سے منقول ہے۔ جب پیشہ میں زیادہ تفاوت ہو جیسے حجام، زرباف، رنگریز۔ تب اعتبار ہوگا ورنہ نہیں کیونکہ لوگ پیشہ کی شرافت اور عدم شرافت سے فخر و عار کرتے ہیں۔ دوسرے قول کی وجہ یہ ہے کہ پیشہ کوئی دائمی چیز نہیں ہے۔ آج معمولی پیشہ کل اچھا بن سکتا ہے۔

اب ہمیں دیکھنا یہ ہے کہ کفارت کے جو یہ پانچ شعبے بیان کئے گئے ہیں ان کی احادیث میں کہاں تک صراحت موجود ہے۔ اور نیز ان پانچوں شعبوں کا موجودہ وقت میں لحاظ کرنا کس حد تک ضروری ہے۔

نسب کے بارے میں حافظ ابن حجر کی رائے یہ ہے کہ

لم یثبت فی اعتبار الکفاءة بالنسب حدیث وما اخرجه البزار من حدیث معاذ رضؓ رفعه "العرب بعضهم اکفاء بعض والموالی بعضهم اکفاء بعض" فاسناده ضعیف۔۔۔

کفارت بالنسب میں کوئی حدیث صحیح ثابت نہیں اور حضرت معاذ رضؓ کی حدیث مرفوع "العرب بعضهم اکفاء بعض الخ" جس کی بزار نے تخریج کی ہے۔ اس کی اسناد ضعیف ہے۔

واحتج البیهقی من حدیث واثلةؓ مرفوعاً ان الله اصطفی بنی کنانه من بنی اسماعیل۔ الحدیث، و

اور بیہقی نے حضرت واثلہ کی حدیث مرفوع ان اصطفی الخ سے استدلال کیا ہے یہ حدیث تو اپنی جگہ صحیح ہے اور مسلم نے

[۱] هدایه مع فتح القدیر ج ۳ ص ۱۹۲۔

هو صحيح اخرجه مسلم ـ لكن فى الاحتجاج به لذلك نظر[1]

بھی اس کی تخریج کی ہے لیکن زیر بحث مسئلہ میں اس سے استدلال کرنا محل نظر ہے

دیکھا آپ نے یہ علامہ ابن حجر ہیں ان کی رائے یہ ہے کہ نسب کے سلسلہ میں کوئی حدیث صحیح ثابت نہیں ہے۔ ایک دو حدیث ایسی ہیں جن سے استدلال کر سکتے ہیں لیکن ان سے بھی استدلال محل نظر ہے۔ نیز صحابہ کرام کی مبارک زندگی سے اور ان کے طرز عمل سے بھی یہی معلوم ہوتا ہے کہ نسب میں برابری کوئی لازمی نہیں ہے

حضرت مقداد ابن اسود کندی ہیں اور ضباعہ بنت زبیر کے شوہر ہیں اور ضباعہ ہاشمیہ ہیں اور نسباً مقداد ابن اسود سے اعلیٰ ہیں۔ سوچنے کی بات ہے اگر کفارت ضروری ہوتی تو ان کیلئے یہ نکاح جائز نہ ہوتا۔

فلولا الكفاءة لا تعتبر بالنسب لما جاز له ان يتزوجها لانها فوقه فى النسب[2]

اگر نسب میں کفارت کی پابندی ضروری ہوتی تو ان سے نکاح کرنا جائز نہ ہوتا۔ اس لئے کہ ضباعہ ان سے نسب میں اعلیٰ تھیں

ایک دوسری مثال ملاحظہ ہو۔ مولانا تقی امینی نے اپنی کتاب میں" ازالۃ الخفاء" حصہ دوم کے حوالہ سے لکھا ہے کہ

حضرت عمرؓ نے ولی کی مرضی کے خلاف غیر کفوء میں نکاح کا حکم دیا۔ جس کی صورت یہ ہوئی کہ موالی (آزاد شدہ غلاموں) میں سے ایک مالدار شخص نے قریشی کی بہن کو پیغام بھیجا۔ قریشی نے یہ کہہ کر انکار کر دیا کہ۔

ان لنا حسبًا وانه ليس بها بكفوءٍ ۔

ہم حسب نسب والے ہیں اور وہ لڑکی کا کفوء نہیں۔

جب اس کی اطلاع حضرت عمرؓ کو پہونچی تو آپ نے قریشی کو بلا کر کہا وہ مالدار بھی ہے اور پرہیز گار بھی۔ اگر بہن راضی ہے تو نکاح کر دو۔

---

[1] فتح الباری ج ۹ ص ۱۱۳ - [2] ایضاً ج ۹ - ص ۱۱۵ -

زوّج الرجلَ ان کانت راضیۃ — اگر لڑکی راضی ہے تو اس سے نکاح کردو۔
چنانچہ بھائی نے جاکر پوچھا تو لڑکی راضی ہوگئی۔ اور نکاح کردیا گیا۔

فراجعها اخوها فرضیت — بھائی نے جب اس سے مراجعت کی تو وہ
فزوّجها منه — راضی ہوگئی اور اس سے نکاح کردیا۔

یہ کوئی معاشقہ کا معاملہ نہیں تھا کہ حضرت عمرؓ نے مجبور ہوکر فیصلہ کیا ہو بلکہ حسب ونسب کے "بُت" کو توڑنا" مقصود تھا جس کے آہنی پنجہ میں اب مُسلم معاشرہ گرفتار ہوگیا ہے۔

اس طرح کی بہت سی مثالیں اور واقعے ہیں کوئی استقصا مقصود نہیں بطور نمونہ دو مثالیں پیش کردی گئیں۔

نکاح میں اسلام کے لحاظ سے بھی کفارت (برابری) کا اعتبار کیا گیا ہے۔ یعنی لڑکی کے باپ مسلمان ہوں تو لڑکے باپ بھی مسلمان ہوں۔ لڑکی کے باپ دادا دونوں مسلمان ہیں تو لڑکے کے باپ دادا بھی مسلمان ہونا ضروری ہے۔ لڑکا نومسلم ہے اور لڑکی مسلمان ہے اور اس کے باپ بھی مسلمان ہیں تو ان دونوں میں نکاح نہیں ہوسکتا۔

لیکن اس سے متعلق ناچیز کی نظر سے کوئی ایسی حدیث نہیں گذری جس میں اسکی صراحت موجود ہو۔ اگر نکاح میں اس کا خیال کیا جائے تو اس کا مطلب یہ ہوا کہ نومسلم بے چارہ موروثی مسلمان کا کفوء ہو ہی نہیں سکتا اور اس کی لڑکی سے رشتۂ مناکحت بھی نہیں کرسکتا۔

سوچنے کی بات ہے اگر اسلام میں اس کا خیال کیا جاتا تو قرنِ اوّل میں جو بہت سے صحابہ اسلام میں داخل ہوئے اور وہ کسی کے غلام یا آزاد شدہ غلام تھے۔ وہ دوسرے صحابہ کے کفوء نہیں ہوسکتے اور ان کی لڑکیوں سے شادی نہیں کرسکتے تھے مگر

لہ احکام شرعیہ میں حالات کی رعایت ص ۲۴۶ –

ایسا بالکل نہیں تھا۔ اور اس کے ملحوظ نہ ہونے کی سب سے بڑی دلیل یہ ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے خادم خاص حضرت زید بن حارثہ کا نکاح ایک ہاشمی خاتون زینب بنت جحش سے کر دیا۔ پھر اس نیک بی بی کی قسمت دیکھئے کہ آگے چل کر خود حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے نکاح میں آجاتی ہیں اور دنیا کے مسلمانوں کی ماں بنجاتی ہیں

سچ پوچھئے تو فقہ کے اس باب سے غیروں کو اسلام پر اعتراض کرنے کا موقع فراہم ہوتا ہے۔ اسلام کی تعلیم اخوت و مساوات پر کاری ضرب لگتی ہے۔ اور العیاذ باللہ اسلام کا دامن وسعت کے باوجود تنگ نظر آتا ہے۔ چنانچہ ایک دو نہیں بہت سے ایسے واقعات پیش آئے۔ ہمارے مسلم معاشرہ میں اس تنگی کو دیکھکر کئی ایک خاندان اسلام قبول کرتے کرتے رک گئے کہ ہماری بچیوں کا کیا ہوگا۔

نہایت افسوس کی بات ہے۔ آج بھی یہ نظریہ مسلم معاشرہ میں موجود ہے اور نومسلم کو اپنی بیٹی دینے اور لینے میں عار اور ذلت محسوس کرتے ہیں۔ جب کہ انصار نے اس کو فخر سمجھا اور مہاجرین کی جہاں مال و دولت گھر بار سے مدد کی وہیں اپنی زائد بیویوں کو طلاق دے کر اور نیز اپنی لڑکیوں سے شادی کر کے تعاون باہمی کی اعلیٰ مثال قائم کر دی

فجزاهم الله جزاءً دائمًا قائمًا الى يوم القيامة

اگر ہم ایسا کرتے ہیں تو یقین جانئے ہم ان کے لئے عرصۂ حیات تنگ کر رہے ہیں۔ اور اسلام کے دامن کو باوجود وسعت کے محدود کر رہے ہیں۔ اور ان کے اسلام کے لئے روک بن رہے ہیں۔ جب کہ اسلام سب کے لئے رحمت بن کر آیا ہے۔ اللہ تعالیٰ اس فعل کو معاف نہیں کر سکتا ہے۔ ہم کو اس قید و بند سے اپنے معاشرہ کو پاک کرنا چاہئے۔ لعل الله يحدث بعد ذالك امرًا

کتب فقہ میں کفارت کا ایک شعبہ صنعت و حرفت (دستکاری اور پیشہ) بیان کیا گیا ہے۔ یعنی نکاح میں اس لحاظ سے بھی برابری کا خیال رکھا گیا ہے۔ لیکن اس کا

بھی دار و مدار دیگر شعبوں کی طرح باہمی تفاخر کے سوا اور کچھ نہیں ۔حدیث میں کہیں وضاحت نہیں کہ لڑکے اور لڑکی پیشہ کے لحاظ سے برابر ہوں اگر پیشہ میں مختلف ہوں گے تو ان میں شادی درست نہیں ہوگی۔

درحقیقت نکاح میں حسب ونسب، مال ودولت اور صنعت وحرفت کا خیال باہمی تفاخر پر مبنی ہے جن کی ہمارے ناقص خیال میں اللہ تعالیٰ کے نزدیک کوئی اہمیت نہیں ہے۔ وہاں تو صرف اور صرف تقویٰ وطہارت کی قدر وقیمت ہے۔

اِنَّ اکرمَکُم عِندَ اللہِ اتقاکُم　　اللہ کے نزدیک وہ بندہ مکرم ہے جو تم میں سب سے زیادہ متقی ہے

(آیت)

اس لئے کہ حسب ونسب، مال ودولت اور صنعت وحرفت کوئی مستقل چیز نہیں ہیں۔ آج جاہ وجلال ہے کل اس سے محرومی ہے۔ آج ایک آدمی مالدار اور صاحب ثروت ہے کل وہی کاسۂ گدائی لئے دربدر پھرتا نظر آتا ہے۔ آج ایک شخص فقیر ہے کل مالدار ہے۔ غرض مال ودولت آنے جانے والی چیز ہے۔

المال غادٍ ورائح ۔　　مال صبح آیا شام کو چلا گیا۔ شام کو آیا صبح چلا گیا

جس چیز کی یہ پوزیشن ہو اس پر فخر کرنا اور اس میں برابری کا خیال کرنا بے کار سی بات ہے۔ حرفت (پیشہ) کی صورت حال بھی کچھ ایسی ہے۔ آج ایک پیشہ باعزت سمجھا جاتا ہے۔ لیکن وہی پیشہ بعد میں کسی وجہ سے حقیر سمجھا جانے لگتا ہے۔ آج ایک پیشہ حقیر ہے کل وہی باعزت ہے۔ پیشہ کی حقارت وعزت کوئی مستقل نہیں ہے۔ حالات کے ساتھ تبدیلی آتی رہتی ہے۔

اِن الحرفۃ لیست بلازمۃ ویمکن التحول عن الخسیسۃ الی النفیسۃ منھا۔[1]　　پیشہ کوئی لازمی شے نہیں ہے معمولی پیشہ کل اچھا بن سکتا ہے۔

---

[1] فتح القدیر ج ۳۔ ص ۱۹۲۔

اور بات دراصل یہ ہے کہ پیشہ جائز ہے تو اس کے اپنانے اور اختیار کرنے میں شرعاً کوئی قباحت نہیں ہے۔ کسب حلال کی بنا پر اللہ اور اس کے رسول کے نزدیک محبوب ہے۔ برعکس اس کے ایک پیشہ لوگوں میں باعزت ہے لیکن اس کے ذرائع آمدنی خلاف شرع ہیں تو باوجود باعزت و شرافت کے وہ پیشہ عنداللہ مبغوض ہے۔

حاصل یہ کہ پیشہ کی شرافت وحقارت کوئی قابلِ اعتبار چیز نہیں ہے۔ اور نہ اس کی وجہ سے آدمی شریف وحقیر بنتا ہے۔ اس لئے نکاح میں اس پہلو سے برابری ہمارے خیال میں مناسب نہیں۔ مختلف پیشے کے لوگ آپس میں رشتۂ مناکحت قائم کر سکتے ہیں۔

محدثِ کبیر اور محقق شہیر حضرت مولانا حبیب الرحمٰن صاحب اعظمی جن کی بات بہت تحقیقی ہوتی ہے اور دلیل میں پیش کی جاتی ہے۔ اپنی تازہ تصنیف "تذکرۃ النساجین" میں ایک واقعہ نقل کرتے ہیں جو پڑھنے کے ساتھ سبق لینے کے قابل ہے۔ لکھتے ہیں۔

قُتَیْلَہ بنت قیس۔ یہ باعزت خاتون اشعث بن قیس صحابی کی بہن تھیں۔ ان کا ذکر بھی صحابہ کے ذیل میں ہونا چاہئے تھا۔ مگر بھول سے وہاں ان کا ذکر نہیں ہوسکا۔ پہلے بتایا جاچکا ہے کہ اشعث کے والد کپڑا بننے میں بڑے ماہر اور ان کو بڑی دلچسپی تھی اس کی شہادت حضرت علیؓ نے دی ہے۔ وہ اشعث کو حائک بن حائک کہا کرتے تھے۔ قُتَیْلَہ انھیں قیس کی بیٹی اور اشعث کی بہن تھیں۔ اللہ نے اس کپڑا بننے والے کو وہ عزت بخشی جس سے بڑی کوئی عزت نہیں ہوسکتی۔ یہ کپڑا بننے والا اس بات پر جتنا فخر کرے کم ہے کہ سرکار دوجہاں اشرف انبیاء حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی لڑکی قُتَیْلَہ کو قبول فرمالیا تھا قُتَیْلَہ یمن میں تھیں۔ اور ان کے بھائی اشعث نے وکی بن کران کا نکاح آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے مدینہ میں کردیا تھا یہ نکاح ۱۰ھ کے آخر میں ہوا تھا قتیلہ یمن سے ابھی رخصت ہوکر نہیں آئی تھیں کہ نصف صفر ۱۱ھ

میں حضورؐ کی بیماری شروع ہوئی۔ اور ابن عبدالبر کے بیان کے مطابق ۲ ربیع الاول ۱۱ھ کو آپؐ کی وفات سے دنیا میں اندھیرا چھا گیا۔

دوسرا بیان یہ ہے کہ وفات سے دو ماہ پیشتر نکاح ہوا۔ تیسرا بیان یہ ہے کہ آپ کی آخری بیماری میں نکاح ہوا تھا اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے حق میں وصیت کی تھی کہ ان کو اختیار ہے کہ دوسری ازواج مطہرات کی طرح ان پر بھی قانون حجاب نافذ اور حجاب قائم ہو ایسی صورت میں میرے بعد کسی سے نکاح کرنا جائز نہ ہوگا، دوسری صورت یہ ہے کہ وہ طلاق قبول کر لیں اور جس سے چاہیں نکاح کر لیں۔ انھوں نے دوسری صورت اختیار کی اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد حضرت عکرمہ (صحابی) سے نکاح کر لیا۔

بُنکر گھرانے میں سب سے اعلیٰ اور نبی کا یہ رشتہ ان دستکاروں کیلئے سب سے بڑا مایۂ افتخار ہے اور یہی اس بات کی مستحکم دلیل ہے کہ بننے والے کی بیٹی ایک عربی بلکہ قریشی و ہاشمی بلکہ سب سے اشرف واکرم ہاشمی کی کفوء ہو سکتی ہے۔ اسی طرح وہ اس کی بھی کفوء ہو سکتی ہے جو یہ پیشہ نہیں کرتا ہے۔

اس واقعہ کے نقل کرنے کے بعد حضرت والا نے ایک بات لکھی ہے جو سب کے لئے قابلِ لحاظ ہے۔ لکھتے ہیں۔

اس بحث میں فقہی کتابوں سے جو نقل کیا جاتا ہے۔ وہ سب غلط فہمی پر مبنی ہے۔

اس بحث میں اصل چیز دینداری ہے نکاح میں کوئی چیز پیش نظر رکھنے کے قابل ہے تو وہ دینداری ہے "دینداری" زندگی کا اصل معیار اور انسان کا اصل سرمایہ ہے۔ اسلئے اگر میاں بیوی دونوں دیندار ہیں تو ہم سمجھتے ہیں ان سے بہتر کوئی ہمسفر اور زندگی کا ساتھی نہیں۔ پیشہ مختلف ہو۔ حسب و نسب میں فرق ہو۔ لیکن تقویٰ و طہارت کی دولت نصیب ہو تو یہ ساری چیزیں ایک طرف اور دینداری ایک طرف۔ یقین جانئے

لے تذکرۃ النساجین ص ۱۱۷، ۱۱۸

ان میں کبھی پیشہ اور نسب کے اختلاف اور ذاتی امتیاز کا تصور پیدا نہیں ہوگا کیونکہ جب بھی ہوگا دینداری اور خوفِ الٰہی مانع ہوگا۔ اسی وجہ سے سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے بہت تاکید کے ساتھ فرمایا۔

تنکح المرءۃ لاربع لمالھا ولحسبھا ولجمالھا ولدینھا۔ فاظفر بذات الدین ۔ تربت یداک[۱] (الحدیث)

عورت سے چار چیزوں کی بنا پر شادی کی جاتی ہے ۔ وہ یہ ہیں۔ مال۔ حسب خوبصورتی اور دینداری۔ سو دیندار والی سے شادی کر کے کامیابی حاصل کرو۔ تمہارے ہاتھ خاک آلود ہوں (ایسا نہ کرو تو)

⁂ ⁂ ⁂ ⁂ ⁂

⁂ ⁂ ⁂ ⁂ ⁂

اس لئے اگر ہم پورے جزم کے ساتھ کہیں تو غلط نہ ہوگا کہ نکاح میں صرف دینداری کو ملحوظ رکھنا چاہیئے۔ حسب و نسب اور دوسری چیزوں کو پیش نظر رکھنا بے سود ہے۔

"امداد الفتاویٰ" کتاب النکاح جلد دوم میں کفارت سے متعلق ایک سوال وجواب ہے مولانا اشرف علی تھانویؒ نے جواب میں تحریر فرمایا ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ حسب و نسب اور دوسری چیزوں میں کفارت کا دارومدار عُرف پر ہے ۔ اور عرفی مسائل میں ہوتا یہ ہے کہ عرف بدل جانے سے احکام بھی بدل جاتے ہیں ۔ سو کسی زمانہ میں حالات ایسے رہے ہونگے جس کے مدنظر نکاح میں ان امور کا خیال کیا گیا۔ اب چونکہ مسلم معاشرہ میں خانہ زاد رسم و رواج اور مال و دولت اور نسب و پیشہ کی قید و بند کی وجہ سے بڑی پریشان کن صورت پیدا ہو گئی ہے۔ بہت سی مسلم بچیاں ان قید و بند سے مجبور ہو کر یونہی زندگی گذارنے پر مجبور ہیں۔ ایسی صورت میں کفارت کی پابندی ہمارے خیال میں مزید الجھن کا باعث بنے گی۔ اس لئے موجودہ وقت میں اس کی رعایت ضروری نہیں ہونی چاہیئے۔

لڑکی غیر کفو میں شادی کرلے تو اس کا نکاح صحیح ہو جاتا ہے۔ لیکن فقہی کتابوں میں لکھا ہے کہ ولی کو حق فسخ حاصل ہوگا۔ قاضی کی عدالت میں نکاح ختم کرا سکتا ہے۔

---

[۱] فتح الباری ج ۹ ۔ ص ۱۱۵

لیکن اگر کسی طبقے کے افراد اس بات پر مُصر ہوں کہ نہیں اسوقت بھی کفارت کی پابندی ضروری ہے تو ہم بصد ادب ان سے پوچھیں گے کہ نومسلم کے متعلق آپ کا کیا خیال ہے؟ موروثی مسلمان کا کفوء ہے یا نہیں۔ اس کی لڑکی سے نکاح ہو سکتا ہے یا نہیں۔ ظاہر ہے کہ فقہی کتابوں سے سہارا لیں گے تو جواب نفی میں ملے گا اسوقت وہ نومسلم کیا سوچے گا، اسلام کے بارے میں کیا خیال کرے گا۔ اسلام کی جانب سے اس کا دل متردد نہیں ہوگا؟ یقیناً ہوگا۔ اور خطرہ ہے کہ اسلام سے پھر جائے العیاذ باللہ۔

چنانچہ اس مجبوری کی وجہ سے مفتی کفایت اللہ صاحب دہلوی نے ایک سوال کے جواب میں تحریر فرمایا ہے

> نومسلم کی اولاد کی شادی ہر مسلمان کی اولاد سے ہو سکتی ہے یہ بات نہیں ہے کہ نومسلم اولاد کی شادی نومسلم کے ساتھ ہو جو مسلمان یہ کہتا ہے کہ نومسلم کی اولاد کی شادی نومسلم سے ہونا چاہئے وہ جاہل اور اسلامی احکام سے ناواقف ہے شریعتِ مقدسہ اسلامیہ نے ہر مسلمان کو موروثی مسلمان ہو یا نومسلم ہو بھائی بھائی قرار دیا ہے اور ہر مسلم و نومسلم ایک دوسرے سے مناکحت کا رشتہ کر سکتے ہیں کوئی ممانعت نہیں ہے جو مسلمان اپنے نومسلم بھائی کو رشتہ دے گا وہ دوہرے ثواب کا مستحق ہوگا۔[1]

اشرف الانبیاء، سرکار دوجہاں صلی اللہ علیہ وسلم نے کپڑے کے کام کرنے والے قیس کی لڑکی قتیلہ سے عقد فرمایا۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے انھیں قتیلہ کے بھائی اشعث سے اپنی بہن اُمّ فروہ کی شادی کردی۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ بن خطاب نے ایک قریشی لڑکی کو ایک آزاد شدہ مسلمان غلام کے عقد میں دینے کا حکم دیا۔

---

[1] کفایت المفتی

اسی طرح حضرت مقداد ابن اسود کی شادی ضباعۃ بنت زبیر سے ہوئی۔ یہ اور ان جیسے صحابہ کرام کے دوسرے واقعات سے پتہ چلتا ہے کہ کفاءت کی پابندی لازمی نہیں تھی۔ اگر بالفرض ہوتی تو یہ مبارک ہستیاں کبھی اس کے خلاف نہیں کرتیں۔

باقی یہ کہنا کہ یہ عقد نکاح ان کے اولیاء کی رضامندی سے ہوا اس وجہ سے درست ہے۔ اگر اُسے تسلیم بھی کریں تو ہم پوچھیں گے غیر کفوء میں اولیاء کی رضامندی کے بغیر نکاح ہو تو اولیاء کو حقِ فسخ کہاں سے ثابت ہوتا ہے۔ ظاہر ہے کسی روایت میں اس کی صراحت نہیں ہے کہ لڑکی غیر کفوء میں شادی کرے تو ولی کو نکاح فسخ کرنیکا حق ہوگا۔ جو لوگ حدیث پاک

ألا، لا یزوج النساء الا الاولیاء	عورتوں کا نکاح صرف ان کے اولیا کریں
ولا یزوجن الا من الاکفاء[1]	اور کفو ہی میں ان کا عقد کریں

اور اس جیسی دوسری حدیث سے حق فسخ ثابت کرتے ہیں۔ درست نہیں ہے علامہ ابن ہمام نے فتح القدیر میں حدیث مذکور کی تشریح کرتے ہوئے لکھتے ہیں

ولا دلالة فیه علی انها اذا زوجت نفسها من غیر الکفوء ثبت لهم حق الفسخ[2]	اس حدیث میں اس بات پر دلالت نہیں ہے کہ جب عورت اپنا نکاح غیر کفو میں کرے تو اس کے اولیاء کو حق فسخ حاصل ہوگا

آگے لکھتے ہیں۔

فالجواب ان حاصله انها منهیة علی تزویجها نفسها بغیر الکفوء فاذا باشرت لزمتها المعصیة ولا یستلزم ان للولی	اس کا حاصل یہ ہے کہ عورت کو منع کیا گیا ہے کہ وہ غیر کفو میں نکاح کرے اور جب ایسا کرے گی تو معصیت کی مرتکب ہوگی (اس سے یہ) لازم نہیں ہوتا کہ ولی کو اسکے

---

[1] فتح القدیر ج ۳۔ ص ۱۸۵۔ [2] ایضاً ج ۳۔ ص ۱۸۵۔

فسخہٗ الا لمعنی الصرف هوانها ادخلت علیه ضررًا فله دفعه وهٰذا الیس مدلول النص [1]	فسخ کا حق ہوگا۔ ہاں اگر اس نکاح سے ولی کو کوئی ضرر پہنچ رہا ہو تو اسے اس کے دفع کرنے کا اختیار ہوگا۔ لیکن یہ نص کا مدلول نہیں ہے۔

⁂ ⁂ ⁂ ⁂ ⁂ ⁂

مذکورہ دونوں عبارتوں سے ظاہر ہے عورت غیر کفو میں نکاح کرے تو ولی کے لئے نص (حدیث مذکور) سے تو حقِ فسخ ثابت نہیں ہوتا ہے۔ تاہم فقہاء نے تصریح کی ہے کہ غیر کفوء میں شادی سے اگر اولیاء کو کوئی خاص ضرر پہونچ رہا ہو تو نکاح فسخ کرانے کا حق ہوگا۔ مثلاً عورت نے کسی غیر دیندار، شرابی اور کبابی سے شادی کرلی تو ایسی صورت میں اولیاء کو یقیناً حق حاصل ہوگا قاضی کی عدالت میں نکاح ختم کرا سکتے ہیں۔

دوسری عبارت کے پہلے جزء سے کسی کو اعتراض ہوسکتا ہے کہ جب غیر کفوء میں نکاح سے ممانعت ہے اور ایسا کرنے سے عورت گنہگار ہوتی ہے۔ تو اس کا یہی مطلب ہے کہ کفاءت کا اعتبار ہے ورنہ معصیت کا کوئی سوال نہیں۔
اس کا جواب اوپر گذر چکا ہے۔ وہ یہ کہ حدیث مذکور کے رواۃ پر محدثین نے کلام کیا ہے اور اس سے کفاءت پر استدلال کرنا محلِ نظر ہے۔ پھر تعلیلها بانتظام المصالح سے بھی معلوم ہوتا ہے کہ اس حکم کی علت خانگی مصالح ہیں اور بس۔ سو اگر یہ مصالح کفاءت کی پابندی کے بغیر حاصل ہوجائیں تو اس کی ضرورت نہیں ہے۔

سب تو سب نبی اعظم صلی اللہ علیہ وسلم کے اسوۂ حسنہ اور صحابہ کرام کے طرزِ عمل اور ائمہ مجتہدین کے اختلافِ اقوال سے بھی یہی آشکارا ہوتا ہے کہ کفاءت کی پابندی کوئی ضروری نہیں ہے۔

---

[1] فتح القدیر ج ۳ - ص ۱۸۵ -

از مولانا امام علی دانش - ادارہ محمودیہ محمدی لکھیم پور

جس کے پاس کسی معیاری طبیہ کالج کی سند ہو۔ جس کے اخلاق و کردار سے مریض مطمئن ہو۔ جو نرم گفتار اور خوش اطوار ہو۔ جس کے طریق علاج میں سہولت ہو جو کم خرچ، صحت بخش دوائیں تجویز کرتا ہو اور جسے قدرت نے ایسا دستِ شفا عنایت فرمایا ہو کہ مایوس و نامراد بیمار بھی اس کے مطب سے صحت یاب ہو رہے ہوں ایسی خصوصیات رکھنے والا معالج صلاحیت وافادیت میں ممتاز اور ماہرِ فن قرار دیا جاتا ہے۔ عوام و خواص میں اس کی قابلیت کی دھوم مچ جاتی ہے۔

بلاتشبیہ اس مثال سے انبیاء کرام علیہم السّلام کے بلند مقام کا اندازہ لگایا جا سکتا ہے کیونکہ وہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے روحانی معالج بنا کر بھیجے جاتے ہیں۔ وہ اعتقادی و عملی فساد دور کرنے والے ربّانی مصلح ہوتے ہیں رسالت و نبوت کے منصب پر فائز ہونے میں کسب وارادہ کا قطعی دخل نہیں ہے۔ نبی و رسول ہونا اللہ تعالیٰ کا خاص انعام ہے وہ جسے مناسب سمجھتا ہے اس کے پاس وحی

بھیجتا ہے۔ حضراتِ انبیاء کی تعلیمات ان کا طریقِ اصلاح اور انداز تربیت پروردگار عالم کا تجویز کردہ ہوتا ہے۔ وہ اخلاق وعادات میں تمام دیگر مخلوق سے برتر ہوتے ہیں۔ اور ہر پیغمبر اپنے اپنے دور میں ہادیٔ کامل کی حیثیت رکھتا ہے۔

خاتم النبیین کی شان

سب سے آخری دور میں سرور کائنات فخر موجودات حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو مبعوث کیا گیا۔ جن کو نبی ورسول بنانے کے ساتھ ہی خاتم النبیین کا تمغہ عنایت ہوا۔ جن کو سیّد الاولین والآخرین اور امام الانبیاء بنایا گیا۔ جو لواء الحمد کے حامل اور صاحب مقام محمود ہوں گے۔ میدانِ حشر میں شفاعت کبریٰ کا تاج جن کے سر پر ہوگا۔ جن کی شریعت دائمی اور آفاقی ہے۔ جن پر نازل کی جانے والی کتاب محفوظ ہے اور تمام سابقہ کتب وصحائف کے لئے ناسخ ہے۔ جن کا پیش کردہ دستور تمام قوموں، ملکوں اور زمانوں کے لئے کافی ہے۔ جن کا اسوۂ حسنہ ہمیشہ کے لئے مشعلِ ہدایت اور منارۂ نور ہے۔ جن کی آمد کا مژدہ حضرت عیسیٰؑ بن مریم اور ان سے قبل کے تمام پیغمبروں نے سنایا جن کی بعثت کے لئے حضرت ابراہیم خلیل اللہ نے دعائیں مانگیں جن کی ذات ستودہ صفات کی مدح سرائی اور جن کے اصحاب کی توصیف توریت وانجیل میں بیان ہوئی صلی اللہ علیہ وآلہٖ وصحبہٖ وبارک وسلم۔

اخلاق وکردار

نبی اکرمؐ کو خلق عظیم کا حامل بنایا گیا۔ ان کی صداقت و دیانت مسکین نوازی یتیم پروری کا اعتراف دشمنوں نے بھی کیا۔ اخلاق وعادات کی پاکیزگی وبلندی کا یہ عالم تھا کہ جو مخالفین دعوت الی اللہ کی ذمہ داری ادا کرنے کو جرم سمجھتے تھے اور ہر طرح مزاحمت کرتے تھے راستہ میں کانٹے بچھانا پتھر برسانا۔ اہل ایمان کو پریشان کرنا، ستانا جن کا مشغلہ تھا جنھوں نے وطن سے نکالا۔ جائیدادوں کو غصب کیا۔ قتل کرنے کی سازشیں کیں

میدانِ جنگ میں مقابلہ پر نکلنے کے لئے مجبور کیا ان مخالفین اور اعدائے دین کی ہدایت کے لئے پیکرِ احسان وکرم رحمۃ للعٰلمین دعائیں کرتے رہے۔ اور جب خدائے پاک نے غلبہ وتسلط دیا اور مکہ فتح ہوگیا۔ کتنا روح پرور ہے وہ اعلان جو زبانِ رسالت مآب سے ادا ہوا کہ

"آج تم پر کوئی گرفت نہیں جاؤ تم سب آزاد ہو"

کوئی انتقام نہیں لیا سب کو معاف فرمادیا بلکہ مزید احسانات سے نوازا۔ ابن ابی منافقوں کا سردار تھا۔ ہمیشہ مارِ آستین بن کر نقصان پہونچانے کی سازشیں کرتا رہا جب وہ فوت ہوا اس کے صاحبزادے جو مومن مخلص تھے بارگاہِ نبوی میں حاضر ہوئے۔ ان کی درخواست پر حضور اکرم ﷺ نے اپنا کرتا عنایت کیا کہ اس میں اپنے منافق باپ کو کفنا دو پھر اس کی قبر پر تشریف لے گئے اور اپنا پاک لعاب دہن اس منافق کے منہ میں ڈالا۔ اس طور سے اپنے مخلص وفادار شخص (یعنی ابن ابی کے فرزند) کی غمخواری ودلجوئی فرماکر اس غم کو ہلکا کردیا۔ جو ایک لڑکے کو باپ کی جدائی پر فطری طور سے ہوتا ہے۔ اور منافق کے احسان کا بدلہ بھی اسی دنیا میں چکا دیا۔ جو اس نے اپنا کرتا ایک موقعہ پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا کو دیکر کیا تھا۔

سلام اس پر کہ جس نے گالیاں کھاکر دعائیں دیں
سلام اس پر کہ جس نے دشمنوں کو بھی قبائیں دیں،

اسوۂ نبوی ﷺ رحمت وشفقت، مودّت والفت، احسان وکرم کے پھولوں سے آراستہ ہے جس کی تفصیل کے لئے دفتر چاہیئے۔

تعلیماتِ نبوی ﷺ کی خصوصیت ان کی پیش کردہ تعلیمات انتہائی جامع ومکمل اور سادہ وآسان ہیں اور ہمیشہ کے لئے محفوظ ہیں کلام اللہ اس کی شہادت دے رہا ہے۔ حجۃ الوداع کے موقع پر یہ شرف

سنایا گیا۔

"آج میں نے تمہارا دین مکمل کردیا اور تم پر اپنی نعمت تمام کردی اور تمہارے لئے دینِ اسلام کو پسند کیا۔ (قرآن حکیم)

یہ خوشخبری سن کر ایک یہودی کہنے لگا ہمارے یہاں اگر اس قسم کی آیت کسی دن نازل ہوتی تو ہم اُسے یوم عید بنا لیتے۔ محترم صحابی نے جواب دیا کہ اللہ تعالیٰ نے ہم پر یہ انعام ایسے دن فرمایا جو پہلے ہی سے روزِ عید ہے۔ دینِ محمدی کے بارے میں یہ ناطق فیصلہ کردیا گیا۔

"بلاشک دین اللہ کے نزدیک اسلام ہے۔ اور جو شخص بھی اسلام کے علاوہ کسی دین کو اختیار کرے گا وہ اس سے ہرگز قبول نہ ہوگا۔" (قرآن حکیم)

دائمی حفاظت کا وعدہ اس طرح کیا گیا۔

"بلاشک ہم نے ہی ذکر یعنی قرآن مجید کو نازل کیا اور ہم ہی ضرور اس کی حفاظت کرنے والے ہیں۔ (قرآن حکیم)

"اسی اللہ نے اپنے رسول کو ہدایت اور دین حق دیکر بھیجا تاکہ تمام دینوں پر غلبہ دلادے۔ اگرچہ شرک کرنے والوں کو کتنا ہی ناگوار ہو" (قرآن حکیم)

دین کی اتباع اور قبولیت خداوندی کو پیغمبر کی پیروی میں منحصر کردیا گیا۔

"آپ کہئے کہ اگر تم اللہ سے محبت کرتے ہو تو میری پیروی کرو۔ اللہ تعالیٰ تم سے محبت کرنے لگے گا۔ (قرآن حکیم)

شریعتِ اسلامیہ کے محفوظ و مکمل ہونے کی تائید عقلی و تاریخی شہادتوں سے بھی ہوتی ہے۔ زندگی کا کوئی شعبہ ایسا نہیں جس میں شریعت رہنمائی نہ کرتی ہو۔ انفرادی زندگی ہو یا اجتماعی، مقامی معاملہ ہو یا بین الاقوامی، ظاہری آراستگی ہو یا باطنی اصلاح، اقتصادی، سیاسی، تمدنی، معاشی وغیرہ ہر سطح پر ہر قدم پر شریعت

کی روشنی رہبری کرتی ہے۔ شریعت کا بنیادی مأخذ کتاب اللہ ہے۔ جس کی عملی تفسیر سنت مصطفیٰ ہے۔ کتاب اللہ کی طرح سنت مصطفیٰ بھی محفوظ ہے۔ ایک عیسائی مؤرخ اسوۂ نبوی کے زندہ جاوداں ہونے کی تاریخی شہادت دیتے ہوئے لکھتا ہے کہ

"یہ امر بالکل یقینی ہے کہ دنیا کی تمام مشہور شخصیتوں میں سے کسی کا نام بھی پیش نہیں کیا جا سکتا جس کی زندگی کے حالات محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کے حالاتِ زندگی کی طرح پوری دیانت وصحت اور تفصیل کے ساتھ مل سکتے ہوں" (بحوالہ مکتوبات نبوی ص۳۸)

شریعت کا تیسرا اور چوتھا مأخذ اجماعِ امت اور اجتہادِ فقہاء ہے یہ دونوں مأخذ علی الترتیب قیامت تک پیش آنے والے مسائل وحوادث میں عقل وفکر اور علم وتقویٰ کی روشنی میں ایسا حل پیش کرنے کی دعوت دیتے ہیں کہ جس سے ہر قسم کی وقتی ضرورت اور رہنمائی کی طلب پوری ہو سکتی ہے۔ اور بحمداللہ فقہاء امت نے اجماع واجتہاد کے مأخذوں سے کام لیکر شاندار خدمت انجام دی ہے تاریخ ملت جس کی شاہد ہے۔ یہ صرف امت مسلمہ کی خصوصیت ہے کہ ان کو پانی سے پاکی حاصل کرنے میں دشواری ہو تو مٹی سے پاک ہونے کی اجازت دی گئی عبادات کی ادائیگی میں قدرت واستطاعت کی قید لگائی گئی۔ معاملات میں تنگی وپریشانی دور کرنے کی گنجائش نکالنے کا علماء کو حکم دیا گیا۔ دفعِ حرج کو فقہ میں اصولِ مسلّمہ کے طور پر استعمال کیا گیا۔ خالق ومخلوق کے حقوق کی ادائیگی میں توازن واعتدال برقرار رکھنے کا حکم دیا گیا۔ سہولت وتیسیر اور کمال وجامعیت اسلامی شریعت کے علاوہ کسی بھی نظام حیات اور مذہب میں موجود نہیں ہے۔ دینِ اسلام خدائی دستور ہے وہ فطرتِ انسانی کے تمام تقاضوں کو پورا کرتا ہے۔ اسی کا نتیجہ ہے کہ جب کبھی کسی فرد یا جماعت نے اسلام کی اتباع کو اپنی جد وجہد کا محور ومرکز بنایا اس کا استقبال

ہر قدم پر دونوں جہاں کی کامرانیوں نے کیا۔

نبوی تعلیم و تربیت کی اثر انگیزی

اس سلسلہ میں سب سے نمایاں جماعت صحابہ کی ہے جو براہِ راست نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیم و تربیت سے شرفیاب ہوئے جو ماہتاب نبوت سے اقتباس نور کرکے نجوم ہدایت بنے۔ جو دنیا میں سب سے زیادہ پس ماندہ تھے وہ سب سے زیادہ ترقی یافتہ بن گئے شرک وکفر اور معصیت وطغیان کی موجوں میں ڈوبے ہوئے رشد و ہدایت، توحید و حق پرستی اور علم و عمل کے پیکر بن کر کشتیٔ انسانیت کے ناخدا بن گئے، اختلاف و انتشار نفرت و تعصب کی تاریکیوں میں بھٹکنے والے اتحاد و اتفاق اور محبت و ایثار کی روشنی کا منارۂ انوار ہو گئے۔ ؎

درفشانی نے تری قطروں کو دریا کردیا ؛ دل کو روشن کر دیا آنکھوں کو بینا کر دیا
خود نہ تھے جو راہ پر اوروں کے ہادی بن گئے ؛ کیا نظر تھی جس نے مردوں کو مسیحا کر دیا

تیئس (۲۳) سال کی مختصر ترین مدت میں خاتم النبیین ؐ کی تعلیم و تربیت سے جو انقلاب عظیم رونما ہوا اس کی مثال کسی مذہبی، تاریخی اور اصلاحی انقلاب میں نہیں پیش کی جا سکتی۔ جس سے تعلیمات نبوی کی اثر انگیزی اور انداز تربیت کی دلنشینی کا اندازہ بخوبی لگایا جا سکتا ہے۔

صحابۂ کرام رضؓ کی عظمت

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے فیضِ صحبت اور تعلیم و تربیت کے نتیجہ میں صحابۂ کرام کی وہ مقدس و پاکیزہ جماعت تیار ہوئی جس کے فضائل و کمالات کا بیان کلامِ ربانی میں موجود ہے۔ سورۃ الفتح میں آنحضرت ؐ کے رسول ہونے کا دعویٰ کرکے صحابۂ کرام کے اسوۂ و کردار کو بطور دلیل پیش کرکے حجت تمام کی گئی ہے فرمایا گیا۔

"محمد اللہ کے رسول ہیں اور جو ان کے ساتھ ہیں وہ کافروں پر زور آور ہیں

اور آپس میں نرم دل ہیں آپ دیکھتے ہیں ان کو رکوع میں اور سجدے میں ڈھونڈھتے ہیں۔ اللہ کا فضل اور اس کی خوشی اُن کی نشانی اُن کے چہروں میں ہے سجدہ کے اثر سے۔ یہ ان کی مثال توریت میں ہے۔ اور ان کی مثال انجیل میں یہ ہے جیسے کھیتی نے نکالا اپنا اکھوا پھر اس کا تنا مضبوط ہوا پھر موٹا ہوا پھر کھڑا ہو گیا اپنی شاخ پر کھیتی والوں کو پسند آتا ہے تاکہ ان سے کافروں کا دل جلے۔"

معلوم ہوا کہ صحابہ کرام دین کی ایسی کھیتی ہیں کہ جس کی سرسبزی و شادابی دیکھکر ایمان والے خوش ہوتے ہیں اور کافر جلتے ہیں۔ سورۂ آل عمران میں صحابۂ کرام کی باہمی محبت و مؤدت کو بطور احسان ذکر فرمایا ہے کہ :۔

اور اللہ کا احسان یاد کرو اپنے اوپر جب کہ تھے تم آپس میں دشمن پھر الفت ڈالدی تمہارے دلوں میں اب ہوگئے اس کے فضل سے بھائی بھائی اور تم تھے نار دوزخ کے گڈھے کے کنارے پھر تم کو اس سے نجات دی"

سورۂ حجرات میں اُن کے مومن کامل ہونے کی بشارت کتنے بلیغ انداز میں دی گئی ہے ارشاد ہے :

"اللہ نے محبت ڈال دی تمہارے دل میں ایمان کی اور تمہارے دلوں میں اس کی رونق پیدا کر دی اور نفرت ڈالدی تمہارے دل میں کفر و گناہ اور نافرمانی کی۔ یہی لوگ نیک راہ پر ہیں اللہ کے فضل اور احسان سے اور اللہ سب کچھ جاننے والا ہے"

سورۂ انفال میں ان کے لئے مغفرت و اجر عظیم ملنے کا وعدہ کرتے ہوئے کہا گیا ہے کہ :۔

جو لوگ ایمان لائے اور جنھوں نے ہجرت کی اور اللہ کے راستہ میں جہاد کیا

اور جن لوگوں نے جگہ دی اور مدد کی وہ سب سچے ایمان والے ہیں ان کے لئے مغفرت اور عزت والی روزی ہے۔"

سورۂ توبہ میں صحابہ کرامؓ سے عقیدت رکھنے اور ان کے لئے دعائے خیر کرنے کو بعد والوں کے ایمان وقبولیت کا قرار دیا گیا ہے۔ ارشاد ہے۔

" اور ایمان وعمل میں آگے بڑھ جانے والے مہاجرین وانصار اور جنھوں نے ان کی پیروی کی نیکی میں اللہ اُن سے راضی ہوا اور وہ اللہ سے راضی ہوئے۔ ان کے لئے جنتیں ہیں۔ جن کے نیچے نہریں جاری ہیں ہمیشہ ہمیشہ وہ ان میں رہیں گے۔"

صحابہ کرامؓ سے خلافت وحکومت اور امن واستحکام دینے کا اللہ تعالیٰ نے جو وعدہ قرآن پاک میں کیا تھا اُسے پورا فرمایا جو اُن کی مقبولیت اور ایمان وعمل میں کاملیت کی روشن دلیل ہے۔

معیارِ حق وصداقت

قرآن مجید کے مضامین کی تائید وتشریح احادیث طیبہ میں شرح وبسط کے ساتھ کی گئی ہے۔ خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی درسگاہ کے ابتدائی شاگردوں کو امتیاز وفضیلت کی اعلیٰ سند عنایت فرمائی ہے۔ جہاں ایک طرف آپ نے یہ فرمایا:۔

" میں نے تمہارے اندر دو چیزیں چھوڑی ہیں۔ جب تک اُن کو مضبوطی سے تھامے رہو گے ہرگز گمراہ نہ ہو گے۔ اللہ کی کتاب اور اُس کے رسول کی سنّت

(مؤطا امام مالک)

وہاں دوسری جانب یہ بھی فرما دیا۔

" بنی اسرائیل بہتر فرقے ہو گئے تھے اور میری امت میں تہتر فرقے ہوں گے سوائے ایک فرقہ کے سب جہنمی ہیں۔ حاضرین نے پوچھا وہ کون فرقہ ہے آپ نے فرمایا ما انا علیہ واصحابی۔ جس طریقہ پر میں اور میرے اصحاب ہیں۔

(ترمذی)

کتاب وسنت کو سمجھنے اور اس پر عمل پیرا ہونے کے دعویدار بہت سے افراد اور فرقے ہو سکتے ہیں۔ ان تمام میں حق پرست اور صداقت شعار وہی قرار پائیں گے جو کتاب وسنت کے فہم اور اس کی تشریح وتعمیل میں اصحاب نبوی کے نشانات قدم پر گامزن ہوں گے۔ فرقہ بندی ونفس پرستی کے دور میں حق وصداقت کا معیار صحابہ کرام ہونگے اس مضمون کی توثیق کے لئے درج ذیل ارشادات نبوی وآثار کو بھی ملاحظہ کیجئے۔

(۱) حضرت عبداللہ بن مسعود رضؓ نے فرمایا بے شک اللہ عزوجل نے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے قلب کے بعد بندوں کے قلوب کو دیکھا تو اُن کے اصحاب کے دلوں کو تمام بندوں کے دلوں سے اچھا پایا اسی بناء پر ان کو اپنے نبیؐ کا وزیر بنایا۔ سو جس کو مسلمان (صحابہ کرام) اچھا سمجھیں وہی اللہ کے نزدیک اچھا ہے۔ (مسند احمد)

(۲) جو میرے بعد زندہ رہے گا بہت اختلاف دیکھے گا۔ سو تم لازم کرلو میرے طریقہ کو اور میرے خلفاء راشدین پیکرِ ہدایت کے طریقہ کو اسی پر اعتماد کرو۔ اسی کو دانتوں سے پکڑو اور خبردار دین میں نئی باتوں سے بچنا دین میں ہر نئی بات بدعت ہے۔ اور ہر بدعت گمراہی ہے۔ (مسند احمد، ترمذی، ابوداؤد، ابن ماجہ)

(۳) میرے صحابہ ستاروں کے مانند ہیں ان میں سے جس کی پیروی کروگے نجات پا جاؤ گے۔ (مشکوٰۃ)

(۴) میرے اصحابؓ کے بارے میں اللہ سے ڈرو میرے بعد ان کو اعتراض وتنقید کا نشانہ مت بنا لینا جو ان سے محبت کرتا ہے۔ درحقیقت اس کو مجھ سے محبت ہے جس کے باعث ان سے محبت کرتا ہے اور جو ان سے بغض ونفرت رکھتا ہے۔ درحقیقت اس کو مجھ سے بغض ونفرت ہے جس کے

سبب ان سے بغض رکھتا ہے جو ان کو تکلیف دیتا ہے۔ وہ مجھے تکلیف دیتا ہے اور جو مجھے تکلیف دیتا ہے خدا کو تکلیف دیتا ہے اور جو خدا کو تکلیف دیتا ہے اُسے خدا تعالیٰ ضرور سزا دے گا۔ (ترمذی)

(۵) جب تم ایسے لوگوں کو دیکھو جو میرے صحابہ کو برائی سے یاد کرتے ہیں تو ان سے کہہ دو تمہاری برائی پر اللہ کی لعنت ہو (ترمذی)

اصحاب بدر، اصحاب بیعتِ رضوان اور عشرہ مبشرہ و ازواج مطہرات اور بناتِ مطہرہ کے فضائل الگ سے بھی روایتوں میں آئے ہیں۔ جن سے صاف طور پر متعین ہوتا ہے کہ ایمان و اسلام اسی کا معتبر و مستند ہے جو اصحاب نبویؐ سے عقیدت و محبت رکھتا ہے اور حق و صداقت کا حامل وہی سمجھا جائے گا۔ جو طریقِ صحابہؓ کو راہِ عمل بنائے رہیگا۔ یہ وہ پاکباز، وفاشعار، حق پرست، صداقت نواز جماعت ہے۔ جس کی صلاحیت و راستبازی کا یقین و اعتراف کرنے پر ہر انصاف پسند مجبور ہے۔

غیر مسلم عیسائی کا اعترافِ حق

ایک عیسائی مؤرخ لکھتا ہے۔
"عیسائی اس بات کو یاد رکھیں تو اچھا ہے کہ محمدؐ کی تعلیم نے اس درجہ دینی نشہ ان کی پیروی کرنے والوں میں پیدا کر دیا تھا کہ جس کی مثال عیسیٰؑ کے ابتدائی پیروؤں میں تلاش کرنا بے فائدہ ہے اور ان کا مذہب اس تیزی سے پھیلا کہ جس کی مثال دینِ عیسویؑ میں نہیں ہے۔ چنانچہ پچاس سال سے کم مدت میں اسلام بہت سی عالیشان سرسبز سلطنتوں پر غالب آگیا۔"

دشمنانِ اسلام کی خفیہ سازش اور اسکا مقابلہ

اسلام کے دشمنوں نے میدان مقابلہ میں حجت و برہان اور سیف و سنان دونوں طرح شکست کھا جانے کے بعد مسلمانوں اور اسلام

کے خلاف ایسی خوفناک سازش کی جس سے ملتِ اسلامیہ کا رشتہ اسلام سے منقطع ہو جاتا۔ اگر دین کی حفاظت کا خدائی وعدہ ظہور پذیر نہ ہوتا۔ سب سے پہلے ابن سبا یہودیوں نے منافقانہ طور پر اسلام کا لبادہ پہن کر درسگاہِ نبوی کے ابتدائی متعلمین و مسترشدین صحابہ کرام کے خلاف نفرت وعداوت کی مہم چلائی اور جھوٹی محبت اہل بیت کا نعرہ بلند کیا جس کے پس پردہ اسلام کے حاملین اولین سے مسلمانوں کو بدظن کرنا مقصود تھا اس فتنہ کی انتہا یہ ہوئی کہ اسلام کے نام پر اسلام کے مقابل ایک متوازی مذہب تیار ہو گیا۔ جس کا بنیادی عقیدہ یہ ہے۔ کہ وصالِ نبویؐ کے بعد سوائے تین چار حضرات کے سب صحابہ مرتد ہو گئے تھے۔ (معاذ اللہ) یہ فتنہ آج بھی زندہ ہے اسی کی ایک شاخ خوارج تھے جو حضرت علی مرتضیٰ وامیر معاویہؓ دونوں حضرات اور ان کے ماننے والوں کو کافر کہتے تھے۔ اسکے بعد عقل واستدلال کے نام پر اعتزال کا فتنہ رونما ہوا جس میں صحابہ کرام کے فہم پر اعتماد کرنے کے بجائے کتاب وسنت کی من مانی تشریح پر زور دیا گیا۔ اس فتنہ کی مثال موجودہ نیچری اور سائنسی نظریات سے مرعوب لوگ ہیں جو اسلامی عقائد و احکام کی تشریح وتوضیح میں صحابہ کرام اور اسلاف کو بنیادی اہمیت دینے سے گریز کرتے ہیں اور کچھ لوگ خاندانی وملکی رواجوں اور خیر القرون کے بعد کی رسموں کو دین میں شامل رکھنے پر مصر ہیں۔ اسی طرح اسلام کے احیاء کا خوشنما عنوان اختیار کر کے کچھ حضرات نئے نئے سیاسی نظریات جیسی تعبیر وتشریح کے سانچہ میں اسلام کو ڈھالنا چاہتے ہیں۔ اور صحابۂ کرام واسلافِ امت کی فہم وبصیرت اور اسوۂ ونمونہ عمل میں نقص تلاش کرنے کو حق پرستی سمجھتے ہیں۔ اس قسم کے تمام گروہوں کی بنیادی غلطی یہی ہے کہ وہ دین کے ابتدائی حاملین وشارحین کو نظر انداز کر دینا چاہتے ہیں ایسے دور پُرفتن میں شدید ضرورت ہے کہ اسلام کی سچی تعلیمات کی حفاظت

قسط ۳

حضرت نانوتویؒ اور عشقِ رسول ﷺ

از حافظ مولانا محمد اقبال صاحب مانچسٹر

حضرت نانوتویؒ کے خلاف فاضل بریلوی نے جس عبارت کے ذریعہ کفر کا فتویٰ دیا تھا وہ آپؒ کی عبارت ہرگز نہیں ہے۔ اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی نے حضرت نانوتوی پر جو الزام منسوب کیا ہے پہلے اس عبارت کو پڑھئے!

اور قاسمیہ قاسم نانوتوی کی طرف منسوب جس کی تحذیر الناس ہے اور اس نے اپنے رسالہ میں کہا ہے کہ بلکہ بالفرض آپ کے زمانہ میں بھی کہیں اور کوئی نبی ہو جب بھی آپ کا خاتم ہونا بدستور باقی رہتا ہے۔ بلکہ اگر بالفرض بعد زمانہ نبوی بھی کوئی نبی پیدا ہو تو بھی خاتمیت محمدی میں کچھ فرق نہ آئے گا۔ عوام کے خیال میں تو رسول اللہ کا خاتم ہونا بایں معنی ہے کہ آپ سب میں آخر نبی ہیں مگر اہل فہم پر روشن ہے کہ تقدم یا تاخر زمانہ میں بالذات کچھ فضیلت نہیں۔

(حسام الحرمین ص)

اعلیٰحضرت فاضل بریلوی کی نقل کردہ یہ عبارت "تحذیر الناس" میں اس طرح کسی مقام پر بھی نہیں ملتی۔ البتہ تحذیر الناس میں تین مختلف صفحات کی یہ تین مختلف سطریں ہیں۔

مثلاً اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی کی نقل کردہ عبارت میں

(۱) بلکہ اگر بالفرض آپ کے زمانہ میں بھی کہیں کوئی نبی ہو جب بھی آپ کا خاتم ہونا بدستور باقی رہتا ہے۔ (تحذیر الناس کے صفحہ ۱۴ پر ہے۔)

۲۔ بلکہ اگر بالفرض بعد زمانہ نبوی بھی کوئی نبی پیدا ہوا ہو تو بھی خاتمیت محمدی میں کچھ فرق نہ آئے گا۔ (تحذیر الناس صفحہ ۲۸ پر ہے۔)

(۳) عوام کے خیال میں .... فضیلت نہیں۔ (تحذیر الناس صفحہ ۳ پر ہے)

اس کے علاوہ عربی ترجمہ میں ایک نہایت ہی افسوسناک خیانت اور تحریف کا ارتکاب کیا ہے۔ تحذیر الناس صفحہ ۳ کی عبارت اس طرح تھی۔

مگر اہل فہم پر روشن ہو گا کہ تقدم یا تاخر زمانی میں بالذات کچھ فضیلت نہیں۔ مگر اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی نے اس کا عربی ترجمہ اس طرح کر کے پیش کیا۔!

مع انه لا فضل فيه اصلاً عند اهل الفهم

جس کا معنیٰ یہ کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے آخری نبی ہونے میں اہل فہم کے نزدیک بالکل فضیلت نہیں۔ فاضل بریلوی اس کا یہ ترجمہ کرتے ہوئے شاید خوف آخرت سے بالکل بے فکر ہو گئے ہوں گے۔

۲۔ حضرت مولانا نانوتویؒ کی عبارت میں بات بطور شرط'' اگر بالفرض کے ساتھ بیان کی جارہی تھی۔۔ اُسے خواہ مخواہ حضرت نانوتویؒ کا عقیدہ قرار دینا سراسر ناانصافی اور زیادتی ہے۔ کسی نہ ہونے والی بات کو بطور فرض کے بیان کرنا کبھی اہل علم کے یہاں قابل اعتراض نہیں سمجھا گیا ہے۔ خود قرآن کریم میں ہے۔

لو كان فيهما الهة الا الله لفسدتا

اگر ہوتے دونوں (زمین و آسمان) میں اور معبود سوائے اللہ کے تو دونوں خراب ہو جاتے

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد مبارک زبان زد عوام و خواص ہے کہ!

لو کان بعدی نبی لکان عمر (جامع ترمذی جلد ۲ ص۲۰۹) اگر میرے بعد کوئی نبی ہوتا تو عمرؓ ہوتے۔

غور فرمائیے! اس سے کہیں یہ ثابت نہیں ہوتا کہ معاذ اللہ آپ کے بعد نبوت کا دروازہ کھلا ہوا ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم بطور قضیہ فرضیہ کے بیان فرما رہے ہیں۔ نہ کہ اسکا اثبات فرما رہے ہیں۔ سیدنا مجدد الف ثانی الشیخ احمد السرہندیؒ نے بھی فرمایا کہ؛

اگر فرضاً دریں امت پیغمبرے مبعوث می شد موافق فقہ حنفی عمل میکرد (مکتوبات دفتر اول ص۲۸۲)

اگر حضرت نانوتویؒ "اگر بالفرض" کہہ کر دائرہ ایمان سے خارج ہو گئے تو پھر ان کے نزدیک سیدنا مجدد الف ثانیؒ سے بھی یہی قصور سرزد ہوا ہے۔ اور وہ بھی ان کے فتوے کے زد میں آگئے۔ خدا جانے اب کیا فتویٰ ہوگا؟۔ اگر سیدنا مجدد الف ثانیؒ اس عبارت کے باوجود مجدد الف ثانیؒ ہی ہیں اور یقیناً ہیں تو پھر حضرت نانوتویؒ پر انکار ختم نبوت کی تہمت آخر کن سیاسی مفاد کیلئے تھی؟

۳۔ حضرت مولانا نانوتویؒ نے تحذیر الناس میں جگہ جگہ ختم نبوت زمانی کا اثبات فرمایا ہے مگر افسوس کہ اعلیحضرت فاضل بریلوی نے ان تمام عبارات کو یکسر پس انداز کر دیا۔ ایک جگہ تحریر فرماتے ہیں کہ؛-

منجملہ حرکات سلسلہ نبوت بھی تھی سو بوجہ حصول مقصود اعظم ذات محمدی صلی اللہ علیہ وسلم وہ حرکت مبدل بہ سکون ہوئی البتہ اور حرکتیں ابھی باقی ہیں اور زمانہ آخر میں آپ کے ظہور کی ایک وجہ یہ بھی ہے۔ (تحذیر الناس ص۶۵)

مطلب یہ ہے کہ کائنات کا مقصود اعظم حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ہی ہیں اور قانون یہ ہے کہ کسی چیز کی حرکت اپنے مقصود پر پہنچ کر ختم ہو جاتی ہے۔ لہذا سوال پیدا ہوتا ہے کہ آپ کے مبعوث ہونے پر زمانہ کی حرکت ختم ہو جانی چاہیئے۔ حالانکہ یہ حرکت جاری ہے تو اسکا حضرت نانوتویؒ جواب دیتے ہیں کہ حرکات مختلف ہیں۔ ان میں سے ایک حرکت ہے

رسالت ونبوت کی۔ یہ حرکت حضرت آدم علیہ السلام سے شروع ہوئی اور اپنے مقصود اعظم حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر پہنچ کر ختم ہوگئی۔ اب یہ حرکت ختم ہوچکی ہے۔ اس حرکت کے اجراء کا قائل صریح اور قطعی کافر ہے۔ البتہ زمانہ کی باقی حرکات باقی ہیں۔ مثلاً انسانوں کی پیدائش، جمادات ونباتات کی تخلیق وغیرہ۔ (حاشیہ تحذیر الناس)

حضرت نانوتویؒ کے نزدیک حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے خاتم النبیین ہونے کا عقیدہ اتنا اہم اور بنیادی ہے کہ جو شخص بھی اس کا انکار کرے آپ کے نزدیک وہ کافر ہے فرماتے ہیں۔

> سو اگر اطلاق اور عموم ہے تب تو ثبوت خاتمیت زمانی ظاہر ہے ورنہ تسلیم لزوم خاتمیت زمانی بدلالت التزامی ضرور ثابت ہے۔ ادھر تصریحات نبویہ مثل انت منی بمنزلۃ ھارون من موسیٰ الا انہ لا نبی بعدی اوکما قال علیہ الصلوٰۃ والسّلام۔ بظاہر بطرز مذکور اسی لفظ خاتم النبیین سے ماخوذ ہے۔ اس باب میں کافی ہے کیونکہ یہ مضمون درجہ تواتر کو پہنچ گیا ہے پھر اس پر اجماع بھی منعقد ہوگیا ہے۔ گو الفاظ مذکور بسند متواتر منقول نہ ہوں سو یہ عدم تواتر الفاظ باوجود تواتر معنوی یہاں ایسا ہی ہوگا جیسا تواتر اعداد رکعات فرائض ووتر وغیرہ باوجودیکہ الفاظ حدیث مشعر تعداد رکعات متواتر نہیں جیساکہ ان کا منکر کافر ہوگا۔ ایسا ہی ان کا منکر بھی کافر ہوگا۔
> (تحذیر الناس ص ۴۷)

حضرت نانوتویؒ کی اس عبارت کا خلاصہ یہ ہے کہ:۔

(۱) آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا خاتم النبیین ہونا قرآن کریم کی آیت "ما کان محمد الآیۃ" سے بطور دلالت مطابقی یا التزامی کے ثابت ہے۔

(۲-۳) احادیث متواترہ اور اجماع امت سے بھی ثابت ہے۔

اور اس کا منکر ایسا ہی کافر ہے جیسا کہ تعداد رکعات کا منکر کافر ہے۔

غور کیجئے۔ حضرت نانوتویؒ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے آخری نبی ہونے کو دلائل علیہ سے ثابت فرمارہے ہیں اور اس کے منکر کو دائرہ ایمان سے خارج قرار دیتے ہیں۔ مگر اعلیٰ حضرت بریلوی یہ شور مچاتے ہیں کہ محمد قاسم نانوتوی کا عقیدہ ہے کہ حضور آخری نبی نہیں"........... (معاذ اللہ ثم معاذ اللہ)

وہ بات سارے فسانے میں جس کا ذکر نہیں٭ وہ بات ان کو بہت ناگوار گذری ہے۔

شیخ الاسلام حضرت مولانا حسین احمد صاحب مدنیؒ نے حضرت نانوتویؒ کی مندرجہ بالا عبارت کے بعد تحریر فرمایا ہے کہ

دیکھیئے اس عبارت میں کس طرح تصریح حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے نبی آخرالزماں ہونے کی فرمارہے ہیں۔ اور آپ کے خاتم زمانی ہونے کے منکر کو خود کافر کہہ رہے ہیں۔ پس اس شخص گمراہ کنندۂ عالم، مجدد الدجالین کی جرأت و دروغ گوئی کو دیکھیئے کہ کس طرح ان کی نسبت لکھتا اور تشہیر کرتا ہے کہ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے نبی آخرالزماں ہونے کے منکر ہیں۔ اور آپ کے بعد دوسرے نبی کے آنے کو جائز فرمارہے ہیں۔ بھلا اس خباثت اور نجاست کا کیا ٹھکانہ ہے۔　　(الشہاب الثاقب ص۳۷)

الغرض اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی کی خیانت۔ فریب کاری اور قطع و برید کے بعد ضرورت نہ تھی کہ اس مسئلے پر کچھ لکھا جائے اس لئے کہ عبارات کی قطع و برید اور مختلف صفحات کی مختلف سطروں کو ملانا ہی اس بات کا پتہ دیتا ہے کہ اصل عبارت میں کوئی شک اور قابلِ اعتراض بات نہ تھی۔ بلکہ اعلیٰ حضرت نے قابلِ اعتراض اور تکفیری عبارت بنانے ہی کے لئے یہ مذموم حرکت کی تھی۔ جس کی جواب دہی کے لئے وہ وہاں جاچکے ہیں جہاں سب کو جانا ہے۔

تاہم کتاب تحذیر الناس چونکہ بہت علمی کتاب ہے (مگر اپنے موضوع پر نہایت

صاف اور واضح ہے) اس لئے اکابر دیوبندؒ نے اس کی تشریح بھی فرمائی ہے ۔
چنانچہ حکیم الاسلام حضرت مولانا محمد طیب صاحبؒ کی کتاب "سراج منیر" شیخ الاسلام حضرت مولانا حسین احمد صاحب مدنیؒ کی "الشہاب الثاقب"، شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد ادریس صاحب کاندھلویؒ کی "تکملۂ تحذیر الناس"، مناظر اسلام حضرت مولانا محمد منظور احمد صاحب نعمانی مدظلہ کی سیف یمانی "فیصلہ کن مناظرہ"، شیخ الحدیث حضرت مولانا سرفراز خاں صاحب صفدر مدظلہ کی "عبارات اکابر" اور محقق العصر حضرت العلامہ ڈاکٹر خالد محمود صاحب مدظلہ کی "عقیدۃ الامۃ فی معنی ختم النبوۃ" اس موضوع پر نہایت بہترین اور مفصل اور مدلل کتابیں ہیں ۔

اب اس کے باوجود کوئی شخص ضد کی لکیر پیٹتا رہے اور حضرت نانوتویؒ پر کفر کے الزامات لگاتا رہے تو یہ اس کی بدقسمتی اور بدبختی ہے کہ وہ آخرت کی فکر اور جواب دہی سے بے پرواہ ہے ۔ حضرت نانوتویؒ نے بھی اسی کو فرمایا ہے کہ

> اس پر بھی بوجہ تعصب کوئی شخص اپنی وہی مرغی کی ایک ٹانگ کہے جائے تو اس کا کیا علاج منہ کے آگے آڑ نہیں پہاڑ نہیں ۔ جو چاہو سو کہو مگر فکر آخرت بھی ضرور ہے
> (حجۃ الاسلام ص۳۹)

ہم آخر میں بریلوی مکتبۂ فکر کے ممتاز عالم جناب پیر کرم شاہ صاحب اور خواجہ قمر الدین سیالوی کی دو تحریریں پیش کرتے ہیں جن سے معلوم ہوگا کہ حضرت نانوتویؒ کی کتاب "تحذیر الناس" بالکل برحق اور اعلیٰ حضرت بریلوی اپنے موقف میں بالکل غلط اور کاذب ہیں۔

جناب خواجہ قمر الدین سیالوی فرماتے ہیں :۔

> میں نے "تحذیر الناس" کو دیکھا میں مولانا محمد قاسم صاحب کو اعلیٰ درجہ کا مسلمان سمجھتا ہوں مجھے فخر ہے کہ میری حدیث کی سند میں ان کا نام موجود ہے خاتم النبیین کے معنیٰ بیان کرتے ہوئے جہاں مولانا کا دماغ پہونچا ہے وہاں تک معترضین

کی سمجھ نہیں گئی۔ قضیہ فرضیہ کو قضیہ حقیقیہ سمجھ لیا گیا ہے۔ (فقیر قمر الدین سیال شریف)
(ڈھول کی آواز مؤلفہ مولانا کامل الدین رتوکالوی ص۱۱۶ مطبوعہ ثنائی پریس سرگودھا)
جناب پیر کرم شاہ صاحب بھیرہ شریف والے ابھی ماشاء اللہ حیات ہیں اور پاکستان
میں جسٹس کے عہدے پر بھی فائز ہیں۔ ان کی اپنے ہاتھ سے لکھی تحریر ہمارے پاس
دستخط شدہ موجود ہے۔ وہ لکھتے ہیں:۔

حضرت قاسم العلوم کی تصنیف لطیف مسمیٰ بہ تحذیر الناس کو متعدد بار غور و
تامل سے پڑھا اور ہر بار نیا لطف و سرور حاصل ہوا۔۔۔۔ جہاں تک فکر
انسانی کا تعلق ہے حضرت مولانا قدس سرہٗ کی یہ نادر تحقیق کئی شپرہ چشموں
کے لئے سرمۂ بصیرت کا کام دے سکتی ہے۔ رہے فریفتگانِ سامان مصطفوی
تو اُن کے لئے بے قرار دلوں اور بے تاب نگاہوں کی دارفتگیوں میں اضافہ کا
ہزار سامان اس (تحذیر الناس) میں موجود ہے۔۔۔۔۔ ختم نبوۃ کا یہ ہمہ گیر مفہوم
جو مبدأ و مآل اور ابتداء و انتہاء کو اپنے دامن میں سمیٹے ہوئے ہے۔ اگر امت
مرزائیہ وغیرہ کی علمی سطح سے بلند تر ہو تو اس میں کسی کا کیا قصور ہے۔
(محمد کرم شاہ من علماء الازہر الشریف سجادہ نشین بھیرہ ضلع سرگودھا ۲۲ جون ۱۹۶۷ء)

پیر کرم شاہ صاحب کے اس فتویٰ پر مولانا ابو سعید مدرس مدرسہ رضویہ مسجد کھجیو الی ملیانی
ضلع سرگودھا کی تصدیق بھی ان الفاظ میں موجود ہے۔

ھٰذا الکلام صحیح عندی۔ اس سے ختم نبوت ثابت ہے نہ کہ اجرائے نبوت
(۸ اگست ۱۹۶۷ء)

مگر افسوس کہ اعلیٰحضرت فاضل بریلوی کہتے ہیں کہ وہ کافر تھا اور جو اس کے کفر میں
شک کرے وہ بھی کافر و مرتد (العیاذ باللہ) اعلیٰحضرت فاضل بریلوی کے اس فتویٰ مبارکہ سے
مندرجہ بالا ہستیاں بھی اسلام سے گئیں اور علاوہ ازیں ان سے پہلے کے دو اور بزرگوں کے

دین و ایمان کا بھی جنازہ نکل گیا۔ ایک ان میں مولانا دیدار علی شاہ الوری جو مولانا ابوالحسنات اور مولانا ابوالبرکات سید احمد کے والد محترم تھے۔ انھوں نے حضرت نانوتویؒ کو مرحوم و مغفور لکھا ہے۔ ملاحظہ فرمائیے!

مولانا استاذ نا رئیس المحدثین استاذ مولانا محمد قاسم صاحب مغفور حضرت مولانا احمد علی صاحب مرحوم، مغفور محدث سہارنپوری کے فتویٰ اجوبہ سوالات خمسہ کی نقل زمانہ طالب علمی میں کی ہوئی احقر کے پاس موجود ہے۔

(رسالہ تحقیق المسائل ص۳۱ مطبوعہ لاہور پرنٹنگ پریس لاہور طبع ثانی ۱۳۴۹ھ)

اور دوسری شخصیت جناب پیر مہر علی شاہ صاحب گولڑوی مرحوم کی ہے۔ انھوں نے حضرت نانوتویؒ کے بارے میں جس قسم کا اظہار عقیدت کیا ہے انھیں ملاحظہ کیجئے:۔

پیر مہر علی شاہ صاحب گولڑوی مرحوم کی خدمت میں ایک شخص آیا اس نے دریافت کیا کہ:۔

آپ مولوی قاسم صاحب کے متعلق کیا خیال رکھتے ہیں؟

آپ نے جواباً فرمایا۔

تم مولانا محمد قاسم صاحب نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ کے متعلق پوچھتے ہو۔

سائل نے عرض کیا۔ جی ہاں، انھی کے متعلق۔ آپ نے فرمایا:۔

وہ حضرت حق کی صفتِ علم کے مظہر اتم تھے۔ (بحوالہ اسوۂ اکابر ص۲۵ مؤلفہ مولانا محمد بہاء الحق قاسمی)

پیر صاحب مرحوم کے اس ارشاد کے بعد وہ بھی اعلیٰحضرت کے نزدیک دین اسلام سے فارغ ہو گئے تھے۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُون۔

الحاصل حضرت اقدس نانوتویؒ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے سچے عاشق اور فدائی تھے۔ آپ کی کتاب زندگی اس امر کی شاہد عدل ہے کہ آپ کے قلب میں

سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت۔ عقیدت۔ عزت وعظمت کوٹ کوٹ کر بھری ہوئی تھی۔ اسی کی خاطر اعدائے اسلام سے مناظرے ومباحثے کئے۔ اسلام کے فضائل بیان کئے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت ورسالت کو مدلل بیان فرمائے۔ اعدائے اسلام کی جانب سے اسلام پر کئے جانے والے اعتراضات کا مسکت جواب دیا۔ اسلام اور مسلمانوں کی ہر موڑ پر حفاظت کی سربلندیٔ اسلام کی خاطر علم جہاد بلند کیا۔ علوم اسلامیہ کی اشاعت کی غرض سے دارالعلوم دیوبند کی سرپرستی فرمائی۔ سیکڑوں ایسے تلامذہ تیار کئے جنھوں نے اسلام کے نام کو روشن کیا۔ مسلمانوں کے دین وایمان کی حفاظت کی! اور فرق باطلہ اور اعدائے اسلام کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر گفتگو کی۔ اور کرتے رہے اور انشاء اللہ کرتے رہیں گے!۔

رحمۃ اللہ تعالیٰ رحمۃ واسعۃ۔ آمین یارب العٰلمین

وَمَا عَلَیْنَا اِلَّا الْبَلَاغ۔

(بقیہ ص ۳۲ کا) واشاعت پیغمبر اعظم صلی اللہ علیہ وسلم اور ان کے صحابہ کرام رضٰ کے اسوۂ حسنہ کی روشنی میں کی جائے جو خوش نصیب اس خدمت میں مشغول ہونگے وہی تجدید واحیائے دین کرنے والے اسلاف واکابر کے سچے متبع ہوں گے اور فلاحِ دارین سے بہرہ ور ہوں گے۔

اَللّٰھُمَّ وَفِّقْنَا

قسط ۴

مولانا مودودی کی تحقیق حدیثِ دجّال پر ایک نظر

مولانا عبدالدیّان اعظمی

مولانا کی تحقیق۔ آیت "وَلَا تَقفُ مَا لَیسَ لَکَ بِہٖ عِلم" کے خلاف
مولانا اپنی تحقیق میں جو یہ کہہ رہے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ نہیں بتایا گیا تھا کہ دجّال کب ظاہر ہوگا۔ اور کہاں ظاہر ہوگا وغیرہ۔ ان امور کے متعلق حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے جو کچھ حدیثوں میں فرمایا ہے۔ وہ بغیر علم کے محض اپنے قیاس و خیال اور تخمین وظن سے فرمایا ہے۔ تو عرض ہے کہ یہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر بہت بڑی جسارت ہے۔ کیونکہ بغیر علم کے کوئی بات کہنا ایک عامی شخص کیلئے بھی عیب کی بات ہے چہ جائے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی نسبت ایسی بات کہی جائے جب کہ بطور خاص حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے حکم الٰہی ہے۔ ولا تقف ما لیس لک بہ علم۔ (پارہ ۱۵ رکوع ۴) یعنی آپ اس بات کے پیچھے مت پڑیئے۔ جس کا آپ کو علم نہیں ہے اس آیت میں ظن کی پیروی کرنے سے ممانعت کی گئی ہے۔ مولانا کی تحقیق پڑھنے کے بعد سوال پیدا ہوتا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا عمل اس آیت پر تھا یا نہیں۔ تو مولانا

کی تحقیق سے یہی معلوم ہوتا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا عمل (نعوذ باللہ) اس آیت پر نہیں تھا۔ کیونکہ دجال کے زمانہ ومقام وغیرہ کے متعلق آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے جو خبریں دی ہیں۔ وہ بغیر علم کے دی تھیں جیساکہ مولانا لکھتے ہیں کہ "آپ کو یہ نہیں بتایا گیا تھاکہ وہ کب ظاہر ہوگا۔ اور کہاں ظاہر ہوگا۔۔۔۔۔ ان امور کے متعلق۔۔۔۔۔ دراصل آپ کے قیاسات ہیں" مگر قرآن وحدیث دونوں شاہد ہیں کہ مولانا کا یہ جواب غلط اور بے بنیاد ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا کوئی بھی عمل قرآن کے منشائے کے خلاف نہیں تھا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم تو قرآن کی عملی تفسیر تھے۔ آپؐ کا ہر ہر قول اور ہر ہر فعل قرآن کے عین مطابق تھا۔ چنانچہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے کسی نے پوچھا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اخلاق بیان فرمائیے تو فرماتی ہیں کہ کیا تم نے قرآن نہیں پڑھا؟ یہ قرآن ہی آپؐ کا خلق تھا۔ کان خلقہ القراٰن (ماخوذ از ترجمان السنہ اوّل ص۲۰۱)

ایک طرف آیت وَلا تقف مَا لیس لک بہٖ علم کے منشاء کو دیکھئے دوسری طرف حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی شان میں کان خُلقہٗ القراٰن ملاحظہ فرمائیے پھر آپؐ کے اقوال واعمال کا عین مقتضائے الٰہی کے مطابق ہونے کی شہادت خود قرآن ہی کے الفاظ میں سنئے۔ ارشاد ہے۔ وما ینطق عن الھویٰ ان ھو الا وحی یوحیٰ (النجم) یعنی آپ صلی اللہ علیہ وسلم) بغیر علم وحی کے اپنی خواہشات نفس سے نہیں بولتے۔ آپ جو کچھ فرماتے ہیں وہ وحی ہوتی ہے۔ جو آپؐ پر نازل کی جاتی ہے اور ارشاد ہے ان اتبعُ اِلّا ما یوحیٰ اِلَیَّ (انعام ۵۰) یعنی (فرما دیجئے کہ) میں تو صرف اس کا اتباع کرتا ہوں جو میرے پاس وحی آتی ہے۔

پھر امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ اپنی جامع صحیح میں ایک باب ان الفاظ قائم کرتے ہیں "باب ما کان النبیُّ صَلَّی اللہ عَلَیہِ وَسَلَّم یُسئل مما لم ینزل عَلَیہِ الوحی

فیقول لا ادری او لم یجب حتی ینزل علیہ الوحی ولم یقل برای ولا بقیاس ---- الخ (صحیح بخاری پ ۲۹)

یعنی باب اس کا کہ اگر نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کیا جاتا تھا۔ ایسی چیز کے متعلق جس کے بارے میں وحی آپ پر نازل نہیں کی گئی۔ تو آپ یہ فرمائیے کہ میں نہیں جانتا یا آپ کچھ جواب نہ دیتے۔ یہاں تک کہ آپ پر وحی نازل ہو جاتی۔ اور آپ رائے اور قیاس سے کچھ نہیں فرماتے تھے۔

آیت مذکورہ کے امتثال پر قرآن وحدیث کی اس شہادت کے بعد یہ کیسے کہا جاسکتا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے بغیر علم اور بغیر وحی الٰہی کے آیت ولا تقف ما لیس لك بہ علم کے خلاف قیاس وظن کی پیروی کرتے ہوئے دجال کے زمانہ ومقام وغیرہ کے بارے میں اپنی جانب سے خبر دی۔ جبکہ بغیر علم کے کوئی بات کہنا ایک عامی شخص کے لئے بھی عیب کی بات ہے۔

کیا میں مولانا سے پوچھ سکتا ہوں کہ "کیا حضور صلی اللہ علیہ وسلم اپنے خیالات کی پیروی کے لئے آزاد تھے ؟

جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم اپنے صحابہ کو تعلیم دے رہے ہیں کہ جس کا تم کو علم ہو بیان کرو۔ جس کا تم کو علم نہ ہو اس کو عالم کتاب کی جانب سپرد کر دو۔ (مشکوٰۃ ۲۱۹/۲۴۸)

تو کیا اس تعلیم کے باوجود وہ خود بغیر علم کے اٹکل پچو بات کر رہے تھے۔ (نعوذ باللہ من ذٰلک) اور وہ بھی جب کہ دجال کا معاملہ غیب سے متعلق ہے۔ اور غیب کی خبر انبیاء علیہم السلام اٹکل اور قیاس سے نہیں دیتے۔ غیب کی خبر اٹکل اور قیاس سے دینا کاہنوں کا کام ہے۔ اور انبیاء علیہم السلام کاہن نہیں ہوتے۔ فما انت بنعمۃ ربک بکاھن ولا مجنون ؁ وما ھو بقول کاھن

قلیلاً مّا تذکّرون ؎

ایک اشکال اور اس کا جواب یہاں ایک اشکال پیدا ہوتا ہے وہ یہ کہ بخاری کے باب میں تو یہ کہا گیا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم اپنی رائے سے کچھ نہیں فرماتے تھے، مگر مسلم میں جو باب باندھا گیا ہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم اپنی رائے سے فرماتے تھے۔ باب یہ ہے

باب وجوب امتثال ما قاله شرعًا دون ما ذكره صلى الله عليه وسلم من معايش الدنيا على سبيل الرائ

(یعنی باب اس بیان میں کہ واجب صرف ان ارشادات کی پیروی ہے جو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے شرعی حیثیت سے فرمائے ہیں۔ نہ کہ ان باتوں کی جو دنیا کے معاملات میں آنحضورؐ نے اپنی رائے کے طور پر بیان فرمائی ہیں)

اس کا جواب یہ ہے کہ مسلم کے باب میں دنیاوی امور کی قید لگی ہوئی ہے۔ رہے دینی امور تو اس کے متعلق خود اسی مسلم کے باب کے ذیل میں آنے والی حدیث تابیر نخل میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ "جب میں تمہیں تمہارے دین کے بارے میں کسی بات کا حکم دوں تو اُسے فوراً بلا پس وپیش اختیار کر لو۔ ......" اس سے بات صاف ہو گئی کہ بخاری میں جو باب باندھا گیا ہے۔ وہ دینی امور سے متعلق ہے۔ اور مسلم کا باب دنیاوی امور کے بارے میں ہے۔ (فالفرق واضح)

دینی امور میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم اپنی رائے سے کچھ نہیں فرماتے تھے۔ اور یہاں بحث دینی امور سے ہی متعلق ہے۔ کیونکہ دجّال کے متعلق دی گئی خبریں دینی اور غیبی امور سے تعلق رکھتی ہیں۔ نہ کہ دنیاوی امور سے۔

وجوب امتثال ارشادات رسولؐ مسلم کے باب پر غور کرتے ہوئے ایک بات یہ بھی ذہن نشین کر لینی چاہئے کہ

کسی امر کے امتثال کا واجب نہ ہونا غلطی کو مستلزم نہیں۔ بہت سی سنن و مستحبات
کا امتثال واجب نہیں ہے۔ کسی امر کا واجب ہونا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے جزماً
فرمانے پر منحصر ہے۔ خواہ دینی امور ہو یا دنیاوی، سورۂ احزاب کی آیت نمبر ۳۶ میں
امراً نکرہ ہے۔ جو عموم چاہتا ہے۔ پس اس میں امور دینی و دنیاوی سبھی آگئے جن
کے کرنے کا جزماً حکم دینے کے بعد نہ کرنے کی کوئی گنجائش نہیں۔ (باقی آئندہ)

(بقیہ حرف آغاز صہ۶ کا)

بطور خاص حضرات علمائے کرام کو فیصلہ کرنا ہے کہ وہ ملت کی کشتی کو کس سمت
لے جائیں گے۔ کیونکہ خود رائی و خود پسندی کی عمومی فضا کے باوجود آج بھی بڑی حد تک ملت
کی زمام قیادت علماء ہی کے ہاتھ میں ہے اور انھیں کے سامنے اپنے اکابر کے جہد و عمل
کی مکمل تاریخ بھی ہے۔ اس لئے شدید ضرورت ہے کہ وہ سر جوڑ کر بیٹھیں اور وقت کے
چیلنج کو قبول کرتے ہوئے ایثار و قربانی اور استقامت و پامردی کی تاریخ کو پھر سے
زندہ کریں۔ یہی اسلاف کا اسوہ ہے، یہی اور صرف یہی حیات و نجات کا راستہ ہے

یہ مصرع کاش نقش ہر در و دیوار ہو جائے !
جسے جینا ہو مرنے کیلئے تیار ہو جائے،

بیانِ ملکیت متعلقہ ماہنامہ دارالعلوم بابتہ رجسٹریشن

ایکٹ فارم ۴ دل ۸

نام	رسالہ دارالعلوم
وقفہ اشاعت	ماہانہ
پرنٹر و پبلشر	مولانا مرغوب الرحمٰن صاحب
قومیت	ہندوستانی
پتہ	دارالعلوم دیوبند
ایڈیٹر	مولانا حبیب الرحمٰن صاحب قاسمی
قومیت	ہندوستانی
پتہ	دارالعلوم دیوبند
مالک	دارالعلوم دیوبند

میں تصدیق کرتا ہوں کہ مذکورہ بالا تفصیلات میرے علم و اطلاع کے مطابق درست ہیں۔

مولانا مرغوب الرحمٰن صاحب

۷ر مارچ ۱۹۸۶ء

اگر آپ چاہتے ہیں کہ

● عقیدۂ ختم نبوت کی اہمیت کو سمجھیں ● خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم کے مقام و مرتبہ سے واقف ہوں ● اسلام کی ہمہ گیری کے راز سے آشنا ہوں ● مسیلمۂ پنجاب غلام احمد قادیانی کے باطل عقائد اور اسلام دشمن نظریات سے باخبر ہوں۔ اس متنبّی کاذب پر آسمان فرنگ سے اترنے والی وحیوں سے مطلع ہوں ● اسلام کے متوازی مذہب قادیانیت کے باطل مزعومات سے عقل و نقل کی روشنی میں پوری طرح آگاہ ہوجائیں تو "دارالعلوم دیوبند" کے ترجمان ماہنامہ دارالعلوم کی خصوصی اشاعت "تحفظ ختم نبوت" کا ضرور مطالعہ کریں۔ جو عنقریب منظر عام پر آرہا ہے۔ اور اپنے احباب اور قرب وجوار کے اداروں کو بھی ترغیب دیں کہ ابطالِ قادیانیت کے سلسلہ میں اس اہم ترین علمی و تحقیقی دستاویز سے ضرور استفادہ کریں۔

صفحات۔ قیمت، تاریخ اشاعت اور دیگر ضروری امور کا جلد اعلان کیا جائے گا

(منیجر رسالہ)
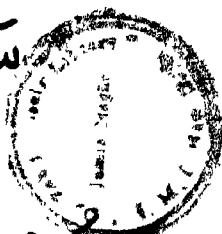
سرپرست

حضرت مولانا مرغوب الرحمن صاحب مہتمم دارالعلوم دیوبند

مدیر

حبیب الرحمن قاسمی

شعبان المعظم ۱۴۰۷ھ مطابق اپریل ۱۹۸۷ء

دارالعلوم دیوبند کا ترجمان
ماہنامہ
دارالعلوم
شمارہ نمبر ۴
بابتہ ماہ اپریل ۱۹۸۷ء مطابق شعبان المعظم ۱۴۰۷ھ
جلد نمبر ۷۱
نگران
حضرت مولانا مرغوب الرحمن صاحب مہتمم دارالعلوم دیوبند
مدیر
مولانا حبیب الرحمن قاسمی
فی پرچہ
3/=
سالانہ
30/=
سالانہ بدل اشتراک بیرون ممالک سے
سعودی عرب، کویت، ابوظہبی، جنوبی و مشرقی افریقہ، برطانیہ 160/=
امریکہ، کناڈا وغیرہ وغیرہ بذریعہ ایرمیل 160/=
پاکستان ۶۰/- ہندوستانی. بنگلہ دیش ۵۰/= ہندوستانی
سرخ نشان اس بات کی علامت ہے کہ آپ کا زر تعاون ختم ہوگیا

فہرست مضامین

ہندوستانی و پاکستانی خریداروں سے ضروری گذارش

۱ــــ ہندوستانی خریداروں سے ضروری گذارش یہ ہے کہ ختم خریداری کی اطلاع پاکر اول فرصت میں اپنا چندہ نمبر خریداری کے حوالہ کے ساتھ منی آرڈر سے روانہ کریں۔

۲ــــ پاکستانی خریدار اپنا چندہ مبلغ ۷۰/- روپے ہندوستانی مولانا عبدالستار صاحب مقام کرم علی والہ تحصیل شجاع آباد ملتان پاکستان کو بھیجدیں اور انھیں لکھیں کہ وہ اس چندہ کو رسالہ دارالعلوم کے حساب میں جمع کرلیں۔

۳ــــ خریدار حضرات پتہ پر درج شدہ نمبر محفوظ فرمالیں خط و کتابت کے وقت خریداری نمبر ضرور لکھیں۔

والسلام

منیجر رسالہ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

حرفِ آغاز

حبیب الرحمٰن قاسمی

یہ ایک مسلّم حقیقت ہے کہ اسلام کے نام لیوا اور اس کے شیدائیوں کے مقابلہ میں اسلام کے مخالفین ومعاندین کی تعداد ہر دور اور ہر زمانہ میں زیادہ رہی ہے اور اسلام کو اپنے ابتدائے قیام سے آج تک نہ جانے کتنے فتنوں سے دوچار ہونا پڑا ہے لیکن اس تاریخی شہادت سے بھی انکار ممکن نہیں ہے کہ علماء اسلام اور صلحاء امت نے ان تمام فتنوں کا نہایت پامردی سے مقابلہ کیا ہے اور اسلام کے حریفوں کو ہر محاذ پر شکست دیکر اسلام کے کارواں کو آگے بڑھایا ہے۔

چنانچہ اسلام پر اوّل ترین حملہ مادیت کی راہ سے ہوا موروثی حکومت کے تسلسل اور دولت وثروت کی فراوانی سے اسلامی معاشرہ میں تعیش اور راحت پسندی کا عمومی رجحان پیدا ہو گیا تھا جس سے یہ خطرہ ہو چلا تھا کہ خدانخواستہ ملتِ اسلامیہ بھی اگلی امتوں کی طرح تعیش کی تذر نہ ہوجائے اس فتنہ کے مقابلہ کیلئے حضراتِ تابعین کی جماعت میدان میں نکل پڑی اور اپنے وعظ ونصیحت دعوت وتبلیغ اور حرارت ایمانی کے ذریعہ مادیت کے اس سیلابِ بلاخیز کو آگے بڑھنے سے روکدیا اور امت کو اس طوفان سے بچالیا۔

اسکے بعد اسلام پر دوسرا حملہ عقلیت کی راہ سے ہوا، یونانی فلسفہ نے سطحی ذہنوں کو اپنی گرفت میں لے کر اسلامی عقائد واعمال کے خلاف ایک طوفان کھڑا

کردیا جس سے متاثر ہو کر امت دو حصوں میں تقسیم ہوگئی، ایک کی قیادت فقہاء اور محدثین کر رہے تھے اور دوسرے کی عقلیت زدہ معتزلہ، یہ فتنہ چونکہ علمی انداز میں ابھرا تھا اور بدقسمتی سے حکومتِ وقت کی اسے سرپرستی بھی حاصل ہوگئی تھی اسلئے ایسا معلوم ہونے لگا تھا کہ اسلامی علوم و عقائد یونانی افکار و نظریات کے مقابلہ میں اپنی توانائی اور سربلندی قائم نہ رکھ سکیں گے ان سنگین حالات میں علماء ہی کی صف سے ایک بزرگ سر سے کفن باندھ کر میدان میں کود پڑے اور اس جرأت و استقامت کے ساتھ خلیفۂ وقت مامون الرشید کے تہدیدی فرامین اور معتصم باللہ کے طوق و سلاسل اور تازیانے ان کے پائے استقلال میں لغزش پیدا نہ کر سکے بالآخر مرد جلیل کی ثابت قدمی کی برکت سے یہ فتنہ سرد پڑ گیا اور امت ایک عظیم خطرہ سے مامون و محفوظ ہوگئی۔

تیسری صدی میں معتزلہ نے اپنی عقلیت پسندی اور اپنی بعض نمایاں شخصیتوں کے سہارے اس سوئے ہوئے فتنہ کو پھر سے جگانا چاہا، لیکن امام ابوالحسن اشعری پہلے کیمپ کے ایک فرد تھے اور ان کے تمام ہتھکنڈوں سے اچھی طرح واقف تھے، ان کے مقابلہ میں آگئے اور بحث و مناظرہ اور زبانی تفہیم و تقریر کے ذریعہ ان کے حوصلوں کو پست کر دیا اور آئندہ ان کے مقابلے کے لئے ایک سو سے زائد نہایت اہم اور وقیع کتابیں بھی تصنیف کر دیں اور ساتھ ہی اپنے تلامذہ کی ایک اچھی خاصی جماعت بھی تیار کر دی جس نے ہر عالمی محاذ پر معتزلہ کا تعاقب کیا اور انھیں میدان چھوڑنے پر مجبور کر دیا۔

معتزلہ کی اس شکست کے بعد اسی فلسفۂ یونان کی کوکھ سے ایک نئے فتنہ نے جنم لیا جو اسلام کے حق میں اعتزال سے بھی زیادہ خطرناک تھا، یہ تھا باطنیت کا فتنہ! اس فتنہ کے بانیوں نے اپنی ذہانت اور یونانی فلسفے

کی مدد سے دینِ اسلام کے اصول و نصوص اور قطعیات میں تحریف و تنسیخ کا دروازہ کھولنے کے ساتھ اسلام و اہل اسلام کے خلاف قوت و طاقت کا بھی مظاہرہ کیا جس کی بنا پر اسلامی حکومتیں عرصہ تک پریشان رہیں۔

اس عظیم فتنہ کی سرکوبی کیلئے بھی صفِ علماء ہی سے ایک مرد کامل آگئے جنھیں ہم امام غزالی کے نام سے جانتے پہچانتے ہیں، انھوں نے براہ راست باطنیوں سے مقابلہ آرائی کے لئے فلسفۂ یونان کو نشانہ بنایا جو اکثر فرقِ باطلہ کا ماخذ و مصدر تھا اور اپنے علمی تبحر، قوت استدلال سے اسکی دھجیاں بکھیر کر رکھ دیں اور ان فتنوں کے چشمے کو ہمیشہ کے لئے بند کر دیا امام غزالی کے ساتھ اس اہم خدمت میں امام رازی اور ابن رشد کے کارنامے بھی بھلائے نہیں جا سکتے۔

خیر یہ سارے واقعات تو زمان و مکان کے اعتبار سے آپ سے دور تر ہیں خود اپنے ملکِ ہندوستان کی تاریخ پر نظر ڈالئے، عہد اکبری میں "دین الٰہی" کے عنوان سے اسلام کے خلاف جو عظیم فتنہ رونما ہوا تھا جس کی پشت پر اکبر جیسے مطلق العنان فرماں روا کی جبروتی طاقت بھی تھی، لیکن حضرت مجدد الف ثانیؒ اور ان کے ہمنوا علماء نے اپنے پایۂ استقامت سے اس فتنہ کے سر کو ہمیشہ کے لئے کچل دیا۔

اور اس آخری دور میں سلطنت برطانیہ کے جلو میں الحاد و زندقہ کا فتنہ نمودار ہوا اس کے مقابلہ میں بھی اگر کوئی جماعت نبرد آزما نظر آتی ہے تو وہ علماء ہی کی جماعت ہے جنھوں نے سفید فام انسان نما وحشی درندوں کے ہر جور و ستم کو برداشت کر کے اسلام اور آئین اسلام کی حفاظت کی اور شہر شہر، قصبہ قصبہ اور قریہ قریہ مدارس کی تشکل

میں اسلام کی چھاؤنیاں قائم کرکے پورے ملک میں اسلام کے سپاہیوں کا ایک جال بچھا دیا۔

چنانچہ ان مدارس کے ذریعہ اس طوفان کے رُخ کو نہ صرف موڑ دیا گیا بلکہ اسلام کی جڑیں ملک ہندوستان میں اس درجہ مضبوط و مستحکم کردی گئیں کہ دیگر بلاد اسلامیہ میں یہ استحکام تلاش کرنے کے باوجود بھی نہیں ملے گا۔

آج ہندو احیا پرستی نے ایک بار پھر ہمارے جذبۂ ایمانی کا امتحان لینے کے لئے اسلامی افکار و نظریات پر حملہ کرنے کے ساتھ مسلمانوں کے شعائر و مآثر پر حملہ شروع کردیا ہے وہ ہماری مقدس کتاب ہمارے عائلی و معاشرتی قوانین اور ہماری عبادت گاہوں کو ہم سے چھیننے کے درپے ہے، اپنے اکابر و اسلاف کی طرح ہمیں اس چیلنج کو قبول کرنا ہے اور ماضی کے فتنوں کی طرح اپنے جہد و عمل اخلاص و للہیت اور علمی و روحانی رسوخ کے ذریعہ اس فتنہ کا مقابلہ کرنا ہے، اگر خدا نخواستہ ہم نے اس چیلنج کے قبول کرنے سے پہلو تہی کی تو مستقبل کا مورخ ہماری اس بزدلی کو کبھی معاف نہیں کرے گا۔

حضرت گنگوہیؒ اور عشقِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم

از مولانا حافظ محمد اقبال رنگونی (مانچسٹر)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم!

امام ربانی قطب زمانی حضرت مولانا رشید احمد صاحب گنگوہیؒ صحابیٔ رسولؐ حضرت ابوایوب انصاریؓ کی اولاد میں سے ہیں، علم، تفقہ و تدین و تقویٰ کی حیثیت سے نہ صرف برصغیر بلکہ عالم اسلام کی ممتاز و منفرد شخصیتوں میں آپ کا شمار ہوتا ہے، آپ شیخ المشائخ عارف باللہ حضرت حاجی امداد اللہ صاحبؒ مہاجر مکی کے مرید اور خلیفۂ خاص تھے، آپ نے قرآن و حدیث اور علومِ اسلامیہ کی نشر و اشاعت اور علم دین کے تمام شعبوں (شریعت و طریقت دونوں) میں بے پایاں خدمات انجام دیکر امت مسلمہ کے کئی مشکل مسائل کا حل فرمایا، آپؒ نے حضرت حاجی صاحبؒ سے تھانہ بھون میں بیعت فرمائی اور چالیس دن میں خلعت خلافت سے سرفراز ہوئے، حضرت حاجی صاحبؒ نے تحریر فرمایا کہ!

میاں مولوی رشید احمد، جو نعمت حق تعالیٰ نے مجھے دی تھی وہ آپ کو دے دی آئندہ اس کو بڑھانا آپ کا کام ہے۔

پھر ایک خط میں تحریر فرمایا کہ!

از فقیر امداد اللہ عفی عنہ! بخدمت فیض درجت منبع علوم شریعت و طریقت عزیزم مولانا رشید احمد صاحب محدث گنگوہی سلمہٗ اللہ تعالیٰ

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ، اللہ تعالیٰ آپ کو مکروہات دارین سے محفوظ رکھ کر قرب مراتب ودرجات عالیہ عطا فرمادے اور آپ ذات بابرکات کو ذریعہ ہدایت خلق فرمادے، آمین۔

ایک خط میں تحریر فرمایا کہ

ایک ضروری اطلاع یہ ہے کہ فقیر آپ کی محبت کو اپنی نجات کا ذریعہ سمجھتا ہے اور الحمدللہ اللہ تعالیٰ نے آپ کی محبت کو میرے دل میں ایسا مستحکم کردیا ہے کہ کوئی شئی اس کو ہلا نہیں سکتی اور جو کوئی فقیر کو دوست رکھتا ہے وہ ضرور آپ سے محبت رکھتا ہے

چند فتنہ پرداز لوگوں نے حضرت حاجی صاحبؒ کی خدمت میں خطوط لکھے کہ حضرت گنگوہیؒ ایسے ہیں ویسے ہیں گستاخ ہیں، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی شان اقدس میں یوں کہتے ہیں وغیرہ وغیرہ تو حضرت حاجی صاحبؒ نے ان تمام خطوط کے جوابات ایک اشتہار کی شکل میں طبع کراکر تقسیم فرمانے کا حکم فرمایا۔۔

فقیر کی طرف سے مشتہر کرادو کہ مولوی رشید احمد صاحب عالم ربانی فاضل حقانی ہیں، سلف صالحین کا نمونہ ہیں جامع بین الشریعت والطریقۃ ہیں، شب وروز خدا اور اس کے رسول کی رضامندی میں مشغول رہتے ہیں، حدیث شریف پڑھانے کا شغل رکھتے ہیں، مولانا مولوی محمد اسحٰق صاحب محدث دہلویؒ کے بعد اس قسم کا فیض علم دین کا مولوی صاحب سے جاری ہوا، ہندوستان میں مولوی صاحب ایک فرد واحد ہیں، مسائل مشکلہ کی عقدہ کشائی مولوی صاحب سے ہوتی ہے ہر سال پچاس آدمی کے قریب علم حدیث پڑھ کر مولوی صاحب سے سند لیتے ہیں اتباع سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں محو ہیں محبت رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم

اور عشق خداوندی میں مستغرق ہیں، حق گو ہیں لایخافون لومۃ لائم کے مصداق ہیں خدا کے اوپر پورے طور سے توکل رکھتے ہیں بدعات سے پورے طور پر مجتنب ہیں اشاعتِ سنت ان کا پیشہ ہے، بدعقیدوں کو خوش عقیدہ بنانا ان کا حرفہ ہے، ان کی صحبت اہل اسلام کے واسطے کیمیا اور اکسیر اعظم ہے، ان کے پاس بیٹھنے سے اللہ یاد آتا ہے، یہی اللہ والوں کی علامت ہے۔ ان کی صحبت کو غنیمت سمجھے، فقیر ان کو اپنے واسطے ذریعہ نجات کا سمجھتا ہے اور میں صاف کہتا ہوں کہ جو شخص مولوی صاحب کو برا کہتا ہے وہ میرا دل دکھاتا ہے میرے دو بازو ہیں ایک مولوی محمد قاسم مرحوم اور دوسرا مولوی رشید احمد صاحب، ایک جو باقی ہے اس کو بھی نظر لگاتے ہیں، میرا اور مولوی صاحب کا ایک عقیدہ ہے میں چاہتا ہوں کہ مولوی صاحب کی نسبت مجھے کوئی کلمہ بے ادبی کا نہ سناوے اور نہ تحریر کرے، مجھ کو ان امور سے سخت ایذا ہوتی ہے، عجیب بات ہے کہ میرے لخت جگر کو ایذا پہنچائیں اور اپنے آپ کو میرا دوست سمجھیں، ہرگز نہیں۔ مولوی صاحب پکے حنفی المذہب، صوفی المشرب باخدا ولی کامل ہیں، ان کی زیارت کو غنیمت سمجھیں (دستخط امداد اللہ از مکہ معظمہ)

ایک خط میں تحریر فرماتے ہیں کہ

مولانا! ضیاء القلوب میں جو کچھ آپ کی نسبت تحریر ہے (اور وہ، یہ ہے: ہر کس کہ ازیں فقیر محبت وعقیدت دارد مولوی رشید احمد صاحب سلمہ ومولوی محمد قاسم صاحب سلمہ را کہ جامع جمیع کمالات علوم ظاہری وباطنی اند وصحبت اوشاں را غنیمت دانند کہ ایں چناں کساں دریں زماں نایاب اند (ملخصًا از ضیاء القلوب) وہ آپ سے نہیں لکھا گیا جیسا القاء ہوا ہے ویسا ہی ظاہر کر دیا گیا ہے...

اللہ تعالیٰ سے بھی یہی دعا ہے کہ تم صالحین کی محبت میں جلا دے یا مار دے
وہ شخص مُدبر ہے جو تم مقدس و مقتدائے زمان سے کچھ دل میں کینہ
یا سوءظن یا بدعقیدگی یا عداوت و رنج رکھے فقیر تو آپ سب کی حرکات
و سکنات و اقوال و افعال کو منتج حسنات و برکات و موافق شریعت و
طریقت سمجھتا ہے اور کل امور میں مخلص و صادق یقین کرتا ہے۔
(بیس بڑے مسلمان ص۲۱۶)

حضرت حاجی صاحبؒ نے حضرت گنگوہیؒ کی بابت جو کچھ تحریر فرمایا ہے وہ آپ کے علم و عمل متبع سنت و عاشق رسول جامع بین الشریعۃ والطریقہ اور ولی کامل ہونے کی کھلی شہادت ہے، اگر آپ کے دیگر حالات و واقعات منصۂ شہود پر نہ بھی آتے تو صرف یہ ہی تحریرات حضرت گنگوہیؒ کے فضل و کمال کی شاہد تھی۔
اب بھی اگر کوئی نہ مانے تو یہی کہا جائے گا کہ[1]

گر نہ بیند بروز شپرہ چشم چشمۂ آفتاب را چہ گناہ

اور بقول شیخ سعدی علیہ الرحمۃ

نور گیتی فروز چشمہ ہور زشت باشد بچشم موشک کور

اب آپ چند واقعات کی روشنی میں حضرت گنگوہیؒ کے عشق رسولؐ کے درجہ کو ملاحظہ فرمائیے۔!

حجرۂ شریفہ کے غلاف سے محبت قطب الارشاد حضرت گنگوہیؒ کے یہاں تبرکات میں حجرۂ شریفہ کے غلاف کا ایک سبز ٹکڑا بھی تھا بروز جمعہ حاضرین و خدام کو ان تبرکات کی زیارت خود کرایا کرتے

[1] یاد رہے کہ حضرت حاجی امداد اللہ صاحبؒ مہاجر مکی کو بریلوی علماء بھی علماء حق اور علماء اہل سنت میں سے مانتے ہیں (دیکھئے الحق المبین ص۱۱ مولوی احمد سعید کاظمی)

تو صندوقچہ خود اپنے دست سے کھولتے اور غلاف کو نکال کر اوّل اپنی آنکھوں پر لگاتے اور منہ سے چومتے تھے پھر اوروں کی آنکھوں سے لگاتے اور ان کے سروں پر رکھتے۔

مدینہ منورہ کے کھجوروں سے عقیدت حضرت گنگوہیؒ کی خدمت میں جب کبھی مدینہ منورہ کی کھجوریں آتیں تو نہایت عظمت و حفاظت سے رکھی جاتیں اور اوقات مبارکہ متعددہ میں خود بھی استعمال فرماتے اور حضار بارگاہ مخلصین کو بھی نہایت تعظیم و ادب سے اس طرح تقسیم فرماتے کہ گویا نعمت غیر مترقبہ اور اثمار جنت ہاتھ آگئے ہیں، حالانکہ بصرہ اور سندھ کی کھجوریں ہمیشہ آتی رہتی تھیں مگر ان کی وقعت ان سے زیادہ ہرگز نہ تھی

مدنی کھجوروں کی گٹھلیوں کا ادب مدینہ منورہ علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والتسلیم کی کھجوروں کی گٹھلیاں بھی نہایت حفاظت سے رکھتے، لوگوں کو پھینکنے نہ دیتے اور نہ خود پھینکتے تھے (بلکہ) ان کو کٹوا کر نوش فرماتے اور مثل چھالیوں کے کتروا کر لوگوں کو استعمال کرنے کی ہدایت فرماتے تھے۔

تاکہ مبارک شہر سے آئی ہوئی ان گٹھلیوں سے بھی نورانیت حاصل کی جائے نہ یہ کہ باہر ان کو پھینک کر بے ادب بنا جائے اسلئے کہ ادب ہی سے انسان سب کچھ حاصل کرتا ہے۔

از خدا جوئیم توفیقِ ادب　　بے ادب محروم گشت از فضلِ رب

روضۂ اطہر کی خاک کا سرمہ شیخ الاسلام حضرت مولانا سید حسین احمد صاحب مدنیؒ فرماتے ہیں کہ احقر ماہ ربیع الاول ۱۳۱۹ھ

میں ہمراہی بھائی محمد صدیق صاحب جب حاضر خدمت ہوا تھا تو بھائی صاحب سے پہلے ہی حاضری میں حضرت اقدسؒ نے دریافت فرمایا کہ حجرہ شریف علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام کی خاک بھی لائے ہو یا نہیں؟ چونکہ وہ (خاک) احقر کے پاس موجود تھی اس لئے باادب ایستادہ پیش خدمت کیا تو نہایت وقعت وعظمت سے قبول فرما کر سرمہ میں ڈلوایا اور روزانہ بعد نماز عشاء آرام فرماتے وقت اس سرمہ کو آنکھوں میں لگاتے (جس میں روضۂ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی خاک مبارک تھی) اور آخر عمر تک استعمال فرماتے تھے (الشہاب الثاقب ۵۲)

مدینہ کی ہوا تو لگی ہے

بعض مخلصین نے کچھ کپڑے مدینہ منورہ سے خدمت اقدس میں تبرکاً ارسال کئے، حضرتؒ نے نہایت تعظیم اور وقعت کی نظر سے ان کو دیکھا اور شرف قبول سے ممتاز فرمایا، بعض طلباء حضار مجلس نے عرض کیا کہ حضرت اس کپڑے میں کیا برکت حاصل ہوئی یورپ کا بنا ہوا ہے تاجر مدینہ میں لائے وہاں سے دوسرے لوگ خرید لائے اس میں کوئی وجہ تبرک ہونے کی نہیں معلوم ہوتی، حضرتؒ نے شبہ کو رد فرمایا اور یوں ارشاد فرمایا کہ مدینہ منورہ کی اس کو ہوا تو لگی ہے، اس وجہ سے اس کو یہ اعزاز اور برکت حاصل ہوئی ہے۔ (الشہاب الثاقب)

ظاہر ہے کہ انسان کو جب کسی کے ساتھ محبت ہو جاتی ہے تو اس کے تمام متعلقات سے بھی الفت پیدا ہو جاتی ہے چونکہ حضرت گنگوہیؒ کے قلب میں حق تعالیٰ شانہ اور حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت راسخ ہو گئی تھی اسلئے حرمین شریفین کے خس وخاشاک تک کو آپ محبوب سمجھتے اور خاص وقعت کی نگاہ سے دیکھا کرتے تھے!

حضرت گنگوہیؒ نے ایک مرتبہ فرمایا کہ لوگ حرمین شریفین کی چیزوں، زمزم کے

بین اور تخم خرما کو یوں ہی پھینک دیتے ہیں، یہ نہیں خیال کرتے کہ ان چیزوں کو مکہ معظمہ اور مدینہ منورہ کی ہوا لگی ہے ۔ (تذکرۃ الرشید جلد ۲ صفحہ ۴۸)

حجرہ شریف کے زیتون کا جلا ہوا تیل

مدینہ منورہ سے بعض خدام نے (حضرتؒ کے عشق رسولؐ کے پیش نظر) حجرہ شریف کے جلا ہوا زیتون کا تیل حضرتؒ کیلئے ارسال کیا، حضرت نے باوجود نزاکت طبع کے اس کو پی لیا، حالانکہ اولاً زیتون کا تیل خود بے مزہ ہوتا ہے، ثانیاً بعد جلنے کے اس میں اور بھی تغیر ہو جاتا ہے مگر واہ رے عاشق سید الرسل وشیدائے خاتم الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم باوجود اس نزاکت طبعی کے اسے بلا تامل لذیذ چیز سمجھ کر اور اپنے محبوب کے در سے آئی ہوئی نعمت جان کر نوش فرما لیا اور اسے بجائے اس کے کہ مَل کر جزو بدن بنائے پی کر جزو بدن بنا لیا۔

عربی مہینوں کے ناموں سے الفت

حضرت گنگوہیؒ کا سنت مصطفویہ کے ساتھ عشق اس درجہ کامل اور فائق تھا کہ آپ کو عربی مہینوں کے اسماء چھوڑ کر بلا ضرورت انگریزی مہینوں کے ناموں کا استعمال بھی گراں گذرتا تھا، مولانا محمد اسمٰعیل صاحبؒ حضرتؒ کی خدمت میں ایک مرتبہ تشریف فرما تھے کہ کسی شخص نے پوچھا کہ گوالیار کب جاؤ گے انھوں نے جواب دیا جولائی کی فلاں تاریخ کو حضرت گنگوہیؒ نے تاسف کے ساتھ ارشاد فرمایا کہ اور ماہ وتاریخ نہیں ہے جو انگریزی مہینوں کا استعمال کیا جاوے۔

مہمانان رسولؐ کا خادم ہوں

مولانا نور محمد صاحب فرماتے ہیں کہ جس زمانے میں مجھے گنگوہ کی حاضری

نصیب تھی اور حضرت سے حدیث شریف پڑھا کرتا تھا طالب علم ہو یا مسافر جو بھی حضرت کی خدمت میں حاضر ہوتا اس کو تین روز تک حضرت اپنا مہمان سمجھتے اور دستر خوان پر پاس بٹھا کر یا مکان سے کھانا منگوا کر اپنے روبرو کھلایا کرتے تھے۔ (تذکرہ جلد ۲ صفحہ ۵۶)

یہ مہماں نوازی اور طلبہ کی خدمت گذاری صرف کھانے پینے تک محدود نہ تھی بلکہ آپ تو ان مہمانانِ رسولؐ کی جوتیاں اٹھانا بھی اپنے لئے باعث برکت وسعادت سمجھتے تھے

ایک مرتبہ صحنِ مسجد میں طلباء کو درس دے رہے تھے کہ بارش ہونے لگی طلبہ کتابیں اور تپائیاں لے کر اندر بھاگے حضرت مولانا نے اپنی چادر بچھائی اور تمام طالب علموں کے جوتے اٹھا کر اس میں ڈال کر ان کے پیچھے پیچھے چل دیئے طلباء نے جب یہ صورت حال دیکھی تو پریشان ہوئے اور بعض طلباء کو رو دیئے کہ حضرت یہ کیا؟ آپؒ نے فرمایا کہ حدیث میں آتا ہے کہ طلبہ کے لئے چونٹیاں اپنے بلوں میں اور مچھلیاں پانی میں دعا کرتی ہیں اور فرشتے ان کے پاؤں کے نیچے پر بچھاتے ہیں ایسے لوگوں کی خدمت کر کے میں نے یہ سعادت حاصل کی ہے آپ مجھے اس سعادت سے کیوں محروم کرتے ہیں (بیس بڑے مسلمان صفحہ ۲۱۱)

قول رسولؐ پر پختہ یقین

ایک مرتبہ وعظ کے دوران فرمایا۔ میں اپنے آپ کو کہتا ہوں کہ حق تعالیٰ نے طفولیت ہی میں مجھے وہ یقین عطا فرمایا تھا کہ لڑکوں کے ساتھ کھیلا کرتا اور جمعہ کا وقت آجاتا تو کھیل چھوڑ کر چلا جاتا اور لڑکوں سے کہہ دیتا تھا کہ میں نے اپنے ماموں صاحب سے سنا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ تین جمعہ کا چھوڑنے والا منافق لکھا جاتا ہے، لوگوں کو کہتا ہوں کہ آخر مسلمان ہیں، خدا اور رسول پر تو یقین ہوگا

ہی، پھر ایسے غافل کیوں ہیں۔؟

جس فرمانِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم پر لوگ بڑے ہو کر غفلت برتتے ہیں غور فرمایئے حضرت گنگوہیؒ اپنے بچپن میں کتنا خیال فرماتے تھے اور کیسا پختہ یقین نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے قول پر رکھتے تھے یہ حقیقت ہے کہ حق تعالیٰ جسے اپنا بنانا چاہیں بچپن ہی سے اس کے آثار واضح ہونے شروع ہو جاتے ہیں، یہی حال حضرتؒ کا تھا اور اسی کا اثر تھا کہ حضرتؒ اپنے خدام و متوسلین کو اتباع سنت کی بہت زیادہ تاکید فرمایا کرتے تھے۔

اتباع سنت کی تاکید

مولانا عاشق الٰہی صاحبؒ بیان کرتے ہیں کہ سالک کو آپ جو کچھ تعلیم ارشاد فرمایا کرتے تھے اس کا خلاصہ صرف اس قدر تھا کہ حق تعالیٰ کی سچی محبت سودائے قلب میں راسخ ہو جائے جس کا ثمرہ ہر حال میں اتباع شرع اور قدم قدم پر محبوب رب العٰلمین صلی اللہ علیہ وسلم کا اتباع و اقتدار ہے (تذکرۃ الرشید)

ایک خط میں تحریر فرماتے ہیں کہ!

سب کو محض فضل حق تعالیٰ کا جاننا چاہیئے اور اپنے پر شکر اور ندامت و انفعال لازم ہے اور امیدوار رحمت حق تعالیٰ کا رہنا چاہیئے اور اتباع سنت کا بہت بہت خیال رہے (مفارضات رشیدیہ ص۱۹)

ایک اور مقام پر لکھتے ہیں!

اتباع سنت کا خیال ہر امر میں پیش نظر رہے کہ اس کے برابر کوئی امر دنیا میں رضائے حق تعالیٰ کے واسطے نہیں، قال اللہ تعالیٰ قل ان کنتم تحبون اللہ فاتبعونی الآیۃ اس سے زیادہ کیا لکھوں۔ اس دستور العمل سے زیادہ بہتر کوئی دستور العمل نہیں پایا (مفارضات رشیدیہ ص۲۵)

حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا صاحب مہاجر مدنی فرماتے ہیں کہ!

حضرت گنگوہیؒ کے وصیت نامہ میں بہت زور سے لکھا ہے کہ اپنی زوجہ اپنی اولاد سب دوستوں کو بتاکید وصیت کرتا ہوں کہ اتباع سنت کو بہت ضروری جان کر شرع کے موافق عمل کریں، تھوڑی سی مخالفت کو بھی اپنا بہت سخت دشمن جانیں (اکابر علماء دیوبند ص ۲۹)

ان چند اقتباسات سے واضح ہے کہ حضرت گنگوہیؒ اتباع سنت کی بہت ہی تاکید فرمایا کرتے تھے اور اس کی مخالفت کو بہت زیادہ خطرناک سمجھتے تھے، کیونکہ ؎

محال است سعدی کہ راہ صفا | تواں رفت جز بر پئے مصطفیٰ

خلاف شرع حرکت سے ناگواری

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی شریعت مطہرہ سے آپ کو حد درجہ الفت وعقیدت تھی آپ کے اخلاق اس امر کے شاہد عدل ہیں، آپ نہیں چاہتے تھے کہ آپ کا کوئی قدم بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت وسیرت کے خلاف پڑے، شریعت مقدسہ کی تقلید پر آپ اپنے دل کے ہاتھوں مجبور ہو چکے تھے۔

ایک مرتبہ بعد نماز اشراق آپ تشریف لائے اور خلاف معمول منہ پر چادر لپیٹ کر ایک جگہ لیٹ رہے، ایک دن قبل کرنال سے ایک بارات گنگوہ آئی ہوئی تھی جس میں ان لوگوں نے رقاصہ کو بھی ساتھ لیا تھا، اس بارات میں آنے والے چند ایک حضرتؒ کے واقف تھے جو سلام کی غرض سے حاضر ہوئے تو دیکھا کہ حضرتؒ منہ پر چادر ڈھانپ کر لیٹے ہیں دیر تک یہ لوگ بیٹھے رہے مگر آپؒ نے چادر نہ ہٹائی آخرش ایک صاحب نے کہا کہ ہم تو سلام وزیارت کے لئے حاضر ہوئے ہیں آپ نے چادر ہی میں جواب دیا کہ میری زیارت میں کیا دھرا ہے؟ (یعنی جب تم

(باقی ص ۳۶ پر)

ایں چہ بوالعجبی است

مولانا محمد یوسف لدھیانوی

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الحمد للہ وکفی وسلام علی عبادہ الذین اصطفیٰ اما بعد

نصف صدی پہلے کا قصۂ پارینہ ہے کہ جنوری ۱۹۳۸ء میں حضرت شیخ الاسلام مولانا سید حسین احمد مدنی (قدس سرہٗ) نے دور جدید کے نظریۂ قومیت کا تذکرہ کرتے ہوئے فرمایا کہ "موجودہ زمانے میں قومیں مذہب سے نہیں بلکہ اوطان سے بنتی ہیں"۔ لیگی اخبارات نے حضرتؒ کے خلاف یہ پروپیگنڈا شروع کردیا کہ وہ "ملت از وطن است" کے قائل ہیں اور مسلمانوں کو یہ تلقین کر رہے ہیں کہ وہ مذہب کے بجائے وطن کو قومیت کی بنیاد بنائیں۔ یہ پروپیگنڈا اتنا شدید تھا کہ پورے ملک میں حضرتؒ کے خلاف طوفانِ بدتمیزی برپا کردیا گیا، اس اخباری مشاغبہ سے متاثر ہوکر علامہ سر محمد اقبال مرحوم نے بھی حضرتؒ کے بارے میں مشہور نظم "عجم ہنوز نداند رموز دیں ورنہ"، لکھ کر اخبارات میں شائع کرادی۔

علامہ عبدالرشید نسیم (جو طالوت کے قلمی نام سے متعارف تھے) حضرت مدنیؒ اور اقبال مرحوم دونوں کے عقیدتمند تھے انھوں نے اس قضیہ کو سلجھانے کیلئے حضرت مدنی (نوراللہ مرقدہٗ) کی خدمت میں اصل واقعہ کی تحقیق کے لئے ایک عریضہ لکھا حضرتؒ نے اس کا بہت ہی طویل اور مفصل جواب تحریر فرمایا جس کا خلاصہ یہ تھا کہ

"ملت از وطن است" کا نظریہ لیگی اخبارات کی تراشیدہ خالص تہمت ہے میں نے اپنی تقریر میں دورِ جدید کا یہ نظریہ ذکر کیا تھا کہ "قومیں مذہب سے نہیں بلکہ اوطان سے بنتی ہیں" مولانا طالوت مرحوم نے اس مکتوبِ مدنی کے اقتباسات علامہ اقبال کو لکھ بھیجے، علامہ اقبال نے حضرت مدنیؒ کی وضاحت سے مطمئن ہو کر اپنا اعتراض واپس لے لیا اور اخبار میں اس تنقیدی نظم سے رجوع کا اعلان کر دیا چنانچہ علامہ کا یہ تردیدی بیان اخبار "احسان" لاہور میں مورخہ ۲۸ مارچ ۱۹۳۸ء کو شائع ہوا جس کا پورا متن اخباری سُرخی کے ساتھ حسب ذیل ہے:-

میں نے مسلمانوں کو وطنی قومیت اختیار کرنے کا مشورہ نہیں دیا

(حضرت مدنی کا بیان)

"مجھے اس اعتراف کے بعد ان پر اعتراض کرنے کا کوئی حق باقی نہیں رہتا"

(علامہ اقبال کا مکتوب)

قومیت و وطنیت کے مسئلہ پر ایک علمی بحث کا خوشگوار خاتمہ

جناب ایڈیٹر صاحب "احسان" لاہور السلام علیکم

میں نے جو تبصرہ مولانا حسین احمد صاحب کے بیان پر شائع کیا ہے اور جو آپ کے اخبار میں شائع ہو چکا ہے اس میں میں نے اس امر کی تصریح کر دی تھی کہ اگر مولانا کا یہ ارشاد "زمانہ حال میں قومیں اوطان سے بنتی ہیں" محض بر سبیل تذکرہ ہے تو مجھے اس پر کوئی اعتراض نہیں، اور اگر مولانا نے مسلمانانِ ہند کو یہ مشورہ دیا ہے کہ وہ جدید نظریۂ قومیت کو اختیار کریں تو دینی پہلو سے مجھے اس پر اعتراض ہے، مولوی صاحب کے اس بیان میں جو اخبار "انصاری" میں شائع ہوا ہے، مندرجۂ ذیل الفاظ ہیں۔

لہذا ضرورت ہے کہ تمام باشندگانِ ملک کو منظم کیا جائے اور ان کو ایک ہی رشتہ میں منسلک کر کے کامیابی کے میدان میں گامزن بنایا جائے

ہندوستان کے مختلف عناصر اور متفرق ملل کیلئے کوئی رشتہ اتحاد بجز قومیت اور کوئی رشتہ نہیں جس کی اساس محض یہی ہوسکتی ہے۔"

ان الفاظ سے تو میں نے یہی سمجھا کہ مولوی صاحب نے مسلمانان ہند کو مشورہ دیا ہے اسی بنا پر میں نے وہ مضمون لکھا جو اخبار "احسان" میں شائع ہوا ہے لیکن بعد میں مولوی صاحب کا ایک خط طالوت صاحب کے نام آیا جس کی ایک نقل انھوں نے مجھ کو ارسال کی ہے، اس خط میں مولانا ارشاد فرماتے ہیں۔

"میرے محترم سر صاحب کا ارشاد ہے کہ اگر بیانِ واقعہ مقصود تھا تو اس میں کوئی کلام نہیں ہے اور اگر مشورہ مقصود ہے تو خلاف دیانت ہے اس لئے میں خیال کرتا ہوں کہ پھر الفاظ پر غور کیا جائے اور اسکے ساتھ ساتھ تقریر کے لاحق وسابق پر نظر ڈالی جائے میں یہ عرض کررہا تھا کہ موجودہ زمانے میں قومیں اوطان سے بنتی ہیں، یہ اس زمانے کی جاری ہونے والی نظریت اور ذہنیت کی خبر ہے، یہاں یہ نہیں کہا گیا ہے کہ ہم کو ایسا کرنا چاہیئے یہ خبر ہے انشا نہیں ہے، کسی ناقل نے مشورے کو ذکر بھی نہیں کیا پھر اس کو مشورہ قرار دینا کس قدر غلطی ہے"

خط کے مندرجہ بالا اقتباس سے صاف ظاہر ہے کہ مولانا اس بات سے صاف انکار کرتے ہیں کہ انھوں نے مسلمانان ہند کو جدید نظریۂ قومیت اختیار کرنے کا مشورہ دیا لہٰذا میں اس بات کا اعلان ضروری سمجھتا ہوں کہ مجھ کو مولانا کے اس اعتراف کے بعد کسی قسم کا کوئی حق اعتراض کرنے کا نہیں رہتا، میں مولانا کے ان عقیدتمندوں کے جوش عقیدت کی قدر کرتا ہوں جنھوں نے ایک دینی امر کی توضیح کے صلے میں پرائیویٹ خطوط اور پبلک تحریروں میں گالیاں دیں، خدائے تعالیٰ ان کو مولانا

کی صحبت سے زیادہ مستفید فرمائے نیز ان کو یقین دلاتا ہوں کہ مولانا کی حمیتِ دینی کے احترام میں میں ان کے کسی عقیدت مند سے پیچھے نہیں ہوں

(محمد اقبال) (اقبال کے ممدوح علماء ص ۸۶، ۸۷)

اس اعلان کے ذریعہ اقبال مرحوم نے ان اشعار سے رجوع کر کے گویا انھیں اپنے کلام سے قلمزد کر دیا، اگر اپنا آخری مجموعۂ کلام "ارمغان حجاز" وہ خود اپنی زندگی میں مرتب کرتے تو یہ منسوخ شدہ تین شعر اس میں راہ نہ پاتے، لیکن اس اعلان کے تین ہفتہ بعد ۲۱ اپریل ۱۹۳۸ء کو علامہ اقبال مرحوم دار فانی سے رحلت فرما گئے ان کی وفات کے بعد اکتوبر ۱۹۳۸ء میں ان کا آخری مجموعہ "ارمغان حجاز" کے نام سے شائع ہوا، اسکے آخر میں یہ شعر بھی "حسین احمد" کے عنوان سے شامل کر دیئے گئے۔

حالانکہ دیانت و امانت کا تقاضا تھا کہ یہ قلمزدہ اشعار اس میں شامل نہ کئے جاتے، اور اگر مرتبین کے نزدیک یہ تین شعر وحی مقدس کا درجہ رکھتے تھے جس کی حفاظت ان پر لازم تھی تو دیانت و امانت کا کم سے کم تقاضا یہ تو تھا کہ ان پر ایک نوٹ لکھ دیا جاتا کہ مصنف نے ۲۸ مارچ ۱۹۳۸ء کو اس "وحی مقدس" سے رجوع کا اعلان کر کے اس کو منسوخ کر دیا تھا۔ اقبال کے ممدوح علماء کے مصنف جناب قاضی افضل حق قرشی صاحب لکھتے ہیں:-

"اقبال اور مولانا مدنی" کا قضیہ جناب طالوت کی کوششوں سے اختتام پذیر ہوا، دونوں بزرگوں نے ایک دوسرے کے نقطۂ نظر کو سمجھا اور بالآخر حضرت علامہ نے فرمایا! میں اس بات کا اعلان ضروری سمجھتا ہوں کہ مجھ کو مولانا سے اعتراف کے بعد کسی قسم کا کوئی حق ان پر اعتراض کرنے کا نہیں رہتا۔ مولانا کی حمیتِ دینی کے احترام میں میں ان کے کسی عقیدت مند سے پیچھے نہیں ہوں (انوار اقبال ص ۱۷۰)

لیکن نجانے ارمغانِ حجاز کے مرتبین نے پھر بھی کن مصلحتوں کے تحت وہ اشعار کتاب میں شامل کر لئے، حضرت علامہ کے بعض دوستوں اور ماہرین اقبالیات کی رائے ہے کہ اگر یہ مجموعہ حضرت علامہ کی زندگی میں چھپتا تو یہ اشعار اس میں شامل نہ ہوتے ۔ جناب خواجہ عبدالوحید لکھتے ہیں ۔

ارمغان حجاز اگر حضرت علامہ علیہ الرحمہ کی زندگی میں چھپتی تو یہ نظم اس میں شامل نہ ہوتی (اقبال ریویو جنوری ۱۹۶۹ء ص ۶۷)

ڈاکٹر عبدالسلام خورشید "سرگزشت اقبال" میں تحریر فرماتے ہیں۔

اگر وہ ارمغان حجاز کی ترتیب اپنی زندگی میں کرتے تو شاید وہ تین اشعار درج نہ کرتے جن میں مولانا حسین احمد مدنی پر چوٹ کی گئی تھی (سرگزشت اقبال ص ۵۷۴)

(اقبال کے ممدوح علماء ص ۸۸-۸۹)

آج کی صحبت میں اس قصہ پارینہ کو زیر بحث لانے سے میرا مقصد نہ تو حضرت شیخ الاسلام (نور اللہ مرقدہ) کا دفاع ہے اور نہ ان غلطیوں کی نشاندہی ہے. جو اقبال مرحوم سے اس تین شعری نظم میں شعری حیثیت سے سرزد ہوئیں، یہ دونوں بزرگ اللہ تعالیٰ کے حضور پہنچ چکے ہیں امید ہے کہ دونوں ایک دوسرے کے مرتبہ و مقام سے جو انھیں اللہ تعالیٰ کے یہاں حاصل ہے آگاہ ہو چکے ہوں گے ۔

حدیث میں ہے

لا تسبوا الاموات فانھم قد افضوا الیٰ ما قدموا (صحیح بخاری ج ۱۸۶/۱۷)	(مسلمان) مُردوں کو بُرا بھلا نہ کہو، کیونکہ انھوں نے جو کچھ آگے بھیجا ہے وہ اس تک پہنچ چکے ہیں ۔

اس لئے آج کی گفتگو سے مقصود کسی بزرگ کی تعریف یا تنقید نہیں، بلکہ صرف اس سوال پر غور کرنا ہے کہ ان منسوخ شدہ اشعار کو کلیات اقبال سے خارج کیوں

نہیں کیا گیا، اس کے اسباب وعلل کیا تھے؛ اسکے ظاہری اسباب تو "ارمغان حجاز" کے مرتبین کے علم میں ہوں گے یا علامہ مرحوم کے صاحبزادہ جناب جسٹس جاوید اقبال صاحب ان اسباب وعلل سے پردہ ہٹا سکیں گے، مرتبین کے ساتھ حسن ظن سے کام لیا جائے تو زیادہ سے زیادہ یہ کہا جا سکتا ہے کہ چونکہ اقبال کے آخری شعر

بہ مصطفیٰ برساں خویش را کہ دیں ہمہ اوست
گر بہ او نرسی ہمہ بولہبی است

میں ایک حکیمانہ اور جادوانی پیغام تھا اس لئے ان کو گوارہ نہ ہوا کہ اس پیغام کو ضائع کر دیا جائے اور اسے آئندہ نسلوں تک نہ پہنچایا جائے، اس کے باوجود یہ سوال بدستور باقی رہتا ہے کہ ان اشعار کو اگر ناگزیر مصلحت کی بناء پر "ارمغان حجاز" میں بھرتی کرنا ہی ضروری تھا تو کم سے کم اس مضمون کا نوٹ ہی لکھ دیا جاتا کہ:

مولانا حسین احمد مدنی کی طرف ان اشعار میں جو بات منسوب کی گئی ہے کہ وہ "ملت از وطن است" کے قائل ہیں، قطعاً خلاف واقعہ ہے، علامہ اقبال کو ایک غلط اطلاع کی بناء پر غلط فہمی ہوئی تھی، اس لئے انھوں نے حمیت اسلامی کے جذبہ سے مولانا مدنی پر شدید تنقید کی لیکن جب موصوف کو حقیقت حال پر اطلاع ہوئی تو انھوں نے اپنی یہ تنقید واپس لے لی، اور ۲۸ مارچ ۱۹۳۸ء کے اخبار "احسان" لاہور میں اپنا بیان شائع کرا دیا کہ اس کے بعد مجھے مولانا پر کوئی حق اعتراض کرنے کا نہیں رہتا۔"

ایسا نوٹ لکھنا جس طرح ۱۹۳۸ء میں فرض تھا، آج نصف صدی بعد ۱۹۸۶ء میں بھی فرض ہے اور "ارمغان حجاز" کے مرتبین اور اقبال کے وارثین کے بارے میں خواہ کیسے ہی حسن ظن سے کام لیا جائے وہ اس خلاف دیانت کارروائی سے کبھی عہدہ برآ نہیں ہو سکتے، ہم علامہ اقبال مرحوم کے فرزند ارجمند جناب جسٹس جاوید اقبال

سے گذارش کریں گے کہ یہ خلاف دیانت کارروائی ارمغان حجاز کے لئے اس کے مرتبین کیلئے بلکہ خود ان کے والد گرامی قدر علامہ اقبال مرحوم کے لئے بھی نہایت ننگ و عار کی موجب ہے، ان کا فرض ہے کہ اس خیانت و بددیانتی اور اس ننگ و عار کے غلیظ دھبے سے کتاب کو پاک کریں اور مندرجہ بالا مضمون کا نوٹ لکھ کر اخبارات میں شائع کردیں، جس سے نہ صرف پچاس سالہ خیانت و تہمت تراشی کے گناہ سے توبہ ہوجائے گی بلکہ وہ اپنے والد بزرگوار کی سنت ایک بار پھر تازہ کرنے والے ہوں گے۔ اور اگر انھوں نے ایسا نہ کیا تو ظاہر ہے کہ جب تک یہ کتاب دنیا میں موجود رہے گی اس تہمت تراشی کا گناہ ہمیشہ ان کے حصہ میں آتا رہے گا — اللہ تعالیٰ کے کسی بندے پر کسی ناکردہ گناہ کا الزام عائد کرنا تہمت اور بہتان ہے اور حضرت مولانا سید حسین احمد مدنی (نور اللہ مرقدہ) جیسے سرتاج اولیا پر ایسی تہمت تراشی ایک مہلک زہر ہے، جناب جسٹس جاوید اقبال صاحب ان اشعار پر ایسا نوٹ شائع کرکے آج بھی اس زہر کا تریاق مہیا کرسکتے ہیں، لیکن کل جب آنکھیں بند ہونگی تو اس کا کوئی تدارک وہ نہیں کرسکیں گے۔

من نمی گویم کہ در بند زیاں یا سود باش
اے ز فرصت بے خبر در ہر چہ خواہی زود باش

حق تعالیٰ شانہ کے ہر کام میں بہت سی حکمتیں ہوتی ہیں، "فعل الحکیم لایخلو عن الحکمۃ" کا مقولہ زباں زد خاص و عام ہے راقم الحروف ایک دن اس پر غور کررہا تھا کہ آخر اس میں اللہ تعالیٰ کی کیا حکمت ہوگی کہ علامہ اقبال مرحوم نے حضرت شیخ الاسلام مدنی (نور اللہ مرقدہ) کے بارے میں کہے گئے اشعار سے رجوع کرلیا تھا مگر ان اشعار نے اقبال سے آج تک رجوع نہیں کیا، وہ نصف صدی سے کلام اقبال میں چلے آتے ہیں، اقبال کے کسی خیرخواہ اور کسی نیازمند کو آج تک ان پر نوٹ لکھنے کی بھی توفیق نہیں

ہوئی اور ان اشعار کی آڑ نے کر ایسے لوگ بھی حضرت شیخ الاسلام مدنی (نور اللہ مرقدہٗ) کی پوستین دری کرتے آرہے ہیں جن کے دل میں رائی کے دانے کے برابر بھی ایمان نہیں، یہ سلسلہ تا ہنوز جاری ہے، چنانچہ ابھی چند دن پہلے ایک صاحب نے روزنامہ جنگ کے کالموں میں اقبال کے انہی اشعار کے حوالے سے گل افشانیاں کی تھیں آخر ایسا کیوں ہوا اور اس میں اللہ تعالیٰ کی کیا حکمت کارفرما تھی۔؟

حق تعالیٰ شانہ کے کاموں کی حکمتوں کا احاطہ کون کرسکتا ہے مگر غور وفکر کے دوران اس ناکارہ کا ذہن دو باتوں کی طرف گیا۔

ایک یہ کہ کسی مقبول بارگاہِ خداوندی کو بالفرض اگر ساری دنیا بھی بُرا کہتی پھرے تو اس سے اس برگزیدہ شخصیت کی مقبولیت عند اللہ پر کیا اثر پڑ سکتا ہے؟ ظاہر ہے کہ جو شخص اس بارگاہِ عالی میں مقبول و محبوب ہو تو اس کے بارے میں اہل دنیا کی طعن وتشنیع، غوغائے سگاں، کی حیثیت رکھتی ہے اور پھر مخلوق کی زبانِ طعن سے جب اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول بھی محفوظ نہیں، تا بہ دیگراں چہ رسد؟ دراصل سنت اللہ یونہی چلی آتی ہے کہ حق تعالیٰ شانہ بعض برگزیدہ ہستیوں کی محبت وعداوت کو اہلِ حق اور اہلِ باطل کی شناخت کا معیار بنادیتے ہیں، مثلاً:

قافلۂ انسانیت میں سب سے مقدس ترین جماعت انبیاء کرام علیہم السلام کی ہے جن سے محبت وعداوت ایمان وکفر کا معیار ہے لیکن کوئی نبی ایسا نہیں ہوا جس کو سبھی نے مان لیا ہو بلکہ ہر نبی کے مقابلہ میں بدبختوں کا ایک ٹولہ ہمیشہ رہا، جو ان مقدس ہستیوں پر زبان طعن دراز کرکے اپنے لئے جہنم کا گڑھا کھودتا رہا، قرآن کریم میں ارشاد ہے

وکذٰلک جعلنا لکل نبی عدوًا شیاطین الانس والجن یوحی بعضھم الیٰ بعض زخرف القول غرورًا۔ ولوشآء ربک ما فعلوہ فذرھم ومایفترون

(الانعام: ۱۱۲)

اور اسی طرح ہم نے ہر نبی کیلئے دشمن بہت سے شیطان پیدا کئے تھے کچھ آدمی اور کچھ جن، جن میں سے بعضے دوسرے بعضوں کو چکنی چپڑی باتوں کا وسوسہ ڈالتے رہتے تھے تاکہ ان کو دھوکہ میں ڈالدیں اور اگر اللہ تعالیٰ چاہتا تو یہ ایسے کام نہ کرسکتے، سوان لوگوں کو اور جو کچھ یہ افترا پردازی کر رہے ہیں اس کو آپ رہنے دیجئے (ترجمہ حضرت تھانویؒ)

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی امت میں سب سے افضل و برگزیدہ جماعت حضرات صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کی ہے اور اس جماعت کے سرکردہ اور گل سرسبد حضرات خلفائے راشدینؓ ہیں، بعداز انبیاء انہی کا مرتبہ ہے انبیاء کرام علیہم السلام کے بعد اُن کے مرتبہ کا کوئی شخص ہوا نہ ہوگا اور نہ ہوسکتا ہے، انبیاء کرام علیہم السلام کو مستثنیٰ کردینے کے بعد پوری نوع انسانی میں سب سے افضل (علی الترتیب) خلفائے راشدین رضی اللہ عنہم ہیں، ان کی عظمت و تقدس، ان کے فضائل و کمالات ان کے مرتبۂ بلند اور ان کی جلیل القدر خدمات تقاضا یہ تھا کہ پوری امت اسلامیہ ان کی احسان شناس مدح خواں ہوتی، ان کی رفعت و جلالت اور امت پر ان کے احسانات کے آگے پوری امت کی گردنیں جھک جائیں اور کسی کو بھی ان کی ذات گرامی سے اختلاف نہ ہوتا، لیکن ہم دیکھتے ہیں کہ یہاں بھی ایسا نہیں ہوا بلکہ بے دینوں کا ایک ٹولہ ہے جو اپنے تئیں امت محمدیہ (علی صاحبہا الصلوات والتسلیمات) میں شمار کرتا ہے، حضرات خلفائے راشدینؓ سے بغض و عداوت ہی کو دین و ایمان سمجھتا

ہے اس کے نزدیک ان مقدسین پر تبرے بولنا ہی بڑی عبادت اور کار ثواب ہے
اس کے خیال میں پوری نسل انسانی میں خلفائے راشدینؓ سے بدتر کوئی آدمی شاید
پیدا نہیں ہوا نعوذ باللہ، استغفراللہ، اور انہیں مارقین کا ایک گروہ خلیفہ چہارم
امیرالمومنین علی کرم اللہ وجہہ کو "شرالبریہ" تصور کرتا ہے

ظاہر ہے کہ ان بدباطنوں کی اس ہرزہ سرائی سے حضرات خلفائے راشدین
رضی اللہ عنہم کا کیا بگڑتا ہے وہ تو آج بھی نبی رحمت صلی اللہ علیہ وسلم کے دامن رحمت
سے لپٹے ہوئے ہیں اور پس از مرگ بھی "محمد رسول اللہ والذین معہ" کی جیتی جاگتی
شہادت ...... پیش کر رہے ہیں البتہ ان کا وجود گرامی اہل حق اور اہل باطل
کی شناخت کا معیار بن گیا ہے، ان اکابر سے بغض و عداوت رکھنے والا خود اپنے
خبث باطن کا اظہار کرتا ہے اور اسکی شہادت دیتا ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کے درج ذیل
ارشادات کا مصداق ہے۔

نولّہ ما تولّی ونصلہ جہنم (النساء: ۱۱۵)	ہم اس کو جو کچھ وہ کرتا ہے کرنے دینگے اور اس کو جہنم میں داخل کریں گے۔
اور لیغیظ بہم الکفار (الفتح: ۲۹)	تاکہ ان سے کافروں کو جلا دے

اور خلفائے راشدینؓ کے خلاف بدباطنوں کی ہرزہ سرائی ان اکابر کے رفع درجات
کا ایک مستقل ذریعہ ہے۔

ائمہ مجتہدین میں حضرت الامام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کا جو مقام ہے وہ کسی صاحب علم
و دانش سے مخفی نہیں انھیں تابعیت کا شرف حاصل ہے ان کے علم و فضل اور شرف
و منزلت کی بنا پر اکابر امت نے انھیں فقیہ الامت، فقیہ الملت، امام الائمہ اور
الامام الاعظم ایسے القاب سے یاد کیا لیکن حرماں نصیبوں کا ایک گروہ ہمیشہ سے

چلا آیا ہے جو ان کی عیب چینی اور پوستین دری پر فخر کرتا ہے اور حضرت الامامؒ سے ایسے گھناؤنے الزامات منسوب کرتا ہے جن کا کسی ادنیٰ مسلمان کے بارے میں تصور نہیں کیا جا سکتا، اس طرح اللہ تعالیٰ نے ایک طرف حضرت الامام کیلئے رفع درجات کا سامان کر دیا اور دوسری طرف اہلِ حق اور اہلِ بطالت کی شناخت کا ان کی شخصیت کو معیار بنا دیا، اپنی کتاب "اختلاف امت" اور "صراط مستقیم" حصہ دوم میں امام عبدالعزیز بن ابی روّاد (م ۱۵۹ھ) کا قول نقل کر چکا ہوں۔

"جو شخص امام ابوحنیفہؒ سے محبت رکھے وہ سُنّی ہے، اور جو اُن سے بُغض رکھے وہ بدعتی ہے" اور ایک روایت میں ہے "ہمارے پاس لوگوں کے جانچنے کے لئے ابوحنیفہؒ معیار ہیں جو ان سے محبت اور دوستی رکھے وہ اہل سُنّت میں سے ہے اور جو ان سے بغض رکھے ہمیں معلوم ہو جاتا ہے کہ یہ بدعتی ہے۔" (الخیرات الحسان ص ۲۲)

حافظ مغرب ابوعمر یوسف بن عبداللہ بن محمد ابن عبدالبرّ القرطبی المالکی (۴۶۳ھ) حضرت الامام کی برأت ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔

"داناؤں کا قول ہے کہ گذشتہ بزرگوں میں کسی شخصیت کے عبقری ہونے کی علامت یہ ہے کہ اس کے بارہ میں دو متضاد انتہا پسندانہ رائیں ہوں جیسے حضرت علیؓ کرم اللہ وجہہ کے بارے میں دو گروہ ہلاک ہوئے، ایک حد سے بڑھ کر دوستی کرنے والا اور دوسرا حد سے بڑھ کر دشمنی کرنے والا، اور حدیث میں ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اُن سے فرمایا تھا کہ "تیرے بارے میں دو گروہ ہلاک ہوں گے ایک محب مفرط، دوسرا مبغض مفرط، اور وہ عبقری شخصیتیں جو دین و فضل میں آخری حد تک پہنچ گئی ہوں، ان کے بارے میں لوگوں کی آرا اسی طرح متضاد اور انتہا پسندانہ ہوا کرتی ہیں۔"

(جامع بیان العلم ص ۱۴۹)

ہمارے دور میں شیخ الاسلام المجاہد فی سبیل اللہ حضرت اقدس مولانا سید حسین احمد مدنی صاحب نور اللہ مرقدہٗ کے بارے میں بھی یہی سُنّت اللہ رونما ہوئی، حضرت کی جامع شخصیت بھی ایسی ہی معیاری تھی جس نے متفرق کمالات میں بلندیوں کی آخری حدوں کو چھو لیا تھا اور جس کے بارے میں لوگوں کی انتہا پسندانہ متضاد آرا قائم ہوئیں حضرتؒ کی جامعیت کے سلسلہ میں حضرت مولانا سید محمد یوسف بنوری رحمہ اللہ نے ایک عجیب واقعہ نقل فرمایا ہے، حضرت بنوریؒ تحریر فرماتے ہیں

"قدرت نے حضرت علیہ الرحمہ میں ایسے مختلف الانواع کمالات رکھے تھے اور ایسے اضداد جمع کئے تھے کہ حقیقت افسانہ معلوم ہوتی ہے، اس پر مجھے ایک واقعہ یاد آیا اب سے ٹھیک بیس برس قبل جامعہ ازہر قاہرہ کی طرف سے علماء ازہر کا ایک وفد ہندوستان کے علمی اداروں کے معائنہ اور علمی روابط پیدا کرنے آیا تھا وفد کے رئیس الشیخ ابراہیم الجبالی تھے جو ممتاز عالم تھے اور نہایت ذکی اور بے مثل خطیب تھے، شیخ جبالی اپنے رفقاء الاستاذ عبدالوہاب النجار اور الشیخ احمد العدوی کے ساتھ دارالعلوم دیوبند بھی پہنچے یہ وہ دور تھا کہ حضرت مولانا شبیر احمد عثمانیؒ دارالعلوم کے صدر تھے اور حضرت مولانا مدنی رحمہ اللہ ایک ماہ کی رخصت پر تھے اور ہندوستان کا دورہ کر رہے تھے اس زمانہ میں سیاسی معرکہ آرائی کا بازار گرم تھا، مسلم لیگ کا عروج شروع ہو گیا تھا اور مسلم لیگ کی مخالفت یا نا موافقت کفر سے کم جرم نہ تھا۔

دارالعلوم دیوبند میں حضرت مولانا عثمانیؒ نے ان کا شایان شان استقبال کیا۔ حضرت مولانا مدنیؒ کو بھی اپنا دورہ ملتوی کرنے کے لئے تار دیدیا کہ وہ تشریف لائیں لیکن حضرت نے اپنے دورہ کو جاری رکھنا ضروری سمجھا اور

حاضری کے لئے معذرت پیش کی اس وجہ سے شیخ جبالی مرحوم کی ملاقات حضرت علیہ الرحمہ سے نہ ہوسکی، میں اس زمانہ میں جامعہ اسلامیہ ڈابھیل میں تھا اور اسی زمانہ میں مجلس علمی ڈابھیل کی طرف سے بمعیت مولانا سید احمد رضا صاحب بجنوری ایک علمی خدمت کے سلسلہ میں مصر کا سفر پیش آیا قاہرہ پہنچے تو شیخ جبالی سے ملاقات ہوئی، بے حد اکرام سے پیش آئے اور پر تکلف دعوتِ طعام سے تواضع کی ملاقات کے دوران میں نے چند مشاہیر کے بارے میں ان کی رائے دریافت کی اور پھر حضرت مدنیؒ کے بارے میں دریافت کیا کہ حضرت کے بارے میں آپ کی کیا رائے ہے؟ فرمایا کہ میری ملاقات خود براہِ راست موصوف سے نہ ہوسکی تاکہ میں خود کوئی رائے قائم کرتا لیکن ان کے مخالفین اور ان کے معتقدین دونوں سے ایسے متضاد بیان سنے ہیں کہ ان بیانات کے پیش نظر یہ رائے قائم کی ہے ـــ "هو اما ملك واما شيطان" پھر فرمایا کہ تم فیصلہ کرو کہ دونوں میں کون سا فیصلہ صحیح ہے، میں نے عرض کیا نعم هو ملك جی ہاں وہ فرشتہ تھے۔"

(روزنامہ "الجمعیۃ" دہلی شیخ الاسلام نمبر ص ۲۸)

حضرتؒ کی سیاسی رائے سے تو دیانتداری کے ساتھ اختلاف ہوسکتا تھا، اور واقعہ یہ ہے کہ بہت سے اکابر کو ہوا بھی، اختلاف رائے ایک فطری امر ہے لیکن جو حضرات حضرتؒ کے روحانی مرتبہ و مقام سے آشنا تھے وہ حضرتؒ کی شان میں سوء ادب کو گناہِ عظیم سمجھتے تھے حضرت اقدس مولانا محمد الیاس دہلوی رحمہ اللہ کا ایک واقعہ شورش کاشمیری مرحوم نے نقل کیا ہے، وہ لکھتے ہیں۔

"یہ اس زمانے کا ذکر ہے جب تحریک پاکستان کا آفتاب نصف النہار پر تھا، ان دنوں دہلی میں مسلم لیگ کا ایک جلسۂ عام تھا، کسی نہ کسی طرح مسلم لیگ کے مقامی رہنما مولانا محمد الیاسؒ بانی تبلیغی جماعت کو جلسہ میں لے آئے، خوب دھواں دھار تقریریں ہوئیں، تقریباً تمام یا وہ گو مقرروں نے مولانا حسین احمد

مدنیؒ کے خلاف انتہائی گندہ زبان استعمال کی اور اس طرح اپنا نقطۂ نگاہ پیش کیا، یہی ان کا سرمایہ تھا اور شاید وہ اس کے سوا کچھ جانتے ہی نہ تھے ان کا خلاصہ بیان اس پر ختم ہوتا کہ شیخ الاسلام حسین احمد مدنی نہیں، مولانا محمد الیاسؒ ہیں اور ان کی تعریف میں دو چار زور دار کلمات کہہ کر اپنی تقریر ختم کر دیتے۔ آخر میں مولانا محمد الیاسؒ نے خطاب کیا اور صرف چند کلمات کہہ کر اپنی تقریر ختم فرمادی، مولانا نے فرمایا کہ:

مولانا کی سیاسی رائے میری سمجھ سے بالاتر ہے، اگر میں ان سے اتفاق کرتا تو ان کی کفش برداری کرتا لیکن میں ان کی ذات کے خلاف کوئی کلمہ اپنی زبان پر لاکر جہنم کی آگ خریدنا نہیں چاہتا کیونکہ میں اللہ تعالیٰ کے نزدیک ان کے مرتبہ سے آگاہ ہوں، اس قسم کا حوصلہ وہی نوجوان کرسکتے ہیں جو حسین احمدؒ کے درجہ و مقام سے واقف نہیں ہیں اور نہ قرآنی اخلاق کی اسلامی حدود سے بہرہ ور ہیں (ماہنامہ "الرشید" ساہیوال مدنی و اقبال نمبر ص ۳۳۲)

حضرت شیخ الاسلام مولانا شبیر احمد عثمانی رحمہ اللہ جو حضرت مدنیؒ کے سب سے بڑے سیاسی حریف تھے ان کا ایک ارشاد حضرتؒ کے بارے میں حضرت بنوریؒ نے ایک واقعہ کے ضمن میں نقل کیا ہے، حضرت رہ تحریر فرماتے ہیں۔

"دارالعلوم دیوبند میں ایک مرتبہ طلبہ اور بستی والوں میں فساد کی صورت پیدا ہوگئی طلبہ مظلوم تھے اس لئے ان کو انتقام کی فکر تھی جذبات اتنے مشتعل تھے کہ ان پر قابو پانا طاقت سے باہر تھا حضرت مولانا شبیر احمد صاحب عثمانی رحمہ اللہ کی صدارت میں اساتذہ و طلبہ کا ایک اجتماع ہوا اس موقع پر حضرت نے ایک تقریر فرمائی، ظاہر ہے کہ حضرت صرف خطابت کی حیثیت سے ایسے ممتاز خطیب نہ تھے کہ صرف زور خطابت سے مجمع پر قابو پاتے لیکن قدرت نے جو

روحانی طاقت دی تھی ایسے موقع پر جو اس کا ظہور ہوا اور جس مؤثر انداز میں تقریر فرمائی آج پندرہ سال بعد بھی اس کی آواز میری سامعہ میں گونج رہی ہے، موضوعِ تقریر یہ تھا کہ مظلوم بننا کتنا مفید ہے اور انتقام اگرچہ برحق ہو اس حق کو چھوڑنا اللہ تعالیٰ کی کن رحمتوں کا ذریعہ بنتا ہے میں نے درجنوں تقریریں حضرتؒ کی سُنی تھیں لیکن زندگی میں پہلی مرتبہ مشکل ترین وقت میں جہاں لوگوں کے حوصلے ختم ہو چکے تھے ایسی مؤثر ترین تقریر فرمائی ایسا محسوس ہو رہا تھا کہ آگ پر آسمان سے پانی برس رہا ہے ایک گھنٹہ کی تقریر میں سارے جذباتِ مشتعل ایسے سرد پڑ گئے کہ گویا ایک شیطانی طلسم تھا فرشتوں کے ظہور سے ایک آن میں ٹوٹ گیا ہر طرف سکون ہی سکون تھا حضرت مولانا عثمانیؒ رحمہ اللہ نے حضرت علیہ الرحمہ کی تقریر کے بعد کھڑے ہو کر فرمایا کہ بھائیو! اس سے زیادہ میں کیا کہہ سکتا ہوں کہ میرے علم میں بسیطِ ارض پر شریعت وطریقت کا حضرت مولانا سے بڑا کوئی عالم موجود نہیں۔"

(روزنامہ الجمعیۃ دہلی شیخ الاسلام نمبر ص ۲۸)

حضرت شیخ الاسلام مولانا شبیر احمد عثمانیؒ" کا یہ فقرہ نقل کر کے حضرت بنوریؒ لکھتے ہیں

"جب وقت کے بڑے محقق واہل کمال حضرت علیہ الرحمہ کو اپنی خصوصیات وکمالات میں آیۃ من آیات اللہ اور حجۃ اللہ علی الخلق سمجھتے تھے تو میری بساط ہی کیا ہے کہ کچھ کہا جاسکے۔" (حوالہ مذکور)

اس کے برعکس حضرتؒ کی شان میں سوءِ ادب اہل باطل واہل بطالت کا شعار رہا ہے، تحریکات کے زمانہ میں جن لوگوں نے لیگیت کے جوشِ جنوں میں حضرتؒ کی توہین وتذلیل کر کے اپنی بدنصیبی کا مظاہرہ کیا اسے تو بعض لوگ وقتی اشتعال وہیجان کہہ کر ٹال سکتے ہیں لیکن قدرت کو منظور تھا کہ امت کی دیگر نابغہ شخصیتوں کی طرح حضرت شیخ الاسلام

(باقی ص ۳۶ پر)

یکساں سول کوڈ
کے مضر اثرات

ڈاکٹر رشید الوحیدی ۔ جامعہ ملیہ ، نئی دہلی

یہ مسئلہ تو اپنی جگہ اہم ہے ہی کہ یکساں سول کوڈ سے مسلم پرسنل لا پر کتنی زبردست زد پڑے گی اور پھر اس زد سے مسلمانوں پر کس قدر دُور رس اثرات مُرتب ہوں گے مگر یکساں سول کوڈ سے صرف یہی ایک نقصان نہیں ہے، یہ تو اس سے پیدا ہونے والے نتیجے کا صرف ایک پہلو ہے جس کا تعلق مسلمان فرقے سے ہے، ہمارا یہ اندازہ تجربات اور دلائل پر مبنی ہے کہ اس کے نقصانات سے ملک اور ملک میں بسنے والے دوسرے فرقے بھی متاثر ہوں گے،

غور فرمائیں "یکساں سول کوڈ" صرف مسلم پرسنل لا کے مقابلے پر آنے والا نیا قانون نہ ہوگا بلکہ یہ مطلق پرسنل لا کی نفی کرتا ہے وہ پرسنل لا ہندو، سکھ، عیسائی اور دوسرے فرقوں کا بھی ہوسکتا ہے اور تب ان تمام مذہبی اکائیوں کو سوچنا ہوگا کہ کیا وہ "سول کوڈ" کی قربان گاہ پر اپنی صدیوں کی مذہبی و رواجی پابندیوں کو قربان کردیں گے واقعہ یہ ہے کہ اگر انصاف اور صاف ذہن سے مذکورہ مذاہب کے نمائندے غور فرمائیں، تو اندازہ ہوجائے گا کہ یکساں سول کوڈ کے مقابلے پر قانونی جدوجہد کرنے والے تنہا اپنے ہی لئے نہیں بلکہ پورے ملک میں بسنے والی تمام اقلیتوں اور مذہبی فرقوں کے لئے میدان میں کھڑے ہوئے ہیں، یہ ضرور ہے کہ مسلمان اپنے اللہ اور رسول کے تئیں وفاداری اور

جواب دہی کے تصور سے کچھ زیادہ ہی بے چین ہے مگر آخر بھگوان گرد اور دواہ گرد کے ساتھ جذباتی وابستگی اور فرمانبرداری کا معاہدہ تو مسلمانوں کے علاوہ دوسرے فرقوں کو بھی ہے تو کیا وہ دوسرے فرقے یہ سمجھتے ہیں کہ یکساں سول کوڈ کے بعد وہ معاہدہ باقی رہ سکے گا اور کیا یہ سب لوگ پارلیمنٹ کے وضعی قانون کے بعد اپنے پرسنل لا پر عمل کر سکیں گے؟ مسلمان اور دوسرے تمام فرقے اس معاہدے اور اس فرض میں لاکھ کمزور سہی اور یہ بھی درست ہے کہ عملی اعتبار سے ہم سب اپنے مذہبی احکام اور مذہبی اصولوں سے بہت دور جا پڑے ہیں اس کو ہم اپنی کوتاہی کہیں گے مگر اسکے ساتھ ہی ہم میں سے ہر ایک کو یہ اطمینان اور فخر تو ہے کہ ہمارا قانون، ہمارا مذہبی رواج، ہمارے مذہبی اصول اپنی جگہ محفوظ اور اٹل ہیں حکومت یا کوئی اور طاقت اُس قانون اور اُس بنیاد کو مٹا نہیں رہی ہے تو کیا یکساں سول کوڈ لاگو ہو جانے کے بعد ہمارا یہ اطمینان اور فخر باقی رہ سکے گا، یہ یاد رہے کہ یہ ساری باتیں تنہا مسلمان ہی کے لئے نہیں کہی جارہی ہیں، سنجیدہ اور انصاف پسند اور مذہب سے معمولی سا بھی تعلق رکھنے والے ہر فرقے اور ہر مذہب کے افراد کے سامنے یہ سوال ہے، جب یہ بات صحیح اور یقیناً صحیح ہے تو چاہیئے کہ مسلمانوں یا کسی بھی فرقے یا جماعت کی اس کوشش کو کہ "حکومت یکساں سول کوڈ کی تجویز واپس لے لے" سب مل کر سراہیں اور اس آواز میں آواز ملائیں اس سے الگ الگ قومی امتیاز بھی باقی رہے گا اور مشترکہ طور پر قومی اتحاد کو بھی طاقت ملے گی۔

اب ذرا مسئلے کو ملک کے مفاد اور نقصان کی سطح پر سوچئے، کم از کم ہمارے ملک بھارت کے لئے فائدہ مند یہ بات ہوگی کہ یہاں کا ہر شہری اور یہاں رہنے بسنے والے ہر فرقے کا ہر فرد اپنے ملک کی بھلائی اور ترقی کے لئے سوچے اور کوشش کرے اور یہ

چیز تبھی ممکن ہے جب انھیں سکون واطمینان امن وشانتی میسّر ہو، بے شک سکون اطمینان امن وشانتی کا تعلق بہت سی چیزوں سے ہے مثلاً عوام کی اقتصادی حالت درست ہو ان کے ہر ہر فرد میں تعلیم ہو تاکہ اس تعلیم کی وجہ سے وہ اچھے مہذب شہری بھی ہوں اور جمہوری اقدار کی خوبیوں کو بھی پہچان سکیں تبھی تو فرض اور حق کے اصول کو سمجھ سکیں گے اس طرح ایمانداری محنت ترقی، غرض امن و شانتی کا ان سبھی رشتہ ہے اور جتنا زیادہ یہ خوبیاں فرد میں اُبھر کر سامنے آئیں گی زندگی پُر سکون ہوگی، مگر یہ نہ بھولنا چاہیئے کہ ان تمام باتوں میں جو چیز اجتماعی اور انفرادی طور پر بو کھلا دینے والی اور انسانوں کو بے چین کر دینے والی ہے وہ ہے کسی انسان کے عقیدے، مذہب اس کے پرسنل لا اور اس کے بنیادی اصولوں پر حملہ یا دست درازی یہ ایک ایسا حملہ ہے کہ انسان سارے آدرشوں بلند و بانگ دعووں سارے امن وسکون کو پس پشت ڈال کر مآل و نتائج سے بے پرواہ ہو کر ان کی حفاظت میں لگ جائے گا، پھر اُسے وطن جمہوریت ترقی تو کجا اپنے جان و مال کی بھی فکر نہ رہے گی اور وہ اس کے لئے سب کچھ کر گذرے گا، اب تصوّر کیجئے اگر انتشار و ہنگامے کا یہ دَور ملک میں زیادہ عرصہ نہیں تھوڑی ہی مدت کے لئے باقی رہتا ہے تو اس عرصے میں ایک چھوٹا سا فرقہ سہی آخر اس فرقے کے افراد ملک کی بھلائی، ترقی، تجارت، زراعت سب سے غافل نہ رہیں گے اور پھر نہ صرف وہی لوگ بلکہ ان کی وجہ سے ملک کی انتظامیہ حکومت اور دوسرے افراد ان کی اس حالت کو کنٹرول کرنے یا سُدھارنے کے لئے مصروف ہو جائیں گے اور پھر کچھ ان کا ساتھ دیتے ہوئے کچھ ان کی مخالفت میں لگ جائیں گے، غرض کتنا بڑا طبقہ اور کتنی بڑی طاقت اپنے اصلی مقصد سے ہٹ کر ایک انتشاری کیفیت میں ضائع ہوگی، تو کیا یہ ملک کی کمزوری نہ کہلائے گی؟ کیا

اس سے ملک بجائے ترقی کرنے کے ایک نقطہ پر ٹھہر نہیں جائیگا۔ اور پھر پیچھے نہیں ہٹے گا، یہ ہے نتیجہ عوام سے چھیڑ خانی کرنے کا۔" اور بھی کام ہیں دنیا میں محبت کے سوا"

کیا حکومت نے ملک کی ساری خرابیاں دُور کر دی ہیں اور کیا ملکی ترقی و بھلائی کے سارے مقامات طے کر لئے ہیں کہ بس یکساں سول کوڈ کا مسئلہ ہی رہ گیا ہے اسے نافذ کیا اور سارے ہفتخواں طے ہوئے، ملک اپنی خوبی کے معراج پر ہوگا، نہیں ہرگز نہیں، بلکہ اس بھیانک زخم کو کریدنے سے جس طرح ناسور رسنے لگے گا وہ تمام جسم کے لئے فساد کا سبب بن جائے گا کچھ لوگ ایسے ہیں جو مارنا نہیں مرنا جانتے ہیں حکومت سے ٹکرانا یا قانون کو ہاتھ میں لینا نہیں، ہاں قانونی جدوجہد میں مقصد حاصل کرنے کا فن انھیں آتا ہے، اگر ان کا امتحان لینا ہے تو بسم اللہ ۔ ادھر آستمگر ہنر آزمائیں۔

اس گفتگو سے الگ اگر صرف مسلمان کو سامنے رکھیں تو اب ایک اور حیثیت سے غور کیجیے، یکساں سول کوڈ کا قانون پارلیمنٹ بنائے گی جس کے تحت مسلمانوں کے عائلی اور شخصی معاملات طے پایا کریں گے، اگر ایک مسلمان بحیثیت مسلمان اس بات کو تسلیم کر لیتا ہے اور اس کی تائید کرتا ہے تو اس کے اثرات معلوم ہے کہاں تک پہونچیں گے؟ اس کا مطلب یہ ہوگا کہ اس خاص معاملے یعنی اپنے عائلی وشخصی احکامات میں وہ قرآن وحدیث کے فرمان کو چھوڑ رہا ہے اور اس کے بجائے پارلیمنٹ کے وضعی قانون کو اختیار کر رہا ہے، ظاہر ہے یہ الٰہی قانون کی خلاف ورزی اور انسانی قانون کی بالادستی کو تسلیم کرنا ہوا، اور یہ صریح فسق ہے، اب یہاں یہ تاویل کرنی کہ وہ بعض معاشرتی معاملات ہی میں پارلیمنٹ کے فیصلے کو تسلیم کرتا ہے جو تشریعی سے زیادہ معاشرتی اور دنیاوی

ہیں یہ بداہتہً غلط ہے اسلیئے کہ مسلمان کا عائلی قانون ہو یا معاشرتی سب دین ہے اور الہٰی قانون ہے، ایک مسلمان خدا کے قانون کو ماننے میں اپنے نفس، اپنی خواہش یا کسی مصلحت کی پیروی ہرگز نہیں کرسکتا کیونکہ وہ الہٰی قانون کے اختیار کرنے میں خود مختار نہیں ہے، یہ اختیار خدا کا تفویض کردہ ہے اسلیئے اس کا یہ اختیار اللہ کے حدود اور قوانین کے اندر ہی رہے گا اور اللہ نے یہ قوانین نسلِ انسانی کے اس کائنات پر وجود کے ساتھ ہی نازل فرمادیئے ہیں اور پھر وقتاً فوقتاً اس کی یاد دہانی کے لئے، بگڑی ہوئی انسانیت کو پھر اسی راستے پر لانے کے لئے رسول بھی بھیجتا رہا اور آخر میں نبی آخرالزماں خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم پر بذریعہ وحی آخری فیصلہ بھی فرمادیا ومن لم یحکم بما انزل اللہ فاولئک هم الفاسقون، جو لوگ اللہ کے اتارے ہوئے قانون کے مطابق فیصلہ نہیں کرتے وہی لوگ نافرمان ہیں۔ بتایئے کہ پارلیمنٹ کے اتارے ہوئے قانون "یکساں سول کوڈ" کے مطابق ہم کس طرح فیصلہ کرسکتے ہیں۔

(بقیہ ص۱۱) حضرت گنگوہی اور عشق رسول صلی اللہ علیہ وسلم

نے سنتِ مطہرہ کا ہی خیال نہ کیا اور خلاف شرع امور کا ارتکاب کیا اور رقص و سرود کی محفل سجائی تو مجھ سے ملاقات کرنے کا کیا فائدہ (تذکرہ جلد ۲ ص ۸)

غیر تو غیر رہے جب اپنے فرزند ارجمند کی حالت بھی خلاف شرع دیکھتے تو فوراً اس پر ناراضگی کا اظہار فرماتے اور کلام و سلام بند کردیتے تھے (بقیہ آئندہ)

بقیہ ص۳۱) این چہ بوالعجبی است

مدنی رحمہ اللہ کی شخصیت کو بھی اہل بطالت کی شناخت کا معیار بنادیا جائے اور وہ ہمیشہ اپنا نامہ عمل سیاہ کرکے حضرت رہ کی بلندئ درجات کا سامان کرتے رہیں، یہ وجہ تھی کہ اللہ تعالیٰ کی قدرت کے خفیہ ہاتھوں نے اقبال کے رجوع کے باوجود ان اشعار کو کلام اقبال سے حذف نہیں ہونے دیا (باقی آئندہ)

جزو پنجم

مولانا مودودی کی تحقیق

حدیث دجّال پر ایک نظر

مولانا عبدالدیان اعظمی

انکارِ حدیث :۔ مولانا کی اس تحقیق سے انکار حدیث کی بو آتی ہے کیونکہ جن حدیثوں کو انھوں نے اپنی تحقیق میں قیاسی اور جز ردوم کی حیثیت دے کر غلط اور ناقابل نقل و روایت قرار دیا ہے ان کو بر حق اور سند و حجت ماننے سے انکار نہیں تو اور کیا ہے۔

حدیث کا انکار کرنے والے دو طرح سے حدیثوں کا انکار کرتے ہیں پہلی صورت یہ کہ کسی حدیث کو سرے سے حدیث رسول ہی نہیں مانتے کہتے ہیں کہ سرے سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمایا ہوا قول ہے ہی نہیں جو واجب التسلیم ہو، اور دوسری صورت یہ کہ حدیث کو حدیث رسول تو مانتے ہیں کہ واقعی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا قول ہے مگر ساتھ ہی اس میں کوئی لم لگا کر یا کوئی میخ نکال کر اسے غلط اور بے وقعت ٹھہرا دیتے ہیں کہ اگرچہ حضور (صلی اللہ علیہ وسلم) ہی کا قول ہے جب بھی میرے نزدیک قابل قبول نہیں یا میرے لئے آئین و قانون نہیں، یا میں اسکی اطاعت کا پابند نہیں یا میرے لئے یہ سند و حجت نہیں وغیرہ۔ (نعوذ باللہ) ـــــ انکار حدیث کی یہ دونوں صورتیں گمراہی ہیں مگر دوسری

صورت اتنی سخت گمراہی ہے کہ کفر تک پہنچا دیتی ہے، چنانچہ خود مولانا کا اس پر فتویٰ ہے، وہ ترجمان القرآن منصب رسالت نمبر ص۱۲۳ میں فرماتے ہیں کہ :۔

"اگر کوئی شخص یہ کہے کہ میری تحقیق میں فلاں سنت ثابت نہیں ہے اس لئے میں اسے قبول نہیں کرتا تو اس قول سے اسکے ایمان پر قطعاً کوئی آنچ نہ آئے گی یہ الگ بات ہے کہ ہم علمی حیثیت سے اس کی رائے کو صحیح سمجھیں یا غلط لیکن اگر وہ یہ کہے کہ یہ واقعی سنت رسول ہو بھی تو میں اس کی اطاعت کا پابند نہیں ہوں تو اس کے خارج از اسلام ہونے میں کوئی شبہ نہیں کیونکہ وہ رسول کی حیثیت حکمرانی AUTHORITY کو چیلنج کرتا ہے جس کی کوئی گنجائش دائرۂ اسلام میں نہیں ہے" (منصب رسالت نمبر ص۱۲۳ زیر عنوان ایمان وکفر کا مدار)

یہی فتویٰ دوسری جگہ ان الفاظ میں ہے۔

"ایک شخص اگر تحقیق کرکے ان میں سے کسی روایت کو سنت کی حیثیت سے تسلیم کرے اور دوسرا تحقیق کرکے اسے سنت نہ مانے تو دونوں ہی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پیرو مانے جائیں گے، البتہ ان لوگوں کو حضورؐ کا پیرو نہیں مانا جا سکتا جو کہتے ہیں کہ حضورؐ کا قول وفعل اگر ثابت بھی ہو کہ حضورؐ ہی کا قول وفعل ہے تب بھی وہ ہمارے لئے آئین وقانون نہیں ہے" (منصب رسالت ص۱۰۵ حاشیہ ص۱۲)

یہی فتویٰ تیسری جگہ ان لفظوں میں ہے۔

"اگر کوئی شخص کسی شہادت کو کمزور پا کر یہ کہتا ہے کہ اس حکم کا ثبوت حضورؐ سے نہیں ملتا اس لئے میں اس کی پیروی نہیں کرتا تو اس کی یہ رائے بجائے خود غلط ہو یا صحیح بہرحال یہ موجب کفر نہیں ہے، بخلاف

اس کے اگر کوئی یہ کہتا ہے کہ یہ حکم حضورؐ ہی کا ہو تب بھی میرے لئے یہ سند و حجت نہیں، اس کے کافر ہونے میں قطعاً شک نہیں کیا جاسکتا یہ ایک سیدھی اور سچی بات ہے جسے سمجھنے میں کسی معقول آدمی کو الجھن پیش نہیں آسکتی۔" (منصب رسالت نمبر ۲۳۶ حاشیہ ۱۰۱)

یہ ہے مولانا مودودی صاحب کا اپنا فتویٰ۔ جس میں کہا گیا ہے کہ کسی حدیث کو حدیث رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے منقول مان کر اس کو اپنے لئے سند و حجت تسلیم نہ کرنا اور کوئی لم لگا کرنا قابلِ قبول ٹھہرانا کفر ہے، اب تحقیق پر نظر ڈالئے جس میں خروج دجال کے زمان ومکان وغیرہ سے متعلق احادیث رسول کو مولانا یہ تو کہہ نہیں رہے ہیں کہ میرے نزدیک ان کا احادیث رسول اور حضورؐ سے منقول ہونا ثابت نہیں ہے بلکہ کہہ یہ رہے ہیں کہ" ان امور کے متعلق جو مختلف باتیں حضورؐ سے احادیث میں منقول ہیں وہ دراصل آپ کے قیاسات ہیں —— اور آپ کا (قیاس و) گمان وہ چیز نہیں ہے جس پر ایمان لانے (اور برحق تسلیم کرنے) کے لئے ہم مکلف کئے گئے ہوں، یعنی ان احادیث کو احادیث رسول اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے منقول تو مانتے ہیں مگر منقول مان کر ان کو اپنے نزدیک برحق اور سند و حجت قرار نہیں دیتے اور قیاس و خیال کی لم لگا کر ان کو غلط اور ناقابل قبول و ناقابل نقل وروایت ٹھہراتے ہیں، یہ انکار حدیث نہیں تو اور کیا ہے؟ اور وہ بھی انکار حدیث کی وہ صورت جو نہایت خطرناک ہے۔ اب مولانا خود ہی بتلائیں کہ وہ خود اپنے ہی فتوے کی رو سے کیا ہوتے ہیں، مجھے کچھ کہنے کی ضرورت نہیں اور یہ بھی بتلائیں کہ اس انکار حدیث کے بعد کیا وہ اب منکرین حدیث سے یہ کہہ سکتے ہیں کہ ہم کو حضورؐ کی اطاعت کا مطلق حکم دیا گیا ہے اس لئے ہم بطور خود یہ فیصلہ کر لینے کے مجاز

نہیں ہیں کہ ہم حضورؐ کی فلاں بات مانیں گے، کیونکہ وہ بحیثیتِ رسول آپ نے کی یا کہی ہے اور فلاں بات نہ مانیں گے کیونکہ وہ (آپؐ کے قیاس اور) آپ کی شخصی حیثیت سے تعلق رکھتی ہے (منصب رسالت ص۱۳۴)

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی شان تو یہ ہے کہ ان کی آواز پر اپنی آواز بلند کرنا موجب حبط اعمال ہے (سورۂ حجرات) چہ جائیکہ ان کے ارشادات کا انکار کرکے رسول کی حیثیت حکمرانی کو چیلنج کرنا۔

رفع اصوات فوق صوت النبی صلی اللہ علیہ وسلم

مولانا کی عقیدت میں ان کی تحقیق پر کوئی جیسا بھی حسنِ ظن رکھے مگر میرے نزدیک اس میں کوئی شبہ نہیں کہ اس میں رفع اصوات فوق صوت النبی۔ (صلی اللہ علیہ وسلم) پایا جاتا ہے، نبیؐ کے آداب میں آتا ہے کہ ان کے سامنے بلند آواز سے نہ بولا جائے۔ چنانچہ قرآن میں ہے

یاایھا الذین آمنو لاترفعوا اصواتکم فوق صوت النبی ولا تجھروا له بالقول کجھر بعضکم لبعض ان تحبط اعمالکم وانتم لاتشعرون (حجرات)	اے ایمان والو تم اپنی آوازیں پیغمبر کی آواز سے بلند مت کیا کرو اور نہ ان سے ایسے کھل کر بولا کرو جیسے تم آپس میں ایک دوسرے سے کھل کر بولا کرتے ہو ایسا نہ ہو کہ تمہارے اعمال برباد ہو جائیں اور تمکو خبر بھی نہ ہو۔

نبی کی شان تو یہ ہے کہ ان کی آواز پر اپنی آواز کا بلند کرنا موجب حبط اعمال ہے چہ جائیکہ ان کی رائے پر اپنی رائے، ان کی بات پر اپنی بات کو بلند کرنا۔

حافظ ابن قیمؒ فرماتے ہیں کہ رسول کی آواز سے اپنی آواز اونچا کرنا جب عمل

کو اکارت کر دیتا ہے تو اس کے احکام کے سامنے اپنی رائے کو متقدم کر دینا اعمال صالحہ کے لئے کیونکر تباہ کن نہ ہوگا۔

(ترجمان السنہ حصہ اوّل ص۱۴۲ بحوالہ اعلام ج ۱ ص ۴۲)

مولانا بدر عالم صاحبؒ ترجمان السنہ میں فرماتے ہیں کہ "آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد اب آپؐ کے کلام یعنی حدیث شریف کو سن کر اس کا معارضہ و مقابلہ کرنا، اس کا مذاق اڑانا، تن آسانی اور ہوا پرستی کے لئے اسکی تاویلات کرنا یہ سب آپؐ کی ہی گستاخی کے برابر ہے۔ (ترجمان السنہ اول ص۳۴۲)

رسول و احادیث رسول کا یہ ادب و احترام جو اس تشریح سے معلوم ہوا اگر تسلیم[1] ہے اور رسول کی بات کو غلط قرار دے کر اپنی بات کو برتر کرنا رفع اصوات و گستاخی رسول میں داخل ہے تو عرض ہے کہ مجھے اس تحقیق میں اسی طرح کی گستاخی محسوس ہو رہی ہے چنانچہ اس میں حدیثوں کو بزعم خود قیاسی کہنا اور قیاسی کہہ کر ان کو برحق ماننے سے اعراض و انکار کرنا ان کو ناقابل سند و حجت ٹھہرانا، اسلامی عقائد سے خارج کرنا یہاں تک کہ نقل و روایت کے قابل بھی نہ سمجھنا یہ سب رسول و احادیث رسول کے ساتھ گستاخی اور ان سے مقابلہ و معارضہ نہیں تو اور کیا ہے۔

---

[1] خود مودودی صاحب بھی تفہیم القرآن میں اس ادب کو تسلیم کرتے ہیں کہ جب احادیث رسول بیان کی جائیں تو یہ ادب ملحوظ رکھنا چاہئے، چنانچہ آیت مذکورہ کی تفسیر میں فرماتے ہیں کہ "یہ ادب اگرچہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی مجلس کے لئے سکھایا گیا تھا اور اسکے مخاطب وہ لوگ تھے جو حضورؐ کے زمانے میں موجود تھے مگر بعد کے لوگوں کو بھی ایسے تمام مواقع پر یہی ادب ملحوظ رکھنا چاہئے جب آپ کا ذکر ہو رہا ہو یا آپ کا کوئی حکم سنایا جائے یا آپ کی احادیث بیان کی جائیں۔ (تفہیم القرآن)

احادیث رسول کے آداب و احترام کی نزاکت کا اندازہ مندرجہ ذیل واقعات سے بھی لگایا جاسکتا ہے۔

شیخ بدرالدین عینی لکھتے ہیں کہ "ہمارے اصحاب نے بیان کیا ہے کہ اگر کوئی شخص کہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کدو پسند فرماتے تھے اور ان کے مقابلے میں دوسرا شخص بول اٹھے کہ مجھے تو کدو پسند نہیں ہے تو اس بے محل انکار پر اسکے کفر کا اندیشہ ہے۔" (ترجمان السنہ اول ص۳۶۱)

اس کی وجہ یہ ہے کہ اگرچہ کدو طبعاً پسند نہیں ہے مگر حضورؐ کی پسندیدگی کو سن کر معاً بعد یہ کہنا کہ مجھے تو پسند نہیں۔ انتہائی گستاخی اور رسول و حدیث رسول کا صورۃً مقابلہ کرنا ہے۔

ایک مرتبہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مومن کے لئے امراض میں مبتلا ہونے اور اس پر صبر کے ثواب کا ذکر فرمایا تو ایک شخص نے کہا یارسول اللہ میں بیماری کا نام بھی نہیں جانتا اور نہ خدا کی قسم اب تک کبھی بیمار پڑا ہوں آپ نے فرمایا۔ "جا ہمارے پاس سے اٹھ جا، تیرا ہم سے کوئی واسطہ نہیں۔" (ترجمان السنہ اول ص۳۶۱ بحوالہ ابوداؤد)

صحیح مسلم میں ہے کہ ایک مرتبہ ابن عمرؓ نے فرمایا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے عورتوں کو مسجدوں میں جانے سے روکنے کی ممانعت کی ہے۔ ان کے فرزند نے کہا ہمارے زمانہ کے حالات بدل گئے ہیں، ہم تو ضرور روکیں گے اس پر ابن عمرؓ نے اتنا برا بھلا کہا کہ شاید کبھی عمر بھر کسی کو نہ کہا تھا اور مسند امام احمد میں ہے کہ پھر مرتے دم تک ان سے بات نہ کی (ترجمان السنہ حصہ اول ص۳۶۱)

یہ واقعات نقل کرکے مولانا بدرعالم صاحبؒ فرماتے ہیں کہ "ان سب مقالات پر بات خواہ کتنی ہی سچی ہے مگر انداز چونکہ گستاخانہ تھا اس لئے دونوں جگہ

عتاب ہوا ایسے وقت جبکہ رسول مسلمانوں کے حق میں بیماری کے فضائل
بیان کر رہا ہے، یہ کہنا کہ میں تو بیماری کو جانتا بھی نہیں کسے کہتے ہیں، یا حدیث
رسول سن کر یہ کہنا کہ ہم تو روکیں گے خود رسول اور حدیث رسول کا صورۃً
مقابلہ کرنا ہے، اسی طرح آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی پسندیدہ چیز کو سن
کر فوراً یہ کہنا کہ مجھے تو پسند نہیں انتہائی گستاخی و بد تہذیبی ہے، اسی لئے
امام ابو یوسفؒ نے تو ایسے شخص کے قتل کا حکم دیدیا تھا (ترجمان السنہ اول ص۳۶۱)

تحقیق کے قبول کرنے کا لازمی نتیجہ

احترام حدیث کے سلسلے میں ایک طرف ان متذکرہ بالا واقعات
کو پیش نظر رکھئے دوسری طرف تحقیق کو قبول کرنے کا جو لازمی نتیجہ ہے اس
کو ملاحظہ فرمائیے کہ ایک صاحب جنھوں نے مولانا کے ساتھ غلو عقیدت کی
بنا پر تحقیق کو برحق سمجھ رکھا ہے انھوں نے جب حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم
کی یہ حدیث سنی کہ "آپؐ نے فرمایا دجال مشرق میں ملک خراسان سے
نکلے گا" تو سن کر فوراً بول پڑے کہ اس کے سچ ہونے کی کیا گارنٹی ہے یہ تو
قیاس وخیال کی باتیں ہیں ———— اسی طرح ایک اور صاحب حدیث
تمیم داریؓ سن کر کہنے لگے یہ کانا دجال وغیرہ تو افسانے ہیں کیا ساڑھے تیرہ
سو برس کی تاریخ نے یہ ثابت نہیں کر دیا کہ حضورؐ کا اندیشہ صحیح نہیں تھا۔
اب ناظرین کرام ہی یہ بتلائیں کہ احادیث رسول کی شان میں یہ گستاخی کس
نے سکھائی؟ یقیناً مولانا مودودی صاحب کی اسی تحقیق نے سکھائی جس کو
بعض حضرات نے وحی من السماء سمجھ رکھا ہے، کاش کہ وہ لوگ ایسا سمجھنے
کے بجائے سورۂ حجرات آیت مذکورہ کی تفسیر خود مولانا کی تفہیم القرآن سے
ملاحظ فرما کر کچھ نصیحت پکڑتے اور احادیث رسول کا ادب ملحوظ رکھتے

ورنہ مجھے ایک بات یاد آرہی ہے، وہ یہ کہ قرآن میں آتا ہے

اتخذوا احبارھم ورھبانھم اربابا من دون اللہ (توبہ آیت ۳۱) انھوں نے خدا کو چھوڑ کر اپنے علماء اور مشائخ کو رب بنا رکھا ہے۔

حضرت عدی ابن حاتمؓ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کہا انھوں نے اپنے عالم اور درویشوں کو نہیں پوجا۔ فرمایا، ہاں علماء اور درویشوں نے حلال کو ان پر حرام اور حرام کو ان پر حلال کر دیا تھا، انھوں نے ان کی پیروی کی یہی ان کی عبادت واسطے علماء اور درویشوں کے ہوئی۔ روایت کیا اس کو احمد اور ترمذی اور ابن جریرؒ نے۔

معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ کے حکم کو چھوڑ کر اس کے بالمقابل علماء مشایخ کی بے سند باتوں کو ماننا ہی ان کو خدا ٹھہرانا اور ان کی عبادت کرنا ہے، ہم اس پر قیاس کرکے کہتے ہیں کہ رسول کے بھی ارشادات کو چھوڑ کر اس کے بالمقابل غیر رسول کی باتوں کو ماننا گویا ایک درجے میں اسی غیر رسول کو رسول ماننا ہے، ہمارے اس قیاس کی تائید مولانا بدر عالم صاحبؒ کے ایک جملے سے ہوتی ہے۔ وہ فرماتے ہیں کہ

"جو شخص اپنے فیصلوں کو رسول کے فیصلوں کے ہم پلہ سمجھتا ہے وہ درحقیقت رسول کا منکر ہے۔

(ترجمان السنہ اول ص ۱۶۲)

کوائفِ دارالعلوم

امتحان سالانہ کی ہماہمی

دارالعلوم دیوبند میں آج کل سالانہ امتحان کی تیاریاں پورے شباب پر ہیں ایک طرف طلبہ رات دن ایک کیئے ہوئے ہیں دوسری طرف دفتر تعلیمات امتحان کے سلسلہ میں دفتری امور کی تکمیل میں مصروف کار ہے، ایک عجیب ہماہمی کا عالم ہے جسے دیکھئے اپنی دھن میں لگا ہوا ہے

واردین وصادرین

(۱) گذشتہ ماہ جماعت تبلیغی کے اہم ترین داعی حضرت مولانا محمد عمر صاحب دارالعلوم تشریف لائے ان کے اعزاز میں حضرت مہتمم صاحب نے دفتر اہتمام میں عصرانہ دیا جس میں مہمان محترم کے ساتھ دارالعلوم کے تمام اساتذہ نے چائے نوش کی، اس موقع پر حضرت مولانا نے دعوت و تبلیغ کے عنوان پر ایک مؤثر تقریر فرمائی، پھر رات کو دارالحدیث تحتانی میں جلسۂ عام ہوا جس میں دارالعلوم کے تمام اساتذہ وطلبہ شریک ہوئے

(۲) کل گذشتہ ہفتہ افریقہ کے مشہور مخیر عالم وتاجر مولانا عبدالحق عمرجی دارالعلوم کی سیر کو آئے حضرت مہتمم صاحب اور دیگر حضرات اساتذہ سے ملاقاتیں کیں، بعض دفاتر کو بھی دیکھا مولانا نے ایک گفتگو میں دارالعلوم کی تعلیمی وانتظامی حالت پر مسرت واطمینان کا اظہار کیا۔

مسجد دارالعلوم کی تعمیر

دارالعلوم دیوبند کی مجوزہ مسجد کی تعمیر کا کام بحمداللہ شروع ہوگیا، تعمیر کا ابتدائی کام گذشتہ سال ہی شروع کردیا گیا تھا مگر بعض ٹیکنیکل دشواریوں کی وجہ سے کام رک گیا تھا اور رکا ہی رہا اب بحمداللہ یہ تمام دشواریاں دور ہوگئی ہیں اور تعمیر کا کام تیزی کیساتھ جاری ہے

(باقی بر ص ۴۶)

یادِ رفتگاں

ادارہ

قاری احمد میاں صاحب دارِ آخرت کو سدھارے

افسوس کہ ۲۴ فروری ۱۹۸۷ء کو دارالعلوم دیوبند کے شعبۂ تجوید کے قدیم استاذ جناب قاری احمد میاں صاحب طویل علالت کے بعد انتقال کر گئے، قاری صاحب مرحوم حضرت شیخ الادب والفقہ مولانا اعزاز علی صاحبؒ کے صاحبزادے تھے، آپکے تلامذہ کی تعداد سیکڑوں نہیں ہزاروں تک پہنچتی ہے مرحوم نے فن تجوید کی درسی خدمات کے ساتھ تصنیفی خدمات بھی انجام دی ہیں مرحوم بڑے سادہ مزاج، متواضع اور آزاد منش تھے، کیا خوب آدمی تھے خدا مغفرت کرے۔

حضرت مولانا سلطان الحق رحمتِ حق سے پیوست

۲۵ فروری ۱۹۸۷ء کو حضرت مولانا سلطان الحق صاحب سابق ناظم کتب خانہ دارالعلوم کا وصال ہو گیا مرحوم ایک عرصہ سے علیل چل رہے تھے وفات سے ایک ہفتہ قبل سے مرض میں اضافہ ہو گیا تھا اور علاج و معالجہ کی ہر دستیاب تدبیر اختیار کی گئی مگر تقدیر کے آگے تمام تدبیریں ناکام ثابت ہوئیں، اور

اعظمی منزل کی تعمیر

ضلع اعظم گڑھ کے کچھ اصحاب خیر نے جو بمبئی میں اپنے کاروبار کے سلسلے میں مقیم ہیں گذشتہ سال یہ طے کیا تھا کہ اعظمی منزل کے نام سے دارالعلوم دیوبند میں طلبہ کی اقامت کیلئے ۵۰ کمروں پر مشتمل ایک عمارت تعمیر کرائی جائے چنانچہ اس تجویز کے مطابق حضرت مہتمم صاحب و حضرت صدر المدرسین مولانا معراج الحق صاحب سے حاجی شمس الدین اعظمی اور انکے رفقاء نے گفتگو کی حضرت مہتمم صاحب اور حضرت صدر صاحب نے ان حضرات کے جذبات کی تحسین فرمائی چنانچہ المدرسۃ الثانویہ کے وسیع احاطہ میں اعظمی منزل کی تعمیر کا کام جاری ہے سردست حجرے تکمیل کے مرحلے میں ہیں

مولانا اپنے پیچھے عقید تمندوں کی ایک بڑی جماعت کو سوگوار چھوڑ کر راہی ملک عدم ہوگئے، مرحوم بڑی خوبیوں کے مالک تھے، جس محفل میں بھی موجود ہوتے اسے اپنی بذلہ سنجیوں سے زعفران زار بنائے رہتے تھے حضرت شیخ الاسلام مولانا مدنیؒ سے خصوصی تعلق تھا عملیات میں مولانا کی ذات آج کل ایک مرجع کی حیثیت رکھتی تھی دارالعلوم اور اسکے اکابر کے سوانح وحالات کے سلسلے میں مولانا ایک انسائکلوپیڈیا کی حیثیت رکھتے تھے، احقر اس سلسلہ میں مولانا مرحوم سے استفادہ کرتا رہتا تھا، مرحوم تقریباً نصف صدی سے زائد تک دارالعلوم سے وابستہ رہے اور مختلف شعبوں میں گرانقدر خدمات انجام دیں، دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ مرحوم کو کروٹ کروٹ جنت عطا فرمائے اور صاحبزادگان واہلیہ محترمہ و دیگر متعلقین کو صبر جمیل عطا فرمائے

مولانا حفیظ الرحمٰن واصف دہلوی کی رحلت

مفتئ اعظم حضرت مولانا مفتی کفایت اللہ دہلوی کے صاحبزادہ جناب مولانا حفیظ الرحمٰن واصف صاحب کا بھی اسی ماہ میں انتقال ہوگیا مولانا حفیظ الرحمٰن صاحب علوم دینیہ میں پوری دستگاہ رکھتے تھے، اردو ادب میں مولانا کی ذات ایک اتھارٹی کی حیثیت رکھتی تھی، حضرت مفتی اعظم مولانا کفایت اللہ رحمۃ اللہ علیہ کے فتاویٰ جو مختلف رسائل واخبارات اور رجسٹروں میں منتشر تھے واصف صاحب نے ان تمام فتوؤں کو نہایت سلیقہ سے مدون ومرتب فرما کر کفایت المفتی کے نام سے عرصہ ہوا شائع کردیا تھا، مولانا مرحوم کا یہ ایک ایسا عظیم کارنامہ ہے جو علمی حلقہ میں ہمیشہ بنظر استحسان دیکھا جائے گا۔

● عقیدۂ ختم نبوت کی اہمیت کو سمجھیں ● خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم کے مقام و مرتبہ سے واقف ہوں ● اسلام کی ہمہ گیری کے راز سے آشنا ہوں ● مسیلمۂ پنجاب غلام احمد قادیانی کے باطل عقائد اور اسلام دشمن نظریات سے باخبر ہوں ● اس متنبی کاذب پر آسمانِ فرنگ سے اترنے والی وحیوں سے مطلع ہوں ● اسلام کے متوازی مذہب قادیانیت کے باطل مزعومات سے عقل و نقل کی روشنی میں پوری طرح آگاہ ہو جائیں

تو "دارالعلوم دیوبند" کے ترجمان ماہنامہ **دارالعلوم** کی خصوصی اشاعت

"تحفظ ختم نبوت" کا ضرور مطالعہ کریں، جو عنقریب منظرِ عام پر آرہا ہے اور اپنے احباب اور قرب و جوار کے اداروں کو بھی ترغیب دیں کہ ابطالِ قادیانیت کے سلسلہ میں اس اہم ترین علمی و تحقیقی دستاویز سے ضرور استفادہ کریں۔

صفحات، قیمت، تاریخ اشاعت اور دیگر ضروری امور کا اعلان جلد کیا جائیگا

منیجر رسالہ

دارالعلوم دیوبند کا ترجمان

دارالعلوم

دار العلوم دیوبند کا ترجمان

ماہنامہ

دار العلوم

شمارہ نمبر ۲ | بابتہ ماہ مئی ۱۹۸۷ء مطابق رمضان المبارک ۱۴۰۷ھ | جلد نمبر ۷۱

نگران

حضرت مولانا مرغوب الرحمن صاحب مہتمم دار العلوم دیوبند

مدیر

مولانا حبیب الرحمن قاسمی

فی پرچہ 3/=

سالانہ 30/=

سالانہ بدل اشتراک بیرون ممالک سے

سعودی عرب، کویت، ابوظہبی، جنوبی و مشرقی افریقہ، برطانیہ، 160/=

امریکہ، کناڈا وغیرہ بذریعہ ایرمیل 160/=

پاکستان -/75 روپے ہندوستانی - بنگلہ دیش -/50 روپے ہندوستانی

سرخ نشان اس بات کی علامت ہے کہ آپ کا زرتعاون ختم ہوگیا ہے۔

فہرست مضامین

ہندوستانی و پاکستانی خریداروں سے ضروری گذارش

(۱) ہندوستانی خریداروں سے ضروری گذارش یہ ہے کہ ختم خریداری کی اطلاع پاکر اول فرصت میں اپنا چندہ نمبر خریداری کے حوالہ کے ساتھ منی آرڈر سے روانہ کریں۔

(۲) پاکستانی خریدار اپنا چندہ مبلغ -/70 روپے ہندوستانی مولانا عبد الستار صاحب مقام کرم علی والہ تحصیل شجاع آباد ملتان پاکستان کو بھیجدیں اور انھیں لکھیں کہ وہ اس چندہ کو رسالہ دار العلوم کے حساب میں جمع کرلیں

(۳) خریدار حضرات پتہ پر درج شدہ نمبر محفوظ فرمالیں۔ خط و کتابت کے وقت خریداری نمبر ضرور لکھیں

والسلام

منیجر رسالہ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

حرف آغاز

ازدفتر اہتمام

۱۴۰۷ھ میں دارالعلوم دیوبند میں جدید طلبہ کیلئے ضروری

قواعد داخلہ

اور قدیم طلبہ کی ترقی و تنزل اور تکمیلات و دیگر شعبوں میں

داخلے کے ضابطے

ذمہ داران مدارس عربیہ سے درخواست

حامداً و مصلیاً! حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے طلبہ عزیز کے ساتھ خیر خواہی کی وصیت فرمائی ہے۔ آپ کا ارشاد گرامی ہے۔

ان رجالا یاتونکم من اقطار الارض یتفقھون فی الدین فاذا اتوکم فاستوصوابھم خیرا (رواہ الترمذی)	بے شک بہت سے لوگ زمین کے گوشہ گوشہ سے علم دین میں تفقہ حاصل کرنے کیلئے تمہارے پاس آئیں گے جب وہ آئیں تو تم ان کے بارے میں خیر خواہی کی وصیت قبول کرلو۔

اس لئے طلبائے عزیز کے ساتھ خیر خواہی تمام مدارس عربیہ کے ذمہ داروں کا فرض اولین ہے طلبہ کے لئے بہتر تعلیم، عمدہ تربیت، اچھا انتظام، اور حسب استطاعت راحت رسانی، خیر خواہی کے ضمن میں آتی ہے۔ اور الحمد للہ مدارس عربیہ کے ذمہ دار اس وصیت پر عمل پیرا ہیں۔ ان مدارس میں دارالعلوم دیوبند کو مرکزی حیثیت حاصل ہے، اس کی ترقی، علم و فن کی

ترقی، دین و دیانت کی ترقی اور مسلمانانِ عالم کی ترقی ہے۔ انھیں چیزوں کے پیش نظر ذمہ دارانِ مدارس کی خدمت میں یہ عرض کیا جارہا ہے کہ " وہ طلبہ کی استعداد سازی پر سب سے زیادہ توجہ صرف فرمائیں۔ اور دارالعلوم میں جس جماعت میں داخلہ کا ارادہ ہے وہاں تک کی قابلِ اعتماد استعداد کا پیدا ہوجانا دارالعلوم میں حاضری سے پہلے ضروری سمجھیں اور اسی لئے چند سالوں سے ماہ شعبان ہی میں ضروری اصول وضوابط کا اعلان کردیا جاتا ہے۔"

آپ حضرات سے مخلصانہ گذارش ہے کہ ان چیزوں پر عملدرآمد کے سلسلہ میں خدام دارالعلوم کا تعاون فرمائیں۔

عربی درجات میں جدید داخلے کے قواعد

(۱) ۱۴۰۷/۸ھ کے تعلیمی سال میں دارالعلوم کے تمام شعبوں میں مجموعی طور پر زیادہ سے زیادہ ڈھائی ہزار ۲۵۰۰ قدیم وجدید طلبہ کو بہ تفصیل ذیل داخل کیا جائے گا۔

دورۂ حدیث شریف	۶۰۰	دارالافتاء	۱۲
سال ہفتم	۴۲۵	تکمیل العلوم	۲۰
سال ششم	۳۰۰	تکمیل الادب	۲۰
سال پنجم	۲۰۰	شعبۂ کتابت	۳۰
سال چہارم	۱۶۰	شعبۂ تجوید	۱۲۵
سال سوم	۸۰	شعبۂ دارالصنائع	۱۰
سال دوم	۵۰۰	شعبۂ حفظ	۱۷۵
سال اول	۲۰	شعبۂ دینیات اردو فارسی	۱۶۵

(۲) مندرجہ بالا جماعتوں میں دارالافتاء، تکمیلات، کتابت، دارالصنائع قدیم طلبہ

کے لئے ہیں بقیہ جماعتوں میں قدیم طلباء کے بعد جو عدد باقی بچے گا وہ جدید طلبہ سے مقابلہ کے امتحان کے ذریعہ پورا کر لیا جائے گا۔

(۳) مقررہ تعداد کے پورا ہونے تک اونچے نمبرات حاصل کرنے والے طلبہ کو داخل کیا جائے گا۔ تعداد مقررہ کے پورا ہو جانے کے بعد تحتانی نمبرات حاصل کرنے والوں کو داخل نہیں کیا جائے گا۔ اور نہ ان کو نتیجۂ امتحان سے مطلع کیا جائیگا۔

(۴) آنیوالے جدید طلبہ سب سے پہلے "فارم برائے شرکت امتحان داخلہ" پُر کریں گے یہ فارم انھیں دفتر تعلیمات سے ۸ رشوال کی شام تک دیا جائے گا۔

(۵) سال اوّل، سال دوم اور سال سوم کے لئے امتحان داخلہ تقریری ہوگا۔

(۶) سال چہارم، سال پنجم، سال ششم، سال ہفتم، اور دورۂ حدیث کے امید واروں کا امتحان داخلہ تحریری ہوگا، تحریری امتحان ۱۱ر۱۲ر۱۳ر شوال ۱۴۰۶ھ مطابق ۹ر۱۰ر۱۱ر جون ۱۹۸۶ء یوم منگل، بدھ، جمعرات میں لئے جائیں گے۔

(۷) ۱۶ر شوال تک نتیجہ سے مطلع کر دیا جائے گا۔

(۸) سال اوّل کے لئے اُردو، فارسی کی استعداد، رسم الخط نیز ابتدائی حساب اور نحو، صرف کی اصطلاحات کی جانچ ہوگی، سال دوم کیلئے سالِ اوّل کی تمام کتابوں کا تقریری امتحان ہوگا۔

سال سوم کے لئے سال دوم کی تمام کتابوں کا تقریری امتحان ہوگا۔ سالِ چہارم کیلئے سال سوم کی کتابوں میں سے قدوری، ترجمۃ القرآن، قطبی تصدیقات اور ابن عقیل یا شرح جامی کا تحریری امتحان ہوگا۔ سال پنجم کیلئے سال چہارم کی کتابوں میں سے کنز الدقائق، اصول الشاشی، تلخیص المفتاح اور ترجمۃ القرآن کا تحریری امتحان ہوگا۔ سالِ ششم کیلئے سال پنجم کی کتابوں میں سے ہدایہ اولین، نور الانوار، مختصر المعانی اور مقامات حریری کا تحریری امتحان ہوگا۔ سالِ ہفتم کیلئے سالِ ششم کی کتابوں

میں سے جلالین شریف، حسامی اور میبذی کا تحریری امتحان ہوگا۔ دورۂ حدیث کیلئے سالِ ہفتم کی تمام کتابوں یعنی ہدایہ آخیرین، مشکوٰۃ شریف، بیضاوی شریف شرح عقائد، شرح نخبۃ الفکر اور سراجی کا تحریری امتحان ہوگا۔

نوٹ :۔ ۱۴۰۸ھ میں داخلہ کے امتحان میں ہر جماعت کیلئے دارالعلوم کے نصاب تعلیم کے مطابق پچھلی جماعت کی تمام کتابوں میں امتحان ہوگا۔

(۹) سال اوّل و دوم میں نابالغ بیرونی بچوں کا داخلہ نہ ہوگا نہ ان درجات میں امداد ہوگی۔

(۱۰) جو طالب علم اپنے ساتھ صغیر السن بچوں کو لائے گا اس کا داخلہ ختم کر دیا جائے گا

(۱۱) جن امیدواروں کی وضع قطع طالب علمانہ نہ ہوگی مثلاً غیر شرعی بال، ریش تراشیدہ ہونا۔ ٹخنوں سے نیچے پاجامہ ہونا یا دارالعلوم کی روایات کے خلاف کوئی بھی وضع، اُن کو شریک امتحان نہ کیا جائے گا۔

(۱۲) سرحدی صوبوں میں سے آسام اور بنگال کے امیدواروں کو تصدیق نامہ وطنیت پیش کرنا ضروری ہوگا۔ تصدیق نامہ کی اصل کاپی پیش کرنا ضروری ہے۔ فوٹو اسٹیٹ کاپی قبول نہ کی جائے گی۔ اور یہ تصدیق نامہ وطنیت کسی بھی وقت واپس نہ ہوگا۔

(۱۳) جدید امیدواروں کیلئے سابقہ مدرسہ کا تعلیمی داخلاتی تصدیق نامہ اور مارک شیٹ (نمبرات کتب) کا پیش کرنا ضروری ہوگا۔

(۱۴) نجی تصدیقات یا سماعت وغیرہ کا اعتبار نہ ہوگا۔

(۱۵) بنگلہ دیشی امیدوار حسب ذیل علماء کرام کی تصدیق لے کر آئیں۔

(۱) مولانا فریدالدین مسعود صاحب ڈھاکہ (۲) مولانا معتصم باللہ صاحب مال باغ بازار ڈھاکہ (۳) مولانا شمس الدین صاحب قاسمی جامعہ حسینیہ ارزن آباد میرپور ڈھاکہ (۴)

مولانا حافظ عبدالکریم صاحب، چوکی دیکھی محلہ سلہٹ،

تنبیہ:۔ طلبہ کو خاص طور پر یہ ملحوظ رکھنا چاہئے کہ امتحان کی کاپیاں کوڈ نمبر ڈال کر ممتحن کو دیجاتی ہیں تاکہ امیدوار کو صرف استعداد کے مطابق نمبر دیے جائیں۔ اس لئے امیدوار صرف انہی سالوں میں امتحان دیں جن کی تیاری وہ مکمل کر چکے ہوں۔

نوٹ:۔ امتحان داخلہ میں انتخاب میں آجانے کے بعد فارم داخلہ دیا جائیگا۔

قدیم طلبہ کیلئے:۔ (۱) جو طلبہ تمام کتابوں میں کامیاب ہوں گے ان کو ترقی دیجائے گی۔ (۲) جو طلبہ بعض کتابوں میں کامیاب بعض میں ناکام ہوں گے اگر وہ ۲/۳ کتابوں میں کامیاب ہوں اور اوسط بھی ۳۰ ہو تو امداد دیدی جائے گی ورنہ بلا امداد سال بھر کیلئے اعادہ سال کر دیا جائے گا۔ اعادہ سال کی رعایت صرف ایک سال کیلئے ہوگی۔ اگر دوسرے سال بھی اعادہ کی نوبت آئی تو داخلہ نہیں ہو سکے گا۔

(۳) تجوید کتابت، اختبار شفاہی کے نمبرات بسلسلہ ترقی درجہ اوسط میں شمار ہونگے

(۴) تکمیلات میں صرف ان فضلاء کا داخلہ ہو سکے گا۔ جن کا دورۂ حدیث کے سالانہ امتحان میں اوسط کامیابی ۴۲ ہو اور وہ کسی کتاب میں ناکام نہ ہوں اور ان امیدواروں کا مستقل امتحان بھی لیا جائے گا۔

(۵) امیدواروں کے زیادہ ہونے کی صورت میں نمبرات کو وجہ ترجیح بنایا جائے گا۔

(۶) ایک تکمیل کے بعد دوسری تکمیل میں داخلہ کیلئے ضروری ہوگا کہ امیدوار نے سابقہ میں کم از کم ۴۴ اوسط حاصل کیا ہو، اور وہ کسی کتاب میں ناکام نہ ہو۔

(۷) ایک تکمیل کی درخواست دینے والے دوسری تکمیل کے امیدوار نہ ہو سکیں گے الا یہ کہ اُن کے مطلوبہ درجۂ تکمیل میں تعداد پوری ہونے کے سبب ان کا داخلہ نہ ہو سکا ہو۔

(۸) دارالافتاء کے فضلاء کا کسی شعبہ میں داخلہ نہ ہوگا۔
(۹) کسی بھی تکمیل میں داخلہ کی تعداد ۲۰ سے زائد نہ ہوگی۔
(۱۰) جس کی کوئی بھی شکایت دارالاقامہ تعلیمات یا اہتمام میں کسی بھی وقت درج ہوئی ہے اسکو دورۂ حدیث کے بعد کسی بھی شعبہ میں داخل نہیں کیا جائے گا۔
(۱۱) کسی بھی شعبہ میں داخلہ لینے والے قدیم فضلاء کو، فراغت کے بعد ہی سندِ فضیلت دیجائے گی۔

دیگر شعبوں کے بارے میں

دارالعلوم دیوبند کا بنیادی کام اگرچہ عربی دینیات کی تعلیم ہے۔ لیکن حضراتِ اکابر نے مختلف دینی اور دنیوی فوائد اور مصالح کے پیشِ نظر متعدد شعبے قائم فرمائے شعبۂ تجوید اُردو عربی، شعبہ خوش نویسی دارالصنائع وغیرہ، ان شعبوں میں داخلہ کے لئے درجہ ذیل قواعد پر عمل ہوگا۔

شعبۂ دینیات اُردو، فارسی، شعبۂ حفظ قرآن

(۱) شعبۂ دینیات اُردو فارسی اور شعبۂ حفظ میں مقامی بچوں کو داخلہ دیا جائے گا
(۲) سال اوّل دینیات اُردو، اور شعبۂ حفظ میں داخلہ ہر وقت ممکن ہوگا۔
(۳) بقیہ درجات میں داخلہ ذی الحجہ کی تعطیل تک لیا جائے گا۔

شعبۂ تجوید حفص اُردو عربی

(۱) حفص اُردو میں وہ طلبہ داخل ہوسکیں گے جو حافظ ہوں، قرآن کریم ان کو یاد ہو اور وہ اُردو کی اچھی استعداد بھی رکھتے ہوں، نیز ان کی عمر اٹھارہ سال سے کم نہ ہو ان طلبہ میں تیس کی امداد جاری ہوسکے گی۔
(۲) حفص عربی میں ان طلبہ کو داخل کیا جائے گا جنھیں قرآن کریم یاد ہو اور وہ عربی میں شرح جامی یا سالِ سوم کی تعلیم حاصل کر چکے ہوں۔ ان طلبہ میں دس کی امداد جاری ہوسکے گی۔

اور مطلوبہ معیار کی جانچ بھی کی جائے گی

(۳) ان طلبہ کی اوقاتِ مدرسہ میں حاضری ضروری ہوگی۔

قراءت سبعہ عشرہ

اس درجہ میں داخلہ کیلئے حافظ ہونا ضروری ہے اور یہ کہ وہ عربی کی سالِ چہارم تک کی جید استعداد رکھتے ہوں۔ (۲) اس درجہ میں داخل طلبہ کی تعداد دس سے زائد نہ ہوگی اور ان دس کی امداد بھی جاری ہو سکے گی۔

شعبۂ خوش نویسی

(۱) اس شعبہ میں داخل طلبہ کی تعداد تیس ہوگی اور ان تیس کی امداد جاری ہو سکے گی۔

(۲) داخلہ کے امیدواروں میں فضلاء دار العلوم کو ترجیح دیجائے گی۔

(۳) شعبہ میں مکمل داخلہ کے امیدواروں کو امتحان داخلہ دینا ضروری ہوگا۔ اور صرف اس فن کی ضروری صلاحیت رکھنے والوں کو داخل کیا جائے گا۔

(۴) قدیم طلبہ اگر فن کی تکمیل نہیں کر سکے ہیں تو ناظم شعبہ کی تصدیق اور سفارش پر ان کا مزید ایک سال کیلئے غیر امدادی داخلہ کیا جا سکے گا۔ بشرطیکہ ان کی کوئی شکایت نہ ہو۔

(۵) جو طلبہ مکمل امدادی یا غیر امدادی داخلہ لیں گے ان کو اوقات مدرسہ میں پورے چھ گھنٹے درسگاہ میں بیٹھ کر مشق کرنا ضروری ہوگا۔

(۶) جو طلبہ عربی تعلیم کے ساتھ کتابت کی مشق کر چکے ہوں اور ناظم شعبہ ان کی صلاحیت کی تصدیق کریں تو دورۂ حدیث کے بعد مکمل داخلہ اور امداد میں ان کو ترجیح دیجائے گی

(۷) تمام طلباء کیلئے طالب علمانہ وضع اختیار کرنا ضروری ہوگا۔

(۸) پہلی سہ ماہی میں مقرر کردہ تمرینات کی تکمیل نہ کی گئی تو داخلہ ختم کر دیا جائے گا

دار الصنائع

(۱) طالب علمانہ وضع قطع کے بغیر داخلہ نہیں لیا جائے گا (۲) معلّم دار الصنائع

جن کی صلاحیت کی تصدیق کریں گے اُن کو داخل کیا جائے گا۔
(۳) پہلی سہ ماہی کے کام کی تکمیل نہ کی گئی تو داخلہ ختم کر دیا جائے گا۔
(۴) اس شعبہ میں داخلہ دس ۱۰ سے زائد کا نہیں ہوگا اور ان سب کی صرف امداد طعام جاری ہوسکے گی۔ (۵) اوقاتِ مدرسہ میں پورے وقت حاضر رہ کر کام کرنا ضروری ہوگا۔

دَارُالافتَاء

(۱) دارالافتاء میں داخلہ کے امیدواروں کیلئے وضع قطع کی درستگی کی اہمیت سب سے زیادہ ہوگی
(۲) دورۂ حدیث سے دارالافتاء کیلئے صرف وہ طلبہ امیدوار ہونگے جن کا اوسط کامیابی ۴۴ ہو
(۳) کسی بھی تکمیل سے دارالافتاء میں داخلہ کے امیدوار کیلئے سابقہ تکمیل میں ۴۵ اوسط حاصل کرنا ضروری ہوگا (۴) ان تمام امیدواروں کا الگ سے بھی امتحان لیا جائے گا۔
(۵) دارالافتاء میں داخلہ کی تعداد بارہ سے زائد نہ ہوگی۔ اور کوشش کی جائے گی کہ معیار مذکور پورا کرنے والے ہر صوبہ کے طلبہ کو داخلہ دیا جائے لیکن اگر کسی صوبہ سے کوئی امیدوار مندرجہ بالا شرائط کا حامل نہ پایا گیا تو دوسرے صوبوں سے یہ تعداد پوری کرلی جائے گی۔
(۶) ان بارہ ۱۲ طلبہ کی امداد جاری ہوسکے گی۔
(۷) دارالافتاء میں ممتاز نمبروں سے کامیاب ہونے والے دو طلبہ کا انتخاب تدریب فی الافتاء کے لئے .... ہوگا۔ یہ انتخاب دو سال کا ہوگا۔ اور ان کا وظیفہ ۳۰۰/= روپے ماہوار ہوگا۔

نئے دین کی تعمیر

از مولانا مفتی حبیب الرحمٰن صاحب خیرآبادی مفتی دارالعلوم دیوبند

شیعان کوفہ نے حضورؐ کے محبوب نواسے حضرت حسینؓ کو میدانِ کربلا میں شہید کردیا۔ اور اس جرمِ عظیم کے بعد اپنی حرکت پر نادم ہو کر رونا، پیٹنا اور ہائے حسین ہائے حسین کر کے ماتم کرنا شروع کیا اور اپنے جرم پر پردہ ڈالنے کے لئے یزید پر پھٹکار کرنے لگے۔ حضرت زین العابدین، حضرت زینب، حضرت ام کلثوم، حضرت فاطمہ بنت حسین اور حضرت حسین کے خادم حضرت بریر بن حضیر نے ان کو بددعائیں دیں۔ کہ اب تم لوگ ہم پر روتے ہو۔ خدا تمہاری آنکھوں کو خشک نہ کرے۔ اب تم ماتم کر کے ہمارے طرفدار بنتے ہو۔ تو بتاؤ ہمیں کس نے قتل کیا؟

(جلاء العیون ص ۴۳۶)

غرض ان اہل بیت مظلومین کی بددعاؤں کے صلہ میں ماتم اور عزاداری اس فرقے کیلئے گلے کا ہار بن گئی۔ اور شریعتِ اسلام کے اتباع سے یہ کوسوں دور ہوگئے۔ انھوں نے سانحہ کربلا کی بنیاد پر ایک نیا دین تعمیر کیا۔ جس میں حضرت حسینؓ اور شہداء کربلا کے جسم و خون کا مصالحہ لگایا، دوسری اور تیسری صدی کے زرارہ، ہشام، جابر جعفی وغیرہ جیسے لوگوں کی روایات کے تانے بانے کا لنٹر لگایا۔ اور چوتھی اور پانچویں صدی میں اپنی چار[1]

---

[1] (۱) کافی از محمد یعقوب کلینی (م ۳۲۹ھ) (۲) الاستبصار (۳) تہذیب الاحکام از ابوجعفر طوسی م ۴۶۰ھ، (۴) من لایحضرہ الفقیہ از شیخ صدوق ابن بابویہ قمی (م ۳۸۲ھ) ۱۲

مستند کتابیں تصنیف کر کے اس چھت کو مکمل کیا۔ پھر نویں صدی ہجری (عہد صفوی) میں اس نئی عمارت کو کرایہ پر چڑھایا اور ایران کے شاہ عباس صفوی کے دور میں شہر "قم" کے شیعہ علماء بورڈ نے شیعہ ازم مرتب کیا۔ اور اسے سرکاری مذہب قرار دیا۔ اور زبردست خانہ جنگی کے بعد یعنی تقریباً چالیس لاکھ سنی مسلمانوں کو تہ تیغ کر کے اس مذہب کو پھیلایا (حرمتِ ماتم ص۱۸)

یوں تو حضورؐ کے لائے ہوئے حقیقی اسلام اور اس نئے نام نہاد اسلام میں الف سے یا تک تقریباً ہر مسئلہ میں اختلاف ہے جن کی تفصیل یہاں ممکن نہیں ہے۔ اس موضوع پر نصیحۃ الشیعہ، تحفۂ امامیہ، حرمتِ ماتم، اسلام اور شیعہ مذہب، شیعوں کے چالیس عقیدے غرض بہت سی کتب چھپ چکی ہیں۔ البتہ نمونہ کے طور پر اپنے سُنّی بھائیوں کی معلومات کیلئے ہم یہاں کچھ چیزوں کا ذکر کرتے ہیں۔

(۱) مذہبِ اسلام میں کلمہ طیبہ لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰہِ کو سمجھ کر اور سچّے اعتقاد کے ساتھ پڑھنے سے کافر مسلمان ہو جاتا ہے مگر شیعہ مذہب میں یہ کلمہ طیبہ ناقص ہے۔ محض اتنا کلمہ پڑھنے سے ہرگز مؤمن و مسلمان نہیں ہوتا بلکہ اسکے آگے عَلِیٌّ وَلِیُّ اللّٰہِ، وَصِیُّ رَسُوْلُ اللّٰہِ خَلِیْفَتُہٗ بِلَا فَصْلٍ، ملانا ایمان و اسلام کیلئے شرط ہے۔ (حرمت ماتم ص۱۹)

(۲) قرآن کی رُو سے خدا کی ذات اجزاء اور اولاد سے پاک ہے۔ مگر شیعہ مذہب یہ کہتا ہے کہ ان کے بارہ امام اجزاء خداوندی ہیں، نور من اللہ (اللہ کے نور میں سے ایک نور ہیں) اور بشری رُوپ میں ہیں۔ (حرمتِ ماتم ص۱۹)

(۳) مذہبِ اسلام کی رو سے تمام جائز حاجتیں اور دُعائیں صرف اللہ سے مانگنی چاہئیں کیونکہ وہی حاجت روا ہے۔ شیعہ مذہب یہ بتاتا ہے کہ حضرت علی، حضرت حسن، حضرت حسین حاجت روا اور مشکل کشا ہیں اور گنہگار بندوں کو انھیں سے

تعلق قائم کرنا چاہیئے۔ (حرمت ماتم صد ۱۹)

(۴) صحیح احادیث میں ہے کہ نذر و نیاز اور منت عبادت ہے اور اللہ تعالیٰ کا خاصہ ہے۔ اللہ کے سوا کسی اور کے لئے نذر و نیاز دین لین جائز نہیں ہے مگر شیعہ مذہب یہ کہتا ہے کہ حضرت علی، حضرت حسن، حضرت حسین اور حضرت جعفر صادق وغیرہ کی نذر و نیاز دینی لینی چاہیئے۔ (حرمتِ ماتم صد ۱۹)

(۵) ہم اہل اسلام قرآن کی رو سے صرف اللہ کو ہر چیز پر قادر مانتے ہیں کیونکہ وہی بارش برساتا، فصل اگاتا، دریا بہاتا، پہاڑ نکالتا، ہوائیں چلاتا، فریاد سنتا مصائب ٹالتا، زمین میں لوگوں کو ایک دوسرے کا جانشین بناتا، خشکی اور سمندر میں گم شدگان کو راستہ دکھاتا، وہی مارتا اور جلاتا ہے۔ اور صرف وہی عالم الغیب ہے ان اوصاف میں اللہ کے ساتھ کوئی شریک نہیں مگر شیعہ حضرات حضرت علیؓ کو تمام امور پر قادر و مختار مانتے ہیں ؎

علی کا معجزہ اک اک ہے نادر علی کی ذات ہے ہر شے پہ قادر

(تاریخ الائمہ)

(۶) انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام تمام انسانوں میں سب سے افضل ہیں۔ اور نبوت کا منصب سب سے اعلیٰ منصب ہے۔ لیکن شیعہ مذہب میں اُن کے بارہ خود ساختہ امام انبیاء کرام سے افضل ہیں اور امامت کا درجہ نبوت سے افضل ہے

(حرمت ماتم صد ۱۹)

(۷) وحی یا آسمانی کتاب یا کوئی صحیفہ خدا کی طرف سے صرف انبیاء کرام کو ملتا ہے۔ نبیوں اور رسولوں کے علاوہ اور کسی کے اوپر یہ سب چیزیں نازل نہیں ہوتی ہیں۔ اور شیعہ مذہب میں ان کے بارہ اماموں پر بھی وحی آتی رہی۔ اور ان پر خدا کی طرف سے صحیفے نازل ہوتے رہے ہیں۔ (حرمتِ ماتم صد ۱۹)

(۸) قرآن کی رو سے تمام دنیا کی ہدایت نبی آخر الزماں سے ہوئی مگر شیعہ مذہب میں دنیا کو ہدایت امام مہدی کے ہاتھوں ہو گی۔ یعنی ان کے عقائد کے مطابق وہ آخر زمانہ میں آئیں گے۔ اور ہدایت، عدل و انصاف سے دنیا کو بھر دیں گے۔ (حرمت ماتم صـ۱۹)

(۹) قرآن و حدیث سے پتہ چلتا ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی تبلیغ و تعلیم کی بدولت لاکھوں نفوس کو مؤمن بنایا۔ لیکن شیعہ حضرات فرماتے ہیں کہ ۵ - ۷ آدمی کے علاوہ کوئی شخص بھی آپ پر ایمان نہیں لایا اور جو ۵ - ۷ ایمان لائے وہ بھی حضرت علیؓ کے واسطے سے اسلام لائے (حرمت ماتم صـ۲)

(۱۰) مذہب اسلام میں یہ بنیادی عقیدہ ہے کہ حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم آخری نبی ہیں، نبوت اور عصمت آپ پر ختم ہے۔ آپؐ کے بعد کوئی معصوم نہ ہوگا۔ شیعہ مذہب یہ کہتا ہے کہ ان کے بارہ امام بھی انبیاء کی طرح معصوم ہوتے ہیں۔

(حرمت ماتم صـ۲)

(۱۱) مذہب اسلام میں کسی حکم کو حلال یا حرام کرنے والا صرف اللہ تعالیٰ ہے انبیاء کرام کو صرف ان احکام کی تبلیغ کے لئے بھیجا گیا ہے۔ لیکن شیعہ مذہب میں ان کے بارہ اماموں کو پورا حق حاصل ہے کہ جس چیز کو چاہیں حلال بنائیں جس چیز کو چاہیں حرام بنائیں۔ (کافی صـ۱۴۱)

(۱۲) مذہب اسلام میں اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت دین ہے یعنی کتاب اللہ اور سنت نبویؐ جو ثقلین کہے جاتے ہیں ان ہی دونوں کا اتباع دین ہے لیکن شیعہ مذہب حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اتباع کو ناممکن اور منسوخ کہتا ہے۔ اور صرف کتاب اللہ اور اہل بیت کے اتباع کو دین کہتا ہے۔ (حرمت ماتم صـ۲۰)

(۱۳) مذہب اسلام میں تقیہ کرنا (جھوٹ بولنا) اور دین کا چھپانا گناہ اور حرام ہے اور نبوت کے مقصد کے خلاف ہے۔ لیکن شیعہ مذہب میں یہ تعلیم ملتی ہے کہ تقیہ کرنا سب سے

بڑی نیکی حتیٰ کہ دین کے دس حصوں سے نو حصّے جھوٹ بولنا بتایا گیا ہے۔ اور ان حضرات کے عقیدے کے مطابق انبیاء کرام بھی تقیہ کرتے تھے۔
(اصول کافی ص۲۲۲ ج ۲)

(۱۴) مذہبِ اسلام میں ہمارے نبی آخر الزماں صلی اللہ علیہ وسلم کے تمام اقوال وافعال برحق ہیں۔ ان کی تصدیق ہر مسلمان کے لئے ضروری ہے۔ اور شیعہ مذہب یہ کہتا ہے کہ صرف آپ کے وہ اقوال برحق ہیں جو آپ کے آل واولاد کی مدح اور تعریف میں ہیں۔ اور بقیہ آپ کے تمام اقوال واعمال میں ظاہرداری اور مصلحت کا احتمال ہے۔ (حرمتِ ماتم ص۲۰)

(۱۵) مذہبِ اسلام کی رو سے ایمان و ہدایت میں تمام انسان بشمول حضرت علی رضؓ نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے محتاج ہیں۔ لیکن شیعہ مذہب یہ بتاتا ہے کہ حضرت علی رضؓ اور باقی ائمہ پیدائشی ہدایت یافتہ ہیں اور ایمان وہدایت میں لوگ صرف انکے ۱۲ اماموں کے محتاج ہیں۔ اور کسی کے محتاج نہیں۔ (حرمت ماتم ص۲۰)

(۱۶) مذہبِ اسلام میں یہ عقیدہ ہے کہ قرآن وحدیث لازم وملزوم ہیں قیامت تک انہی دونوں چیزوں سے لوگ رہنمائی حاصل کرتے رہیں گے۔ اور شیعہ مذہب میں قرآن اور اہل بیت لازم وملزوم ہیں لیکن چونکہ لوگوں نے اہل بیت کو پنپنے نہ دیا تو لوگ اصلی قرآن کی رہنمائی سے امام مہدی کے ظہور تک محروم ہوگئے۔ یعنی قرآن وحدیث ہردو سے رہنمائی کی چھٹی ہوگئی۔ (حرمتِ ماتم ص۲۰)

(۱۷) مذہبِ اسلام کے عقیدے کے مطابق موجودہ قرآن وہی اصل قرآن ہے اور لوح محفوظ میں مرتب وموجود ہے۔ شیعہ مذہب یہ کہتا ہے کہ موجودہ قرآن کی ترتیب بالکل غلط ہے اصلی اور صحیح ترتیب دیا ہوا قرآن حضرت امام مہدی کے پاس ہے۔
(حرمتِ ماتم ص۲۱)

(۱۸) مذہبِ اسلام میں ہے کہ قرآن آسان اور عام فہم کتاب ہے، ہر کوئی اس سے ہدایت و نصیحت حاصل کر سکتا ہے۔ (حروف مقطعات وغیرہ اس سے مستثنیٰ ہیں) لیکن شیعہ مذہب میں یہ ہے کہ قرآن نہایت مشکل اور ناقابلِ فہم کتاب ہے۔ انکے بارہ اماموں کی مدد کے بغیر کوئی نہیں سمجھ سکتا اور اماموں کی حدیث کے بغیر قرآن سے دلیل پکڑنا بھی ان کے نزدیک جائز نہیں ہے۔ (مجالس المؤمنین)

(۱۹) مذہبِ اسلام میں ہے کہ قرآن خدا کا کلام ہے اور رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم کا معجزہ ہے۔ اس سے عرب و عجم، اپنے اور بیگانے غرض تمام ہی لوگ فیضیاب ہوئے۔ شیعہ حضرات کے مذہب میں یہ ہے کہ قرآن کی ہدایت کسی کے دل میں نہ پہنچی اور حضرت علیؓ اور اماموں کے علاوہ کوئی صحابی (بجُز دو کے) اور کوئی قرآن سے ہدایت یافتہ نہ ہو سکا، نہ ہو سکتا ہے۔ (حرمتِ ماتم ص۲۱)

(۲۰) اہلِ اسلام کا یہ عقیدہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جس قرآن کی حفاظت کا وعدہ فرمایا ہے اس سے یہی موجودہ قرآن مراد ہے۔ جو لاکھوں حفاظ کرام کے سینے میں محفوظ ہے شیعہ حضرات کا مذہب یہ بتاتا ہے کہ وعدۂ خداوندی جس قرآن کے ساتھ ہے وہ مجموعہ حضرت علی رضؓ کے ساتھ ہے اور وہ امام مہدی (امام غائب) کے پاس ہے اور وہ سب اماموں کو یاد تھا، یہ موجودہ قرآن اصل قرآن نہیں ہے اس کے لئے خدا نے حفاظت کا کوئی وعدہ نہیں فرمایا نہ ہی اس قرآن کا یاد کرنا ضروری ہے۔[لہ]
(اصول کافی ص۲۲۸ ج۱)

لہ قرآن پر عقیدہ رکھنا اہلِ اسلام کا بنیادی مسئلہ ہے اور ضروریاتِ دین میں سے ہے۔ اسلئے قرآن کی تحریف کا عقیدہ رکھنا یا اس کے ایک حرف کا انکار کرنا کفر ہے۔ شیعہ حضرات کی متواتر روایات سے یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ ان کا ایمان قرآن پر نہیں ہے اور نہ ہو سکتا ہے۔ اس موضوع پر نہایت تحقیقی کتاب "تنبیہ الحائرین" امام اہلِ سنت حضرت مولانا عبدالشکور صاحب فاروقی لکھنویؒ
(بقیہ حاشیہ صکا پر)

(۲۱) قرآن کی رو سے مذہبِ اسلام میں فرشتوں کو ماننا بنیادی عقائد اور دین وایمان کے اصول میں داخل ہے۔ شیعہ مذہب میں فرشتوں پر ایمان لانا اصولِ دین میں سے نہیں ہے، ان کے یہاں توحید، امامت، نبوت، آخرت اور عدل پر ایمان لانا ضروریاتِ دین میں سے ہے۔ (حرمتِ ماتم صلا)

(۲۲) مذہبِ اسلام کی رُو سے ہمارا عقیدہ ہے کہ تمام فرشتے گناہوں سے معصوم اور دوزخ میں جانے سے محفوظ ہیں۔ لیکن شیعہ مذہب یہ کہتا ہے کہ جبرئیل ومیکائیل کے دل میں ذرہ برابر بھی ابوبکرؓ وعمرؓ کی محبت ہوگی تو یہ دونوں جہنم میں جلیں گے۔ (جلاء العیون)

(جاری ہے)

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۱۶ کا) نے لکھی ہے اب یہ کتاب "شیعہ اور قرآن" کے نام سے شائع ہوتی ہے۔ اس کتاب کی بنیاد پر دار العلوم دیوبند، مظاہر علوم سہارن پور، جامعہ اسلامیہ ڈابھیل، مدرسہ امینیہ دہلی، دار العلوم حسینیہ چلّہ امروہہ، مدرسہ عالیہ فرقانیہ لکھنؤ، اور گوجرانوالہ پاکستان کے علماء کرام اور مفتیانِ عظام نے شیعوں کے کافر ہونے کا فتویٰ دیا ہے۔ یہ فتویٰ اب سے پچاس سال پہلے شاہی پریس لکھنؤ میں طبع ہوکر دفتر دار المبلغین لکھنؤ سے شائع ہوچکا ہے۔ ۱۲

قسط ۲

مولانا محمد یوسف لدھیانوی

اقبال کے رجوع کے باوجود ان اشعار کے باقی رہنے کی حکمت کے سلسلہ میں دوسری بات یہ ذہن میں آئی کہ اقبال کے آخری شعر :

به مصطفٰی برساں خویش را کہ دیں ہمہ اوست
گر بہ او نہ رسیدی ہمہ بولہبی است

میں "وطنی قومیت" کے نظریہ کو "بولہبی" کہا گیا تھا۔ اور اللہ تعالیٰ کے علم میں تھا کہ ان اشعار کے ساڑھے نو سال بعد اگست ۱۹۴۷ء میں دنیا کے مطلع پر "پاکستان" طلوع ہوگا۔ اور یہ ملک جسے مانگنے والوں نے خدا اور رسول کے نام پر مسلم قومیت کا واسطہ دیکر مانگا۔ اس میں اسی "وطنی قومیت" کا سکہ چلے گا۔ جسے اقبال "بولہبی" فرمارہے ہیں اس وقت بوالہوسوں کے اس ٹولہ میں، جو حضرت شیخ الاسلام مولانا سید حسین احمد مدنی رحمہ اللہ کے خلاف سیخ پا ہے۔ ایک بھی ایسا نہیں ہوگا۔ جو اس بولہبی کو اپنانے پر لب کشائی کرے بلکہ سب کی زبانیں اس وقت گنگ ہو جائیں گی۔ اقبال کے ان اشعار کا محفوظ رہنا بڑا ضروری ہے۔ کیونکہ اقبال کے یہی اشعار اس وقت "آئینہ بولہبی" کا کام دیں گے جس میں ان لوگوں کو ان کا بھیانک چہرہ دکھایا جاسکے گا۔

پاکستان میں اس "بولہبی" کا کیسی طرح تسلط ہوا۔ اور اس نے یہاں کیا کیا گل

کھلائے۔ اس کی ایک دو جھلکیں آپ بھی ملاحظہ فرمائیں۔

۱۔ پاکستان ۱۴ اگست ۱۹۴۷ء کو وجود میں آیا، اور اس سے تین دن پہلے قائد اعظم مسٹر محمد علی جناح نے دو قومی نظریہ سے دستبرداری کا اعلان کر دیا۔ یہ کہانی شاہراہ پاکستان" کے مصنف چوہدری خلیق الزماں صاحب سے سنئے۔ وہ لکھتے ہیں۔

"سر سید کے بعد نواب محسن الملک نے جداگانہ انتخاب کا مطالبہ کر کے اُسے برٹش گورنمنٹ سے قبول کرالیا، گو مسٹر جناح جداگانہ انتخاب کی ۱۹۳۵ء تک ہمیشہ مخالفت کرتے رہے مگر ۱۹۴۰ء میں انھوں نے بھی مسلمانوں کو ایک علیحدہ نیشن کہنا شروع کیا۔ اس کا کوئی خاص فرق ہندوستانی سیاست میں اس وقت تک نہ پڑا جب تک انگریزی اقتدار قائم رہا۔ بلکہ یہ کہنا صحیح ہوگا کہ اس سے غیر ممالک میں مسلم لیگ کا مطالبہ زائد صحیح بنیاد پر نظر آنے لگا۔ مگر اس کا اتنا مہلک اثر مسلم اقلیتوں پر تقسیم ہند کے بعد پڑا کہ اللہ کی پناہ یعنی ۱۵ اگست ۱۹۴۷ء کو چار کروڑ مسلمان ہندوستان میں نہ پاکستانی تھے اور نہ ہندوستانی مختلف مذہبی اقلیتیں تو ایک ملک میں رہ سکتی ہیں مگر مختلف نیشنل اقلیتیں بہ حیثیت شہری کے ملک میں نہیں رہ سکتی تھیں۔ اور تمام صوبوں کے مسلمان فوراً تقسیم کے بعد اس کس مپرسی میں مبتلا ہو گئے تھے۔ جب مسٹر جناح نے پاکستان کو دس کروڑ مسلمانوں کا ہوم لینڈ یا وطن کہا تھا۔ تو انھیں مسلمانوں کے ہندوستان سے انخلا کا سامان بھی مہیا کر لینا تھا۔ چہ جائیکہ تقریباً نصف مسلم آبادی کو بے یار و مددگار چھوڑ دینا۔

یہ دو نیشن نظریہ (قوم نہیں بلکہ نیشن اپنے تمام وسیع معنوں میں) تقسیم ہند کے بعد ان چار کروڑ مسلمانوں کے لئے جو ہندوستان میں رہ گئے ہیں۔ بڑا ہولناک ثابت ہوا۔ کیوں کہ ۱۴ اور ۱۵ اگست ۱۹۴۷ء کو وہ نہ پاکستانی

نیشن رہ گئے اور ہندوستانی، جس کی وجہ سے ان پر بدترین مصائب نازل
ہوئے، یکم اگست ۱۹۴۷ء کو مسٹر جناح نے ہندوستان کے اقلیتی نمائندوں
سے رخصت ہونے کے لئے ان کو بلوایا، اس موقع پر سیّد رضوان اللہ سکریٹری
یوپی مسلم لیگ اور ممبر کانسٹی ٹیوٹ اسمبلی نے اقلیتی مسلمانوں کے مستقبل کے
متعلق جناح صاحب سے کچھ بہت ٹیڑھے سوالات کئے جن سے وہ بہت پریشان
نظر آئے، اس سے پہلے انھیں اس قدر پریشان میں نے نہیں دیکھا تھا گفتگو
کی یہ نوعیت دیکھ کر میں نے اسے ختم کرانا ہی مناسب سمجھا اور رضوان اللہ سے
کہا کہ جو کچھ ہونا تھا وہ ہو چکا۔ اب اس کا اعادہ کرنا ضروری نہیں ہے۔ اسکے
بعد ہم سب ان سے رخصت ہو کر چلے آئے۔ اس گفتگو کا اثر مسٹر جناح
پر اتنا گہرا اور عمیق پڑا کہ ۱۱ اگست ۱۹۴۷ء کو بہ حیثیت ہونے والے گورنر جنرل پاکستان
اور پاکستان کانسٹی ٹیوٹ اسمبلی کے پریسیڈنٹ کے انھوں نے اوّلین موقعہ پر
دو قومی نظریہ کو اپنی ایک تقریر کے ذریعہ بالکل ختم کر دیا۔ ان کی تقریر یہ تھی۔

"اب اگر ہم پاکستان اسٹیٹ بافراغت اور خوش دیکھنا چاہتے ہیں تو ہم کو
کلیتہً عوام کی خصوصاً غربا کی خدمت میں لگ جانا چاہئے اگر ہم سب گذشتہ
واقعات کو بھلا کر اور اختلافات کو ختم کرکے متحدہ طور سے کام میں مشغول ہو جائیں
تو ہم ضرور کامیاب ہوں گے۔ اگر ہم اپنا ماضی بدل ڈالیں اور سب مل کر
یک جہتی سے کام شروع کردیں۔ خود تم کسی قوم کے ہو۔ خواہ تمہارے آپس
کے تعلقات پہلے کچھ ہی رہے ہوں۔ خواہ تمہارا رنگ ذات اور دین کچھ
ہی رہا ہو مگر وہ اب ہر صورت سے پاکستان کا شہری ہے۔ جس کے تمام وہی
حقوق اور وہی ذمہ داریاں ہیں جو کسی اور کے۔ میں اس سے زائد اور اس پر
زور نہیں دے سکتا۔ ہم کو اسی جذبہ سے کام کرنا ہے اور تھوڑے عرصہ میں اکثریت

اور اقلیت ہندو قوم اور مسلم قوم کے قضیے ختم ہو جائیں گے۔ کیوں کہ خود مسلمانوں میں پٹھان، پنجابی اور شیعہ سنّی وغیرہ ہیں۔ اور اسی طرح ہندوؤں میں برہمن ویش کھتری اور بنگالی اور مدراسی وغیرہ یہ سب دُور ہو جائیں گے۔ اگر آپ مجھ سے پوچھیں تو حقیقت یہ ہے کہ ہندوستان کی آزادی میں یہی مختلف حالات حارج رہے ورنہ ہم بہت پہلے آزاد ہو گئے ہوتے۔ آپ کسی مذہب ذات یا عقیدے کے ہوں اس کو اسٹیٹ کے کام سے کوئی واسطہ نہیں ہے۔"

یہ واضح اور روشن تبدیلی ہمارے سیاسی مسلک میں ایسے وقت آئی جب کہ لاکھوں مسلم جانیں جا چکی تھیں اور لاکھوں کی نوبت آ رہی تھی اور اس سے زائد یہ کہ لاکھوں خاندان اور افراد اپنے آبائی وطن اور ماحول کو خیر باد کر کے پاکستان کی طرف چل پڑے تھے۔" (شاہراہِ پاکستان صفحات ۹۴۲ تا ۹۴۴)

محمد علی جناح کے مصنف نے قائد اعظم کی تقریر کے یہ الفاظ نقل کئے ہیں۔

"اب تم سب آزاد ہو اور پاکستان میں تمہیں اس بات کی پوری آزادی ہے کہ اپنے مندروں اور مسجدوں اور دوسری عبادت گاہوں میں جا کر اپنے اپنے عقیدے کے مطابق عبادت کرو۔ ہمارا یہ بنیادی اصول ہے کہ ہم سب ایک مملکت کے شہری اور مساوی حقوق کے مالک ہیں۔ یہ اصول مذہب معتقدات اور ذات پات کے امتیاز سے بالاتر ہے، اگر ہم سب اس اصول کو اپنا معیار بنا لیں تو مجھے یقین ہے کہ کچھ عرصے بعد نہ ہندو ہندو رہیں گے۔ نہ مسلمان مسلمان اس سے میرا مطلب یہ ہرگز نہیں ہے کہ وہ اپنے اپنے مذہب پر قائم نہ رہیں گے مطلب یہ ہے کہ سیاسی اعتبار سے اور پاکستان کے شہری ہونے کی حیثیت سے سب برابر ہوں گے۔ جہاں تک مذہب کا تعلق ہے یہ ہر فرد کے ذاتی اعتقاد کا معاملہ ہے۔" (محمد علی جناح صـ ۲۹۶ ناشر مرکزی اردو بورڈ لاہور)

(بحوالہ ماہنامہ "الرشید" ساہیوال "مدنی و اقبال نمبر")

یہ وہی بات ہے جو حضرت مدنی رح نے فرمائی تھی، اور جسے اقبال نے
ع گر باو نہ رسی ہمہ بولہبی است۔

فرمایا — البتہ حضرت مدنی رح کے بیان میں اور بانیٔ پاکستان کے اعلان میں چند وجوہ سے فرق تھا۔

الف :- حضرت مدنی رح "وطنی قومیت" کو اپنے عقیدہ کے طور پر بیان نہیں فرما رہے تھے بلکہ دورِ جدید کا نظریۂ قومیت نقل فرما رہے تھے۔ جب کہ بانیٔ پاکستان "وطنی قومیت" کو بطور اصول کے پاکستان میں نافذ فرما رہے تھے۔

ب : حضرت مدنی رح وطنی قومیت کے مغربی ہتھیار کو خود مغرب ہی کے خلاف استعمال کرنے اور اس کے ذریعہ غلام ہندوستان کو آزاد کرانے کی دعوت دے رہے تھے۔ اور بانیٔ پاکستان ایک نومولود آزاد اسلامی مملکت کو، جو صرف اسلام کی خاطر حاصل کی گئی تھی۔ وطنی قومیت کی "جنم گھٹی" دے رہے تھے،

ج :- حضرت مدنی رح اس نظریہ کو متحدہ ہندوستان میں پیش فرما رہے تھے، اور اس کے ذریعہ ہندوستان کی مسلم اقلیت کو ہندوؤں کی اکثریت کے برابر کھڑا کر کے انھیں دیگر ہم وطنوں کے مساوی حقوق دلانا چاہتے تھے۔ جبکہ بانیٔ پاکستان ایک اسلامی ریاست میں، جو صرف مسلم قومیت کی بنیاد پر حاصل کی گئی تھی۔ غیر مسلموں کو مسلمانوں کے برابر کھڑا کرنے اور اُن کو مساوی حقوق دینے کا اعلان فرما رہے تھے۔ حالاں کہ ضرورت اس بات کی تھی کہ پاکستان کے غیر مسلم ذمیوں کے لئے ان شرعی حقوق کا اعلان کیا جاتا، جو شریعتِ اسلامیہ نے بیان فرمائے ہیں۔ اگر پاکستان میں بھی غیر مسلموں کو تمام حقوق میں مسلمانوں کے برابر کھڑا کرنا تھا تو پوچھنے والا یہ دریافت کر سکتا تھا کہ پھر آپ نے دو قومی نظریے کی بنیاد پر مسلمانوں کے لئے الگ وطن کا تکلف ہی کیوں فرمایا تھا۔ الغرض ایک طرف حضرت مدنی رح کے موقف کو رکھئے اور دوسری طرف بانیٔ پاکستان کے اس اعلان کو۔ اور ان دونوں کا فرق وتفاوت

ملاحظہ فرمایئے ع "ببیں تفاوتِ راہ از کجا است تابکجا"

اگر حضرت مدنیؒ کا وہ فقرہ اقبال کے نزدیک بولہبی تھا، تو قائد اعظم کے اس اعلان کو کیا نام دیجئے گا؟ لیکن گز گز کی جو زبانیں حضرت مدنیؒ کے خلاف کھلی تھیں، اقبال کا شعر الاپنے والی زبانوں نے بانیٔ پاکستان کے بارے میں بھی کوئی جنبش کی؟ اور پاکستان کی "جنم گھٹی" میں جو وطنی قومیت شامل کی جارہی تھی کیا کسی کو اس پر ذرا بھی ملال ہوا؟ اگر حضرت مدنیؒ (نعوذ باللہ) ہندوؤں کے ایجنٹ تھے تو بانیٔ پاکستان کس کے ایجنٹ تھے؟ کیا پرستارانِ اقبال، اقبال کے پیش کردہ "آئینہ بولہبی" میں اپنا مُنہ دیکھنا پسند کریں گے؟

۲۔ مملکتِ خداداد پاکستان کی پہلی کابینہ تشکیل دی گئی تو اس میں ایک وزیر ہندو تھا یعنی مسٹر جوگندر ناتھ منڈل، اور ایک سڑا ہوا قادیانی مسٹر ظفر اللہ خاں تھا جس نے بانیٔ پاکستان کا جنازہ تک نہیں پڑھا، اور جب اس سے اس کی وجہ پوچھی گئی تو کہا،

"آپ مجھے کافر حکومت کا مسلمان وزیر سمجھ لیں، یا مسلمان حکومت کا کافر نوکر"

(ملّت اسلامیہ کا موقف ص ۴۳)

پاکستان کا پہلا چیف جسٹس ایک عیسائی "کارنیلیس" کو بنایا گیا۔ اور افواج کا کمانڈر انچیف ایک انگریز کو۔ جب سے اب تک سول اور فوج کے نازک اور حساس مناصب پر قادیانی، عیسائی، ہندو، دہریے، اور رافضی فائز چلے آتے ہیں۔ فرمایا جائے کہ یہ اقبال کے الفاظ میں "بہ مصطفٰے برساں خویش را" کا مظاہرہ تھا۔ یا "ہمہ بولہبی است" کا؟ کیا حضرت مدنیؒ کے کسی ناقد کو اقبال کے پیش کردہ اس "آئینہ بولہبی" میں اپنی شکل دیکھنے کی بھی کبھی توفیق ہوئی؟

۳ —— اسلامیہ جمہوریہ پاکستان کا "قومی پاسپورٹ" جاری کیا گیا تو اس میں

"قومیت"، "پاکستانی" کا اندراج کیا گیا "مسلم قومیت" کا سرے سے تصور ہی نہ تھا۔ اور پاسپورٹ سے مذہب کا خانہ ہی غائب تھا۔ جس کا صاف صاف مطلب یہ تھا کہ پاکستان میں قومیت کی بنیاد صرف وطن ہے۔ ریاست کو باشندگانِ مملکت کے مذہب وملت سے کوئی سروکار نہیں۔ بعد میں قادیانیوں کی شناخت کے لئے علمائے کرام کے مطالبہ پر پاسپورٹ میں مذہب کا خانہ بڑھایا گیا۔ لیکن قومیت پھر بھی وہی پاکستانی رہی۔

کیوں صاحب! یہ نظریہ کہ " اس زمانے میں قومیں مذہب سے نہیں بلکہ اوطان سے بنتی ہیں" تو حضرت مدنیؒ نے مغربی اقوام کے حوالے سے نقل کیا تھا۔ جس پر آپ نے حضرت مدنیؒ کو منہ بھر کر گالیاں دی تھیں۔ اور شاعرِ ملت علامہ اقبال نے چھوٹتے ہی حضرتؒ پر "چہ بے خبر از مقام محمد عربی است" اور "ہمہ بولہبی است" کے فتوے صادر فرما دیئے تھے، یہ آپ کو کیا ہوا کہ آپ نے مملکت خداداد پاکستان میں حضرت مدنیؒ کا نقل کردہ مغربی نظریۂ قومیت اپنا لیا۔ اور یہاں سے تمام شہریوں کو بلاامتیاز مذہب وملت ایک ہی قوم بنا دیا جس کی رو سے مسلم، ہندو، سکھ عیسائی، یہودی، پارسی، قادیانی وغیرہ وغیرہ سب ایک ہی قوم قرار پائی، اگر یہ اقبال کے بقول: "مقام محمد عربی سے بے خبری" اور "ہمہ بولہبی" تھی تو آپ کے لئے پاکستان میں یہ بولہبی کیسے حلال اور طیب ہوگئی، جس کی رُو سے مولانا شاہ احمد نورانی اور لالہ جگن ناتھ ایک ہی قوم قرار پائے، علامہ اقبال مرحوم کے فرزند گرامی قدر جناب جسٹس جاوید اقبال اور سردار بلونت سنگھ ایک ہی قوم کے دو فرد بن گئے، جناب محمد حنیف رامے اور مرزا طاہر قادیانی کی ایک ہی قوم بن گئی؟ کیا حضرت شیخ الاسلام مدنیؒ کے ناقدین کو اس آئینہ میں اپنا چہرہ نظر آئے گا؟ اور انھیں اس سے کچھ عبرت ہوگی؟ ع " حذر اے چیرہ دستاں سخت ہیں فطرت کی تعزیریں"

۴ ــــ پاکستان میں، ہاں اسی پاکستان میں، جو صرف اسلام کے نام سے حاصل کیا گیا تھا۔ جب مسلم قومیت کے تصور کو کچل دیا گیا۔ اور اس کی جگہ " وطنی قومیت "، کو جسے اقبال نے " بولہبی " کہا تھا۔ بطور ایک عقیدہ اور نظریہ کے اپنا لیا گیا تو اس " بولہبی "، نے پر پرزے نکالے اور پاکستانی قومیت کی جگہ یہاں الگ الگ وطنی تشخصات ابھرنے اور صوبائی بنیاد پر مختلف قومیتوں کے نعرے لگنے لگے۔ سب سے پہلے " بنگلہ قومیت " کا فتنہ اٹھا، جس کے نتیجہ میں نہ صرف ملک دولخت ہوا۔ بلکہ مسلمانوں پر وہ قیامت بیت گئی۔ جس کا کوئی تصور بھی نہیں کر سکتا تھا۔ اور جس کی وجہ سے آج تک انسانیت کا سر شرم سے جھکا ہوا ہے " بنگلہ قومیت کے مطابق مشرقی پاکستان کے ہندو مسلم ایک قوم تھے۔ اور مشرقی و مغربی پاکستان کے مسلمان دو قومیں، اس کے بعد سندھی، بلوچی، افغانی اور پنجابی قومیتوں کے نعرے لگے۔ پھر مہاجر قومیت کا غلغلہ بلند ہوا۔ اور دیکھتے ہی دیکھتے " وطنی قومیت " کا یہ دیو عریاں رقص کرنے لگا۔

حال ہی میں کراچی اور حیدرآباد میں قومیت کے عفریت نے جو تباہی مچائی۔ اور درندگی و شیطنت کے جو مظاہرے کئے انھیں دیکھ کر شاید ابلیس بھی شرمندہ ہوگا اب ہر چہار سو " وطنی قومیت " اور صوبائی ذہنیت کے نعرے لگ رہے ہیں۔ اور یہ " بولہبی "، ذہنوں پر اس طرح مسلط ہے کہ نہ کسی کو اپنے دین و ایمان کا پاس ہے، نہ ملک و ملت، نہ اسلامی اخوت کا احساس ہے، نہ خالق سے حیا نہ مخلوق سے شرم۔ بدمستان قومیت پورے ملک کی سطح پر سوچنے اور قوم و ملک کا مفاد پیش نظر رکھنے سے عاری ہو چکے ہیں، اپنے محدود مفاد کی خاطر پاکستان کو توڑنے کی باتیں ہو رہی ہیں، اور وہ قومیت کے جنون اور مدہوشی میں کسی شریف آدمی کی بات سننے کیلئے بھی آمادہ نہیں، مگر ع ـــ اے باد صبا این ہمہ آوردۂ تست ؏

جب روزِ اوّل ہی سے پاکستان کی بنیاد "مسلم قومیت" کے بجائے "وطنی قومیت" پر رکھ دی گئی تو اس کے نتائج اس کے سوا اور کیا ہو سکتے تھے! امیر شریعت سید عطاء اللہ شاہ بخاریؒ نے ایک موقعہ پر فرمایا تھا:

"آج ہم کہتے ہیں نہ بناؤ۔ تم ہماری نہیں مانتے، ایک وقت آئے گا
جب ہم کہیں گے نہ توڑو، اس وقت تم ہماری نہیں سنو گے"

"قلندر ہرچہ گوید دیدہ گوید" اس مردِ قلندر کی یہ بات واقعہ بن کر ہماری آنکھوں کے سامنے ہے۔

الغرض دوسری بات جو ذہن میں آئی وہ یہ تھی کہ یہ حضرت شیخ الاسلام مولانا سید حسین احمد مدنیؒ کی کرامت تھی کہ اللہ تعالیٰ نے اقبال کے قلمزد کردہ اشعار کو ضائع ہونے نہیں دیا۔ کیونکہ اقبال کے اعلانِ رجوع سے حضرت مدنیؒ کا دامن تو پاک ہو چکا تھا۔

ع "زلیخا نے کیا خود پاک دامن، ماہ کنعاں کا"

اس لئے ان اشعار کا باقی رہنا حضرت مدنیؒ کو مضر نہیں تھا، بلکہ خود اقبال کے لئے روح کی بے قراری و شرمساری کا سامان تھا۔ لیکن قدرت کو منظور تھا کہ جو لوگ آج حضرت مدنی کی توہین کر کے "مسلم ہے تو مسلم لیگ میں آ" اور "پاکستان کا مطلب کیا: لا الٰہ الا اللہ" کے گیت گا رہے ہیں۔ کل جب اقتدار ملنے کے بعد یہ لوگ ایں ہمہ بولہبی است! کا راستہ اختیار کریں گے تو اقبال کے آئینۂ بولہبی! میں ان کو اپنی تصویر دکھائی جا سکے۔ اور خدا کی بے آواز لاٹھی ان سے حضرت مدنیؒ کا انتقام لے سکے۔ حدیث قدسی میں ہے کہ حق تعالیٰ شانہ فرماتے ہیں

من عادیٰ لی ولیًا فقد	جو شخص میرے کسی ولی سے عداوت رکھے
اٰذنتہٗ بالحرب (مشکوٰۃ ص ۱۹۷)	میں اس کے خلاف اعلانِ جنگ کرتا ہوں

"حضرت مدنیؒ اپنے دور کے ولی کامل بلکہ "سرگروہ اولیا اللہ" تھے، پاکستان کی بنیاد ہی ان کی توہین اور گستاخی پر رکھی گئی۔ اور آج تک یہ سلسلہ بند نہیں ہوا، گویا یہ لوگ خدا تعالیٰ سے مسلسل جنگ لڑ رہے ہیں، کاش! کوئی دانشمندان کو فہمائش کرتا کہ آپ لوگ ایک مقبول بارگاہ الٰہی سے عداوت کر کے کب تک خدا تعالیٰ سے جنگ لڑتے رہیں گے؟ راقم الحروف نے حضرت اقدس مولانا سید محمد یوسف بنوریؒ کے بارے میں لکھا تھا کہ انھیں "حضرت مدنی قدس سرہٗ سے غایت درجہ کی عقیدت وارادت تھی، اور ان کے بیحد مداح تھے۔ ہمارے ملک پر جو آفات و بلیات کا نزول متواتر ہو رہا ہے اس کا باطنی سبب حضرت بنوریؒ کے نزدیک یہ تھا کہ لوگوں نے حضرت مدنی قدس سرہٗ کی بڑی توہین کی ہے اور انھیں ایذائیں پہنچائی ہیں، جب تک کہ اس جرم سے توبہ نہ کی جائے اور اس کی معافی بارگاہِ قدس سے نہ مل جائے تب تک اصلاح احوال کی کوئی صورت نہیں"۔

(بیّنات، بنوری نمبر ص ۸۱۱)

ناکارہ راقم الحروف کو حضرت مدنیؒ کے مرتبہ و مقام عالی کی معرفت کا دعویٰ نہیں کہ مقام نبوت کو نبی کے سوا کوئی نہیں جانتا، اور مقام ولایت کو ولی کے سوا کوئی دوسرا نہیں پہچانتا۔ "ولی را ولی می شناسد" مشہور مقولہ ہے۔ لیکن عمر جوں جوں ڈھلتی جارہی ہے۔ حضرت بنوریؒ کے مندرجہ بالا ارشاد پر یقین واذعان میں اضافہ ہوتا جارہا ہے۔ میں یہاں کے ارباب حل وعقد، اہل فکر ودانش، اصحاب قلم اور عوام و خواص کی خدمت میں نہایت اخلاص ودل سوزی سے گذارش کرنا چاہتا ہوں کہ ہم حضرت مدنیؒ کی توہین وبے ادبی کا بہت خمیازہ بھگت چکے ہیں۔ خدارا یہ سلسلہ اب بند کر دیا جائے۔ جس شخص نے بھی اپنی زبان وقلم کو حضرتؒ کی بے ادبی سے آلودہ کیا، اس نے اپنی عاقبت بربادی کا سامان کیا۔ ابھی وقت ہے اس جرم عظیم سے پوری

قوم توبہ کرے۔ اور وارثین اقبال کا فرض ہے کہ حضرت مدنیؒ کی خاطر نہیں تو کم از کم روحِ اقبالؒ کی تسکین کے لئے اقبالؒ کے متعلقہ اشعار کو "ارمغانِ حجاز" سے حذف کردیں ـــ اور اگر یہ کسی وجہ سے ممکن نہیں تو کم سے کم ان پر یہ نوٹ ہی لکھ دیں کہ اقبالؒ نے وفات سے تین ہفتہ قبل ان سے رجوع کرلیا تھا۔ امید ہے کہ میرے اس خیرخواہانہ پیغام پر اربابِ حل وعقد بھی کان دھریں گے۔ اربابِ خامہ وقرطاس بھی، اور خداوندانِ عقل وانصاف بھی ـــ ورنہ

ع " بررسولاں بلاغ باشد وبس "

رَبَّنَا اغفر لنا ولاخواننا الذین سبقونا بالایمان ولا تجعل فی قلوبنا غِلاً للذین اٰمنوا ربّنا انّك رؤُفٌ رّحیم، فاطرالسمٰوٰت والارض انت ولیّ فی الدنیا وَالآخرۃ، توفّنی مُسلمًا والحقنی بالصّالحین وصلی اللہ تعالیٰ علیٰ خیرِ خَلقہٖ صفوۃ البریۃ مُحمّد وَعلیٰ اٰلہٖ وصحبہٖ اجمعین

نظام امارت فی الہند کی مختصر تاریخ

از- مولانا حبیب الرحمٰن قاسمی

احیاء دین، اعلاء کلمۃ اللہ اور خدا کی زمین پر خدا ہی کے احکام و فرمان کے نفاذ واجراء کے لئے نظام امارت و تنظیم جماعت کی ضرورت و اہمیت کو ہمارے اسلاف نے کبھی بھی فراموش نہیں کیا۔ بلکہ حالات نے جب بھی اجازت دی حسب استطاعت اس اہم ترین ذمہ داری سے عہدہ برآ ہونے کی مخلصانہ جدوجہد کی ہے۔ اور احوال وظروف کے مطابق بتوفیق ایزدی مکی و مدنی دونوں عہد کی سنتوں کو زندہ کر دکھایا ہے۔ آئندہ صفحات میں اکابر رحمہم اللہ کی اسی انقلابی جدوجہد کی مختصر تاریخ پیش کی جارہی ہے۔ انشاء اللہ اس کے مطالعہ سے شبہات کے پردے ہٹیں گے۔ خدشات کے زخم مندمل ہوں گے مسافران منزل کو حوصلہ ملے گا۔ اور اس راہ کی صعوبتوں کے تصور نے جن کی ہمتیں پست کردی ہیں۔ ان میں بھی قدم سے قدم ملا کر چلنے کی ہمت پیدا ہوگی۔

امارت شرعیہ کی تاسیس

قیام امارت کی ضرورت علمائے اسلام نے اسی وقت محسوس کرلی تھی جبکہ ہندوستان کی مسلم حکومت کا چراغ مفلس کے دیئے کی طرح ٹمٹمانے لگا تھا۔ چنانچہ اس عہد کے

جماعتِ علماء کے سربراہ اور خاندانِ ولی اللّٰہی کے چشم و چراغ حضرت شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی کا فتویٰ دارالحرب و قیامِ امارت اسی احساس کا جرأتمندانہ اظہار تھا۔ اور اس فتویٰ کو غیر منقسم ہندوستان میں پہلی بار جس جماعت نے عملی جامہ پہنانے کا بیڑا اٹھایا وہ بھی حضرت شاہ صاحب ہی کی ساختہ پرداختہ تھی۔ یعنی حضرت سید احمد شہید بریلویؒ اور آپ کے رفقارِ کار۔ اس اجمال کی تفصیل جناب غلام رسول مہر کی زبانی سنئے۔ مہر صاحب لکھتے ہیں۔

"سید صاحب سرحد تشریف لائے تھے تو آپ کو یقین ہوگا کہ شرع شریف کے احکام کی پابندی اور اسلامیت پر فداکاری میں اہلِ سرحد مسلمانانِ ہند سے فائق و برتر ہونگے لیکن یہاں پہنچ کر ڈیڑھ برس تک ایک ایک طبقے کے احوال و مراسم دیکھ چکنے کے بعد معلوم ہوا کہ ان لوگوں کا اسلام بھی رسمی ہے اور واقعہ بھی یہی تھا کہ اسوقت اہلِ سرحد کی زندگی جاہلیت کے الواث سے آلودہ تھی لہذا یہ فیصلہ کیا گیا کہ سرحدی مسلمان جہاد کے ساتھ ساتھ انھیں اسلامیت کا پابند بنایا جائے۔ چنانچہ یہ طے پایا کہ جہاد کی بیعت کے ساتھ ساتھ سب سے اقامتِ شریعت کی بیعت بھی لی جائے۔ پٹھانوں کی اصلاح و تنظیم کے سلسلے میں یہ دوسرا قدم تھا۔

چنانچہ فیصلہ کے مطابق کام کا آغاز کر دیا گیا اور منفرد ہزاروں آدمیوں نے سید صاحب کی اس دعوت کو قبول کر لیا لیکن اصل غرض انفرادی قبول و پزیرائی سے پوری نہیں ہوسکتی تھی ضروری تھا کہ ایک ہمہ گیر نظام پیدا کیا جائے۔ اس مقصد کے لئے علماء و اکابر کا اجتماع ضروری تھا۔ اس اجتماع کیلئے موزوں مقام پنجتار سمجھا گیا۔ چنانچہ سید صاحب اپنی جماعت کے ساتھ رئیس پنجتار فتح خاں کی دعوت پر وہاں پہنچے اور پہنچتے ہی بیعت شریعت کے لئے دعوت عام کا سلسلہ شروع کر دیا اس سلسلے میں آپ مختلف بستیوں اور قبیلوں میں دورے فرماتے

اور علماء واکابر کو جمع کرکے پابندیٔ احکام اسلام کی ہدایت کرتے، دوروں اور وعظ و نصیحت کے ذریعہ سے قبول عام کا جذبہ بیدار ہوگیا تو فیصلہ ہوا کہ پنجتار میں اجتماع عظیم منعقد کیا جائے۔ جس میں سرحد کے ہر حصے سے علماء و خوانین شریک ہوں یکم شعبان ۱۲۴۴ھ (۶ فروری ۱۸۲۹ء) کی تاریخ اور جمعہ کا دن اس اجتماع کے لئے تجویز ہوا۔
خوانین واکابر کے علاوہ ڈیڑھ ہزار کے قریب علماء اس موقع پر آئے۔ اتنے ہی ان کے تلامذہ تھے (بعض مکاتیب میں ہے قریب ہزار علماء و طلبہ) اس اجتماع میں سید صاحب نے ایک افتتاحی تقریر فرمائی جس کے آخر میں پنجتار کو مخاطب کرکے فرمایا کہ اگر آپ ہماری بات ماننا چاہتے ہیں تو اسی مجمع میں مان لیجئے ورنہ اتحاد کا رشتہ کٹ جائے گا میں خدائے عزّ وجل کا ایک عاجز بندہ ہوں۔ میری خواہش اس کے سوا کچھ نہیں کہ سب لوگ احکام الٰہی کے فرمانبردار بن جائیں۔

تقریر پوری کرکے سید صاحب خود مجمع میں سے اٹھ گئے۔ علماء آپس میں مشورے کرتے رہے آخر اس فیصلے پر پہنچے کہ "نظام شرعی کا قیام" لازم ہے نماز جمعہ کے بعد سب نے سید صاحب کے ہاتھ پر "اقامت شریعت" کے لئے بیعت کی

استفتاء اور اس کا جواب

بیعت کے بعد ایک استفتاء علماء کی خدمت میں پیش کیا گیا جس کا مضمون یہ تھا کہ "اگر کوئی شخص امام کی بیعت کرنے اور اس کی اطاعت اپنے اوپر لازم کرلینے کے بعد خدمتِ دین اور اجرائے شرع مبین کے سلسلے میں امام کے کسی حکم کو رد کردے اور مخالفت پر کربستہ ہوجائے، بلکہ جدال و قتال میں بھی شامل ہو تو اس کے اور اس کے ساتھیوں کے متعلق شریعت کا فیصلہ کیا ہے؟"
علماء نے غور و فکر کے بعد اس کا مفصل جواب مرتب کیا اس کے مطالب کا خلاصہ یہ تھا۔

۱۔ اثبات امامت کے بعد حکم امام سے سرتابی سخت گناہ اور قبیح جرم ہے
۲۔ مخالفوں کی سرکشی اگر اس پیمانے پر پہنچ جائے کہ قتال کے بغیر اس کا استیصال ممکن نہ رہے تو تمام مسلمانوں پر فرض ہو جاتا ہے کہ ان مخالفوں کی تادیب کے لئے تلواریں نکالیں اور امام کے حکم کو بزور مخالفوں پر نافذ کریں۔
۳۔ اس معرکے میں لشکر امام سے جو شخص قتل ہوگا وہ شہید سمجھا جائے گا اور لشکر مخالف کے مقتولین مردود دناری متصور ہوں گے۔

اس فتوے پر علمائے سرحد میں سے پچیس ۲۵ افراد کے دستخط تھے۔ (جن کے نام سیرت احمد شہید میں مرقوم ہیں)

اصلاح عام غالباً ۱۵ر شعبان ۱۲۴۴ھ کو جمعہ کے دن (۲۰ر فروری ۱۸۲۹ء) پھر ایک اجتماع ہوا جو فتح خاں رئیس پنجتار کے قبیلے کے افراد پر مشتمل تھا۔ خان نے ان سب کو بیعت کی ترغیب دی اور انھوں نے بطیب خاطر نظام اسلامی کی پابندی قبول کرلی پھر مختلف علاقوں کیلئے سید صاحب نے قاضی مقرر فرمادئے۔ مولوی سید محمد حبان کو قاضی القضاۃ بنایا گیا۔ ملا قطب الدین ننگرہاری کو احتساب کا کام سونپا گیا۔ اور تیس تفنگچی ان کے ساتھ مقرر کئے گئے وہ قریہ قریہ اور دیہ دیہ دورہ کرتے رہے۔ جہاں کوئی امر خلاف شرع پاتے اس کا انسداد کرتے۔

نظام امارت کا اثر راویوں کا بیان ہے کہ تھوڑی ہی مدت میں پورے علاقے کی کایا پلٹ گئی۔ تمام لوگوں نے شریعت کی پابندی اختیار کرلی پتنہ داریاں ٹوٹ گئیں۔ مقدمات کے فیصلے شریعت کے مطابق ہونے لگے۔ اگر ملا قطب الدین کے آدمی دوسرے کام کے سلسلے میں بھی کسی گاؤں میں جاتے تو گاؤں والے دوڑے ہوئے آتے اور بتاتے کہ یہاں کوئی بے نماز نہیں رہا

ایک سوال | کیا بیعت اقامتِ شریعت کے بعد سید صاحب کے اختیارات فرمانروائی میں کوئی اضافہ ہوا؟ اس کا جواب نفی میں ہے۔ بیعت اقامت نے سید صاحب کو نظم قوائے جہاد کا مجاز بنایا تھا۔ بیعت اقامت شریعت کی رُو سے وہ اجزائے احکام شرعی کا مرکز بن گئے۔ رؤسا و خوانین پر صرف اس حد تک پابندیاں عائد ہوئیں جو از روئے شریعتِ حقہ ضروری تھیں لیکن ان کی ریاستیں اور سرداریاں بدستور قائم رہیں۔ (سیرت احمد شہید ج ۲ ص ۸۳ تا ۸۷ و سید احمد شہید ج ۲ ص از ۵۵ تا ۶۵)

ضروری تنبیہ | یہ بات ذہن نشین رہے کہ یہ بیعت شریعت، بیعت جہاد سے الگ ہے۔ چنانچہ غلام رسول مہر صاحب نے بھی اس پر تنبیہ کی ہے۔ وہ بیعت جہاد کی بحث کو ختم کر کے حاشیہ پر لکھتے ہیں "یہاں یہ بتا دینا بھی ضروری ہے کہ بعض سوانح نگاروں نے بیعت امامت جہاد اور بیعت اقامتِ شریعت کو مخلوط کر دیا ہے۔ حالانکہ دونوں بیعتیں الگ الگ موقعوں پر ہوئی تھیں۔ اور ان میں کم و بیش دو سال دو مہینے کا فصل ہے۔ (ایضاً ج ا ص ۸۰ س)

(۲) نظامِ امارت کی دوبارہ تاسیس

حضرت امام سید احمد شہید کے واقعۂ شہادت (۲۴ ذی قعدہ ۱۲۴۶ھ) کے بعد باقی ماندہ مجاہدین نے شیخ ولی محمد صاحب پھلتی کو (جو امام شہید کے مخصوص احباب میں تھے) اپنا امیر بنالیا پھر ۱۲۵۰ھ میں جب شیخ نصیر الدین دہلوی داماد حضرت شاہ محمد اسحاق دہلوی و حضرت حاجی امداد اللہ مہاجر مکی کے مرشد اول، ہجرت مجاہدین کے مرکز استھانہ پہنچے تو تمام مجاہدین نے ان کے ہاتھ پر بیعت جہاد کی اور انھیں اپنا امیر منتخب کر لیا۔ لیکن مجاہدین کی جماعت میں حضرت امام شہید کی غیبت و رجعت کے جدید نظریہ کی وجہ سے اجتماعیت قائم نہ رہ سکی اور جماعت دو حصوں میں تقسیم ہو گئی۔ شیخ نصیر الدین دہلویؒ نے اگرچہ ان کے انتشار و اختلاف کے دور کرنے کی

بہت کوشش کی مگر انھیں کامیابی حاصل نہ ہوسکی جس کی بناء پر اعلاء کلمۃ اللہ کے لئے جدوجہد کا وہ سلسلہ جسے امام شہید نے جاری فرمایا تھا اور ان کی شہادت کے بعد منقطع ہوگیا تھا۔ دوبارہ شروع نہ ہوسکا۔ مجاہدین کے اسی انتشار کے زمانہ میں مولانا نصیرالدین دہلوی کا ۱۲۵۶ھ میں انتقال ہوگیا۔ ان کے بعد مجاہدین کی قیادت وسیادت کی ذمہ داری مولانا ولایت علی صادق پوری نے سنبھالی، چونکہ نظریۂ غیبت ورجعت کے مولانا زبردست حامی اور مؤید تھے اور عقیدہ کی رُو سے امام شہید کے ظہور کے بعد انھیں کی معیت میں جہاد کیا جاسکتا تھا۔ اس لئے ان کے عہد امارت میں بھی حضرت امام شہید کے عظیم مقصد کو بروئے کار لانے کے سلسلے میں کوئی پیش رفت نہ ہوسکی۔

حضرت شاہ محمد اسحاق دہلوی جو ہندوستان سے ہجرت کرکے حجاز چلے گئے تھے انھیں ہندوستان میں دوبارہ اس بابرکت جدوجہد کو دوبارہ شروع کئے جانے کی بڑی تمنا تھی۔ اور اس کی تدبیروں پر اکثر غور وفکر کرتے رہتے تھے۔ یہی وہ زمانہ ہے جب سید الطائفہ حضرت حاجی امداد اللہ مہاجر مکیؒ بغرض حج وزیارت حرمین شریفین پہنچے اور تقریباً ڈیڑھ سال اس ارض مقدس میں مقیم رہے۔ اس سفر میں حضرت شاہ محمد اسحاق صاحب کی مجلس میں حاضری اور ان سے استفادہ کا خوب خوب موقع ملا۔ چنانچہ حضرت شاہ صاحب نے انھیں جوہر قابل پاکر ان کی تربیت کی جانب خصوصی توجہ فرمائی اور ہندوستان میں انقلابی جدوجہد کی ہدایات دیکر واپس بھیجا چنانچہ حضرت حاجی صاحب نے انھیں خطوط پر جن کی ہدایات "شاہ صاحب" نے فرمائی تھیں ہندوستان آکر استاذ الکل مولانا مملوک علی، مولانا مظفر حسین کاندھلوی، مولانا احمد علی سہارنپوری، مولانا محمد قاسم نانوتوی، مولانا رشید احمد گنگوہی وغیرہ کے اشتراک وتعاون کے ساتھ کام شروع کردیا۔

(ماخوذ از التمہید لتعرف ائمۃ التجدید۔ تالیف مولانا عبیداللہ سندھی ص ۲۳، ۴۷، ۵۱)

بالآخر ۱۲۷۳ھ (۱۸۵۷ء) میں جب کہ برطانوی سامراج کے ظلم و تشدد کے خلاف برسوں کی سلگتی ہوئی آگ لاوا بن کر پھوٹ پڑی تو ان قافلۂ ولی اللّٰہی کے مسافروں نے جو سالوں سے سامانِ سفر کی تیاریوں میں لگے ہوئے تھے تھانہ بھون کی ایک مسجد میں بیٹھکر طے کیا کہ اب وقت آگیا ہے کہ "زمین اللہ کی، حکومت بادشاہ کی اور حکم ایسٹ انڈیا کمپنی کا"، کے جھوٹے دعوے کے خلاف اعلان کردیا جائے کہ زمین اللہ کی، حکومت اللہ کی اور حکم اللہ کا، ظاہر ہے کہ اعلان کوئی معمولی اعلان نہیں تھا بلکہ ایک ایسی جابر و قاہر حکومت کے خلاف اعلانِ جنگ تھا جس کی وسیع سلطنت میں سورج غروب نہیں ہوتا تھا۔ اس لئے ضرورت تھی کہ اس مسئلہ پر خوب غور و فکر کرنے کے بعد ایک تنظیم کے تحت یہ انقلابی قدم اٹھایا جائے۔ مزید غور و فکر کی اس لئے بھی ضرورت تھی کہ اپنی ہی جماعت کے ایک بزرگ حضرت مولانا شیخ محمد تھانوی رحمۃ اللہ علیہ بحالتِ موجودہ اس اقدام کے شدید مخالف تھے۔ تھانہ بھون کی اسی مسجد میں ایک بار پھر مجلسِ شوریٰ کے ارکان سر جوڑ کر بیٹھے۔ اس مجلسِ شوریٰ کا انعقاد کس تاریخ کو ہوا۔ اربابِ حل و عقد میں سے کتنے حضرات اس میں شریک ہوئے۔ ان تفصیلات سے تاریخ کا دامن خالی ہے حضرت شیخ الاسلام مولانا مدنی قدس سرہٗ کے بیان سے صرف درج ذیل اکابر کے ناموں کا پتہ چلتا ہے۔

(۱) حضرت حاجی امداد اللہ صاحب، (۲) حضرت حافظ ضامن شہید صاحب (۳) حضرت مولانا شیخ محمد صاحب (۴) حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی صاحب (۵) حضرت مولانا محمد قاسم نانوتوی صاحب۔ اول الذکرتین اکابر تو تھانہ بھون ہی میں پہلے ہی سے موجود تھے۔ البتہ آخر الذکر ہر دو بزرگوں کو ان کے گھروں سے بلایا گیا تھا اب مناسب معلوم ہوتا ہے کہ آگے کی کارروائی کی تفصیل خود حضرت مدنی قدس سرہٗ ہی کی زبانی

سنی جائے کیونکہ اس سلسلۃ الذہب کی آخری کڑی آپ کی قدآور شخصیت تھی۔ اس لئے ان سے زیادہ صحیح رپورٹ کون دے سکتا ہے۔ حضرت مدنی تحریر فرماتے ہیں:

مجلس شوریٰ کی روداد

جب ہر دو حضرات (مولانا نانوتوی و مولانا گنگوہی رحمۃ اللہ علیہما) پہونچ گئے تو ایک اجتماع میں اس مسئلہ پر گفتگو ہوئی۔ حضرت نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ نے نہایت ادب سے مولانا شیخ محمد صاحب سے پوچھا (چونکہ وہ چچا پیر تھے اسلئے ہمیشہ ان کا ادب کیا جاتا تھا) حضرت کیا وجہ ہے کہ دشمنانِ دین و وطن پر جہاد کو فرض بلکہ جائز بھی نہیں فرماتے۔ تو انھوں نے جواب دیا کہ ہمارے پاس اسلحہ اور آلات جہاد نہیں ہیں، ہم بالکل بے سروسامان ہیں مولانا نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ نے عرض کیا اتنا بھی سامان نہیں ہے جتنا کہ غزوۂ بدر میں تھا۔ اس پر مولانا شیخ محمد صاحب مرحوم نے سکوت فرمایا۔ اس پر حافظ ضامن (شہید) صاحب نے فرمایا کہ بس مولانا سمجھ میں آگیا اور پھر جہاد کی تیاری شروع ہوگئی اور اعلان کر دیا گیا۔

حضرت حاجی صاحب کی امارت پر بیعت اور تنظیم کی تشکیل

حضرت حاجی امداد اللہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کو امام مقرر کیا گیا۔ اور حضرت مولانا محمد قاسم صاحب نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ کو سپہ سالار افواج قرار دیا گیا۔ اور حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی کو قاضی بنایا گیا اور مولانا محمد منیر صاحب نانوتوی اور حضرت حافظ ضامن صاحب تھانوی رح کو میمنہ و میسرہ (فوج کے دائیں و بائیں بازو) کا افسر قرار دیا گیا۔

عام مسلمانوں کی اطاعت گزاری

چونکہ اطراف و جوانب میں مذکورہ بالا حضرات کے علم و تقویٰ (تصوف اور تشرع) کا بہت زیادہ شہرہ تھا ان حضرات کے اخلاص اور للہیت سے لوگ بہت زیادہ متاثر

تھے، ہمیشہ سے ان کی دین داری اور خدا ترسی دیکھتے رہے تھے اس لئے
بہت تھوڑی مدت میں جوق جوق لوگوں کا اجتماع ہونے لگا ....
.... مجاہدین ہزاروں کی تعداد میں جمع ہوگئے تھانہ بھون اور اطراف
میں اسلامی حکومت قائم کرلی گئی اور انگریزوں کے ماتحت حکام نکال دئے
گئے۔ (نقش حیات ج ۲ ص ۴۲، ۴۳)

اس نظام امارت کا ذکر مولانا عاشق الٰہی میرٹھیؒ نے تذکرۃ الرشید میں کیا ہے مگر تذکرۃ الرشید ایسے زمانہ میں ترتیب دی گئی ہے جب کہ واقعہ کو اسکے اصلی رنگ میں بیان نہیں کیا جاسکتا تھا۔ اس لئے مولانا میرٹھی نے اجمال و توریہ سے کام لیا ہے۔ ضرورت تھی کہ بعد کے ایڈیشنوں میں بات وضاحت کے ساتھ حاشیہ ہی میں صحیح بیان کردی جاتی مگر ناشروں کی سہل انگاری سے ایسا نہ ہوسکا۔ ظاہر ہے کہ اس مجمل اور تلمیح و توریہ کے پردے میں کہی گئی بات کو ماخذ نہیں بنایا جاسکتا۔

مولانا مناظر احسن گیلانیؒ نے بھی سوانح قاسمی بروایت حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحب اس کا تفصیلی تذکرہ لکھا ہے۔ حضرت شیخ الاسلام اور حضرت قاری صاحب کے بیانات میں جزوی اختلافات پایا جاتا ہے۔ ہم نے حضرت شیخ الاسلام قدس سرہٗ کے بیان کو ترجیح دی ہے۔

مولانا عبید اللہ سندھیؒ نے اپنی مشہور تصنیف التمہید کے صفحہ ۹۷ پر لکھا ہے کہ حضرت شیخ الہند نے اس واقعہ کو تفصیل کے ساتھ مجھ سے بیان کیا تھا مگر حضرت شیخ الہند نے کیا تفصیلات بیان کی تھیں۔ مولانا سندھیؒ اس سے بالکل خاموش ہیں کاش کہ مولانا ان تفصیلات کو بیان کردیتے تو ممکن تھا کہ اس واقعہ سے متعلق کچھ مزید باتیں منصۂ شہود پر آجاتیں۔

بادشاہ دہلی کی گرفتاری اور مجاہدین حریت کی ناکامی کے بعد اس نظام امارت کا شیرازہ بھی منتشر ہوگیا۔ جس کی تفصیلات مذکورہ بالا کتابوں بالخصوص نقش حیات میں

دیکھی جاسکتی ہیں۔

۳۔ تنظیم جماعت کی تیسری کوشش

اس ناکامی کے بعد اگرچہ حضرت شیخ الہند اپنے پورے عہد میں "ثمرۃ التربیت، جمعیۃ الانصار، نظارۃ المعارف اور ریشمی رومال تحریک کے ذریعہ اسی متاعِ گم شدہ کی بازیافت میں کوشاں رہے۔ لیکن ۱۸۵۷ء کی تحریک کا ردّ عمل اتنا سنگین تھا کہ اس دور میں دین و مذہب کے نام پر کسی تنظیم کی تشکیل تو دور کی بات ہے۔ زبان پر اس کا نام لانا بھی جرم عظیم تھا۔ اس لئے باقاعدہ طور پر نظامِ امارت کا قیام تو اس زمانہ میں نہیں ہو سکا۔ پھر بھی حضرت شیخ الہند اپنے مخصوص اور معتمد تلامذہ اور متوسلین سے خفیہ طور پر احیاء دین کے لئے جد و جہد پر بیعت لیتے رہتے تھے۔ بانیٔ تبلیغی جماعت حضرت مولانا محمد الیاس صاحب کاندھلوی رح بھی انھیں معتمد تلامذہ کی فہرست میں شامل تھے جن سے یہ معاہدۂ شرعی ہوا تھا (مولانا محمد الیاس اور ان کی دینی دعوت) لیکن آہستہ آہستہ جب شکوک و شبہات کے بادل کچھ چھٹے یا بالفاظ دیگر جب مجاہدین حریت کے پے درپے حملوں سے برطانوی سامراج کی قوت میں اضمحلال پیدا ہوگیا اور اسیران ظلم و ستم کو کسی حد تک امن و اطمینان کی فضا میں سانس لینے کا موقع نصیب ہوا تو ۶۳ سال کے طویل عرصہ کے بعد ۱۹۲۰ء میں اسی بوڑھے مجاہد (جسے درازیٔ عمر، کثرتِ امراض اور مالٹا کی تقریباً تین سالہ قید و بند کی صعوبتوں نے چارپائی پر لٹا دیا تھا۔ لیکن اس کے حوصلے جوان اور عزائم بلند تھے) کی یہ آواز ہمارے کانوں میں گونجتی ہے" میری چارپائی کو اٹھا کر جلسہ گاہ لے چلو۔ پہلا شخص میں ہوں گا جو اس امیر کے ہاتھ پر بیعت کرے گا۔ لیکن بُرا ہو ہم عصری کی چشمک اور منافست کا کہ غیروں نے نہیں بلکہ خود اپنوں نے اس صدائے حیات افزا کو سنی ان سنی کر دیا۔ حضرت سحبان الہند مولانا احمد سعید دہلوی رح نے اپنی ایک تحریر میں اسی تلخ حقیقت کا اظہار کیا ہے۔ وہ لکھتے ہیں۔

"اگر علماء میں مداہنت و منافست نہ ہوتی اور صوفیاء میں ارباباً من دون اللہ

بننے کا شوق نہ ہوتا تو آج تمام ہندوستان ایک شرعی امیر کے تحت زندگی بسر کر رہا ہوتا۔ اور اسلام کی حقیقی برکات سے متمتع ہوتا۔ ان کی روح حکومت کی غلامی سے آزاد ہوتی اگرچہ جسم غلامی میں مقید ہوتا“ (حیات سجاد ص ۱)

قصہ مختصر جب جمعیۃ علماء کے دوسرے اجلاس میں حضرت شیخ الہند جیسی عظیم و ہمہ گیر شخصیت کی موجودگی اور ان کی شدید خواہش کے باوجود علمائے ذی مراتب امیر الہند کے انتخاب پر آمادہ نہیں ہوئے۔ تو مولانا ابوالمحاسن نے اپنی بصیرت سے اسی وقت بھانپ لیا کہ امیر الہند کا مسئلہ جلد طے ہونے والا نہیں ہے۔ اس لئے انھوں نے صوبائی پیمانے پر نظام امارت قائم کرنے کا منصوبہ بنایا۔ اور اپنے صوبہ بہار میں اس کی داغ بیل ڈالنے کی مہم شروع کردی۔ چنانچہ ۲۳ر ۲۴ر شعبان ۱۳۳۹ھ (۲ر ۳ر مئی ۱۹۲۱ء) کو دربھنگہ میں جمعیۃ علمائے صوبہ کے اجلاس عام کے موقع پر یہ تجویز منظور کی گئی۔

”صوبہ بہار واڑیسہ (اس وقت اڑیسہ مستقل صوبہ نہیں بنا تھا بلکہ صوبہ بہار ہی کا ایک جزء تھا) کے محکمۂ شرعیہ کے لئے ایک عالم مقتدر شخص امیر منتخب کیا جائے جس کے ہاتھ میں تمام محاکم شرعیہ کی باگ ہو اور اس کا ہر حکم مطابقِ شریعت ہر مسلمان کیلئے واجب العمل ہو۔ نیز تمام علماء و مشائخ اس کے ہاتھ پر خدمت و حفاظتِ اسلام کے لئے بیعت کریں۔ جو سمع وطاعت کی بیعت ہوگی۔ جو بیعتِ طریقت سے الگ ایک ضروری اور اہم چیز ہے۔ جمعیۃ متفقہ طور پر تجویز کرتی ہے کہ انتخاب امیر کیلئے ایک خاص اجلاس علماء بہار کا بمقام پٹنہ وسط شوال میں کیا جائے“ (تاریخ امارت ص ۵۸ و ۵۹)

حسب تجویز ۱۸ر ۱۹ر شوال ۱۳۳۹ھ (۲۵ر ۲۶ر جون ۱۹۲۱ء) کو یہ اجلاس پتھر کی مسجد پٹنہ میں مولانا ابوالکلام آزاد کی زیر صدارت منعقد ہوا۔ جس میں مولانا آزاد سبحانی اور مولانا سبحان اللہ خاں کے علاوہ سو سے زیادہ صوبہ بہار کے علماء شریک تھے۔ چنانچہ اسی اجلاس کی

دوسری نشست میں بالاتفاق شرکائے اجلاس مولانا شاہ بدرالدین پھلواروی کو امیر شریعت صوبہ بہار۔ اور مولانا ابوالمحاسن محمد سجاد صاحب کو نائب امیر شریعت منتخب کیا گیا۔ ۱۸۵۷ء کے بعد ہندوستان کی تاریخ میں یہ پہلا مبارک دن تھا جس میں باقاعدہ امارتِ شرعیہ کا قیام عمل میں آیا۔ جس کا سلسلہ بحمد اللہ آج تک جاری ہے اب تک یکے بعد دیگرے امارت کے منصب پر چار امراء کا انتخاب ہو چکا ہے اور یہ سب جمعیۃ علماء ہی کی نگرانی میں ہوا ہے۔ فالحمد للہ علیٰ ذالک۔

۴۔ ایک اور صوبہ میں امیر کا انتخاب

صوبہ بہار میں انتخاب امیر اور نظام امارت کے قیام کے بعد، حضرت مولانا احمد علی لاہوری قدس سرہٗ کی انجمن "خدام الدین" کے سالانہ اجلاس ۱۹۲۶ء کے موقع پر جس میں حضرت مولانا حبیب الرحمٰن عثمانی رح مہتمم دارالعلوم دیوبند، حضرت مولانا محمد انور شاہ محدث کشمیریؒ حضرت مولانا شبیر احمد عثمانیؒ، حضرت مولانا حسین علیؒ بھیراواں، حضرت مولانا علامہ محمد یوسف بنوری رح، مولانا ظفر علی خاں، اور سید عطاء اللہ شاہ بخاری وغیرہ پانچ سو سے زائد علماء کرام شریک تھے۔ حضرت محدث کشمیری کی تحریک پر سید عطاء اللہ شاہ بخاری کو امیر شریعت منتخب کیا گیا اور پہلی بیعت خود حضرت مولانا انور شاہ کشمیریؒ نے کی تھی۔ اس کے بعد بیعتِ عامہ ہوئی (ماہنامہ "الرشید" ساہیوال شمارہ جمادی الاخریٰ ۱۴۰۱ھ)

اس امارت کے متعلق اس سے زیادہ معلومات پر سر دست دسترس حاصل نہیں ہوئی۔ یہ ہے ہندوستان میں نظام امارت کے قیام کی مختصر تاریخ جس سے معلوم ہوتا ہے کہ ہمارے اکابر اور بزرگوں نے اس شرعی ذمہ داری سے عہدہ برا ہونے کی ہر دور میں حسب استطاعت جدوجہد فرمائی ہے۔ (خدا رحمت کند ایں عاشقانِ پاک طینت را)

اللہ تعالیٰ ہمیں اپنے اسلاف و اکابر کے نقشِ قدم پر چلنے کی توفیق اور حوصلہ عطا فرمائے۔

مولانا مودودی کی تحقیق حدیث دجال پر ایک نظر

از مولانا عبدالدیان اعظمی

شانِ نبوت پر حرف نہیں آتا مولانا اپنی تحقیق میں ایک طرف حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاداتِ گرامی کو قیاس اور غلط بھی ٹھہراتے جارہے ہیں اور دوسری طرف یہ بھی فرماتے جارہے ہیں کہ اس سے نبوت پر حرف نہیں آتا۔ چنانچہ رقم طراز ہیں۔

"آپ کا گمان وہ چیز نہیں ہے جس کے صحیح نہ ثابت ہونے سے آپؐ کی نبوت پر حرف آتا ہو۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔"

اور دوسری جگہ لکھتے ہیں۔

"نبیؐ کے قیاس وگمان کا درست نہ نکلنا ہرگز منصبِ نبوت پر طعن کا موجب نہیں نہ اس سے عصمتِ انبیاء کے عقیدے پر کوئی حرف آتا ہے۔

ایک اور جگہ تحریر فرماتے ہیں۔

"اگر کوئی بات نبیؐ کے قیاس یا گمان یا اندیشے کے مطابق ظاہر نہ ہو تو یہ اُن کے منصبِ نبوت میں ہرگز قادح نہیں ہے۔

۱۔ سوال یہ ہے کہ اگر حرف نہیں آتا ہے تو مولانا یہ بار بار فرما کیوں رہے ہیں اور ان کو کھٹک کیوں پیدا ہوتی ہے؟ خود اُن کی یہ کھٹک کہہ رہی ہے کہ اس سے حرف

آتا ہے اور شدید حرف آتا ہے۔ اور خود مولانا کو اس کا احساس ہو گیا مگر اس خوف سے کہ ان کا بیان کہیں اُن کے متبعین کو ان سے برگشتہ نہ کردے اُن کو اپنی ذہنی غلامی کی گہری نیند میں سلا دینے کے لئے ساتھ ہی بار بار یہ راگ بھی گاتے جا رہے ہیں۔ کہ "اس سے حرف نہیں آتا ہے" اور یہ ہرگز قادح نہیں ہے" وغیرہ تاکہ ان کے متبعین حضرات غلو عقیدت کے خواب غفلت میں پڑ کر مولانا کی تحقیق کو برحق سمجھتے رہیں یہاں تک کہ مولانا کے آگے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی بھی صرف انھیں باتوں کو صحیح مانیں جن پر مولانا صاد کر دیں۔ اور جن پر صاد نہ کریں ان کو صحیح نہ مانیں۔ چنانچہ مسئلہ دجال میں ہم اُن کے متبعین کا یہی حال دیکھ رہے ہیں۔

۲۔ جو لوگ نبوت اور کہانت کے فرق سے واقف ہیں وہ اس نتیجے پر بآسانی پہنچ چکے ہوں گے کہ ایک مدعی نبوت کی پیشین گوئیاں اگر سو فیصد بھی صحیح نکل جائیں جب بھی وہ اس کے نبی برحق ہونے کی دلیل نہیں بنتیں۔ ممکن ہے کہ منجم ہو جس نے رفتار حالات کو ملحوظ رکھکر نیچر کے استمراری واقعات کی بنا پر قیاس آرائی کی ہو اور اندازہ صحیح لگا لیا ہو۔ لیکن اگر اس کی ایک بھی پیش گوئی غلط نکل جاتی ہے تو یہ اس بات کی دلیل بن جاتی ہے کہ وہ نبی برحق نہیں۔ بلکہ مفتری اور کذاب ہے۔ کیونکہ نبی برحق جو بھی پیشین گوئی کرتا ہے منجانب اللہ کرتا ہے جس میں تخلف کا سوال ہی نہیں۔ اب کوئی بھی تبلائے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے کسی ارشاد کو غلط ٹھہرانے سے منصب نبوت پر حرف آتا ہے یا نہیں؟ جبکہ دجال کے زمانہ و مقام وغیرہ کے متعلق حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادات اخبار غیب پر مشتمل ہیں جن کے پیشین گوئی ہونے میں کوئی کلام ہی نہیں۔

۳۔ مرزا غلام احمد قادیانی نے اپنے دعوئ نبوت کو برحق ثابت کرنے کیلئے

اپنی پیشین گوئیوں کو مدار ٹھہرایا تھا کہ " ہمارا صدق یا کذب جانچنے کو ہماری پیشن گوئی سے بڑھکر اور کوئی محک امتحان نہیں ۔ (آئینۂ کمالات صلا۲۱) جب ان کی بعض پیش گوئیاں غلط ہوئیں تو اُن کو بڑی پریشانی لاحق ہوئی ۔ اور انھے ان کو تاویلات کے پردے میں چھپانے اور کسی طرح توڑ موڑ کر صحیح ثابت کرنے ، آخر کیوں ؟ کیا وجہ ہے کہ انھوں نے تاویلات کی زحمت تو اٹھائی مگر اُن کو یہ آسان تدبیر سمجھ میں نہ آئی کہ کہہ دیں " یہ میں نے اپنے قیاس سے کہی تھیں اور نبی کے قیاس و گمان کا درست نہ نکلنا ہرگز منصب نبوت پر طعن کا موجب نہیں ۔ اس سے میری نبوت پر کوئی حرف نہیں آتا " ایسے نہ کہنے کی وجہ یہی ہے کہ وہ بھی خوب سمجھ رہے تھے کہ نبی کی کسی بات کے درست نہ نکلنے سے منصب نبوت پر حرف آتا ہے اور شدید حرف آتا ہے ۔

۴ ۔ مولانا بدر عالم صاحب کے ایک بیان کا حاصل ہے کہ انبیاء کی صداقت کا معاملہ بہت ہی نازک ہے ۔ اس کی نزاکت کا اندازہ اس سے لگایا جا سکتا ہے کہ اگر یہاں تمام زندگی کی خبروں میں سے ایک بھی خلاف نکل آئے تو سارا کارخانہ نبوت ہی درہم برہم ہو جاتا ہے ۔ اور ساری عمر کی صداقت ایک غلط بیانی سے ختم ہو جاتی ہے ۔ (خلاصۂ عبارت ترجمان السنہ سوم ص) یہی وجہ ہے کہ قدرت نے آپ کی رائے کو بھی عصمت دی یہاں تک کہ آپ کے خطرات و عواطف قلبیہ کو بھی وحی کی نگرانی میں رکھا کیونکہ اس قسم کی غلطیاں بھی نبوت پر حرف نہ لا سکیں ۔

مولانا بدر عالم صاحب تو کہتے ہیں کہ " .... کارخانۂ نبوت ہی درہم برہم ہو جاتا ہے " اور مولانا مودودی صاحب کہتے ہیں کہ " ..... کوئی حرف نہیں آتا "

ببیں تفاوتِ رہ از کجاست تا بکجا "

۵۔ کفار مکہ اس بات کے پورے طور پر متلاشی تھے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے کوئی ایسی چیز ملے کہ جس سے ان پر حرف لایا جا سکے مگر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی پوری زندگی میں ان کو ایک بھی چیز نہیں ملی۔ واقعۂ معراج میں ابوجہل نے سوچا کہ راتوں رات بیت المقدس اور پھر وہاں سے آسمان پر جانا اور واپس لوٹ آنا یہ ایسی بات ہے جس سے حضورؐ پر حرف لایا اور لوگوں کو برگشتہ کیا جا سکتا ہے۔ پس مکہ کی گلیوں میں ایک چکر لگایا کہ لوگو! جن کو تم نبی مانتے ہو وہ ایسی ایسی بات کہتے ہیں۔ وہ تو حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ جیسے صاحب ایمان، حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ہر ہر بات کو برحق ماننے والے اور آپؐ کی ہر ہر آن پر جان قربان کر دینے والے تھے جنھوں نے سنتے ہی کہا کہ اگر وہ کہتے ہیں تو سچ کہتے ہیں۔ ابوجہل اپنا سا منہ لیکر رہ گیا اور اس سے کوئی بھی یہ کہنے والا نہیں ملا کہ یہ خواب و خیال کی باتیں ہوں گی اس سے کوئی حرف نہیں آتا۔

اب کوئی بھی بتلائے کہ اگر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا کوئی بھی ارشاد واقعی طور پر قیاسی اور غلط ہوتا تو کفار مکہ کو کیا کچھ کہنے کا موقع مل جاتا۔ مگر یہاں مولانا کے نزدیک یہ ہے کہ کوئی حرف نہیں آتا۔ آج منکرین حدیث اپنا یہ عقیدہ بنا کر کہ "یہ صحیح ہے کہ محمد رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) نے کوئی گناہ نہیں کیا مگر وہ غلطیاں تو کر سکتے تھے۔ اور یہ حقیقت قرآن میں تسلیم کی گئی ہے۔ (منصب رسالت ص ۲۶۳/۲۱۱)

ابوجہل کی طرح حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادات میں غلطی کے متلاشی ہیں۔ کیا مولانا اپنی تحقیق میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے بہت سے ارشادات کو قیاسی اور غلط قرار دے کر منکرین حدیث کے عقیدے کو تقویت نہیں پہنچا رہے ہیں۔ پھر بھی فرماتے ہیں کہ کوئی حرف نہیں آتا۔

۶۔ انبیاء علیہم السلام کی فطرت میں ابتدا ہی سے نیک نفسی اور راست گوئی

ودیعت کردی جاتی ہے تاکہ لوگ ان کو قبل نبوت ہی اپنا معتمد علیہ بنالیں
چنانچہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو نبوت سے پہلے ہی صادق اور امین کا لقب مل
چکا تھا یہ اسی لئے تاکہ جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم نبوت کا دعویٰ کریں تو یہی اعتماد
لوگوں کو یہ تسلیم کرنے پر مجبور کرے کہ یہ اپنے دعویٰ میں سچے ہیں جھوٹے نہیں
چنانچہ اسی پاک بازی و راست گوئی کا اثر تھا کہ ایام نبوت میں جب قریش نے
حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی مخالفت کی تو انھیں میں سے ایک رئیس نضر بن حارث
تردید کے لئے کھڑا ہو گیا اور کہنے لگا کہ۔

"اے قریش! محمد تمہارے سامنے بچے سے جوان ہوا وہ تم میں سب سے
زیادہ پسندیدہ، راست گو اور امین تھا۔ اس وقت تم نے کوئی بے
اعتمادی ظاہر نہ کی۔ مگر اب جب کہ اسی کے بالوں میں سفیدی آچلی
ہے تم اُسے ساحر کاہن اور شاعر کہنے لگے ہو۔ خدا کی قسم وہ ان تمام
الزامات سے پاک ہے۔"

اب سوچیے کہ اگر نبوت سے پہلے کی چالیس سالہ زندگی میں کہیں کوئی ادنیٰ
سا واقعہ بھی صداقت کے خلاف نکلا ہوتا۔ یا کوئی بھی بات بلا تحقیق اٹکل پچو کی
کہی گئی ہوتی تو کیا ابن حارث حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کی اس قدر پُر زور
شہادت دے سکتے تھے۔ یا مشرکین مکہ منصب نبوت پر طعن کرنے سے باز رہتے؟
یہ تو دعویٰ نبوت سے پہلے کی بات تھی۔ اب کیا عقل یہ باور کر سکتی ہے کہ جس
ذات گرامی (صلی اللہ علیہ وسلم) نے نبوت سے پہلے تو اس قسم کی باتیں ہرگز نہیں
کیں وہی اب نبوت ملنے کے بعد جبکہ آپؐ پر وحی آنے لگی اپنے قیاس و خیال
سے ایسے ایسے ارشادات فرمانے اور ایسی ایسی خبریں دینے لگے جن کے
غلط نکل جانے کا امکان ہو جن کی نقل و روایت اسلام کی صحیح نمائندگی نہ ہو

اور زمانۂ وحی میں اپنے قیاس وخیال سے کلام فرماکر (نعوذ باللہ) وحی الٰہی کو بھی مشکوک ٹھہرادیں کہ مقصدِ نبوت ہی فوت ہوجائے۔ پھر بھی کہا جاتا ہے کہ اس سے حرف نہیں آتا؟ لیجئے اب ہم مولانا ہی کی تحریر سے آپ کو بتانا چاہتے ہیں کہ حرف آتا ہے۔ اور شدید حرف آتا ہے۔

۷ــــ براہِ کرم مولانا کا بیان بعنوان "کیا حضور صلی اللہ علیہ وسلم اپنے خیالات کی پیروی کے لئے آزاد تھے"؟ ایک بار پھر دیکھ جائیے اس میں فرماتے ہیں کہ۔

"...... دنیا اس کے اقوال وافعال کے لئے اس حکومت کو ذمہ دار ٹھہراتی ہے جس کی وہ نمائندگی کررہا ہے۔۔۔ حد یہ ہے کہ اس کی پرائیوٹ زندگی تک کہ برائی اور بھلائی اس حکومت کی نام وری پر اثر انداز ہوتی ہے جس کا وہ نمائندہ ہے۔ ....

.... (منصب رسالت نمبر ص۳۱، ص۳۱۱ کتاب ہذا)

اب مولانا ہی فرمائیں کہ اثرانداز ہونے کا کیا مطلب ہے؟ آیا حرف آتا ہے یا حرف نہیں آتا؟ وہ بھی پرائیوٹ زندگی کی باتیں، جن کا تعلق وحی سے نہیں قیاس وگمان ہی سے ہوگا۔

۸ ــــ مولانا ایک جگہ اور فرماتے ہیں کہ:۔

"رسول پاک (صلی اللہ علیہ وسلم) چونکہ خدا کے اپنے اعلان کی رو سے دنیا کے سامنے مرضیاتِ الٰہی کی نمائندگی کرتے تھے اور خدا نے خود اہلِ ایمان کو حکم دیا تھا کہ تم ان کی اطاعت اور ان کا اتباع کرو جو کچھ یہ حلال کہیں اسے حلال مانو اور جو کچھ یہ حرام قرار دے دیں اسے حرام مان لو اس لئے ان کے قول وعمل میں یہ چھوٹی لغزشیں بھی بہت بڑی تھیں، کیونکہ

وہ ایک معمولی بشر کی لغزشیں نہ تھیں بلکہ اس شارعِ مجاز کی لغزشیں
تھیں جس کی ایک ایک حرکت اور سکون سے قانون بن رہا تھا۔۔۔"
(منصبِ رسالت ص۸۸)

اب مولانا ہی تبلائیں کہ یہ چھوٹی لغزشوں کا بھی بڑی بن جانا حرف آنا نہیں تو اور ہے کیا ؟ جہاں ایک ایک حرکت اور ایک ایک سکون سے قانون بن رہا ہو۔ جہاں قول و فعل کیا بلکہ سکوت بھی سند و حجت قرار دیا جا رہا ہو وہاں کوئی غلط ارشاد حرف لائے گا یا نہیں ؟۔
فَتَدَبَّرُوا یَا اُولِی الْاَبْصَارِ۔

حضرت مولانا قمر الدین صاحب استاذ حدیث دارالعلوم دیوبند کو صدمۂ عظیم

دارالعلوم دیوبند کے درجۂ علیا کے استاذ حضرت مولانا قمر الدین صاحب کی والدہ ماجدہ ۴ر شعبان ۱۴۰۶ھ کو واصل بحق ہو گئیں۔

مرحومہ پابند صوم و صلوٰۃ اور شب زندہ دار خاتون تھیں۔ اعزہ و اقربا کی خبر گیری اور پڑوسیوں کے ساتھ حسن سلوک کا پورا پورا خیال رکھتی تھیں۔ پیرانہ سالی ضعف پیری کے باوجود امور خانہ داری میں بڑی مستعد تھیں۔ مرحومہ نے اپنے پیچھے بیٹوں پوتوں اور نواسوں وغیرہ سے بھرا ہوا کنبہ چھوڑا ہے۔ دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ مرحومہ کو کروٹ کروٹ جنت نصیب فرمائے اور پسماندگان کو صبر جمیل اور عطائے اجر جزیل سے ہمکنار کرے۔

قارئین ماہنامہ دارالعلوم بالخصوص مولانا کے تلامذہ سے اپیل ہے کہ وہ مرحومہ کے لئے دعائے مغفرت اور مولانا موصوف اور دیگر متعلقین کے لئے صبر و اجر کے لئے خصوصی دعا فرمائیں۔

● عقیدۂ ختم نبوت کی اہمیت کو سمجھیں ● خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم کے مقام و مرتبہ سے واقف ہوں ● اسلام کی ہمہ گیری کے راز سے آشنا ہوں ● مسیلمۂ پنجاب غلام احمد قادیانی کے باطل عقائد اور اسلام دشمن نظریات سے باخبر ہوں ● اس متنبئ کاذب پر آسمانِ فرنگ سے اترنے والی وحیوں سے مطلع ہوں ● اسلام کے متوازی مذہب قادیانیت کے باطل مزعومات سے عقل و نقل کی روشنی میں پوری طرح آگاہ ہوں تو "دارالعلوم دیوبند" کے ترجمان ماہنامہ **دارالعلوم کی خصوصی اشاعت "تحفظِ ختمِ نبوت" کا ضرور مطالعہ کریں** جو عنقریب منظرِ عام پر آرہا ہے۔ اور اپنے احباب اور قرب و جوار کے اداروں کو بھی ترغیب دیں کہ ابطال قادیانیت کے سلسلہ میں اس اہم ترین علمی و تحقیقی دستاویز سے ضرور استفادہ کریں۔

نوٹ

ماہنامہ دارالعلوم کا اگلا شمارہ "تحفظ ختم نبوت" نمبر ہوگا۔ جو شوال و ذی قعدہ دو مہینوں کا مشترکہ شمارہ ہوگا۔ اس لئے قارئین شوال کے پرچے کا انتظار نہ فرمائیں۔

انشاء اللہ یہ نمبر دو سو صفحات پر مشتمل ہوگا۔ اور ذی قعدہ کے آخری ہفتہ میں قارئین کی خدمت میں پہنچ جائے گا۔

(ایڈیٹر)

Regd. No. SHN.L-13-NP-21-87

DARUL ULOOM MONTHLY

Deoband (U.P.)

فہرست مطبوعات مکتبہ دارالعلوم دیوبند

کتاب	قیمت	کتاب	قیمت	کتاب	قیمت
فتاوی دارالعلوم دیوبند مکمل بارہ جلدوں میں	۴۱۱/-	قرآنی پیشین گوئی	۴/-	جماعت اسلامی کا دینی رخ مکمل در چہار حصص	۲۶/-
		انتصار الاسلام	۱۲/۵۰		
مقامات حریری	۲۵/-	قبلہ نما	۲۵/-	مودودی دستور و عقائد کی حقیقت	۶/-
دیوان المتنبی	۱۵/-	براہین قاسمیہ	۱۴/-		
حسامی	۳۰/-	حکمت قاسمیہ مجلد	۵/-	ایمان و عمل	۷/-
ملا حسن	۱۵/-	قرآن محکم	۶/-	غلط فہمیوں کا ازالہ	۵/-
عقیدۃ الطحاوی	۱۵/-	حجۃ الاسلام	۱۵/-	دو ضروری مسئلے	۱/۵۰
مشکوٰۃ الآثار	۱۲/-	مدارج سلوک	۲۲/-	مشاہیر علماء دیوبند	۱۰/-
الفیۃ الحدیث	۱۰/-	جائزہ تراجم قرآنی	۱۲/-	علماء دیوبند اور علم حدیث	۱۴/-
العقیدہ	۵/-	دینی دعوت کا قرآنی اصول	۱۲/-	دارالعلوم کی تاریخ سیاست	۱۳/-
نفحۃ الادب	۹/-	اسرائیل	۴/۵۰	نکاح و طلاق	۱۰/-
مقدمہ ابن الصلاح	۱۵/-	حقیقت معراج	۳/-	ذر منثور اول	۲/-
المنار الانوار	۱/-	دارالعلوم کا ایک فتوی اور اس کی حقیقت	۴/-	ذر منثور دوم	۱/۵۰
الاشباہ والنظائر	۴۲/-			اسلام اور قادیانیت کا تقابلی مطالعہ	۲۵/-
تفسیر مدارک التنزیل	۱۱/-	ناقابل فراموش واقعات	۳۲/-	نزول عیسیٰ اور ظہور مہدی	۸/-
تفسیر معوذتین	۵/-	تفہیم القرآن کا تحقیقی تنقیدی جائزہ	۱۶/-	تحقیق الکفر والایمان	۷/-
ماثورہ دعائیں دو رنگ میں	۲/-	اجتماع گنگوہ	۱/۵۰	اسلام اور مرزائیت کا اصولی اختلاف	۱/۵۰
مثنوی فروغ	۵/-	اسلامی عقائد و سائنس	۴/-	دعاوی مرزا	۴/-
ملفوظات مکمل در دو جلد	۴۹/-	مودودی مذہب	۵/-	حمد موت	۵/-
تاریخ دارالعلوم مکمل اردو دو جلد	۱۰۰/-	نظریۂ دو قرآن پر ایک نظر	-.-	مسیح موعود کی پہچان	۲/۵۰
تاریخ دارالعلوم مکمل انگریزی	۳۱۰/-	مکتوب ہدایت	-.-	قادیانیت پر غور کرنے کا سیدھا راستہ	۳/-
مصابیح التراویح	۱۰/-	مکتوبات ثلثہ	۶/-	تناقضات مرزا	۲/-
سوانح قاسمی مکمل در سہ جلد	۱۱۲/-	اصفیاء المحبہ	۳/-	فلسفہ ختم نبوت	۳/-

دارالعلوم پرنٹنگ پریس مدنی گیٹ دیوبند

ختم نبوت نمبر
دار العلوم

ترجمان دار العلوم دیوبند کا ترجمان

ختم نبوت نمبر

ماہنامہ دار العلوم

شمارہ نمبر بابتہ ماہ جون جولائی اگست سنہ ۱۹۸۶ء جلد نمبر ۷۰

نگرانی

حضرت مولانا مرغوب الرحمن صاحب مہتمم دار العلوم دیوبند

مدیر

مولانا حبیب الرحمن القاسمی

فی پرچہ ۴/-

سالانہ ۴۸/- روپے

سالانہ زر تعاون بیرون ممالک سے

سعودی عرب، افریقہ، برطانیہ، امریکہ، کناڈا وغیرہ

سالانہ ۱۰۰/ روپے، پاکستان ۷۰/ روپے، بنگلہ دیش ۵۰/ [illegible]

[illegible]

فہرست مضامین

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

عرضِ حال

از — حبیب الرحمٰن قاسمی

دارالعلوم دیوبند نے ۲۹، ۳۰، ۳۱ ؍اکتوبر ۱۹۸۶ء کو تحفظ ختم نبوت کے عنوان سے ایک عالمی کانفرنس کی تھی جس میں ہندوستان کے علاوہ سعودیہ عربیہ عرب امارات، پاکستان، بنگلہ دیش وغیرہ ممالک اسلامیہ کے ارباب دعوت و اصحاب قلم نے شرکت کی تھی۔ کانفرنس کا آغاز ہندوستان کے مشہور داعی حضرت مولانا ابوالحسن علی ندوی کی افتتاحی تقریر سے ...... اور اختتام رابطۂ عالم اسلامی کے سکریٹری محترم ڈاکٹر عبداللہ نصیف کی تقریر پر ہوا تھا۔ کانفرنس کی مکمل رپورٹ اور کانفرنس میں منظور تجویزیں دارالعلوم مجریہ ماہ نومبر ۱۹۸۶ء میں تفصیل سے آچکی ہے۔

اس موقع پر تقریروں کے علاوہ بہت سے صاحب نظر علماء نے مقالات بھی پیش کئے تھے۔ زیر نظر نمبر انھیں مقالات پر مشتمل ہے۔ مقالات کی ترتیب مضامین کے اعتبار سے کی گئی ہے۔ مقالہ نگاروں کی اہمیت و شہرت کا چنداں لحاظ نہیں کیا گیا ہے نیز بعض مقالات میں حک و حذف سے بھی ضرورتاً کام لیا گیا ہے۔ اس طرح کے مجموعہ میں یہ عمل ناگزیر ہوتا ہے۔ امید ہے کہ مرتب کو اس سلسلے میں معذور سمجھا جائے گا۔ خیال یہ تھا کہ یہ خصوصی شمارہ زیادہ سے زیادہ دو سو صفحات پر شائع کیا جائے۔ لیکن مقالات کی کثرت نے ایسا نہ کرنے دیا۔ پھر بھی بعض مقالات شاملِ اشاعت نہ کئے جا سکے جس کا

وجہ مقالہ کی غیر ضروری طوالت یا اسی موضوع پر اس سے بہتر مضمون کی اشاعت ہے۔ اس کانفرنس میں ایک نشست طلبۂ دارالعلوم کے لئے مخصوص کی گئی تھی جس میں طلبۂ عزیز نے تقریریں اور اپنے مقالات پڑھے تھے افسوس کہ یہ مقالات مرتب کو حاصل نہ ہوسکے۔ ورنہ ان کی نمائندگی بھی ہو جاتی اگر یہ مقالات بعد میں مل گئے تو آئندہ شماروں میں انتخاب کر کے شائع کردئے جائیں گے

یہ خصوصی نمبر اب سے بہت پہلے آجانا چاہئے تھا، کم از کم اعلان کے مطابق ۱۵ جولائی ۱۹۸۷ء تک شائع ہو جانا چاہئے تھا۔ اعلان کے مطابق ساری تیاریاں مکمل کرلی گئی تھیں مگر میرٹھ اور دہلی کے نہ ختم ہونے والے سنگین فساد نے سارے نظام کو درہم برہم کردیا رسل ورسائل کے ذرائع تقریباً منقطع ہوگئے اور انتہائی کوشش کے باوجود بھی کاغذ فراہم کرنے میں نہ صرف ہمارا دفتر بلکہ پریس کے مالک بھی ناکام رہے اس مجبوری سے یہ خاص نمبر جولائی کے بجائے اب اگست میں قارئین کی خدمت میں پیش کیا جارہا ہے۔ نیز صفحات کی زیادتی کی بناء پر دو ماہ کے بجائے یہ شمارہ تین مہینوں پر مشتمل ہے۔ انشاء اللہ محرم الحرام ۱۴۰۸ھ، ستمبر ۱۹۸۷ء سے ماہنامہ دارالعلوم حسب معمول ہر ماہ کی ۱۵ ر تاریخ کو شائع ہوتا رہے گا۔

وما توفیقی الا باللہ وھو حسبی ونعم الوکیل

و

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ۵

حرفِ آغاز

نبیٔ افرنگ کی داستانِ حیات

نام اور تاریخ پیدائش:- انگریزی نبی کا پہلا نام "رسوندی" تھا[1] پتہ نہیں رسوندی سے کب "غلام احمد" بن گئے۔ انھوں نے خود لکھا ہے کہ میری پیدائش موضع قادیان ضلع گورداسپور میں ۱۸۳۹ء یا ۱۸۴۰ء میں ہوئی۔ اور ایک دوسری تحریر میں جو اپنے والد کی وفات کے سلسلہ میں لکھی ہے کہتے ہیں کہ "جب میرے والد نے دنیا کو چھوڑا تو اس وقت میری عمر ۳۴ یا ۳۵ سال کی تھی[2] ان کے والد مرزا غلام مرتضیٰ کا انتقال ۱۸۷۶ء میں ہوا ہے[3] اس اعتبار سے سنِ پیدائش ۱۸۴۱-۴۲ء ہوتا ہے۔

مرزا قادیانی کا خاندان: مرزا قادیانی کس خاندان سے تعلق رکھتے تھے اس کا پتہ لگانا ان کی تحریروں سے نہایت دشوار ہے۔ کیونکہ وہ ۱۸۹۸ء تک اپنے آپ کو مرزا لکھتے رہے ہیں۔ چنانچہ کتاب البریہ جو ان کی ۱۸۹۸ء کی تصنیف ہے اس کے صفحہ ۱۳۴ پر اپنی قومیت برلاس (مغل) لکھی ہے۔ لیکن اسی کتاب کے صفحہ ۱۳۵ کے حاشیہ پر لکھتے ہیں "میرے الہامات کی رو سے ہمارے آباء اولین فارسی تھے پھر ۱۹۰۱ء میں اس نسبی تعلق سے دست بردار ہو کر اپنے رسالہ "ایک غلطی کا ازالہ" کے صفحہ ۱۶ پر رقمطراز ہیں کہ "میں اسرائیلی بھی ہوں اور فاطمی بھی" اس کے ایک سال بعد ایک

[1] تکذیب براہین احمدیہ ص ۱۳۷، [2] کتاب البریہ ص ۱۵۹ [3] مسیح موعود، مؤلفہ مرزا محمود احمد ص

پلٹا اور کھایا اور اپنی تصنیف تحفۂ گولڑویہ کے صفحہ ۴۰ پر یہ تحقیق سپرد قلم کی "میرے بزرگ چینی حدود سے پنجاب آتے تھے" ان انکشافات سے ان کی ذات چار قوموں کا معجون مرکب معلوم ہوتی ہے یعنی وہ بیک وقت مغل، یہودی، سید اور چینی سب تھے۔ " خامہ انگشت بدنداں ہے اسے کیا لکھئے۔

مرزا کے والد غلام مرتضیٰ بیگ کی عملی حالت آنجہانی انگریزی نبی کے منجھلے لڑکے میاں بشیر احمد ایم، اے لکھتے ہیں کہ

ہمارے دادا مرزا غلام مرتضیٰ بے نمازی تھے یہاں تک کہ ۷۵ سال کی عمر میں پہنچ کر بھی نماز نہیں پڑھی[1]

مرزا کے ایام طفلی اللہ تعالیٰ کے منتخب اور برگزیدہ بندوں کے بچپن کے برعکس مرزا قادیانی کے ایام طفلی دیگر بازاری بچوں ہی کی طرح نظر آتے ہیں۔ چنانچہ ان کی سوانح حیات سیرت المہدی میں درج ہے کہ ایک مرتبہ مرزا کے ہم عمر لڑکوں نے اُن سے کہا گھر سے شکر لاؤ۔ گھر گئے تو وہاں پسا ہوا نمک رکھا تھا۔ اُسے شکر سمجھ کر چپکے سے جیب میں بھر لیا اور لڑکوں کے سامنے پہنچ کر پھانکنا شروع کر دیا[2] انگریزی نبی صاحب کو بچپن میں چڑیوں کے پکڑنے کی بھی عادت تھی[3]

تعلیمی لیاقت حضرات انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کے علوم و معارف تمام تر موہبت ربانی پر موقوف ہوتے ہیں اپنے جیسے انسان سے تعلیم و تعلم اور اخذ فیض سے ان کی زندگی بالکل پاک ہوتی ہے۔ اس لئے انگریزی نبی کو بھی یہ فکر ہوئی کہ وہ اپنے آپ کو امی ثابت کریں۔ لیکن ان کا اسکولوں میں

---

[1] سیرت احمدی ج ۱ ص ۲۱۲، [2] سیرت المہدی ج ۱ ص ۲۴۶، [3] ایضاً ج ۱ ص ۲۴۴

پڑھا ایک ایسی حقیقت ہے جس کو خود مرزا جی بھی اپنے دجل وفریب سے چھپا نہ سکے۔ حضرات انبیاء ورسل کی اس صفت خاص میں ہمسری وبرابری کی ناکام کوشش کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ "امام الزماں کے لئے لازم ہے کہ وہ دینی امور میں کسی کا شاگرد نہ ہو بلکہ اس کا استاد خدا ہو"[1]

ایک دوسری جگہ تحریر کرتے ہیں" آنے والے کا نام جو مہدی رکھا گیا سو اس میں اشارہ ہے کہ وہ آنے والا علم دین خدا ہی سے حاصل کرے گا۔ اور قرآن و حدیث میں کسی کا شاگرد نہیں ہوگا۔ سو میں حلفاً کہہ سکتا ہوں کہ میرا حال یہی ہے کوئی ثابت نہیں کرسکتا کہ میں نے کسی انسان سے قرآن وحدیث یا تفسیر کا ایک سبق بھی پڑھا ہے"[2]

نبی بننے کی خواہش میں ان جھوٹے دعوؤں کے بعد "دروغ گو را حافظہ نباشد" کی بہترین مثال ملاحظہ کیجئے کہ بقلم خود آنجہانی مرزا کیا لکھ رہے ہیں۔

"بچپن کے زمانہ میں میری تعلیم اس طرح ہوئی کہ جب میں سات سال کا تھا تو ایک فارسی خواں معلم میرے لئے نوکر رکھا گیا۔ جنھوں نے قرآن شریف اور چند فارسی کی کتابیں مجھے پڑھائیں۔ اس بزرگ کا نام فضل الٰہی تھا اور جب میری عمر تقریباً دس سال کے ہوئی تو ایک عربی خواں مولوی صاحب میری تربیت کے لئے مقرر کئے گئے جن کا نام فضل احمد تھا۔۔۔۔۔۔ میں نے صرف کی بعض کتابیں اور کچھ قواعد نحو ان سے پڑھے اس کے بعد جب میں سترہ یا اٹھارہ سال کا ہوا تو ایک اور مولوی صاحب سے چند سال پڑھنے کا اتفاق ہوا ان کا نام گل علی شاہ تھا۔ ان کو میرے

---

[1] اربعین ص ۱۱، [2] ایام الصلح۔ ص ۱۴۷

والد صاحب نے نوکر رکھ کر قادیان میں پڑھانے کے لئے مقرر کیا تھا۔ (ان) مولوی صاحب سے میں نے نحو، منطق اور حکمت وغیرہ علوم مروجہ کو حاصل کیا[1]

مرزا کے پہلے استاذ فضل الٰہی قادیان کے باشندے اور حنفی تھے دوسرے فضل احمد فیروز والہ کے رہنے والے اہل حدیث تھے اور تیسرے استاذ گل علی شاہ متوطن بٹالہ شیعہ تھے[2] قیاس کن زگلستان من بہار مرا۔

مرزا نے اپنے تیسرے استاذ گل علی شاہ کے بارے میں یہ جھوٹ لکھا ہے کہ میرے والد نے ان کو نوکر رکھا تھا۔ بلکہ واقعہ یہ ہے کہ مرزا کے والد غلام مرتضیٰ ان کے دسترخوان کے ریزہ چین تھے۔ تفصیل کے لئے مرآۃ القادیانیہ، مؤلفہ مرزا احمد علی امرتسری ص ۲۹ ف ۳ ملاحظہ کیجئے۔

مرزا کے اس بیان سے جہاں ان کا پہلا دعویٰ کہ " میں نے کسی انسان سے قرآن وغیرہ کا ایک سبق نہیں پڑھا ہے " غلط ہو جاتا ہے۔ وہیں اس سے یہ بھی معلوم ہو گیا کہ مرزا کی تعلیم ناقص اور ادھوری تھی اور وہ " نیم ملا خطرۂ ایمان " کے سچے مصداق تھے۔

انگریزی زبان میں معمولی واقفیت

انگریزی نبی کو بقول خود انگلش میں بھی الہام ہوا کرتے تھے اور نہایت فخر سے کہا کرتے تھے کہ " انگریزی نہیں جانتا، اس کوچہ سے بالکل ناواقف ہوں، ایک فقرہ تک مجھے معلوم نہیں۔ مگر خرق عادت کے طور پر اس زبان میں بھی مجھے الہام ہوتے ہیں[3]

لیکن آنجہانی کا یہ دعویٰ بھی دروغ مصلحت آمیز پر مبنی تھا کیونکہ انھوں نے سیالکوٹ میں دوران ملازمت انگریزی کی دو ایک کتابیں سبقاً سبقاً پڑھی تھیں۔

---

[1] کتاب البریہ ص ۱۴۸، ۱۵۰، [2] سیرت المہدی ج ۱ ص ۲۴۳ [3] ایضاً ج ۱ ص ۱۳۲،
[3] نزول المسیح ص ۱۴۔

ی

اور اسی کے نتیجہ میں انگریزی کے ٹوٹے پھوٹے جملے بول اور لکھ لیا کرتے تھے۔ میاں بشیر احمد لکھتے ہیں۔ "مولوی الٰہی بخش ڈسٹرکٹ انسپکٹر نے منشیوں کے لئے ایک انگریزی کا مدرسہ قائم کیا تھا" ڈاکٹر امیر شاہ پنشنر معلم تھے۔ حضرت مسیح موعود نے بھی انگریزی کی دو ایک کتابیں پڑھیں[1]

کچہری کی منشی گیری کچہری سیالکوٹ کی ملازمت بھی انگریزی نبی کی تاریخ کا ایک اہم باب ہے۔ مرزا کی تحریروں سے ثابت ہوتا ہے کہ انگریزی حکومت نے مرزا غلام مرتضیٰ کیلئے تاحین حیات سات سو روپے سالانہ کی پنشن مقرر کر دی تھی۔ اسی پر خاندان کے گذر بسر کا مدار تھا۔ ایام شباب میں ایک مرتبہ مرزا جی نے اس رقم کو وصول کر کے عیش کوشیوں اور جوانی کی رنگ رلیوں میں اڑا دی، بعد میں ہوا ہوس کا نشہ جب کچھ اُترا تو یہ شرمندگی دامن گیر ہوئی کہ کونسا منہ لیکر گھر جائیں اس لئے قادیان واپس آنے کے بجائے سیال کوٹ چلے گئے۔ اور وہیں اپنے مکتب کے ساتھی لالہ بھیم سین کی سعی و کوشش سے پندرہ روپئے ماہانہ پر کچہری میں منشی مقرر ہو گئے۔

عہدِ ملازمت مرزا زادے بشیر احمد لکھتے ہیں کہ "مرزا صاحب نے دورانِ ملازمت اپنا دامن رشوت ستانی سے ملوث ہونے نہیں دیا"، لیکن مرزا کے اکثر واقف کار اطلاع دیتے ہیں کہ انھوں نے بزمانۂ ملازمت دل کھول کر رشوتیں لیں۔ چنانچہ مرزا احمد علی شیعی اپنی کتاب دلیل العرفان میں لکھتے ہیں کہ منشی غلام احمد امرتسری نے اپنے رسالہ "نکاح آسمانی کے راز ہائے پنہانی" میں لکھا تھا کہ مرزا نے زمانۂ محرری میں خوب رشوتیں لیں۔ یہ رسالہ مرزا کی وفات سے آٹھ سال پہلے سن ۱۹۰۰ء میں شائع ہو گیا تھا مگر مرزا نے اس کی تردید نہیں کی۔

مقدمہ بازی کا مشغلہ آنجہانی مرزا نے منشی سے مختار بن جانے کی ہوس میں

---

[1] سیرت المہدی ج ۱ ص ۱۳۷

سیالکوٹ کے زمانہ قیام میں مختاری کا امتحان بھی دیا تھا استعداد کی کمی کی بنا پر اس امتحان میں ناکام رہے اور مختاری کے منصب پر فائز ہونے کا خواب شرمندۂ تعبیر نہ ہوسکا۔ پھر بھی اتنا فائدہ تو ضرور ہوا کہ قانونِ مروجہ کی موشگافیوں سے کس حد تک واقف ہوگئے۔ چنانچہ مختاری کے امتحان میں ناکامی اور منشی گیری کی نوکری سے دل برداشتہ ہوکر جب قادیان واپس لوٹے تو اُن کے والد نے خاندانی مقدمات کی پیروی کی خدمت اُن کے سپرد کردی۔ مرزا جی خود بتاتے ہیں کہ "میرے والد صاحب اپنے بعض آباء واجداد کے دیہات دوبارہ حاصل کرنے کے لئے انگریزی عدالتوں میں مقدمات کررہے تھے۔ انھوں نے انہی مقدمات میں مجھے لگادیا اور ایک زمانہ دراز تک میں ان کاموں میں مشغول رہا"[1]

مقدمہ بازی میں مرزا جی کو اس قدر شغف تھا کہ خواب بھی دیکھتے تو اسی کا جیسا کہ وہ خود لکھتے ہیں "ہمارا ایک مقدمہ موروثی اسامیوں پر تھا۔ مجھے خواب میں دکھلایا گیا کہ اس مقدمہ میں ڈگری ہوگئی"[2]۔ اسی طرح کے ایک خواب کا تذکرہ "تریاق القلوب" کے صفحہ ۳۶ پر بھی کیا ہے۔

اپنے شرکاء کی آراضی پر غاصبانہ قبضہ آنجہانی مرزا کے تحریری بیانات سے معلوم ہوتا ہے کہ اُن کے والد غلام مرتضیٰ اور ان کے بھتیجوں و دیگر اقرباء کی کچھ زمین سکھوں نے اپنے عہد حکومت میں ضبط کرلی تھی۔ جسے انگریزی عہد سلطنت میں بذریعہ عدالت انھوں نے دوبارہ واگذار کرایا۔ بعد میں اس زمین پر آنجہانی مرزا اور ان کے بھائی غلام قادر بلا شرکت غیرے قابض و متصرف ہوگئے۔ اور دیگر حقدار رشتہ داروں کو اس میں سے کچھ نہیں دیا۔ بالآخر ان حقداروں نے مرزا اعظم بیگ لاہوری پنشنر اکسٹرا کمشنر کے تعاون سے عدالت میں مقدمہ دائر کردیا اور مرزا جی کے علی الرغم بذریعہ عدالت

---

[1] کتاب البریہ ص ۱۵۱، [2] حقیقۃ المہدی ص ۲۶۰، ۲۶۲

اپنا حصہ حاصل کر لیا۔ غم نصیب حقداروں کی اس اعانت پر مرزا اعظم بیگ کی شکایت کرتے ہوئے آنجہانی لکھتے ہیں " میرے والد کے انتقال کے بعد مرزا اعظم بیگ لاہوری نے شرکائے ملکیت قادیان کی طرف سے مجھ پر اور میرے بھائی مرحوم مرزا غلام قادر پر مقدمہ دخل ملکیت کا عدالت ضلع میں دائر کر دیا اور میں بظاہر جانتا تھا کہ ان شرکار کو ملکیت سے کچھ غرض نہیں کیونکہ وہ ایک گم گشتہ چیز تھی جو سکھوں کے وقت میں نابود ہو چکی تھی۔ اور میرے والد نے تن تنہا مقدمات دائر کر کے اس ملکیت اور دوسرے دیہات کی بازیافت کے لئے آٹھ ہزار روپیہ کے قریب خرچ و خسارہ اٹھایا تھا وہ شرکار ایک پیسہ کے بھی شریک نہیں تھے[1]

تلاش شہرت اور مناظرانہ سرگرمیاں

آنجہانی مرزا جی اپنے خانگی حالات سے بہت دل برداشتہ تھے اور شب و روز اسی خیال میں غلطاں و پیچاں رہتے تھے کہ خاندانی زوال کا مداوا کس طرح کیا جائے مختاری کے ایوان میں باریابی کی توقع اٹھ چکی تھی، فوج یا پولیس کی ملازمت سے قلت تنخواہ کی بنا پر کوئی دلچسپی نہیں تھی۔ تجارتی کاروبار سے سرمایہ کی کمی اور ناتجربہ کاری کی وجہ سے قاصر تھے۔ اس لئے اب لے دے کر صرف یہی ایک صورت باقی رہ گئی تھی کہ خادم اسلام کی حیثیت سے زندگی کے میدان میں نمودار ہوں اور راس راہ سے شہرت و دولت حاصل کریں۔ چنانچہ اپنے مکتب کے ساتھی اور قدیم رفیق مولوی محمد حسین بٹالوی کے مشورہ سے قادیان کے بجائے لاہور کو اپنی سرگرمیوں کا مرکز بنایا اور آریوں و پادریوں سے مذہبی چھیڑ چھاڑ کا سلسلہ شروع کر دیا۔ مولانا محمد حسین بٹالوی، منشی الٰہی بخش اکاؤنٹنٹ، بابو عبدالحق اکاؤنٹنٹ، حافظ محمد یوسف ضلعدار وغیرہ اس کام میں ان کے معاون بنے۔ اور ہر مجلس محفل میں یہ حضرات مرزا جی کی قابلیت اور بزرگی کا چرچا کرتے جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ چند ماہ ہی کے

---

[1] مکتوبات احمدیہ ج ۴ ص ۳۲۔

اندر مرزا جی مناظرِ اسلام کی حیثیت سے مشہور ہو گئے چونکہ ابھی تک انھوں نے مہدویت مسیحیت وغیرہ کا دعویٰ نہیں کیا تھا۔ اس لئے ہر مسلمان ان کو عزت وعقیدت کی نگاہ سے دیکھنے لگا۔ اور علمائے دین بھی ان کے ساتھ تعاون واشتراک کو دینی خدمت سمجھتے رہے۔ شہرت کے اس مقام بلند پر پہنچنے کے بعد لاہور کے قیام کو غیر ضروری سمجھ کر مرزا جی وطن مالوف قادیان واپس آ گئے اور وہیں سے مناظرانہ اشتہار بازیوں کا سلسلہ جاری رکھا۔

مرزا جی ایک عارفِ کامل کے رُوپ میں

مذہبی مناظروں کی بدولت مرزا جی کو جو شہرت حاصل ہو گئی تھی وہ ہر قسم کے دامِ تزویر کے کامیاب بنانے کی ضامن تھی۔ چنانچہ اس شہرت سے نفع حاصل کرنے اور اس کے ذریعہ مستقبل کو سنوارنے کی غرض سے مرزا جی نے باخدا صوفی کا سوانگ رچایا اور دنیوی کاروبار سے بظاہر منقطع ہو کر خلوت نشین ہو گئے وظائف وعملیات کی کتابوں کا مطالعہ کر کے بغیر کسی مُرشد وشیخ کی رہنمائی کے عملیات و وظائف شروع کر دئے۔ علاوہ ازیں راتوں کو قادیان سے باہر جا کر خندق میں جا بیٹھتے۔ اور جادو کے عمل پڑھا کرتے۔ ساتھ ہی اس زمانہ میں خوابوں کے ذریعہ بھی مستقبل کے حالات معلوم کرنے کی ناکام کوشش کرتے۔ اور اس سلسلے میں شب وروز مطبوعہ تعبیر ناموں کی ورق گردانی میں مصروف رہتے۔ اس زمانہ میں ان کا معمول یہ بھی تھا کہ اپنے خواب دوسروں کو سنایا کرتے اور دوسروں کے خوابوں کی تعبیر خواب ناموں کی ورق گردانی کی مدد سے بتانے کی کوشش کیا کرتے تھے۔

مرزا زادے میاں بشیر احمد کا بیان ہے جب کوئی اہم معاملہ پیش ہوتا تو گھر کی عورتوں، بچوں اور خادماؤں تک سے پُوچھا کرتے تھے کہ تم نے کوئی خواب دیکھا ہے؟ اگر کسی نے دیکھا ہوتا تو اُسے بڑے غور سے سنتے تھے[1]

---

[1] سیرت المہدی ج ۲ ص ۶۲۔

نبیٔ افرنگ مراق کے شکار تھے

مراق یعنی مالیخولیا۔ دیوانگی کی ایک قسم ہے مرزا جی کے خلیفۂ اعظم حکیم نورالدین لکھتے ہیں۔ مالیخولیا جنون کا ایک شعبہ ہے اور مراق مالیخولیا کی ایک شاخ ہے[۱] طب کی مشہور کتاب شرح اسباب میں ہے "نوعٌ مِنَ المالیخولیا یُسمّٰی المراق"[۲] مالیخولیا کی ایک قسم مراق ہے۔ اس مرض کا مریض اگر کچھ پڑھا لکھا ہوتا ہے تو خدائی نبوت، غیب دانی وغیرہ کا دعویٰ کرنے لگتا ہے۔ "اگر مریض دانشمند بوده باشد دعوئے پیغمبری و کرامت کند و سخن از خدائی گوید و خلق را دعوت کند۔[۳] اگر مراق کا مریض ذی علم ہو تو پیغمبری اور کرامت کا دعویٰ کرتا ہے اور خدائی کی باتیں کرتا ہے اور لوگوں کو اپنی رسالت کی دعوت دیتا ہے۔ یہ ایسا مرض ہے جس سے حضرات انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسّلام کو قطعی طور پر محفوظ رکھا گیا ہے۔ لیکن نبیٔ افرنگ بقول خود دیگر بہت سے امراض کے ساتھ اس دماغی مرض کے بھی شکار تھے۔ چنانچہ لکھتے ہیں "دیکھو میری بیماری کی نسبت بھی آنحضرت صلعم نے پیشین گوئی کی تھی جو اس طرح وقوع میں آئی ہے۔ آپ نے فرمایا تھا کہ مسیح آسمان سے جب اترے گا تو دو زرد چادریں اس نے پہنی ہوں گی۔ سو اس طرح مجھ کو دو بیماریاں ہیں ایک اُوپر کے دھڑ کی اور ایک نیچے کے دھڑ کی یعنی مراق اور کثرت بول۔"[۴] اسی طرح ایک مرزائی لکھتا ہے کہ مراق کا مرض حضرت (مرزا) صاحب میں موروثی نہیں تھا۔ بلکہ یہ خارجی اثرات کے ماتحت پیدا ہوا۔[۵]

مرزا جی کی دوسری بیماریاں

مراق کے علاوہ اور مختلف امراض میں بھی آنجہانی مبتلا تھے۔ یہاں بعض امراض کا ذکر خود انہیں کے

---

[۱] بیاض نورالدین ج ۱ ص ۱۱، [۲] شرح اسباب ج ۱ ص ۷۴، [۳] اکسیر اعظم ج ۱ ص ۱۸۸، [۴] رسالہ تشحیذ الاذہان جون ۱۹۰۶ء ص ۵، [۵] ریویو آف ریلیجنز بابتہ اگست ۱۹۲۶ء ص ۱۰،

الفاظ میں کیا جا رہا ہے۔ لکھتے ہیں "میں دائم المرض ہوں۔ ہمیشہ درد سر، کمی خواب، تشنج، دل کی بیماری دورہ کے ساتھ آتی ہے"[1] اور لکھتے ہیں مرض ذیابیطس مدت سے دامنگیر ہے اور بسا اوقات سو سو دفعہ رات یا دن کو پیشاب آتا ہے اور اس قدر کثرت پیشاب سے جس قدر عوارض ضعف وغیرہ ہوتے ہیں وہ سب میرے شامل حال رہتے ہیں[2] ایک دوسرے موقعہ پر لکھتے ہیں "کوئی وقت دوران سر سے خالی نہیں گذرتا۔ مدت ہوئی نماز تکلیف سے بیٹھ کر پڑھی جاتی ہے بعض وقت درمیان میں توڑنی پڑتی ہے[3] مجھے اسہال کی بیماری ہے اور ہر روز کئی کئی دست آتے ہیں[4] ایک مرتبہ قولنج سے سخت بیمار ہوا اور سولہ دن تک پاخانہ کی راہ سے خون آتا رہا اور سخت درد تھا جو بیان سے باہر ہے[5] اپنے مرید خاص خلیفۂ اعظم حکیم نورالدین کو ایک خط میں لکھتے ہیں۔

"جب میں نے نئی شادی کی تھی تو مدت تک مجھے یقین رہا کہ میں نامرد ہوں"

ایک اور خط میں لکھا کہ "ایک مرض مجھے نہایت خوفناک تھی کہ صحبت کے وقت لیٹنے کی حالت میں نعوظ بکلی جاتا رہتا تھا[6] (نعوظ بالفتح برخاستن قضیب یعنی استادگئی ذکر) انگریزی نبی آنجہانی مرزا جی کا ان موذی اور رسوا کن امراض میں مبتلا ہونا حیرت انگیز نہیں ہے بلکہ اگر معاملہ اس کے برعکس ہوتا تو حیرت کی بات ضرور تھی۔

افیون اور شراب کا استعمال

مرزا جی کہا کرتے تھے کہ بعض اطباء کے نزدیک افیون نصف طب ہے چنانچہ انھوں نے ایک دوا تریاق الٰہی" کے نام سے تیار کی تھی جس کا بڑا جزو افیون تھا۔ اس دوا کو افیون کے مزید اضافہ کے ساتھ اپنے خلیفۂ اول کو چھ ماہ سے زائد مدت تک کھلاتے رہے

---

[1] ضمیمہ اربعین نمبر ۳، ۴ ص ۴ [2] ایضاً [3] مکتوبات احمدیہ ج ۵ ص ۸۸، [4] کتاب منظور الٰہی ص ۳۴۹- [5] حقیقۃ الوحی ص ۲۳۴، [6] مکتوبات احمدیہ ج ۵ ص ۸۸

اور خود بھی وقتاً فوقتاً استعمال کرتے تھے [1]

ٹانک ڈائن کا استعمال

مرزا جی اپنے چہیتے مرید حکیم محمد حسین کو ایک خط میں لکھتے ہیں۔

مجبی اخویم محمد حسین سلمہ اللہ تعالیٰ۔ السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ۔ اس وقت میاں یار محمد بھیجا جاتا ہے۔ آپ اشیاء خریدنی خود خریدیں اور ایک بوتل ٹانک ڈائن کی پلومر کی دکان سے خریدیں۔ مگر ٹانک ڈائن چاہیئے اس کا لحاظ رہے باقی خیریت ہے۔ والسلام، [2]

"سودائے مرزا کے حاشیہ پر حکیم محمد علی پرنسپل طبیہ کالج امرتسر لکھتے ہیں "ٹانک ڈائن کی حقیقت لاہور میں پلومر کی دکان سے ڈاکٹر عزیز احمد صاحب کی معرفت معلوم کی گئی ڈاکٹر صاحب جواباً تحریر فرماتے ہیں "حسب ارشاد پلومر کی دوکان سے دریافت کیا گیا۔ جواب حسب ذیل ملا۔

"ٹانک ڈائن ایک قسم کی طاقت ور اور نشہ دینے والی شراب ہے جو ولایت سے بند بوتلوں میں آتی ہے۔ اس کی قیمت ساڑھے پانچ روپئے ہے (۲۱ دسمبر ۱۹۳۳ء [3]

مرزا جی بحیثیت صاحب کشف

مرض مراق کے دماغ پر مسلط ہو جانے کے بعد مرزا جی کے دل و دماغ کے سوتے سے الہامات کا سیل رواں پھوٹ پڑا اور اعلانات و اشتہارات کے ذریعہ اس کا خوب ڈھنڈھورا پیٹا گیا۔ جس کا اثر یہ نکلا کہ دُور دُور سے لوگ قادیان آنے لگے۔ مرزا جی تقدس کا رُوپ دھارے اپنے بیت الفکر نامی کمرے میں لیٹے رہتے اور الہامات کی بارش ہوتی رہتی تھی۔ اور جب الہام کی غنودگی دور ہوتی تو فوراً اُسے نوٹ بک میں درج

---

[1] اخبار الفضل قادیان ۱۹ر جولائی ۱۹۲۹ء بحوالہ قادیانی مذہب ص ۵۹ مطبوعہ بار سوم۔ [2] خطوط امام بنام غلام ص ۵ بحوالہ سابق ص ۶۰۔ [3] سودائے مرزا ص ۳۹ حاشیہ،

کر لیا جاتا تھا[1]

ایک ہندو لڑکا بحیثیت کاتب وحی

چونکہ ساون کی جھڑی کی طرح الہامات کا ایک غیر منقطع سلسلہ جاری تھا اس لئے ضرورت تھی کہ انھیں ضبط تحریر میں لانے کیلئے ایک مستقل کاتب رکھا جائے۔ چنانچہ اس مقدس کام کی انجام دہی کے لئے ایک ہندو لڑکے کا انتخاب عمل میں آیا۔ خود مرزا جی لکھتے ہیں "ان دونوں ایک پنڈت کا بیٹا شام لال نامی جو ناگری اور فارسی دونوں میں لکھ سکتا تھا۔ بطور روزنامہ نویس نوکر رکھا گیا۔ اور بعض امور غیبیہ جو ظاہر ہوتے تھے اس کے ہاتھ سے ناگری اور فارسی خط میں قبل از وقوع لکھائے جاتے تھے اور پھر شام لال مذکور کے اس پر دستخط کرائے جاتے تھے[2] یہ ہندو لڑکا جب اوّل اوّل نوکر رکھا گیا تھا تو اس کی عمر کل بارہ سال کی تھی اور مرزا جی کے چچا زاد بھائی مرزا امام الدین کے بقول اس درجہ بے سمجھ اور سادہ لوح تھا کہ سو تک بمشکل شمار کر سکتا تھا[3] "جیسی وحی ویسا کاتب حق بحق دار رسید"۔

زر اندوزی کی ایک اور تجویز

مرزا جی نے معاشی زبوں کو دور کرنے کی غرض سے مذہبی مناظرہ اور بزرگی کا جو سوانگ رچایا تھا اس میں انھیں بڑی حد تک کامیابی مل گئی تھی۔ اور دجل و فریب کے یہ تیر شہرت و قبولیت کے نشانہ پر ٹھیک بیٹھ گئے تھے۔ جس کی وجہ سے عوام و خواص کا ایک اچھا خاصا طبقہ ان کی جانب متوجہ ہو گیا۔ اس لئے انھوں نے روپیہ بٹورنے کی ایک اور تجویز سوچی اور "براہین احمدیہ" کے نام سے پانچ جلدوں پر مشتمل ایک ضخیم کتاب کی طباعت کا اعلان کیا اور لوگوں سے پیشگی قیمت اور امداد و اعانت حاصل کرنے کی غرض سے اشتہارات کا ایک نہ ختم ہونے والا سلسلہ شروع کر دیا۔ اس سلسلے کا پہلا اشتہار اپریل ۱۸۷۹ء

---

[1] سیرت المہدی ج ۱ ص ۱۵، [2] البشریٰ ج ۱ ص ۱۰، [3] تکذیب براہین ص ۴۲۸

میں بعنوان "اشتہار بغرض استعانت از انصار دین محمد مختار صلی اللہ علیہ وآلہ الابرار تھا" اس میں دیگر باتوں کے علاوہ یہ بھی تحریر کیا تھا کہ " ایسی بڑی کتاب کا چھپ کر شائع ہونا بجز معاونت مسلمان بھائیوں کے بڑا مشکل امر ہے اور ایسے اہم کام میں اعانت کرنے میں جس قدر ثواب ہے وہ ادنیٰ اہل اسلام پر بھی مخفی نہیں لہذا اخوان مؤمنین سے درخواست ہے کہ اس کے مصارف طبع میں معاونت کریں ۔ اغنیاء لوگ اگر اپنے مطبخ کے ایک دن کا خرچ بھی عنایت فرمائیں گے ۔ تو یہ کتاب بسہولت چھپ جائے گی ۔ ورنہ یہ مہر درخشاں چھپا رہے گا ، یا یوں کریں کہ ہر ایک اہل وسعت بہ نیت خریداری کتاب پانچ پانچ روپے مع اپنی درخواستوں کے راقم کے پاس بھیج دیں جیسی جیسی کتاب چھپتی جائے گی ۔ ان کی خدمت میں ارسال ہوتی رہے گی [1] کچھ دنوں کے بعد ایک اور اشتہار بعنوان " اشتہار کتاب براہین احمدیہ بجہت اطلاع جمیع عاشقانِ صدق و انتظام سرمایہ طبع کتاب " شائع کیا اسکا مضمون بھی پہلے اشتہار کے قریب قریب تھا ان اشتہارات کے ملک میں پھیلتے ہی حسب توقع روپیوں کی بارش شروع ہوگئی لیکن اس بارشِ زر نے استسقیٰ کے مریض کی طرح ان کی طلب مال کی تشنگی کو مزید بڑھایا اس لئے مرزا جی نے ۳ دسمبر ۱۸۷۹ء کو ... اس کی قیمت میں پانچ روپے کا اور اضافہ کرکے دس ۱۰ روپے کردی اور اسی کے ساتھ اس وعدہ کا بھی اعلان کیا کہ جنوری ۱۸۸۰ء میں کتاب طبع ہوکر شائع ہوجائے گی [2] ۔ چونکہ مرزا جی کے بے پناہ پروپیگنڈے نے لوگوں کو کتاب کو رکا مشتاق بنادیا تھا ۔ اس لئے بڑی کثیر تعداد میں کتاب کے آرڈر آئے اس مقبولیت کو دیکھکر ۲ حصوں کے طبع ہوجانے کے بعد اس کی قیمت میں مزید اضافہ کردیا اور فارغ البال لوگوں سے دس روپے کے بجائے پچیس ۲۵ روپے سے لیکر سو روپے تک وصول کرنے لگے ۔ [3]

---

[1] تبلیغ رسالہ ج ۱ ص ۷ ، [2] تبلیغ رسالت ج ۱ ص ۹ ، [3] ایضاً ص ۲۳

بدمعاملگی اور سخن تراشی

آنجہانی نے ابتداء میں پانچ حصّوں پر مشتمل کتاب شائع کرنے کا اعلان کیا تھا اور پانچوں حصّوں کی پیشگی قیمت لوگوں سے وصول کر لی تھی لیکن چار حصّے شائع کرنے کے بعد اس سلسلہ کو بند کر دیا جس کی بناء پر خریداروں کو شکایت ہوئی۔ اب اس بدمعاملگی پر پردہ ڈالنے کی غرض سے سخن تراشی اور الہام بازی شروع کر دی چنانچہ براہین احمدیہ جلد چہارم کے آخری صفحہ پر "ہم اور ہماری کتاب" کے عنوان سے لکھتے ہیں "ابتداء میں جب یہ کتاب تالیف کی گئی تھی اس وقت اس کی کوئی اور صورت تھی۔ اب اس کتاب کا متولی اور مہتمم ظاہرًا اور باطنًا حضرت رب العلمین ہے اور کچھ معلوم نہیں کہ کس اندازہ اور مقدار تک اس کو پہنچانے کا ارادہ ہے اور سچ تو یہ ہے کہ جس قدر جلد چہارم تک انوار حقیقت اسلام کے ظاہر کئے ہیں یہ بھی اتمام حجت کے لئے کافی ہیں الخ۔[1]

اس تولیت واہتمام خداوندی کے ڈھونگ کا واحد مطلب یہ تھا کہ اب میں باقی ماندہ کتاب کی طبع واشاعت کا ذمہ نہیں لے سکتا اب یہ کام خدا ہی کے سپرد ہے وہ چاہے تو طبع کرائے یا نہ طبع کرائے میری کوئی ذمہ داری نہیں۔

الٹا چور کوتوال کو ڈانٹے

مرزا صاحب لوگوں کی پیشگی رقمیں شیر مادر کی طرح ہضم کر گئے تو اس کا لازمی نتیجہ یہ نکلا کہ لوگوں کو شکایتیں ہوئیں اور مرزا جی کی بدمعاملگی کا چرچا بر سر عام ہونے لگا تو انہیں فکر لاحق ہوئی کہ شکوہ وشکایتوں کا یہ سلسلہ یونہی جاری رہا تو ایک عرصہ کے جتن کے بعد تقدس کا جو سکہ جمایا گیا تھا کہیں عقیدت مندوں کے دلوں سے زائل نہ ہو جائے۔ اس لئے یکم مئی ۱۸۹۳ء کو آٹھ صفحات کا ایک اشتہار شائع کیا جس میں لکھا کہ "مجھے ان مسلمانوں پر نہایت افسوس ہے کہ جو اپنے پانچ یا دس۱۰ روپے کے مقابل پر ۳۶ جزوں (۵۶۳ صفحات) کی ایسی کتاب پا کر جو معارف اسلام سے بھری ہوئی ہے ایسے شرمناک طور پر بدگوئی

---

[1] تبلیغ رسالت ۱۵ ص ۷ کہ،

اور بدزبانی پر مستعد ہو گئے کہ گویا ان کا روپیہ کسی نے چھین لیا یا اُن پر کوئی قزاق آپڑا اور گویا وہ ایسی بے رحمی سے لوٹے گئے کہ اس کے عوض میں ان کو کچھ نہیں دیا گیا اور اُن لوگوں نے زبان درازی اور بدظنی سے اپنے نامۂ اعمال کو سیاہ کیا کہ کوئی دقیقہ سخت گوئی کا باقی نہ رکھا اس عاجز کو چور قرار دیا گیا، مکّار ٹھہرایا، مال مردم خور کرکے بدنام کیا، حرام خور کہہ کر نام لیا، دغاباز نام رکھا۔ اور اپنے پانچ و دس[1] روپے کے غم میں وہ سیاپا کیا کہ گویا تمام گھر ان کا لوٹا گیا الخ[1]

وعدہ خلافی مرزا جی نے براہینِ احمدیہ کی پیشگی قیمت وصول کرتے وقت یہ بھی وعدہ کیا تھا کہ اس کتاب میں حقانیتِ اسلام کے تین سو دلائل درج کئے جائیں گے لیکن وعدہ کے مطابق ایک دلیل بھی پوری نہیں کی، چنانچہ مرزا زادے میاں بشیر احمد لکھتے ہیں "تین سو دلائل جو آپ (مرزا غلام احمد) نے لکھے تھے ان میں سے صرف ایک ہی دلیل بیان ہوئی اور وہ بھی نامکمل طور پر۔[2]

یہ ہے آنجہانی مرزا غلام احمد قادیانی نبیٔ افرنگ کی ترپن سالہ داستانِ حیات کا مختصر بیان جو ان کی تصنیفات یا اُن کے بیٹے مرزا بشیر احمد ایم، اے اور دیگر مرزائی مأخذوں کو سامنے رکھکر پیش کی گئی ہے۔ قارئین اُسے پڑھکر خود فیصلہ کر سکتے ہیں کہ آنجہانی جیسے کردار و اخلاق کا شخص شریف انسان کہے جانے کے بھی قابل نہیں ہے۔ چہ جائیکہ وہ ملہم، محدث، مہدی موعود، مسیح زماں یا نبی ہو۔

سُبْحَانَكَ هٰذَا بُهْتَانٌ عَظِيْمٌ ۝

[1] تبلیغ رسالت ج ۳ ص ۳۴، [2] سیرت المہدی، ج ۱ ص ۹۲

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

خطبہ استقبالیہ

از حضرت مولانا مرغوب الرحمٰن صاحب مہتمم دارالعلوم دیوبند

الحمد للہ رب العلمین والصلوٰۃ والسلام علیٰ رسولہ سیدنا ومولانا محمد خاتم النبیین وعلیٰ آلہ وصحبہ اجمعین۔ اما بعد!

اللہ تعالیٰ جل شانہ کے انعامات کا شکر کس زبان سے ادا کیا جائے کہ آج خدام دارالعلوم کی حقیر دعوت پر لبیک کہنے والا ایک منتخب اجتماع سرزمین دیوبند کی رونق میں اضافہ کر رہا ہے جس میں ہر طبقہ اور ہر سمت کے گرامی قدر علماء تشریف فرما ہیں۔ خداوند قدوس کا احسان عظیم ہے کہ اس دعوت کو شرف قبولیت سے نوازنے والے صرف ہندوستان کے علماء نہیں بلکہ بیرون ہند کے ارباب علم و دین بھی ہیں جن کو دیکھ کر حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد بعثت الی الاسود والاحمر کی عملی تفسیر نگاہوں میں گھوم جاتی ہے۔

اس ایمان پرور اور روح افزا موقع پر ہم خدام دارالعلوم ضروری سمجھتے ہیں کہ اپنے تمام مہمانوں کا صرف رسمی نہیں بلکہ بصمیم قلب شکریہ ادا کریں کہ انھوں نے خالص لوجہ اللہ دور دراز کے سفر کی صعوبت برداشت فرما کر تشریف آوری کی زحمت گوارا فرمائی اور خدام دارالعلوم کو یہ موقع بہم پہنچایا کہ مشائخ تبادلۂ خیال کرکے ملت اسلامیہ کے سفینہ کو عصر حاضر کے طوفانوں میں ساحل مقصود تک پہنچانے کی

جدوجہد کو تیز کر سکیں۔

مہمانِ محترم! دارالعلوم کی دعوت پر اس قابل رشک پذیرائی کا یہ منظر سرزمین دیوبند نے بار بار دیکھا ہے۔ اور اس طرح کی بہاریں اپنی جلوہ سامانیوں کے ساتھ بار بار جلوہ ریز رہ چکی ہیں۔ اور آج پھر الحمد للہ یہ بہار پورے آب و تاب کے ساتھ رونق افروز ہے اور ہم اس قافلۂ بہار کے جلو میں برگزیدہ علماء، فرزندانِ قدیم اور اپنے محسنین و معاونین کا استقبال کر رہے ہیں

فالحمد للہ علیٰ ذالک

گرامی مرتبت حاضرین کرام! اس مبارک اور مسعود موقع پر دارالعلوم اور اس کے مسلک سے متعلق یہ عرض کر دینا مناسب معلوم ہوتا ہے کہ دارالعلوم روزِ اوّل سے الحمد للہ اسی تہذیبی، علمی، اور عملی وراثت کا امین ہے جو اُسے عہدِ خیر القرون سے قرناً بعد قرن پہنچی ہے، امّت مسلمہ پر چودہ صدیاں بیت جانے کے باوجود بھی دارالعلوم علم و عمل کے لحاظ سے اسی عہدِ خیر القرون کا نمونہ ہے، ہمارے یہاں سب سے باکمال وہ ہے جو زمانہ کی دور دراز مسافتوں اور زمان و مکان کے فاصلوں کو طے کر کے اسی مجلسِ نبوت میں حاضر ہو جائے۔ جس سے حضرات صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم مستفید ہوئے تھے، غیر متزلزل یقین کے ساتھ کہا جا سکتا ہے کہ حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے امّت کے فرقۂ ناجیہ کی جو علامت " مَا اَنَا عَلَیْہِ وَاَصْحَابِی " بیان فرمائی تھی وہ الحمد للہ پوری طرح دارالعلوم اور اس کے مسلک پر منطبق ہے۔ یہی وجہ ہے کہ دارالعلوم کی آغوش میں جن مایۂ ناز عناصر نے پرورش پائی ہے۔ وہ نہ صرف برصغیر ہند و پاک بلکہ پوری ملتِ اسلامیہ کے صالح ترین عناصر کہلانے کے مستحق ہیں، نیز یہ کہ ان صالح عناصر کے ذریعہ دین و ملت کی جو گراں قدر خدمات انجام پائیں ان کی وجہ سے یہ کہنا قطعاً مبالغہ نہیں ہے کہ دارالعلوم علم و عمل کا صرف محور نہیں بلکہ منبع اور سرچشمہ ہے اور

گذشتہ صدی کا تجدیدی کارنامہ اللہ رب العزت نے محض اپنے فضل و کرم سے دارالعلوم اور اسکے فرزندوں کے ذریعہ انجام دلایا ہے۔

دارالعلوم دیوبند کے ذریعہ اس تجدیدی کارنامہ کی انجام پزیری کی وجہ یہ ہے کہ علمی و عملی طور پر دارالعلوم دیوبند کی بنیاد قرآن مجید اور سنت پاک پر استوار ہوئی ہے، پھر جو روشنی قرآن کریم اور حدیث پاک کے ذریعہ دل و دماغ پر مستولی رہی اس نے احسان و سلوک اور فقہ و فتاوی کی شکل میں پوری ملتِ اسلامیہ کیلئے رہبری اور رہنمائی کی خدمت انجام دی، چنانچہ رجال دارالعلوم کے ذریعہ پیش آمدہ مسائل میں جو رہنمائی قرآن و سنت اور اجماع و قیاس کی روشنی میں کی گئی وہ الحمدللہ اتنی جامع اور مکمل ہے کہ اگرچہ گذشتہ صدی اپنی مادی اور صنعتی ترقی کے لحاظ سے بہت اہم اور تاریخ انسانیت میں سب سے زیادہ انقلاب انگیز ہے۔ لیکن انسانیت اور مسلمانوں کا ایک مسئلہ بھی ایسا نہیں بتلایا جاسکتا ہے جس کا حل قرآن و سنت کی روشنی میں پیش نہ کردیا گیا ہو۔

اس باب میں بلا مبالغہ ہدایت کا کوئی رُخ ایسا نہیں ہے جہاں باری تعالیٰ نے دارالعلوم کے ہاتھوں مشعلیں اور منارے قائم نہ فرمادیتے ہوں اور اسی طرح ضلالت و گمراہی کا کوئی پیچ و خم ایسا نہیں ہے جہاں دارالعلوم کے ذریعہ صراط مستقیم کی تعیین نہ کرادی ہو۔

سامعین عالی مقام دارالعلوم نے اپنے قیام کے روزِ اول سے صراطِ مستقیم کی تعیین اور غلط راستوں کی تغلیط کو اپنا نصب العین بنایا ہے، دارالعلوم کا قیام جن حالات میں عمل میں آیا تھا اس وقت عیسائیت کے فروغ کا ایک ایسا فتنہ اٹھا ہوا تھا جس نے تقریباً پورے عالم اسلام کو اپنی لپیٹ میں لے لیا تھا، بحمداللہ اس فتنہ کی سرکوبی کے لئے دارالعلوم کا

قدم آگے بڑھا اور مناظرہ و تقریر اور قلم و تحریر کے ہر میدان میں عیسائیت کے مبلغین کو شکست فاش نصیب ہوئی، اس موضوع پر ہزاروں صفحات فرزندان دارالعلوم کے قلم سے نکلے اور اس کے باوجود کہ حکومت و اقتدار کی تمام طاقتیں اس فتنہ کی پشت پناہی کر رہی تھیں مگر دارالعلوم کے اہل حق مجاہدین نے برق بے اماں بن کر ان کی تمام پناہ گاہوں کو خاکستر کر دیا، اسی فتنہ کے پہلو بہ پہلو توحید کی تعلیم سے محروم کرنے کے لئے آریائی یا شدھی تحریک وجود میں آئی، یہ مسلمانوں کو صراط مستقیم سے منحرف کرنے کی خطرناک اور زبردست سازش تھی لیکن اس میدان میں بھی فرزندان دارالعلوم نے اپنا فرض منصبی پوری طرح ادا کیا اور اس فتنہ کو ہمیشہ کے لئے تاریخ کے گورستان میں دفن کرنے کی سعادت حاصل کی۔ اس سلسلے میں فضلاء دارالعلوم کی سینکڑوں تصانیف آج بھی کتب خانۂ اسلام کی زینت ہیں۔

ان زبردست فتنوں کے علاوہ انگریز کی جانب سے مسلمانوں کے اندرون میں متعدد فتنے برپا کرائے گئے جن میں سب سے اہم فتنہ قادیانیت کا تھا۔ اس فتنہ نے سیاسی، علمی اور اعتقادی طور پر خلفشار پیدا کیا، اس فتنہ کی طرح تو تیرہویں صدی ہجری کے اواخر میں پڑ گئی تھی۔ لیکن مرزا نے ۱۳۰۱ھ میں براہین احمدیہ کے چار حصے شائع کر کے اپنے زیغ و ضلال کو طشت از بام کر دیا۔ تو علماء نے اس کا تعاقب شروع کر دیا۔ اس سلسلہ میں ابتداً اگرچہ علمائے لدھیانہ وامرتسر مولانا غلام علی امرتسریؒ، مولانا احمد اللہ امرتسریؒ، حافظ عبدالمنان وزیرآبادیؒ، مولانا عبدالعزیز لدھیانویؒ، مولانا محمد لدھیانویؒ، مولانا عبداللہ لدھیانویؒ، مولانا محمد اسماعیل لدھیانویؒ اور مولانا غلام دستگیر قصوریؒ نے کی، مگر اکابر دارالعلوم کا کارنامہ اس سلسلے میں محیر العقول ہے کہ وہ محض الہامی طور پر فتنے کے وجود سے پہلے ہی پیش بندی فرما رہے ہیں۔

جماعتِ دیوبند کے سید الطائفہ حضرت حاجی امداد اللہ صاحب مہاجر مکی قدس سرّہٗ کے بارے میں یہ معلوم کرکے حیرت ہوتی ہے کہ انھوں نے حضرت پیر مہر علی شاہ صاحب گولڑوی کو حجاز مقدس میں قیام نہ فرمانے دیا۔ اور ایک بڑے فتنہ کی پیشین گوئی فرماتے ہوئے انھیں ہندوستان آنے پر مجبور فرمایا۔ مولانا پیر مہر علی شاہ صاحب قدس سرّہٗ کے علاوہ حضرت حاجی امداد اللہ صاحب مہاجر مکی کے دوسرے خلفاء، حضرت مولانا احمد حسن صاحب امروہوی، حضرت مولانا انوار اللہ صاحب حیدر آبادی، حضرت مولانا محمد علی مونگیری قدس اسرارہم وغیرہ بھی اس فتنہ کی سرکوبی میں پوری طرح سرگرم ہیں۔ ان خلفاء گرامی قدر میں اگرچہ بعض حضرات کا کارنامہ تاریخی اعتبار سے کچھ بعد ہی میں سامنے آیا۔ لیکن اس کو حضرت حاجی صاحب کی نسبت سے الگ نہیں کیا جاسکتا، پیر مہر علی صاحب گولڑوی کو تو حضرت حاجی صاحب نے بطور خاص اس فتنہ کی تردید کی طرف متوجہ فرماکر ہندوستان بھیجا تھا۔ اس لئے ان کی کتاب "شمس الہدایۃ" غالباً ردّ قادیانیت پر سب سے پہلی کتاب ہے۔

حضرت مولانا احمد حسن صاحب امروہوی اور حضرت مولانا انوار اللہ صاحب حیدر آبادی قدس سرہما بھی ابتدا ہی میں سامنے آگئے ہیں۔ حضرت محدث امروہوی نے تو مرزا کو مناظرہ ومباہلہ کا چیلنج بھی دیا تھا۔

اور حضرت مولانا محمد علی مونگیری کا کام زمانہ کے اعتبار سے مؤخر سہی لیکن وہ ایک طاقت ور تحریک کی صورت میں سامنے آیا۔ اور اس نے باطل کے اس سیلاب پر بند باندھنے کا کام انجام دیا۔

قبل از وقت تنبیہ میں اکابر دار العلوم میں حضرت حاجی صاحب قدس سرّہٗ تنہا نہیں ہیں بلکہ اس سلسلہ میں دوسرا نام حجۃ الاسلام حضرت اقدس مولانا

محمد قاسم صاحب نانوتوی قدس سرہٗ لکھا ہے کہ انھوں نے فتنہ کی نقاب کشائی سے پہلے اس موضوع پر "تحذیر الناس" جیسی اہم مدلل اور قیمتی کتاب تصنیف فرمائی جو ردّ قادیانیت کے موضوع پر راہنما اور راہبر کا کام انجام دے رہی ہے۔ پھر مناظرۂ عجیبۃ میں ان کا یہ فیصلہ بالکل الہامی زبان میں نقل ہوا ہے۔ "اپنا دین و ایمان ہے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کسی اور نبیؐ کے ہونے کا احتمال نہیں جو اس میں تامل کرے اس کو کافر سمجھتا ہوں" مناظرہ عجیبہ ص ۱۰۳

پھر مرزا غلام احمد قادیانی کے باطل ادعاء کے پہلے ہی سال ۱۳۰۱ھ میں جب مرزا نے اپنے الہامات کو وحی الٰہی کی حیثیت سے براہین احمدیہ میں شائع کیا تو علماء لدھیانہ نے اس کی تکفیر کی۔

اس وقت تک حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی قدس سرہٗ کو اس دجل و فریب سے پوری واقفیت نہ تھی۔ اس لئے کچھ لوگوں نے جو مرزا سے حسن ظن رکھتے تھے علماء لدھیانہ کی مخالفت میں حضرت گنگوہیؒ سے فتوٰی منگا لیا لیکن علماء لدھیانہ اسی سال جمادی الاوّل ۱۳۰۱ھ میں جلسۂ دستار بندی کے موقع پر دیوبند تشریف لائے اور قادیانی کے مسئلہ میں حضرت گنگوہیؒ اور دیگر علماء دیوبند سے بالمشافہہ گفتگو فرمائی۔ گفتگو کے بعد دارالعلوم کے سب سے پہلے صدر مدرس حضرت مولانا محمد یعقوب صاحب نانوتوی قدس سرہٗ نے جو تحریر مرتب فرمائی وہ یہ ہے

"یہ شخص (مرزا غلام احمد قادیانی) میری دانست میں لامذہب معلوم ہوتا ہے اس شخص نے اہل اللہ کی صحبت میں رہ کر فیض باطنی حاصل نہیں کیا۔ معلوم نہیں اس کو کس روح سے اویسیت ہے مگر اس کے الہامات اولیاء اللہ کے الہامات سے کچھ مناسبت اور علاقہ نہیں رکھتے،، (ص۱ رئیس قادیان جلد ۲)

اس کے بعد حضرت گنگوہی رحمہ اللہ نے بھی مرزا کے بارے میں وہ موقف اختیار

فرمایا جو اس کے باطل عقائد کی رُو سے ضروری تھا۔ کسی نے سوال کیا کہ مرزا غلام احمد قادیانی کے خیالات متعلق بہ وفات عیسیٰ علیہ السلام جو کچھ ہیں ظاہر ہے۔ پس اس مرزائی جماعت کا اپنی مساجد میں نہ آنے دینا اور ان کے ساتھ نماز میں شریک ہونے سے تنفر رکھنا کیسا ہے؟ تو جواب میں ارشاد فرمایا۔

"مرزا قادیانی گمراہ ہے، اس کے مرید بھی گمراہ ہیں۔ اگر جماعت سے الگ رہیں اچھا ہے جیسا رافضی، خارجی کا الگ رہنا اچھا ہے۔ ان کی واہیات مت سنو، اگر ہو سکے اپنی جماعت سے خارج کر دو، بحث کر کے ساکت کرنا اگر ہو سکے ضرور ہے ورنہ ہاتھ سے ان کو جواب دو، اور ہرگز فوت ہونا عیسیٰ علیہ السلام کا آیات سے ثابت نہیں وہ بکتا ہے اس کا جواب علماء نے دیدیا ہے مگر گمراہ ہے۔ اپنے اغواء اور اضلال سے باز نہیں آتا، حیا اس کو نہیں کہ شرما دے۔"

اس کے بعد حضرت گنگوہی قدس سرہٗ نے مرزا کو مرتد، زندیق اور خارج اسلام قرار دیا۔ اور چونکہ حضرت اقدس ہی جماعتِ دیوبند کے سید الطائفہ تھے۔ اور ان کا فتویٰ گویا پوری جماعت کا اجماعی فیصلہ تھا۔ اس لئے مرزا حضرت اقدس کے فتویٰ کی ضرب کاری کو زندگی کے آخری سانس تک نہ بھلا سکا۔ اور حضرت اقدس کے بارے میں حسب عادت فحاشی پر اُتر آیا۔

اس زمانہ میں حضرت مولانا احمد حسن صاحب امروہوی اور حضرت مولانا رحمت اللہ کیرانوی کی خدمات بھی ناقابلِ فراموش ہیں کہ حضرت مولانا احمد حسن صاحب امروہوی نے زبان و قلم کی پوری طاقت اس کے لئے وقف کر دی اور مولانا رحمت اللہ صاحب کیرانوی نے مولانا غلام دستگیر قصوری کے استفتاء پر ۱۳۰۸ھ میں مرزا کو مرتد اور دائرہ اسلام سے خارج قرار دے کر علمائے حرمین سے اس کی تصدیق کرائی اور یہ فتویٰ مرزا کی بڑھتی ہوئی آندھی کی مؤثر کاٹ ثابت ہوا۔

اس کے بعد ۱۳۰۷ھ میں مولانا محمد حسین بٹالوی کے استفتاء کے جواب میں تمام علماء ہندوستان نے مرزا کی تکفیر کی جس میں اکابرِ دیوبند میں حضرت مولانا رشید احمد صاحب گنگوہیؒ نے رقم فرمایا:

"مرزا غلام احمد قادیانی اپنی تاویلاتِ فاسدہ اور ہفوات باطلہ کی وجہ سے دجال، کذاب اور طریقہ اہلِ سنت والجماعت سے خارج ہے۔"

حضرت شیخ الہند قدس سرہٗ نے تحریر فرمایا:

"جاہل یا گمراہ کے سوا ایسے عقائد کا معتقد کوئی نہیں ہو سکتا۔"

حضرت مولانا مفتی عزیز الرحمٰن صاحبؒ نے رقم فرمادیا:۔

"قادیانی اور اس کے پیرو جو اعتقاد رکھتے ہیں وہ بلاشک الحاد اور شریعت کا ابطال ہے۔"

حضرت مولانا خلیل احمد صاحب سہارنپوریؒ نے ارشاد فرمایا۔

"ان عقائد کا مخترع ضال، مضل بلکہ دجاجلہ میں راس رئیس ہے"

حضرت مولانا اشرف علی صاحب تھانوی قدس سرہٗ نے تحریر فرمایا:

"ایسے عقائد کا معتقد کتاب اللہ کی بنیادوں کو منہدم کرنے والا ہے۔"

اس کے بعد ۱۳۰۸ھ میں جب مرزا کی کتابیں "فتح اسلام" "توضیح مرام" اور "ازالۂ اوہام" شائع ہوئیں جس میں وفاتِ مسیح کا دعویٰ کر کے اپنے مسیح موعود ہونے کا اعلان کیا گیا تھا تو علماء ربانیین خم ٹھونک کر میدان میں آگئے اور سارا ہندوستان مرزا کی تردید کے غلغلوں سے گونجنے لگا۔ اسی زمانہ میں حضرت مولانا اسماعیل صاحب علی گڈھیؒ نے بھی کام شروع فرمایا۔ جگہ جگہ مناظروں میں مرزائیوں کو شکست فاش دی جانے لگی۔

شعبان ۱۳۲۱ھ میں حضرت مولانا مفتی کفایت اللہ صاحب قدس سرہٗ نے

"البرہان" نامی رسالہ شاہجہاں پور سے جاری کیا جو تقریباً دو سال تک تاریکیوں کی شب میں تنویر سحر کا کام انجام دیتا رہا۔

۱۳۲۷ھ میں نواب حامد علی خاں والیٔ ریاست رامپور کے زیر اہتمام عظیم الشان تاریخی مناظرہ ہوا جس میں حضرت مولانا احمد حسن صاحب امروہوی اور حضرت مولانا ثناء اللہ صاحب امرتسری کے باطل شکن دلائل اور بیانات سے قادیانیت لرزہ براندام ہوگئی۔ اور ۱۳۲۹ھ میں حضرت مولانا محمد علی مونگیری قدس سرہٗ کی زیر سرکردگی وہ تاریخی مناظرہ ہوا جس میں چالیس علماء کرام نے شرکت فرمائی۔ جن میں حضرت مولانا سید انور شاہ کشمیری، حضرت مولانا سید مرتضیٰ الحسن صاحب چاندپوری، حضرت علامہ شبیر احمد عثمانی رحمہم اللہ اور دوسرے اکابر دیوبند شریک ہوئے اور اس مناظرہ میں مرزائیوں کی شکستِ فاش نے ان کی کمر توڑ دی۔

پھر اس کے بعد ۱۳۳۱ھ میں مولانا محمد سہول صاحب مفتی دارالعلوم دیوبند کے قلم سے ایک مفصل فتویٰ کی ترتیب عمل میں آئی۔ اس مفصل فتویٰ میں پہلے مرزا غلام احمد قادیانی کے افکار و عقائد کو اسی کی کتابوں سے نقل کیا گیا تھا۔ پھر لکھا گیا تھا۔

"جس شخص کے ایسے عقائد و اقوال ہوں۔ اس کے خارج از اسلام ہونے میں کسی مسلمان کو خواہ جاہل ہو یا عالم تردد نہیں ہو سکتا۔ لہٰذا مرزا غلام احمد اور اس کے جملہ متبعین درجہ بدرجہ مرتد، زندیق، ملحد، کافر اور فرقہ ضالہ میں یقیناً داخل ہیں"

اس فتویٰ پر حضرت شیخ الہند اور حضرت علامہ کشمیریؒ اور دوسرے مشاہیر علماء کے دستخط ہیں۔ حضرت شیخ الہند قدس سرہٗ نے اس فتویٰ پر دستخط کے ساتھ یہ الفاظ مزید قلم بند فرما کر اپنی مہر لگائی ہے۔

"مرزا علیہ ما یستحقہ کے عقائد و اقوال کا کفریہ ہونا ایسا بدیہی مضمون ہے کہ جس کا انکار کوئی منصف فہیم نہیں کر سکتا۔ جن کی تفصیل جواب میں موجود ہے۔

بندہ محمود عفی عنہ صدر المدرسین دار العلوم دیوبند

حضرت شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ اگرچہ انگریز کی ذریت (قادیانی ٹولہ) سے نہیں بلکہ براہ راست قادیانی نبوت کے خالق (انگریز بہادر) سے ٹکرلے رہے تھے لیکن ذریت برطانیہ کو بھی نظر انداز نہیں کیا اور اپنے نابغۂ روزگار تلامذہ (جن کی فہرست بڑی طویل ہے) کو اس جانب متوجہ فرمایا۔ جنھوں نے اس موضوع کو اپنی خدمت کا جولانگاہ بنایا۔ محدث کبیر علامہ انور شاہ کشمیری، حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانوی، فقیہ الامت حضرت مولانا مفتی کفایت اللہ صاحب، شیخ الاسلام حضرت مولانا سید حسین احمد مدنی رح، حضرت علامہ شبیر احمد عثمانی، حضرت مولانا سید مرتضیٰ احسن چاند پوری، حضرت مولانا ثناء اللہ صاحب امرتسری، شیخ الادب حضرت مولانا اعزاز علی صاحب، حضرت مولانا عبد السمیع صاحب انصاری، حضرت مولانا احمد علی صاحب لاہوری۔ حضرت مولانا ابو القاسم رفیق دلاوری اور حضرت مولانا محمد عالم آسی امرتسری قدس اللہ اسرارہم نے تحریر و تقریر کے ذریعہ حریم ختم نبوت کی پاسبانی کا فریضہ انجام دیا، لیکن ان اکابر کی خدمات کی فہرست میں حجۃ اللہ فی الارض حضرت علامہ انور شاہ کشمیری اور فاتح قادیان حضرت مولانا ثناء اللہ صاحب امرتسری قدس سرہما کا کارنامہ سب سے زیادہ نمایاں اور ممتاز ہے، حضرت مولانا ثناء اللہ صاحب امرتسری رح اگرچہ مسائل فقہیہ میں حضرت شیخ الہند رح کے مسلک پر نہ تھے مگر ختم نبوت کے لئے آپ کے ارشاد پر جان چھڑکتے تھے، حضرت شیخ الہند رح نے آپ کے ذریعہ پورے حلقۂ اہلحدیث میں مرزائیت کے خلاف بیداری پیدا کر دی اور مولانا امرتسری رح نے مولانا ابراہیم سیالکوٹی رح اور مولانا داؤد غزنوی رح کو بھی اس پلیٹ فارم پر لا کھڑا کر دیا۔ ادھر حضرت علامہ کشمیری رح نے اپنے علم و قلم اور تلامذہ کی پوری طاقت اس فتنہ کی سرکوبی کیلئے وقف کر دی، اور رد قادیانیت کی تقریب سے اصول دین اور اصول تکفیر کی وضاحت بد

ایسا قیمتی سرمایہ تیار فرمایا کہ قیامت تک اس طرح کے فتنوں کی سرکوبی کیلئے امت اس سے روشنی حاصل کرتی رہے گی۔ حضرت علامہ کشمیری رحمہ اللہ کے تلامذہ میں حکیم الاسلام حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحبؒ، حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحبؒ حضرت مولانا محمد یوسف صاحب بنوریؒ، حضرت مولانا ادریس صاحب کاندھلویؒ، حضرت مولانا بدر عالم صاحب میرٹھیؒ، حضرت مولانا حفظ الرحمٰن صاحب سیوہارویؒ، حضرت مولانا حبیب الرحمٰن صاحب لدھیانویؒ، حضرت مولانا عبدالقادر صاحب رائپوریؒ، حضرت مولانا سید عطاء اللہ شاہ بخاریؒ، حضرت مولانا چراغ محمد صاحب گوجرانوالہؒ، حضرت مولانا مفتی محمد نعیم صاحب لدھیانویؒ، حضرت مولانا ابوالوفاء صاحب شاہجہانپوریؒ حضرت مولانا غلام غوث صاحب ہزارویؒ، حضرت مولانا شمس الحق صاحب افغانیؒ حضرت مولانا محمد علی صاحب جالندھریؒ، حضرت مولانا محمد منظور نعمانی، حضرت مولانا حبیب الرحمٰن صاحب اعظمی اور دوسرے جلیل القدر علماء نے اس فتنہ کا بھرپور تعاقب کیا۔ ہندوستان کے طول و عرض میں قریہ قریہ گھوم کر حق کی وضاحت کی اور اس موضوع کے ہر پہلو پر اتنا لٹریچر تیار کر دیا کہ اس کا کوئی گوشہ تشنہ نہیں ہے۔ فجزاہم اللہ عنا وعن سائر المسلمین ......

تقسیم ہند کے بعد اس فتنہ نے سرزمین پاکستان کو اپنی سرگرمیوں کا مرکز بنایا تو وہاں بھی علماء دیوبند اور منتسبین دیوبند نے تمام طاقتیں اس حریم مقدس کی حفاظت کے لئے وقف فرما دیں۔ تاآنکہ قادیانیت تاریخ انسانیت میں ایک بہتان اور افتراء بن کر رہ گئی اور یہ کام خدا کے فضل و کرم سے تکمیل تک پہنچ گیا۔

مجاہدین قوم علماء کرام کی جد و جہد سے قادیانیوں کو مرتد اور غیر مسلم اقلیت قرار دیئے جانے کے بعد اب قادیانیوں نے ایسے مقامات کو منتخب کیا ہے۔ جہاں انھیں اس سلسلہ میں سیاسی طور پر فرصت مہیا ہو سکتی ہے۔ چنانچہ اب ہندوستان

میں بھی ان کی سرگرمیوں میں تیزی آگئی ہے۔ جگہ جگہ مراکز قائم ہو رہے ہیں۔ کانفرنسیں منعقد کی جارہی ہیں، اور اس فتنہ نے از سرِنو مختلف انداز پر کام شروع کر دیا ہے تغلق آباد دہلی میں مرزائیوں نے ایک وسیع و عریض جگہ خرید کر وہاں اپنا مرکز قائم کرلیا ہے۔ خرید کردہ زمین کا احاطہ بنالیا گیا ہے اور عارضی طور پر ایک مسجدِ ضرار (بیت الشیاطین) کی بنیاد ڈال کر "اسلامی احمدی تبلیغی مشن" کا بورڈ لگا دیا گیا ہے۔ بمبئی و کلکتہ میں ان کے مراکز پہلے سے قائم ہیں جن کی تجدید کر کے طاقتور بنایا جارہا ہے۔ میرٹھ میں بھی ایک دفتر قائم کرلیا ہے اور وہاں مرزائیوں کی ایک کانفرنس بھی منعقد ہو چکی ہے۔ اسی طرح چند ماہ قبل لکھنؤ میں بھی کانفرنس کر چکے ہیں، ہاتھرس ضلع علیگڈھ میں بھی مشن قائم کرلیا گیا ہے جس سے غرباء میں مفت دوائیں بھی تقسیم ہو رہی ہیں اور طلبہ کو تعلیمی وظائف بھی دیتے جارہے ہیں اور وہاں العیاذ باللہ متعدد خاندان قادیانیت کو قبول بھی کر چکے ہیں۔ اسی طرح فتحپور کا نپور میں بھی مرزائیوں کی جدوجہد تیز ہوتی ہے اور کئی گھرانے قادیانیت کے لپیٹ میں آگئے ہیں۔ حیدر آباد و مالا بار میں بھی مرزائیوں کی تنظیم جدید ہو رہی ہے۔ مرزائیوں کا شعبۂ نشر و اشاعت بھی زندہ کیا گیا ہے اور ۸۲ء سے اب تک ان کی کئی نئی اور پرانی کتابیں طبع ہو کر سامنے آئی ہیں اور بہت سارے لٹریچر تیار کئے گئے ہیں۔ اخبار بدر قادیان میں از سرِنو روح ڈالی جارہی ہے۔ مرزائیوں نے اپنے کفر کی اشاعت کرنے کیلئے مبلغین کی تربیت کا کام بھی شروع کر دیا ہے۔ اور اس کے لئے آگرہ میں "سادھن" کے نام سے سینٹر کا قیام عمل میں آگیا ہے۔ اس لئے ضروری تھا کہ دارالعلوم کے فرزندوں اور ہندوستان کے علماء کو اس موضوع پر غور و فکر کرنے کی دعوت دی جائے

اجلاس منعقد کرنا اگرچہ دارالعلوم کے بنیادی مقاصد میں نہیں ہے۔ لیکن جب ضرورت سامنے آئے اور حالات کا تقاضا ہو تو پھر اجلاس بُلانا، اہلِ مشورہ اور ارباب

تعلق کو زحمتِ اجتماع دینا ضروری ہوجاتا ہے۔ چنانچہ مجلس شوریٰ منعقدہ ۱۹ و ۲۰ و ۲۱ شعبان ۱۴۰۶ھ نے فیصلہ کیا ہے کہ اس وقت سرزمین ہند پر قادیانیت کا عفریت پھر پنجہ گاڑنے کی تدبیریں کر رہا ہے۔ تو فوراً اس کا محاسبہ کیا جانا چاہئے اور اہل علم کو جمع کر کے اس کے تازہ پیرہن کو تار تار کرنے کی جدوجہد کو تیز تر کر دینا چاہئے۔

علمارِ والامقام! اس میں کوئی شک نہیں کہ ہمارے اسلاف امجاد نے اس موضوع کو پوری طرح مکمل فرمادیا ہے۔ لیکن عرصۂ دراز سے ہندوستان میں چونکہ قادیانیت کی آواز مدہم پڑ گئی تھی۔ اس کی تردید کی جانب بھی کوئی توجہ نہیں تھی اور اکابر مرحومین کی تمام ہی کتابیں نایاب ہوگئی تھیں اس موقع پر دارالعلوم کی جانب سے چند کتابیں بھی شائع کی جارہی ہیں اور ارادہ ہے کہ تازہ دم فضلار کو اس فتنہ کی اہمیت سے آگاہ کر کے انھیں اس کی تردید کے لئے میدان میں اتار دیا جائے۔

اور اس کے ساتھ ہی صحیح افکار وعقائد کی نشر واشاعت کے لئے بھی تابمقدور اپنی مساعی کو تیز تر کر دیا جائے۔ چونکہ یہ حقیقت اپنی جگہ ثابت ہے کہ سرکار دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کے بعد انسانیت کی نجات کا صرف ایک ہی راستہ ہے کہ انسانیت کا قافلہ سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی بیان فرمودہ صراطِ مستقیم پر گامزن ہوجائے۔

قابلِ صد احترام بھائیو! اس موقع پر یکساں سول کوڈ کے مسئلے کی طرف توجہ دلانا بھی ضروری معلوم ہوتا ہے۔ کیونکہ ابھی چند دن پہلے اس سلسلے میں بار کونسل آف انڈیا کے زیر اہتمام کنونشن کی جو باتیں سامنے آئی ہیں ان کے سبب مسلمانوں کی پوری توجہ اس مسئلے کی طرف منعطف ہوگئی ہے

اس کنونشن میں جو پالیسی اختیار کی گئی اور جو طرزِ عمل سامنے آیا وہ مسلمانوں

کے لئے انتہائی دل آزار ہے۔ کیونکہ یکساں سول کوڈ کے بعد مسلم پرسنل لاء کی کوئی حیثیت باقی نہیں رہ جاتی۔ اور مسلمانوں کے لئے مذہبی اور شرعی ہدایات کے خلاف کسی چیز کا قبول کرنا ممکن نہیں ہے۔

اس لئے دارالعلوم دیوبند، اس کے فرزند اور منتسبین غیر مبہم الفاظ میں اس سے بیزاری کا اظہار کرتے ہیں، اور اس کو مداخلت فی الدین قرار دیتے ہوئے اس کے ہر حال میں ناقابلِ قبول ہونے کو واضح کر دینا اپنا ملی اور مذہبی فریضہ سمجھتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ مسلمانوں کو اس طرح کے تمام شر و فتن سے محفوظ رکھے۔ آمین۔

آخر میں احقر خدام دارالعلوم دیوبند کی جانب سے مہمانانِ گرامی قدر کا بصمیم قلب شکریہ ادا کرنا اپنا فرض سمجھتا ہے اور واجبات کی ادائیگی میں کوتاہی کے لئے معذرت خواہ ہے اور امید کرتا ہے کہ حضرات محترمین نے جس طرح زحمتِ سفر برداشت کر کے کرم بے پایاں کا ثبوت دیا ہے اسی طرح تقصیرات سے صرفِ نظر فرما کر بھی ممنون فرمائیں گے۔

والسلام

(حضرت مولانا) مرغوب الرحمٰن (صاحب) مہتمم دارالعلوم دیوبند

ختم نبوت کی حقیقت
اور
حفاظتِ دین کے سلسلہ میں ہمارے بزرگوں کا موقف

از حضرت مولانا محمد منظور صاحب نعمانی

حضرات کرام! آپ میرا حال دیکھ رہے ہیں، بیماری اور ضعف پیری سے نیم جان جسم آپ کے سامنے ہے۔ اس حال میں اپنی حاضری اور آپ حضرات کے درمیان موجودگی کو اللہ تعالیٰ کی توفیق خاص کا کرشمہ اور اپنے لئے باعثِ سعادت سمجھتا ہوں اور اس اجلاس کے موضوع "ختم نبوت" کی نسبت کی قوت کشش کا ایک ثمرہ۔

زندگی بھر کتاب وقلم سے واسطہ رہنے کے باوجود نہ علم آیا اور نہ قلم، اور اب تو آئے ہوئے علم کے جانے کا زمانہ ہے۔ رات ہی مجھے معلوم ہوا کہ اسی حال میں اتنے اہل علم حضرات کے سامنے اس اہم اجلاس کی پہلی نشست میں مجھے کچھ عرض کرنا ہے تو کوشش کی کہ چند مختصر اشارات قلمبند کرا دوں۔

محترم حضرات! نبوت و رسالت، انسان کی سب سے اہم بنیادی اور فطری ضرورت اور راہِ سعادت کی طرف اس کی رہنمائی کی تکمیل کا خدائی انتظام ہے جو ابتدائے آفرینش سے چھٹی صدی عیسوی تک تو اس طرح جاری رہا کہ قوموں، علاقوں اور مختلف بنیادوں پر قائم ہونے والے انسانی مجموعوں معاشروں کے لئے الگ الگ انبیاء و رسل کی بعثت مختلف زمانوں میں ہوتی رہی۔ پھر چھٹی صدی عیسوی میں

جب کہ انسانیت بلوغ کو پہنچ گئی، اور حکمتِ الٰہی کے نظر نہ آنے والے مسلسل عمل کے نتیجہ میں دُنیا کے جغرافیائی، تمدنی، مواصلاتی اور ذہنی احوال اس طرح کے ہو گئے کہ پوری دُنیا کو ایک رہنمائی کا مخاطب بنانا، اُسے ایک ہی مرکزِ ہدایت سے وابستہ کرنا ممکن ہو گیا اور قیامت تک کے لئے دین اور دین کے سرچشموں کتاب و سنّت کی حفاظت کے اسباب پیدا ہو گئے۔ تب سیّدنا محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اس مبارک سلسلہ کا خاتم اور عالمین کے لئے مبعوث فرما دیا گیا۔ اور گویا ایسے کر دیا گیا کہ قیامت تک کے آنے والے زمانہ اور پورے کرۂ ارض میں بسنے والے انسانوں میں سے کسی ایک فرد پر اب ایک لمحہ بھی ایسا نہیں آئے گا جو نبوت اور اُس کے فیضانِ ہدایت سے خالی ہو۔ اس پہلو پر غور فرمایا جائے تو یہ بات سامنے آتی ہے کہ ختمِ نبوت اس نعمتِ عظمیٰ کے انقطاع اور اس کے فیض سے محرومی نہیں بلکہ اس کے دوام و تسلسل کا نام ہے۔

ختمِ نبوت کا ایک اور پہلو اس لائق ہے کہ اُسے اچھی طرح سمجھ کر عام کیا جائے۔ وہ یہ ہے کہ گزشتہ امتوں کے لئے نئے نبی کی آمد ایک شدید آزمائش ہوا کرتی تھی۔ آنے والے نبی سے پہلے نبیوں کے ماننے والوں میں سے بہت کم لوگ اس کو قبول کرتے اور اس پر ایمان لاتے تھے۔ بڑی تعداد انکار و تکذیب اور کفر کا راستہ اختیار کر کے لعنتی اور جہنمی ہو جاتی تھی۔ سب سے آخری دو عظیم الشان رسولوں ہی کی مثال سامنے رکھ لیجئے۔ اسرائیلی سلسلہ کے آخری رسول حضرت عیسیٰ علیہ السلام جب تشریف لائے اور احیاءِ موتیٰ جیسے معجزے لے کر تشریف لائے تو یہودیوں میں سے کتنے ان پر ایمان لائے اور کتنوں نے ان کو جھوٹا مدعیٔ نبوت قرار دے کر لعنتی اور واجب القتل قرار دیا اور ان کی شرعی عدالت نے ان کو سولی کے ذریعہ سزائے موت دینے کا فیصلہ کیا۔ اور اسی طرح حضرت عیسیٰ علیہ السلام

کی نبوت کو نہ مان کر اس وقت کی قریب قریب پوری یہودی امت لعنتی اور جہنمی ہو گئی۔

اسی طرح جب ان کے بعد سیدنا حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے تو اگرچہ آپ کے بارے میں واضح پیشین گوئیاں تورات و انجیل وغیرہ اگلی آسمانی کتابوں میں موجود تھیں اس کے باوجود اگلے پیغمبروں اور ان کی اگلی کتابوں کے ماننے والے یہود و نصاریٰ میں سے بس چند ہی نے آپ کو قبول کیا اور آپ پر ایمان لائے باقی سب انکار و تکذیب اور کفر کا راستہ اختیار کر کے دنیا میں اللہ کی لعنت اور آخرت میں جہنم کے ابدی عذاب کے مستحق ہوئے

پس اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر نبوت کا سلسلہ ختم فرما کر اس امت محمدیہ پر یہ عظیم رحمت فرمائی کہ اس کو اس سخت ترین امتحان اور آزمائش سے محفوظ فرما دیا ــــ اگر بالفرض نبوت کا سلسلہ جاری رہتا تو یقیناً وہی صورت ہوتی جو پہلے ہمیشہ ہوتی رہی تھی یعنی حضورؐ کی امت کے بہت تھوڑے لوگ آنے والے نبی کو قبول کرتے اور زیادہ تر آپ کے امتی اس کا انکار کر کے (معاذ اللہ) کافر اور لعنتی ہو جاتے۔ پس اللہ تعالیٰ نے نبوت کا سلسلہ حضورؐ پر ختم فرما کر اس امت کو ہمیشہ کے لئے کفر اور لعنت کے اس خطرہ سے محفوظ فرما دیا۔ اس لئے یہ ختم نبوت امتِ محمدیہ کے لئے اللہ تعالیٰ کی عظیم ترین رحمت ہے

اس سلسلہ میں ایک اہم بات یہ بھی ہے کہ سیدنا محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ذمہ پیغام الٰہی کی تبلیغ، اور اس کو قبول کرنے والوں کی تعلیم و تربیت کے کام کے علاوہ ایک کام یہ بھی تھا کہ ایک ایسی امت تیار کر دیں۔ جو ان تینوں کاموں کو سنبھال لے۔

حضرت شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ نے اس حقیقت کی تعبیر یہ کہ فرمائی ہے

کہ بعثت، بعثت مزدوجہ تھی، یعنی آپ کی بعثت کے ساتھ آپ کی امت کی بھی بعثت ہوئی ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادات میں اس طرف اشارے بھی آئے ہیں کہ آپ کے بعد اللہ تعالیٰ آپ کی امت میں وقتاً فوقتاً ایسے بندے پیدا فرماتا رہے گا۔ جو آپ کے لائے ہوئے دین کی حفاظت و اشاعت اور اس کی صفائی و آبیاری کی خدمت انجام دیتے رہیں گے۔ آپ کے ایک ارشاد کے الفاظ ہیں۔

اِن اللّٰہ یبعث لھذہ الامۃ علی رأس کل مائۃ سنۃ من یجدد لھا دینھا۔ ایک اور حدیث کے الفاظ ہیں۔

یحمل ھٰذا العلم عن کل خلف عدو لہ ینفون عنہ تحریف الغالین وانتحال المبطلین و تاویل الجاھلین "

ایک اور ارشاد کے الفاظ ہیں - " لکل قرن سابق "

ایک اور حدیث کے الفاظ ہیں۔

" بدأ الاسلام غریبًا وسیعود غریبًا فطوبیٰ للغرباء قیل من الغرباء یا رسُول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم)؟ قال الذین یصلحون ما افسد الناس من اُمتی "

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ان سب ارشادات کا حاصل یہی ہے کہ اللہ تعالیٰ ہر دور میں آپ کی امت میں ایسے افراد پیدا فرماتا رہے گا جو آپ کے لائے ہوئے دین کی حفاظت و اشاعت اور تجدید و صفائی کا کام کرتے رہیں گے گذشتہ چودہ سو سال میں دین کی جو خدمات ہوئی ہیں وہ دراصل انہی ارشادات نبوی کی عملی تطبیق ہیں۔

محققین کا خیال ہے کہ ہزارۂ دوم کے آغاز سے اس عظیم کام کا خصوصی مرکز حکمتِ الٰہی نے سرزمینِ ہند کو بنایا۔ حضرت امام ربّانی مجدد الف ثانی سے یہاں اس زرّیں سلسلہ کا آغاز ہوا۔ ان سے اللہ تعالیٰ نے جو بڑے بڑے کام لئے ان میں اکبر کے دینِ الٰہی کا خاتمہ سرفہرست ہے۔ جو ایسا فنا ہوا کہ اب تلاش کرنے سے اس کا ذکر صرف تاریخ کی کتابوں میں ملتا ہے۔ اس کے علاوہ توحید و سنت کی اشاعت، مشرکانہ رسوم و بدعات کے خلاف جہاد تزکیہ و احسان کے صاف ستھرے نظام کی ترویج ــــ بگڑے ہوئے تصوف کی بیخ کنی اور شیعیت کے فتنہ سے اس دور کے مسلمانوں کو بچانے کی جدوجہد ان کے چند اہم تجدیدی کارنامے ہیں۔

ان کے بعد یہ امانت بارہویں صدی میں حضرت شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ کے سپرد ہوئی۔ ان کے زمانے میں ہندوستان میں اسلام اور مسلمانوں پر سخت حالات تھے۔ باہمی تفرقہ و انتشار بہت زیادہ بڑھا ہوا تھا۔ چھوٹی چھوٹی باتوں پر اصرار کی وجہ سے مسلمانوں کے مختلف حلقوں اور مکاتب فکر کی صلاحیتیں باہم ایک دوسرے کی تردید و تضلیل ہی پر صرف ہو رہی تھیں۔ حضرت شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ نے وہ تمام کام کئے جن سے ملّتِ اسلامیہ ہندیہ کی تعمیرِ نو ہو سکے اور اس کی صفوں میں اتحاد اور قدموں میں ثبات پیدا ہو۔ اور ذوق و مزاج عملی اور مثبت ہو لیکن اس کے ساتھ ساتھ انھوں نے وقت کے فتنوں اور اسلام کو درپیش داخلی و خارجی خطروں پر کڑی نظر رکھی۔ یہاں خاص طور پر ردِّ شیعیت کے سلسلہ میں ان کے کام کا حوالہ دیا جا سکتا ہے، انھوں نے نہ صرف یہ کہ خود دو کتابیں تصنیف کیں (۱) ازالۃ الخفاء عن خلافۃ الخلفاء (۲) قرۃ العینین فی تفضیل الشیخین، بلکہ حضرت مجدد الف ثانی کے اس رسالہ کا عربی ترجمہ بھی کیا جو انھوں نے شیعوں کی تکفیر کے سلسلہ

میں علماء خراسان کے فتوے کی تائید میں لکھا تھا۔

حضرت شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ کے متصلاً بعد ان کے صاحبزادہ گرامی حضرت شاہ عبدالعزیز کا زمانہ آیا اس زمانہ کے حالات کا اندازہ آپ جیسے اہل علم ونظر حضرات صرف اس سے لگا سکتے ہیں کہ حضرت شاہ عبدالعزیز صاحب نے اپنے زمانہ میں ہندوستان کو دارالحرب قرار دیا تھا۔ لیکن اپنے تمام دوسرے کاموں کے ساتھ جن میں رجال کار کی تیاری کا کام سب سے زیادہ اہم تھا۔ انھوں نے بھی شیعیت کے فتنہ سے اسلام اور مسلمانوں کی حفاظت کے لئے "تحفۂ اثنا عشریہ" جیسی کتاب تصنیف فرمائی جو انشاء اللہ اس راہ میں قیامت تک مسلمانوں کی رہنمائی کرتی رہیگی۔

پھر حضرت سیّد احمد شہیدؒ اور حضرت شاہ اسماعیل شہیدؒ نے اپنے تمام کاموں کے ساتھ جن میں اعلاء کلمۃ اللہ کے لئے میدان کارزار کا سجانا سرفہرست ہے شرک و بدعات کی بیخ کنی کا کام پورے اہتمام کے ساتھ جاری رکھا۔

پھر وہ وقت آیا کہ مغلیہ حکومت کا اگرچہ کچھ نام باقی تھا لیکن فی الحقیقت وہ ختم ہو چکی تھی۔ اس کی جگہ "سرکار ایسٹ انڈیا کمپنی" کا اقتدار قائم ہو چکا تھا، اس وقت مسلمانوں کی سیاسی مغلوبیت اور کمزوری کے اس موقعہ کو غنیمت سمجھ کر عیسائی مبلغین کی ایک فوج میدان میں آگئی۔ انھوں نے سمجھا تھا کہ اس وقت مسلمانوں کو عیسائی بنالینا آسان ہوگا۔ انھوں نے تحریر و تقریر سے تبلیغی مہم وسیع پیمانے پر شروع کر دی تو ہمارے سلسلہ کے اکابر میں سے حضرت مولانا رحمت اللہ کیرانوی، حضرت مولانا محمد قاسم صاحب نانوتویؒ دیگر علمائے کرام نے ایسا مقابلہ کیا۔ جس نے عیسائی مبلغین کو ہمیشہ کیلئے پسپا اور خاص کر مسلمانوں کی طرف سے مایوس کر دیا — اس کے کچھ ہی بعد سوامی دیانند کی آریہ سماجی تحریک وجود میں آئی انھوں نے بھی اسلام اور مسلمانوں کو اپنا نشانہ بنایا۔ حضرت نانوتویؒ نے تحریر و تقریر سے اس کا بھی مقابلہ کیا۔

اسی دور میں یورپ کے سیاسی غلبہ اور اقتدار کے نتیجہ میں عقلیت اور روشن خیالی کے خوبصورت ناموں سے دہریت اور نیچریت کا فتنہ اٹھا۔ اللہ تعالیٰ کی خاص توفیق سے حضرت نانوتویؒ نے اس طرف بھی خاص توجہ فرمائی اور اپنی تصانیف اور تقریروں سے ثابت کیا کہ اسلام کے تمام بنیادی عقائد و مسائل عقل و فطرت کے عین مطابق ہیں۔ اور جو اس کے خلاف ہے وہی خلافِ عقل و فطرت ہے۔

پھر ان خارجی حملوں اور فتنوں کے دفاع اور مقابلہ کے ساتھ شیعیت کی ضلالت کے خلاف بھی آپ نے لسانی اور قلمی جہاد کیا۔ اس سلسلہ میں آپ کی مستقل تصنیف "ہدایۃ الشیعہ" اور اس موضوع سے متعلق آپ کے مکتوبات حضراتِ اہلِ علم کے لئے قابلِ مطالعہ ہیں۔ اس کے علاوہ تعلیماتِ نبویؐ اور دین کی حفاظت و اشاعت کا سلسلہ جاری رہنے کیلئے دینی مدارس کے قیام کی طرف بھی خاص توجہ فرمائی۔ علیٰ ہذا۔

آپ کے رفیقِ خاص حضرت گنگوہیؒ نے بھی عمر بھر شیعیت اور دوسرے داخلی فتنوں اور گمراہیوں مشرکانہ رسوم و بدعات سے اسلام اور مسلمانوں کی حفاظت کے لئے جدوجہد فرمائی۔ اور اس کو تقرب الی اللہ کا ذریعہ سمجھا۔ انہی کے زمانہ میں مرزا غلام احمد قادیانی کا فتنہ شروع ہوا۔ ابتداء میں جب تک حضرت کے علم میں اس کی وہ باتیں اور دعوے نہیں آئے جن کی وجہ سے اس کو دائرہ اسلام سے خارج قرار دینا فرض و واجب ہو گیا۔ آپ نے احتیاط فرمائی۔ لیکن جب اس کے ایسے دعوے سامنے آگئے۔ جن کے بعد کفِ لسان کی بھی گنجائش نہ رہی تو حضرت نے اس کو دائرۂ اسلام سے خارج قرار دیا۔

حضرت نانوتویؒ اور حضرت گنگوہیؒ کے بعد اُن کے تلامذہ و مسترشدین،

حضرت شیخ الہند حضرت سہارنپوری، حکیم الامت حضرت تھانوی، پھران کے تلامذہ ومسترشدین، حضرت علامہ محمد انور شاہ کشمیری، حضرت مولانا سید محمد مرتضی حسن چاندپوری، حضرت مولانا سید حسین احمد مدنی، حضرت مولانا شبیر احمد عثمانی، حضرت مولانا محمد زکریا صاحب کاندھلوی (رحمہم اللہ تعالیٰ) یہ سب حضرات بھی اپنے اکابر واسلاف کے نقش قدم پر چلتے ہوئے، خارجی حملوں اور داخلی فتنوں سے دین کی حفاظت علوم نبوی کی اشاعت، امر بالمعروف ونہی عن المنکر اور امت کی اصلاح وارشاد کی خدمت انجام دیتے رہے۔ اس وقت بھی ہم میں بڑی تعداد ان لوگوں کی ہے جنہوں نے ان اکابر کی دینی غیرت وحمیت کو اپنی آنکھوں سے دیکھا ہے ہم شہادت دیتے ہیں کہ کوئی بڑی سے بڑی مصلحت ان حضرات کو کسی فتنے سے سمجھوتہ اور کسی زیغ وضلال کو نظر انداز کرنے اور اس سے چشم پوشی پر آمادہ نہیں کرسکتی تھی۔ بارہا ہم نے دیکھا اور تجربہ کیا کہ ہمارے یہ اکابر کسی مسئلہ کی طرف بڑی شدت سے متوجہ ہوئے جو ہم جیسے کوتاہ نظروں کی نگاہ میں اس شدت کا مستحق نہیں تھا۔ لیکن تھوڑے ہی دن بعد سامنے آگیا کہ ہم جس فتنہ کو بہت معمولی سمجھ رہے تھے۔ یا اس کو دین میں رخنہ اور فتنہ ہی نہیں سمجھ رہے تھے وہ دین کے لئے ایسے زہریلے برگ وبار لایا کہ الامان، الحفیظ!

یہ اجلاس تحفظ ختم نبوت کے عنوان سے بلایا گیا ہے اور یہی اس کا اصل موضوع اور مقصد ہے۔ اس سلسلہ میں ہمارے استاذ امام العصر حضرت مولانا محمد انور شاہ قدس سرہٗ سے (خاص طور سے اس دارالعلوم کی صدارت تدریس کے دور میں) اللہ تعالیٰ نے جو کام لیا اور اس کے بارے میں ان کا جو حال تھا (جس کی طرف کچھ اشارہ اجلاس کے دعوت نامہ میں بھی کیا گیا ہے) میں مناسب بلکہ ضروری سمجھتا ہوں کہ اس موقع پر آپ حضرات کے سامنے اس کا کچھ ذکر کروں،

میں اس کا عینی شاہد ہوں۔

اس وقت میں اس سلسلہ کی حضرت کی تصانیف اور ان کی علمی عظمت و اہمیت کا ذکر نہیں کروں گا۔ اسی طرح حضرت کی توجہ اور فکرمندی سے آپ کے تلامذہ کی جو ایک بڑی تعداد قادیانی فتنہ کے خلاف تحریر و تقریر کے ذریعہ علمی جہاد کے لئے تیار ہو کر میدان میں آگئی تھی، اس کا بھی ذکر نہیں کروں گا۔ بس چند واقعات ذکر کروں گا۔ جن سے اس فتنہ کے بارے میں حضرت کی شدتِ احساس اور قلبی اضطراب کا کچھ اندازہ لگایا جا سکے گا۔

میں ۱۳۴۵ھ میں یہاں دورۂ حدیث کا طالب علم تھا، یہ دارالعلوم دیوبند میں حضرتؒ کی صدارتِ تدریس اور درسِ حدیث کا آخری سال تھا جس دن دورۂ حدیث کے طلبہ کا سالانہ امتحان ختم ہوا اس دن حضرت نے بعد نماز عصر مسجد میں دورہ سے فارغ ہونے والے ہم طلبہ کو خصوصی خطاب فرمایا، وہ گویا ہم لوگوں کو حضرت کی آخری وصیت تھی۔ اس میں دوسری اہم باتوں کے علاوہ یہ بھی فرمایا کہ ہم نے اپنی عمر کے پورے تیس ۳۰ سال اس میں صرف کئے کہ یہ اطمینان ہو جائے کہ فقہ حنفی حدیث کے خلاف نہیں ہے — الحمد للہ فیما بیننا و بین اللہ اس پر پورا اطمینان ہو گیا کہ فقہ حنفی حدیث کے خلاف نہیں ہے۔ اگر کسی مسئلہ کے خلاف کوئی حدیث ہے تو کم از کم اسی درجہ کی حدیث اس کی تائید اور موافقت میں موجود ہے۔

لیکن اب ہمارا احساس ہے کہ ہم نے اپنا یہ وقت ایسے کام پر صرف کیا جو زیادہ ضروری نہیں تھا۔ جو کام زیادہ ضروری تھے ہم ان کی طرف توجہ نہیں کر سکے اس وقت سب سے زیادہ ضروری کام دین کی اور امت کی فتنوں سے حفاظت ہے جو بلاشبہ فتنۂ ارتداد ہے میں آپ لوگوں کو وصیت کرتا ہوں کہ ان فتنوں سے امت کی

اور دین کی حفاظت کے لئے اپنے کو تیار کریں یہ اس وقت کا جہاد فی سبیل اللہ ہے۔ آپ اس کے لئے اُردو تحریر و تقریر میں مہارت پیدا کریں، اور جن کیلئے انگریزی میں مہارت حاصل کرنے کا امکان ہو وہ انگریزی میں مہارت پیدا کریں۔ ملک کے اندر ان فتنوں کا مقابلہ اُردو میں کیا جا سکتا ہے۔ اور ملک کے باہر انگریزی کے ذریعہ۔ حضرت الاستاذ قدس سرہٗ سے یہ ارشاد سُنے ساٹھ سال سے زیادہ ہو چکے ہیں۔ الفاظ میں تو یقیناً فرق ہوگا لیکن اطمینان ہے کہ حضرت کا پیغام اور ہم لوگوں کو وصیت یہی تھی۔

حضرت اپنے خطابات اور تقریروں میں قادیانی فتنہ پر گفتگو فرماتے ہوئے اکثر صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے اس غیر معمولی حال اور اضطراب کا ذکر فرماتے تھے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد ارتداد کے فتنوں خاص کر نبوت کے مدّعی مسیلمہ کذّاب کے فتنہ کے سلسلے میں آپ پر طاری تھا۔ ہم لوگ محسوس کرتے تھے کہ اللہ تعالیٰ نے قادیانی فتنہ کے بارے میں کچھ اس طرح کا حال ہمارے حضرت الاستاذ پر طاری فرما دیا ہے۔

یہاں میں فتنۂ قادیانیت کے سلسلہ میں حضرت شاہ صاحب سے متعلق ریاست بہاولپور کے تاریخی مقدمہ کا واقعہ بھی ذکر کرنا مناسب سمجھتا ہوں۔ یہ مقدمہ بہاولپور کی جج کی عدالت میں تھا۔ ایک مسلمان خاتون نے دعویٰ کیا تھا کہ میرا نکاح فلاں شخص سے ہوا تھا۔ اس نے اپنے کو مسلمان ظاہر کیا تھا۔ بعد میں معلوم ہوا کہ وہ قادیانی ہے اس لئے وہ کافر ہے۔ عدالت میرے اس نکاح کو فسخ اور کالعدم قرار دے۔ بہاولپور کے علماء کرام نے اس مقدمہ کی پیروی کا فیصلہ کیا، اس سلسلہ میں حضرت شاہ صاحب کو بھی دعوت دی گئی کہ وہ تشریف لائیں اور عدالت میں بیان دیں۔ اس وقت حضرت مریض اور مرض کی وجہ سے بہت

ضعیف ونحیف تھے بالکل اس لائق نہ تھے کہ بہاولپور تک کا طویل سفر فرمائیں لیکن آپ نے اسی حال میں تشریف لے جانے کا فیصلہ فرمایا (میں نے سُنا ہے کہ فرماتے تھے کہ میرے پاس کوئی عمل نہیں ہے جس سے نجات کی امید ہو، شائد اس حال میں یہ سفر ہی میری نجات ومغفرت کا وسیلہ بن جائے)، بہرحال تشریف لے گئے۔ اور جاکر عدالت میں بڑا معرکۃ الآرا بیان دیا، دوسرے چند حضرات علمائے کرام کے بھی بیانات ہوئے۔ خاص کر حضرت شاہ صاحب کے بیان سے جج فاضل جج کو مطمئن کردیا کہ قادیانی ختم نبوت کے انکار اور مرزا غلام احمد کو نبی ماننے کی وجہ سے دائرۂ اسلام سے خارج کافر ومرتد ہیں۔ انھوں نے بہت مفصّل فیصلہ لکھا، دعویٰ کرنے والی مُسلم خاتون کے حق میں ڈگری دی۔ اور نکاح فسخ اور کالعدم قرار دیا۔ فاضل جج کا یہ فیصلہ قریبًا ڈیڑھ سو صفحات کی کتاب کی شکل میں اسی زمانہ میں "فیصلہ مقدمہ بہاولپور" کے نام سے شائع ہوگیا تھا۔ اس کے مطالعہ سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ اس کی بڑی بنیاد حضرت شاہ صاحب کا بیان تھا۔ طانوی حکومت کے دور میں یہ پہلا عدالتی فیصلہ تھا جس میں قادیانیوں کو کافر اور غیر مسلم قرار دیا گیا تھا۔

فتنۂ قادیانیت کے ہی سلسلہ میں ایک واقعہ حضرت شاہ صاحب کے جلال کا بھی سُن لیجئے۔ دورۂ حدیث کے ہمارے ہم سبق طلبہ میں ضلع اعظم گڈھ کے بھی چند حضرات تھے۔ اسی زمانے میں ضلع اعظم گڈھ کے ایک صاحب جو قادیانی تھے، سہارنپور میں حکومت کے کسی بڑے عہدہ پر آگئے وہ ایک دن اپنے ہم ضلع اعظم گڑھی طلبہ سے ملنے کے لئے (لیکن فی الحقیقت ان کو جال میں پھانسنے کیلئے) دارالعلوم آئے، ان طلبہ نے اُن کی اچھی خاطر مدارات کی، وہ شکار کے بہانے ان میں سے بعض کو اپنے ساتھ بھی لے گئے جو رات کو دارالعلوم واپس آگئے۔ حضرت شاہ صاحب کو

کسی طرح اس واقعہ کی اطلاع ہوگئی ۔ حضرت کو ان طلبہ کی اس دینی بے حمیتی سے سخت قلبی اذیت ہوئی، ان طلبہ کو اس کا علم ہوا تو ان میں سے ایک سعادت مند طالب علم غالباً معافی مانگنے کے لئے حضرت کی خدمت میں پہنچ گئے حضرت پر جلال کی کیفیت طاری تھی۔ قریب ہیں چھڑی رکھی تھی اس سے ان کی خوب پٹائی کی (یہ فاروقی شدت فی امر اللہ کا ظہور تھا) ہمارے وہ ہم سبق طالب علم بڑے خوش اور مسرور تھے اور اس پر فخر کرتے تھے کہ ایک غلطی پر حضرت شاہ صاحب کے ہاتھ سے پٹنے کی سعادت ان کو نصیب ہوئی۔ جو حضرت کے ہزاروں شاگردوں میں سے غالباً کسی کو نصیب نہ ہوئی ہوگی۔ کیوں کہ حضرت فطری طور پر بہت ہی نرم مزاج تھے۔ ہم نے کبھی ان کو غصہ کی حالت میں نہیں دیکھا۔

آخر میں اپنا ایک ذاتی واقعہ ذکر کرنا بھی مناسب سمجھتا ہوں۔ میرے اصل آبائی وطن سنبھل سے تقریباً پندرہ میل کے فاصلہ پر ایک موضع ہے اس موضع میں چند دولت مند گھرانے تھے، والد ماجد رحمۃ اللہ علیہ سے ان لوگوں کے تجارتی اور کاروباری تعلقات تھے جس کی وجہ سے ان کی آمد و رفت رہتی تھی۔ میں جب شعبان ۱۳۴۵ھ کے اواخر میں دار العلوم کی تعلیم سے فارغ ہو کر مکان پہنچا تو میرے بڑے بھائی صاحب نے بتلایا کہ اس موضع والوں کے کوئی رشتہ دار امروہہ میں ہیں جو قادیانی ہیں ۔ معلوم ہوا ہے کہ وہ برابر وہاں آتے ہیں اور قادیانیت کی تبلیغ کرتے ہیں ۔ اور دعوت دیتے ہیں اور لوگ متأثر ہو رہے ہیں۔ اور سنا ہے کہ اس کا خطرہ ہے کہ بعض لوگ قادیانی ہو جائیں۔ میں نے عرض کیا کہ وہاں چلنا چاہیئے۔ آپ پروگرام بنایئے! (میرے یہ بھائی صاحب مرحوم عالم تو نہیں تھے لیکن اللہ تعالیٰ نے دین کی بڑی فکر عطا فرمائی تھی)۔ چند روز کے بعد انھوں نے بتلایا کہ معلوم ہوا ہے کہ امروہہ کا وہ قادیانی (جس کا نام عبد السمیع تھا)

فلاں دن وہاں آنے والا ہے۔ بھائی صاحب نے اس سے ایک دن پہلے پہنچنے کا پروگرام بنایا۔ رمضان مبارک کا مہینہ تھا، ہم اپنے پروگرام کے مطابق پہنچ گئے۔ لوگوں سے ہم نے باتیں کیں تو اندازہ ہوا کہ بعض لوگ بہت متأثر ہو چکے ہیں، بس اتنی ہی کسر ہے کہ ابھی باقاعدہ قادیانی نہیں ہوئے ہیں۔ جب ہم نے قادیانیت کے بارے میں ان لوگوں سے گفتگو کی تو انھوں نے بتلایا کہ امروہہ سے عبدالسمیع صاحب آنے والے ہیں آپ اُن کے سامنے یہ باتیں کریں۔ ہم نے کہا یہ تو بہت ہی اچھا ہے ہم ان سے بھی بات کریں گے۔ اور ان کو بھی بتلائیں گے کہ مرزا غلام احمد قادیانی کیسا آدمی تھا اور اس کو نبی ماننا گمراہی کے علاوہ کتنی بڑی حماقت ہے۔ اس گفتگو ہی کے درمیان وہاں کے ایک صاحب نے (جو کچھ پڑھے لکھے) اور عبدالسمیع کی باتوں سے زیادہ متأثر تھے، بتلایا کہ وہ تو مولانا عبدالشکور صاحب لکھنوی سے مناظرہ کر چکا ہے۔ اور امروہہ کے سب بڑے بڑے عالموں سے بحث کر چکا ہے اور سب کو لاجواب کر چکا ہے۔

واقعہ یہ ہے کہ یہ بات سُن کر میں بڑی فکر میں پڑ گیا اور دل میں خطرہ پیدا ہوا کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ وہ اپنی تجربہ کاری اور چرب زبانی سے لوگوں کو متأثر کر لے میں نے دُعا کی کہ اللہ تعالیٰ میری مدد اور انجام بخیر فرمائے۔ میں اسی حال میں سو گیا۔ خواب میں حضرت استاذ قدس سرہٗ کو دیکھا۔ آپ نے کچھ فرمایا جس سے دل میں اعتماد اور یقین پیدا ہو گیا کہ بڑے سے بڑا کوئی قادیانی مناظر آجائے تب بھی میرے ذریعہ اللہ تعالیٰ حق کو غالب اور اس کو مغلوب فرمائے گا۔ اس کے بعد میری آنکھ کھلی تو الحمدللہ میرے دل میں وہی یقین و اعتماد تھا۔ لیکن امروہہ سے وہ قادیانی عبدالسمیع نہیں آیا۔ ہم نے کہا کہ اب جب کبھی وہ آئے تو ہم کو اطلاع دیجو ہم انشاء اللہ آئیں گے۔ اس کے بعد ہم نے لوگوں کو بتلایا اور سمجھایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد نبوت کا دعویٰ کرنا یا کسی دعویٰ کرنے والے کو نبی ماننا

صریح کفر و ارتداد ہے اور مرزا قادیانی کے بارے میں بتلایا کہ وہ کیسا آدمی تھا
ہم بفضلہ تعالیٰ وہاں سے اس اطمینان کے ساتھ واپس ہوئے کہ انشاء اللہ اب
یہاں کے لوگ اس قادیانی کے جال میں نہیں آئیں گے۔ خواب میں اللہ تعالیٰ
نے جو کچھ مجھے دکھایا اس کو میں نے اللہ تعالیٰ کی طرف سے بشارت اور حضرت شاہ صاحبؒ
کی کرامت سمجھا۔

محترم حضرات! حضرت شاہ صاحب کے یہ چند واقعات تو میں نے صرف اس لئے
بیان کئے کہ اس دارالعلوم کے اکابر میں اللہ تعالیٰ نے ختم نبوت کے تحفظ کا
اور قادیانی فتنہ کے خلاف جہاد کا (جو اس اجلاس کا خاص موضوع ہے) سب سے
زیادہ کام انہی سے لیا ـــــ ورنہ میں تاریخی تسلسل کی روشنی میں عرض کر رہا
تھا کہ ہمارے اس سلسلہ مجددی و ولی اللّٰہی اور سلسلۂ قاسمی و گنگوہی کی ایک
خصوصیت بتوفیق خداوندی ہر قسم کے فتنوں اور ہر قسم کی تحریف سے دین اور
امت کی حفاظت، اور اس سلسلہ میں پوری بیداری، ہوشیاری اور صلابت و صراحت
رہی ہے۔ ہمیں یہ فکر ہونی چاہیئے کہ یہ مزاج اپنی تمام تر خصوصیات کے ساتھ
زندہ اور قائم رہے اور ہماری ان نسلوں کو منتقل ہو جو ہمارے مدارس میں
تیار ہو رہی ہیں۔

میں اس موقع پر آپ حضرات سے اپنا یہ احساس عرض کر دینا ضروری سمجھتا
ہوں کہ وقت کا بہت اہم مسئلہ یہ ہے کہ امت کے عوام ہی میں نہیں بلکہ ان
میں جن کو خواص سمجھا جاتا ہے۔ ایک بڑی تعداد ہے جو دین کے بنیادی عقائد
حقائق کے بارے میں بھی، تسامح، تساہل اور چشم پوشی کے رویہ کو اچھے اچھے
نام دے کر اختیار کرتی جا رہی ہے۔ خطرہ یہ ہے کہ وہ ایمانی غیرت و حمیت
اور وہ دینی حس جو اکثر بڑے بڑے فتنوں کے مقابلہ میں محافظینِ دین کی مددگار رہی ہے

کہیں وہ اتنی مضمحل نہ ہو جائے کہ پھر اس کے بعد آپ کو دو طرفہ کام کرنا پڑے، ایک تو آپ کو ان فتنوں کا مقابلہ کرنا پڑے۔ اور دوسری طرف امت کو بلکہ ان کے خواص کو اس بات پر مطمئن کرنے پر اپنی توانائی صرف کرنی پڑے کہ عقیدہ اور دین پر کسی اور شئے کو مقدم کرنا ہمارے دین کے خلاف ہے

اگر یہ اجلاس ختم نبوت کے خلاف ہونے والی صریح اور پوشیدہ بغاوتوں اور اسی طرح دوسرے فتنوں کے مقابلہ کے لئے اپنے اکابر واسلاف کی روایات کو زندہ کرنے کی کوشش کا نقطۂ آغاز بن جائے اور مدارس کے فضلاء کی ایسی جامع تربیت کا ایسا پروگرام شروع کرنے کا فیصلہ کردے جس کے ذریعہ انھیں دین کی حفاظت اور فتنوں کے مقابلہ کے لئے تیار کیا جائے تو میرے خیال میں یہ اجلاس کی افادیت کا ایک عملی ثبوت ہوگا۔

آخری کلمہ اللہ تعالیٰ کی حمد وثنا اور خاتم النبیین حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر درود وسلام ہے۔ اللھم انصر من نصر دین محمد صلی اللہ علیہ وسلم واجعلنا منہم واخذل من خذل دین محمد صلی اللہ علیہ وسلم ولا تجعلنا منہم۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الحمد للہ وکفیٰ وسلام علیٰ عبادہ الذین اصطفیٰ

قادیانیت اسلام کے متوازی ایک جدید مذہب

از مولانا حبیب الرحمٰن قاسمی

۱۸۵۷ء کے بعد اگرچہ ہندوستان پر انگریزوں کا تسلط مکمل طور پر قائم ہو گیا تھا۔ اور ان کا پنجہ استبداد ملک کو اپنی گرفت میں لے چکا تھا۔ پھر بھی حکومت برطانیہ اس خطرے سے بے نیاز نہیں تھی کہ ہندوستانی قوم بالخصوص مسلمان جن سے انگریزوں نے ملک کی زمام اقتدار چھینی تھی اگر متحد و متفق ہو گئے تو اپنے اس غاصبانہ تسلط کو برقرار رکھنا مشکل ہو جائے گا۔ اس لئے آئین جہانداری کی رو سے ضروری سمجھا گیا کہ ان کے ذہنی مشغلہ اور روحانی توجہ کیلئے نہ صرف مذاہب عالم کو آپس میں ٹکرا دیا جائے۔ بلکہ ہر مذہب میں نئے نئے فرقے پیدا کئے جائیں۔ اور پھر ہر فرقے میں نئی نئی قلمیں لگا کر ہندوستان کو مذاہب و افکار کی آویزش کی ایک آماجگاہ بنا دیا جائے۔ تاکہ آوازۂ حریت بلند کرنے کی کسی کو فرصت ہی نہ ملے اور اگر کسی گوشے سے یہ آواز اٹھے بھی تو اس افتراقی غلغلہ کے شور میں دب کر رہ جائے۔

چنانچہ انگریزوں کی نگاہِ دوربیں نے مسلمانوں کے اندر مذہبی رنگ میں افتراق و انتشار پیدا کرنے کے لئے مرزا غلام احمد قادیانی کا انتخاب کیا جس کے

بعد آسمان مغرب سے مرزا پر وحی خفی و جلی کا سلسلہ شروع ہو گیا جس کے ذریعہ نبی آخر الزماں محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی شریعت کے مقابل و متوازی ایک جدید شریعت امت کے سامنے پیش کی گئی۔ اس طرح مسلمانوں کے اندر ایک نئے فرقہ کا اضافہ ہو گیا۔ اور یہی شاطرانِ فرنگ کا عین مطلوب و مقصود تھا۔

یہ فتنہ انگریزوں کی در پردہ سازش سے اس قوت کے ساتھ اٹھایا گیا تھا۔ کہ اگر علمائے اسلام اس کے مدمقابل ڈٹ نہ جاتے تو جس طرح سینٹ پال نے دین مسیحیت کو ایک تین اور تین ایک کے غیر معقول فلسفہ میں الجھا کر وحدانیت سے شرک کی راہ پر ڈال دیا۔ ٹھیک اسی طرح مرزا غلام احمد قادیانی وحی و الہام کے پُر فریب دعوؤں کے ذریعہ دینِ اسلام کو مسخ کر کے الحاد و دہریت کا ترجمان بنا دیتے۔

اس مختصر مقالہ میں مرزا غلام احمد کی اسی ناپاک کوشش کے دس نمونے پیش کئے گئے ہیں۔ پورے مقالہ میں اس بات کا بطور خاص لحاظ رکھا گیا ہے کہ اپنی طرف سے کچھ کہنے کے بجائے قرآن و سنت سے ماخوذ اسلامی عقائد و احکام..... اور اس کے بالمقابل..... متوازی مذہب مرزائی کے مزعومات خود بانی مذہب مرزا قادیانی کی زبان سے پیش کر دئے جائیں۔

اسلامی شریعت کا یہ بنیادی عقیدہ ہے کہ رسالت مآب محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم خاتم النبیین ہیں آپ کی ذات والاصفات پر مراتب نبوت ختم ہو گئے۔
اللہ جل مجدہٗ کا ارشاد ہے۔

دلائل عقیدہ ۱

مَا كَانَ مُحَمَّدٌ أَبَا أَحَدٍ مِّن رِّجَالِكُمْ وَلَٰكِن

محمد رسول اللہ تمہارے مردوں میں سے کسی کے باپ نہیں ہیں

رسول اللہ وخاتم النبیین (احزاب) لیکن انبیاء کے خاتم اور آخری نبی ہیں۔
قدیم ترین مفسر امام ابن جریر طبری متوفی ۳۱۰ھ اس آیت کریمہ کی تفسیر میں لکھتے ہیں۔

"ولکنہ رسول اللہ وخاتم النبیین الذی ختم النبوۃ فطبع علیہا فلا تفتح لاحد بعدہ الی قیام الساعۃ"۔ (جامع البیان فی تفسیر القرآن ص۱۱ ج۲۲)

آپ اللہ کے رسول اور خاتم النبیین ہیں یعنی ایسے شخص ہیں جس نے نبوت کو ختم کردیا اور اس پر مہر لگادی آپ کے بعد اب قیامت تک کسی کے لئے یہ نہیں کھولا جائے گا۔

محقق حافظ عماد الدین ابن کثیر المتوفی ۷۷۴ھ تحریر کرتے ہیں۔

فھذہ الاٰیۃ نص فی انہ لا نبی بعدہ واذا کان لا نبی بعدہ فلا رسول بالطریق الاولیٰ والاحریٰ لان مقام الرسالۃ اخص من مقام النبوۃ فان کل رسول نبی ولا ینعکس۔ وبذالک وردت الاحادیث المتواترۃ عن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم من حدیث جماعۃ من الصحابۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہم (تفسیر ابن کثیر ص۔۔)

یہ آیت اس بارے میں نص صریح ہے کہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد کوئی نبی نہیں ہوسکتا اور جب کوئی نبی نہ ہوگا تو رسول بدرجۂ اولیٰ نہ ہوگا۔ کیونکہ رسالت کا مرتبہ نبوت کے مرتبہ سے خاص ہے ہر رسول کا نبی ہونا ضروری ہے اور ہر نبی کا رسول ہونا ضروری نہیں۔ اس مسئلہ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی احادیث متواترہ بھی حضرات صحابہ سے منقول ہیں۔

امام زمخشری، قاضی ابو سعود، امام نسفی، علامہ سید آلوسی وغیرہ مشاہیر علمائے تفسیر نے بھی اپنی اپنی تفسیروں میں باختلاف الفاظ یہی بات لکھی ہے البتہ علامہ زمخشری

اور قاضی ابو سعود نے اس موقع پر ایک شبہ کا جواب بھی دیا ہے۔ شبہ یہ ہے کہ جب مسلمانوں کا یہ عقیدہ ہے کہ قرب قیامت میں حضرت عیسیٰ علی نبینا علیہ الصلاۃ والسلام دنیا میں نزول اجلال فرمائیں گے۔ تو پھر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم خاتم الانبیاء اور آخری نبی کیسے ہو سکتے ہیں۔ امام زمخشری اس کے جواب میں لکھتے ہیں کہ "معنی کونہ آخر الانبیاء انہ لا ینبأ احد بعدہ و عیسیٰ (علیہ السلام) ممن نبئ قبلہ" آخر الانبیاء کا مطلب یہ ہے کہ آپ کے بعد کوئی نبی نہیں بنایا جائے گا اور عیسیٰ علیہ السلام ان حضرات انبیاء میں ہیں جنھیں رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم سے پہلے منصب نبوت سے سرفراز کر دیا گیا ہے۔

صحابئ رسول حضرت ثوبان رضی اللہ عنہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے نقل کرتے ہیں کہ آپ نے ارشاد فرمایا۔

سیکون فی امتی کذابون ثلاثون کلھم یزعم انہ نبی وانا خاتم النبیین لا نبی بعدی۔

(ابوداؤد ص۲۲۸ ج۲ و ترمذی ص۴۵ ج۲)

میری امت میں تیس ایسے جھوٹے پیدا ہوں گے جن میں ہر ایک یہ دعویٰ کرے گا کہ میں نبی ہوں حالانکہ میں خاتم النبیین ہوں میرے بعد کوئی کسی قسم کا نبی نہیں ہو سکتا۔

مشہور شارح حدیث حافظ ابن حجر عسقلانی اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں

لیس المراد بالحدیث من ادعی النبوۃ مطلقاً فانھم لا یحصون کثرۃ لکون غالبھم ینشأ لھم ذلک من جنون و سوداء وانما المراد من قامت لہ الشوکۃ (فتح الباری ص۳۴۳ ج۱۴)

اس حدیث پاک میں مطلقاً مدعی نبوت مراد نہیں کیونکہ ایسے (عقل باختہ) بے شمار ہیں۔ کیونکہ یہ بے بنیاد دعویٰ بالعموم پاگل پن اور سوداویت کے غلبہ سے

وجود میں آتا رہتا ہے بلکہ اس حدیث میں جن تیسؓ (تیس) دجال، وکذاب کا ذکر ہے اس سے مراد وہ لوگ ہیں جنھیں پیرو کاروں کی کثرت اور شوکت حاصل ہو جائے۔

اسی مفہوم کی حدیث، بخاری، مسلم، ترمذی، ابن ماجہ، صحیح ابن حبان، ابو یعلیٰ اور مستدرک حاکم میں علی الترتیب ابو ہریرہؓ (متعدد طرق)، سعدؓ بن ابی وقاص، عقبہؓ بن عامر، جبیرؓ بن مطعم، ابو امامہ باہلی، ابو ذرؓ غفاری، انسؓ بن مالک، تمیمؓ داری اور زیدؓ بن حارثہ رضی اللہ عنہم کی روایت سے منقول ہے۔ اس لئے معنوی طور پر یہ حدیث متواتر ہے کیونکہ ائمہ اصول حدیث کی تصریح کے مطابق جو حدیث دس حضرات صحابہ سے مروی ہو وہ حد تواتر کو پہنچ جاتی ہے۔

کتاب وسنّت کے ان نصوص کی بنا پر محقق ابن نجیم لکھتے ہیں: اذا لم یعرف ان محمدا آخر الانبیاء فلیس بمسلم لانہ من ضروریات الدین۔ (الاشباہ والنظائر ص۱۳۸) جب کوئی اس کا معترف نہ ہو کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم آخر الانبیاء ہیں تو وہ مسلمان نہیں ہے کیونکہ یہ ضروریاتِ دین سے ہے (جس کا عدم اعتراف مسلمان کو دائرہ اسلام سے خارج کر دیتا ہے) ملا علی قاری آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد دعویٰ نبوت کرنے والے کے کفر پر اجماع نقل کرتے ہیں۔ (شرح فقہ اکبر ص۲۰۲)

ان تفصیلات سے معلوم ہو گیا کہ بنص کتاب وسنّت اور باجماع علماء امت ہمارے نبی محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم خاتم الانبیاء والمرسلین ہیں آپؐ کے بعد دعوائے نبوت کرنے والا بالفاظ حدیث دجال، کذاب ہے اور باتفاق علماء دین مرتد وکافر ہے۔ یہ بات بھی اہل علم سے مخفی نہیں ہے کہ اسلام میں سب سے پہلے اسی مسئلہ پر اجماع ہوا ہے۔

اسی بنیادی واجماعی عقیدہ کے برخلاف مرزا غلام احمد قادیانی اور ان کے ماننے

والوں کا عقیدہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر نبوت ختم نہیں ہوتی ہے آپ کے بعد بھی نبوت کا دروازہ کھلا ہوا ہے اور خود مرزا غلام احمد اس وقت منصب نبوت پر فائز ہیں۔ آنجہانی مرزا غلام احمد قادیانی کی چند عبارتیں ملاحظہ ہوں۔ لکھتے ہیں۔

(۱) "خدا وہ خدا ہے کہ جس نے اپنے رسول کریم یعنی اس عاجز کو ہدایت، اور دین حق، اور تہذیب اخلاق کے ساتھ بھیجا" (اربعین نمبر ۳ ص۲۴ طبع ۱۹۰۰ء وضمیمہ تحفہ گولڑویہ ص۲۶)

(۲) "میں (مرزا غلام احمد) جب کہ اس مدت تک ڈیڑھ سو پیشگوئی کے قریب خدا کی طرف سے بچشم خود دیکھ چکا ہوں کہ صاف طور پر پوری ہوگئیں تو میں اپنی نسبت نبی یا رسول کے نام سے کیونکر انکار کرسکتا ہوں اور جب کہ خود خدا تعالیٰ نے یہ نام میرے رکھے ہیں تو میں کیونکر رد کردوں"

(اشتہار ایک غلطی کا ازالہ ۱۹۰۱ء مندرجہ حقیقۃ الوحی ص۲۶۴)

(۳) سچا خدا وہی خدا ہے جس نے قادیان میں اپنا رسول بھیجا (دافع البلاء ص۱۱)

اسلامی شریعت کا عقیدہ ص۲ اسلام کا عقیدہ ہے کہ نبی کریم محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد وحی کا دروازہ بند ہوگیا اب کسی پر منجانب اللہ وحی نازل نہیں ہوگی۔

چنانچہ ایک طویل حدیث میں حضرت فاروق اعظمؓ خلیفۂ اول حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کا یہ قول نقل کرتے ہیں۔

"انہ انقطع الوحی وتم الدین — وحی منقطع ہوگئی اور دین تمام ہوگیا

(مشکوٰۃ ص۵۵۶ بحوالہ رزین)

امام بخاری نے ان الوحی قد انقطع کے الفاظ سے اس اثر کی تخریج کی ہے شیخ عبدالوہاب شعرانی الیواقیت والجواہر میں لکھتے ہیں۔

فما بقی للاولیاء الیوم بعد ارتفاع النبوۃ الا التعریفات وانسدت ابواب الاوامر الالٰھیۃ والنواھی فمن ادّعٰھا بعد محمد صلی اللہ علیہ وسلم فھو مدع شریعۃ اوحیٰ بھا الیہ سواء وافق شرعنا او خالف فان کان مکلفا ضربنا عنقہ والّا ضربنا عنہ صفحًا (ص ۳۸ ج ۲)

آج سلسلہ نبوت کے منقطع ہوجانے کے بعد اولیاء کے لئے معرفتوں کے علاوہ کچھ باقی نہیں رہا اور اوامر ونواہی الٰہیہ کے دروازے بند ہوگئے ہیں لہذا جو شخص آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد نزول وحی ربّانی کا دعوی کرے تو وہ (جدید) شریعت کا مدّعی ہے جو اس کی طرف وحی کی گئی ہے۔ خواہ ہماری شریعت کے موافق ہو یا مخالف پھر اگر وہ مدّعی مکلّف (عاقل بالغ) ہے تو اس کی گردن اڑادیں گے اور اگر غیر مکلّف (مجنون وطفل غیر عاقل) ہے تو اس سے اعراض کریں گے۔

قاضی عیاضؒ لکھتے ہیں۔

وکذالک من ادعی منھم انہ یوحیٰ الیہ وان لم یدع النبوۃ فھولاء کلھم کفار مکذبون للنبی صلی اللہ علیہ وسلم۔ (شفاء ص ۲۳۷ ج ۲)

ایسے ہی وہ شخص (بھی کافر ہے) جس نے دعویٰ کیا کہ میرے پاس وحی ربّانی آتی ہے۔ اگرچہ مدّعی نبوت نہ ہو یہ سب کے سب کافر اور نبی کریمؐ کی تکذیب کرنے والے ہیں۔

ان تصریحات کے بعد مرزا غلام احمد کی ہفوات سنئے۔ اور دیکھئے اسلامی عقائد کے مدمقابل یہ کیا عقیدہ رکھتے ہیں۔

(۱) "مگر بعد میں جو خدا تعالیٰ کی وحی بارش کی طرح میرے پر نازل ہوئی اس نے مجھے اس عقیدہ پر قائم رہنے نہ دیا" (حقیقۃ الوحی ص۱۵۰)

(۲) "اور بعد میں جس طرح قرآن شریف پر ایمان رکھتا ہوں۔ ایسا ہی بغیر فرق ایک ذرہ کے خدا کی اس کھلی کھلی وحی پر ایمان رکھتا ہوں جو مجھے ہوئی" (اشتہار ایک غلطی کا ازالہ مندرجہ حقیقۃ الوحی ص۲۶۲)

(۳) یہ بھی تو سمجھو کہ شریعت کیا چیز ہے جس نے اپنی وحی کے ذریعے سے چند امر و نہی بیان کئے اور اپنی امت کے لئے ایک قانون مقرر کیا وہی صاحب الشریعۃ ہو گیا۔ پس اس تعریف کی رو سے بھی ہمارے مخالف ملزم ہیں کیونکہ میری وحی میں امر بھی ہوتے ہیں اور نہی بھی الخ (اربعین ۴ ص ۷)

مرزا نے اپنی اس تحریر میں صاحب وحی ہونے کے ساتھ صاحب الشریعۃ ہونے کا دعویٰ بھی کیا ہے

۳۔ اسلامی شریعت میں نجات صرف آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی اتباع اور پیروی میں ممکن ہے جیسا کہ باری تعالیٰ عز اسمہٗ کا ارشاد ہے۔

قل إن كنتم تحبون الله فاتبعوني يُحْبِبْكُمُ اللّٰهُ وَيَغْفِرْ لَكُمْ ذُنُوبَكُمْ وَاللّٰهُ غَفُورٌ رَّحِيمٌ ○ قُلْ أَطِيعُوا اللّٰهَ وَالرَّسُولَ فَإِنْ تَوَلَّوْا فَإِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ الْكٰفِرِينَ (آل عمران)	آپ (اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم) کہدیجئے اگر تم اللہ کی محبت رکھتے ہو تو میری پیروی کرو تاکہ تم سے اللہ محبت کرے اور تمہارے گناہ بخش دے اور اللہ بخشنے والا مہربان ہے آپ (اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم) کہدیں اطاعت کرو اللہ کی اور رسول کی پھر اگر اعراض کریں تو اللہ کو محبت نہیں ہے کافروں سے

ان دونوں آیتوں میں رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی پیروی کو مغفرت اور نجات کا

ذریعہ بتایا گیا ہے اور آپ کی اتباع سے اعراض کو کفر سے تعبیر فرمایا گیا ہے جس کا صاف مطلب یہی ہے کہ مدار نجات آپ ہی کی پیروی ہے۔

اس کے برخلاف مرزا قادیانی کہتے ہیں کہ اب مدار نجات میری وحی میں ہے جو اس کی اتباع نہیں کرے گا وہ جہنمی ہے۔ ملاحظہ ہو ان کی عبارت ملفظہ۔

(۱) "چونکہ میری تعلیم میں امر بھی ہے اور نہی بھی اور شریعت کے ضروری احکام کی تجدید ہے۔ اس لئے خدا تعالیٰ نے میری تعلیم کو اور اس کی وحی کو فلک یعنی کشتی کے نام سے موسوم کیا ہے ـــ اب دیکھو خدا نے میری وحی اور میری تعلیم کو میری بیعت کو نوح کی کشتی قرار دیا اور تمام انسانوں کے لئے اس کو مدار نجات ٹھہرایا جس کی آنکھیں ہوں دیکھے اور جس کے کان ہوں سُنے۔ (حاشیہ اربعین ۴ ص ۷)

(۲) "بہرحال جب کہ خدائے تعالیٰ نے مجھ پر ظاہر کیا ہے کہ ہر وہ شخص جس کو میری دعوت پہنچی ہے اور اس نے مجھے قبول نہیں کیا ہے وہ مسلمان نہیں اور خدا کے نزدیک قابلِ مواخذہ ہے" (منہج المصلی مجموعہ فتاویٰ احمدیہ ص ۲۷)

(۳) مرزا محمود بن مرزا غلام احمد قادیانی اپنی کتاب حقیقۃ الوحی میں لکھتے ہیں۔

"آپ (مرزا غلام احمد) کی اطاعت کو اللہ تعالیٰ نے ضروری قرار دیا ہے اور اسے مدار نجات ٹھہرایا ہے" (ص ۱۵۶)

۴ :۔ اسلامی شریعت کا عقیدہ ہے کہ معجزہ نبی کے علاوہ کسی سے ظاہر نہیں ہوسکتا اور چونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر سلسلۂ نبوت ختم ہوگیا۔ اس لئے اب کسی سے معجزہ صادر نہیں ہوسکتا۔ امام شعرانی تحریر فرماتے ہیں۔

وقد حدّ جمهور الاصوليين ـــ	جمہور اصولیوں نے معجزہ کی یہ تعریف کی ہے
المعجزة بانّها امرٌ خارق للعادة	کہ تحدی یعنی دعویٰ رسالت کے ساتھ
مقرون بالتحدي مع عدم المعارضة	رسول سے امر خارق ظاہر ہو اور کوئی

اس کا معارضہ نہ کر سکے

اس دعویٰ کے مقابلہ میں آنجہانی مرزا کی لن ترانی ملاحظہ ہو۔

(۱) "ہاں اگر یہ اعتراض ہو کہ اس جگہ معجزات کہاں ہیں تو میں صرف یہی جواب دوں گا کہ میں معجزات دکھلا سکتا ہوں۔ بلکہ خدا کے فضل و کرم سے میرا جواب یہ ہے کہ اس نے میرا دعویٰ ثابت کرنے کیلئے اس قدر معجزات دکھائے ہیں کہ بہت ہی کم نبی ایسے آئے ہیں جنھوں نے اس قدر معجزات دکھائے ہوں بلکہ سچ تو یہ ہے کہ اس قدر معجزات کا دریا رواں کر دیا ہے کہ باستثناء ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے باقی تمام انبیاء علیہم السلام میں ان کا ثبوت اس کثرت کے ساتھ قطعی اور یقینی طور پر محال ہے کوئی قبول کرے یا نہ کرے" (تتمہ حقیقۃ الوحی ص ۱۳۶)

ایک موقع پر لکھتے ہیں۔

۲۔ اور خدا تعالیٰ نے اس بات کو ثابت کرنے کے لئے کہ میں اس کی طرف سے ہوں اس قدر نشان دکھلائے ہیں کہ اگر وہ ہزار نبی پر بھی تقسیم کئے جائیں تو ان کی بھی ان سے نبوت ثابت ہو سکتی ہے۔ (چشمۂ معرفت ص ۳۱۷)

براہین احمدیہ حصہ پنجم میں لکھا ہے۔

" درحقیقت یہ خرق عادت نشان ہیں اور اگر بہت ہی سخت گیری اور زیادہ سے زیادہ احتیاط سے بھی ان کا شمار کیا جائے تب بھی یہ نشان جو ظاہر ہوئے دس لاکھ سے زیادہ ہوں گے۔ (ص ۵۶)

تحفۂ گولڑویہ ص ۶۳ پر مرزا صاحب نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے معجزات کی تعداد تین ہزار بتائی ہے اور اپنے معجزات کی تعداد دس لاکھ سے بھی زائد بتاتے ہیں۔ اس لئے تتمہ حقیقۃ الوحی ۱۳۶ پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے معجزات کا استثناء محض ایک فریب ہے۔

۵ ۔ اسلامی شریعت میں رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم افضل کائنات ہیں مخلوق میں سے کوئی بھی اُن کے مقام مرتبہ کو نہیں پہنچ سکتا۔ افضل البریہ علیہ السلام والتحیہ کا ارشاد ہے۔

عن جابر ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال انا قائد المرسلین ولا فخر (مشکوٰۃ ص۵۱۴ بحوالہ دارمی)	حضرت جابرؓ راوی ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میں تمام مرسلین کا قائد اور پیشرو ہوں اور کوئی فخر نہیں

ایک دوسری حدیث میں آپؐ فرماتے ہیں۔

انا اکرم الاولین و الاٰخرین و لا فخر (مشکوٰۃ ص۵۱۳ بحوالہ ترمذی)	میں تمام اگلوں اور پچھلوں سے افضل ہوں بلا فخر کے۔

اور مرزا صاحب اپنی تعریف میں یوں گویا ہیں۔

(۱) انبیاء گرچہ بودہ اند بسے — من بعرفاں نہ کمترم زکسے
آنچہ داد است ہر نبی را جام — داد آں جام را مرا بہ تمام
کم نیم زاں ہمہ بروئے یقیں — ہر کہ گوید دروغ ہست لعیں

ترجمہ:۔ اگرچہ انبیاء بہت گذرے ہیں۔ میں معرفت میں ان میں کسی سے کم نہیں ہوں۔ خدا نے جو پیالہ ہر نبی کو دیا ہے وہ پیالہ مجھ کو تمام دیا ہے (پیالہ سے مراد ساغر نبوت ہے) یقیناً میں ان تمام نبیوں سے کم نہیں ہوں۔ جو جھوٹ کہتا ہو وہ ملعون و مردود ہے "زاں ہمہ" کے عموم میں خاتم نبوت رسالتمآب سرور کائنات محمد رسول اللہ بھی شامل ہیں۔

(۲) درج ذیل شعر میں تو بالتخصیص آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر اپنی بالاتری کا دعویٰ کیا ہے۔

لہ خسف القمر المنیر و ان لی
خسا القمران المشرقان اتنکر (اعجاز احمدی ص۷۱)

مرزا صاحب ہی کے الفاظ میں ترجمہ ملاحظہ کیجئے۔ "اس کے (یعنی نبی کریم کے لئے (صرف) چاند کا خسوف ظاہر ہوا۔ اور میرے لئے چاند اور سورج دونوں۔ (کے گرہن) کا کیا تو انکار کرے گا۔ ترجمہ میں اس کے الفاظ کس ذات گرامی کے لئے استعمال کئے ہیں۔ بطور خاص قابلِ توجہ ہیں۔

ع۔ اسلامی شریعت میں حضرات انبیاء علیہم السلام کی تعظیم و توقیر فرض ہے اور ان کی توہین و تنقیص مستلزم کفر

قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں۔

لِتُؤمِنُوا بِاللّٰهِ وَرَسُولِهٖ وَتُعَزِّرُوهُ وَتُوَقِّرُوهُ (الفتح) تاکہ تم ایمان لاؤ اللہ پر اور اس کے رسول پر اور اس کی مدد کرو اور اس کی تعظیم بجا لاؤ۔

٭ ٭ ٭ ٭ ٭

مشہور تابعی حضرت مجاہد راوی ہیں کہ حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کے پاس ایک ایسا شخص لایا گیا جس نے (نعوذ باللہ) آنحضرتؐ کی شان میں گستاخی کے کلمات کہے تھے۔ حضرت عمرؓ نے اُسے قتل کی سزا دی اور فرمایا کہ من سبّ اللہ تعالیٰ او سبّ احد امن الانبیاء فاقتلوہ۔ (الصارم المسلول ص۱۹۵)

علامہ ابن تیمیہ نے یہی فتویٰ حبر الامہ حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ عنہما سے بھی نقل کیا ہے۔

قاضی عیاض علیہ الرحمہ لکھتے ہیں۔

من کذّب باحد من الانبیاء او تنقص احدا منہم او بری منہم فھو مُرتَدّ۔ (شفاص ۲۸۲،۲۶) جس نے کسی نبی کی تکذیب، تنقیص یا یا برأت کا اظہار کیا وہ مرتد ہے۔

لیکن قادیانیوں کے مذہب میں کسی نبی کی توہین و تنقیص اور ان کی تفریق

شان میں گستاخی سب روا ہے چنانچہ بانیٔ مذہب قادیانی مرزا آنجہانی نے برگزیدہ پیغمبر حضرت عیسیٰ مسیح علیہ السّلام کی شانِ اقدس میں ایسے گستاخانہ کلمات استعمال کئے ہیں کہ انھیں نقل کرتے ہوئے دل دہل رہا ہے۔ ہاتھ کانپ رہا ہے اور قلم لرزش میں ہے مگر "نقل کفر، کفر نہ باشد" سے دل کو تسلی دیکر چند حوالے سپردِ قلم ہیں۔ ملاحظہ کیجئے۔ اور اس گستاخ رسولؐ پر اللہ کی لعنت بھیجئے۔

(۱) "پس اس نادان اسرائیلی نے (مراد حضرت عیسیٰؑ ہیں) ان معمولی باتوں کا پیشین گوئی کیوں نام رکھا" (حاشیہ ضمیمہ انجام آتھم ص۴)

(۲) "ہاں آپ کو گالیاں دینے اور بدزبانی کی اکثر عادت تھی ادنیٰ ادنیٰ بات میں غصہ آجاتا تھا۔ اپنے نفس کو جذبات سے روک نہیں سکتے تھے۔ مگر میرے نزدیک آپ کی یہ حرکات جائے افسوس نہیں کیونکہ آپ تو گالیاں دیتے تھے اور یہودی ہاتھ سے کسر نکال لیا کرتے تھے۔" (حاشیہ ضمیمہ انجام آتھم ص ۵)

(۳) "نہایت شرم کی بات یہ ہے کہ آپ نے پہاڑی تعلیم کو جو انجیل کا مغز کہلاتی ہے یہودیوں کی کتاب طالمود سے چرا کر لکھا ہے اور پھر ایسا ظاہر کیا ہے کہ گویا میری تعلیم ہے" (حوالۂ سابق ص۶)

(۴) "آپ کا خاندان بھی نہایت پاک اور مطہر ہے تین دادیاں اور نانیاں آپ کی زناکار کسبی عورتیں تھیں جن کے خون سے آپ کا وجود ظہور پذیر ہوا۔ آپ کا کنجریوں سے میلان اور صحبت شاید اسی وجہ سے ہو کہ جدی مناسبت درمیان میں ہے ورنہ کوئی پرہیزگار انسان ایک کنجر (کسبی) کو یہ موقع نہیں دے سکتا کہ وہ اس کے سر پر ناپاک ہاتھ لگادے اور زناکاری کی کمائی کا پلید عطر اس کے سر پر ملے اور اپنے بالوں کو اس کے پیروں پر ملے۔ سمجھنے والے سمجھ لیں کہ ایسا انسان کس

چلن کا آدمی ہو سکتا ہے۔ (حوالۂ سابق صک)

ظاہر ہے کہ ان بے بنیاد الزامات اور بازاری گالیوں سے اس پاکیزہ اور محترم ہستی کے تقدس پر کیا اثر پڑے گا جسے رب العزت نے کلمۃ اللہ اور روح اللہ کے خطاب سے عزت بخشی ہو۔ البتہ ان گالیوں نے خود مرزا کی شرافت و نجابت کا بھانڈا پھوڑ دیا ہے۔ سچ کہا ہے کہنے والے نے۔

چوں خدا خواہد کہ پردہ کس درد میلش اندر طعنۂ پاکاں زند۔

۔ اسلامی شریعت کا یہ عقیدہ ہے کہ فرشتے اللہ تعالیٰ کے باعزت اور فرمانبردار بندے ہیں جو لطیف نورانی جسم رکھتے ہیں اور مختلف شکلیں اختیار کر سکتے ہیں ان میں بعض بحکم خدا اپنے مستقر سے زمین پر بھی اترتے ہیں اور حضرت جبرئیل وحی ربانی لے کر حضرات انبیاء کے پاس آتے تھے۔

چنانچہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔

بل ھم عبادٌ مکرمون۔ لایسبقونہ بالقول وھم بامرہٖ یعملون۔	بلکہ وہ اللہ تعالیٰ کے باعزت بندے ہیں بات میں اللہ تعالیٰ سے پیش کلامی نہیں کرتے اور وہ اللہ کے حکم کے مطابق کام کرتے ہیں

ایک دوسری آیت میں فرشتوں کی شان یہ بتائی گئی ہے۔

لَا یَعْصُوْنَ اللّٰہَ مَآ اَمَرَھُمْ وَیَفْعَلُوْنَ مَا یُؤْمَرُوْنَ۔	وہ اللہ کے حکم کی نافرمانی نہیں کرتے اور وہی عمل کرتے ہیں۔ جس کا ان کو حکم ہوتا ہے۔

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما روایت کرتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے غزوۂ بدر کے دن فرمایا۔

هذا جبرئیل اٰخذ براس فرسہ علیہ اَداۃ الحرب (بخاری ص ۵۷۰ ج ۲) یہ جبرئیل ہیں اپنے گھوڑے کا سر پکڑے ہوئے ہتھیار زیب تن کئے ہوئے۔

حضرت عبداللہ بن مسعودؓ بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے سُنا۔

نزل جبرئیل فامّنی فصلّیتُ معہٗ ثم صلّیتُ معہٗ ثم صلّیتُ معہ ثم صلّیت معہ، ثم صلّیت معہٗ (بخاری ص ۴۵۷ ج ۱)

جبرئیلؑ نازل ہوئے اور مجھ کو پانچوں نمازیں پڑھائیں۔

کتاب وسنّت کے یہ نصوص ناطق ہیں کہ فرشتے اللہ کی ایک محترم مخلوق ہیں اپنے مستقر سے بحکم خدا زمین پر آتے ہیں اور جو کام ان کے سُپرد ہوتا ہے اُسے انجام دیتے ہیں۔

اب اللہ اور رسولؐ کے مقابلے میں قادیانی صاحب کی تحقیق انیق بھی سنئے اور فیصلہ کیجئے کیا اس رجم بالغیب اور اٹکل کے تیر کا اسلامی نظریہ سے کوئی ادنیٰ بھی تعلق ہے؟

اپنی تصنیف توضیح المرام کے ص ۳۱ پر لکھتے ہیں۔

(۱) "بلکہ فرشتے اپنے اصلی مقامات سے جو ان کے لئے خدا تعالیٰ کی طرف سے مقرر ہیں۔ ایک ذرہ کے برابر بھی آگے پیچھے نہیں ہوتے جیسا کہ خدا تعالیٰ ان کی طرف سے قرآن شریف میں فرماتا ہے۔ وما منّا الا لہ مقام معلومٌ وانا لنحن الصافون (سورہ صافات جزء ۲۳)

پس اصل بات یہ ہے کہ جس طرح آفتاب اپنے مقام پر ہے اور اس کی گرمی روشنی زمین پر پھیل کر اپنے خواص کے مطابق زمین کی ہر چیز کو فائدہ پہنچاتی ہے اسی طرح روحانیت سماویہ خواہ ان کو یونانیوں کے خیال کے موافق نفوس فلکیہ کہیں

یا دساتیر اور دید کی اصطلاحات کے موافق ارواح کو اکب سے نامزد کریں یا سیدھے اور موحدانہ طریق سے ملائک کا لقب دیں۔ درحقیقت یہ عجیب مخلوقات اپنے اپنے مقام میں مستقر اور قرار گیر ہے"

۸۔ اسلامی عقیدہ ہے کہ قیامت کے دن مردے قبروں سے نکل کر حساب و کتاب کے لئے میدان حشر میں جمع ہوں گے۔ جنتی جنت میں اور جہنمی جہنم میں داخل کئے جائیں گے۔ ملاحظہ ہو۔ درج ذیل آیت پاک

ونفخ فی الصور فاذا ھم من الاجداث الی ربھم ینسلون	صور پھونکا جائے گا تو اس وقت سب کے سب اپنی قبروں سے نکل کر اپنے رب کی طرف چلیں گے۔

٭ ٭ ٭ ٭ ٭

یہ آیت کریمہ اس بات پر نص ہے کہ قیامت کے دن مُردے قبروں سے زندہ ہو کر اٹھیں گے۔ اور اپنے رب کے حضور حاضر ہوں گے اس آیت پاک کے علاوہ قرآن کریم میں بے شمار آیتیں ہیں جن میں مردوں کے زندہ ہو کر میدان حشر میں جمع ہونے اور حساب و کتاب کے بعد جنت یا جہنم میں جانے کا ذکر ہے۔ اس سلسلے میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے۔ جیسے ام المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا روایت کرتی ہیں۔ ملاحظہ ہو وہ نقل کرتی ہیں کہ میں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے سُنا۔

یُحشر الناسُ یومَ القیامَۃِ حُفاۃ عراۃ غرلا قلت یا رسُول اللہ الرجال والنساء جمیعًا ینظر بعضھم بعضًا فقال یا عائشۃ الامر اشد من ان ینظر بعضھم الی بعض (مشکوٰۃ ص۴۸۳ بحوالہ بُخاری ومُسلم) لوگ قیامت کے دن ننگے پاؤں، ننگے بدن، بے ختنہ اٹھا کر جمع کئے جائیں گے۔

حضرت عائشہؓ نے عرض کیا یا رسول اللہ مرد عورتیں ایک دوسرے کو اس حال میں

دیکھیں گے۔ آپ نے فرمایا عائشہ رضؓ وہ حالت اس سے زیادہ سخت ہوگی کہ لوگ ایک دوسرے کی جانب دیکھیں۔ لِكُلِّ امْرِئٍ مِنْهُمْ يَوْمَئِذٍ شَأْنٌ يُغْنِيهِ۔

مرزا صاحب قرآن وحدیث کی ان تصریحات کے بالمقابل یہ لکھتے ہیں " اگر بہشتی لوگ بہشت میں داخل شدہ تجویز کئے جائیں تو طلبی کے وقت انھیں بہشت سے نکلنا پڑے گا۔ اور اس لق ودق جنگل میں جہاں تخت رب العٰلمین بچھایا گیا ہے حاضر ہونا پڑے گا۔ ایسا خیال تو سراسر جسمانی اور یہودیت کی سرشت سے نکلا ہوا ہے۔ (ازالۃ الاوہام ص۱۴۴)

مرزا صاحب ازالۃ الاوہام کے صفحہ ۱۴۵ پر بزعم خویش ثابت کر چکے ہیں جو شخص بہشت میں داخل کیا جاتا ہے وہ اس سے کبھی خارج نہیں کیا جاتا۔ اور اسی کتاب کے صفحہ ۱۴۶ پر لکھتے ہیں " مومن کو فوت ہونے کے بعد بلا توقف بہشت میں جگہ ملتی ہے۔

ان عبارتوں کو یوں ترتیب دیں کہ مومن فوت ہوتے ہی بہشت میں داخل ہو جاتا ہے۔ اور بہشت میں داخل ہو جانے کے بعد اس سے باہر نہیں نکالا جائے گا لہٰذا حساب وکتاب کے لئے میدان حشر میں اپنے رب کے حضور ان کے جمع ہونے کا کوئی سوال ہی نہیں ہوتا۔ یہ ہے مرزا صاحب کا قیامت اور حشر ونشر وحساب وکتاب کے متعلق نظریہ۔ لیکن اسے اس طرح پر پیچ اور اگر مگر کی بھول بھلیوں میں الجھا کر پیش کر رہے ہیں تاکہ بادی النظر میں پڑھنے والا دھوکہ کھا جائے۔

۹ اسلامی شریعت میں بحالت اختیار نماز کے لئے سمتِ کعبہ کو قبلہ قرار دیا گیا ہے۔ فَوَلِّ وَجْهَكَ شَطْرَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ وَحَيْثُ مَا كُنْتُمْ فَوَلُّوا وُجُوهَكُمْ شَطْرَهُ (البقرۃ) پھیر دیجئے اپنا چہرہ مسجد حرام کی طرف اور تم لوگ (اے مسلمانو) جس جگہ ہو اکرو اپنا منہ اسی کی طرف پھیرو۔

یہ پوری امت کا اجماعی مسئلہ ہے اور فقہ کی ہر چھوٹی بڑی کتابوں میں موجود ہے۔

لیکن مرزائی شریعت میں مرزا صاحب کی وحی فَاتَّخِذوا من مقام ابراھیم مُصلی کی رو سے قادیان قبلہ ہے چنانچہ مرزائی اردوی گروہ کا اس پر عمل ہے یہ گروہ قادیان کی جانب رُخ کر کے نماز پڑھنے کو اولیٰ قرار دیتا ہے۔ (حاشیہ حق المبین ص۳۴۲)

خود مرزا غلام احمد قادیانی حقیقۃ الوحی ص۸۹ پر اپنا یہ الہام نقل کرتے ہیں۔
وَاتَّخِذُوا مِنْ مَقَامِ اِبْرَاھِیمَ مُصَلّٰی اِنَّا اَنْزَلْنَا قَرِیبًا مِنَ الْقَادِیَانِ۔ ابراہیم کی جگہ کو قبلہ بناؤ اور مصلیٰ ٹھہراؤ ہم نے اُسے قادیان کے قریب نازل کیا ہے۔

اس الہام میں مرزا نے قادیان کو قبلہ قرار دیا ہے۔ معلوم ہونا چاہئے کہ ابراہیم سے مراد خود مرزا کی ذات ہے۔ جیسا کہ مرزا کے اس الہام سے ظاہر ہے "آخر زمانہ میں ایک ابراہیم (یعنی مرزا صاحب) پیدا ہوگا اور ان فرقوں میں وہ فرقہ نجات پائے گا۔ کہ اس ابراہیم کا پیرو ہوگا۔

(۱۰) اسلامی شریعت میں جہاد قیامت تک بوقت ضرورت و شرائط فرض ہے کتب علیکم القتال (القرآن) جہاد تم پر فرض کیا گیا ہے۔ وقاتلوا فی سبیل اللہ الذین یقاتلونکم ولا تعتدوا الخ (القرآن) اور جنگ کرو اللہ کی راہ میں ان لوگوں سے جو تم سے جنگ کریں۔ یہ اور ان کے علاوہ متعدد آیتیں فرضیت جہاد پر نص صریح ہیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے لَن یبرح ھٰذَا الدین قائمًا یُقاتِل علیہِ عِصَابَۃٌ مِنَ المُسلمین حتّٰی تقوم السَّاعۃ (مشکوٰۃ عن جابر ... مسلم)

لیکن مرزا کی شریعت میں جہاد منسوخ ہے کیونکہ یہ ایک خراب چیز ہے۔ چنانچہ مرزا صاحب لکھتے ہیں "یہ تو بہت اچھی ہے کہ گورنمنٹ برطانیہ کی مدد کی جائے اور جہاد کے خراب مسئلہ کے خیال کو دور کی شہادتیں (اعجاز احمدی ص...)

خطبہ الہامیہ میں کہتے ہیں "کافروں کے ساتھ لڑنا مجھ پر حرام کیا گیا ہے" ص۲۵)

بطور مشتے از خروارے اس مختصر مقالہ میں مرزائی شریعت کے صرف دس بنیادی اصول و احکام نقل کئے گئے ہیں۔ جو سب کے سب اسلامی عقائد و احکام کے معارض و مخالف ہیں ورنہ واقعہ کی فہرست بڑی طویل ہے جو انشاء اللہ کسی اور موقع پر پیش کی جائے گی۔

مرزا قادیانی کے اقوالِ کفریہ اُس کی تحریروں کے آئینہ میں

حضرت مولانا مفتی عبدالرحیم صاحب لاجپوری رحمہ

پوری امتِ اسلامیہ کا متفقہ عقیدہ ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم آخری نبی ہیں نبوت کا سلسلہ آپؐ پر ختم کر دیا گیا ہے۔ آپؐ کے بعد کوئی نبی مبعوث نہ ہوگا۔ اور یہ عقیدہ قرآن و حدیث سے ایسے محکم اور قطعی طریقہ پر ثابت ہے کہ اس میں ذرہ برابر شک و شبہ کی گنجائش نہیں ہے۔ قرآن مجید میں آپؐ کو خاتم النبیین کہا گیا ہے۔ اور خود آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے متعلق ارشاد فرمایا کہ سلسلۂ نبوت مجھ پر ختم کر دیا گیا ہے۔ میں خاتم النبیین ہوں۔ اور اب میرے بعد کوئی نیا نبی اللہ کی طرف سے نہیں آئے گا۔ اسی لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے زمانۂ خلافت سے لیکر آج تک پوری امت کا اس پر اجماع ہے کہ جس طرح توحید و رسالت، قیامت و آخرت اور قرآن کے کلام اللہ ہونے کا منکر، پنجگانہ نماز، روزہ، زکوٰۃ اور حج کا منکر مسلمان نہیں ہو سکتا۔ ایسا شخص کذاب ہے، ملعون ہے، دائرۂ اسلام سے قطعاً خارج ہے۔ اسلام سے اس کا کوئی تعلق نہیں ہے۔ اسی طرح جو شخص اس کی نبوت کو تسلیم کرے وہ بھی

مسلمان نہیں ہے اگر وہ پہلے سے مسلمان تھا۔ تو اس کو دائرہ اسلام سے خارج اور مرتد قرار دیا جائے گا۔

امت کی پوری تاریخ میں عملاً یہی ہوتا رہا ہے۔ سب سے پہلے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ اور تمام صحابۂ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین نے مدعیٔ نبوت "مسیلمہ کذاب" اور اس کے ماننے والوں کے متعلق یہی فیصلہ صادر فرمایا۔ حالانکہ یہ بات محقق ہے کہ وہ لوگ توحید و رسالت کے قائل تھے۔ اُن کے یہاں اذان بھی ہوتی تھی۔ اور اذان میں اشھد ان لا الٰہ الا اللہ اور اشھد اَنّ محمداً رسول اللہ بھی کہا جاتا تھا۔ ختمِ نبوت سے متعلق اسلام کا یہ بنیادی عقیدہ ہے۔

لیکن غلام احمد قادیانی نے اس بنیادی اور اجماعی عقیدہ سے بغاوت کی ہے۔ اور اپنے لئے ایسے الفاظ کے ساتھ نبوت کا دعویٰ کیا ہے۔ کہ اس میں کسی طرح کی کوئی تاویل اور توجیہہ کی گنجائش نہیں ہے اور اس کے معتقدین اس کو دیگر انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کے مثل "نبی" کہتے ہیں اور اس پر ان کو بے حد اصرار بھی ہے۔ مرزا غلام احمد کے بیٹے مرزا بشیر الدین محمود نے "حقیقۃ النبوۃ" ایک کتاب شائع کی تھی جس کا موضوع ہی مرزا غلام احمد قادیانی کی نبوت کو ثابت کرنا تھا اور اس کتاب میں مرزا صاحب کے نبوت کے دلائل خود مرزا غلام احمد قادیانی کی کتابوں سے پیش کئے گئے ہیں۔

اس کے علاوہ مرزا غلام احمد قادیانی نے اپنے لئے مسیحیت اور مہدیت کا اتنی کثرت سے دعویٰ کیا ہے کہ اس کا انکار یا اس کی تاویل ناممکن ہے انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام جو بالاجماع معصوم ہیں ان کی بہت سخت

توہین کی ہے اور بہت سے مقامات پر اپنے کو انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسّلام سے افضل بلکہ تمام انبیاء کی روح بتایا ہے۔ نیز معجزات کا استہزاء کیا ہے قرآن میں تحریف کی ہے۔ احادیث کی بے حُرمتی کی ہے۔ وغیرہ وغیرہ

دعویٰ نبوت و اقوال کفریہ اسکی تحریر کے آئینہ میں

(۱) خدا وہ خدا ہے کہ جس نے اپنے رسول کو یعنی اس عاجز کو ہدایت اور دینِ حق اور تہذیبِ اخلاق کے ساتھ بھیجا (اربعین ۳ ص۳۴)

(۲) میں رسول بھی ہوں۔ اور نبی بھی ہوں۔ (اشتہار۔ ایک غلطی کا ازالہ، مُندرجہ حقیقۃ النبوۃ ص۲۶۵)

(۳) اور میں اس خدا کی قسم کھا کر کہتا ہوں کہ جس کے ہاتھ میں میری جان ہے کہ اس نے مجھے بھیجا ہے اور اسی نے میرا نام نبی رکھا ہے۔ اور اسی نے مجھے مسیح موعود کے نام سے پکارا ہے اور اس نے میری تصدیق کیلئے بڑے بڑے نشان ظاہر کئے ہیں جو تین لاکھ تک پہنچتے ہیں جن میں بطور نمونہ کسی قدر اس کتاب میں لکھے گئے ہیں۔ (تتمہ حقیقۃ الوحی ص۶۸)

(۴) سچا خدا وہ خدا ہے جس نے قادیان میں اپنا رسول بھیجا (دافع البلاء ص۱۱)

(۵) میں خدا کے حکم کے موافق نبی ہوں (مرزا صاحب کا آخری خط مندرجہ اخبار عام ۲۶ مئی ۱۹۰۸ء)

(۶) ہمارا دعویٰ ہے کہ ہم رسول و نبی ہیں۔ (بدر ۵ مارچ ۱۹۰۸ء)

(۷) پس اس میں کیا شک ہے کہ میری پیشین گوئیوں کے بعد دنیا میں زلزلوں اور دوسری آفات کا سلسلہ شروع ہو جانا میری سچائی کیلئے ایک نشان ہے۔ یاد رہے کہ خدا کے رسول کی خواہ کسی حصۂ زمین میں تکذیب ہو مگر اس کی تکذیب کے

وقت دوسرے مجرم بھی پکڑے جاتے ہیں۔ (حقیقۃ الوحی ص۱۶۱)

(۸) سخت عذاب بغیر نبی قائم ہونے کے آتا ہی نہیں جیساکہ قرآن شریف میں .... اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ وَمَا کنا معذبین حتیٰ نبعث رسولاً پھر یہ کیا بات ہے کہ ایک طرف تو طاعون ملک کو کھا رہی ہے اور دوسری طرف ہیبت ناک زلزلے پیچھا نہیں چھوڑتے۔ اے غافلو تلاش کرو شاید تم میں کوئی خدا کی طرف سے نبی قائم ہو گیا ہے جس کی تم تکذیب کر رہے ہو (تجلیات الٰہیہ ص۹)

(۹) خدا نے نہ چاہا کہ اپنے رسول کو بغیر گواہی چھوڑے۔ (دافع البلاء ص۸)

(۱۰) تیسری بات جو اس وحی سے ثابت ہوئی ہے وہ یہ ہے کہ خدا تعالیٰ بہرحال جب تک کہ طاعون دنیا میں رہے گو ستر برس رہے قادیان کو اس کی خوفناک تباہی سے محفوظ رکھے گا۔ کیونکہ یہ اس کے رسول کا تخت گاہ ہے۔

(دافع البلاء ص۱۰)

(۱۱) الہامات میں میری نسبت بار بار بیان کیا گیا ہے کہ یہ خدا کا فرستادہ، خدا کا مامور، خدا کا امین۔ اور خدا کی طرف سے آیا ہے۔ جو کچھ کہتا ہے اس پر ایمان لاؤ۔ اور اس کا دشمن جہنمی ہے۔ (انجام آتھم ص۶۲)

(۱۲) انا ارسلناك احمد الیٰ قومه فاعرضوا وقالوا کذاب اشر

(اربعین ۳ ص۳۳)

(۱۳) فکلمنی ونادانی وقال انی مرسلك الیٰ قوم مفسدین وانی جاعلك للناس اماماً وانی مستخلفك اکراماً کما جرت سنتی فی الاوّلین۔ (انجام آتھم ص۷۹)

(۱۴) اور میں جیساکہ قرآن شریف کی آیات پر ایمان رکھتا ہوں ایسا ہی بغیر فرق ایک ذرہ کے خدا کی اس کھلی کھلی وحی پر ایمان لاتا ہوں جو مجھے ہوئی جس کی

سچائی اس کی متواتر نشانیوں سے مجھ پر کھل گئی ہے اور میں بیت اللہ میں کھڑے ہو کر یہ قسم کھا سکتا ہوں کہ وہ پاک وحی جو میرے اوپر نازل ہوتی ہے وہ اسی خدا کا کلام ہے۔ جس نے حضرت موسیٰؑ اور حضرت عیسیٰؑ اور حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر اپنا کلام نازل کیا تھا۔ میرے لئے زمین نے بھی گواہی دی اور آسمان نے بھی اسی طرح میرے لئے آسمان بھی بولا اور زمین بھی کہ میں خلیفۃ اللہ ہوں۔ مگر پیشین گوئیوں کے مطابق ضرور تھا کہ انکار بھی کیا جاتا۔

(ایک غلطی کا ازالہ، منقول از ضمیمہ حقیقۃ النبوۃ ص۲۶۴)

(۱۵) آپ (یعنی مرزا صاحب) نبی ہیں۔ اور خدا نے اور اس کے رسول نے انہی الفاظ میں آپ کو نبی کہا ہے۔ جس میں قرآن کریم اور احادیث میں پچھلے نبیوں کو نبی کہا گیا ہے۔ (حقیقۃ النبوۃ ص۷)

(۱۶) پس اس میں کیا شک ہے کہ حضرت مسیح موعود قرآن کریم کے معنوں کی رو سے بھی نبی ہیں۔ اور لغت کے معنوں کی رُو سے بھی نبی ہیں۔ (حقیقۃ النبوۃ ص۱۱۶)

(۱۷) پس شریعت اسلام نبی کے جو معنیٰ کرتی ہے اس معنیٰ کر حضرت صاحب ہرگز مجازی نبی نہیں ہیں بلکہ حقیقی نبی ہیں۔ (حقیقۃ النبوۃ ص۱۷۴)

(۱۸) بلحاظ نبوت ہم بھی مرزا صاحب کو پہلے نبیوں کے مطابق مانتے ہیں۔

(حقیقۃ النبوۃ ص۲۹۲)

مسیح موعود ہونے کا دعویٰ

حضرت عیسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کے متعلق ہمارا (یعنی اہل سنّت والجماعت کا) عقیدہ یہ ہے کہ اللہ نے ان کو زندہ آسمان پر اٹھا لیا ہے اور قیامت کے قریب آپ تشریف لائیں گے۔ مرزا صاحب لکھتے ہیں کہ میرا بھی پہلے یہی عقیدہ تھا

مگر بعد میں اُن کا خیال یہ ہو گیا کہ اللہ نے اس کو بذریعۂ وحی یہ بتلایا کہ یہ سراسر غلط خیال ہے کہ عیسیٰ آسمان پر زندہ ہیں اور کسی وقت وہ دُنیا میں دوبارہ آویں گے بلکہ وہ مسیح اور عیسیٰ جو آنے والا تھا وہ خود تو ہی ہے تیرا ہی نام ابن مریم رکھا گیا ہے۔ اسی سلسلہ میں خود مرزا جی کا بیان ملاحظہ ہو

" اور میری آنکھیں اس وقت تک بالکل بند رہیں جب تک کہ خدا نے بار بار کھول کر مجھ کو نہ سمجھایا کہ عیسیٰ ابن مریم اسرائیلی تو فوت ہو چکا ہے اور وہ واپس نہیں آئے گا۔ اس زمانہ اور اس امّت کیلئے تو تو ہی عیسیٰ ابن مریم ہے"

(براہین احمدیہ جلد پنجم ص۸۵)

حضرت عیسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسّلام پر فضیلت کا دعویٰ

پہلے تو مرزا صاحب مسیح موعود اور عیسیٰ ابن مریم ہی بنے تھے۔ لیکن پھر وہ آگے بڑھے اور انھوں نے حضرت عیسیٰ علیہ السّلام پر اپنی فضیلت کا اعلان شروع کر دیا اُن کے بیٹے مرزا بشیر الدین نے مرزا کا یہ قول نقل کیا ہے۔

" میں مسیح علیہ السّلام کی خدائی کا مُنکر ہوں ہاں بے شک وہ خدا کے نبیوں میں سے ایک نبی تھا مگر مجھے خدا نے اس سے برتر مرتبہ عطا کیا ہے"

(تبلیغ ہدایت ص۱۶۹)

" اور دیکھو آج تم میں سے ایک ہے جو اس مسیح سے بڑھکر ہے"

(دافع البلاء ص۱۳)

مرزا جی کا درج ذیل شعر بہت مشہور ہے۔

ابن مریم کے ذکر کو چھوڑو ✲ اس سے بڑھ کر غلام احمد ہے

(دافع البلاء ص۳) (معاذ اللہ)

مرزا جی کا دوسرا شعر ہے :-

مرہم عیسیٰ نے دی تھی محض عیسیٰ کو شفا
میری مرہم سے شفا پائے گا ہر ملک و دیار (درثمین)

:- حضرت عیسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کی توہین :-

"ہاں آپ کو (یعنی حضرت عیسیٰؑ کو) گالیاں دینے اور بدزبانی کی اکثر عادت تھی۔ ادنیٰ ادنیٰ بات میں غصہ آجاتا تھا۔ اپنے نفس کو جذبات سے روک نہیں سکتے تھے۔
(ضمیمہ انجام آتھم ۔ حاشیہ ص۵)

یہ بھی یاد رہے کہ آپ کو کس قدر جھوٹ بولنے کی عادت تھی" (استغفر اللہ)
(ضمیمہ انجام آتھم حاشیہ ص۵)

"عیسائیوں نے بہت سے آپ کے معجزات لکھے ہیں۔ مگر حق بات یہ ہے کہ آپ سے کوئی معجزہ نہیں ہوا" (ضمیمہ انجام آتھم ۔ حاشیہ ص۶)

"مسیح کی راست بازی اپنے زمانہ میں دوسرے راستبازوں سے بڑھکر ثابت نہیں ہوتی بلکہ یحییٰ نبی کو اس پر ایک فضیلت ہے کیونکہ وہ شراب نہیں پیتا تھا۔ اور کبھی نہیں سنا گیا کہ کسی فاحشہ عورت نے آکر اپنی کمائی کے مال سے اس کے سر پر عطر ملا تھا یا ہاتھوں اور سر کے بالوں سے اس کے بدن کو چھوا تھا۔ یا کوئی بے تعلق جوان عورت اس کی خدمت کرتی تھی اسی وجہ سے خدا نے قرآن کریم میں یحییٰ کا نام حصور رکھا مگر مسیح کا یہ نام نہیں رکھا۔ کیونکہ ایسے قصے اس نام کے رکھنے سے مانع تھے"

(ازالۂ اوہام حصہ اوّل ص۱۵۸)

حضرت عیسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کے معجزات کی نسبت مرزاجی کے خیالات

"کچھ تعجب نہیں کرنا چاہئے کہ حضرت مسیح نے اپنے دادا سلیمان کی طرح اس وقت کے مخالفین کو یہ عقلی معجزہ دکھلایا ہو اور ایسا معجزہ دکھانا عقل سے بعید بھی نہیں کیونکہ حال کے زمانہ میں بھی دیکھا جاتا ہے کہ اکثر صنّاع ایسی ایسی چڑیاں بنا لیتے ہیں کہ وہ بولتی بھی ہیں اور ہلتی بھی ہیں اور دُم بھی ہلاتی ہیں۔ اور میں نے سُنا ہے کہ کل کے ذریعہ سے بعض چڑیاں پرواز بھی کرتی ہیں"

(ازالۂ اوہام حصہ اوّل ص۳۰۳)

"کچھ تعجب کی جگہ نہیں کہ خدا تعالیٰ نے حضرت مسیح کو عقلی طور سے ایسے طریق پر اطلاع دی ہو جو ایک مٹی کا کھلونا کسی کل کے دبانے یا کسی پھونک کے مارنے سے کسی طور پر ایسا پرواز کرتا ہو جیسا پرندہ پرواز کرتا ہے۔ یا اگر پرواز نہیں تو پیروں سے چلتا ہو۔ کیونکہ حضرت مسیح ابن مریم اپنے باپ یوسف کے ساتھ بائیس ۲۲ برس کی مدت تک نجاری کا کام بھی کرتے رہے ہیں اور ظاہر ہے کہ بڑھئی کا کام درحقیقت ایسا کام ہے جس میں کلوں کے ایجاد کرنے اور طرح طرح کی صنعتوں کے بنانے میں عقل تیز ہو جاتی ہے" (توضیح المرام ص۹)

اس حوالہ میں خط کشیدہ عبارت پر غور کیجئے! حضرت مریم اور حضرت عیسیٰ پر کس قدر خبیث بہتان لگایا ہے۔ قرآن مجید کی بیان کی ہوئی اس حقیقت پر تمام اہل اسلام کو بلا کسی شک و شبہ کے ایمان ہے کہ اللہ نے اپنی قدرت کاملہ سے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو بلا کسی شخص کی وساطت کے امر "کن" سے پیدا فرمایا تھا۔ حضرت مریم عفیفہ اور پاکدامن تھیں آپ کا کسی شخص سے تعلق قائم نہیں

ہوا تھا۔ قرآن پاک کی اس صریح وضاحت کے باوجود مرزا غلام احمد قادیانی نے کس قدر غلط بات لکھی ہے۔ اس کی یہ بات قرآن کے بالکل خلاف ہے۔ اور قرآن کا انکار ہے۔ اس کے باوجود اس کو مسلمان سمجھنا اور اس کے متبعین کا اپنے کو مسلمان کہنا کیسے صحیح ہو سکتا ہے؟

"اوائل میں میرا بھی یہی عقیدہ تھا کہ مجھ کو مسیح ابن مریم سے کیا نسبت ہے وہ نبی ہے اور خدا کے بزرگ مقربین میں سے ہے اور اگر کوئی امر میری فضیلت کی نسبت ظاہر ہوتا تو میں اس کو جزئی فضیلت قرار دیتا تھا۔ مگر بعد میں جو خدا کی وحی بارش کی طرح میرے پر نازل ہوئی اس نے مجھے اس عقیدہ پر قائم نہ رہنے دیا اور صریح طور پر نبی کا خطاب مجھے دیا گیا۔ (حقیقۃ الوحی ص۱۴۸)

"اس امر میں کیا شک ہے کہ حضرت مسیح علیہ الصلوٰۃ والسلام کو وہ فطری طاقتیں نہیں دی گئیں جو مجھے دی گئیں کیونکہ وہ ایک خاص قوم کیلئے آئے تھے اور اگر وہ میری جگہ ہوتے تو اپنی اس فطرت کی وجہ سے وہ کام انجام نہ دے سکتے جو خدا مجھے انجام دینے کی قوت دی۔ وھذا تحدیث نعمۃ اللہ ولا فخر

(حقیقۃ الوحی ص۱۴۹)

حضرت یوسف علیہ الصلوٰۃ والسلام پر فضیلت کا فتویٰ

"بس اس امت کا یوسف یعنی یہ عاجز اسرائیلی یوسف سے بڑھکر ہے کیونکہ یہ عاجز قید کی دعا کر کے بھی قید سے بچا لیا گیا مگر یوسف بن یعقوب قید میں ڈالا گیا"

(براہین احمدیہ جلد پنجم ص۷۶)

میں سب کچھ ہوں

"مرزا صاحب کا دعویٰ یہ تھا کہ میں تمام نبیوں کی روح اور ان کا خلاصہ ہوں۔ میری ہستی میں تمام انبیاء سمائے ہوئے ہیں۔ چنانچہ اس نے لکھا ہے۔

"میں خدا کے دفتر میں صرف عیسیٰ بن مریم کے نام سے موسوم نہیں بلکہ اور بھی میرے نام ہیں۔ میں آدم ہوں، میں نوح ہوں، میں ابراہیم ہوں، میں اسحاق ہوں۔ میں یعقوب ہوں۔ میں اسماعیل ہوں۔ میں موسیٰ ہوں، میں داؤد ہوں، میں عیسیٰ بن مریم ہوں۔ میں محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہوں۔ ---- سو ضرور ہے کہ ہر نبی کی شان مجھ میں پائی جائے۔" (تحفہ حقیقۃ الوحی ص۸۵)

معجزات کی کثرت

جب مرزا جی نے پیغمبری اور نبوت کا دعویٰ کیا تو معجزات کا دعویٰ بھی لازم تھا چنانچہ انھوں نے معجزات کا دعویٰ بھی معمولی انداز سے نہیں کیا بلکہ اللہ کے تمام نبیوں کے معجزات کے معاملہ میں مرزا جی نے اپنے مقابلہ میں بہت پیچھے چھوڑ دیا۔ چنانچہ لکھا ہے۔

"اللہ نے اس بات کو ثابت کرنے کیلئے کہ میں اس کی طرف سے ہوں اس قدر نشان دکھلائے ہیں کہ اگر وہ ہزار نبی پر بھی تقسیم کئے جائیں تو ان کی بھی ان سے نبوت ثابت ہو سکتی ہے۔" (چشمہ معرفت ص۳۱۷)

"ہاں اگر یہ اعتراض ہو کہ اس جگہ وہ معجزات کہاں ہیں تو میں صرف یہی جواب نہیں دوں گا کہ میں معجزات دکھلا سکتا ہوں بلکہ خدا تعالیٰ کے فضل و کرم سے میرا جواب یہ ہے کہ اس نے میرا دعویٰ ثابت کرنے کے لئے اس قدر معجزات دکھائے ہیں کہ بہت ہی کم نبی ایسے آئے ہیں جنھوں نے اس قدر معجزات دکھائے ہوں بلکہ سچ تو یہ ہے کہ اس نے اس قدر معجزات کا دریا رواں کر دیا ہے کہ باستثناء ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے باقی تمام انبیاء علیہم السلام میں ان کا ثبوت اس کثرت کے ساتھ قطعی اور یقینی طور پر محال ہے اور خدا نے اپنی

حجت پوری کر دی ہے اب چاہے کوئی قبول کرے یا نہ کرے

(تتمہ حقیقۃ الوحی ص ۱۳۶)

"اور خدا تعالیٰ میرے لئے اس کثرت سے نشان دکھلا رہا ہے کہ اگر نوح کے زمانہ میں وہ نشان دکھلائے جاتے تو وہ لوگ غرق نہ ہوتے"

(تتمہ حقیقۃ الوحی ص ۱۳۷)

"ان چند سطروں میں جو پیشین گوئیاں ہیں وہ اس قدر نشانوں پر مشتمل ہیں جو دس لاکھ سے زیادہ ہوں گے اور نشان بھی ایسے کھلے کھلے ہیں جو اوّل درجہ پر فائق ہیں" (براہین احمدیہ ص ۵۶ حصہ پنجم)

"اگر بہت ہی سخت گیری اور زیادہ سے زیادہ احتیاط سے بھی ان کا شمار کیا جائے تب بھی یہ نشان جو ظاہر ہوئے دس لاکھ سے زیادہ ہوں گے"

(براہین احمدیہ ص ۵۶ حصہ پنجم)

احادیث کے متعلق مرزاجی کا خیال

ہم اس کے جواب میں خدا کی قسم کھا کر بیان کرتے ہیں کہ میرے اس دعوی کی حدیث بنیاد نہیں بلکہ قرآن اور وحی جو میرے پر نازل ہوئی ہاں تائیدی طور پر ہم حدیثیں بھی پیش کرتے ہیں جو قرآن شریف کے مطابق ہیں اور میری وحی کی معارض نہیں اور دوسری حدیثوں کو ہم ردی کی طرح پھینک دیتے ہیں۔

(ازالۂ اوہام ص ۲۱۰-۲۱۱)

مرزا غلام احمد قادیانی کے اقوالِ کفریہ میں سے چند اقوالِ کفریہ بطور نمونہ نقل کئے گئے۔ ان اقوال سے صراحۃً یہ ثابت ہو رہا ہے کہ وہ نبوت کا مدعی ہے اور اس کے معتقدین بھی اس کی نبوت کے قائل ہیں۔ لہٰذا غلام احمد قادیانی قطعی طور پر اسلام سے خارج ہے اور اس کے متبعین بھی جو اس کی نبوت کو تسلیم

کرتے ہیں یا دعویٰ نبوت کے باوجود اُسے دائرۂ اسلام میں سمجھتے ہیں وہ لوگ بھی قطعی طور پر کافر، مرتد، اور خارج از اسلام ہیں۔

علمی لطیفہ:۔ موقع کی مناسبت سے ایک علمی لطیفہ ذہن میں آیا۔ رنگون میں خواجہ کمال الدین قادیانی پہونچا بڑا چالاک اور چالباز تھا اس نے اہل رنگون کے سامنے اپنے اسلام کا دعویٰ کیا اور کہا کہ ہم غلام احمد قادیانی کو نبی نہیں مانتے اور یہ بات قسمیہ کہتا۔ جیسا کہ بہت سے قادیانی خصوصًا لاہوری کہتے ہیں۔ خواہ مخواہ ہم کو بدنام کیا جاتا ہے حالانکہ ہم پکے مسلمان ہیں۔ قرآن کو مانتے ہیں۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو اللہ کا سچا رسول سمجھتے ہیں عوام اس کی باتوں میں آگئے۔ اس کی تقریریں ہونے لگیں بہت سے مقامات پر نماز بھی پڑھائی، جمعہ تک پڑھایا رنگون کے ذمہ دار بہت فکرمند تھے کہ عوام کو کس طرح اس فتنہ سے محفوظ رکھیں عوام میں دن بدن اس کو مقبولیت حاصل ہو رہی ہے مقامی علماء سے اسکی گفتگو بھی ہوئی مگر اپنی چالبازی کی وجہ سے اپنی اصلیت ظاہر نہ ہونے دیتا۔ مشورہ کرکے یہ طے پایا کہ امام اہل سنت حضرت مولانا عبدالشکور لکھنوی صاحب کو مدعو کیا جائے۔ چنانچہ تار دیدیا گیا اور وہاں اس کی شہرت بھی ہوگئی کہ بہت جلد مولانا عبدالشکور صاحب تشریف لارہے ہیں وہ اس سے گفتگو کریں گے۔ خواجہ کمال الدین نے جب مولانا کا نام سنا تو راہ فرار اختیار کرنے میں ہی اپنی عافیت دیکھی چنانچہ وہ مولانا کے وہاں پہونچنے سے پہلے پہلے چلا گیا۔ مولانا تشریف لے گئے۔ مولانا کی تقریریں ہوئیں۔ عوام الناس کو حقیقت سے خبردار کیا اور ذمہ داروں کی ایک مجلس میں فرمایا کہ آپ حضرات نے غور فرمایا کہ وہ کیوں یہاں سے چلا گیا! دراصل وجہ یہ تھی کہ وہ سمجھ گیا ہوگا کہ میں اس سے یہ سوال کروں گا — کہ تو مرزا غلام احمد قادیانی کی نبوت کا قائل نہیں مگر تو اسے مسلمان سمجھتا ہے یا کافر؟ اس کا جواب

اس کے پاس نہیں تھا۔ جو بھی جواب دیتا پکڑا جاتا۔ وہ مرزا صاحب کو کسی حال میں کافر تو کہہ نہیں سکتا تھا۔ اگر مسلمان کہتا تو اس پر بھی اس کی گرفت ہوتی کہ جو شخص مدعی نبوت ہو وہ کسی حال میں مسلمان نہیں رہ سکتا۔ ایسے آدمی کو مسلمان سمجھنا خود کفر ہے۔ میں اس سے یہی سوال کرتا اور انشاء اللہ اسی ایک سوال پر وہ لاجواب ہو جاتا۔ اور اس کا راز فاش ہو جاتا۔ یہ سوال آپ لوگوں کے ذہن میں نہیں آیا۔ اس لئے آپ لوگ پریشان رہے۔

مرزا غلام احمد قادیانی کے تیئس جھوٹ

مولانا محمد یوسف صاحب لدھیانوی

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ۔ الحمد للہ وسلام علیٰ عبادہ الذین اصطفیٰ

مرزا غلام احمد قادیانی کے دعووں کی علمائے امت نے ہر پہلو سے قلعی کھول دی ہے ۔ اور کوئی پہلو تشنہ نہیں چھوڑا ۔ انبیاء کرام علیہم السلام اور ان کے سچے وارثوں کا بنیادی وصف صدق و راست گفتاری ہے۔ نبی کی زبان پر کبھی خلاف واقعہ بات آہی نہیں سکتی ۔ اور جو شخص جھوٹ کا عادی ہو وہ نبی تو کجا ایک شریف آدمی کہلانے کا بھی مستحق نہیں ۔

جو لوگ نبوت و رسالت یا مجددیت و مہدیت کے جھوٹے دعوے کرتے ہیں حق تعالیٰ ان کی ذلت و رسوائی کے لئے ان کا جھوٹ خود ان ہی کی زبان سے کھول دیتے ہیں۔ شیخ علی قاریؒ "شرح فقہ اکبر" میں لکھتے ہیں:

ما من احد ادعی النبوۃ من الکذابین الا وقد ظہر علیہ من الجہل والکذب لمن لہ ادنیٰ تمییز، بل وقد قیل: ما اسر احد سریرۃ الا اظہر اللہ علیٰ صفحات وجہہ و	جھوٹے لوگوں میں سے جس نے بھی نبوت کا دعویٰ کیا۔ اللہ تعالیٰ نے معمولی عقل و تمیز کے شخص پر بھی اس کا جہل و کذب واضح کر دیا۔ بلکہ کہا گیا ہے کہ جس نے بھی اپنے دل میں کوئی بات چھپائی اللہ تعالیٰ نے اس کے چہرے پر اور زبان کی گفتگو

میں اس کو ظاہر کر کے چھوڑا۔
فلصات لسانہ (ص ۷۳)

راقم الحروف نے مرزا غلام احمد قادیانی کی کتابوں کا مطالعہ کیا تو اس نتیجہ پر پہنچا کہ مرزا کی تحریر میں سچائی اور راستی کا تلاش کرنا کار عبث ہے۔ بڑے بڑے جھوٹے بھی کبھی سچی بات کہہ دیتے ہیں۔ لیکن مرزا نے گویا قسم کھا رکھی ہے کہ وہ کلمہ طیبہ بھی پڑھے گا تو اس میں اپنے جھوٹ کی آمیزش ضرور کرے گا۔ پیش نظر مقالہ میں بطور نمونہ مرزا کے تیس۳۰ جھوٹ ذکر کیئے گئے ہیں۔ دس آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر۔ دس حق تعالیٰ شانہٗ پر۔ اور دس حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ذاتِ گرامی پر مرزا کے دس۱۰ جھوٹ

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف کسی غلط بات کو منسوب کرنا خبیث ترین گناہِ کبیرہ ہے۔ احادیث متواترہ میں اس پر دوزخ کی وعید آئی ہے۔ اور جس شخص کے بارے میں معلوم ہو جائے کہ اس نے ایک بات بھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف منسوب کی ہے وہ مفتری اور کذاب ہے۔ اور اس کی کوئی بات اور کوئی روایت لائق اعتماد نہیں رہتی ـــــ مرزا غلام احمد قادیانی اس معاملہ میں نہایت بے باک اور جری تھا۔ وہ بات بات میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر افترا پردازی کرنے کا عادی تھا۔ یہاں اس کی دس مثالیں پیش کرتا ہوں۔

۱ــــ "انبیاء گذشتہ کے کشوف نے اس بات پر مہر لگا دی ہے کہ وہ (مسیح موعود) چودھویں صدی کے سر پر ہوگا۔ اور نیز یہ کہ پنجاب میں ہوگا۔"

(اربعین ۲ ص ۲۳)

انبیاء گذشتہ کی تعداد کم و بیش ہے۔ ان کی طرف مرزا نے دو باتیں منسوب

کی ہیں۔ مسیح کا چودھویں صدی کے سر پر آنا، اور پنجاب میں آنا۔ اور یہ نسبت خالص جھوٹ ہے۔ اس طرح مرزا نے صرف ایک فقرہ میں ڈھائی لاکھ جھوٹ جمع کرنے کا ریکارڈ قائم کیا ہے۔

نوٹ :۔ پہلے ایڈیشن میں انبیاء گذشتہ کا لفظ تھا۔ بعد میں اس کی جگہ " اولیاء گذشتہ " کا لفظ کر دیا گیا، اس تحریف کے بعد بھی جھوٹ کی سنگینی میں کچھ کمی نہیں ہوتی۔

۲۔ " مسیح موعود کی نسبت تو آثار میں یہ لکھا ہے کہ علماء اس کو قبول نہیں کریں گے " (ضمیمہ براہین پنجم ص ۱۸۶)

آثار کا لفظ کم از کم دو تین احادیث پر بولا جاتا ہے۔ حالانکہ یہ مضمون کسی حدیث میں نہیں۔

۳۔ " ایسا ہی احادیث صحیحہ میں آیا تھا کہ وہ (مسیح موعود) صدی کے سر پر آئیگا۔ اور چودھویں کا مجدد ہوگا۔۔۔۔ اور لکھا تھا کہ وہ اپنی پیدائش کی رو سے دو صدیوں میں اشتراک رکھے گا۔ اور دو نام پائے گا۔ اور اس کی پیدائش دو خاندانوں سے اشتراک رکھے گی۔ اور چوتھی دو گونہ صفت یہ کہ اس کی پیدائش میں بھی جوڑے کے طور پر پیدا ہوگا۔ سو یہ سب نشانیاں ظاہر ہو گئیں "

(ضمیمہ براہین پنجم ص ۱۸۸)

اس فقرہ میں مرزا نے چھ باتیں احادیث صحیحہ کی طرف منسوب کی ہیں۔ حالانکہ ان میں سے ایک بات بھی کسی حدیث صحیح میں نہیں آئی۔ اس لئے اس فقرے میں اٹھارہ جھوٹ ہوئے۔

۴۔ " ایک مرتبہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے دوسرے ملکوں کے انبیاء کی نسبت سوال کیا گیا تو آپ نے یہی فرمایا کہ ہر ملک میں اللہ تعالیٰ کے نبی گذرے ہیں

اور فرمایا کہ "کان فی الہند نبیًّا اسود اللون اسمہ کاھنًا یعنی ہند میں ایک نبی گذرا جو سیاہ رنگ کا تھا اور نام اس کا کاہن تھا یعنی کنہیا جس کو کرشن کہتے ہیں" (ضمیمہ چشمۂ معرفت صلا)

مرزا کی ذکر کردہ حدیث کسی کتاب موجود نہیں۔ اس لئے یہ خالص افترا ہے۔ ظالم کو عربی کی صحیح عبارت بھی نہ بنانی آئی۔ "سیاہ رنگ" شاید اپنی تصویر دیکھ کر یاد آ گیا۔

۵ ـــــ "اور آپ سے پوچھا گیا کہ زبان پارسی میں بھی کبھی خدا نے کلام کیا ہے تو فرمایا کہ ہاں خدا کلام زبانِ پارسی میں بھی اترا ہے جیسا کہ وہ اس زبان میں فرماتا ہے۔

" ایں مشتِ خاک را گر نہ بخشم چہ کنم "

(ضمیمہ چشمۂ معرفت ص ۱۰)

یہ مضمون بھی کسی حدیث میں نہیں۔ خالص جھوٹ اور افترا ہے۔

۶ ـــــ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ جب کسی شہر میں وبا نازل ہو تو اس شہر کے لوگوں کو چاہئے کہ بلا توقف اس شہر کو چھوڑ دیں"

(اشتہار مریدوں کیلئے ہدایت مؤرخہ ۲۳ اگست ۱۹۰۷ء)

وبا کی جگہ کو بلا توقف چھوڑ دینے کا حکم کسی حدیث میں نہیں۔ یہ خالص مرزائی جھوٹ ہے۔ بلکہ اس کے برعکس حکم ہے کہ اس جگہ کو نہ چھوڑا جائے۔ "واذا وقع بارض وَاَنتم بها فلا تخرجوا فرارًا منہ" (متفق علیہ، مشکوٰۃ ۱۳۵)

۷ ـــــ "افسوس ہے کہ وہ حدیث بھی اس زمانے میں پوری ہوئی جس میں لکھا تھا کہ مسیح کے زمانے کے علماء ان سب لوگوں سے بدتر ہوں گے جو زمین پر رہتے ہیں۔" (اعجاز احمدی ص ۱۳) ـ نا قابل بیان ۱۱

مسیح کے زمانے کے علماء کے بارے میں یہ بات ہرگز نہیں فرمائی گئی۔ یہ ایک طرف آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر افترا ہے۔ اور دوسری طرف علمائے امت پر صریح بہتان ہے۔

۸۔ "چونکہ حدیث صحیح میں آچکا ہے کہ مہدی موعود کے پاس ایک کتاب چھپی ہوئی ہوگی جس میں اس کے تین سو تیرہ اصحاب کا نام درج ہوگا اسلئے یہ بیان کرنا ضروری ہے کہ وہ پیش گوئی آج پوری ہوگئی"

(ضمیمہ انجام آتھم ص ۴۰)

"چھپی ہوئی کتاب" کا مضمون کسی "صحیح حدیث" میں نہیں ہے۔ لطف یہ ہے کہ مرزا نے اپنے ۳۱۳ اصحاب کے جو نام ازالۂ اوہام میں لکھے تھے۔ ان میں سے کئی مرزا کی صحابیت سے نکل گئے۔ اس لئے یہ جھوٹی روایت بھی اس کی جھوٹی مہدویت پر راست نہ آئی۔

۹۔ "مگر ضرور تھا کہ وہ مجھے کافر کہتے اور میرا نام دجال رکھتے کیونکہ احادیث صحیحہ میں پہلے سے یہ فرمایا تھا کہ اس مہدی کو کافر ٹھہرایا جائیگا اور اس وقت کے شریر مولوی اس کو کافر کہیں گے اور ایسا جوش دکھلائیں گے کہ اگر ممکن ہوتا تو اس کو قتل کرڈالتے"

(ضمیمہ انجام آتھم ص ۳۸)

اس عبارت میں تین باتیں "احادیث صحیحہ" کے حوالے سے کہی گئی ہیں۔ اور یہ تینوں جھوٹ ہیں۔ اس لئے اس عبارت میں نو جھوٹ ہوئے۔

۱۰۔ "بہت سی حدیثوں سے ثابت ہوگیا کہ بنی آدم کی عمر سات ہزار برس ہے اور آخری آدم پہلے آدم کی طرز پر الف ششم کے آخر میں جو روز ششم کے حکم میں ہے پیدا ہونے والا ہے" (ازالۂ اوہام ص ۶۹۶)

آخری آدم کا افسانہ کسی حدیث میں نہیں آتا۔ اس لئے یہ بھی خالص جھوٹ ہے۔ دُنیا کی عمر کے بارے میں بعض روایات آتی ہیں۔ مگر وہ روایات ضعیف ہیں۔ اور محدثین نے ان کو "ابین الکذب" سے تعبیر کیا ہے۔
(موضوعات کبیر: ص ۱۶۲)

افترا علی اللہ کی دس مثالیں

۱ــــــ سورۃ مریم میں صریح طور پر بیان کیا گیا ہے کہ بعض افراد اس امت کا نام مریم رکھا گیا ہے۔ اور پھر پوری اتباع شریعت کی وجہ سے اس مریم میں خداتعالیٰ کی طرف سے روح پھونکی گئی اور روح پھونکنے کے بعد اس مریم سے عیسیٰؑ پیدا ہو گیا اور اسی بنا پر خداتعالیٰ نے میرا نام عیسیٰ بن مریم رکھا" (ضمیمہ براہین پنجم ص ۱۸۹)
سورۃ تحریم سب کے سامنے موجود ہے۔ مرزا نے "صریح طور پر" جن امور کا سورۃ تحریم میں بیان کیا جانا ذکر کیا ہے! کیا یہ صریح افترا علی اللہ نہیں۔

۲ــــــ لیکن مسیح کی راستبازی اپنے زمانے میں دوسرے راستبازوں سے بڑھ کر ثابت نہیں ہوتی بلکہ یحییٰ نبی کو اس پر (یعنی عیسیٰ علیہ السلام پر) ایک فضیلت ہے۔ کیونکہ وہ شراب پیتا تھا اور کبھی سنا گیا کہ کسی فاحشہ عورت نے آکر اپنی کمائی کے مال سے اس کے سر پر عطر ملا تھا یا ہاتھوں یا اپنے سر کے بالوں سے اس کے بدن چھوا تھا یا کوئی بے تعلق جوان عورت اس کی خدمت کرتی تھی۔ اسی وجہ سے قرآن نے یحییٰ کا نام حصور رکھا مگر مسیح کا نام نہ رکھا۔ کیونکہ ایسے قصے اس نام رکھنے سے مانع تھے۔ (دافع البلاء آخری صفحہ)

حضرات انبیاء کرام کی طرف فواحش کا منسوب کرنا کفر ہے۔ مرزا قادیانی ایسے قصے "حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی طرف منسوب کرتا ہے۔ اور ایسے کفر صریح کے لئے قرآن کریم کے لفظ "حصور" کا حوالہ دیتا ہے۔ یعنی اللہ تعالیٰ کے نزدیک نعوذ باللہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام ان قصوں میں ملوث تھے۔ یہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر بہتان بھی ہے اور افتراء علی اللہ بھی۔

۳ــــ "اور اس عاجز کو خدا تعالیٰ نے آدم مقرر کر کے بھیجا اور ضرور تھا کہ وہ ابن مریم جس کا انجیل اور فرقان میں آدم بھی نام رکھا گیا ہے۔"

(ازالہ اوہام ص ۶۹۶)

یہ کہنا کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا نام قرآن کریم میں آدم رکھا گیا ہے خالص جھوٹ ہے۔ اور اس مضمون کو انجیل سے منسوب کرنا دوسرا جھوٹ ہے۔ اور یہ کہنا کہ مرزا کو اللہ تعالیٰ نے آدم مقرر کر کے بھیجا ہے۔ تیسرا جھوٹ ہے۔

۴ــــ اور مجھے بتلایا گیا کہ تیری خبر قرآن و حدیث میں موجود ہے اور تو ہی اس آیت کا مصداق ہے کہ ھو الذی ارسل رسولہ ــــ کلہ؛

(اعجاز احمد ص ۷)

کون نہیں جانتا کہ اس آیت کریمہ کا مصداق آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات گرامی ہے۔ پس یہ کہنا کہ تیری خبر قرآن میں ہے ایک جھوٹ۔ حدیث میں ہے دوسرا جھوٹ۔ اور مرزا اس آیت کا مصداق ہے تیسرا جھوٹ ــ اور ان تمام باتوں کو "مجھے بتلایا گیا ہے" کہکر اللہ تعالیٰ کی طرف منسوب بدترین افتراء علی اللہ ہے

۵ ــ "قادیان میں خدا تعالیٰ کی طرف سے اس عاجز کا ظاہر ہونا الہامی نوشتوں میں بطور پیش گوئی پہلے سے لکھا گیا تھا۔"

(ازالہ اوہام ص۷۳ حاشیہ)

یہ بھی سفید جھوٹ اور افترا علی اللہ ہے

۶ ــــ "لیکن ضرور تھا کہ قرآن شریف کی وہ پیشین گوئیاں پوری ہوتیں جس میں لکھا گیا تھا کہ مسیح موعود جب ظاہر ہوگا تو (۱) اسلامی علماء کے ہاتھ سے دُکھ اٹھائے گا (۲) وہ اسکو کافر قرار دیں گے (۳) اور اس کو قتل کرنے کے فتوے دئے جائیں گے (۴) اور اس کی سخت توہین ہوگی (۵) اور اس کو اسلام سے خارج اور دین کا تباہ کرنے والا خیال کیا جائے گا۔" (اربعین ۳ ص ۱۷)

ان چھ باتوں کو قرآن کریم کی پیش گوئیاں قرار دینا سفید جھوٹ اور افتراء علی اللہ ہے۔

۷ ــــ پھر خدائے کریم جلّ شانہٗ نے مجھے بشارت دے کر کہا کہ تیرا گھر برکت سے بھرے گا۔ اور میں اپنی نعمتیں تجھ پر پوری کروں گا۔ اور خواتینِ مبارکہ سے جن میں سے تو بعض کو اس کے بعد پائے گا تیری نسل بہت ہوگی۔ (اشتہار ۲۰ فروری ۱۸۸۶ء)

اس اشتہار کے بعد مرزا کے عقد میں کوئی خاتون نہیں آئی۔ نسل کیسے چلتی؟ اس لئے اس فقرے میں اللہ تعالیٰ کی طرف جو "بشارت" منسوب کی گئی ہے۔ یہ دروغ بے فروغ اور افترائے خالص ہے۔

۸ ــــ "الہام بکر و ثیب "یعنی خدا تعالیٰ کا ارادہ ہے کہ وہ دو عورتیں میرے نکاح میں لائے گا۔ ایک بکر ہوگی اور دوسری بیوہ۔ چنانچہ یہ الہام جو بکر کے متعلق تھا پورا ہوگیا۔ اور بیوہ کے الہام کی انتظار ہے"

(تریاق القلوب ص ۳۴)

مرزا کے نکاح میں کوئی ثیب نہیں آئی۔ محمدی بیگم کے بیوہ ہونے کے انتظار

میں ساری عمر کٹ گئی۔ مگر وہ بیوہ نہ ہوئی۔ اس کے "بکر و ثیب" کا الہام محض افترآ علی اللہ ثابت ہوا۔

۹ــــ "شاید چار ماہ کا عرصہ ہوا کہ اس عاجز پر ظاہر ہو گیا تھا کہ ایک فرزند قوی الطاقتین کامل الظاہر والباطن تم کو عطا کیا جائے گا۔ سو اس کا نام بشیر ہو گا۔۔۔۔ اب زیادہ تر الہام اس بات پر ہو رہے ہیں کہ عنقریب ایک نکاح تمہیں کرنا پڑے گا۔ اور جناب الٰہی میں یہ بات قرار پا چکی ہے کہ ایک پارسا طبع اور نیک سیرت اہلیہ تمہیں عطا ہو گی وہ صاحب اولاد ہو گی۔" (مکتوبات احمدیہ جلد ۵ ص۲)

یہ سارا مضمون سفید جھوٹ ثابت ہوا۔

۱۰ــــ اس خدائے قادر و حکیم مطلق نے مجھے فرمایا کہ اس شخص (احمد بیگ) کی دختر کلاں (محترمہ محمدی بیگم مرحومہ) کے لئے سلسلۂ جنبانی کر اور ان دنوں جو زیادہ تصریح کیلئے بار بار توجہ کی گئی تو معلوم ہوا کہ خدا تعالیٰ نے مقرر کر رکھا ہے کہ وہ مکتوب الیہ کی دختر کلاں کو جس کی نسبت درخواست کی گئی تھی ہر ایک مانع دور کرنے کے بعد انجام کار اس عاجز کے نکاح میں لاوے گا۔ (اشتہار ۱۰ جولائی ۱۸۸۸ء)

یہ بھی دروغ خالص ثابت ہوا۔ مرزا، محمدی بیگم کی حسرت لے کر دنیا سے رخصت ہوا۔ اس عفت مآب کا سایہ بھی اُسے مدۃ العمر نصیب نہ ہوا۔ اور اس سلسلہ میں جتنے "الہامات" گھڑے تھے سب جھوٹ کا پلندہ ثابت ہوئے۔ مرزا نے اس نکاح کے سلسلہ میں کہا تھا:۔

"یاد رکھو اگر اس پیش گوئی کی دوسری جزو (یعنی سلطان محمد کا مرنا اور اس کی بیوہ کا مرزا کے نکاح میں آنا) پوری نہ ہوئی تو میں ہر بد سے بدتر ٹھہروں گا۔ (ضمیمہ انجام آتھم ص ۵۴)

اللہ تعالیٰ نے ثابت کر دیا کہ مرزا واقعۃً " اپنے اس فقرہ کا مصداق تھا۔ یہ بیس مثالیں خدا اور رسول پر افترا کی تھیں۔ اب دس مثالیں حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر افترا کی ملاحظہ کیجئے۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر دس جھوٹ

۱۔ یہ بات بالکل غیر معقول ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد کوئی ایسا نبی آنے والا ہے کہ جب لوگ نماز کیلئے مسجد کی طرف دوڑیں گے تو وہ کلیسا کی طرف بھاگے گا، اور جب لوگ قرآن شریف پڑھیں گے تو وہ انجیل کھول بیٹھے گا۔ اور جب لوگ عبادت کے وقت بیت اللہ کی طرف منہ کریں گے تو وہ بیت المقدس کی طرف متوجہ ہو گا، اور شراب پیئے گا اور سوٌر کا گوشت کھائے گا۔ اور اسلام کے حلال و حرام کی کچھ پروا نہیں کرے گا۔" (حقیقۃ الوحی صہ ۲۹)

مرزا کا اشارہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی طرف ہے۔ جن کی تشریف کے مسلمان قائل ہیں۔ مگر مرزا نے ان کی طرف جو جو باتیں منسوب کی ہیں یہ نہ صرف صریح جھوٹ بلکہ شرمناک بہتان ہے۔

۲ ــــ یورپ کے لوگوں کو جس قدر شراب نے نقصان پہنچایا اسکا سبب تو یہ تھا کہ عیسیٰ علیہ السلام شراب پیا کرتے تھے۔"
(حاشیہ کشتی نوح صہ ۶۱)

۳۔ مسیح ایک لڑکی پر عاشق ہو گیا تھا جب استاد کے سامنے اسکے حسن و جمال کا تذکرہ کر بیٹھا تو استاد نے اس کو عاق کر دیا۔ یہ بات پوشیدہ نہیں کہ کس طرح مسیح بن مریم جوان عورتوں سے ملتا اور کس طرح ایک

بازاری عورت سے عطر ملواتا تھا۔ (الحکم ۲۱ر فروری ۱۹۰۲ء)

۴۔ "اور یسوع اس لئے اپنے تئیں نیک نہیں کہہ سکا کہ لوگ جانتے تھے کہ یہ شخص شرابی کبابی ہے۔ اور یہ خراب چال چلن، نہ خدائی کے بعد بلکہ ابتدا ہی سے ایسا معلوم ہوتا تھا۔ چنانچہ خدائی کا دعویٰ شراب خوری کا بدنتیجہ تھا۔"

ان تین حوالوں میں شراب نوشی اور دیگر گندگیوں کی جو نسبت حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی طرف کی گئی ہے۔ یہ نہایت گندا بہتان ہے۔ اور ہمارے پاس وہ الفاظ نہیں جن سے اس گندے بہتانوں کی مذمت کر سکیں۔ اور ہم یہ تصور نہیں کر سکتے کہ کوئی شخص فحاشی و بدگوئی اور کمینہ پن کی اس سطح تک بھی اتر سکتا ہے۔

۵۔ "ہائے کس کے آگے یہ ماتم لیجائیں کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی تین پیش گوئیاں صاف طور پر جھوٹی نکلیں" (اعجاز احمدی ص ۱۴)

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی پیش گوئیوں کو صاف طور پر جھوٹی کہنا سفید جھوٹ اور کفر صریح ہے۔

۶۔ عیسائیوں نے آپ کے بہت سے معجزات لکھے ہیں۔ مگر حق بات یہ ہے کہ آپ سے کوئی معجزہ نہیں ہوا، اگر آپ سے کوئی معجزہ بھی ظاہر ہوا تو وہ معجزہ آپ کا نہیں بلکہ اس تالاب کا معجزہ ہے۔"

(ضمیمہ انجام آتھم ص ۶ ۷)

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے معجزات کی نفی نہ صرف کذب صریح ہے، بلکہ قرآن کریم کی کھلی تکذیب ہے۔ اور عجیب تر یہ کہ مرزا "تالاب کا معجزہ" ماننے کیلئے تیار ہے مگر حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا معجزہ ماننے پر تیار نہیں۔

۷۔ "اب یہ بات قطعی اور یقینی طور پر ثابت ہو چکی ہے کہ حضرت ابن مریم

باذنِ حکمِ الٰہی الیسع نبی کی طرح اس عمل الترب (مسمریزم) میں کمال رکھتے تھے۔"
(ازالۂ اوہام ص ۳۰۸)

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی طرف مسمریزم کی نسبت کرنا ایک جھوٹ، اُن کے معجزات کو مسمریزم کا نتیجہ قرار دینا دوسرا جھوٹ، اس پر باذن وحکم الٰہی" کا اضافہ تیسرا جھوٹ۔ اور حضرت الیسع علیہ السلام کو اس میں لپیٹنا تیسرا جھوٹ،

۸ــــ حضرت مسیح ابن مریم اپنے باپ یوسف کے ساتھ بائیس برس تک نجاری کا کام کرتے رہے ہیں اور ظاہر ہے کہ بڑھئی کا کام درحقیقت ایک ایسا کام ہے جس میں کلوں کے ایجاد کرنے اور طرح طرح کی صنعتوں کے بنانے میں عقل تیز ہوجاتی ہے۔
(ازالہ اوہام ص ۳۰۳)

یوسف نجار کو حضرت مسیح کا باپ کہنا ایک جھوٹ، حضرت مسیح کو بڑھئی کہنا دوسرا جھوٹ۔ اوران کے معجزات کو نجاری کا کرشمہ کہنا تیسرا جھوٹ۔

۹ــــ "بہرحال مسیح کی یہ ترپی کارروائیاں زمانہ کے مناسب حال بطور خاص مصلحت کے تھیں مگر یاد رکھنا چاہیئے کہ یہ عمل ایسا قدر کے لائق نہیں ۔جیسا کہ عوام الناس اس کو خیال کرتے ہیں۔ اگر یہ عاجز اس عمل کو مکروہ اور قابلِ نفرت نہ سمجھتا تو خدا تعالیٰ کے فضل وتوفیق سے امید رکھتا تھا کہ ان اعجوبہ نمائیوں میں حضرت ابن مریم سے کم نہ رہتا۔"
(ازالہ اوہام ص ۳۰۹)

حضرت مسیح علیہ السلام کے معجزات کو" ترپی کارروائیاں" کہنا، انھیں مکروہ اور قابلِ نفرت کہنا صریح بہتان اور تکذیب قرآن ہے۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے برتری کی امید رکھنا اور اس کو فضل وتوفیق خداوندی کی طرف منسوب کرنا صریح کفر اور افتراء علی اللہ ہے۔

۱۰۔ "اور آپ کی انھیں حرکات کی وجہ سے آپ کے حقیقی بھائی آپ سے ناراض رہتے تھے اور ان کو یقین ہو گیا تھا کہ آپ کے دماغ میں ضرور کچھ خلل ہے اور وہ ہمیشہ چاہتے رہے ہیں کہ کسی شفاخانہ میں آپ کا باقاعدہ علاج ہو شاید خدا تعالیٰ شفا بخشے۔

(ضمیمہ انجام آتھم ص۵)

"یسوع درحقیقت بوجہ مرگی کے دیوانہ ہو گیا تھا"

(حاشیہ ست بچن ص۱۷۱)

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی طرف (نعوذ باللہ) خلل دماغ، مرگی، اور دیوانگی کی نسبت کرنا سفید جھوٹ ہے یہ اور اس قسم کی دیگر تحریریں غالباً مرزا نے "مراق" کی حالت میں لکھی ہیں، جس کا اس نے خود کئی جگہ اعتراف کیا ہے۔ یہ مرزا کے جھوٹ کے تیس نمونے پیش کئے گئے ہیں، جن سے معلوم ہو سکتا ہے کہ مرزا کو سچائی اور راستی سے کتنی نفرت تھی، اس تحریر کو مرزا کی ایک عبارت پر ختم کرتا ہوں:۔

"ظاہر ہے کہ جب ایک بات میں کوئی جھوٹا ثابت ہو جائے تو پھر دوسری باتوں میں بھی اس پر اعتبار نہیں رہتا"

(چشمہ معرفت ص ۲۲۲)

اللہ تعالیٰ ہر مسلمان کو ایسے جھوٹوں سے بچائے۔ اور مرزائیوں کو بھی اس جھوٹ سے نکلنے کی توفیق ارزانی فرمائے۔

سبحان ربک رب العزة عما یصفون، وسلام علی المرسلین والحمد للہ رب العالمین،

محمد یوسف عفا اللہ عنہ
۲۲/۲/۱۴۰۷ھ

مرزا غلام احمد کی پیشین گوئیاں واقعات کے آئینہ میں

از — مولانا کفیل احمد علوی کیرانوی

قادیانیت کا مختصر تعارف اور.... پیشین گوئیاں جنھیں خود غلام احمد قادیانی نے اپنے صادق یا کاذب ہونے کا معیار اور حق و باطل کے درمیان فیصلہ کن قرار دیا تھا اور جو قطعی طور پر غلط ثابت ہوئیے

قادیانیت کے جیب و گریباں

اس وقت ہمارا موضوع مرزا غلام احمد قادیانی کی ان پیشین گوئیوں کا جائزہ لینا ہے جنھیں خود مرزا جی نے اپنے صادق یا کاذب ہونے کا اصل معیار قرار دیا ہے لیکن اس سے پہلے ہم چاہتے ہیں کہ غلام احمد کی شخصیت اور قادیانیت پر ایک سرسری نظر ڈال لی جائے۔ یہ فتنہ اب پھر سر ابھارتا ہوا دکھائی دے رہا ہے۔ اس لئے ضرورت ہے کہ مسلمان قادیانیوں کی فتنہ انگیزیوں اور خطرناک چالوں کو سمجھیں اور ان کی سازشوں سے باخبر رہیں۔ صرف اتنا ہی نہیں بلکہ زبان و قلم کی طاقت سے کام لے کر قادیانیت کے بدنما چہرہ کو سرِعام بے نقاب کر دیں۔

مرزا غلام احمد نے امام مہدی، مسیح موعود اور نبوت کے جھوٹے دعوے کرکے

ملتِ اسلامیہ کی صفوں کو بنیادی طور پر درہم برہم کرنے کی ناپاک سعی کی ہے
اس حقیقت سے ہند و پاک اور بنگلہ دیش وغیرہ ممالک کے اہلِ علم حضرات
بخوبی واقف ہیں اور انھوں نے اپنے اپنے دائروں میں بجا طور پر اس گمراہی کو دلائل
اور حقائق کی طاقت سے اس کے اثراتِ بد کو ختم کر دینے کی مؤثر اور کامیاب
کوششیں کی ہیں۔

مرزا غلام احمد اپنے زعم میں ختمِ نبوت کو مانتے تو ہیں مگر اس کی ایسی مہمل
تاویل کرتے ہیں جو نہ ماننے کے مترادف ہے۔ وہ قرآنی آیات مقدسہ کی اپنی نفسانی
خواہشات کے مطابق تفسیر کرتے ہیں۔ وہ اور ان کے ساتھی انبیاء علیہم السلام
کی توہین کرتے ہیں۔ غلام احمد کے خلیفہ مرزا بشیر الدین "حقیقۃ النبوۃ" میں ایک
جگہ غلام احمد کے متعلق لکھتے ہیں :-

" وہ بعض اولوالعزم نبیوں سے بھی آگے نکل گئے "

وہ اپنے جاہل چیلوں کو حضرات صحابہؓ کے ہم رتبہ قرار دے کر ان کی مسلّمہ
عظمت کو مجروح کرنے کی مذموم کوشش کرتے ہیں۔ قادیانیوں کا اخبار "الفضل"
جلد ۵ مؤرخہ ۲ر مئی ۱۹۱۸ء کی اشاعت میں لکھتا ہے۔

"پس ان دونوں گروہوں میں تفریق کرنی یا ایک کو دوسرے سے مجموعی
رنگ میں افضل قرار دینا، ٹھیک نہیں۔ ممکن ہے ہمارا خیال غلط ہو۔ لیکن
ہمارا تجربہ یہی ہے۔ ہمارے نزدیک وہ ایک دہریہ صفت آدمی تھا۔ ایک نہایت
فریب کار انسان۔ اس کی ضخیم کتابیں اس کی ذہنی عیاری کی آئینہ دار ہیں۔ اس نے
لوگوں کی نفسیات کا گہرا مطالعہ کیا تھا۔ وہ جانتا تھا کہ دنیا کے ایک کونے سے لے کر
دوسرے کونے تک اکثریت نادان لوگوں کی ہے۔ اور نادان لوگوں کو مختلف طریقوں
سے بہکا کر اپنے ساتھ لگا لینا کوئی زیادہ مشکل کام نہیں۔ اب سوال یہ تھا کہ

عزت وشہرت، مال و دولت اور بھرپور مفادات حاصل کرنے کیلئے اُسے کونسا طریقہ اختیار کرنا چاہیئے۔ اگر وہ مذہب کے خلاف جھنڈا اٹھا کر سامنے آتا تو اس کے اپنے ہی گھر کے اور خاندان کے لوگ چند قدم بھی آگے نہ بڑھنے دیتے۔ اس شخص نے مسلمانوں کی نفسیات کو بھی اچھی طرح سمجھ لیا تھا کہ یہ ایک ایسی قوم ہے جسے مذہب کے نام پر گرمایا بھی جا سکتا ہے اور ٹھنڈا بھی کیا جا سکتا ہے۔ جگایا بھی جا سکتا ہے، سلایا بھی جا سکتا ہے۔ چنانچہ اس نے مذہب کی آڑ میں وہ تمام کھیل کھیلے جو آج سب کے سامنے ہیں۔ سونے پر سہاگہ یہ کہ اسے حکومت برطانیہ کا ہر رُخ سے بھرپور تعاون بھی حاصل رہا۔ حکومت اس وقت مسلمانوں کے اتحاد سے اور جذبۂ جہاد کی تیز تر لہر سے خائف تھی۔ سید احمد شہیدؒ اور ان کے عظیم ساتھیوں کی بڑھتی ہوئی سرگرمیاں انگریزی اقتدار کیلئے پریشان کن بنی ہوئی تھیں۔ مسلمانوں کے اتحاد کو پارہ پارہ کرنے اور ان کی توجہات کو ملکی اور غیر ملکی مسائل سے ہٹا دینے کیلئے انھیں مسلمانوں میں ایسے ہی ذہین و فطین آدمی کی ضرورت تھی۔ مرزا غلام احمد "تریاق القلوب" میں اقرار کرتے ہیں:۔

"میں حکومت برطانیہ کا خود کاشتہ پودا ہوں"۔ ضمیمہ شہادت القرآن" میں لکھا ہے:

"میں ابتدائی عمر سے اس وقت تک جو قریباً ساٹھ برس کی عمر تک پہنچا ہوں اپنی زبان و قلم سے اس کام میں مشغول ہوں تاکہ مسلمانوں کے دلوں کو گورنمنٹ انگلشیہ کی سچی محبت اور خیر خواہی اور ہمدردی کی طرف پھیر دوں۔ اور ان کے بعض کم فہموں کے دلوں سے غلط خیال جہاد وغیرہ کے دور کردوں جو ان کو دلی صفائی اور مخلصانہ تعلقات سے روکتے ہیں"

——— تریاق القلوب" میں ایک جگہ لکھا ہے:۔

"میں نے مخالفت جہاد اور انگریزی کی اطاعت کے بارے میں اس قدر

کتابیں اور اشتہارات شائع کئے ہیں کہ اگر وہ رسائل اور کتابیں اکٹھا کی جائیں تو پچاس الماریاں ان سے بھر سکتی ہیں۔ ایسی کتابوں کو تمام عرب ممالک اور مصر و شام اور کابل اور روم تک پہنچا دیا ہے۔"

ایک طرف مرزا جی برابر مسلمانوں کو انگریزوں کے ساتھ وفاداری کی تعلیم دیتے رہے۔ دل سے مطیعانہ برتاؤ کی تبلیغ کرتے رہے دوسری طرف مرحلہ وار مسلمانوں کے بنیادی عقائد پر شاطرانہ انداز میں حملے شروع کر دئے۔ اور توقع کے مطابق ایسے لوگ بھی مل گئے جو پیدا تو مسلم گھرانوں میں ہوتے تھے مگر مرزا کی طرح تھے بے دین اور مفاد پرست۔ چنانچہ انھوں نے اپنے گرد گھنٹال مرزا غلام احمد قادیانی کے علم و فضل، تقویٰ و طہارت، بزرگی اور بیجا طور پر کشف و کرامت کی تشہیر شروع کر دی۔ اس کے استخاروں کو کامیاب، الہامات کو سچے اور دعاؤں کو مستجاب بیان کیا جانے لگا۔ لوگ آنے لگے۔ بے وقوف اور توہم پرست لوگوں کی کبھی کمی نہیں رہی۔ نہ پہلے تھی اور نہ آج ہے۔ پھر یہ تو دام ہی ہم رنگ زمین بچھایا گیا تھا۔ کچھ سادہ لوح اور پڑھے لکھے بھی پھنس گئے۔

پہلے مرحلہ میں مرزا نے مختلف نفسیاتی پہلوؤں سے کام لے کر اپنے خدا رسیدہ ہونے کا تاثر لوگوں کے ذہن نشین کرایا۔ امام مہدی اور مجدد ہونے کا دعویٰ کیا۔ دوسرے مرحلہ میں مسیح بن گئے، نبی ظلی ہو گئے۔ فن کاری دیکھئے! حضرت مسیح علیہ السلام کے آسمان پر زندہ ہونے کے بارے میں قرآنی صراحت کے باوجود حیات مسیح کے تو قائل نہیں لیکن آمد مسیح کے قائل ہیں اور وہ مرزا جی... خود ہیں۔ اس سوال سے بچنے کے لئے کہ جب آپ کے بقول مسیح زندہ ہی نہیں تو آپ مسیح کہاں سے آ گئے۔ تو مثیل مسیح کا شوشہ لگا دیا۔ ایسے ہی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے خاتم النبیین ہونے پر نصوص قطعیہ موجود ہیں۔

اسی لئے علمائے سلف وخلف شد ومد سے ختم نبوت کے عقیدہ کو مدار ایمان قرار دیتے آئے ہیں۔ مگر اس کے باوجود وہ شخص نبی بن بیٹھا۔ اور اس حقیقت کے تازیانہ سے بچنے کے لئے کہ محمد صلے اللہ علیہ وسلم کے بعد کوئی نبی نہیں ہوگا۔ ظلی و بروزی کی اصطلاحیں گھڑ لیں۔ جب کہ نبوت ظلی و مجازی یا بروزی ہوتی ہی نہیں تیسرے مرحلہ میں ظلی و بروزی کا تکلف بھی ختم کر دیا گیا۔ کہتے ہیں۔

ھو الذی ارسل رسولہ بالھدیٰ ودین الحق   میرے ہی حق میں فرمایا گیا ہے (حقیقۃ النبوۃ) دوسری آیت۔ محمد رسول اللہ والذین معہ میں محمد رسول اللہ سے مراد میں ہی ہوں ۔ (اخبار "الفضل" ج ۲۷ ص۱۵، بحوالہ پیشین گوئیاں مولانا ثناء اللہ صاحب

شوقِ فضیلت یا جوشِ عیاری نے جب مزید ابھارا تو حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم سے بھی افضل ہو گئے۔ کہتے ہیں:

لہٗ خسف القمر المنیر وان لی   خسفا القمران المشرقان اتنکر؟

اس کیلئے یعنی نبی کریم کیلئے چاند کے خسوف کا نشان ظاہر ہوا اور میرے لئے چاند اور سورج دونوں کا۔ کیا اب تو انکار کرے گا؟

(اعجاز نبوی ص۷۱)

متعدد آیات کے بارے میں بے جھجک کہتے ہیں کہ حق تعالیٰ نے مجھے مخاطب کیا ہے۔ اس شخص کا حوصلہ دیکھئے۔ حضرت آدم علیہ السلام سے لیکر خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم تک تمام انبیاء علیہم السلام کی کچھ عظمتوں ہی کو اپنی ذات میں سمو لینے کا مدعی نہیں بلکہ وہ صاف صاف کہتا ہے کہ میں ہی سب کچھ ہوں۔ وہ لکھتا ہے۔

"میں آدم ہوں۔ میں شیث ہوں۔ میں نوح ہوں، میں ابراہیم ہوں۔ میں

اسحاق ہوں، میں اسمٰعیل ہوں۔ میں یعقوب ہوں۔ میں یوسف ہوں۔ میں موسیٰ ہوں۔ میں داؤد ہوں۔ میں عیسیٰ ہوں۔ میں محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا مظہر اتم ہوں۔ یوں ظلی طور پر محمد اور احمد ہوں" (حقیقۃ الوحی)

اس کا کہنا ہے کہ "میرے معجزات انبیاء کے معجزات سے بڑھکر ہیں (کشتی نوح) اور میری پیش گوئیاں نبیوں کی پیش گوئیوں سے زیادہ ہیں" (توضیح المرام) اس نے لکھا ہے کہ "اللہ تعالیٰ فرماتا ہے تو جس چیز کو بنانا چاہے بس کن کہدے وہ ہو جائے گی" (حقیقۃ الوحی ص۱۰۵) جب کہ صاحب بہادر کی وہ پیشین گوئیاں بھی پوری نہیں ہو پائیں جو انتہائی بلند بانگ دعووں کے ساتھ کی گئی تھیں جنھیں ہم یہاں پیش کر رہے ہیں۔

مرزا غلام احمد کی فیصلہ کن پیشین گوئیاں اور ان کا شرمناک انجام

غلام احمد قادیانی اگرچہ بے پناہ چالاک آدمی تھا۔ مگر جیسے کسی ملاح کا حد سے زیادہ بڑھا ہوا حوصلہ اس کی غرقابی کا سبب بن جاتا ہے۔ اسی طرح چالاکی و مکاری میں اس کا حد سے زیادہ گذر جانا اس کو بری طرح لے ڈوبا۔ اس نے مختلف پہلوؤں سے انبیاء علیہم السلام کی شان میں گستاخیاں کیں۔ قرآن کریم کی تحریف میں کوئی کسر نہیں چھوڑی۔ کلمۂ اسلام کا گو صراحتاً انکار نہیں کیا۔ مگر اس کے لازمی تقاضوں کی صریح مخالفت کی۔ خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم کو جھٹلایا اجماع امت کی دھجیاں اڑا کر رکھ دیں۔ قدم قدم پر مسلمانوں کی دل آزاری کی۔ عیسائیوں کو بھی نہیں بخشا۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو یوسف نجار کا ناجائز بیٹا بتایا

جو قرآنی صداقتوں کے قطعی خلاف ہے۔ ہندوؤں کے بزرگوں کی بھی مٹی پلید کر کے رکھدی۔ اس طرح غلام احمد نے ایک ہی وقت میں بہت ساری مخالفتیں مول لے لیں۔

عیسائیوں کے ساتھ امرت سر کے ایک مناظرہ میں جب مرزا جی ایک بوڑھے پادری عبداللہ آتھم سے شکست فاش کھا گئے تو جھنجھلاہٹ میں اس کے لئے موت کی پیشین گوئی کردی اور یہ سمجھکر کہ یہ بوڑھا شخص ہے۔ سال ڈیڑھ سال میں رڑھک جائے گا۔ پیشین گوئی کی مدت پندرہ ماہ رکھی گئی۔ اعمال بد کے نتیجہ میں مرزا جی کو قدرتی طور پر ذلیل ہونا تھا۔ پادری سخت جان ہوگیا۔ اور پیشین گوئی کی مدت پوری ہونے کے بعد بھی کافی عرصہ تک زندہ رہا۔ ہم پہلے اسی الہامی پیشین گوئی کا جائزہ لیں گے۔

واضح رہے کہ ہم پادری آتھم کے حامی نہیں ہیں اور نہ مذہبًا اسے حق پر سمجھتے ہیں۔ توحید کو چھوڑ تثلیث پر یقین رکھنے والا حق پر کبھی نہیں ہوسکتا۔ اس پیشین گوئی کو چونکہ مرزا غلام احمد نے اپنے صدق وکذب کا معیار قرار دیدیا تھا۔ اس لئے اس کا جائزہ لینا ضروری ہے ـــ

اس پیشین گوئی کے ساتھ مرزا جی نے اور بھی کئی پیشین گوئیاں شامل کردی تھیں۔ ایک پنڈت لیکھرام کے متعلق جو ان کی بیہودہ گوئیوں پر انھیں برا بھلا کہتے رہتے تھے۔ دوسری مرزا احمد بیگ کے بارے میں۔ جو ان کے قریبی عزیز تھے اور جنھوں نے اپنی بیٹی محمدی بیگم سے بوڑھے مرزا جی صاحب بہادر کا پیغام نکاح حقارت سے ٹھکرا دیا تھا۔ ان پیشین گوئیوں کے سلسلے میں مرزا جی کی صاف ملاحظہ فرمائیں۔ شہادت القرآن" میں لکھتے ہیں۔

" پھر ما سوا اس کے اور عظیم الشان نشان اس عاجز کی طرف سے معرض

امتحان میں ہیں جیسا کہ منشی عبد اللہ آتھم صاحب امرت سری کی نسبت پیشین گوئی جس کی میعاد ۵ جون ۱۸۹۳ء سے پندرہ مہینے تک اور پنڈت لیکھرام پشاوری کی موت کی نسبت جس کی میعاد ۱۸۹۳ء سے چھ سال تک ہے اور پھر مرزا بیگ ہوشیارپوری کے داماد کی نسبت پیشین گوئی جو پٹی ضلع لاہور کا باشندہ ہے۔ جس کی میعاد آج کی تاریخ سے جو ۲۱ ستمبر ۱۸۹۲ء ہے قریباً ۱۱ مہینے باقی رہ گئی ہے۔ یہ تمام امور جو انسانی طاقتوں سے بالکل بالاتر ہیں ایک صادق یا کاذب کی شناخت کیلئے کافی ہیں۔ کیونکہ احیاء اور اماتت دونوں حق تعالیٰ کے اختیار میں ہیں اور جب تک کوئی شخص نہایت درجہ کا مقبول نہ ہو۔ خدا تعالیٰ اس کی خاطر سے کسی اس کے دشمن کو اس کی دعا سے ہلاک نہیں کر سکتا خصوصاً ایسے موقع پر کہ وہ شخص اپنے تئیں منجانب اللہ قرار دیوے اور اپنی اس کرامت کو اپنے صادق ہونے کی دلیل ٹھہراوے پیشین گوئیاں کوئی معمولی بات نہیں کوئی ایسی بات نہیں جو انسان کے اختیار میں ہوں۔ بلکہ محض اللہ جل شانہٗ کے اختیار میں ہیں۔ سو اگر کوئی طالب حق ہے تو ان پیشین گوئیوں کے وقتوں کا انتظار کرے۔ یہ تینوں پیشگوئیاں ہندوستان اور پنجاب کی تینوں بڑی قوموں پر حاوی ہیں یعنی ایک مسلمانوں سے تعلق رکھتی ہے اور ایک ہندوؤں سے اور ایک عیسائیوں سے۔ اور ان میں سے وہ پیشین گوئی جو مسلمان قوم سے تعلق رکھتی ہے بہت ہی عظیم الشان ہے۔ کیونکہ اس کے اجزاء یہ ہیں (۱) مرزا احمد بیگ ہوشیارپوری تین سال کی میعاد کے اندر فوت ہو (۲) اور پھر داماد اس کا جو اس کی دختر کلاں (محمدی بیگم) کا شوہر ہے اڑھائی سال کے اندر فوت ہو

(۳) اور پھر یہ کہ مرزا احمد بیگ تا روز شادی دختر کلاں فوت نہ ہو (۴) اور پھر یہ کہ وہ دختر بھی تا نکاح اور تا ایام بیوہ ہونے اور نکاح ثانی کے فوت نہ ہو (۵) اور پھر یہ کہ یہ عاجز بھی ان تمام واقعات کے پورے ہونے تک فوت نہ ہو (۶) اور پھر یہ کہ اس عاجز سے (محمدی بیگم کا) نکاح ہوجائے اور ظاہر ہے کہ یہ تمام واقعات انسان کے اختیار میں نہیں"۔

پادری آتھم کے بارے میں ایک خصوصی الہام

پادری آتھم کے متعلق پیشین گوئی کہ وہ ۵ رجون ۱۸۹۳ء سے پندرہ ماہ کے اندر اندر مرجائے گا، ہم مرزا جی کی واضح عبارت نقل کر چکے ہیں لیکن بعد میں مرزا جی کو آتھم کے بارے میں ایک خصوصی الہام ہوا جس کے الفاظ یہ ہیں۔

"آج رات جو مجھ پر کھلا وہ یہ ہے کہ جب میں نے تضرع اور ابتہال سے جناب الٰہی میں دعا کی کہ تو اس امر میں فیصلہ کر اور ہم عاجز بندے ہیں تیرے فیصلہ کے سوا کچھ نہیں کر سکتے تو اس نے یہ نشان بشارت کے طور پر دیا ہے کہ اس بحث میں (جو آتھم سے ہوئی تھی) دونوں فریقوں میں سے جو فریق عمداً جھوٹ کو اختیار کر رہا ہے اور عاجز انسان (حضرت عیسیٰ) کو خدا بنا رہا ہے وہ انہی دنوں مباحثہ کے لحاظ سے یعنی فی دن ایک لے کر یعنی پندرہ ماہ تک ہاویہ (جہنم) میں گرایا جائے گا اور اس کو سخت ذلت پہنچے گی۔ بشرطیکہ حق کی طرف رجوع نہ کرے۔ اور جو شخص حق پر ہے اور سچے خدا کو مانتا ہے اس کی اس سے عزت ظاہر ہوگی اور اس وقت جب پیشین گوئی ظہور میں آئے گی بعض

اندھے سوجاکھے ہوجادیں گے۔ اور بعض لنگڑے چلنے لگیں گے۔
اور بعض بہرے سننے لگیں (جنگ مقدس)
اس پیشین گوئی کے بارے میں مزید لکھتے ہیں:۔
"میں حیران تھا کہ اس بحث میں مجھے کیوں آنے کا اتفاق پڑا معمولی بحثیں تو اور لوگ بھی کرتے ہیں۔ اب یہ حقیقت کھلی کہ اس نشان کے لئے تھا۔ میں اس وقت اقرار کرتا ہوں کہ اگر یہ پیشین گوئی جھوٹی نکلی یعنی وہ فریق جو خدا تعالیٰ کے نزدیک جھوٹ پر ہے وہ پندرہ ماہ کے عرصہ میں، آج کی تاریخ سے بسزائے موت ہاویہ (جہنم) میں نہ پڑے تو میں ہر ایک سزا کے اٹھانے کے لئے تیار ہوں۔ مجھکو ذلیل کیا جائے، رُوسیاہ کیا جائے، میرے گلے میں رسّا ڈال دیا جائے، مجھ کو پھانسی دیا جائے۔ ہر ایک بات کیلئے تیار ہوں۔ اور میں اللہ جل شانہٗ کی قسم کھا کر کہتا ہوں کہ وہ ضرور ایسا ہی کریگا ضرور کرے گا۔ ضرور کرے گا۔ زمین آسمان ٹل جائیں پر اس کی باتیں نہ ٹلیں گی،، (حوالہ مذکور)

اس پیشین گوئی میں مرزا جی نے پوری وضاحت کے ساتھ یہ یقین دلایا ہے کہ اگر آتھم نے حق کی طرف رجوع نہ کیا تو وہ پیشین گوئی کی تاریخ سے پندرہ مہینے کے عرصہ میں مر جائے گا، جہنم رسید ہو جائے گا۔ واضح رہے کہ مرزا جی حق پر خود کو اور اپنے متبعین ہی کو سمجھتے تھے۔ اس لئے آتھم کے حق کی طرف رجوع کرنے کا صاف مطلب یہی تھا کہ اگر وہ عیسائیت سے تائب ہو کر مرزا جی کے دین میں داخل نہ ہوئے اور انھیں مسیح موعود نہ مانا تو لازماً پیشین گوئی کے مطابق پندرہ ماہ کے اندر مر جائیں گے۔ اور طبعی موت نہیں مریں گے۔ بلکہ بسزائے موت جہنم میں پہنچیں گے

مگر افسوس مرزا جی کی اس قدر اہم پیشین گوئی کے بعد بھی وہ پندرہ مہینے کے اندر نہیں مرے۔ کافی لمبے عرصے تک زندہ رہے۔ پیشین گوئی کے مطابق پادری آتھم کو ۵ ستمبر ۱۸۹۴ء تک جہنم رسید ہو جانا چاہئے تھا مگر وہ ۲۷ جولائی ۱۸۹۶ء میں مرے۔ اور طبعی موت مرے۔ دیکھئے ہدایۃ المہتدی عن غوایۃ المفتری ص۱۴۱، مصنفہ مولانا عبد الغنی بٹالوی۔ پیشین گوئی کی میعاد پوری ہو جانے کے بعد عیسائیوں نے آتھم کا بڑی دھوم دھام کے ساتھ امرت سر شہر میں جلوس نکالا اور لوگوں کو دکھایا کہ دیکھو آتھم زندہ ہے۔ مرزا جی کی پیشین گوئی رکھی رہ گئی اور وہ بد نصیب لنگڑے، اندھے اور بہرے بھی ٹھیک ہونے سے محروم رہ گئے۔ جن کو پیشین گوئی کے ظہور میں آنے کے ساتھ بشارت دی گئی تھی۔

اب اگر مرزا جی کو اپنے دعوؤں کا پاس ہوتا تو انہیں چاہئے تھا کہ وہ صاف طور پر اپنے کاذب اور فریبی ہونے کا کھلے عام اعتراف کرتے، اپنے آپ کو عوام کی عدالت میں سزا کیلئے پیش کر دیتے۔ اور اعلان کرتے کہ میں جسے وحی سمجھتا تھا۔ درحقیقت وہ وحی نہیں تھی شیطانی حرکات تھیں۔ اور حق تعالیٰ کی بارگاہِ بے نیاز میں سجدہ ریز ہو کر اپنے گناہوں کا اقرار کرتے۔ اپنے سابقہ کردار پر ہزار بار لعنت بھیجتے اور دین کی صحیح راہ پر گامزن ہو جاتے لیکن اس شخص نے ایسا نہیں کیا۔ اور وہ کر بھی نہیں سکتا تھا۔ کیونکہ وہ کسی غلط فہمی کا شکار تھا ہی نہیں۔ نہ اس پر کسی خبیث کا کوئی اثر تھا۔ ورنہ حقیقتِ حال کھل جانے پر وہ لازماً تائب ہو گیا ہوتا۔ ہم اپنا خیال ظاہر کر چکے ہیں کہ وہ ایک ذہین و فطین اور الحاد پسند آدمی تھا۔ جو کچھ وہ کر رہا تھا۔ پوری طرح جان بوجھ کر کر رہا تھا۔ لوگوں کو بے وقوف بنانے اور اپنا الّو سیدھا کرنے کے لئے کر رہا تھا۔

مرزا جی کے کرتب

پہلا کرتب:- جب مرزا جی نے دیکھ لیا کہ پادری آتھم اُن کی پیشین گوئی کی مدت نکل جانے کے بعد بھی زندہ ہے۔ جس سے لوگوں میں ان کی بُری طرح رسوائی ہو رہی ہے اور اپنے لوگوں کے ٹوٹ جانے کا بھی خطرہ ہے۔ وہ سوالات بھی کر رہے ہیں۔ تو آپ نے پینترا بدلا۔ فرمایا:-
"میری مراد صرف آتھم سے نہیں بلکہ پوری جماعت سے ہے جو اس بحث میں اس کی معاون تھی"، (نور الاسلام ص۲ مصنفہ مرزا)
لوگوں کو احمق بنانے کے لئے پیشین گوئی کو زبردستی وسعت دیکر پادریوں کی صفوں میں نظر دوڑانی شروع کردی۔ اس عرصہ میں ایک پادری رائٹ مرگیا تھا۔ قدرت کا نظام ہے۔ لوگ پیدا بھی ہوتے ہیں۔ مرتے بھی رہتے ہیں۔ جیسے ہی رائٹ کا مرنا معلوم ہوا۔ فوراً مرزا جی پکار اُٹھے کہ میری پیشین گوئی پوری ہوگئی۔ پادری رائٹ مرگیا۔ ہاویہ میں جاگرا۔ اب کہتے! ایسے عیاری نہیں کہیں گے تو اور کیا کہیں گے؟ پیشین گوئی کی گئی آتھم کے بارے میں۔ مراد لے لی جماعت۔ مرگیا رائٹ۔ مرزا جی کی پیشین گوئی پوری ہوگئی۔ بہت خوب! کیا کہنے ہیں نبی ظلی کی دیانت وصداقت کے!
مرزا جی کو تو چھوڑ دیجئے۔ وہ تو چت بھی اپنی اور پٹ بھی اپنی سے کام لے کر اپنا توسید ھا کر رہے تھے۔ افسوس تو ان پر ہے جو قدرت کی عطا کی ہوئی سمجھ اور روشن آنکھوں سے صحیح کام نہ لے کر مرزا جی کے ساتھ اندھیروں میں بھٹک رہے ہیں اور اتنی کھلی ہوئی باتیں بھی انہیں غلط راہ سے نہیں ہٹا سکیں۔

دوسرا کرتب سمجھے ہوں گے کہ شاید میری یہ توجیہ لوگوں کو مطمئن نہ کرسکے اس احساس سے دوسرا پینترا بدلا۔ فرمایا۔

"پیشین گوئی میں یہ بھی تو ہے کہ اگر اس نے حق کی طرف رجوع نہ کیا اور اس نے رجوع الی الحق کر لیا تھا۔ اسی لئے تو نہیں مرا" مزید فرمایا۔
پیشین گوئی نے اس کے دل پر اثر کیا اور وہ پیشین گوئی کی عظمت کی وجہ سے دل میں موت کے غم سے شہر شہر مارا پھرتا رہا"

(اشتہارات ہزاری ڈدو ہزاری سہ ہزاری انوار الاسلام)

جب لوگوں نے کہا مرزا جی! اس نے رجوع الی الحق کیا کہاں۔ وہ تو آج تک عیسائیت پر مضبوطی سے قائم ہے"، تو ایک اور پینترا بدلا۔ فرمایا۔

"میری پیشین گوئی کے بعد اس کے دل میں موت کا ڈر پیدا ہوا جس سے وہ خدا کی طرف رجوع ہوا اور اس سے ڈرا۔ اسی لئے امرتسر سے باہر آتا جاتا رہا"

اہل نظر غور فرمائیں! پندرہ ماہ کے عرصہ میں کیا کسی کو دو چار سفر پیش نہیں آسکتے ہیں اس کبھی زیادہ آسکتے ہیں۔ اور آتے رہتے ہیں۔ اگر پادری آتھم بھی اپنی کسی ضرورت سے دو چار دفعہ کہیں سفر میں چلا گیا تو کیا اس کا یہ مطلب لیا جائیگا کہ وہ مرزا جی کی پیشین گوئی سے ڈر کر امرتسر سے باہر بھاگا پھرتا رہا؟ اور پھر پیشین گوئی میں یہ کہاں ہے کہ وہ امرتسر میں رہا تو مرے گا۔ باہر چلا گیا تو نہیں مرے گا۔ اس میں تو صرف مرنے کی بات ہے۔ وہ پندرہ ماہ کی متعینہ مدت میں کہیں بھی مرجاتا، پیشین گوئی سچی سمجھی جاتی۔

تیسرا کرتب مرزا جی جانتے تھے کہ پیشین گوئی پوری نہ ہونے کی وجہ سے صورت حال زیادہ بگڑ گئی ہے۔ ابھی تک کوئی بات

ڈھنگ کی نہیں بنی۔ اس لیئے آپ نے ایک نیا پینترا بدلا اور لوگوں کو یہ تاثر دینا چاہا کہ آتھم اگرچہ عیسائیت پر قائم ہے مگر دلی طور سے وہ حق کی طرف مائل ہوگیا ہے۔ اور میری پیشین گوئی کے بعد سے اس نے عیسائیت کیلئے کوئی کام نہیں کیا۔ کہتے ہیں:۔

"اس نے اس مباحثہ کے بعد میری پیشین گوئی کے ڈر سے عیسائیت کی حمایت میں ایک سطر بھی نہیں لکھی۔ بس یہی اس کے رجوع کی علامت ہے" (انجام آتھم)

درانحالیکہ آتھم عیسائیت کی حمایت میں حسبِ طاقت برابر لکھتا رہا۔ اس نے نہ صرف عیسائیت کی حمایت ہی میں لکھا بلکہ خود مرزا جی کی فریبکارانہ حرکتوں پر سے بھی وہ زندگی کے آخری دنوں تک پردے اٹھاتا رہا۔ اُسے دجّال، کذّاب اور فریب کار تک لکھتا رہا۔ مرزا جی کے پیچھے آنکھیں بند کرکے چلنے والے اس صورت حال کو کیا کہیں گے؟ کیا مرزا کو جھوٹا اور دجّال کہنے والا شخص بھی ان کی نظر میں رجوع الی الحق کئے ہوتے ہے؟ جس کی وجہ سے وہ پیشین گوئی کی سخت مار سے بچ گیا۔

درحقیقت اس پیشین گوئی کے سراسر غلط ثابت ہوجانے سے مسیح موعود اور نبی ظلّی کی ذات کو شدید دھکا پہنچا۔ اس کا قصرِ نبوّت سارا کا سارا زمین پر آرہا۔ وہ چالاک ترین آدمی ہونے کے باوجود گھبرا گیا۔ اور اس گھبراہٹ میں ایک سے ایک لچر اور بے تکی بات کہہ گیا۔ ؎

بات بگڑی ہے کچھ ایسی کہ بنائے نہ بنے

ایک جگہ کہتے ہیں:۔

"آتھم نے جلسۂ مباحثہ میں ستّر معزز آدمیوں کے روبرو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم

کو دجّال کہنے سے رجوع کیا اور پیشین گوئی کی بنا ہی تھی کہ اس نے آپ
کو دجّال کہا تھا "
قارئین غور فرمائیں! اس پیشین گوئی میں کسی رُخ سے بھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم
کا ذکر نہیں۔ اس میں تو یہ ہے کہ جو فریق عمداً جھوٹ کو اختیار کر رہا ہے اور
عاجز انسان کو خدا بنا رہا ہے۔ وہ پندرہ مہینے کے اندر ہاویہ میں گرایا جاوےگا۔
مرزا جی کو اس پیشین گوئی نے دراصل ایک ایسے موڑ پر کھڑا کر دیا تھا۔ جہاں
انھیں کوئی راستہ نہیں مل رہا تھا۔ اور وہ بوکھلائے ہوئے تھے۔

مرزا جی کی الٹی منطق

پیشین گوئی کی مدت میں آتھم کے جہنم رسید نہ
ہونے کی ایک طرف تو وجہ یہ بتائی جا رہی ہے کہ
اس نے رجوع الی الحق کر لیا تھا۔ اسی لئے وہ پیشین گوئی کی مار سے بچ نکلا۔
دوسری طرف مرزا جی کہتے ہیں:۔

" وہ ہاویہ میں مبتلا رہا جس کا ثبوت یہ ہے کہ وہ موت کے ڈر سے
پریشان حال رہا۔ امرتسر سے گھبراہٹ میں اِدھر اُدھر بھاگا پھرا
اس کا سکون غارت ہو گیا۔ اور یہی ہاویہ ہے " آگے لکھتے ہیں:۔
" ہماری پیشین گوئی کے الہامی الفاظ پڑھو اور ایک طرف اس کے مصائب
کو جانچو جو اس پر وارد ہوئے۔ تو تمہیں کچھ بھی اس بات میں شک
نہیں ہوگا۔ کہ وہ بے شک ہاویہ میں گرا ضرور گرا۔ اور اس کے دل
پر وہ رنج و غم اور بدحواسی طاری ہوئی جس کو ہم آگ کے عذاب سے
کچھ کم نہیں کہہ سکتے " (انوار الاسلام صفحہ ۲)
اب مرزا جی تو ہیں نہیں جو ان سے پوچھتے کہ یہ کیا الٹی منطق ہے کہ ایک
طرف تو اس پر زور دیا جا رہا ہے کہ آتھم نے رجوع الی الحق کر لیا تھا۔ دوسری طرف

یوں فرمایا جارہا ہے کہ وہ ہاویہ (جہنم) میں گرا۔ ضرور گرا۔ معلوم نہیں کہ وہ کم بخت حق کے ساتھ ہاویہ میں کیسے گر گیا؟

مولانا محمد حسین وغیرہ سے متعلق پیشین گوئی

یہ پیشین گوئی مولانا محمد حسین بٹالوی اور ان کے دو ساتھیوں کے لئے کی گئی تھی جو مرزا جی کے لئے ایک بھاری آفت بنے ہوئے تھے۔ جن کے سامنے مرزائی ساری مکاریاں ناکام ہو رہی تھیں۔ مرزا غلام احمد نے اپنی اس الہامی پیشین گوئی کو بھی فیصلہ کن اور حق و باطل کا معیار قرار دیا تھا۔ اپنے متوسلین کو معصومانہ انداز میں ہدایات دیتے ہوئے۔ لکھتے ہیں :-

"میں اپنی جماعت کیلئے خصوصاً یہ اشتہار شائع کرتا ہوں کہ وہ اس اشتہار کے نتیجہ کے منتظر رہیں کہ ۲۱ر نومبر ۱۸۹۸ئہ کو بطور مباہلہ شیخ محمد حسین بٹالوی صاحب اور اس کے دو رفیقوں کی نسبت شائع کیا گیا ہے جس کی میعاد ۱۵ر جنوری ۱۹۰۰ئہ میں ختم ہو گی اور میں اپنی جماعت کو چند لفظ بطور نصیحت کہتا ہوں کہ وہ طریق تقویٰ پر پنجہ مار کر یاوہ گوئی کے مقابلہ پر یاوہ گوئی نہ کریں۔ اور گالیوں کے مقابلہ پر گالیاں نہ دیں وہ بہت کچھ ٹھٹھا اور ہنسی سنیں گے۔ جیسا کہ سن رہے ہیں مگر چاہیئے کہ خاموش رہیں۔ اور تقویٰ اور نیک بختی کے ساتھ خدا تعالیٰ کے فیصلہ کی طرف نظر رکھیں۔ اگر وہ چاہتے ہیں کہ خدا تعالیٰ کی نظر میں قابل تائید ہوں تو صلاح اور تقویٰ اور صبر کو ہاتھ سے نہ دیں۔ اب اس عدالت کے سامنے مسل مقدمہ ہے جو کسی کی رعایت نہیں کرتی اور گستاخی کے طریقوں کو پسند نہیں کرتی جب تک انسان عدالت کے

کرے سے باہر ہے۔ اگرچہ اس کی بدی کا بھی مواخذہ ہے مگر اس شخص کے جرم کا مواخذہ بہت سخت ہے جو عدالت کے سامنے کھڑے ہو کر بطور گستاخی ارتکاب جرم کرتا ہے۔ اس لئے میں تمہیں کہتا ہوں کہ خدا تعالیٰ کی عدالت کی توہین سے ڈرو اور نرمی اور تواضع اور صبر و تقویٰ اختیار کرو اور خدا تعالیٰ سے چاہو کہ وہ تم میں اور تمہاری قوم میں فیصلہ فرما دے۔" (رسالہ راز حقیقت)

اب مرزا جی کا مندرجہ ذیل اشتہار ملاحظہ فرمایئے۔

"میں نے خدا سے دُعا کی ہے کہ وہ مجھ میں اور محمد حسین بٹالوی میں آپ فیصلہ کرے اور وہ دعا جو میں نے کی ہے یہ ہے کہ اے ذوالجلال پروردگار اگر میں تیری نظر میں ایسا ہی ذلیل اور جھوٹا اور مفتری ہوں جیساکہ محمد حسین بٹالوی نے اپنے رسالہ "اشاعۃ السنہ" میں بار بار مجھکو کذّاب اور دجّال اور مفتری کے لفظ سے یاد کیا ہے۔ اور جیساکہ اس نے اور محمد بخش جعفر زٹلی اور ابوالحسن تبتی نے اس اشتہار میں جو ۱۰ر نومبر ۱۸۹۸ء کو چھپا ہے میرے ذلیل کرنے میں کوئی دقیقہ اٹھا نہیں رکھا۔ تو اے میرے مولا اگر میں تیری نظر میں ایسا ہی ذلیل ہوں تو مجھ پر تیرہ ماہ کے اندر یعنی ۱۵ر دسمبر ۱۸۹۸ء سے ۱۵ر جنوری ۱۹۰۰ء تک ذلّت کی مار وارد کر اور ان لوگوں کی عزّت اور وجاہت ظاہر کر اور اس روز کے جھگڑے کو فیصلہ فرما۔ لیکن اگر میرے آقا۔ میرے مولا میرے منعم۔ میری ان نعمتوں کے دینے والے جو تو جانتا ہے اور میں جانتا ہوں تیری جناب میں میری کچھ عزّت ہے تو میں عاجزی سے دُعا کرتا ہوں کہ ان تیرہ مہینوں میں جو ۱۵ر دسمبر ۱۸۹۸ء سے ۱۵ر جنوری ۱۹۰۰ء تک

شمار کیئے جائیں گے۔ شیخ محمد حسین اور جعفر زٹلی اور تبتی مذکور کو جنھوں نے میرے ذلیل کرنے کیلئے یہ اشتہار لکھا ہے۔ ذلّت کی مار سے دنیا میں رسوا کر۔ غرض اگر یہ لوگ تیری نظر میں سچے اور متقی اور پرہیزگار اور میں کذّاب اور مفتری ہوں تو مجھے ان تیرہ مہینوں میں ذلّت کی مار سے تباہ کر۔ اور اگر تیری جناب میں مجھے وجاہت اور عزّت ہے تو میرے لئے یہ نشان ظاہر فرما کر ان تینوں کو ذلیل اور رسوا اور ضُرِبَت عَلَیھِمُ الذِّلّة کا مصداق کر" ۔ آگے لکھتے ہیں :۔

"یہ دُعا تھی جو میں نے کی۔ اس کے جواب میں الہام ہوا کہ میں ظالم کو ذلیل اور رسوا کروں گا اور وہ اپنے ہاتھ کاٹیں گے"[1]

اس کے بعد یہ الہام ہوا اور کچھ الہامات عربی میں ہوئے۔ کہتے ہیں:

"یہ خدا تعالیٰ کا فیصلہ ہے جس کا ماحصل یہی ہے کہ ان دونوں فریق میں سے جن کا ذکر اس اشتہار میں ہے۔ یعنی یہ خاکسار ایک طرف شیخ محمد حسین اور جعفر زٹلی اور مولوی ابوالحسن تبتی، دوسری طرف خدا کے حکم کے نیچے ہیں۔ ان میں سے جو کاذب ہے وہ ذلیل ہوگا۔ یہ فیصلہ چونکہ الہام کی بنا پر ہے اس لئے حق کے طالبوں کے لئے ایک کھلا کھلا نشان ہو کر ہدایت کی راہ ان پر کھولے گا۔

مرزا جی نے عاجزانہ اور دل کش انداز میں اپنے متبعین کو بآیا دیگر اپنی پیشین گوئیوں کے برحق ہونے پر اور اپنے نصب العین کی صداقت پر جمانے کی سعی کی ہے۔ بہرکیف وہ کوئی بھی انداز اختیار کریں ہمیں اس سے یہاں کوئی بحث نہیں، بحث ان کی پیشین گوئیوں سے ہے۔ یہ بات تو قارئین کے سامنے آہی گئی کہ مرزا جی اپنی ان پیشین گوئیوں کو اپنے صادق یا کاذب ہونے کا معیار

---

[1] ہاتھ کاٹنے سے مراد یہ ہے کہ جن ہاتھوں سے ظالم نے جو حق پوشیدہ ہے ناجائز تحریر کا کام لیا وہ ہاتھ اس کی حسرت کا موجب ہوں گے۔ وہ افسوس کرے گا کیوں یہ ہاتھ ایسے کام پر چلے۔ (مرزا)

قرار دیے ہیں اور پوری قوت کے ساتھ یہ حقیقت ذہن نشین کرا رہے ہیں کہ اگر یہ پیشین گوئیاں اپنی اپنی جگہ صحیح اور حق ثابت ہوئیں تو مجھے دوسری باتوں میں بھی صادق تسلیم کیا جائے عزت کی نگاہ سے دیکھا جائے۔ ورنہ ہر جہت سے کاذب، مفتری اور جھوٹا سمجھا جائے۔ یہ پیشین گوئیاں کیونکہ بہت زوردار دعووں کے ساتھ کی گئی تھیں اس لئے ان کے ناسمجھ متبعین نے بھی خوب دل کھول کر پروپیگنڈہ کیا اور بے قراری کے ساتھ ان کے وقوع پذیر ہونے کا انتظار کیا جانے لگا۔

الہام مرزا کے بموجب یہ فیصلہ قطعی اور آخری فیصلہ ہونا چاہیئے تھا۔ ان کے چیلے مرزاجی کو تو حق ہی پر جانتے تھے۔ وہ شدت سے منتظر تھے کہ اب دیکھئے پیشین گوئی زدہ لوگوں کا کیا حشر بنتا ہے۔ مگر وہ نیک حضرات کیونکہ حق پر تھے اور ان کے سینے ختم نبوت کے صحیح عقیدے کی روشنی سے منور تھے اس لئے ان کا کچھ بھی نہیں بگڑا۔ خود مرزاجی کی پیشین گوئی کی موجیں ان کے ساحل ایمان سے ٹکرا کر فضا میں تحلیل ہو گئیں۔ وہ نیک دل اور مخلص حضرات ہر طرح بعافیت رہے ملت اسلامیہ میں ان کی عزت افزائی ہوئی۔ البتہ مرزاجی کی رسوائیوں میں اضافہ ہوتا چلا گیا۔ مگر وہ بزبان خود مسیح موعود اور نبی ظلی ایسے کہاں تھے جو حقائق کو تسلیم کر لیتے۔ حقائق سے تو ان کو الرجی ہوتی تھی۔

پیشین گوئی کے تیرہ ماہ کے اندر تو کیا، کئی سال بعد تک بھی جب مرزاجی کے مقابل لوگوں پر کوئی آفت نہ آئی اور نہ کوئی افتاد پڑی تو مرزاجی نے اپنی دیرینہ عادت کے مطابق اسی فن کاری سے کام لیا۔ جس کا مظاہرہ وہ پہلے سے کرتے آرہے تھے۔ پیشین گوئی کا نشانہ بنائے جانے والوں کے خلاف کفر کا فتویٰ جڑ دیا اور شور مچا دیا کہ میری پیشین گوئی پوری ہو گئی۔ وہ ذلیل ہو گئے،

۔ان پر کفر کا فتویٰ لگ گیا۔ نیز یہ کہ اس اثناء میں محمد حسین کو کافی زمین ملی ہے، وہ زمیندار ہو گیا ہے۔ یہ بھی ہماری پیشین گوئی کے سچی ہو جانے کا بیّن ثبوت ہے، لوگوں نے پوچھا کہ زمین کا ملنا تو خوش حالی کی علامت ہے اور جسے انعام خداوندی کہنا چاہیئے۔ اس میں تو ان کی عزّت ہی بڑھی۔ ذلّت تو نہ ہوئی۔ یہ بات سمجھ سے باہر ہے۔ ہاں اگر زمین ناجائز طور پر یا ظالمانہ انداز میں حاصل کی گئی ہے تو آپ کی بات کسی حد تک ٹھیک کہی جا سکتی ہے۔ مگر ایسا نہیں ہے۔ یا پھر آپ ثابت کیجئے!

اس پر فرمایا گیا" وہ زمین ملنے سے زمیندار ہو گیا ہے۔ جو ذلّت ہے کیونکہ جس گھر میں کھیتی کے آلات داخل ہوں وہ ذلیل ہو جاتا ہے"۔۔۔ یہ ہیں مرزا جی بہادر کی توجیہات اور ان کے بھاری اور معقول دلائل۔ اور یہ تھیں نبی ظلّی کی الہامی پیشین گوئیاں۔ یہی حال ان کے تمام الہامات کا ہے اور یہی معجزات کا۔ وہ اپنے معجزات کی تعداد بڑے فخر کے ساتھ تین لاکھ بتاتے ہیں۔ لیکن وہ جنھیں معجزات کہتے ہیں وہ اس تعداد سے بھی زیادہ ہو سکتے ہیں۔ اگر کسی جاہل عقیدت مند نے ایک روپیہ مرزا جی کی نذر کر دیا۔ تو فرمایا۔"میرے دل میں یہ بات آئی تھی" بس ایک معجزہ ہو گیا۔ اسی طرح اگر کسی سے پانچ دس ہزار روپے ٹھگ لئے تو فی روپیہ ایک معجزہ کے حساب سے اتنے ہی معجزات تیار ہو گئے یا ان کے قلم سے غلط سلط عربی میں یا اُردو میں کوئی شعر یا غزل وغیرہ نکل گئی تو اس کے تمام حروف و الفاظ معجزات بن گئے۔

پنڈت لیکھرام سے متعلق پیشین گوئی

یہ پنڈت لیکھرام وہی ہے جن کا ذکر پہلے آچکا ہے۔ ان سے متعلق پیشین گوئی

کے بارے میں جو اشتہار مرزاجی کی طرف سے منظرِ عام پر آیا تھا۔ وہ ذیل میں درج کیا جارہا ہے۔ ملاحظہ فرمائیے :۔

" واضح ہو کہ اس عاجز نے اشتہار ۲۰ر فروری ۱۸۸۶ء میں جو اس کتاب کے ساتھ شائع کیا گیا تھا۔ اندرمن مرادآبادی اور لیکھرام پشاوری کو اس بات کی دعوت دی تھی کہ اگر وہ خواہشمند ہوں تو ان کی قضاو قدر کی نسبت بعض پیشین گوئیاں شائع کی جائیں۔ سو اس اشتہار کے بعد اندرمن نے تو اعراض کیا اور کچھ عرصہ کے بعد فوت ہو گیا، لیکن لیکھرام نے بڑی دلیری سے ایک کارڈ اس عاجز کی طرف روانہ کیا کہ میری نسبت جو پیشین گوئی چاہو شائع کر دو۔ میری طرف سے اجازت ہے سو اس کی نسبت جب توجہ کی گئی تو اللہ جل شانہٗ کی طرف سے یہ الہام ہوا۔ عجل جسد لهٗ خوارله نصبٌ وعذاب، یعنی ایک بیجان گؤسالا ہے جس کے اندر سے مکروہ آواز نکل رہی ہے۔ اور اس کے لئے ان گستاخیوں اور بدزبانیوں کے عوض میں سزا اور رنج اور عذاب مقرر ہے۔ جو ضرور اس کو ملکر رہے گا۔ اور اس کے بعد آج ۲۰ر فروری ۱۸۹۳ء روز دوشنبہ ہے۔ اس عذاب کا وقت معلوم کرنے کے لئے توجہ کی گئی تو خداوند کریم نے مجھ پر ظاہر کیا کہ آج کی تاریخ سے جو ۲۰ر فروری ۱۹۰۳ء ہے چھ برس کے عرصہ تک یہ شخص اپنی بدزبانیوں کی سزا میں یعنی ان بے ادبیوں کی سزا میں جو اس شخص نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حق میں کی ہیں۔ عذاب شدید میں مبتلا ہو جائے گا۔ سو اب میں اس پیشین گوئی کو شائع کر کے تمام مسلمانوں اور آریوں اور عیسائیوں اور دیگر فرقوں پر ظاہر کرتا ہوں کہ

اگر اس شخص پر چھ برس کے عرصہ میں آج کی تاریخ سے کوئی ایسا عذاب نازل ہوا جو معمولی تکلیفوں سے نرالا اور خارق عادت اور اپنے اندر الٰہی ہیبت رکھتا ہو، تو سمجھو کہ میں خدا تعالیٰ کی طرف سے نہیں اور نہ اس کی رُوح سے میرا نطق ہے اور میں اس پیشین گوئی میں کاذب نکلا تو ہر ایک سزا کے بھگتنے کے لئے تیار ہوں، اور اس بات پر راضی ہوں کہ مجھے گلے میں رسا ڈال کر کسی سولی پر کھینچا جاوے اور باوجود میرے اس اقرار کے یہ بات بھی ظاہر ہے کہ کسی انسان کا اپنی پیشین گوئی میں جھوٹا نکلنا۔ خود تمام رسوائیوں سے بڑھ کر رسوائی ہے۔ زیادہ اس سے کیا لکھوں۔" (سراج منیر صـ ۱۲)

قارئین خاص طور پر یہ بات ذہن نشین کر لیں کہ مرزا جی کی یہ پیشین گوئی لیکھرام کی موت کے بارے میں نہیں ہے۔ بلکہ خرق عادت کے طور پر کسی بھاری اور عبرتناک عذاب کے بارے میں ہے۔ جس کا تعلق زندگی سے ہے۔ یعنی اس کی زندگی میں اس پر کوئی ہیبت ناک عذاب نازل ہوگا۔ چھ سال پورے ہونے لگے اور لیکھرام پر کوئی افتاد نہیں پڑی، اور نہ خرق عادت کے طور پر کوئی عذاب نازل ہوا۔ جس کو لے کر مرزا جی لوگوں کو باور کرا سکتے کہ دیکھو ہماری پیشین گوئی پوری ہو رہی ہے، وہ کس طرح عذاب میں مبتلا ہے۔ مرزا جی اور ان کے ہمنوا سخت پریشان تھے انھیں اپنی پیشین گوئی کی دلدل سے نکلنے کا کوئی موقع نہیں مل رہا تھا۔ اتفاق سے اسی اثنار میں ان کے ایک دشمن نے چھرا گھونپ کر ان کو مار ڈالا۔ مرزا جی نے اس سے فائدہ اٹھایا۔ اور اس صورت حال کو پیشین گوئی کے سچی ثابت ہونے کے ثبوت میں پیش کر دیا۔ جب کہ لیکھرام کے متعلق موت کی پیشین گوئی تھی ہی نہیں پیشین گوئی ایک بار پھر پڑھ لیجئے! ہاں اگر پیشین گوئی یہ ہوتی کہ لیکھرام اتنی

مدت میں قتل کر دیا جائے گا تو پھر مرزا جی کو کچھ کہنے کا حق حاصل ہو سکتا تھا۔
مرزا جی نے یہاں مسلمانوں کی ہمدردیاں حاصل کرنے کیلئے یہ تأثر دینے کی کوشش کی ہے کہ لیکھرام نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی شان میں گستاخی اور بے ادبی کی تھی اسی لئے میں نے اس کیلئے یہ پیشین گوئی کی ہے۔ ہم یہ نہیں کہتے کہ لیکھرام نے گستاخیاں نہیں کی ہوں گی، کی ہوں گی۔ اس پر اسکی جس قدر بھی مذمت کی جائے وہ کم ہے۔ ہمارا مقصد لیکھرام کی حمایت ہرگز نہیں۔ بلکہ یہ دکھانا مقصود ہے کہ غلام احمد قادیانی جو خود کو مامور من اللہ، مسیح موعود اور نبی ظلی بتا کر لوگوں کو گمراہ کرنے کی کوشش کر رہا ہے۔ وہ مجسم جھوٹ اور سراپا مکر و فریب ہے۔ اس کے سوا کچھ نہیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی اور حق تعالیٰ کی شان میں گستاخیاں تو خود مرزا جی زندگی کے آخری لمحوں تک کرتے رہے ہیں اور بڑی ڈھٹائی کے ساتھ کرتے رہے ہیں۔ آنحضرت ؐ نے ارشاد فرمایا میرے بعد کوئی نبی نہیں آئے گا، مرزا جی نے کہا، آئے گا اور وہ میں ہوں۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا، محمد خاتم النبیین ہیں۔ مرزا جی نے کہا نہیں۔ نبوت کا سلسلہ جاری ہے۔ کیا یہ اللہ اور اس کے رسولؐ کو جھٹلانے کا صریح ارتکاب نہیں ہے؟

مرزا احمد بیگ، ان کے داماد اور آسمانی نکاح کے بارے میں پیشین گوئی

پادری آتھم کے بارے میں مرزا جی کی زوردار پیشین گوئی قطعاً غلط ثابت ہوئی۔ مولانا محمد حسین اور ان کے ساتھیوں سے متعلق پیشین گوئی کا جو حشر بنا وہ سامنے آچکا ہے۔ پنڈت لیکھرام کے لئے جو پیشین گوئی فرمائی گئی تھی، وہ بھی

جھوٹی ہو کر ان کی رسوائی کا باعث بنی ـــــ اب یہ پیشین گوئی ایک مسلمان شخص مرزا احمد بیگ کے بارے میں ہے۔ تنہا احمد بیگ کے بارے میں نہیں۔ اُن کے داماد اور بیٹی کے لئے بھی ہے۔ جس سے شادی کرنے کیلئے مرزا جی بے تاب تھے سابقہ پیشین گوئیوں کی طرح بلکہ ان سے زیادہ مرزا جی نے اس پیشین گوئی کو معرکۃ الآرا، عظیم الشان اور حق و باطل کے درمیان فیصلہ کن قرار دیا تھا لیکن دوسری پیشین گوئیوں کی طرح یہ بھی مرزا جی اور ان کی پوری جماعت کے لئے انتہائی رسوا کن ثابت ہوئی۔ ہم واقعات کی صاف روشنی میں اس کا جائزہ پیش کر رہے ہیں۔ پیشین گوئی پڑھنے سے قبل اچھا ہے کہ آپ ایک نظر اسکے پس منظر کو بھی دیکھ لیں۔

اس پیشین گوئی کی اصل وجہ یہ تھی کہ مرزا احمد بیگ نے جو غلام احمد کے قریبی عزیز تھے۔ لیکن ان کی گمراہیوں سے متنفر تھے۔ اپنے کسی معاملہ میں مرزا جی سے اخلاقی تعاون چاہا۔ مرزا جی نے فرمایا "اس وقت تو میں کچھ نہیں کہہ سکتا تم پھر کسی وقت آنا" احمد بیگ دوسرے وقت پہنچے مرزا جی نے کہا! "مجھے الہام ہوا ہے کہ میں تمہاری بیٹی (محمدی بیگم) سے نکاح کرلوں۔ اور یہ نکاح مقدر ہو چکا ہے۔ لہذا میں اس کے لئے تمہارے سے درخواست کرتا ہوں کہ تم اس رشتہ کو قبول کرلو۔ اس سے تمہیں بہت فائدہ پہنچے گا۔" مرزا جی نے اس عزیز عزیز کی مجبوری سے بیجا طور پر فائدہ اٹھانے کی کوشش کی تھی۔ یہ وہ مذموم اور خود غرضانہ حرکت تھی جسے ایک حساس معاشرہ میں ہمیشہ نفرت و غصہ کی نگاہ سے دیکھا جاتا رہا ہے۔ احمد بیگ ایک غیور آدمی تھے۔ انھیں مرزا کی یہ بیہودہ والی بات ناگوار گذری اور گذرنی ہی چاہئے تھی۔ انھوں نے بڑی حقارت سے اس رشتہ کو ٹھکرا دیا۔ مرزا جی کی دلی تمنا تھی کہ وہ کسی بھی طرح محمدی بیگم کو حاصل

کریں انھوں نے احمد بیگ کے صاف انکار کے بعد بھی کوششیں جاری رکھیں خطوط لکھے۔ سفارشیں کرائیں۔ جب کسی صورت بات نہ بنی تو پیشین گوئی کی دھونس دی اور بالآخر پیشین گوئی کر ہی دی۔ اس دھونس سے ان کا منشا یہی تھا کہ احمد بیگ اور ان کی اہلیہ جو اس معاملہ میں بہت سخت ہو گئی تھیں خوف زدہ ہو کر اپنی بیٹی بیگم کو بوڑھے اور جھوٹے نبی مرزا غلام احمد کے حوالہ کر دیں۔ احمد بیگ کے ہونے والے داماد پر غصہ رقابت کی آگ تھی۔

اب مرزا جی کی پیشین گوئی کے الفاظ بغور پڑھئے! لکھتے ہیں

"اس خدائے قادر و حکیم مطلق نے مجھے فرمایا ہے کہ اس شخص (احمد بیگ) کی دختر کلاں (محمدی بیگم) کے نکاح کیلئے سلسلۂ جنبانی کر و اور ان کو کہہ دو کہ تمام سلوک و مروت تم سے اسی شرط سے کیا جا دے گا اور یہ نکاح تمہارے لئے موجب برکت اور ایک رحمت کا نشان ہو گا۔ اور ان تمام رحمتوں اور برکتوں سے حصہ پاؤ گے جو اشتہار ۲۰ فروری ۱۸۸۸ء میں درج ہیں۔ لیکن اگر نکاح سے انحراف کیا تو اس لڑکی کا انجام نہایت ہی برا ہو گا۔ اور جس کسی دوسرے شخص سے بیاہی جاوے گی۔ وہ روزِ نکاح سے اڑھائی سال تک اور ایسا ہی والد اس دختر کا تین سال تک فوت ہو جا دے گا اور ان کے گھر پر تفرقہ اور تنگی اور مصیبت پڑے گی۔ اور درمیانی زمانہ میں بھی اس دختر کیلئے کئی کراہت اور غم کے امر پیش آئیں گے۔"

آگے لکھتے ہیں:-

"پھر ان دنوں جو زیادہ تفرع اور تفصیل کیلئے بار بار توجہ کی گئی تو معلوم ہوا کہ خداتعالیٰ نے جو مقرر کر رکھا ہے وہ مکتوب الیہ کی دختر

کلاں جس کی نسبت درخواست کی گئی تھی ہر ایک دور کرنے کے بعد انجام کار اسی عاجز کے نکاح میں لا دے گا۔ اور بے دینوں کو مسلمان بنا دے گا۔ اور گمراہوں میں ہدایت پھیلا دے گا۔"

۱۰ر جنوری ۱۸۸۹ء

اس پیشین گوئی میں واضح طور پر کہا گیا ہے کہ اگر محمدی بیگم کا نکاح دوسرے کسی شخص سے کر دیا گیا تو نکاح کی تاریخ سے تین سال کے اندر احمد بیگ اور ان کا ہونے والا داماد یعنی محمدی بیگم کا شوہر دونوں موت کے گھاٹ اتر جائیں گے۔ یہ جاننے کیلئے کہ محمدی بیگم کا نکاح کس تاریخ میں منعقد ہوا اور وہ مرزا جی کی پیشین گوئی کے مطابق کب تک موت کے منہ میں جائیں گے۔ مرزا جی ہی کے الفاظ پڑھئے۔ وہ میعاد کے متعلق اپنے رسالہ "شہادت القرآن" میں لکھتے ہیں:۔

"۲۱ر ستمبر ۱۸۹۳ء سے قریباً گیارہ مہینے باقی رہ گئی تھی۔"

اُن کے لکھنے کے مطابق ۲۱ر اگست ۱۸۹۴ء کے بعد ایک دن بھی احمد بیگ کے داماد محمدی بیگم کے شوہر کو زندہ نہیں رہنا چاہیئے تھا۔ مگر وہ زندہ رہا اور صحت و عافیت کے ساتھ زندہ رہا، گھریلو تعلقات کی خوشگوار فضا میں زندہ رہا۔ اس عرصہ میں اگر کہیں وہ بیمار ہو گیا ہوتا یا کسی سفر میں چلا گیا ہوتا۔ یا میاں بیوی کے باہمی تعلقات میں کچھ تلخیاں پیدا ہو گئی ہوتیں تو مرزا جی جھٹ پکار اٹھتے کہ ہماری پیشین گوئی سچی ہو گئی۔ دیکھ لو احمد بیگ کا داماد کس حالت میں ہے۔ اور یہ حالت ہمارے نزدیک خود موت کے مترادف ہے۔

قارئین غور فرمائیں! پیشین گوئی میں کہا گیا تھا کہ احمد بیگ کا داماد نکاح کے بعد تین سال کے اندر ختم ہو جائے گا۔ جب کہ وہ نکاح کے بعد آٹھ نو سال تک نتھ

رہا۔ کہا گیا تھا کہ ان کے گھر پر تفرقہ، تنگی اور مصیبت پڑے گی، ان میں سے کوئی
بات بھی پیش نہیں آئی۔ پیشین گوئی میں تھا کہ درمیانی زمانہ میں محمدی بیگم غم و رنج
میں مبتلا ہوگی۔ ایسا بھی نہیں ہوا۔ پیشین گوئی میں یہ بھی تھا کہ انجام کار محمدی بیگم
اس عاجز کے نکاح میں آئے گی۔ جب کہ زندگی بھر حضور اسی حسرت میں تڑپتے
رہے۔ محمدی بیگم سے نکاح تو کیا ہوتا، اس کی شکل بھی نہیں دیکھ سکے۔ اور بیچارے
نبیٔ ظلی اسی نامرادی میں ذلتوں کا بھاری بوجھ سر پر رکھکر دنیا سے سدھار
گئے۔ اور آں جہانی بن گئے۔

ہم مرزا جی کا ایک خط جو انھوں نے مولانا ثناء اللہ صاحب کو لکھا تھا
پیش کر رہے ہیں۔ اسے غور سے پڑھئے!

مرزا جی بنام مولانا ثناء اللہ صاحب
آخری فیصلہ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

نحمدہٗ و نصلی علی رسولہ الکریم! یستنبئونک احق ھو قل ای و ربی انہ لحق

بخدمت مولوی ثناء اللہ صاحب۔ السلام علی من اتبع الھدیٰ

مدت سے آپ کے پرچہ اہلِ حدیث میں میری تکذیب، تفسیق کا سلسلہ جاری ہے
ہمیشہ مجھے آپ اپنے اس پرچہ میں مردود، کذاب، دجال مفسد کے نام سے منسوب
کرتے ہیں اور دنیا میں میری نسبت شہرت دیتے ہیں کہ یہ شخص مفتری اور دجال
اور کذاب ہے۔ اور اس شخص کا دعویٰ مسیح موعود ہونے کا سراسر افترا ہے۔ میں
نے آپ سے بہت دکھ اٹھایا۔ اور صبر کرتا رہا۔ مگر چونکہ میں دیکھتا ہوں کہ میں
حق کے پھیلانے کیلئے مامور ہوں اور آپ بہت سے افترا میرے پر کرکے دنیا کو

میری طرف آنے سے روکتے ہیں ۔ اگر میں ایسا ہی کذاب اور مفتری ہوں جیسا کہ اکثر اوقات آپ اپنے ہر ایک پرچہ میں مجھے یاد کرتے ہیں۔ تو میں آپ کی زندگی میں ہی ہلاک ہوجاؤں گا۔ کیونکہ میں جانتا ہوں کہ مفسد اور کذاب کی بہت عمر نہیں ہوتی اور آخر وہ ذلت اور حسرت کے ساتھ اپنے اشد دشمنوں کی زندگی میں ہی ناکام ہلاک ہوجاتا ہے اور اس کا ہلاک ہونا ہی بہتر ہوتا ہے۔ تا خدا کے بندوں کو تباہ نہ کرے۔ اور اگر میں کذاب اور مفتری نہیں ہوں۔ اور خدا کے مکالمہ اور مخاطبہ سے مشرف ہوں اور مسیح موعود ہوں۔ تو میں خدا کے فضل سے امید رکھتا ہوں کہ سنت اللہ کے موافق آپ مکذبین کی سزا سے نہیں بچیں گے۔ پس اگر وہ سزا جو انسان کے ہاتھوں سے نہیں بلکہ خدا کے ہاتھوں سے ہے جیسے طاعون ہیضہ وغیرہ مہلک بیماریاں۔ آپ پر میری زندگی میں ہی وارد نہ ہوئیں تو میں خدا کی طرف سے نہیں۔

یہ کسی الہام یا وحی کی بنا پر پیشین گوئی نہیں محض دعا کے طور پر میں نے خدا سے فیصلہ چاہا ہے اور میں خدا سے دعا کرتا ہوں کہ اے میرے مالک۔ اگر یہ دعویٰ مسیح موعود ہونے کا محض میرے نفس کا افترا ہے اور میں تیری نظر میں مفسد اور کذاب ہوں اور دن رات افترا کرنا میرا کام ہے تو اے میرے پیارے مالک۔ میں عاجزی سے تیری جناب میں دعا کرتا ہوں کہ مولوی ثناء اللہ صاحب کی زندگی میں مجھے ہلاک کر اور میری موت سے ان کو اور ان کی جماعت کو خوش کر دے۔ آمین۔

مگر اے کامل اور صادق خدا۔ اگر مولوی ثناء اللہ ان تہمتوں میں جو مجھ پر لگاتا ہے۔ حق پر نہیں۔ تو میں عاجزی سے تیری جناب میں دعا

کرتا ہوں کہ میری زندگی میں ہی ان کو نابود کر، مگر نہ انسانی ہاتھوں سے بلکہ طاعون و ہیضہ وغیرہ امراض مہلکہ سے۔ بجز اس صورت کے کہ وہ کھلے کھلے طور پر میرے رُوبرو اور میری جماعت کے سامنے ان تمام گالیوں اور بدزبانیوں سے توبہ کرے۔ جن کو وہ منصبی فرض سمجھکر ہمیشہ مجھکو دُکھ دیتا ہے۔ آمین یارب العالمین۔

میں ان کے ہاتھ سے بہت ستایا گیا اور صبر کرتا رہا مگر اب میں دیکھتا ہوں کہ ان کی بدزبانی حد سے گذر گئی۔ وہ مجھے ان چوروں اور ڈاکوؤں سے بھی بدتر جانتے ہیں جن کا وجود دنیا کیلئے سخت نقصان رساں ہوتا ہے اور انھوں نے تمام دنیا سے مجھے بدتر سمجھ لیا۔ اور دور دور ملکوں تک میری نسبت یہ پھیلا دیا کہ یہ شخص (مرزا صاحب) درحقیقت مفسد اور ٹھگ اور دُکان دار اور کذّاب اور مفتری اور نہایت درجہ کا بُرا آدمی ہے۔

میں دیکھتا ہوں مولوی ثناء اللہ انہی تہمتوں کے ذریعے سے میرے سلسلے کو نابود کرنا چاہتا ہے۔ اور اس عمارت کو منہدم کرنا چاہتا ہے جو تو نے اے میرے آقا اور میرے بھیجنے والے، اپنے ہاتھ سے بنائی ہے اس لئے اب میں تیرے ہی تقدس اور رحمت کا دامن پکڑ کر تیری جناب میں ملتجی ہوں کہ مجھ میں اور ثناء اللہ میں سچا فیصلہ فرما۔ اور جو تیری نگاہ میں درحقیقت مفسد اور کذّاب ہے اس کو صادق کی زندگی میں ہی دنیا سے اُٹھا لے یا کسی اور نہایت سخت آفت میں جو موت کے برابر ہو مبتلا کر۔ اے میرے پیارے مالک۔ تو ایسا ہی کر۔ آمین ثم آمین۔

بالآخر مولوی صاحب سے التماس ہے کہ وہ میرے اس تمام مضمون کو اپنے پرچہ میں چھاپ دیں اور جو چاہیں اس کے نیچے لکھدیں۔ اب فیصلہ

خدا کے ہاتھ میں ہے۔ (مرزا جی غلام احمد قادیانی کا) اشتہار مؤرخہ ۵ اپریل ۱۹۰۷ء مندرجہ تبلیغ رسالت جلد دہم صفحہ ۱۲۰ (بحوالہ قادیانی مذہب الیاس برنی)

خدا کی قدرت اور مقام عبرت دیکھئے کہ مولانا ثناء اللہ صاحب تو ایک مدت تک بعافیت زندہ رہے اور بوڑھے ہو جانے کے باوجود قادیانیت کی بیخ کنی میں لگے رہے اور مرزا جی بہادر اپنے اس اشتہار کے ایک ہی سال بعد ۲۶ مئی ۱۹۰۸ء میں اپنے دامن میں بہت ساری رسوائیاں سمیٹ کر پادری آتھم اور پنڈت لیکھرام کے پاس ہاویہ میں جا پہنچے۔ قادیانیت کی سرزمین پر سناٹا چھا گیا۔ ان کے امتی حیرت سے ایک دوسرے کا منہ دیکھتے رہ گئے انتظار تھا مولانا ثناء اللہ کے مرجانے کا لڑھک گئے مرزا جی۔ وتعز من تشاء وتذل من تشاء بیدك الخیر انك علی كل شيء قدیر۔

دعویٰ کیا تھا گل نے اس گل کی روبرو کا ✽ تھپیڑ صبا نے مارا، شبنم نے منہ پر تھو کا

نوٹ کرنے کی بات یہ ہے کہ اس خط میں مرزا جی نے لکھا ہے کہ "اگر میں ایسا ہی کذاب اور مفتری ہوں جیسا کہ اکثر اوقات آپ اپنے ہر ایک پرچہ میں مجھے یاد کرتے ہیں تو میں آپ کی زندگی میں ہی ہلاک ہو جاؤں گا۔

چنانچہ ایسا ہی ہوا — اسی خط میں ہے کہ "اگر میں کذاب اور مفتری نہیں ہوں اور خدا کے مکالمہ اور مخاطبہ سے مشرف ہوں اور مسیح موعود ہوں تو میں خدا کے فضل سے امید رکھتا ہوں کہ سنت اللہ کے موافق آپ مکذبین کی سزا سے نہیں بچیں گے پس اگر وہ سزا جو انسان کے ہاتھوں سے نہیں بلکہ خدا کے ہاتھوں سے ہے۔ جیسے طاعون وہیضہ وغیرہ مہلک بیماریاں۔ آپ پر میری زندگی میں ہی وارد نہ ہوئیں تو میں خدا تعالیٰ کی طرف سے نہیں ہوں — خدا کے فضل وکرم سے مولانا ثناء اللہ صاحب تو ہر طرح سے محفوظ رہے۔ نہ طاعون میں مبتلا ہوئے اور نہ ہیضہ کی بیماری ان کو چھو سکی اس کے

برعکس خود مرزا جی ہیضہ کی شدید تکلیف میں مبتلا ہو کر مرے۔
اس خط سے پہلے بھی مرزا جی نے مولانا ثناء اللہ صاحب کے لئے پیشین گوئی کی تھی۔ اس کا جو حشر ہوا۔ وہ بھی دیکھ لیجئے!

مولانا ثناء اللہ سے متعلق پیشین گوئی

مرزا جی نے ایک پیشین گوئی کی تھی کہ "وہ (مولانا ثناء اللہ) قادیان میں میری پیشین گوئیوں کی پڑتال کیلئے ہرگز نہیں آئیں گے۔" جیسے ہی یہ پیشین گوئی مولانا کے علم میں آئی۔ وہ فوراً اسی مقصد کیلئے ۱۰ر جنوری ۱۹۰۳ء میں قادیان جا دھمکے۔ وہ اور مولانا محمد حسین صاحب وغیرہ تو جھوٹے نبی کو ہر جگہ اور ہر رُخ سے مات دینے کا عزم مصمم کئے ہوئے تھے۔ وہ اس موقع پر کیسے چوک سکتے تھے۔ جب مولانا ثناء اللہ نے ایک خط کے ذریعہ مرزا جی کو آگاہ کیا کہ میں آپ کی پیشین گوئی کے برخلاف قادیان پہنچ چکا ہوں اور گفتگو چاہتا ہوں۔ تو مرزا جی گول ہو گئے۔ اور اس وقت تک زنان خانہ سے باہر نہ نکلے جب تک ایسے معتبر لوگوں سے یقین کے ساتھ یہ معلوم نہیں ہو گیا کہ ثناء اللہ قادیان کی حدود سے باہر جا چکے ہیں۔ دیکھئے نبی ظلی کی پیشین گوئی کتنی سچی ثابت ہوئی!

مولانا ثناء اللہ کو دعوت مبارزت اور میدان میں آنے سے گریز

ایک مرتبہ مرزا جی نے عربی میں ایک قصیدہ لکھ لیا اور مولانا ثناء اللہ کو چیلنج کر دیا کہ

"یہ میرا قصیدہ ہے عربی میں ہے اور یہ میرا اہم معجزہ ہے۔ اگر تم حق پر ہو تو آج سے پانچ دن کے اندر اس جیسا قصیدہ لکھکر پیش کر دو"

مولانا مرحوم نے بڑا اچھا جواب دیا۔ فرمایا
"تمہارا چیلنج منظور ہے مگر پہلے مجمع میں آکر اس کی عربی صحیح کرو۔ اور پھر میں پانچ دن سے پہلے قصیدہ پیش کرتا ہوں"
اس پر مرزا جی کھسیا گئے اور چپ سادھ لی۔ کیونکہ انھیں اتنی عربی آتی ہی نہیں تھی کہ کسی عربی داں کے سامنے آکر زبان و قواعد کے مسئلہ میں گفتگو کر سکیں۔

ایک دلچسپ پیشین گوئی

۱۸۸۶ء میں مرزا جی کی بیگم حاملہ ہو گئیں۔ آپ نے فوراً پیشین گوئی فرمادی کہ:۔
"خداوند کریم نے جو ہر چیز پر قادر ہے۔ مجھ اپنے الہام سے فرمایا کہ میں تجھے ایک رحمت کا نشان دیتا ہوں۔ تادین اسلام کا شرف کلام اللہ کا مرتبہ لوگوں پر ظاہر ہو۔ تا لوگ سمجھیں کہ میں قادر ہوں۔ جو چاہتا ہوں کرتا ہوں۔ تا وہ یقین لائیں کہ میں تیرے ساتھ ہوں اور تا انھیں جو خدا۔ خدا کے دین۔ اس کی کتاب۔ اس کے رسولوں کو انکار کی نگاہ سے دیکھتے ہیں۔ ایک کھلی نشانی ملے۔ ایک وجیہہ اور پاک لڑکا تجھے دیا جائے گا۔ وہ تیرے ہی تخم تیری ہی ذرّیت سے ہوگا۔ خوب صورت پاک لڑکا۔ تمہارا مہمان آتا ہے۔ اس کا نام بشیر بھی ہے۔ مبارک وہ جو آسمان سے آتا ہے۔ اس کے ساتھ فضل ہے۔ وہ بہتوں کو بیماریوں سے صاف کرے گا۔ علوم ظاہری و باطنی سے پُر کیا جاوے گا وہ تین کو چار کرنے والا ہوگا۔ اسیروں کی رستگاری کا باعث ہوگا قومیں اس سے برکت پائیں گی۔
(اشتہار ۲۰ فروری ۱۸۸۶ء مندرجہ تبلیغ رسالت ج ۱ ص ۵۸)

کسی سے سن لیا ہوگا کہ حمل کے دوران داہنی کوک بھاری ہونا لڑکے ......
..... کی علامت ہے۔ اور بائیں کا بھاری ہونا لڑکی کی استفسار پر بیگم نے کہہ دیا ہوگا کہ میری داہنی کوک بھاری ہے۔ اب کیا تھا۔ مرزا جی نے جھٹ سے پیشین گوئی کرڈالی۔ یہ ان کی عادت تھی ہی کہ اپنی ہر بات کو الہامی بتاتے تھے۔ معتقدین میں ایک مادر زاد ولیِ کامل، مجدد وقت اور امام زماں کے ظہور کا شدت سے انتظار کیا جانے لگا۔ اللہ اللہ کرکے جب دن پورے ہوئے اور حمل باہر آیا تو ــــ لڑکا نہیں۔ لڑکی تھی۔ ع اے بسا آرزو کہ خاک شدہ۔

لوگوں نے پوچھا! مرزا جی۔ یہ کیا ہوا؟ یہ تو لڑکی ہوگئی۔ آپ نے تو عظیم الشان لڑکے کی پیشین گوئی کی تھی؟ ــــ مرزا جی نے فوراً کرتب دکھایا کہ میں نے یہ کب کہا تھا کہ اسی حمل سے لڑکا ہوگا۔ الہام کے مطابق لڑکا ضرور ہوگا۔ دوسرے حمل میں ہوگا دوسرے میں بھی نہ ہوا تیسرے میں ہوگا۔ ہوگا ضرور۔

مولانا ثناء اللہ وغیرہ جو کراماً کاتبین کی طرح مرزا جی کی ہر ہر بات پر نظر رکھتے تھے جستجو میں رہنے لگے اور ایسا انتظام کر لیا گیا کہ مرزا جی کے گھر کی خبریں بھی ملتی رہیں۔ خطرہ یہ تھا کہ کہیں مرزا جی کسی دوسرے کے نومولود سے بیگم کی گود بھر کر یہ مشہور نہ کردیں کہ میرے الہام کے مطابق لڑکا پیدا ہوگیا۔ یہ ان سے کچھ بعید بھی نہیں تھا۔ مرزا جی نے لڑکا پیدا ہونے کے لئے نہ جانے کیا کچھ کیا ہوگا۔ لیکن افسوس۔ اس لڑکی کے بعد ان کے یہاں کوئی بچہ ایسا پیدا نہیں ہوا جسے مرزا جی اپنی پیشین گوئی کا مصداق قرار دے سکتے۔

مرزا جی کی فیصلہ کن اور دوسری پیشین گوئیاں جب پوری نہ ہوئیں تو بڑے پیمانہ پر اُن کی رسوائی ہوئی۔ ہونی ہی تھی۔ ہوئی اور خوب ہوئی۔ مسلمانوں ہی میں نہیں، ہندوؤں اور عیسائیوں میں بھی ہوئی۔ ان کے چیلوں کو چاہیے تھا کہ وہ حقائق

کے سامنے آجانے کے بعد صحیح راہ پر آجاتے۔ مرزاجی کا ساتھ چھوڑ دیتے۔ مگر ان میں سے بہت سوں نے ایسا نہیں کیا۔ بلکہ عذر گناہ بدتر از گناہ کے مرتکب ہو گئے۔ مرزاجی کے ایک چیلے ظہور الدین اکمل، پیشین گوئیوں کے صحیح ثابت نہ ہونے سے گھبرا کر اور مرزاجی کے چہرے سے ذلت کی گرد صاف کرنے کیلئے ایک نرالا انداز اختیار کرتے ہیں۔ لکھتے ہیں :۔

ہر بات کی کوئی نہ کوئی غرض ہوتی ہے۔ دیکھنا یہ ہے کہ وہ غرض پوری ہوئی یا نہیں۔ جب اصل غرض پوری ہو جائے تو پھر یہ سوال بے فائدہ ہے کہ پیشین گوئی پوری ہوئی یا نہیں"

(مرزا احمد بیگ والی پیشین گوئی ص۳)

دنیا جانتی ہے کہ کسی پیشین گوئی کو جبکہ وہ ایسے شخص کی طرف سے کی جارہی ہو جو مامور من اللہ اور نبی ہونے کا مدعی ہو، اسی وقت درست مانا جائے گا جب وہ دعوی کے عین مطابق پوری ہوگی۔ ورنہ نہیں۔ غرض تو بعد میں کچھ بھی بتائی جا سکتی ہے۔ اس طرح کی پیشین گوئی بلکہ اس سے کہیں معقول انداز میں تو کوئی بھی کرسکتا ہے پیشین گوئی کا اور اس پر زور دینے کا حق کہ اُسے کذب وصدق کا معیار اور قطعی فیصلہ کن قرار دئے جانے کا تو صاف مطلب یہی ہوتا ہے کہ جس طرح کہا جارہا ہے اس کو اس طرح ہونا چاہئے نہ ہونے کی صورت میں یہ کہنا کہ اس سے میرا مطلب یہ تھا۔ میری غرض یہ تھی۔ حق کے ساتھ آنا کافی ہے۔ فہم وشعور کو منہ چڑھانا ہے۔ غلط اور رکیک توجیہات ہیں۔ جنھیں معمولی سمجھ بوجھ رکھنے والا بھی نہیں مان سکتا۔

مرزائیت، عقل سلیم کیلئے چیلنج

ڈاکٹر رشید الوحید ایم، جامعہ ملیہ اسلامیہ دہلی

حکیم مطلق نے قرآن پاک میں اپنے رسول کی طرح طرح صفت بیان فرمائی ہے غور کیجئے تو ہر بیان میں کوئی نہ کوئی حکمت پوشیدہ ہے۔ بعض اسماء وصفات کے ذکر سے جناب باری تعالیٰ نے آنے والے دور میں بڑے بڑے فتنوں کا سدّباب فرمادیا ہے۔ تمام اسماء اور تمام صفات کا استقصاء تو مشکل اور تفصیل طلب ہے مثال کے طور پر لفظ "عبد" کو لیجئے اس لفظ سے بہت بڑا مقصد عظیم یہ سمجھ میں آتا ہے کہ نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کے بے مثال، اور انسانیت کے اعلیٰ ترین مقام کو سامنے رکھتے ہوئے۔ ذہن وعقیدہ کو ٹھگنے، گمراہ ہونے سے محفوظ رکھنے کا بہترین سامان کردیا گیا ہے۔ پھر قرآن پاک میں متعدد جگہ اس لفظ "عبد" کو اشرف ترین مقامات میں ذکر فرما کر اس حفاظت کو اور بھی مستحکم فرمادیا ہے۔ اسراء کے ذکر میں ہے "سُبحان الذی اسریٰ بعبدہٖ" ایک اور جگہ۔ "وانہ لمّا قام عَبد اللہ۔ پھر فرمایا "فاوحیٰ الیٰ عَبدہٖ ما اوحیٰ، اور "وان کنتم فی ریب مِمّا نزلنا علیٰ عبدنا" وغیرذٰلک

پھر حضرت مسیحؑ بھی قیامت میں شفاعت کے موقع پر اسی شرف ومجد والے لفظ کو اختیار فرمائیں گے۔ اذھبُوا الی محمّد عبدٌ غفر لہٗ ما تقدم

من ذنبہ وما تأخر،

دوسری صفت قرآن پاک نے یوں بیان فرمائی ہے "ولکن رسول اللہ وخاتم النبیین" کے سلسلے میں ایک بات نوٹ کرنے کی ہے، تمام ہی انبیاء کرام خصوصاً نبی آخر الزماںؐ کی دعوت کا بنیادی مقصد ایک ذاتِ واحد کی طرف مخلوق کو بلانا تھا، مشرکین عرب کو محمد بن عبداللہ سے کوئی کد نہ تھی ہاں آپ کی نبوت کے تصور سے اُن کو چڑھ تھی، اور یہ اس لئے کہ صدیوں سے تین سو ساٹھ بلکہ ہزاروں اور لاکھوں بتوں کو پوجنے والوں کو جب نبی نے ایک ہی معبود کی طرف بلایا۔ اور صرف اُسی ایک ذات کو پوجنے کی دعوت دی تو وہ پوری طرح اس کی مخالفت پر کمر بستہ ہو گئے۔ جب تک آپؐ اس دُنیا میں رہے ان کے سینے میں غیض وغضب کا طوفان بھڑکتا رہا۔ طرح طرح کے مظالم اور جنگ کا بازار گرم رکھا، اور آپؐ کے دنیا سے پردہ پوشی فرماتے ہی انھوں نے براہِ راست قصرِ نبوت پر حملے شروع کردئے، اور اس طرح کہ بہت سے جھوٹے نبی۔ دعوائے نبوّت کرنے، نبی کریمؐ اس خطرے سے واقف تھے۔ آپ کے قلب صافی پر آنے والے اس فتنے کا خطرہ گذر رہا تھا۔ چنانچہ اللہ کے اس فرمان "خاتم النبیین" کی طرح طرح سے آپؐ نے تشریح فرمائی۔ مثال دے کر وضاحت فرمائی اور بعض مواقع پر تو صاف ہی بتادیا کہ میرے بعد کچھ جھوٹے لوگ نبوت کا دعویٰ بھی کریں گے۔ یہ سب آپؐ اسی لئے کر رہے تھے کہ امّت اس عظیم گمراہی میں پڑ کر دین کو برباد نہ کرلے، شرک میں داخل ہو کر اللہ کے سخت غضب کا شکار نہ ہوجائے۔ نیز نبی آخر الزماں کی ذات سے امّت میں جو ایک مرکزیت پیدا ہوگئی ہے، سیکڑوں نبی کے جھوٹے دعوؤں سے وہ انتشار کا شکار نہ ہوجائے چنانچہ صحیحین کی ایک روایت میں اس کو مثال دے کر بتایا۔

"میری اور انبیاء کی مثال ایک خوبصورت محل کی ہے، وہ محل یوں تو مکمل ہے۔ مگر ایک اینٹ کی جگہ اس میں خالی ہے، اس محل کو دیکھنے والوں نے گھوم گھوم کر اس کو دیکھا، پسند کیا، اُسی ایک اینٹ کی خالی جگہ کے علاوہ اور کوئی عیب ان کو نظر نہ آیا۔ پس میں اس خالی جگہ کو بھر دوں گا، مجھ پر وہ عمارت مکمل ہوگی اور رسالت بھی مجھ پر ختم ہوگی"

ایک جگہ سرکار دو عالم ﷺ نے تاکید فرمائی

"میرے مختلف نام ہیں۔ میں محمد ہوں، میں احمد ہوں، میں ماحی ہوں (اللہ میرے ذریعے کفر کو محو فرمائیں گے) میں حاشر ہوں (اللہ پاک میرے قدموں میں لوگوں کو جمع فرمائیں گے۔ میں عاقب ہوں" (عاقب وہ کہ اس کے بعد کوئی نبی نہ ہو) (مسلم شریف)

پھر اگلی روایت میں آپ نے (مرزا ایسے) جھوٹے نبیوں کی تکذیب فرمائی اور تردید فرمادی۔

"بے شک میری امت میں تیس جھوٹے ہوں گے۔ اور ہر ایک اُن میں سے خود کو نبی سمجھے گا۔ اور میں خاتم النبیین ہوں، میرے بعد کوئی نبی نہیں ہے (مسلم شریف)

ایک جگہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے دیگر انبیاء کے مقابلے میں سات چیزوں میں اپنی فضیلت ذکر فرمائی ہے۔ اس میں سے آخری فضیلت یہ ذکر فرمائی "مجھ پر نبوت ختم ہو گئی ہے"۔ غرض کہ آپ اس دجالی اور کذابی فتنے سے بخوبی واقف تھے۔ اس لئے "ختم نبوت" کے قرآنی اعلان کو طرح طرح سے واضح فرمایا۔ اور اپنی ذات پاک پر نبوّت کے اختتام کا طرح طرح سے یقین دلاتے رہے۔ مگر اس بدنصیبی کا کیا جائے کہ دشمنانِ دین و اسلام نے پھر بھی، تمام تاکیدوں اور احتول

کے باوجود، اپنی نبوت کا جھوٹا اعلان کیا، خود بھی گمراہ ہوتے اور امت کے افراد کو بھی تباہ و برباد کیا، خود نبیؐ اکرمؐ کے سامنے پھر حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے عہدِ خلافت میں یہ صورت پیش آئی، آپ نے ڈٹ کر مقابلہ کیا اور اس گمراہی کا قلع قمع کر دیا۔ مگر اس کے بعد بھی برابر جھوٹے مدعیان نبوت اٹھتے رہے، اور الحمد للہ ہر دور میں علماء امت نے خم ٹھونک کر ان کا مقابلہ کیا۔ بڑھتے ہوئے سیلاب کو روک دیا، بہت تھوڑی جماعت اُن کے دجل و فریب سے متأثر بھی ہوئی۔ مگر امت کی اکثریت کو، ہر دور کے علماء حق اور مبلغینِ اسلام نے اس فتنے کے بھنور میں ڈوبنے سے بچایا ہے۔

ہندوستان میں بھی یہ، اور دوسرے فتنے نئے نئے روپ سے ابھرتے رہے ہیں اور ان سب میں گہرا، گمراہ کن اور دیرپا فتنہ مرزا غلام احمد قادیانی کا فتنہ تھا۔ جو تجدد، محدثیت، مہدویت، مسیحیت سے ترقی کر کے حریم نبوت کے تقدس کو بزعمِ خویش تار تار کر گیا۔ اور اپنے آغاز سے لے کر آج تک یہ فتنہ برابر موجود ہے۔ وقتاً فوقتاً جگہ جگہ سر اٹھاتا رہتا ہے۔ پاکستان اور امریکہ تو اس فتنے کا گڑھ بن ہی چکا ہے۔

مرزا کے دعوے کے اسباب!

مرزا نے ایسا دعویٰ کیوں کیا، متعدد تحریروں کے دیکھنے کے بعد سمجھ میں آتا ہے کہ اوّل تو خود ان کے دماغ میں بچپن ہی سے، تعلّی، عُجب، خود نمائی اور طلبِ شہرت کا کیڑا رینگتا رہتا تھا۔ اس پر ستم یہ کہ طرح طرح کے موذی امراض کا حملہ، مالیخولیا، ہسٹیریا، اور جانے کیا کیا، اَلا بلا، جس میں انسان کا دل و دماغ صحیح کام نہیں کر سکتا تھا۔

مولانا ابوالحسن علی ندوی تحریر فرماتے ہیں:۔

"مرزا غلام احمد قادیانی جو ذہنی انتشار کے مریض تھے[1] اور بڑی شدت سے اپنے دل میں یہ خواہش رکھتے تھے کہ وہ ایک نئے دین کا بانی بنے، ان کے کچھ متبعین اور مومنین ہوں اور تاریخ میں اُن کا ویسا ہی نام و مقام ہو جیسا جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ہے"

دوسرے یہ کہ سارے ملک اور ملتِ اسلامی کی بدنصیبی کہئے، انگریزوں کو ایک ایسے شخص کی تلاش تھی، جس سے وہ سودے بازی کر سکیں، اور وہ سودے بازی یہ کہ (ا) اس شخص کے ذریعے مسلمانوں کو اپنی مخالفت سے باز رکھ سکیں (ب) مسلمانوں کے اندر سے جذبۂ جہاد کو ختم کر سکیں (ج) مسلمانوں کو اپنا وفادار اور اطاعت گذار بنا سکیں۔ ان تین مقاصد کے لئے انگریز کسی کو اپنا آلۂ کار بنانا چاہتے تھے۔ انگریز جانتے تھے کہ مسلمان دین کے

[1] یہ حاشیہ مولانا ندوی مدظلہٗ کا ہے "اس شخص میں تین ایسی چیزیں بیک وقت جمع تھیں جنھیں دیکھ کر ایک مؤرخ فیصلہ نہیں کر پاتا کہ اُن میں سے اہم ترین اور حقیقی سبب کسے قرار دیا جائے جس نے اس شخص سے یہ ساری حرکتیں سرزد کرائیں (۱) دینی رہنمائی کے منصب پر پہنچا جائے اور نبوت کے نام سے پورے عالمِ اسلام پر چھایا جائے۔ (۲) مالیخولیا، جس کے بار بار تذکرہ سے اس کی اور اس کے ماننے والوں کی کتابیں بھری پڑی ہیں (۳) مبہم اور غیر واضح قسم کے سیاسی اغراض و مفادات اور سرکار انگریزی کی خدمت گذاری"

مولانا علی میاں ندوی ص ۹۰ "قادیانیت دینِ محمد اور اسلام کے خلاف ایک بغاوت" مجلس تحقیقات و نشریات لکھنؤ

معاملے میں خاصے جذباتی ہوتے ہیں۔ قرآن دین اور رسول کا نام لیکر اس قوم سے بڑے سے بڑا کام لیا جاسکتا ہے۔ پھر یہ بُرے بھلے اور دین میں غلط یا صحیح کی تمیز کرنے کی زحمت بھی نہیں کرتے۔ چنانچہ انھیں مسلمانوں میں ایک ایسے ہی شخص کی تلاش تھی جو دین کے نام پر مسلمانوں کو بیوقوف بنا کر ان کا یہ مقصد پورا کرسکے۔ مرزا غلام احمد نے یہ سودا قبول کرلیا اور بلسما اشتروا بہ ثمنا قلیلاً کی خفگی کو نظر انداز کرکے یہ خدمت انجام دینے لگے، چنانچہ مرزا میں انگریز پرستی جنون کی حد تک موجود تھی، اپنی تقریر، تحریر اور عمل سے وہ اس کا ثبوت دیتے رہتے تھے۔ اور ہر اس مجاہد یا جماعتِ مجاہدین کو گالیوں، طعنوں اور سب وشتم سے نوازتے رہتے تھے جو انگریزوں سے مقابلہ کر رہے تھے یا مقابلہ کرتے ہوئے شہید ہوئے تھے حتیٰ کہ ۱۸۵۷ئہ کے شریک اور شہدار کو انھوں نے "بے رحم، کم عقل، بداخلاق، بے انصاف چور، قزاق، حرامی، اپنے محسن گورنمنٹ انگریز پر حملہ آور" یہ سب کچھ بتایا۹ اور ایسا کیوں نہ ہوتا۔ جب کہ یہ شخص اور اس کی جماعت انگریزوں کا ہی پیدا کردہ، اور انگریزوں ہی کے رحم وکرم پر باقی تھا، بڑھ رہا تھا۔ اس بارے میں مولانا علی میاں نے بہت عمدہ نفسیاتی تجزیہ فرمایا ہے

"علمی اور تاریخی حیثیت سے یہ بات پایۂ ثبوت کو پہنچ چکی ہے کہ قادیانیت فرنگی سیاست کے بطن سے وجود میں آئی ہے۔"

آگے مولانا علی میاں کا بیان ہمارے اس خیال کیلئے سند کا درجہ رکھتا ہے" مولانا، سید احمد شہید، سوڈان میں شیخ محمد احمد سوڈانی، جمال الدین انصاری کی تحریک اور جذبۂ جہاد کا ذکر فرماکر تحریر فرماتے ہیں۔

" یہ سرگرمیاں برطانوی حکومت کے لئے پریشانی اور تشویش کا باعث تھیں

اس نے ان سب خطرات کو محسوس کیا "
اور پھر مولانا انگریزوں کی چالبازیوں کا ذکر فرماتے ہیں۔
" اس نے مسلمانوں کے مزاج و طبیعت کا گہرا مطالعہ کیا تھا۔ اُسے معلوم تھا کہ ان کا مزاج دینی مزاج ہے۔ دین ہی انھیں گرماتا ہے اور دین ہی سلا سکتا ہے۔ لہذا مسلمانوں پر قابو پانے کی واحد شکل یہ ہے کہ ان کے عقائد اور ان کے دینی میلانات و نفسیات پر قابو پایا جائے " یہ تھی وہ دُہری مصیبت جس نے مرزا کے عظیم فتنے کو جنم دیا، ایک طرف انگریزوں کی مکارانہ نفسیات، دوسری طرف مسلمان کی مذہبی جذباتیت، اور پھر امتِ مسلمہ کی بدنصیبی سے انگریزوں کو اپنے مقصد برآری کے لئے انھیں مرزا ایسا ایمان فروش بھی ہاتھ لگ گیا۔ بقول مولانا ندوی۔
" برطانوی حکومت نے یہ طے کیا کہ مسلمانوں ہی میں کسی شخص کو ایک بہت اونچے دینی منصب کے نام سے ابھارا جائے کہ مسلمان عقیدت کے ساتھ اس کے گرد جمع ہو جائیں۔ اور وہ اس حکومت کی وفاداری اور خیر خواہی کا ایسا سبق پڑھائے کہ پھر انگریزوں کو مسلمانوں سے کوئی خطرہ نہ رہے"۔ اور مرزا نے انگریزوں کی یہ تمنا پوری کردی۔ اور اپنی پوری زندگی اپنے ولیٔ نعمت انگریز کیلئے وقف کردی۔ اور پھر دینی منصب کے نام سے تو ایسا ابھرے کہ ابھرتے ابھرتے جیسا کہ معلوم ہوا ہے مقام مجدد پھر مہدیت ، مسیحت حتیٰ کہ نبوت تک جا پہنچے اور انگریزوں سے وفاداری اور خیرخواہی کا سبق پڑھاتے پڑھاتے انھوں نے اسلام کا ایک رکن "جہاد" ہی کو قرآن کی تعلیم کے مخالف قرار دیدیا کیونکہ مرزا اور اس کے ماننے والے

انگریزی حکومت کیلئے سچے جاں نثار، دوست اور کامیاب جاسوس کا کام کررہے تھے۔

اب ہم ان کے دعاوی پر ایک سرسری نگاہ ڈال کر بات ختم کرتے ہیں اگرچہ اس موضوع پر دفتر کے دفتر چھپ چکے ہیں۔

مرزا نے ۱۸۷۷ء اور ۱۸۸۰ء کے دوران آریوں کے خلاف بحث ومباحثے کا آغاز کیا وہ اس وقت اچھا خاصا انسان تھا، اس کے مذہبی عقائد میں کوئی فرق اور تبدیلی نمایاں نہ تھی۔ اس لعنت کا پتہ ونشان تو ۱۸۸۲ء سے ظاہر ہونا شروع ہوا۔ مگر غنیمت تھا کہ اشارے وکنایے میں باتیں ہوتی رہیں۔ برملا بغاوت کی تہمت نہ ہوئی تھی مگر ۱۸۸۸ء آتے آتے مجدد ہونے کا دعویٰ کر ڈالا اور صاف کہا "

"آپ کو مجدد ہونے کی حیثیت سے اللہ نے اصلاحِ امت کا کام سپرد کیا ہے "، [1]

اور پھر ۱۸۹۱ء میں آپ کا ایک دوسرا کریہہ رُخ ظاہر ہوا جب مرزا نے یہ اعلان کیا۔

" مسیح موعود مر چکے ہیں اب زندہ نہیں ہوں گے۔ میں چونکہ ان کے مثل ہوں اس لئے میں ہی مسیح ہوں "

اپنی دو کتابوں " فتح اسلام " اور " توضیح المرام " میں متعدد جگہ یہ دعویٰ ظاہر کرتے ہیں۔

" مسیح جو آنے والا تھا یہی (مرزا) ہے "

---

[1] مجموعہ اشتہارات مسیح موعود بحوالہ قادیانیت اپنے آئینے میں ص ۲۴

"مسیح کے نام پر یہ عاجز (مرزا) بھیجا گیا ہے" [1]

پھر ایک جگہ مسئلے کو صاف ہی کر دیا

"میرا دعویٰ ہے کہ میں وہ مسیح موعود ہوں جس کے بارے میں خدا تعالیٰ نے دعویٰ کیا ہے۔ کہ پاک کتابوں میں پیشین گوئیاں ہیں کہ وہ آخری زمانے میں ظاہر ہو گا" [2]

یہ ایک دردناک طویل اور مسلسل داستان ہے ہم اور چند حوالوں کو ذکر کر کے نبوت کے بارے میں مرزائی دریدہ دہنی ظاہر کرنا چاہتے ہیں۔ ان کا دعویٰ ہے کہ

" خدا نے مجھے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ہی وجود قرار دیا، ہمارا دعویٰ ہے کہ ہم رسول ہیں"

قادیانی اخبار ریویو آف ریلیجنز رقم طراز ہے۔

"حضرت مسیح موعود (غلام احمد) کا ذہنی ارتقاء آنحضرت ص سے زیادہ تھا"

اخبار" الفضل" مرزا محمود کی ڈائری میں سے ایک دعویٰ ملاحظہ فرمائیں۔

" یہ بالکل صحیح بات ہے کہ ہر شخص ترقی کر سکتا ہے، بڑے سے بڑا درجہ پا سکتا ہے، بلکہ حضرت محمد ص سے بھی بڑھ سکتا ہے "

صرف امت محمدیہ ہی کو نہیں تمام انبیاء کو بھی مرزا کی نبوت پر ایمان لانا ضروری قرار دیا گیا ہے۔ اور یہ "عقل و خرد سے بیگانے" مرزا کے ماننے والوں کا حال ہے، اُن کے صاحبزادے کا بیان ہے

" جب تمام انبیاء علیہ السلام کو مجملاً حضرت مسیح موعود (مرزا) پر ایمان لانا اور اس کی نصرت کرنا فرض ہوا، تو ہم کون ہیں جو نہ مانیں" الفضل،

خود مرزا اپنے آپ کو پیغمبر آخرالزماں سے افضل قرار دیتے ہوئے لکھتا ہے

---

[1] تحفۂ گولڑویہ بحوالہ قادیانیت اپنے آئینہ میں۔

"لہٗ خسف القمر المنیر وان لی   غسا القمران المشرقان أتنکر

حضورؐ کے لئے صرف چاند کے خسوف کا نشان ظاہر ہوا۔ اور میرے لئے چاند سورج دونوں تاریک ہو گئے۔ کیا اب بھی انکار کرو گے" (اعجازِ احمدی ص۷۱)

اور خرافات سنئے

"تین ہزار معجزات ہمارے نبیؐ سے ظہور میں آئے" (تحفۂ گولڑویہ) اور اپنی ذات کے لئے

"اس خدا نے میری تصدیق کی، بڑے بڑے نشان ظاہر کئے جو تین لاکھ تک پہنچے" تتمہ حقیقۃ الوحی"

ابھی تسکین نہیں ہوئی۔

"خدا نے مجھے دس لاکھ معجزات عطا کئے" براہین احمدیہ،

یہ مشتے نمونہ، خود مرزا کے اور ان کے ماننے والوں کی تحریروں کے حوالے سے کچھ چیزیں پیش کی گئی ہیں، ان خرافات اور ان کی زیادہ تر جھوٹی پیشین گوئیوں کے باوجود، حیرت اُن مسلمانوں پر ہے جو ایسے انسان کو نہ صرف مقتدیٰ پیشوا بلکہ نبیؐ تک مان بیٹھے ہیں۔ سمجھ میں نہیں آتا۔ اس قسم کے کردار کو عقل سلیم قبول کس طرح کرتی ہے۔

اب ہم مرزا کو روئیں یا اُن کے ماننے والوں کے ذہنی دیوالیے پن پر ماتم کریں۔ بہر حال نبوت کی خاتمیت پر زور لگا کر مرزا نے امت کو جس تشتت اور انتشار میں مبتلا کر دیا ہے، مسلم قوم کے مرکزی اتحاد کو جس طرح پارہ پارہ کرنے کی کوشش کی ہے۔ ہندوستان کی جہادِ آزادی اور استخلاصِ وطن کی کوششوں کو انگریزوں سے خفیہ و اعلانیہ معاملات کر کے جس طرح سبوتاژ کیا ہے۔ ایشیا و افریقہ کے مظلوم عوام کو جس طرح مغربی آقاؤں کے عشرت کدوں یا مذبح خانوں

کے حوالے کردینے کی اسکیم بنائی، یہ ایسے ابواب ہیں کہ اگر ایک طرف علمار، بلکہ اسلام کے ہر فرد کا یہ فرض ہے کہ اُس ناپاک تنظیم کے بیج اور اُس کے اثرات کو روئے زمین سے مٹادیں۔ تو دوسری طرف ایک سیکولر، انصاف پسند حکومت کا بھی یہ اخلاقی فرض ہے کہ اُس جماعت کو برداشت نہ کرے۔ جس کا دامن ملک سے وفاداری کی نسبت سے ماضی میں داغدار رہا ہے۔ دارالعلوم اور جمعیۃ العلمار کے علمار کرام نے ہمیشہ ہی یہ فرض پُورا کیا ہے۔ اور آج پھر۔ الحمدللہ مذہبی اور دینی لحاظ سے دارالعلوم کو اس فتنے کا شدید احساس ہوا اور ہمیشہ کی طرح پھر یہ مرکزی ادارہ آگے آیا ہے۔

ربّنا تقبّل منّا انّک انت العزیز الحکیم

اور اب اُن کے بارے میں اس کے علاوہ کیا کہا جائے

لا تحسبن اللہ غافلا عمّا یعمل الظلمون انّما یؤخّرھم لیوم تشخص فیہ الابصار،

مسئلہ ختم نبوت کتاب و سنّت کی روشنی میں

از:۔ محمد ظفیر الدین مفتی دارالعلوم دیوبند

الحمد للہ رب العلمین والصلوٰۃ والسلام علیٰ رسولہ خاتم النبیین و علیٰ آلہ وصحبہ اجمعین۔

دنیا جانتی ہے کہ ہندوستان ایک مذہبی ملک ہے۔ اس کے رگ و ریشہ میں مذہب رچا بسا ہوا ہے۔ یہاں بسنے والے مختلف مذاہب کے پیرو ہیں، ہندو مسلم سکھ عیسائی۔ سبھی یہاں رہتے سہتے ہیں۔ اور اپنے دین و دھرم سے انس و محبت رکھتے ہیں۔ بلکہ اپنے دین کی حفاظت پر اپنی جانیں نچھاور کرتے ہیں۔

مگر یہ بھی حقیقت ہے کہ ہر دور میں کچھ افراد مختلف راستوں سے مذہب پر حملے کرتے رہے ہیں۔ چونکہ یہاں عرصہ تک مسلم حکمراں رہے۔ اس لئے اسلام کو سب سے زیادہ نشانہ بنایا گیا۔ اور مزے کی بات یہ ہے کہ جہاں غیر مذہب والوں نے مخالفت کی وہیں اپنے لوگ بھی حملہ آور ہوتے رہے۔

مسلمانی حکومت کے ختم ہوتے ہی کہنا چاہئے "اسلام" مخالفین کے نرغہ میں آگیا۔ انگریز جو نئے حکمراں کی حیثیت سے آئے تھے۔ انہوں نے خصوصی طور پر اسلام کو

مٹانے کی جدوجہد کی۔ اور یہی وجہ ہے کہ ۱۸۵۷ء میں انگریزوں نے بے دردی کے ساتھ علماء اسلام کو تہ تیغ کیا، ان کو پھانسیوں پر لٹکایا، اور جو تھوڑے بہت بچ گئے تھے، ان پر مقدمہ قائم کر کے کالا پانی بھیج دیا، اور انھیں تڑپ تڑپ کر جان دینے پر مجبور کیا۔

دوسری طرف عیسائیت کی تبلیغ کیلئے یورپ پادریوں کا جم غفیر بلالیا، اور ان کی پشت پناہی کے لئے ایک ملکی فوج بنادی۔ نئے حکمرانوں نے سوچا تھا کہ وہ بڑی آسانی کے ساتھ متحدہ ہندوستان کے مسلمانوں کو عیسائیت میں داخل کر لیں گے۔ اور اس طرح ان کی طرف سے حکومتِ وقت کو جو شدید خطرہ لاحق ہے وہ ٹل جائے گا۔

ادھر بچے کھچے علماء دین متفکر تھے کہ اس ملک میں اسلام اور مسلمانوں کے تحفظ کیلئے کیا کیا جائے اور ان کو اپنے سچے دین قیم پر کس طرح باقی رکھا جائے؟ یہ بڑا ہی صبر آزما اور خطرناک وقت تھا، حکومت کے ساتھ ساتھ جان و مال کی بھی بربادی ہو چکی تھی۔ لے دے کر دین باقی تھا۔ وہ بھی زد پر تھا۔ بلکہ سب سے زیادہ وہی نشانہ بنا ہوا تھا،

اللہ تعالیٰ جزائے خیر عطا کرے بانیانِ دارالعلوم دیوبند کو جنھوں نے ایسے نامساعد حالات کے باوجود ہمت نہیں ہاری، قاسم العلوم والخیرات حضرت مولانا محمد قاسم صاحب نانوتوی قدس سرہٗ بڑی جرأت اور ہمت کے آدمی تھے۔ ساتھ ہی دوراندیش اور ملک وملت کے بہی خواہ تھے، وہ برابر اپنے مرشد حضرت حاجی امداد اللہ مہاجر مکی سے پنجاب جاکر مشورہ کرتے رہے۔ جو وہاں ۱۸۵۷ء کے بعد روپوش ہو گئے۔ بالآخر رب العٰلمین نے ان بزرگوں کے دلوں میں مدارسِ دینیہ کے قیام کا جذبہ بطور الہام پیدا فرمادیا۔ حضرت نانوتویؒ اس کے محرک اول تھے۔

انھوں نے اپنے ساتھی اور احباب حضرت امام ربانی حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی، حاجی سید عابد حسین، مولانا ذوالفقار علی، مولانا فضل الرحمٰن عثمانی اور دوسرے ہمدردوں سے مل کر پہلے دیوبند میں ایک عربی اسلامی مدرسہ کی داغ بیل ڈالی، پھر مرادآباد، نگینہ گلاوٹھی اور جہاں جہاں اثرات تھے۔ مدارس دینیہ قائم کرائے۔ اور مسلمانوں کے چندوں سے ان کو چلانے کی رہنمائی فرمائی۔ اور اصول ہشت گانہ لکھ کر ہدایات جاری فرمایا کہ ان اصولوں کو پیشِ نظر رکھا جائے۔

دیوبند کا یہی مدرسہ اسلامی عربی جو ۱۲۸۳ھ مطابق ۱۸۶۶ء میں چھتہ کی مسجد میں قائم ہوا تھا۔ بہت جلد تھوڑے ہی دنوں میں پورے متحدہ ہندوستان میں پھیل گیا۔ اور مرکزی دارالعلوم بن گیا۔ پوپ پادریوں اور آریہ تحریک کے مقابلہ میں سینہ سپر ہوگیا، پہلے خود حضرت نانوتوی اور آپ کے تلامذہ شیخ الہند حضرت مولانا محمود حسن، مولانا احمد حسن امروہی، مولانا فخرالحسن گنگوہی، مولانا رحیم اللہ بجنوری۔ مولانا عبدالعلی میرٹھی۔ مولانا منصور مرادآبادی اور دوسرے شاگردان گرامی قدر، میدانِ عمل میں آئے۔ اور حفاظتِ دین کے لئے اپنی جانوں کی کوئی پرواہ نہیں کی۔ یہ واقعہ ہے کہ پوپ پادریوں اور انگریزی حکومت کو اسلام کے سلسلے میں علماء دیوبند کے مقابلہ میں شکست کھانی پڑی۔ اور مذہبی طور پر ان کی برتری ماننے پر مجبور ہوئی۔

مگر انگریز پھر بھی کہاں چین سے بیٹھنے والے تھے۔ انھوں نے علماء کو شکست دینے کی دوسری تدبیریں اختیار کیں۔ خود مسلمانوں میں سے بہت سارے لوگوں کو اسلام کے خلاف کھڑا کر دیا۔ فرقہ بہائی، بابی۔ اور دوسرے ملحدین کو طاقت پہنچائی کہ وہ مسلمانوں میں مذہب کے نام پر تفریق پیدا کریں اور علماء کا رخ انگریز دشمنی سے اپنے مذہب کی حفاظت کی طرف پھیر دے۔

لیکن دارالعلوم دیوبند اب توانا ہو چکا تھا۔ اس کے فرزند پورے ملک میں پھیل چکے تھے۔ بلکہ ہندوستان سے نکل کر غیر ممالک میں جا چکے تھے۔ اور اشاعت دین کی خدمت میں منہمک ہو چکے تھے۔ اس لئے ملک میں وہ تمام تحریکیں آگے نہ چل سکیں، جو انگریزوں کے سہارے اٹھ رہی تھیں۔

خوب ذہن نشین کر لیا جائے۔ اللہ تعالیٰ نے علماء دیوبند کو ایک خاص "نور بصیرت" عطا فرمائی ہے۔ وہ بہت جلد بھانپ لیتے ہیں کہ کن تحریکوں کا کیا منشاء ہے اور اس کا رُخ کدھر ہے۔ یہی وجہ ہے کہ بیسیوں نئی نئی جماعتیں بنیں۔ اور انھوں نے اسلام کو نقصان پہونچانے کا ارادہ کیا۔ مگر ان کو کامیابی نصیب نہیں ہوئی علماء دیوبند ہر محاذ پر سینہ سپر ہو گئے۔ اور اس وقت تک چین سے نہیں بیٹھے، جب تک مخالف جماعت نے دم توڑ نہیں دیا۔

قادیانیت کا فتنہ بھی دراصل انگریزی حکومت کا پیدا کردہ ہے۔ یہ دَور جنگ آزادی کا دورِ شباب تھا۔ علماء آگے بڑھ کر انگریزی حکومت کے خلاف بول رہے تھے۔ انگریزوں نے اُن کا رُخ موڑنے کیلئے اس تحریکِ قادیانیت کو بھرپور تعاون دیا۔ اس جماعت سے جہاد کے خلاف فتویٰ دلایا۔ اور چاہا کہ مسلمانوں کو اس میں الجھایا جائے۔ اور علماء اُس میں الجھ کر انگریزی حکومت کے خلاف جہاد بند کر دیں۔

خاکسار نے قادیانیت بالخصوص بانیٔ قادیانیت کا جہاں تک مطالعہ کیا ہے۔ اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ اس فتنہ کا بانی مالیخولیا کا مریض تھا۔ اس لئے اس کے بیان اور تحریر میں اس قدر تضاد اور اختلاف ہے کہ دیکھ کر حیرت ہوتی ہے۔ اور جن لوگوں نے اس فتنہ کو قبول کیا۔ یقیناً وہ بھی عقل و خرد سے بیگانہ تھے، یا انگریزوں کو خوش کرنا چاہتے تھے، اور عہدوں کے طالب تھے۔

بانیٔ فتنہ نے کبھی مجدد ہونے کا دعویٰ کیا۔ کبھی مہدی بننے کا اعلان کیا۔ کبھی

مسیح موعود بنا۔ اور آخر میں آکر نبوت کا مدعی بن گیا۔ اور اسلامی تعلیمات میں من مانی کتر بیونت شروع کردی، پھر نبوت کی مختلف قسمیں بیان کیں۔ تشریعی غیر تشریعی، ظلی، بروزی، لغوی، مجازی، نہ معلوم کیا کیا بکواس کی۔

کوئی شبہ نہیں کہ صورت حال علماء حق کیلئے بڑی ہی ناگوارا ور خطرناک تھی۔ بالخصوص علماء دیوبند یہ دیکھ کر بیچین ہوگئے، مگر اللہ تعالیٰ کے بھروسہ پر انھوں نے طے کرلیا کہ اس فتنہ کو ختم کرنا ہے۔ خواہ اس کیلئے جتنی بھی قربانیاں دینا پڑے اور جس قدر بھی مصیبت برداشت کرنا پڑے۔

اس زمانہ میں دار العلوم دیوبند کی صدارتِ تدریس پر محدث العصر حضرت مولانا محمد انور شاہ قدس سرہٗ جیسے جلیل القدر عالم ربّانی فائز تھے۔ جن کے علم و عمل اور قوت حافظہ کی اپنے اور غیروں سبھوں میں دھوم تھی۔ کچھ لوگ انھیں چلتا پھرتا کتب خانہ کہا کرتے تھے۔ اور بلاریب حضرت شاہ صاحب بڑی خوبیوں کے مالک تھے، اور اللہ تعالیٰ نے انھیں وافر علم حدیث وفقہ سے نوازا تھا اہتمام کی مسند پر حضرت نانوتویؒ کے خلف الرشید مولانا حافظ محمد احمد صاحبؒ جلوہ افروز تھے۔ جب ان تک اس فتنہ کی خبر پہونچی۔ تو یہ سراپا عمل بن کر میدان میں اتر آئے اور فرمایا۔ کہ بھائی یہ فتنہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے دین قیم پر بڑا حملہ ہے۔ جب تک یہ مٹ مٹا نہ جائے۔ چین سے بیٹھنا جائز نہیں ہے۔

اس زمانہ میں حضرت شاہ صاحب کے تلامذہ ذی علم، ذی استعداد اور دین میں پر جان دینے والے تھے۔ استاذ کے ساتھ۔ یہ سارے تلامذہ اس فتنہ کی سرکوبی پر آمادہ ہوگئے۔ حضرت شاہ صاحبؒ نے خود بھی اس فتنہ کے خلاف متعدد کتابیں لکھیں۔ دورے کئے۔ اور اسی کے ساتھ دار العلوم کے دوسرے اساتذہ نے بھی کتابیں تصنیف کیں۔ اور دورے کئے۔ پھر سارے ہندوستان میں ہر مسلک کے

علماء بھی اس فتنہ کی سرکوبی کیلئے میدان میں نکل آئے۔ مولانا ثناء اللہ امرتسریؒ مجدد العلم والعرفان مولانا سید محمد علی مونگیری بانی ندوۃ العلماء لکھنؤ۔ اور دوسرے علماء کرام نے بھی اس محاذ پر اپنی طاقت لگادی۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ یہ فتنہ بہت جلد قادیان میں سکڑ کر رہ گیا۔ ہندوستان کی سرزمین بہت حد تک پاک و صاف ہوگئی —— ملک کی تقسیم کے بعد اس فتنہ نے پھر ایک دفعہ پاکستان میں سر اٹھایا اور بڑی قوت کے ساتھ تحریک شروع ہوئی۔ مگر پاکستان میں علماء دیوبند کی ایک بڑی جماعت موجود تھی وہ اس کو کہاں برداشت کرسکتی تھی۔ حضرت مفتی محمد شفیع دیوبندیؒ، حضرت مولانا محمد یوسف بنوریؒ، حضرت مولانا محمد ادریس صاحب کاندھلویؒ مولانا عطاء اللہ شاہ بخاریؒ، مولانا محمد ادریس میرٹھیؒ۔ اور دوسرے علماء سینہ سپر ہوگئے، اور پوری قوت کے ساتھ اس کی سرکوبی میں جدوجہد شروع کردی۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ پہلے عالم اسلام (ممالک اسلامیہ) نے قادیانیوں کے کافر ہونے کا فتویٰ دیا۔ اور اس کا اعلان کیا، پھر حکومتِ پاکستان نے اس فرقہ کو غیر مسلم قرار دیا۔ اس طرح اللہ تعالیٰ نے اس فتنہ کو ابھرنے سے روک دیا۔ بلکہ ایک محدود دائرہ میں بند کردیا۔ اب یہ فتنہ بحمد اللہ دب دبا گیا۔ مگر بہرحال اب بھی کہیں کہیں دو چار گھرانے اس فتنہ میں مبتلا ہیں۔ اور مخالفِ اسلام طاقتیں اس کو ابھارنا چاہتی ہیں۔

دارالعلوم دیوبند چاہتا ہے کہ موجودہ نسل جو اس فتنہ سے تقریباً ناآشنا ہے اس کو آگاہ کرے، اور آئندہ کیلئے ان کو آمادہ و تیار کرے تاکہ جب کبھی وقت آئے، تو یہ میدانِ عمل میں کود پڑیں۔ اور جہاں جہاں اس وقت اس فتنہ کی چنگاری نظر آئے، اسے ہمیشہ کیلئے بجھا ڈالیں، اور اسی نام پر وہ دوسرے آنیوالے فتنوں کی سرکوبی کا بھی بھرپور جذبہ پیدا کرلیں۔ اس فتنہ کا سب سے بڑا محاذ ختم نبوت کا مسئلہ ہے، جس کو اس نے مشکوک بنانے کی سعی کی ہے۔ مگر اس عنوان پر

بڑی عمدہ اور مضبوط کتابیں چھپ چکی ہیں۔ لہٰذا اس وقت مناسب معلوم ہوا کہ اس پر سرسری نظر ڈال لی جائے۔ اور یہ بتا دیا جائے کہ مسئلہ ختم نبوت مسلّم ہے اور سارے شکوک و شبہات سے بالاتر ہے۔ عہد نبوت سے لے کر اب تک یہ مسئلہ بے غبار رہا ہے۔ اور انشاء اللہ تا قیامت بے غبار رہے گا۔

مسئلہ ختم نبوت کے متعلق اگر یہ ذہن نشین ہو جائے کہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پہ نبوت ختم ہو چکی ہے۔ اور نبوت کا دروازہ ہمیشہ کیلئے بند ہو چکا ہے، نہ تشریعی باقی ہے۔ نہ غیر تشریعی نہ ظلی باقی ہے اور نہ بروزی، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم خاتم النبیین ہیں۔ آپ کے بعد جو بھی کسی طرح کی نبوت کا مدّعی ہے، وہ جھوٹا کذاب اور دجّال ہے، جیسا کہ خود سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے۔

لاتقوم الساعۃ حتّٰی یبعث دجالون کذابون، کلھم یزعم انہٗ نبیٌّ وانا خاتم النبیین، لانبی بعدی۔ (ابوداؤد)

قیامت اس وقت تک قائم نہ ہوگی جب تک بہت سے دجّال اور جھوٹے نہ اٹھائے جائیں۔ جن میں سے ہر ایک یہ خیال کرتا ہو کہ وہ نبی ہے۔ حالانکہ میں خاتم النبیین ہوں۔ میرے بعد کوئی اور نبی دوسرا ہونے والا نہیں ہے۔

۞ ۞ ۞ ۞ ۞ ۞

۞ ۞ ۞ ۞ ۞ ۞

سیکڑوں آیتیں اور حدیثیں ہیں۔ جن سے صراحت سے معلوم ہوتا ہے کہ نبوت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر تمام ہو چکی ہے۔ اور آپؐ کے بعد کوئی نبی آنیوالا نہیں ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

ما کان محمد ابا احد من رجالکم ولکن رسول اللہ وخاتم النبیین،

محمد تمہارے مردوں سے کسی کے باپ نہیں ہیں لیکن اللہ کے رسول ہیں۔ اور سب

وَکَانَ اللّٰہُ بِکُلِّ شَیۡءٍ عَلِیۡمًا ○ (الاحزاب پ۲۲ ع ۵) — نبیوں کے ختم پر ہیں، اور اللہ ہر چیز کو خوب جانتا ہے۔

اس آیت میں صراحت ہے کہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اللہ تعالیٰ کے سچے رسول ہیں۔ اور تمام نبیوں کے بعد آپ کی تشریف آوری ہوئی ہے۔ آپ کے بعد کوئی اور دوسرا ہونے والا نبی نہیں ہے۔ بلکہ خاتم النبیین خود آپ ہی ہیں۔ آپ کے بعد قیامت تک جتنے انسان ہوں گے۔ وہ سب آپ کی امت میں داخل ہوں گے۔

خود قرآن پاک میں ہے:۔

قُل یا ایھا النّاس انّی رسول اللہ الیکم جمیعًا۔ الذی لہٗ ملک السمٰوات والارض۔ (الاعراف پ۹ ع ۲۰) — آپ کہہ دیجئے۔ اے لوگو! میں تم سب کی طرف اس اللہ کا بھیجا ہوا ہوں جس کی بادشاہی ہے تمام آسمانوں اور زمین میں۔

اس آیت میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق صراحت ہے۔ کہ آپ زمین پر تمام بسنے والے انسانوں کے رسول برحق ہیں، قیامت تک جو بھی انسان پیدا ہو گا آپ کی امت میں داخل ہوگا اور اس کا فرض ہوگا کہ آپ کے لائے ہوئے دین قیم کی پیروی کرے۔ چنانچہ دوسری جگہ ارشاد ہے۔

وما ارسلناك الّا کافّۃ للنّاس بشیرًا ونذیرًا۔ (سبا پ۲۲ ع ۳) — اور ہم نے تو آپ کو تمام لوگوں کے واسطے پیغمبر بنا کر بھیجا ہے۔ خوشخبری سنانے والے اور ڈرانے والے۔

ٹ ٹ ٹ ٹ ٹ

دنیا کے تمام انسانوں کی رہبری و ہدایت آپ کی ذات اقدس سے تعلق رکھتی ہے جنّت کی خوشخبری سنا دیجئے۔ ان لوگوں کو جو ایمان واسلام کی دولت قبول کریں۔ اور دوزخ سے ڈرائیے ان کو جو ایمان واسلام کی دولت سے محروم رہ گئے ہیں۔

ایک اور جگہ قرآن نے کہا۔

وَمَا اَرۡسَلۡنٰكَ اِلَّا رَحۡمَةً لِّلۡعٰلَمِيۡنَ (الانبیآء ۱۷ ع ۷)	اور ہم نے نہیں بھیجا آپ کو لیکن دنیا جہاں کے لوگوں پر مہربانی کرنے کیلئے

ان تمام آیات سے معلوم ہوا کہ آپ کی نبوت عام ہے۔ اپنے عہد کے انسانوں کے لئے بھی اور قیامت تک پیدا ہونے والوں کے لئے بھی۔ آپ کے بعد کسی نبی ورسول کو آنا نہیں ہے۔ اور خدا کا دین آپ پر مکمل کر دیا گیا ہے۔ اس دین مبین میں کہیں سے کوئی کمی یا خامی باقی نہیں رہی کہ کسی اور نبی کی ضرورت باقی کہی جا سکے۔ رب کائنات جل مجدہ نے اعلان فرمایا۔

الیوم اکملت لکم دینکم واتممت علیکم نعمتی ورضیت لکم الاسلام دینا۔ (المائدہ ۵)	میں نے تمہارے لئے تمہارا دین مکمل کامل کر دیا۔ اور اپنی نعمت تم پر تمام کر دی اور میں نے تمہارے لئے دین اسلام کو پسند کیا۔

٭ ٭ ٭ ٭

یہاں ایک اور بات بتا دینے کی ضرورت ہے۔ وہ یہ کہ خاتم النبیین میں دو قرأتیں ہیں۔ تاء کے زبر کے ساتھ بھی ہے۔ اور تاء کے زیر کے ساتھ بھی ہے۔ قاری حسن اور عاصم نے تاء کو زبر کے ساتھ پڑھا ہے۔ اور ان دونوں کے علاوہ دوسرے تمام قاریوں نے تاء کے زیر کے ساتھ پڑھا ہے۔ اور دونوں کے معنی ختم کرنے والے اور آخیر کے آتے ہیں۔ معنیٰ خاتم النبیین الذی ختم النبیون بہ ومآلہ آخر النبیین، (روح المعانی ص۵۹ ج۷) ترجمہ: پس خاتم النبیین کے معنیٰ ہوں گے وہ ذات جس پر سلسلۂ انبیاء ختم کر دیا گیا ہو، اور اس کا حاصل آخر النبیین ہی ہے۔
معلوم ہوا کہ خاتَم ہو یا خاتِم نتیجہ کے اعتبار سے دونوں کے معنیٰ ایک ہیں کہ نبیوں کے ختم کرنے والے اور سارے نبیوں کے بعد آنے والے، اوپر کی آیتیں جو نقل کی

گئیں۔ اُن سے بھی وضاحت کے ساتھ یہی معلوم ہوا کہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم خاتم المرسلین ہیں۔ آپ کے بعد کوئی نبی آنے والا نہیں ہے۔

مفرداتِ امام راغب میں ہے۔

وخاتم النبیین لانہ ختم النبوۃ ای تممھا بمجیئہ (ص۱۴۲)

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو خاتم النبیین اس لئے کہا جاتا ہے کہ آپ نے سلسلۂ نبوت کو ختم کر دیا۔ یعنی آپ کے آنے سے وہ سلسلہ تام ہو گیا۔

کلیات ابی البقاء، تاج العروس اور لسان العرب وغیرہ سبھوں نے یہی معنیٰ بیان کئے ہیں۔ اور یقیناً یہی معنیٰ ہیں۔ یہ واضح رہے کہ قرآن کی وہی تفسیر معتبر ہے جس کی تائید قرآن کے دوسرے حصے سے ہوتی ہو۔ یا خود نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے جو تشریح فرمائی ہو یا صحابۂ کرام اور تابعین رحمہم اللہ سے منقول ہو۔

ان لوگوں کی تفسیر قطعاً قابلِ اعتماد نہیں ہے۔ جو اپنی رائے سے کرتے ہیں۔ یا جو تفسیر حدیثِ نبوی سے ہٹ کر کی جائے۔ رسول رحمت صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشادِ گرامی ہے۔

من قال فی القرآن بغیر علم فلیتبوأ مقعدہ من النار، (مشکوٰۃ)

جو شخص قرآن میں بغیر علم گفتگو کرے اسکو چاہئے کہ اپنا ٹھکانا جہنم کو بنائے۔

حتیٰ کہ فرمایا گیا، اگر اس نے اپنی رائے سے صحت کو پا لیا، تو بھی اس کا شمار خطا ہی میں ہوگا۔

من تکلم فی القرآن برأیہ فاصاب فاخطأ (مشکوٰۃ)

جس نے قرآن میں اپنی رائے سے گفتگو کی اور صحت کو پہونچ گیا، تو بھی اس نے خطا کی۔

آج کل یہ بھی ایک وبا پھوٹ پڑی ہے۔ کہ تجدد پسند قرآن کی تفسیر اپنے ذوق سے کرتے ہیں، جو ذوق موجودہ ماحول سے پیدا ہوا ہے۔ پھر وہ صحیح معنیٰ میں ان علوم وفنون سے واقف نہیں ہوتے ہیں۔ جن کی قرآن کے معنیٰ سمجھنے میں ضرورت ہوتی ہے۔ بلکہ ان میں مہارت تامہ ضروری ہے۔

لہٰذا خاتم النبیین کے وہی معنیٰ مستند ہیں۔ جس کی تائید قول رسول سے ہوتی ہے۔ اور جس کو اہل لغت نے اختیار کیا ہے۔ یا صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے منقول ہے علامہ سیوطی نے لکھا ہے۔ اور بہت صحیح لکھا ہے۔

وإن الصحابة والتابعين والائمة ان کان لهم فی الآية تفسیر وجاء قوم فسّروا الآية بقول آخر لاجل مذهب اعتقدوا وذلك المذهب ليس من مذاهب الصحابة والتابعين صار مشاركا للمعتزلة وغيرهم من اهل البدع فی مثل هذا	اگر آیت میں صحابہ و تابعین اور ائمہ تفسیر کی کوئی تفسیر منقول ہے۔ اور کوئی شخص اس کے بعد اپنے معتقد مذہب کے مطابق نئی تفسیر کرے اور وہ صحابہ کرام و تابعین کی تفسیر کے خلاف ہو تو ایسا شخص معتزلہ اور دوسرا اہل بدعت کے فرقہ میں شامل ہو گیا۔

(الاتقان ج ۲ ص ۱۸۷)

یہ عجیب بات ہے کہ گمراہ فرقہ جو مسلمانوں میں پیدا ہوتا ہے۔ وہ عوام کو سب سے پہلے قرآن کا نام لے کر ہی گمراہ کرنے کی کوشش کرتا ہے۔ اور بے پڑھے لکھے عوام یا وہ جدید تعلیم یافتہ جنھوں نے قرآن نہیں پڑھا ہے بڑی آسانی سے اس کی باتوں میں آجاتے ہیں۔ اور اپنی عاقبت برباد کر لیتے ہیں۔

حالانکہ جو فرقہ قرآن کا ایسا معنیٰ بیان کرتا ہے۔ جو صحابہ کرامؓ اور سلف صالحین سے منقول نہیں ہیں۔ وہ یقیناً الحاد و دہریت ہے۔ اور دین قیم سے کھلی ہوئی

مخالفت ہے۔

قادیانی فرقہ نے بھی الحاد و دہریت کی یہی راہ اختیار کی۔ اور دنیاوی اغراض کیلئے قرآن پاک کے غلط معنیٰ بیان کرنے میں کوئی شرم محسوس نہیں کی ختم نبوت کا بیان قرآن پاک میں متعدد جگہ آیا ہے۔ حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب نے اپنی کتاب ختمِ نبوت میں ننانوے آیتیں نقل کی ہیں۔ جن سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا آخری نبی ہونا ثابت ہے۔

ختمِ نبوت پر خود احادیث نبوی میں بھی بڑا ذخیرہ ہے۔ ایک دفعہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ چھ امور میں مجھے اللہ تعالیٰ نے دوسرے انبیاء کرام میں فضیلت عطا فرمائی۔ ان میں سے ایک یہ ہے۔

وأرسلت إلى الخلق كافة وختم بي النبيون (رواه مسلم، مشكوٰة باب فضائل سيد المرسلين)

میں تمام مخلوق کی طرف بھیجا گیا، اور مجھ پر نبیوں کی آمد ختم کر دی گئی ہے۔

٭ ٭ ٭

ایک بار ارشاد ہوا کہ ہر نبی کسی خاص قوم کی طرف مبعوث ہوئے، مگر مجھے عام انسانوں کیلئے مبعوث کیا گیا۔

وكان النبي يبعث الى قومه خاصة وبعثت الى الناس عامة (متفق عليه (ايضاً)

نبی اپنے خاص قوم کی طرف بھیجے جاتے تھے۔ اور میں عام کی طرف مبعوث ہوا۔

٭ ٭ ٭

ایک موقعہ سے سرورِ کونین صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

اِنّی عند الله مكتوب خاتم النبيين (ايضاً)

میں اللہ کے نزدیک خاتم النبیین لکھا گیا ہوں۔

ایک حدیث ہے۔

أنا العاقب والعاقب الذی لیس بعدہٗ نبی متفق علیہ (مشکوٰۃ باب اسماء النبی) — میں عاقب ہوں اور عاقب وہ ہوتا ہے جس کے بعد کوئی نبی نہ آئے۔

ان تمام حدیثوں میں ختم نبوت کی صراحت ہے۔ پھر اس میں تاویل کیسے چل سکتی ہے، خود رحمتِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس باب میں کوئی گوشہ ایسا نہیں چھوڑا ہے، جس سے اس مسئلہ میں کوئی تحریف کی جا سکے۔ اس پر تمام امّت کا اجماع ہے کہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم آخری نبی ہیں، آپ کے بعد کوئی نبی یا رسول ہرگز نہیں آئے گا۔ یہی وجہ ہے کہ آپ نے یہ بھی فرمایا۔

أنا آخر الانبیاء وانتم آخر الأمم (رواہ ابن ماجہ ایضًا) — میں تمام نبیوں کے بعد آیا، اور تم ساری امتوں کے بعد آخری امت ہو۔

ختم نبوت سے متعلق علماء کی تحقیق کے مطابق دو سو حدیثیں ہیں۔ بلکہ اس سے بھی زیادہ۔ ان میں سے حضرت مفتی شفیع صاحبؒ نے دو سو سے زیادہ حدیثیں نقل کردی ہیں ان حدیثوں کا مطالعہ وہاں کیا جا سکتا ہے۔ آیتِ کریمہ اور آپ کے خاتم النبیین کے پیشِ نظر امام غزالیؒ نے لکھا ہے۔

إن الامّة قد فهمت هذا اللفظ انّهٗ افهم عدم نبی بعدہٗ أبدًا وعدم رسول بعدہ ابدًا وانّهٗ لیس فیہ تاویل ولا تخصیص فکلامہ من انواع الهذیان لایمنع الحکم بتکفیرہ لانہ مکذب بهذا النص الذی اجمعت — پوری امّت نے خاتم النبیین کے الفاظ سے یہی سمجھا ہے کہ یہ آیت بتاتی ہے کہ رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد کبھی بھی نہ کوئی نبی ہے اور نہ رسول ہے اور اس پر بھی اتفاق ہے کہ نہ اسمیں کوئی تاویل ہے اور نہ کوئی تخصیص، اور جس نے اس کے خلاف سمجھا ہے

الامۃ علی انہ غیر مأول ولا مخصوص ،	وہ اس کی بکواس ہے۔ اور جو تاویل کرے۔ اس کے کافر قرار دینے کو کوئی روک نہیں سکتا ہے۔ اس لئے کہ
(کتاب الاقتصاد)	
؎ ؎ ؎ ؎ ؎ ؎ ؎	وہ اس طرح نص صریح، آیت قرآنی کی تکذیب کرتا ہے۔ جس کے متعلق امت محمدیہ کا اجماع ہے۔ اور اس میں نہ کوئی تاویل کی گنجائش ہے، اور نہ کسی تخصیص کی۔

ایسے لوگ جو ختم نبوت میں شک کرتے ہیں۔ ان کو علماء اسلام نے بالاتفاق کافر و مرتد اور واجب القتل قرار دیا ہے۔ اور گذشتہ زمانہ میں ایسے اشخاص کو علماء کرام کے فتاویٰ کی بنیاد پر قتل بھی کیا گیا ہے۔ عہدِ نبوی میں مسیلمہ کذاب قتل کیا گیا۔ اسود عنسی قتل کیا گیا۔ حضرت کشمیریؒ نے اس سلسلے میں بہت سارے فتاویٰ اپنی کتاب اکفار الملحدین میں جمع کر دیا ہے۔ ایک جگہ شرح شفاء کے حوالہ سے لکھتے ہیں

"اسی طرح ابن قاسم مالکی نے اس شخص کو مرتد کہا۔ جو خود کو نبی کہے۔ اور دعویٰ کرے کہ ہمارے پاس وحی آتی ہے۔ سحنون مالکی کا قول بھی یہی ہے ابن قاسم نے نبوت کا دعویٰ کرنے والے کو مرتد قرار دیا ہے خواہ وہ پوشیدہ طور پر اپنی نبوت کی دعوت دیتا ہو، خواہ اعلانیہ طور پر، اسلئے کہ وہ اسطرح آیت قرآنی، خاتم النبیین، کا انکار کرتا ہے۔ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بھی تکذیب کرتا ہے اسلئے کہ آپ نے فرمایا ہے کہ میں خاتم النبیین ہوں۔ میرے بعد کوئی نبی نہ ہوگا۔ اسی کے ساتھ اللہ تعالیٰ پر بہتان لگاتا ہے، اور کہتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے میرے پاس

وحی بھیجا ہے۔ اور مجھے رسول بنایا ہے" (اکفار الملحدین)

قاضی عیاض رح اپنی کتاب شفاء میں فرماتے ہیں:۔

"کہ خلیفہ عبدالملک بن مروان نے حارث نامی مدعی نبوت کو قتل کر کے عبرت کیلئے سولی پر لٹکایا تھا۔ اسی طرح اور بہت سے دوسرے خلفاء اور سلاطین نے ایسے تمام مدعیانِ نبوت کو قتل کیا ہے، اور علماء امت نے اس قتل کی تصویب و تائید کی ہے۔ اور جو کوئی اس تصویب کرنیوالے کا مخالف ہے۔ وہ بھی کافر ہے،، (ایضاً)

علامہ خفاجی لکھتے ہیں۔

" اسی طرح ہم اس شخص کو بھی کافر کہیں گے، جو آپ کے بعد کسی اور کے نبی ہونے کا دعویٰ کرے۔ مثلاً مسیلمہ کذاب کو یا اسود عنسی کو یا کسی اور کو نبی مانتا ہو، یا آپ کے بعد کسی اور شخص کے نبوت کا دعویٰ کرے جیسے قادیانی فرقہ کے لوگ) اسلئے کہ آپ قرآن و حدیث کے نصوص اور تصریحات کے مطابق خاتم النبیین اور آخری رسول ہیں۔ لہذا ان کے عقائد اور دعووں سے ان تمام نصوص کی تکذیب اور انکار لازم آتا ہے۔ جو صریحاً کفر ہے" (اکفار الملحدین)

اسی طرح وہ شخص بھی کافر ہے۔ جو یہ دعویٰ کرے کہ اس کے پاس وحی آتی ہے۔ اگرچہ وہ نبی ہونیکا دعویٰ نہ بھی کرے۔ یہ سارے لوگ اس لئے کافر ہیں کہ اس ضمن میں وہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی تکذیب کرتے ہیں۔ اور آپ کی تصریحات کے خلاف جھوٹا دعویٰ کرتے ہیں۔

اس پر اجماع ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ختم نبوت کے سلسلے میں جو کچھ فرمایا ہے وہ اپنے ظاہر پر ہے کہ آپ کے بعد کوئی نبی نہیں ہوگا، جو اس کے خلاف

عقیدہ رکھتا ہے۔ وہ کافر ہے۔

محدث جلیل حضرت شاہ صاحب کشمیریؒ نے الاشباہ والنظائر کے حوالہ سے یہ بھی نقل کیا ہے۔

"کہ جو شخص یہ نہ جانتا ہو کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم آخری نبی ہیں۔ وہ مسلمان نہیں ہیں۔ اس لئے کہ ختم نبوت ضروریات دین میں سے ہے"

گویا نہ جاننا عذر قرار نہیں پایا۔ دوسرے امور میں جہل کو عذر مانا گیا ہے۔ مگر اس باب میں قطعاً عذر تسلیم نہیں کیا گیا ہے۔

شرح عقائد نسفی میں علامہ تفتازانی نے لکھا ہے کہ

"سب سے پہلے نبی حضرت آدمؑ ہیں اور سب سے آخری نبی محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہیں"

اسی طرح عقائد کی تمام کتابوں میں صراحت ہے۔ کہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم خدا کے آخری نبی ہیں، آپ کے بعد کوئی نبی نہیں آئے گا۔

صاحب روح المعانی نے لکھا ہے۔

وکونہ صلی اللہ علیہ وسلم خاتم النبیین مما نطق بہ الکتاب و صدعت بہ السنۃ واجتمعت علیہ الامۃ ویکفر مدعی خلافہ ویقتل ان أصر۔ (ص۱۵ ج ۷)

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا آخری نبی ہونا ان مسائل میں سے ہے۔ جس پر کتاب اللہ ناطق ہے۔ اور سنت میں جن کی صراحت ہے۔ اور امت کا جن پر اتفاق واجماع ہے۔ اس کے خلاف جو دعویٰ کرے گا۔ وہ کافر قرار دیا جائیگا اور اگر اپنے دعویٰ پر مصر ہوگا تو قتل کیا جائے گا۔

ؕ ؕ ؕ ؕ ؕ

ؕ ؕ ؕ ؕ ؕ ؕ

ؕ ؕ ؕ ؕ ؕ

مسلم شریف کی حدیث ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

أنا خاتم الانبیاء ومسجدی خاتم المساجد، (مسلم)	میں خاتم النبیین ہوں۔ اور میری مسجد انبیاء کرام کی مسجدوں کی خاتم المساجد ہے

حدیث میں اس کی بھی صراحت موجود ہے کہ نبوت ختم ہو چکی ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد کوئی نبی آنے والا نہیں ہے۔ البتہ اچھے خواب باقی رہ گئے ہیں

لم یبق من مبشرات النبوۃ الا الرؤیۃ الصالحۃ	مبشرات نبوت میں سے اچھے خوابوں کے سوا دوسرا اور کچھ باقی نہ رہا۔

(رواہ مسلم، مشکوٰۃ)

مختصر یہ کہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم آخری نبی ہیں۔ اور آپ کی امت آخری امت ہے۔ اب دین قیم کی اشاعت وحفاظت کی ساری ذمہ داری آپ کی امت پر ہے۔ آپ نے ارشاد فرمایا کہ دو چیزیں تم لوگوں میں چھوڑ رہا ہوں۔ ایک اللہ تعالیٰ کی کتاب، دوسری اپنی سنت، تم لوگ جب تک ان کو مضبوطی سے سے تھامے رہوگے۔ کبھی گمراہ نہ ہوگے۔

قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ترکت فیکم امرین لن تضلوا ما تمسکتم بھما کتاب اللہ وسنۃ رسولہ، رواہ فی الموطا (مشکوٰۃ)	اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ میں دو چیزیں چھوڑ رہا ہوں۔ جب تک تم ان دونوں کو مضبوطی سے تھامے رہوگے ہرگز گمراہ نہ ہوگے۔ ایک اللہ کی کتاب قرآن پاک ہے۔ اور دوسرے اس کے رسول کی سنت احادیث نبوی ہے

رسول الثقلین صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک دفعہ مستقبل کے فتنے کی طرف اشارہ کرتے ہوئے ارشاد فرمایا تھا۔

قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یکون فی آخر الزمان دجالون کذابون یأتونکم من الأحادیث بما لم تسمعوا انتم ولا آباءکم فایاکم وایاھم لایضلونکم ولا یفتنونکم،

رواہ مسلم (مشکوٰۃ)

آخری زمانہ میں بہت سارے دجال وکذاب ایسی باتیں لیکر تمہارے پاس آئیں گے۔ جو کبھی نہ تم نے سُنا ہوگا۔ اور نہ تمہارے آباء واجداد نے لہٰذا تم ان سے خبردار رہنا، وہ تم کو نہ تو گمراہ کرنے پائیں۔ اور نہ تو فتنہ میں ڈالنے پائیں

شاید وہ زمانہ آگیا ہے کہ طرح طرح کے دجال وکذاب پیدا ہونے شروع ہوگئے ہیں نئی نئی باتیں گڑھ کر پیش کررہے ہیں۔ اور مختلف انداز میں مسلمانوں کو راہِ حق سے ہٹانے کے درپے ہیں نام بظاہر بڑا خوشنما ہے، مگر زہر آلود یہ قادیانی فتنہ بھی دراصل اسی دجالی فتنہ کی ایک صورت ہے۔ جو ہندوستان میں ہمارے سامنے ظاہر ہیں۔ حیرت ہے کہ ہندوستان میں ایک ملحد وزندیق کھڑا ہو کر یہ کہنے کی جرأت کرتا ہے۔ وہ حضرت مہدی ہے۔ مسیح موعود ہے۔ اور نبی ہے معاذ اللہ ایسی بے باکی، ایسی گستاخی۔ اور ایسا غلط دعویٰ اگر اسلامی حکومت ہوتی تو اسی وقت وہ قتل کردیا جاتا۔

یاد رکھا جائے جب تک دارالعلوم دیوبند اور اس کی فیض یافتہ جماعت موجود ہے۔ کوئی ایسی دجالی تحریک کامیاب نہیں ہوسکی ہے۔ جس طرح دارالعلوم دیوبند اور اس کے تلامذہ نے گذشتہ سوا سو سال سے دین مبین کی حفاظت کی ہے آئندہ بھی یہ دینی اور بین الاقوامی درسگاہ اپنا یہ فریضہ انجام دیتی رہے گی۔ اور یہ اُن افراد کو پیدا کرتی رہے گی۔ جن کی زندگی کا مشن حفاظت وصیانتِ تعلیماتِ اسلامی رہے گا۔ اللہ تعالیٰ اس ادارہ کو تا قیامت زندہ وتابندہ رکھے۔

اخیر میں مجھے بے ساختہ اس وقت سابق مہتمم حکیم الاسلام حضرت مولانا محمد طیب صاحب

عقیدۂ ختمِ نبوّت
اور
مرزا غلام احمد قادیانی

مولانا عبدُ العلیم فاروقی دارالمبلّغین لکھنؤ

اس میں کوئی شبہ نہیں کہ اللہ کے آخری پیغمبر حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم جو مقدس شریعت لیکر دنیا میں مبعوث ہوئے وہ خدا کی آخری اور دائمی شریعت ہے جو بالکل واضح اور روشن ہے نہ تو اس میں کوئی الجھاؤ ہے اور نہ ہی کسی قسم کا ابہام ہے اسی طرح جن پاکباز ہستیوں نے اس دینِ متین کو ذاتِ رسالت سے براہِ راست حاصل کیا اور آنے والی نسلوں تک حد درجہ ذمہ داری اور کمالِ دیانت و ثقاہت کے ساتھ منتقل کیا ان کی شخصیات علم و عقل، فضل و کمال، فہم و تدبر ذہن و مزاج اور طہارت و پاکیزگی کے اعتبار سے کامل و مکمل ہیں یہی وجہ ہے کہ دینِ اسلام کو مٹانے یا اس کے مزاج و طبیعت کو بدلنے کیلئے جب مخالفین اسلام کی طرف سے کوئی کوشش یا سازش رونما ہوئی تو ان حضرات نے کبھی اسکو برداشت نہ کیا اور سر بکف میدانِ عمل میں اتر آئے۔ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی خلافت کے آغاز میں جب فتنہ ارتداد اٹھا اور مدعیانِ نبوت نے اپنی جھوٹی نبوتوں کے محل تعمیر کرنے کی ناکام کوشش کی تو حضرت ابوبکر رضی

اور ان کے ساتھیوں نے ان جھوٹے دعویداران نبوت کے محلوں کو اپنی ٹھوکروں سے گرا کر پوری دنیا کو بتا دیا کہ قصر نبوت کی تکمیل ہو چکی اب اگر کوئی اس محل کے سامنے دوسرا محل بنائے گا اُسے زمین بوس کر دیا جائے گا۔

ہمارے زمانہ میں تقریباً ایک صدی قبل قادیانی فتنہ کا وجود ہوا جس کی بنیاد انیسویں صدی عیسوی میں مرزا غلام احمد قادیانی نے رکھی یہ شخص ۱۸۳۹ء میں پنجاب کے ایک گاؤں قادیان ضلع گورداس پور میں پیدا ہوا۔ وہیں اس نے ابتدائی تعلیم حاصل کی اور کچھ دیگر فنون و علوم کا مطالعہ کیا اس کے بعد طویل مدت تک انگریزی حکومت کی ملازمت کی۔ ابتداءً اس نے دعویٰ کیا کہ اللہ کی طرف سے اُسے یہ ذمہ داری سونپی گئی ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے طرز پر مخلوق خدا کی اصلاح کرے پھر آہستہ آہستہ وہ مسلسل گمراہیوں کی طرف بڑھتا رہا کبھی کہتا تھا کہ مجھ میں حضرت عیسیٰؑ کی روح حلول کر گئی ہے اور کبھی دعویٰ کرتا کہ مجھے الہامات و مکاشفات ہوتے ہیں وہ توریت، انجیل اور قرآن پاک کی طرح خدا کا کلام ہیں اس نے یہ بھی کہا کہ آخری زمانہ میں قادیان میں حضرت عیسیٰؑ نزول فرمائیں گے اور یہ بھی دعویٰ کیا کہ مجھ پر دس ہزار سے زائد آیتیں اتاری گئی ہیں۔ اور قرآن کریم، حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم اور دیگر انبیائے سابقین نے میری نبوت کی شہادت دی ہے اور اس شخص نے اپنے گاؤں قادیان کو مکہ اور مدینہ کے ہم رتبہ، اور اپنی مسجد کو حضور پاک علیہ الصلوٰۃ والسلام کی مسجد سے افضل کہا اور اس بات کی لوگوں میں تبلیغ کی کہ یہی وہ مقدس بستی ہے جس کو قرآن پاک میں مسجد اقصیٰ کے نام سے ذکر کیا گیا ہے اور جس کا حج کرنا فرض ہے یہ اور اُن جیسے نامعلوم اس نے کتنے دعوے کئے جو اس کی اور اس کے متبعین کی کتابوں میں تفصیل کے ساتھ مذکور ہیں۔

مرزا غلام احمد قادیانی دراصل ایک نئے مذہب کی بنیاد رکھنے کا خواہشمند تھا

جس کے لئے اُس نے پوری کوشش کی وہ اسی لئے انگریزوں کا اطاعت گزار رہا۔ جن کی ان دنوں ہندوستان میں حکومت تھی اور ان کی خدمت گذاری اور کاسہ لیسی میں اپنی عمر کا ایک بہت بڑا حصہ گذارا اور زبان و قلم سے انگریزوں کی محبت و خیر خواہی اور ہمدردی کا خوب خوب اظہار کیا۔ انگریزی حکومت کو بھی اپنے اغراض و مفادات کے لئے یہ شخص موزوں نظر آیا چنانچہ اس نے بڑی تیزی سے اپنا کام شروع کیا۔ پہلے مجدد ہونے کا دعویٰ کیا۔ اور پھر چند قدم آگے بڑھکر امام مہدی بن گیا کچھ دن اور گذرے تو مسیح موعود بن بیٹھا۔ اور آخر کار منصب نبوت کا مدعی ہو گیا انگریز نے جو چاہا تھا وہ پورا ہوا۔ حکومتِ انگلشیہ نے اُس کی سرپرستی کا پورا حق ادا کیا اور اس کی حفاظت میں کوئی کمی نہ کی ہر طرح کی سہولتیں اور مراعات بہم پہونچائیں۔ مرزا غلام احمد قادیانی بھی ہمیشہ حکومت کے احسانات کا معترف رہا اور صاف طور پر اُس نے اقرار کیا کہ "میں حکومتِ برطانیہ کا خود کاشت پودا ہوں" اور ایک جگہ اپنی وفاداریوں اور خدمت گذاریوں کو گناتے ہوئے لکھتا ہے۔

"میری عمر کا اکثر حصہ اس سلطنت انگریزی کی تائید اور حمایت میں گذرا ہے اور میں نے ممانعتِ جہاد اور انگریز کی اطاعت کے بارے میں اس قدر کتابیں لکھی ہیں اور اشتہار شائع کئے ہیں کہ اگر وہ رسائل اور کتابیں اکٹھا کی جائیں تو پچاس الماریاں ان سے بھر سکتی ہیں۔

(تریاق القلوب ص۱۵ از مرزا)

خلاصۂ گفتگو یہ کہ مرزا غلام احمد قادیانی نے اپنی خود ساختہ جھوٹی نبوت کے ثبوت میں اور عقیدۂ ختم نبوت کو مٹانے کیلئے بھرپور جد و جہد کی یہاں تک کہ مسلّمہ اصول اور قرآنی نصوص و قطعیات کا انکار کیا اور ان کی من مانی بے جا اور

رکیک تاویلات کیں جب کہ عقیدۂ ختم نبوت مسلمانوں کا ایک ایسا اجماعی اور قطعی عقیدہ ہے جس میں کسی قسم کی تاویل و توجیہ کی کوئی گنجائش نہیں اس عقیدہ کی اہمیت کا اندازہ لگانے کے لئے یہی کافی ہے کہ چودہ سو برس سے تمام مسلمان اس پر متفق ہیں کہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کے آخری رسول اور آخری نبی ہیں۔

عقیدۂ ختم نبوت

صدر اسلام سے آج تک تمام مسلمان یہی مانتے رہے ہیں اور آج بھی اسی پر ایمان رکھتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم آخری نبی ہیں آپ کی ذات پر باب نبوت کلی طور پر بند کر دیا گیا ہے۔ یہ ایک ایسا مشہور اور بنیادی عقیدہ ہے کہ عامی سے عامی مسلمان بھی اسے دین کے اساسی اور ضروری عقائد میں شمار کرتا ہے۔ جس پر ایمان لائے بغیر کوئی شخص مسلمان نہیں ہو سکتا۔ قرآن پاک نے بھی بڑی صراحت وصفائی کے ساتھ بیان کیا ہے کہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم "خاتم النبیین" ہیں یہ عقیدہ دراصل دین اسلام کی حیات اجتماعی اور امت کی شیرازہ بندی کا محافظ ہے اور اس پر ہمیشہ مسلمانوں کا اجماع رہا ہے اور اس اجماع کی حکایت بھی متواتر ہے۔ قرآن و سنت اور اجماع امت تینوں میں جا بجا "ختم نبوت" پر واضح اور روشن دلائل موجود ہیں۔

قرآن پاک میں اللہ ربّ العزت کا ارشاد ہے۔

مَا كَانَ مُحَمَّدٌ اَبَآ اَحَدٍ مِّنْ رِّجَالِكُمْ وَلٰكِنْ رَّسُوْلَ اللّٰهِ وَخَاتَمَ النَّبِيّٖنَ ٥	محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) تم لوگوں میں سے کسی کے باپ نہیں ہیں وہ تو اللہ کے رسول اور آخری نبی ہیں۔

آیت قرآنیہ میں "خاتم" کا لفظ "ت" کے زبر اور زیر دونوں کے ساتھ

یہی مطلب واضح کرتا ہے کہ آپؐ آخری نبی ہیں یا یہ کہ آپؐ نے انبیاء علیہم السّلام کا سلسلہ ختم فرما دیا اور آپؐ کے بعد کوئی شخص مقام نبوت پر سرفراز نہ ہو سکے گا اب اگر کوئی شخص اس کا دعویٰ کرے تو وہ ایسی چیز کا مدّعی ہے جس کی اسکے پاس کوئی دلیل نہیں۔

"خاتم النبیین" کا یہی مطلب ماہرینِ لغت نے لکھا ہے کہ خَاتَمُ القوم آخر القوم کے معنیٰ میں مستعمل ہوتا ہے "لسان العرب" جو لغت عرب کی مشہور و مستند کتاب ہے اس میں لکھا ہے۔ ختامُ القوم وخاتَمُھم اٰخرھم ومُحمّد صلے اللہ عَلیہ وسَلم خَاتمُ الانبیَاء۔ پھر آگے لکھتے ہیں۔ وخاتم النبیین ای اٰخرھم "القاموس" اور اس کی شرح "تاج العروس" میں بھی خاتم اور خاتِم کے معنیٰ یہی تحریر کئے ہیں اور اسی کو تمام محققین وعلمائے مفسرین نے اختیار کیا ہے۔ امام ابن کثیرؒ خاتم النبیین کی تفسیر کرتے ہوئے رقمطراز ہیں۔

"اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب اور اس کے رسول نے اپنی متواتر سنّت میں بتایا ہے کہ آپ کے بعد کوئی نبی نہیں ہے تاکہ لوگوں کو معلوم ہو کہ آپؐ کے بعد جو بھی شخص اس مقام کا دعویٰ کرے گا۔ وہ انتہائی جھوٹا، مکّار دجّال اور لوگوں کو گمراہ کرنے والا ہوگا"

امام آلوسی اپنی تفسیر "روح المعانی" میں لکھتے ہیں۔

محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے خاتمُ النبیین ہونے کی خبر قرآن میں دی گئی ہے سنت میں بھی اُسے دو ٹوک الفاظ میں بیان کیا گیا ہے محمد صلی اللہ علیہ وسلم آخری نبی ہیں۔ اس پر پوری امّت کا اجماع ہے لہٰذا جو شخص اس کے خلاف دعویٰ لے کر اٹھے گا اُسے کافر قرار دیا جائیگا"

صحیح بخاری میں حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا بنی اسرائیل کی قیادت انبیاء کرتے تھے ایک نبی وفات پاجاتا تو دوسرا اس کی جگہ لے لیتا لیکن میرے بعد کوئی نبی نہیں ہے (بخاری)

ایک دوسری جگہ پر نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔
میری امت میں تیس جھوٹے ہوں گے۔ ہر ایک اپنے متعلق دعوی کریگا کہ وہ اللہ کا نبی ہے۔ حالانکہ میں خاتم النبیین ہوں میرے بعد کوئی نبی نہ ہوگا۔

اسی طرح نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی متعدد احادیث اور صحابہ کرام کے متعدد آثار سے قطعی طور پر معلوم ہوتا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر نبوت و رسالت کا سلسلہ بند ہوگیا۔ اگر عقل و درایت کی روشنی میں ختم نبوت پر غور کیا جائے تو پتہ چلتا ہے کہ آپؐ تک سلسلۂ نبوت کے جاری رہنے اور آپ سے پہلے کسی نبی پر نبوت ختم نہ ہونے کے تین اہم اور بنیادی اسباب ہیں۔

(۱) یہ کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم تک جس قدر انبیاءؑ مختلف ادوار میں ..... دنیا میں تشریف لائے ان میں سے کسی کی بھی نبوت عام نہ ہوا کرتی تھی۔ ..... ہر نبی کسی ایک خاص قوم یا کسی خاص بستی کے لئے ہوا کرتا تھا اسی لئے ضرورت ہوتی تھی کہ دوسری قوم اور دوسری بستی کیلئے دوسرا نبی بھیجا جائے

(۲) اجرائے نبوت کی دوسری وجہ یہ تھی کہ انبیائے سابقین جب دنیا سے تشریف لے جاتے تو اُن کے چلے جانے کے بعد ان کی شریعت میں تحریف ہوجاتی تھی۔ اور خداوند قدوس نے کسی بھی شریعت کی حفاظت کی ذمہ داری نہیں لی تھی بنا بریں ضرورت پڑتی تھی کہ دوسرا نبی آئے اور اس کو نئی شریعت دیجائے۔

یا سابقہ شریعت کی اس کے ذریعہ سے اصلاح کرائی جائے۔
۳- یہ کہ انبیائے پیشین جو شریعت لے کر مبعوث ہوئے ان کو اللہ نے اکمال کا شرف عطا نہیں فرمایا۔ اسی لئے ان کا لایا ہوا دین غیر اکمل ہوتا تھا۔
مذکورہ بالا وجوہ کی بناء پر آپؐ سے پہلے یکے بعد دیگرے انبیاء آتے رہے اور سلسلۂ نبوت دراز ہوتا رہا مگر جب اللہ نے آپ کو اپنا نبی و رسول بنا کر دنیا میں بھیجا تو ان تینوں امور سے پورے طور پر مطمئن کر دیا گیا آپؐ کی نبوت و رسالت بھی پوری دنیا کیلئے عام کر دی چنانچہ قرآن پاک میں اس مضمون کو مختلف انداز سے بیان کیا گیا کبھی تو ارشاد ہوا "وَمَا ارسلناک الّا کافۃً للناس بشیراً ونذیراً" اور کبھی آپ کی زبان مبارک سے یہ اعلان کرایا گیا "قل یا ایھا الناس انی رسول اللہ الیکم جمیعًا۔ اور اسی مضمون کو اس طرح بھی ذکر فرمایا گیا۔ "وما ارسلناک الّا رحمۃ للعٰلمین" اسی طرح آپؐ کی شریعت کو ابدی اور دائمی فرما کر اس کو رد و بدل، تحریف و تنسیخ کے عمل سے محفوظ فرما دیا اور اس کی حفاظت کی ذمہ داری خود اپنے اوپر لی" انا نحن نزلنا الذکر وانا لہ لحافظون" اور پھر یہ بھی خوشخبری سنادی گئی کہ ہم نے آپؐ پر اپنے دین کو اکمل فرما دیا" الیوم اکملت لکم دینکم" اور ھو الذی ارسل رسولہ بالھدیٰ ودین الحق لیظھرہ علی الدین کلہ"

نقل و شریعت عقل و درایت ہر اعتبار سے اس میں کوئی شبہ نہیں کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کے آخری پیغمبر ہیں آپ کے ذریعہ سے جو شریعت ہم کو ملی ہے وہ اس کی آخری ابدی اور دائمی قیامت تک باقی رہنے والی شریعت ہے۔

* * *

ختمِ نبوت کی نئی تفسیر

لیکن مرزا غلام احمد قادیانی اور ان کے متبعین نے تاریخ میں پہلی بار ختمِ نبوت کی جو نرالی تفسیر کی ہے وہ مسلمانوں کی متفقہ تفسیر سے ہٹ کر کی ہے کہ "خاتم النبیین" کا مطلب یہ ہے کہ آپ "نبیوں کی مہر" ہیں اور اس کی وضاحت یہ بیان کی کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد اب جو بھی نبی آئے گا اس کی نبوت آپؐ کی مہر تصدیق لگ کر مصدقہ ہوگی۔ اس کے ثبوت میں قادیانی مذہب کی کتابوں سے بکثرت عبارتوں کا حوالہ دیا جا سکتا ہے مگر ہم چند حوالوں پر اکتفا کرتے ہیں ملاحظہ فرمائیں۔

"خاتم النبیین کے بارے میں حضرت مسیح موعود علیہ السّلام نے فرمایا کہ خاتم النبیین کے معنیٰ یہ ہیں کہ آپؐ کی مہر کے بغیر کسی کی نبوت کی تصدیق نہیں ہو سکتی جب مہر لگ جاتی ہے تو وہ کاغذ سند ہو جاتا ہے۔ اسی طرح آنحضرتؐ کی مہر اور تصدیق جس نبوت پر نہ ہو وہ صحیح نہیں ہے۔

(ملفوظاتِ احمدیہ مرتبہ منظور الٰہی صاحب قادیانی حصہ پنجم ص ۲۹)

اگر کوئی شخص کہے کہ جب نبوت ختم ہو چکی ہے تو اس امت میں نبی کس طرح ہو سکتا ہے تو اس کا جواب یہ ہے کہ خدائے عزّ وجل نے اس بندہ (یعنی مرزا صاحب) کا نام اسی لئے نبی رکھا ہے کہ سیدنا محمد رسول اللہ کی نبوت کا کمال امت کے کمال کے ثبوت کے بغیر ہرگز ثابت نہیں ہوتا اور اس کے بغیر محض دعویٰ ہی دعویٰ ہے جو اہلِ عقل کے نزدیک بے دلیل ہے

(ترجمہ استفتاء عربی ضمیمہ حقیقۃ الوحی ص ۱۶)

ہمیں اس سے انکار نہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم خاتم النبیین ہیں مگر ختم کے وہ معنیٰ نہیں جو "احسان" کا سوادِ اعظم سمجھا جاتا ہے اور جو رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی شانِ اعلیٰ اور ارفع کے سراسر خلاف ہے کہ

آپ نے نبوت کی نعمت عظمیٰ سے اپنی امت کو محروم کر دیا بلکہ یہ ہیں کہ آپ "نبیوں کی مہر ہیں" اب وہی نبی ہو گا جس کی آپ تصدیق کریں گے۔

(الفضل قادیان نمبر ۲۱۸، ۲۲ ستمبر ۱۹۳۹ء)

ختم نبوت کی تفسیر کا یہ اختلاف صرف ایک لفظ کی تاویل و تفسیر تک محدود نہ رہا بلکہ مرزا غلام احمد قادیانی اور ان کی جھوٹی نبوت پر ایمان لانے والوں نے اس سے آگے بڑھ کر یہاں تک اعلان کیا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد ایک نہیں ہزاروں نبی آسکتے ہیں۔ یہ بات بھی ان کے اپنے واضح بیانات سے ثابت ہے ہم اس موقع پر بطور نمونہ چند حوالے زیر تحریر لاتے ہیں۔

یہ بات بالکل روز روشن کی طرح ثابت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد نبوت کا دروازہ کھلا ہے۔

(حقیقۃ النبوۃ صفحہ ۲۲۸ مصنفہ مرزا بشیر الدین محمود قادیانی)

اگر میری گردن کے دونوں طرف تلوار بھی رکھ دی جائے اور مجھے کہا جائے کہ تم یہ کہو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد کوئی نبی نہیں آئے گا تو میں اسے ضرور کہوں گا تو جھوٹا ہے کذاب ہے آپ کے بعد نبی آسکتے ہیں اور ضرور آسکتے ہیں۔ (انوار خلافت صفحہ ۶۵ از مرزا بشیر الدین محمود)

انھوں نے (یعنی مسلمانوں نے) یہ سمجھ لیا کہ خدا کے خزانے ختم ہو گئے ان کا یہ سمجھنا خدا تعالیٰ کی قدر کو ہی نہ سمجھنے کی وجہ سے ہے ورنہ ایک نبی کیا میں تو کہتا ہوں ہزاروں نبی ہوں گے۔

(انوار خلافت صفحہ ۶۲)

مرزا کا دعوائے نبوت

اس طرح مرزا غلام احمد قادیانی نے اپنی نبوت کے لئے راہ ہموار کر کے تخت نبوت بچھا دیا اور ان کے متبعین و مریدین نے بھی انکو

حقیقی معنوں میں نبی تسلیم کر لیا۔ قادیانی گروہ کی بے شمار کتابوں میں ان کے اس دعویٰ کے ثبوت میں بہت سی عبارتیں ہیں ہم مختصراً کچھ تحریریں نقل کئے دیتے ہیں جن سے مرزا کے دعویٰ نبوت کا پتہ چلے گا۔

میں بارہا بتلا چکا ہوں کہ بموجب آیت " وآخرین منھم لما یلحقوا بھم " بروزی طور پر وہی نبی خاتم الانبیاء ہوں اور خدا نے آج سے بیس برس پہلے " براہین احمدیہ " میں میرا نام محمد اور احمد رکھا ہے اور مجھے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ہی وجود قرار دیا ہے۔

(ایک غلطی کا ازالہ صنا)

مبارک وہ جس نے مجھے پہچانا میں خدا کی سب راہوں میں سے آخری راہ ہوں اور میں اس کے سب نوروں میں سے آخری نور ہوں بدقسمت ہے وہ جو مجھے چھوڑتا ہے کیونکہ میرے بغیر سب تاریک ہے۔

(کشتی نوح ص۵۶ طبع قادیان ۱۹۰۲ء

پس شریعت اسلامی نبی کے جو معنیٰ کرتی ہے اس کے معنیٰ سے حضرت صاحب (یعنی مرزا غلام احمد صاحب) ہرگز مجازی نبی نہیں بلکہ حقیقی نبی ہیں

(حقیقۃ النبوۃ ص۱۷۴ از مرزا بشیر الدین محمود)

منصب نبوت کی توہین

مرزا غلام احمد قادیانی نے اپنی جھوٹی نبوت کے ثبوت اور ختم نبوت کے انکار میں فاسد خیالات اور باطل افکار کا اظہار کیا ہے اس کا ایک بہت بڑا حصہ ہے۔ مثلاً وہ لکھتے ہیں۔

وہ دین دین نہیں ہے اور نہ وہ نبی نبی ہے جس کی متابعت سے انسان خداتعالیٰ سے اس قدر نزدیک نہیں ہو سکتا کہ مکالمات الٰہیہ سے مشرف

ہو سکے وہ دین لعنتی اور قابل نفرت ہے جو یہ سکھاتا ہے کہ صرف چند
منقول باتوں پر انسانی ترقیات کا انحصار ہے اور وحی الہٰی آگے نہیں
بلکہ پیچھے رہ گئی ہے۔ اور خدائے حی وقیوم کی آواز سننے اور اس کے
مکالمات سے قطعی ناامیدی ہے۔ اور اگر کوئی آواز بھی غیب سے کسی کان
تک پہونچتی ہے تو وہ ایسی مشتبہ آواز ہے کہ کہہ نہیں سکتے کہ وہ خدا کی
آواز ہے یا شیطان کی۔

(ضمیمہ براہین احمدیہ حصہ پنجم ص۱۳۹ از مرزا غلام احمد)

یہ کس قدر لغو اور باطل عقیدہ ہے کہ ایسا خیال کیا جائے کہ بعد آنحضرت
صلی اللہ علیہ وسلم کے وحی الہٰی کا دروازہ ہمیشہ کے لئے بند ہو گیا اور آئندہ
کو قیامت تک اس کی کوئی بھی امید نہیں صرف قصوں کی پوجا کرو۔ پس
کیا ایسا مذہب کچھ مذہب ہو سکتا ہے۔ جس میں براہ راست خدا تعالیٰ
کا کچھ بھی پتہ نہیں لگتا۔ جو کچھ ہیں قصّے ہیں۔ اور کوئی اگرچہ اس کی راہ
میں جان بھی فدا کرے اس کی رضا جوئی میں فنا ہو جائے اور ہر ایک
چیز پر اس کو اختیار کرے تب بھی وہ اس پر اپنی شناخت کا دروازہ
نہیں کھولتا اور مکالمات و مخاطبات سے اس کو مشرف نہیں کرتا۔ میں
خدا تعالیٰ کی قسم کھا کر کہتا ہوں کہ اس زمانہ میں مجھ سے زیادہ بیزار
ایسے مذہب سے اور کوئی نہیں ہوگا۔ میں ایسے مذہب کا نام شیطانی
رکھتا ہوں نہ کہ رحمانی

(ضمیمہ براہین احمدیہ حصہ پنجم ص۱۸۳ از مرزا)

مرزا غلام احمد قادیانی اور اس کے ایجاد کردہ مذہب "قادیانیت" کے جرائم اور مفاسد کو کون کہاں تک گنائے افسوس کہ قادیانیوں نے مرزا غلام احمد جیسے ایک پست، ذلیل اور کم عقل انسان کو تاجِ نبوّت پہنا کر "عقیدۂ ختمِ نبوت" کے مفہوم کو بالکل الٹا کر دیا "قادیانیت" جو در حقیقت اسلام کے خلاف ایک گھناؤنی سازش اور نبوّت محمدیہؐ کے خلاف ایک کھلی بغاوت ہے وہ عالمِ اسلام کے جسم کا وہ بدگوشت اور فاسد مادہ ہے۔ جس کو دور کرنا امّت مسلمہ کا اہم فریضہ ہے "قادیانیت" اسلام کے بنیادی عقائد سے لے کر فروعی مسائل تک اپنا الگ راستہ اختیار کرتی ہے نہ صرف یہ کہ وہ چند بحثوں میں مسلمانوں سے الگ ہے۔ بلکہ دین کے ہر معاملہ میں مسلمانوں سے اختلاف رکھتی ہے چنانچہ مرزا غلام احمد قادیانی کے بیٹے مرزا بشیر الدین محمود اپنی ایک تقریر میں جو "الفضل" کے ۳۰ر جولائی ۱۹۳۱ء کے شمارے میں "مسلمانوں سے اختلاف" کے عنوان سے شائع ہوئی تھی کہتے ہیں۔

> "حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے منہ سے نکلے ہوئے الفاظ میرے کانوں میں گونج رہے ہیں" آپ نے فرمایا یہ غلط ہے کہ دوسرے لوگوں سے ہمارا اختلاف صرف وفاتِ مسیح یا چند اور مسائل میں ہے آپ نے فرمایا اللہ تعالیٰ کی ذات، رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم قرآن، نماز، روزہ، حج، زکوٰۃ غرض کہ آپ نے تفصیل سے بتایا کہ ایک ایک چیز میں ہمیں ان سے اختلاف ہے۔

"قادیانیت" کا اہم موضوع اگرچہ کافی وقت کچاہتا ہے مگر ہم نے صرف ایک عنوان کے تحت اجمالاً کچھ عرض کیا ہے۔ امید ہے کہ دیگر اصحابِ قلم اور اربابِ علم و فن اس طرف خصوصی توجہ فرمائیں گے اور کھل کر وقت کے اس خطرناک فتنہ کا تعاقب کریں گے۔ اللہ پاک دینِ حق کی حمایت و حفاظت اور حقانیت و نقابت کے سلسلہ میں ہونیوالی ہر خدمت کو بارآور فرمائے۔ آمین۔

ختمِ نبوت علم و عقل کی روشنی میں

از فریدالدین مسعود
ڈائریکٹر اسلامک فاؤنڈیشن بنگلہ دیش و شیخ الحدیث مالیباغ جامعہ ڈھاکہ

یہ ایک مسلمہ حقیقت ہے کہ دین مکمل ہوچکا ہے اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم خدا کے آخری رسول اور خاتم النبیین ہیں۔ امت کا متفقہ عقیدہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد اور کوئی نیا نبی آنے والا نہیں ہے۔ اسلام خدا کا آخری پیغام اور زندگی کا مکمل نظام ہے۔ یہ عقیدہ قرآن کریم، سنت متواترہ، اجماعِ امت اولین و آخرین اور قیاس، چاروں دلائل کی رو سے ایک طے شدہ امر ہے۔

اللہ تبارک وتعالیٰ رب العالمین ہیں۔ رب کے معنیٰ یہی ہے کہ کسی چیز کو اسکے مناسب تربیت دے کر تدریجاً کمال تک پہنچانے والا۔ اسی ربوبیت کا تقاضا تھا کہ انسان کے مادی ارتقاء کو حد تکمیل تک پہنچانے کیلئے سارے مادی اسباب کا انتظام فرمایا گیا۔ پس رب العالمین کی حکمت بالغہ سے یہ کیونکر متصور ہوسکتا ہے کہ وہ انسان کی روحانیت کی تکمیل کا بندوبست اور اس کا مکمل انتظام نہ فرماتے۔ روح عالم امر کی چیز ہے۔ اللہ تعالیٰ کے امر و تدبیر ہی سے اس کی تکمیل ہوتی ہے۔ خدا لئے رحیم و کریم نے بے پناہ ربوبی شفقت ہی کی بنا پر مادی ارتقاء کے

اسباب مہیا کرنے کے ساتھ ساتھ انسان کی ابتدائے آفرینش ہی سے انسانیت وروحانیت کی تربیت وترقی کیلئے وحی اور نبوّت کا سنہری سلسلہ جاری فرمایا۔ اور بتدریج اس کو تکمیل تک پہنچایا۔

انسان اس انسانیت کے ارتقاء کی راہ میں بالکل اس قافلہ کے مانند ہے جو ایک متعین منزل کی طرف رواں دواں ہے۔ لیکن اس منزل تک پہنچنے کے راستے سے وہ آگاہ نہیں۔ کوئی واقف راہ شفیق رہنما اس کو راہ کی کچھ نشانیاں بتادیتا ہے اور وہ قافلہ اس کی بتائی ہوئی نشانیوں کے مطابق کچھ راستہ طے کرلیتا ہے۔ لیکن اب اس قافلہ کو پھر کسی رہنما کی ضرورت پیش آتی ہے اور وہ اس کی بتائی ہوئی علامات کے مطابق مزید کچھ اور فاصلہ طے کرلیتا ہے۔ اس طرح منزل کی طرف بڑھنے کی صلاحیت میں تبدریج اضافہ ہوتا رہتا ہے۔

بالآخر اس سے ایک ایسا شخص ملجاتا ہے۔ جو اُسے راہِ سفر کا ایک مکمل نقشہ دیدیتا ہے۔ اور قافلہ اس نقشے کے حاصل کرنے کے بعد کسی نئے رہبر کی ضرورت سے بے نیاز ہوجاتا ہے

قرآن وحدیث کی روشنی میں انسان اور معاشرہ کا ارتقاء کوئی اندھا دھند عمل میں آنے والی حرکت نہیں بلکہ یہ ایک باھدف عمل ہے۔ اور اس کی ایک ہی راہ ہے۔ جسے صراط مستقیم کہا گیا ہے۔ اس عمل کا نقطۂ آغاز اور راہِ سفر اور منزلِ مقصود سب متعین اور مشخص ہے۔

سنت الہٰی کے مطابق نبوت اور وحی کی یہ راہ بتدریج کمال تک پہونچی ہے جیساکہ ایک عمارت مکمل ہوتی ہے۔ عمارت کی تعمیر کا ہدف اس کے ستون اور دیواریں ہیں۔ ان سے ایک مکمل مکان ہوتا ہے۔ نبوّت کا معاملہ بھی ایسا ہی ہے۔ نبوتِ مصطفوی اس کی کامل صورت ہے۔ یہی وجہ ہے کہ نبوّت کا سلسلہ ختم ومکمل ہوجانے کے بعد

وہ مزید کسی اضافے کو قبول نہیں کرتا۔ کیونکہ تکمیل کے بعد کوئی اضافہ کمال کے منافی ہوتا ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک مشہور حدیث میں اسی جانب اشارہ کیا گیا ہے۔ آپ صلعم نے فرمایا۔ نبوت ایک مکان کی مانند ہے۔ لیکن اسکے مکمل ہونے میں صرف ایک اینٹ کی جگہ باقی رہ گئی۔ میں ہی وہ اینٹ ہوں۔

یہ تکمیل انسانی ارتقار کا ایک امر فطری ہے۔ ایک انعام خداوندی و موہبت الٰہی کی حیثیت سے قرآن اسی اتمام کا اعلان کرتا ہے۔ اَلْیَوْمَ اَکْمَلْتُ لَکُمْ دِیْنَکُمْ وَاَتْمَمْتُ عَلَیْکُمْ نِعْمَتِیْ وَرَضِیْتُ لَکُمُ الْاِسْلَامَ دِیْنًا (المائدہ ۵)

عقیدۂ ختم نبوت کا انکار دراصل انسانی اور انسانیت کی فطری تکمیل اور ایک نعمتِ الٰہی کی بغاوت ہے۔

دوسرے نبی کی ضرورت عقلاً کئی وجوہ سے ہوتی ہے اور ماضی کی تاریخ بھی اس پر شاہد ہے۔

(۱) کسی کی نبوت وقتی ہو۔ پس وہ وقت گذر جانے پر دوسرے کسی نبی کی ضرورت ہو۔

(۲) کسی کی نبوت خاص کوئی علاقے کیلئے محدود ہو۔ پس اس محدود علاقہ کے باہر کیلئے دوسرے کسی نبی کی ضرورت ہو۔

(۳) یا تو کوئی نبی اپنی حمایت تائید میں دوسرے کسی نبی کو اللہ تعالیٰ سے مانگ لے۔ جیسا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے حضرت ہارون علیہ السلام کو مانگ لیا تھا۔

(۴) یا تو نبی کی تعلیمات محفوظ نہ ہو۔ تحریف کا شکار ہو گئی ہو۔

(۵) یا تو دین و شریعت کی تکمیل نہ ہوئی ہو۔

ان تمام وجوہ سے اگر ہم نظر کریں تو دیکھتے ہیں کہ نیا نبی ظلی ہو یا اصلی اب اسکی کوئی ضرورت باقی نہیں رہی۔ کیونکہ آپ کی نبوت کسی زمان و مکان کے ساتھ مخصوص نہیں ہے۔ ارشادِ خداوندی ہے۔ وَمَا اَرْسَلْنٰکَ اِلَّا کَآفَّةً لِّلنَّاسِ بَشِیْرًا

وندیرُ ولکنّ اکثر النّاس لایعلمُون۔ ایسا ہی آپ نے اپنی تائید کیلئے کسی کو رب العزّت سے طلب بھی نہیں کیا۔ اس کے برخلاف قرآن کریم میں صاف اعلان ہوتا ہے۔ "ماکان محمد ابا احد من رجالکم ولکن رسول اللہ وخاتم النبیین"

آپؐ کی تعلیمات بھی من وعن محفوظ ہے۔ لفظاً بھی معنیً بھی ارشاد ہوتا ہے انا نحنُ نزلنا الذکر وانالہٗ لحٰفظون ہ ساتھ ساتھ دین محمدی صلعم کی تکمیل و تمام کا بھی واضح طور پر اعلان کر دیا گیا۔ الیوم اکملت لکم دینکم واتممت علیکم نعمتی الخ الآیۃ

ختمِ نبوت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت و رسالت کا طرۂ امتیاز اور خاصہ لازمہ ہے۔ اور اس صفت میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ کوئی شریک نہیں ہے۔ جیساکہ اللہ رب العزت کو ذات و صفات میں لاشریک ماننا ایمان کیلئے ضروری ہے۔ اللہ کو معبود و الٰہ ماننا ہے۔ مگر الٰہ واحد اور اکیلا نہ ماننا۔ تو اس کا کوئی اعتبار نہیں۔ اسی طرح اگر کوئی رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو رسول تو مانتا ہے مگر آخری نبی و رسول نہیں مانتا تو یہ ماننا بھی حقیقتاً نہ ماننے کے مرادف ہے۔

شاید یہ بھی ایک حکمت ہو کہ کلمۂ شہادت میں اللہ رب العزت کی الوہیت کی توحید کے ساتھ ساتھ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت کی شہادت بھی لی گئی ہے۔ اور یہ گویا کہ اس بات کی وضاحت ہے کہ ایمان کے لئے اللہ کو ماننے میں جیساکہ موحد ہونا ضروری ہے۔ ایسا ہی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو خاتم المرسلین والانبیاء یقین کرنے میں بھی موحد ہونا ضروری ہے۔ یہی عقیدہ اسلام کیلئے حدِ فاصل ہے۔ شاعرِ مشرق علامہ اقبال نے کیا خوب فرمایا۔

یہ عقیدہ کہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم خاتم النبیین ہیں۔ تنہا وہ عامل (FACTO R) ہے جو اسلام اور ان کے ادیان کے درمیان ایک مکمل سرحدی خط (LENEOF DEMARCATEON) کھینچتا ہے جو توحید میں مسلمانوں کے ہم عقیدہ ہیں اور محمد کی

نبوت کو بھی تسلیم کرتے ہیں۔ لیکن وحی نبوت کا سلسلہ ختم ہونے کے قائل نہیں ہیں جیساکہ ہندوستان میں "برہموسماج"۔ یہی وہ چیز ہے جسے دیکھکر کسی گروہ پر داخلِ اسلام یا خارجِ اسلام ہونے کا حکم لگایا جاسکتا ہے۔ میں تاریخ میں کسی ایسے مسلمان گروہ کا نام نہیں جانتا۔ جس نے اس خط کو پھاند جانے کی جرأت کی ہو۔

اور یہی حکمت ہے کہ حضرت آدم علیہ السّلام سے حضرت عیسیٰ علیہ السلام تک سارے انبیاء کرام آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کی بشارت دیتے نظر آتے ہیں۔ اور قیامت سے پہلے پہلے جھوٹے مدعیٔ نبوت نے دجال اور کذاب کی فریب کو چاک کرنے کے لئے سارے انبیاء سابقین کی طرف سے اسی شہادت کو دہرانے کے لئے حضرت عیسیٰ علیہ السّلام تشریف لائیں گے اور کذابین کا قلع قمع فرمائیں گے۔ اگر محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد کوئی نیا نبی آنے والا ہوتا۔ تو آپ صلعم پر فریضہ عائد ہوتا کہ آنے والے نبی کی بشارت دیتے۔ جیساکہ پہلے انبیاء آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی بشارت دیکر گئے۔ حالانکہ کہیں پر ایسا کوئی لفظ آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے منقول نہیں ہے بلکہ اس کے برخلاف تواتر کے ساتھ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد کوئی نیا نبی (ظلی ہو یا اصلی) نہیں آئے گا۔

ایک طریقِ زندگی جو انسانی فطرت کے مطابق ہو، جامع اور کلی ہو اور ہر طرح کی تبدیلی اور تحریف سے محفوظ ہو۔ اور جو مسائل کی اچھی تشخیص کرے جسے اچھی طرح منطبق کیا جاسکے۔ عمل و نفاذ کے مرحلے میں ہمیشہ رہنمائی کرسکے۔ اور حالات کے مطابق مختلف طریقوں اور بے شمار جزئی قوانین کیلئے سرچشمہ ثابت ہوسکے یہ انسانی فطرت کا ایک عام تقاضا اور انسان کی ایک بنیادی ضرورت تھی۔ دینِ محمدی صلعم کی تکمیل کے ذریعہ جب یہ ضرورت پوری ہوگئی تو فطرۃً وعقلاً کسی نئے نبی کے آنے کی ضرورت نہیں رہتی۔ لہذا نبی، یا نبوت کا ادعا فطرت اور عقل کے خلاف ہے۔

حضرات! اب میں بنگلہ دیش میں قادیانیوں کی کچھ سازش کے متعلق عرض کرنا چاہتا ہوں۔ پاکستان سے قادیانیوں کے ناامید ہوجانے کے بعد برصغیر میں بنگلہ دیش کی زمین انھیں اپنے عزائم پورا کرنے کیلئے ہاتھ آگئی ہے دوسرے علاقے کے مانند یہاں ... سامراجی ایجنٹ کرسچین مشنری اور یہودیوں کی بھرپور تائیدان کو مل رہی ہے۔ ڈھاکہ کے مشہور علاقہ بخشی بازار میں ان کا مرکز ہے دارالحکومت ڈھاکہ کے مختلف علاقوں میں زمین خرید کر بستیاں بسارہے ہیں۔ اس کے علاوہ برہمن باڑیا، سلہٹ، سنام گنج، دیناجپور وغیرہ علاقوں میں بھی وہ اپنا اثر ورسوخ بڑھا رہے ہیں۔ لیکن افسوس کے ساتھ کہنا پڑتا ہے کہ ہماری طرف سے وہاں خاص کوئی بیداری نہیں۔ چار پانچ سال پہلے ڈھاکہ میں انجمن تحفظ ختم نبوت کی طرف سے چند جلسے جلوس ہوئے تھے۔ لیکن آج کل یہ بھی سرد پڑ گئی۔

مادر علمی کی طرف سے اس عظیم الشان کانفرنس کا انعقاد عالم بھر میں خصوصاً بنگلہ دیش میں اس فتنے کے خلاف نئی تحریک میں روح پھونکنے میں مؤثر ثابت ہوگا انشاء اللہ تعالیٰ۔

دارالعلوم کے اکابر اور اس عظیم الشان کانفرنس کے منتظمین کو میں پھر تہہ دل سے شکریہ اور مبارکباد پیش کرنے کی سعادت میں حصہ لیتے ہوئے رب العزت سے دعاگو ہوں کہ ہمیں مرضیات کی توفیق بخشے اور ناموس خاتم الانبیاء پر مرمٹنے کی سعادت نصیب فرمائیں

وآخر دعوانا ان الحمد للہ رب العلمین

ختم نبوت اور مرزا غلام احمد قادیانی

از۔ مولانا عزیز احمد قاسمی (بی۔اے)

مرزا غلام احمد قادیانی بہت قابل انسان تھے۔ ابتدا میں انھوں نے عیسائیوں اور آریہ سماجیوں سے کامیاب مناظرے کئے۔ قابلیت کو اگر کنٹرول میں نہ رکھا جائے تو وہ غلط راستہ پر ڈال دیتی ہے یہی معاملہ مرزا صاحب کے ساتھ پیش آیا۔

حضرت مولانا محمد قاسم صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی کتاب تحذیر الناس میں ختم نبوت پر بحث فرماتے ہوئے تحریر فرمایا ہے کہ خاتمیت تین طرح کی ہوتی ہے۔ خاتمیت زمانی، خاتمیت مکانی اور خاتمیت رُتبی۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کیلئے تینوں طرح کی خاتمیت ثابت ہے۔

خاتمیت رُتبی پر بحث فرماتے ہوئے مولانا رحمۃ اللہ علیہ نے تحریر فرمایا ہے کہ خاتمیت رُتبی کا مفہوم یہ ہے کہ نبوت کا اونچے سے اونچا مرتبہ آپ کو عطا فرمایا گیا تھا۔ اور جو خاتم رُتبی ہو اُسے سب سے آخر میں آنا چاہیے تھا۔ کیونکہ اس کے بعد کسی اور نبی کی ضرورت نہیں رہتی۔

حضرت مولانا محمد قاسم صاحب نانوتویؒ نے تحذیر الناس میں ختم نبوت کے سلسلہ میں جو بحث فرمائی ہے اسکے بعد ضرورت نہیں رہ جاتی کہ اس کو ثابت کرنے کی سعی کی جائے۔ اس کے علاوہ حضرت مولانا انور شاہ صاحب کشمیری رحمۃ اللہ علیہ نے مقدمہ

بھاولپور میں جو بحث فرمائی ہے وہ بھی کافی و شافی ہے

البتہ بحث کی چیز یہ رہ جاتی ہے کہ مرزا غلام احمد قادیانی نے جو دعویٰ نبوت کیا ہے۔ وہ دعویٰ کہاں تک صحیح ہو سکتا ہے۔ قبل اس کے کہ مرزا صاحب کے دعویٰ نبوت پر بحث کی جائے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خاتمیت پر کچھ دلائل بیان کر دئے جائیں تو بہتر ہے۔

۱۔ سب سے پہلے تو قرآن پاک کی یہ آیۃ ہے ۔"الیوم اکملت لکم دینکم و اتممت علیکم نعمتی و رضیت لکم الاسلام دیناً" ہے۔ اس میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ آج میں نے تمہارا دین مکمل کر دیا یعنی دین کی تکمیل آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات گرامی پر ہوگئی۔ اب کسی پیغمبر کی ضرورت نہیں رہے گی۔

اللہ تعالیٰ نے دین کو ہر پیغمبر پر نازل فرمایا۔ مگر ابتدائی انسانوں کا ذہنی ارتقاء زیادہ نہیں ہوا تھا۔ اس لئے جوں جوں زمانہ گزرتا گیا انسانی ذہن میں ترقی ہوتی رہی۔ اسی کے مطابق اللہ تعالیٰ دین کے احکام نازل فرماتے رہے۔ چنانچہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے زمانہ میں بھی انسانی ذہن کا ارتقاء مکمل نہیں ہوا تھا جیسا کہ انجیل مقدس کے عہد جدید" میں مذکور ہے کہ ایک بار حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے اپنی امت کے سامنے تقریر فرماتے ہوئے یہ فرمایا کہ" میں بہت سی باتیں تمہیں بتا چکا ہوں مگر بہت سی باتیں ایسی ہیں جو میں نے تمہیں نہیں بتائیں۔ کیونکہ تم ان کو ابھی نہیں سمجھ سکتے۔ میرے بعد فارقلیط آئیں گے۔ وہ تمہیں وہ باتیں بھی بتائیں گے جو میں بتا چکا ہوں۔ اور وہ باتیں بھی بتائیں گے۔ جو میں نے تمہیں نہیں بتائی ہیں"

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ انسانی ذہن کا ارتقاء اس وقت تک مکمل نہیں ہوا تھا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے تشریف لے جانے کے پانچ سو سال بعد تشریف لائے۔ اس وقت انسانی ذہن ...... ارتقاء کی آخری

منزل طے کر چکا تھا۔ یہی وجہ ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور آپ سے پہلے آنے والے انبیاء علیہم السلام کے زمانہ میں کبھی سارے عالم کے انسانوں کے دماغ میں یہ بات نہیں آئی تھی کہ ساری دنیا کی قوموں کی کوئی ایک انجمن ہونی چاہئے مگر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد دنیا کے سارے ممالک کی پہلی انجمن بنی جو آپس کے اختلافات کی وجہ سے ختم ہو گئی۔ اس کے بعد دوبارہ انجمن اقوام متحدہ (یو، این، او) قائم ہوئی جو آج تک قائم ہے۔ نیز ایک عالمی تنظیم اقتصادی، سماجی اور ثقافتی (یونیسکو) کے نام سے قائم ہوئی۔ جو آج تک قائم ہے۔ ان کے علاوہ عالمی بینک اور عالمی فوج بھی قائم ہوئی۔ اور انسانی ذہن نے اتنی ترقی کی کہ ریڈیو، ٹیلی ویژن، تار برقی، لاسلکی (وائرلیس) اور ایٹمی توانائی ایجاد کر لی۔ اور راکٹ ایجاد کئے جن میں سوار ہو کر انسان نے ساری دنیا کے کئی چکر لگائے اور چاند تک پہونچ گیا۔ اس سے پہلے ان چیزوں کا تصور بھی انسانی ذہن نہیں کر سکتا تھا۔ کیونکہ اس کا ذہن اتنا ترقی یافتہ نہیں تھا۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خاتمیت رتبی کے بارے میں ذیل کے بیانات ملاحظہ فرمائیں۔

قرآن پاک میں پارہ سُبحَانَ الَّذِی کی ابتداء میں ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو لیلۃ المعراج میں مسجد حرام سے مسجد اقصیٰ تک پہونچایا، وہاں تمام انبیاء سابقین علیہم السلام جمع تھے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے امامت فرمائی اور تمام انبیاء علیہم السلام نے اقتداء کی۔ اس سے بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا مرتبہ معلوم ہوتا ہے۔ وہاں سے حضرت جبرئیل علیہ السلام آپ کو معراج کے لئے لے گئے۔ اور کسی اور پیغمبر کو معراج نہیں ہوئی۔ یہ عروج کا انتہائی درجہ تھا جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو عطا فرمایا گیا۔

تمام انبیاء سابقین علیہم السّلام نے جب اپنی قوم کو مخاطب فرمایا تو قوم کا نام لے کر مخاطب فرمایا۔ مگر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے یاایّھا النّاس فرما کر مخاطب فرمایا۔ یعنی اے انسانو کیونکہ آپ تمام انسانوں کیلئے نبی بنا کر بھیجے گئے تھے۔ اور انبیاء علیہم السّلام قومی نبی تھے مگر آنحضرت صلی اللہ علیہ السلام بین الاقوامی (انٹرنیشنل) نبی تھے۔ اس سے بڑا کوئی درجہ نہیں ہوسکتا۔

خود مرزا صاحب نے اپنے نبی ہونے کا صاف لفظوں میں انکار فرمایا ہے۔ ملاحظہ ہو

(۱) حمامۃ البشریٰ ص۳۴ ؛ مصنفہ مرزا غلام احمد صاحب

(۲) کتاب البریّہ ص۱۸۴ فٹ نوٹ تحریر کردہ مرزا غلام احمد صاحب

(۳) ازالۂ اوہام ص۵۷۷ مصنفہ مرزا غلام احمد صاحب و ص۵۳ کتاب ہذا

(۴) انجام آتھم ص۲۷ فٹ نوٹ تحریر کردہ مرزا غلام احمد صاحب

(۵) "میرے لئے یہ جائز نہیں ہے کہ میں اپنے بارے میں نبی ہونے کا اعلان کروں اور کافر ہوجاؤں (حمامۃ البشریٰ ص۹۶ مصنفہ مرزا غلام احمد صاحب۔

ان تصریحات کے ہوتے ہوئے مرزا صاحب نے پہلے اپنے ولی یا مجدّد ہونے کا اعلان فرمایا (دیکھو مرزا صاحب کا پمفلٹ۔ ۲۰ شعبان سنہ ۱۳۱۰ھ

جو تبلیغ رسالت کے ص۲۸۳ پر شائع ہوا۔

اس کے بعد اپنے مسیح موعود ہونے کا اعلان اس طرح فرمایا۔

"خدا کی قسم جس نے مجھے بھیجا ہے۔ اور جس کی تغلیط کرنا کفر ہے۔ میں قسم کھاتا ہوں کہ اس نے مجھے مسیح موعود بنا کر بھیجا ہے"

(پمفلٹ ایک غلطی کا ازالہ شائع کردہ تبلیغ رسالت جلد ۱۰ ص۱۸، مصنفہ مرزا غلام احمد صاحب)

اس کے بعد مرزا صاحب فرماتے ہیں :-

"میرے اعتقاد کے مطابق نہ تو کوئی نیا پیغمبر بھیجا گیا اور نہ کوئی قدیم پیغمبر بلکہ ہمارے پیغمبر محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے خود ہی نزول فرمایا ہے"۔
(لکچر مرزا غلام احمد صاحب شائع شدہ الحکم قادیان ۳۰ر نومبر ۱۹۰۱ء)
غور فرمائیے کہ پہلے محدث بنے، پھر مسیح موعود بنے اور آخر میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بننے کا دعویٰ کیا۔

مرزا صاحب نے نبوت وغیرہ کے جو دعاوی کئے اس کی وجہ یہ تھی کہ انہیں شدید قسم کے جسمانی اور دماغی امراض نے گھیر رکھا تھا۔ چنانچہ اپنی تصنیف میں فرماتے ہیں۔
"جب میری شادی کے بارے میں غیبی پیغامات وصول ہوئے۔ اس وقت میں جسمانی اور دماغی اعتبار سے بہت کمزور تھا۔ اور ایسے ہی میرا دل بھی کمزور تھا۔ ذیابیطس، دورانِ سر، اور قلبی تکلیف کے علاوہ تپ دق کی علامات ابھی تک باقی تھیں۔ جب ان ناگفتہ بہ حالات میں میری شادی ہوگئی میرے بھی خواہوں کو بہت رنج ہوا۔ کیونکہ میری قوت رجولیت صفر تھی اور میں بالکل بڈھوں کی طرح زندگی گذار رہا تھا"
(نزول المسیح مصنفہ مرزا غلام احمد صاحب صفحہ ۲۰۹) دوسری جگہ درج ہے۔
"مرزا صاحب کے خاندان میں مراق کی بیماری وراثتہً نہیں تھی۔ بلکہ یہ چند خارجی اسباب کی بنا پر (مرزا صاحب کو) ہوگئی تھی۔ خارجی اثرات کی وجہ دماغی تکان کی کثرت، دنیاوی افکار اور قبض تھا جس کا نتیجہ مستقل دماغی کمزوری تھا، جس نے مراق کی شکل اختیار کر لی تھی"۔ (میگزین ریویو قادیان صفحہ ۱۰، اگست ۱۹۲۶ء)
شرح اسباب والعلامات، سر کی بیماری، مصنفہ علامہ برہان الدین نفیسی میں ہے کہ۔
"کچھ مریض جو مراق کے مرض میں مبتلا ہوں اس وہم میں مبتلا ہو جاتے ہیں کہ وہ غیب کا علم رکھتے ہیں۔ اور آئندہ ہونے والے واقعات کی پیشین گوئی کرتے ہیں۔ اور

بعض مریض تو اپنے آپ کو پیغمبر سمجھتے ہیں۔
(اکسیر اعظم جلد ۱، ص۱۸۸ مصنفہ حکیم محمد اعظم خاں)
سیرۃ المہدی جلد ۲ ص۵۵ مصنفہ صاحبزادہ بشیر احمد میں ہے :۔
"ڈاکٹر میر محمد اسماعیل نے مجھے بتایا کہ مسیح موعود نے مجھے اکثر بتایا کہ مجھے ہسٹیریا کی شکایت ہے۔ اور بعض وقت وہ مراق کی شکایت بھی کرتے تھے"۔
الفضل، قادیان جلد ۱۷، نمبر ۶، ۱۹/ جولائی ۱۹۲۹ء میں ہے کہ
"حضرت مسیح موعود نے ایک دوا تیار کی جس کا نام "تریاق الٰہی" تھا، یہ دوا الہامی ہدایات کے ماتحت تیار ہوئی تھی۔ اس کا خاص جزء افیون تھی"۔
مرزا صاحب جب ایسے امراض میں مبتلا تھے اور افیمچی تھے۔ نیز برانڈی شراب بھی استعمال فرماتے تھے (دیکھو الحکم۔ قادیان جلد ۳۹، نمبر ۲۵
۷/ نومبر ۱۹۳۶ء) تو ایسے انسان کو ایک صحیح الدماغ انسان کہنا بھی جائز نہیں ہے چہ جائیکہ پیغمبر کہا جائے۔
محمد عاشق صاحب نائب صدر مجلس احرار کی موت ہیضہ میں ہوئی تھی۔ مرزا صاحب کو انھوں نے بُرا بھلا کہا تھا۔ اسلئے مرزا صاحب نے فرمایا کہ ان کو بہت خراب موت ہوئی (الفضل، قادیان جلد ۲۴، نمبر ۳۰، ۴/ اگست ۱۹۳۶ء)
حالانکہ خود مرزا صاحب کی موت ہیضہ کے مرض میں ہوئی۔
(رسالہ حیات مسیح ص۱۴، مصنفہ شیخ یعقوب عرفانی، قادیان)

ختمِ نبوّت
اور
امّت کی ذمّہ داریاں

از۔ مولانا سعید احمد پالنپوری استاذ حدیث
دار العلوم دیوبند

الحمد للہ رب العلمین، والصلوٰۃ والسلام علیٰ سید المرسلین و خاتم النبیین وعلیٰ آلہ، وصحبہ اجمعین ۔ اما بعد

اللہ رب العالمین کا تعارف حضرت موسیٰ علیٰ نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرعونِ لعین کے روبرو اس طرح کرایا ہے۔

قال ربنا الذی اعطی کل شیئ خلقہ، ثم ھدیٰ (طٰہٰ ۵۰) — کہا! ہمارا رب وہ ہے جس نے ہر چیز کو اس کے مناسب بناوٹ عطا فرمائی۔ پھر راہ نمائی فرمائی

یعنی کائنات کی ہر چیز کو جیسا ہونا چاہئے تھا، پہلے اس کو ویسا ہی بنایا۔ اللہ تعالیٰ نے اپنی ہر مخلوق کے لئے جو شکل وصورت اور جو اوصاف وکمالات مناسب تھے، عطا فرمائے۔ پھر اللہ تعالیٰ ہی نے سب کی راہ نمائی بھی فرمائی۔ جو مخلوق جس راہ نمائی کی محتاج تھی، سب کی حاجت روائی فرمائی۔ انسان پیدا کیا گیا تو اس کی جب پہلی ضرورت کی

ضرورت "بقار" تھی۔ چنانچہ اس کی صورتیں اس کو الہام کی گئیں۔ بچے کو ابتدائے پیدائش کے وقت، جبکہ اس کو کوئی بات سکھانا کسی کے بس میں نہیں تھا، یہ کس نے سکھایا کہ ماں کی چھاتی سے اپنی غذا حاصل کرے؟ چھاتی کو دبا کر چوسنے کا ہنر اس کو کس نے بتلایا؟ بھوک پیاس سردی گرمی کی تکلیف ہو تو رو پڑنا اس کی ساری ضروریات پوری کرنے کے لئے کافی ہوجاتا ہے، مگر یہ رونا اس کو کس نے سکھایا ہے؟ یہی وہ ہدایتِ ربانی ہے جو ہر مخلوق کو اس کی حیثیت اور ضرورت کے مطابق غیب سے بغیر کسی کی تعلیم کے عطا ہوئی ہے۔ اسی طرح اللہ رب العٰلمین نے ہر مخلوق کو ایک خاص قسم کا ادراک وشعور بخشا ہے۔ جس کے ذریعہ اس کو ہدایت کردی ہے کہ وہ کس کام کے لئے پیدا کی گئی ہے اور اُسے کیا کرنا ہے۔

عام مخلوقات کے لئے تو اتنی رہنمائی کافی تھی۔ مگر اہلِ عقول، جن وانس، اس تکوینی ہدایت کے علاوہ ایک دوسری ہدایت کے بھی محتاج تھے۔ اور وہ تھی روحانی یا تشریعی ہدایت۔ کیونکہ تکوینی ہدایت انسان کی صرف مادّی ضروریات پوری کرتی ہے۔ جبکہ انسان کا قلب وضمیر، اور عقل وفہم ـــ جن کی وسعت پذیری کا کوئی اندازہ نہیں کیا جاسکتا ـــ سب سے زیادہ ہدایتِ ربانی کے محتاج تھے۔ سورۂ فاتحہ میں ان کو جو دعا تلقین فرمائی گئی ہے۔ اور جسے بار بار پڑھنے کا ان کو حکم دیا گیا ہے۔ وہ ـــ اھدنا الصراط المستقیم (الٰہی! ہمیں سیدھا راستہ دکھلا دیجئے) ہے۔ یہ دُعا واضح کرتی ہے کہ انسان کے لئے تکوینی اور مادّی ضروریات سے بھی اہم اور مقدّم روحانی اور تشریعی ہدایت ہے۔ پھر بھلا کیسے ممکن ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کی مادی ضروریات کا تو سامان کریں مگر اس کی سب سے اہم ضرورت سے صرف نظر فرمالیں؟ چنانچہ اللہ تعالیٰ کی رحمتِ خاصہ، اور ربوبیتِ کاملہ نے انسان کی اس ضرورت کا بھی انتظام فرمایا اور سب سے پہلے انسان سیدنا حضرت آدم علیٰ نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام کو نبوت سے

سرفراز فرمایا۔ حضرت آدم علیہ السلام مرسل بھی تھے اور مرسل الیہ بھی تھے۔ اللہ تعالیٰ سے ہدایات حاصل فرماتے تھے اور اس کے مطابق زندگی گذارتے تھے پھر اُن کے ذریعہ ان کی اولاد تک اللہ کی ہدایت پہنچی۔

روحانیت کا یہ نظام ہزاروں سال تک اپنے ارتقائی منازل طے کرتا رہا تاآنکہ اس کی ترقی حد کمال پر جاکر رک گئی اور اپنی تمام تابانیوں کے ساتھ آفتابِ ہدایت طلوع ہوا۔ جس کی ضیا پاشی سے عالم کا چپہ چپہ روشن ہوگیا اور دُنیا نجوم و کواکب کی روشنی سے مستغنی ہوگئی اور انسانیت کو یہ مژدۂ جانفزا سنایا گیا کہ

الیوم اکملت لکم دینکم واتممت علیکم نعمتی، ورضیت لکم الاسلام دینًا،	آج میں نے تمہارے لئے تمہارا دین کامل کردیا، اور میں نے تم پر اپنا انعام تام کردیا، اور میں نے تمہارے لئے "اسلام" کو دین بننے کے لئے پسند کرلیا۔

٭ ٭ ٭ ٭ ٭ ٭

ساتھ ہی "دینِ اسلام" کی حفاظت کا اعلان بھی فرمایا گیا کہ:۔

انا نحن نزلنا الذکر وانا لہٗ لحفظون	بے شک ہم نے نصیحت (قرآن کریم) نازل فرمائی ہے اور ہم ہی اس کی حفاظت کرنے والے ہیں۔

جب دین پایۂ تکمیل کو پہنچ گیا، اللہ تعالیٰ کی نعمتیں تمام ہوگئیں اور دینِ اسلام کی قیامت تک کے لئے حفاظت کی ذمہ داری اللہ تعالیٰ نے لے لی، تو اب سلسلۂ نبوت و رسالت کی کوئی حاجت باقی نہ رہی۔ اس لئے ایک سلسلۂ بیان میں صاف اعلان کردیا گیا کہ:۔

ما کان محمد ابا احد من رجالکم ولکن رسول اللہ، وخاتم النبیین،	(حضرتِ) محمد تمہارے مردوں میں سے کسی کے باپ نہیں ہیں، ہاں اللہ کے رسول اور خاتم الانبیاء ہیں۔

احادیثِ متواترہ میں بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خاتمیت مختلف انداز سے واضح کی گئی ہے اور شروع سے آج تک پوری امت کا اس عقیدہ پر اجماع ہے کہ سرورِ کونین، حضرتِ محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم اللہ تعالیٰ کے آخری نبی اور رسول ہیں، آپ کی ذات سے قصرِ نبوت تکمیل پذیر ہو چکا ہے، اب کسی نبی کی نہ ضرورت ہے نہ امکان ہے اور جو بوالہوس ایسا دعویٰ کرے وہ جھوٹا، افترا پرداز، مرتد اور ملعون ہے۔

اس جگہ پہنچ کر ایک سوال قدرتی طور پر ابھر کر سامنے آتا ہے کہ یہ صحیح ہے کہ اللہ کی ہدایت کتاب و سنت کی شکل میں، اپنی اصلی صورت میں آج موجود ہے اور قیامت تک موجود رہے گی۔ اس لئے اب کسی بھی طرح کے کسی نئے نبی کی ضرورت نہیں ہے مگر انبیاء کے بغیر اللہ کی یہ ہدایت لوگوں تک پہنچائے گا کون؟

حضراتِ انبیاء کرام کا کام اللہ تعالیٰ سے ہدایات حاصل کر کے لوگوں تک پہنچانا تھا۔ آج چونکہ ہدایاتِ ربانی موجود ہے اس لئے تحصیلِ دین کی ضرورت تو نہیں ہے مگر تبلیغ دین تو بہر حال ضروری ہے؟ اسی طرح اپنوں اور پرایوں کی چیرہ دستیوں سے .... دین کی حفاظت کی بھی ضرورت ہوگی۔ یہ فریضہ کون انجام دے گا؟ اس کا جواب واضح ہے کہ یہ ذمہ داری امت کے سپرد کی گئی ہے۔ اللہ پاک کا ارشاد ہے

كُنتُمْ خَيرَ أُمَّةٍ أُخرِجَت لِلنَّاسِ، تَأمُرُونَ بِالمَعرُوفِ وَتَنهَونَ عَنِ المُنكَرِ وَتُؤمِنُونَ بِاللّٰهِ۔	آپ لوگ (علم الٰہی میں) بہترین امت تھے جو لوگوں کے نفع کے لئے ظاہر کی گئی ہے جو نیک کام کا حکم دیتی ہے اور بُری باتوں سے روکتی ہے۔ اور اللہ تعالیٰ پر ایمان رکھتی ہے۔

حدیث شریف میں ارشاد فرمایا گیا ہے کہ۔

بَلِّغُوا عَنِّي وَلَوْ آيَةً	میری طرف سے لوگوں کو (دین) پہنچاؤ، چاہے ایک ہی آیت ہو۔

❊ ❊ ❊ ❊ ❊ ❊

مشہور جملہ جو زبان زد عام وخاص ہے کہ

علماء امتی کانبیاء بنی اسرائیل	میری امت کے علماء بنی اسرائیل کے انبیاء کی طرح ہیں ۔

یہ جملہ حدیث ہونے کے اعتبار سے تو بے اصل ہے ۔ قال القاری: حدیث علماء امتی کانبیاء بنی اسرائیل ، لا اصل لہ ، کما قال الدمیری ، والزرکشی والعسقلانی ۔ (المصنوع فی الاحادیث الموضوع لعلی القاری ص۱۲۳)

مگر مضمون کے اعتبار سے قرآن وحدیث کا نچوڑ ہے ۔ اس قول میں علماء امت کا مقام ورتبہ نہیں ، بلکہ ان کی ذمہ داری بتائی گئی ہے کہ جس طرح دین موسوی کی حفاظت واشاعت کی ذمہ داری انبیاء بنی اسرائیل کو تفویض ہوتی تھی ، اسی طرح دین مصطفوی کی تبلیغ واشاعت اور حفاظت وصیانت کی ذمہ داری علماء امت کو سپرد کی گئی ہے ۔

ایک حدیث شریف میں پیشین گوئی کے انداز میں خبر دی گئی ہے کہ

یحمل ھذا العلم من کل خلف عدولہ ، ینفون عنہ تحریف الغالین ، وانتحال المبطلین و تاویل الجاھلین (مشکوٰۃ کتاب العلم)	یہ علم دین ہر آئندہ نسل کے معتبر لوگ حاصل کریں گے ، جو اس دین سے غلو کرنے والوں کی تحریفات ، باطل پرستوں کی ادعات اور جاہلوں کی تاویلات کو دور کریں گے

الغرض : ۔ عقیدۂ ختم نبوت برحق ہے ، دین کی حفاظت واشاعت کیلئے اب کسی طرح کے کوئی ، نبی تشریف نہیں لائیں گے ، یہ فریضہ پوری امت کو اور خاص طور پر علماء امت کو انجام دینا ہے ۔ الحمد للہ امت کبھی اپنے اس فریضہ سے غافل نہیں ہوئی ۔ مگر یہ بھی واقعہ ہے فی الوقت اندرا اور باہر کام کا جو تقاضا ہے وہ شاید پورا نہیں ہو رہا ہے ۔ خود امت استجابہ میں ایک بڑی تعداد ایسی موجود ہے جن تک تعلیمات

تو سی تفصیل کے ساتھ نہیں پہنچ سکی ہیں۔ اور وہ دین کی بنیادی باتوں سے بھی بےخبر ہیں۔ اور ایسے مسلمان بھی ہیں جن کو دین اس کی اصلی صورت میں نہیں پہنچا جس کی وجہ سے وہ طرح طرح کی بدعات وخرافات میں مبتلا ہیں۔ اس کے علاوہ انسانی دنیا کا تقریباً آدھا حصہ وہ ہے جن تک دین کی دعوت بھی شاید نہیں پہنچ سکی ہے۔ ضرورت ہے کہ یہ نمائندہ اجتماع اس سلسلہ میں عملی اقدام کے لئے غور وفکر کرے اور اپنی ذمہ داریوں کو پورا کرنے کیلئے کمربستہ ہوکر میدانِ عمل میں اُتر آئے۔

وآخرُ دعوانا ان الحمد للہ ربّ العٰلمین

(بقیہ صـ۱۴۴ کا) بات یاد آرہی ہے فرمایا کہ اب اس برصغیر میں مجدد کا فریضہ دارالعلوم دیوبند اور اس کے علماء پر عائد ہے۔ جو فتنے اور خس وخاشاک مخالفین کی طرف سے آئیں گے۔ ان فتنوں کا مٹانا اور خس وخاشاک سے دامن اسلام کو محفوظ رکھنا ان کے فرائض میں داخل ہے۔

اللہ رب العالمین خادمانِ دارالعلوم دیوبند کی دینی جرأت وہمت برقرار رکھے تاکہ یہاں سے حق کی آواز اٹھتی اور پھیلتی رہے ۔،

ربّنا تقبّل منّا انّک انت السّمیعُ العلیم، آمین یاربّ العٰلمین۔

امام علی دانش قاسمی
کھیم پور کھیر

قصرِ نبوّت پر اسلام کے باغیوں کا حملہ
اور
ہماری ذمّہ داری

الحمد للہ رب العٰلمین والصلوٰۃ والسلام علیٰ خاتم النبیین محمد و آلہ وصحبہٖ اجمعین، امّا بعد! حضرت محمد عربی صلی اللہ علیہ وسلم اللہ تعالیٰ کے آخری نبی و رسول ہیں۔ ان پر نازل کی جانے والی کتاب قرآن مجید اپنے اصلی الفاظ کے ساتھ موجود ہے۔ ان کی شریعت کامل و مکمل ہے ان کی تعلیم و ہدایت زندہ ہے ان کے افعال ان کے اقوال سب کے سب محفوظ ہیں ان کے ذریعہ اسلام کی دائمی اور آفاقی تعلیم دی گئی ہے۔ ایسے اصول و قوانین سکھائے گئے جو ہمیشہ اور ہر دور میں رہنمائی کے لئے کافی ہیں۔ وہ ذرائع بھی خدا کی قدرت سے میسر ہیں اور میسر رہیں گے۔ جن سے شریعتِ محمدی کے عقائد و احکام معلوم کرنا سہولت کے ساتھ ممکن ہے۔

یہ وہ قطعی اور اصولی باتیں ہیں جن کو ہر مسلمان تسلیم کرتا ہے قرآن و حدیث اور امتِ مسلمہ کا متفقہ اجماعی فیصلہ ہے کہ ہر قسم کی نبوت و رسالت اور نزول وحی کا سلسلہ منقطع ہو چکا ہے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت عمومی و دوامی ہے

آپ ہر ملک اور ہر قوم اور ہر دور کے لئے نبی و رسول ہیں جو شخص بھی آپ کے بعد کسی بھی درجہ میں نبوت کا دعویٰ کرتا ہے وہ کذاب و مفتری ہے۔ ملا علی قاریؒ حنفی فرماتے ہیں۔

"ہمارے نبی حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد نبوت کا دعویٰ کرنا بالاجماع کفر ہے۔ (شرح فقہ اکبر ص۲۰۲)

قاضی عیاضؒ نے وضاحت سے لکھا ہے۔

"جو شخص آپ کے ساتھ یا آپ کے بعد کسی قسم کی نبوت کا دعویٰ کرے یا صفائی قلب کے ذریعہ نبوت کے درجہ تک پہنچنے اور کسب کے ذریعہ اس کو حاصل کرنے کو جائز سمجھے یا جو یہ دعویٰ کرے کہ اس پر وحی آتی ہے۔ اگرچہ صراحۃً نبوت کا دعویٰ نہ کرے پس یہ سب کفار ہیں اور حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو جھٹلانے والے ہیں۔ کیونکہ آپؐ نے خبر دی ہے کہ آپؐ کے بعد کوئی نبی نہیں آپؐ خاتم النبیین ہیں۔

(شفاء شریف ص۲۷)

تفسیر روح المعانی ج ۲ ص۶۵ پر لکھا ہے کہ۔

"آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے آخری نبی ہونے پر کتاب اللہ ناطق ہے۔ اور احادیث نے کھول کر بتا دیا اس پر امت کا اجماع ہے اس کے خلاف جو دعویٰ کرے کافر ہو گیا اور اگر اپنے دعوے پر اصرار کرتا ہے تو قتل کر دیا جائے گا۔

اسود عنسی کذاب نے دور رسالت میں نبوت کا دعویٰ کیا تھا حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اس کے خلاف جہاد کا حکم دیا جس کی تعمیل کرتے ہوئے فیروز نے اسے قتل کر کے جہنم رسید کر دیا مسیلمہ کذاب اور طلیحہ اسدی نے نبوت کے دعاوی کئے حضرت خالد ابن ولید سیف اللہؓ نے خلیفۃ الرسول حضرت ابوبکر صدیق اکبرؓ کے حکم سے ان بانیان رسالت

سے جنگ کرکے ان کو نیست و نابود کردیا۔ صحابۂ کرام رضؓ کے دورِ زریں کے بعد بھی عقیدۂ ختمِ نبوت سے بغاوت کرنے والے پیدا ہوتے رہے۔ اور اپنے بُرے انجام تک پہونچتے رہے۔

قرآن و حدیث کی واضح تشریحات اور امتِ مسلمہ کے اجماعی فیصلہ وعمل کے ہوتے ہوئے اسلام کے دشمنوں نے اسلام کو نقصان پہونچانے کے لئے براہِ راست نبوت کا دعویٰ کرنے کے بجائے تلبیسات و تحریفات کے دوسرے طریقے بھی اپنائے ابن سبا یہودی نے اسلام کا لبادہ اوڑھ کر محبت اہلِ بیت کا نعرہ لگایا۔ نبوت کے مقابلہ میں امامت کا عنوان اختیار کیا اور اسلام کا نیا ایڈیشن تیار کرکے لوگوں کو گمراہ کیا جس کے فتنہ انگیز اثرات آج بھی مسلمانوں میں انتشار و افتراق پیدا کرتے رہتے ہیں جس کی تفصیل کا یہ موقع نہیں ہے۔

یہودیوں اور عیسائیوں نے اسلام کی شکل مسخ کرنے کے لئے مستشرقین کو کھڑا کیا۔ تعلیم و تہذیب کے دلکش نام پر اللہ کے آخری نبی کی شریعت کو مٹانا چاہا۔ الحاد، دہریت، عقل پرستی، معجزات کا انکار، اسلافِ امت سے بدظنی تفسیر و فقہ کے قدیم ذخیروں پر عدمِ اعتماد، اکابرِ امت کی تنقیص، علمارِ حق کی بدگوئی، خالص عقلیت پرستی یا پھر خاندانی وملکی رسم ورواج کی اتباع پر اصرار وغیرہ سب گمراہی کی جتنی شکلیں ظاہر ہوئیں ان تمام کا مقصد، اور جتنے ملحدین دشمنانِ دین ہوئے ہیں یا جو موجود ہیں اُن سب کی مشترکہ اور متحدہ کوششوں کا خلاصہ یہی رہا ہے کہ اسلام اپنی اصلی شکل میں جو اس وقت مسلمانوں کے سامنے ہے لائقِ اعتماد اور قابلِ اطمینان نہ رہے اسی لئے تمام ملحدوں، دہریوں اور دین کے نام پر بیدینی پھیلانے والوں کا پہلا نشانہ علمائے حق رہے ہیں اور آج۔۔۔۔ قرآن و حدیث کی تعلیمات کو صحیح شکل میں پیش کرنے والے علمائے دین ہی کو بے مارِ آستین [illegible]

کوشش کرتے رہتے ہیں۔

قادیانی فتنہ

چودہویں صدی ہجری میں مسلمانوں کی دنیاوی شوکت و قوت کو پامال کرنے کی کوششوں میں اسلام دشمن یہودیوں اور انگریزوں نے کامیابی عارضی طور پر حاصل کرلی جس سے اُن کے ناپاک حوصلے بلند ہوئے۔ اور انھوں نے اسلام میں تحریف اور شریعت محمدی میں رخنہ اندازی کے لئے پھر ختم نبوت کے عقیدہ کی مخالفت اور قصر نبوت پر باغیانہ یورش کے لئے مرزا غلام احمد قادیانی کی حمایت شروع کردی۔ قادیان کے رئیس حکیم غلام مرتضیٰ کے لڑکے مرزا غلام احمد نے پادریوں سے مذہبی عقائد میں بحث کرکے شہرت حاصل کرلی تھی دماغ میں بڑائی کا سودا سمایا۔ انھوں نے پہلے ۱۸۸۰ء میں الہام کا دعویٰ کیا اس کے ۲۸ سال بعد مسیح موعود اور مہدی معہود ہونے کا دعویٰ کیا اور ۱۹۰۰ء میں نبوت کا دعویٰ کیا۔ اور مئی ۱۹۰۸ء میں اپنی موت سے پہلے مستقل نبی و رسول ہونے کا دعویٰ کر بیٹھے۔ غالباً مرزا صاحب کو بھی اندازہ ہوگا کہ نبوت کا دعویٰ اگر وہ اوّل لمحہ میں کردیتے تو مسلمانوں کے لئے قطعی ناقابلِ برداشت ہوگا۔ اسی لئے انھوں نے تدریجی چال چلی اور دل کا مدعیٰ کافی تاخیر سے زبان پر لائے۔ مرزائے قادیان کے خلیفہ اور پسر مرزا محمود صاحب نے حقیقۃ النبوۃ میں پوری تفصیل و وضاحت سے اپنے والد کے نبوت و رسالت کے دعویٰ کو ثابت مانا ہے اور جو لوگ پہلی تحریروں کی بنا پر مرزا کے جھوٹے دعوئ نبوت میں تاویلیں کرتے ہیں ان کو گمراہ اور غلط گو بتایا ہے۔ اگرچہ مرزا کے متبعین مسلمانوں کو گمراہ کرنے کے لئے آج بھی دوسرے موضوعات حیاتِ مسیح و خروج دجّال و آمدِ مہدی وغیرہ پر گفتگو کرکے شکوک و وساوس پیدا کرتے ہیں اور اجرائے سلسلۂ نبوت اور مرزا آنجہانی کے دعویٰ نبوت کا اظہار بہت بعد کو اپنے دامِ تزویر میں گرفتار کرنے کے بعد کرتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ جزائے خیر دے علمائے ربانی کو اور اکابر دیوبند کو، غیرت مند مسلمانوں کو، شمع نبوت کے پروانوں کو جنہوں نے علم و تفقہ سے اخلاص و للٰہیت سے، جہد و عمل سے، حق گوئی و بے باکی سے عوام الناس کے اجتماعات سے لے کر حکومت کے ایوانوں تک میں ہر جگہ و ہر محاذ، ہر فتنہ قادیان کا مقابلہ کیا اور ان باغیانِ ختمِ نبوت اور قصرِ شریعتِ محمدی پر حملہ کرنے والوں کو ناکام و نامراد کیا مگر اسی کے ساتھ یہ حقیقت بھی ہے۔

بدل کے بھیس زمانے میں پھر سے آتے ہیں
اگرچہ پیر ہے آدم جواں ہیں لات و منات

تبلیغِ اسلام کے عنوان سے مرزائیت کی اشاعت اور خدمتِ علمِ دین کے نام سے قادیانیت کا پرچار بعض مقامات پر جاری ہے۔

ہماری ذمہ داری

تمام مسلمانوں کی اور خاص طور پر اہلِ علم کی ذمہ داری ہے کہ وہ شریعت محمدی کے مقابلہ میں مرزا کی شریعت کی بغاوت کا تعاقب پوری ہوشیاری کے ساتھ ساتھ کرتے رہیں اس سلسلہ میں بنیادی اور اہم بات یہ ہے کہ قرآن و حدیث کی تفسیر و تعبیر کا حق ہر کس و ناکس استعمال کرنا چاہتا ہے۔ یہاں تک کہ عربی سے ناواقف لوگ محض ترجمہ کی بنیاد پر مفتی و محقق بن جانا چاہتے ہیں۔ شریعتِ محمدی کو اسلامی دستور و قانون کو بازیچۂ اطفال سمجھا جانے لگا ہے۔ قانونِ خداوندی کے ساتھ استہزار کا یہ سلسلہ بند کرنے کی تدبیر کرنی چاہیے۔ حیرت ہے وہی لوگ جو دنیاوی قانون میں صرف ماہرینِ قانون کی رائے کو تسلیم کرتے ہیں۔ وہی اسلامی دستور پر معمولی معلومات کی بنیاد پر رائے زنی کرنی شروع کر دیتے ہیں۔ اسلام کی بنیادی کتاب قرآن مجید ہے جس کے الفاظ بھی خدا کے نازل کردہ ہیں اور مفہوم و معنیٰ بھی۔ خدا نے محمد رسول اللہ ﷺ

کو سکھایا اور آنحضرتؐ نے صحابہ کرام کو قولی و عملی طور پر قرآن کا مفہوم سمجھا دیا۔ جسے سنت سے تعبیر کرتے ہیں اور اس کتاب و سنت کی تعلیمات کی تشریح و توضیح اجتہاد و اجماع سے امتِ مسلمہ کے وہ حضرات جن کو علم ربانی میں رسوخ حاصل تھا کرتے رہے ہیں۔ اس امتِ مسلمہ کی اسلام سے وابستگی اور ایمان پر پختگی صرف اسی صورت میں نصیب رہ سکتی ہے کہ کتاب و سنت کی وہی تفسیر و تعبیر معتبر مانی جائے جو اسلاف و اکابرِ ملت کر چکے ہیں یا جدید مسائل پر اکابر کے طریقہ پر عمل کرتے ہوئے علمائے متدین یہ فریضہ انجام دیں۔

مرزائیوں سے غیر مسلموں جیسا سلوک کیا جائے

قصرِ نبوت محمدی پر حملہ کرنیوالے مرزائی باغیوں سے مسلمانوں جیسا سلوک ہرگز نہ کیا جائے ان کے اسلامی ناموں سے فریب نہ کھایا جائے بلکہ ان سے دو ٹوک انداز میں بات کی جائے اور ان پر واضح کیا جائے کہ عقیدۂ ختمِ نبوت کا انکار کرنے والے اسلام کے دشمن ہیں۔ ہم ان سے موالات کا معاملہ نہیں کر سکتے اور عوام مسلمانوں کو سمجھایا جائے کہ مرزائی دین قادیانی شریعت قرآن و حدیث اور اجماعِ امت کے متفقہ فیصلہ سے انحراف و بغاوت ہے اور رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد کسی بھی مدعی نبوت کو تسلیم کرنا اسے مصلح یا مجدد دین ماننا اسلام کے دامن کو چھوڑنا ہے

اسلام کے مقابلہ میں مرزائی نظریات

مرزائیوں نے اسلام کے مقابلہ میں جن نظریات کو۔ مذہبی حیثیت سے تسلیم کیا ہے ان کی تعداد بہت ہے۔ بطور تمثیل ملاحظہ کیجئے۔

۱۔ اسلامی شریعت میں حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم آخری نبی ہیں مگر مرزائی نظریہ میں مرزا صاحب کی نبوت پر ایمان لانا فرض ہے۔

۲۔ اسلامی شریعت میں حضورؐ کی شریعت مدارِ نجات ہے مگر مرزائی نظریہ میں مرزا صاحب کی تعلیم پر عمل کئے بغیر نجات نہیں۔

۳۔ اسلامی شریعت میں کسی نبی کی پیشین گوئی جھوٹ نہیں نکلتی مگر مرزائی نظریہ میں حضرت عیسیٰؑ کی تین پیشین گوئیاں صاف جھوٹ نکلیں اور مرزا صاحب کی کئی پیشین گوئیاں جھوٹ نکلیں۔

۴۔ اسلامی شریعت میں وحی آنے کا سلسلہ بند ہے مگر مرزائی نظریہ میں مرزا صاحب پر وحی نبوت بارش کی طرح اترتی تھی

۵۔ اسلامی شریعت میں معجزات بھی اب کسی سے ظاہر نہیں ہوں گے۔ مگر مرزائی نظریہ میں مرزا صاحب کے معجزات ہزاروں لاکھوں ہیں۔

۶۔ اسلامی شریعت میں جہاد کا حکم ہے جو منسوخ نہیں ہو سکتا۔ مگر مرزائی نظریہ میں جہاد کا حکم خراب تھا۔ مرزا صاحب نے منسوخ کر دیا۔

۷۔ اسلامی شریعت میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام زندہ آسمان پر اٹھا لئے گئے۔ اور قیامت کے قریب اتریں گے۔ مگر مرزائی نظریہ میں حضرت عیسیٰؑ وفات پا گئے اور ان کے مرزا عیسیٰ موجود ہیں۔

۸۔ اسلامی شریعت میں حضرت عیسیٰؑ کی بشارت یاتی من بعدی اسمہ احمد کا مصداق حضرت محمد مصطفےٰ احمد مجتبےٰ ہیں۔ مگر مرزائی نظریہ میں اس آیت کا مصداق مرزا غلام احمد ہیں۔

۹۔ مسلمانوں کا اجماعی فیصلہ ہے کہ قرآن و حدیث کا جو مطلب صحابۂ کرام اور اسلاف نے سمجھا وہی حق ہے۔ مرزائی نظریہ میں قرآن و حدیث کا مطلب مرزا صاحب کی عقل و فہم کے تابع ہے۔

۱۰۔ مسلمانوں کے نزدیک دجّال، مہدی، یاجوج و ماجوج کا جو مطلب علماء نے لکھا ہے وہ صحیح ہے۔ مرزائی نظریہ میں ان الفاظ کے مفہوم بدلتے رہتے ہیں۔
(حوالہ جات کیلئے دیکھئے ہدایۃ المسترشد ی۔ مؤلفہ مولانا عبدالغنیؒ)

مرزا غلام احمد کی ناپاک جسارت
تحریف قرآن

از۔ مولانا شمیم احمد لکھیم پوری (کتب خانہ دارالعلوم دیوبند)

قرآن حکیم اللہ تعالیٰ کی آخری کتاب ہے جو اللہ کے آخری رسول صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل ہوئی چونکہ خاتم النبیین صلے اللہ علیہ وسلم کے بعد اب بندوں کی ہدایت کیلئے کوئی اور نبی نہیں آئے گا۔ اور نہ کوئی جدید آسمانی کتاب نازل ہوگی اس لئے اللہ تعالیٰ نے قرآن حکیم کی حفاظت کا وعدہ فرمایا۔ تاکہ قیامت تک کے لئے بندوں کے پاس ایک کتاب ہدایت موجود رہے

خدائی حفاظت کے باوجود ہر دور میں باطل پرستوں نے قرآن کو اپنی بیجا تحریفات کا نشانہ بنانے کی مردود کوشش کی ہے اور اس روشن کتاب پر اپنی ظلمت خیز تلبیسات کا پردہ ڈالنے کی قبیح سعی کی ہے جس میں مرزا غلام احمد قادیانی بھی کسی سے پیچھے نہیں ہے ذیل میں اس کی تحریفات کے نمونے پیش کئے جارہے ہیں۔

تحریف کے معنی اور مطلب اصل الفاظ کو بدل کر کچھ اور لکھ دینا (لغات فیروزی) بات کو بدل دینا (المنجد عربی اُردو) قول کو اس کے معنیٰ سے پھیر دینا (مصباح اللغات)

تحریف کی اقسام فرقہ احمدیہ یا خود مرزا صاحب نے قرآن پاک میں جن جگہوں پر ایسی

حرکتیں کی ہیں وہ تین طرح کی ہیں۔ اوّل لفظی تحریف، یعنی قرآن پاک کے الفاظ میں یا تو کمی کر دی یا پھر زیادتی کر دی۔ دوم معنوی تحریف۔ یعنی قرآن پاک کا ترجمہ کرتے وقت اس فرقہ نے بالارادہ اصلی ترجمہ اور معنی نہیں کئے بلکہ اس سے ہٹ کر دوسرا ترجمہ کر دیا سوم۔ منصبی یا مرادی تحریف۔ یعنی جو آیات آنحضور صلے اللہ علیہ وسلم کی شان میں نازل ہوئی ہیں۔ ان کو یا تو اپنے اوپر منطبق کیا گیا ہے یا کسی غیر کے اوپر یا جو آیات خانہ کعبہ اور مکہ معظمہ کی شان میں نازل کی گئی ہیں انھیں کسی اور جگہ چسپاں کیا گیا ہے۔ قرآن پاک کی یہ تحریفات خواہ لفظی ہوں یا معنوی یا مرادی بہر حال ایک جرم عظیم کا ارتکاب ہے ایسا کرنے والا آخرت میں عذاب الیم کا مستحق ہو گا۔

تحریفِ لفظی کے چند نمونے

(۱) قرآن پاک کی اصل آیت — وما ارسلنا... من قبلک من رسول ولا نبی الا اذا تمنیٰ القی الشیطان فی امنیتہ ۵ پارہ ۱۷ سورۂ حج۔ اس کا مفہوم یہ ہے اور (اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم یہ لوگ جو شیطان کے اغوار سے آپ سے مجادلہ کرتے ہیں یہ کوئی نئی بات نہیں بلکہ) ہم نے آپ کے قبل کوئی رسول اور کوئی نبی ایسا نہیں بھیجا جس کو یہ قصہ پیش نہ آیا ہو کہ جب اس نے اللہ کے احکام میں سے) کچھ پڑھا تب ہی) شیطان نے اس کے پڑھنے میں (کفار کے قلوب میں) شبہ (اور اعتراض ڈالا (اور کفار ان ہی شبہات اور اعتراضات کو پیش کر کے انبیاء سے مجادلہ کیا کرتے) معارف القرآن جلد ۶ ص ۲۶۴۔ اس آیت میں۔ من قبلک سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ لوگوں کا آپ سے مجادلہ بوجہ اغوار شیطان آپ سے قبل بھی ہو چکا ہے آپ کے بعد اس امر کا وقوع اس لئے ممکن نہیں کہ اب رسالت ختم ہو چکی اگر آپ کے بعد بھی اس کا امکان رہتا تو یہ مذکورہ آیت اس طرح ہونی چاہئے تھی کہ جس کے

قبل اور بعد دونوں میں اس مجادلہ کا وقوع ثابت ہو سکتا جیسا کہ مرزا غلام احمد نے اپنے لئے اس کا راستہ مسدود ہونے نہیں دیا۔ اسلئے من قبلک کو حذف کر دیا۔

تحریف شدہ آیت ۔ وما ارسلنا من رسول ولا نبی الا اذا تمنیٰ الخ۔

حاشیہ ازالۂ اوہام جلد اوّل ص ۲۵۷

۲:۔ قرآن پاک کی اصل آیت ۔ وَجَاهِدُوا بِأَمْوَالِكُمْ وَأَنفُسِكُمْ فِي سَبِيلِ اللَّهِ ۔ پ ۱۰ سورہ توبہ ۔۔ اس سے پہلے قرآن میں جہاد کا بیان چل رہا ہے ۔ باری تعالیٰ کا حکم ہے نکلو ہلکے اور بوجھل اور اللہ ہی کی راہ میں اپنے مال اور جان سے جہاد کرو اس آیت میں حق تعالیٰ نے صیغۂ امر کا استعمال کیا ہے اور امر وجوب پر دلالت کرتا ہے اس سے یہ بات صاف ظاہر ہو رہی تھی کہ جہاد کی فرضیت اور وجوب کا حکم دیا گیا ہے مگر مرزا جی تو جہاد کو ختم کرنے کے لئے آئے تھے ۔ انگریزوں کے ایماء پر دہ کتابوں سے جہاد کا باب ختم کر چکے تھے ۔ بھلا کس طرح گوارا کرتے اس لئے اس آیت میں صیغۂ امر کے بجائے صیغۂ مضارع ان یجاھدوا استعمال کیا ۔ اور مخاطب کی ضمیروں کے بجائے اس مضارع کی ضمیر کی مطابقت کی وجہ سے کُمْ کی جگہ غائب کی ضمیر ھُمْ استعمال کی اور فی سبیل اللہ کو آخر سے اٹھا کر ان یجاھدوا کے بعد رکھدیا تاکہ وجوبیت و فرضیت ثابت نہ ہو سکے ۔

تحریف شدہ آیت ۔۔ ان یجاھدوا فی سبیل اللہ باموالھم وانفسھم

جنگ مقدس ص ۱۹۴ ۔ ۵ رجون ۱۸۹۳ء بحوالہ قادیانی نمبر ۔

۳:۔ اصل آیت قرآن ۔۔۔ کل من علیھا فان ویبقیٰ وجہ ربک ذوالجلال والاکرام ۔ پ ۲۷ سورۂ رحمٰن ۔۔ خداوند قدوس نعمتوں کا تذکرہ کرنے کے بعد فرماتا ہے ۔ تم کو ان کا شکر ادا کرنا چاہئے ۔ اور کفر و معصیت سے ناشکری نہ کرنا چاہئے ۔ کیونکہ اس عالم کے فنا کے بعد ایک دوسرا عالم آنے والا ہے جہاں جزا و سزا ملے گی

چنانچہ مذکورہ بالا آیت کے اندر ارشاد ہے کہ جتنے (جن و انس) روئے زمین پر موجود ہیں سب فنا ہو جائیں گے اور (صرف) آپ کے پروردگار کی ذات جو کہ عظمت (والی) اور (باوجود عظمت کے) احسان والی ہے باقی رہ جائے گی۔

تحریف شدہ آیت ـ کل شیئ فان و یبقیٰ وجہ ربک ذوالجلال و الاکرام۔ ازالہ اوہام ص ۱۳۶۔ یہ دو آیتیں تھیں پہلے تو ان کو ایک کر دیا اور من علیہا کو حذف کر کے لفظ "شیئ" کو بڑھا دیا۔ ممکن ہے مرزا کے ذہن میں یہ بات رہی ہو کہ شیئ کے تحت دنیا کی ہر چیز داخل ہے اس لئے حضرت عیسیٰؑ بھی داخل ہو گئے۔ جس سے اُن کی موت و فنا کا استدلال کیا جا سکتا ہے۔ کیونکہ خود مرزا اس بات کے قائل ہیں کہ حضرت عیسیٰؑ کی موت ہوئی اور وہ زندہ نہیں ان کے نزول کے سلسلہ میں جو وارد ہوا ہے وہ مثل مسیح ہوگا۔ چنانچہ وہ میں ہی ہوں۔

العیاذ باللہ ـ

۷ ـ مرزا کا چونکہ دعویٰ ہے کہ میں (مرزا غلام احمد) مسیح موعود ہوں۔ اس لئے اس دعویٰ کے اثبات میں نہ جانے انھوں نے کتنے جتن کر ڈالے۔ حضرت عیسیٰؑ کے بارے میں آتا ہے کہ دمشق میں نزول ہوگا ...... اس سلسلہ میں مرزا کا بھی قول ملاحظہ فرمایئے "مگر دمشق میں تو کوئی خوبی کی بات نہیں جس کی وجہ سے تمام امکنہ متبرکہ کو چھوڑ کر نزول کیلئے صرف دمشق کو مخصوص کیا جائے۔ اس جگہ بلاشبہ استعارہ کے طور پر کوئی مرادی معنی مخفی ہیں جو ظاہر نہیں کئے گئے اور یہ عاجز اس کی تحقیق کی طرف متوجہ نہیں ہوا تھا کہ وہ معنی کیا ہیں اسی اثنا میں حکیم نور الدین صاحب قادیان تشریف لائے اور انھوں نے مجھ سے کہا ایسے چند مجمل مقامات بھی ان کے انکشاف کیلئے جناب الٰہی میں توجہ کیجائے لیکن ان دنوں میری طبیعت علیل اور دماغ ناقابل جدوجہد تھا۔ اس لئے میں ان تمام مقاصد کی

طرف توجہ کرنے سے مجبور رہا پھر تھوڑی توجہ کرنے سے ایک لفظ کی تشریح یعنی دمشق کے لفظ کی حقیقت میرے پر کھولی گئی،

(حاشیہ ازالہ اوہام اوّل ص۶۵)

اس کے بعد کئی صفحات میں اپنی عقل کے اعتبار سے بڑی اچھوتی تحقیق کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ" دمشق جو نزول مسیح کی جگہ ہے اور احادیث وغیرہ میں جو لفظ دمشق استعمال کیا گیا ہے وہ محض استعارہ کے طور پر استعمال کیا گیا ہے" مرزاجی نے اپنے سارے علم کو اس بات کے ثابت کرنے پر صرف کر دیا کہ دمشق سے مراد وہ مخصوص جگہ نہیں بلکہ اس کی خصوصیات کی حامل جگہ مراد ہے۔ چنانچہ ان خصوصیات کا حامل قادیان ہے۔ آگے چل کر اسی مذکورہ بالا کتاب کے ص۷۳ پر لکھ ہی دیا کہ یہ بھی مدت سے الہام ہو چکا ہے۔ انا انزلناہ قریبًا من القادیان و بالحق انزلناہ و بالحق نزل و کان وعد اللہ مفعولًا۔ یہ آیت براہین احمدیہ میں بھی ہے۔ حاشیہ در حاشیہ ۳ ص۴۹۸۔ یعنی ہم نے اس کو قادیان کے قریب اتارا ہے اور سچائی کے ساتھ اتارا اور ایک دن وعدہ اللہ کا پورا ہونا تھا۔ اس الہام پر نظر غور کرنے سے ظاہر ہوتا ہے کہ قادیان میں خدا تعالیٰ کی طرف سے اس عاجز کا ظاہر ہونا الہامی نوشتوں میں بطور پیشگوئی پہلے لکھا گیا تھا۔ پھر آگے ص۷۷ پر اپنی بات کی مزید توثیق کرتے ہوئے ایک اور کذب بیانی سے کام لے رہے ہیں فرماتے ہیں "جس روز وہ الہام مذکور جس میں قادیان میں نازل ہونے کا ذکر ہے ہوا تھا اس روز کشفی طور پر میں نے دیکھا میرے بھائی غلام قادر میرے قریب بیٹھ کر باآواز بلند قرآن پڑھ رہے ہیں اور پڑھتے پڑھتے انھوں نے ان فقرات کو پڑھا انا انزلناہ قریبًا من القادیان۔ تو میں نے سن کر بہت تعجب کیا کہ قادیان کا نام بھی قرآن شریف میں لکھا ہوا ہے۔ تب انھوں نے کہا یہ دیکھو تب میں نے

نظر ڈال کر جو دیکھا تو معلوم ہوا کہ فی الحقیقت قرآن شریف کے دائیں صفحہ میں شاید قریب نصف کے موقعہ پر یہی الہامی عبارت لکھی ہوئی موجود ہے۔

العیاذ باللہ

۵۔ اصل آیت — ولقد اٰتینٰک سبعًا من المثانی والقراٰن العظیم ۔ (پ۱۴ سورۂ حجر)

تحریف شدہ آیت — انا اٰتینٰک سبعًا من المثانی والقراٰن العظیم ○ ولقد کو حذف کر دیا۔ قرآن کے "ن" پر زبر اور اسی طرح العظیم کے "م" پر بھی زبر ہے مگر مرزا کی کتاب میں زیر موجود ہے۔ براہین احمدیہ حاشیہ ۱۱ ص۴۸۸)

۶۔ اصل آیت ۔ الم یعلموا انہ من یحادد اللہ ورسولہ فان لہ نار جہنم خالدًا فیہا وذٰلک الخزی العظیم ○ (پ۱۰ سورۂ توبہ)

تحریف شدہ آیت — الم یعلموا انہ من یحادد اللہ ورسولہ یدخلہ نارًا خالدًا فیہا ذٰلک الخزی العظیم ○ — مرزا نے یدخلہ کا اضافہ کیا اور فان لہ اور جہنم کو حذف کر دیا۔ حقیقۃ الوحی ص۱۳۰۔

۷۔ اصل آیت — یاایہا الذین اٰمنوا ان تتقوا اللہ یجعل لکم فرقانًا ویکفر عنکم سیاٰتکم ویغفر لکم واللہ ذو الفضل العظیم ○ پ۹ سورۂ انفال۔

محرف آیت — یاایہا الذین اٰمنوا ان تتقوا اللہ یجعل لکم فرقانا ویکفر عنکم سیاٰتکم ویجعل لکم نورًا تمشون بہ سیاٰتکم کے بعد مرزا نے بڑھا دیا اور یغفر لکم واللہ ذو الفضل العظیم ○ کو ختم کر دیا۔ دافع الوساوس ص۱۸۲ بحوالہ قادیانی مذہب)

۸۔ اصل آیت — وما ارسلنا من قبلک من رسول الا نوحی الیہ انہٗ

لا الٰہ الا انا فاعبدون

تحریف شدہ آیت ۔ وما ارسلنا من قبلک من رسول ولا نبی ولا محدث الا اذا تمنیٰ القی الشیطان فی امنیتہ فینسخ اللہ ما یلقی الشیطان ثم یحکم اللہ آیاتہ اصل آیت میں رسول تک تحریر کی آگے اپنی جانب سے مکمل عبارت بڑھادی اور محدث کا لفظ جو قرآن میں ہے ہی نہیں داخل کر دیا۔ یہ سارا ڈھونگ مرزا نے اس لئے رچایا کہ اپنے کو محدث اور ملہم من اللہ ثابت کر دکھائیں (براہین احمدیہ باب اول حاشیہ در حاشیہ ۴ ص۵۴۸)

معنوی تحریف کی چند مثالیں

مرزائیوں نے معنوی تحریف بھی کرنے کی ناکام کوشش کی ہے۔ مرزا بشیر الدین محمود نے قرآن پاک کا ترجمہ اور تفسیر کی ہے جس میں ارادۃً معنوی تحریف کی ہے۔

۱۔ غَیْرِ الْمَغْضُوْبِ عَلَیْهِمْ وَلَا الضَّآلِّیْنَ کے معنیٰ میں تحریف کرتے ہوئے اسطرح ترجمہ کیا ہے۔ جن پر نہ تو بعد میں تیرا غضب نازل ہوا ہے اور نہ وہ بعد میں گمراہ ہوگئے ہیں (بحوالہ قادیانی نمبر قومی ڈائجسٹ پاکستان) حالانکہ صحیح ترجمہ یہ ہے ۔ نہ کہ ان لوگوں کا راستہ جن پر تیرا غضب ہوا اور نہ ان لوگوں کا جو گمراہ ہوگئے ۔

۲۔ وَالَّذِیْنَ یُؤْمِنُوْنَ بِمَآ اُنْزِلَ اِلَیْكَ وَمَآ اُنْزِلَ مِنْ قَبْلِكَ وَبِالْاٰخِرَةِ هُمْ یُوْقِنُوْنَ ؀ کا ترجمہ اس طرح کیا ہے " اور جو تجھ پر نازل کیا گیا یا جو تجھ سے پہلے نازل کیا گیا یا جو تجھ سے پہلے نازل کیا گیا تھا اس پر ایمان لاتے ہیں اور آئندہ ہونے والی موعود باتوں پر بھی یقین رکھتے ہیں۔ (بحوالہ قادیان نمبر) حالانکہ اصل ترجمہ یہ ہے اور جو لوگ ایمان لاتے ہیں آپ پر جو نازل ہوا اور جو کچھ آپ سے پہلے نازل ہوا اور آخرت پر وہ یقین رکھتے ہیں ۔

۳۔ اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيْمَ صِرَاطَ الَّذِيْنَ اَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ کا ترجمہ کرتے ہوئے مرزا جی فرماتے ہیں" اے میرے خداوند رحمٰن ورحیم ہمیں ایسی ہدایت بخش کہ آدم صفی اللہ کے مثیل ہو جائیں شیث نبی اللہ کے مثیل بن جائیں حضرت نوح آدم ثانی کے مثیل ہو جائیں الخ ازالۂ اوہام جلد ۱ ص ۲۵۶۔ اور جلد ۲ ص ۵۲۹ میں رقمطراز ہیں" اس دُعا کا ماحصل کیا ہے یہی تو ہے کہ ہمیں اے ہمارے خدا نبیوں اور رسولوں کا مثیل بنا۔

۴۔ یاعیسیٰ انّی متوفیك ورافعك یا بل رفعه الله الیه میں مرزا کہتے ہیں رفع سے مراد ان کی روح ہے نہ کہ جسد اور یہ ہر مؤمن کیلئے ضروری ہے۔ ضروری کو چھوڑ کر غیر ضروری کا خیال دل میں لانا سراسر جہل ہے۔ ازالۂ اوہام جلد ۱ ص ۲۶۶۔ دوسری جگہ مزید اس آیت کی تشریح کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ قرآن میں تیس۳۰ کے قریب ایسی شہادتیں ہیں جو مسیح ابن مریم کے فوت ہونے پر دلالت بین کر رہی ہیں غرض یہ بات کہ مسیح جسم خاکی کے ساتھ آسمان پر چڑھ گیا۔ اور اسی جسم کے ساتھ اترے گا۔ نہایت لغو اور بے اصل بات ہے۔
ازالۂ اوّل ص ۳۰۲، ص ۳۰۳)

۵۔ اِنّا انزلناہ فی لیلۃ القدر۔ فرماتے ہیں کہ اس کے صرف یہی معنی نہیں کہ ایک بابرکت رات ہے جس میں قرآن شریف اترا بلکہ باوجود ان معنوں کے اس آیت کے بطن میں دوسرے معنی بھی ہیں جو رسالہ فتح الاسلام میں درج کئے گئے ہیں۔ (ازالۂ اوہام ص ۳۱۲ ،۳۱۳)

۶۔ یضل به کثیرًا ویهدی به کثیرا۔ فرماتے ہیں کہ اکثر پیش گوئیاں اس آیت کا مصداق ہوتی ہیں۔ اسی وجہ سے ہمیشہ ظاہر پرست لوگ امتحان میں پڑ کر پیش گوئی کے ظہور کے وقت دھوکہ کھا جاتے ہیں اور زیادہ تر انکار کرتے ہوئے

اور حقیقت مقصودہ سے بے نصیب رہنے والے وہی لوگ ہوتے ہیں جو یہ چاہتے ہیں کہ حرف حرف پیش گوئی کا ظاہری طور پر جیسا کہ سمجھا گیا پورا ہو جائے حالانکہ ایسا ہرگز نہیں ہوتا۔ (ازالۂ اوہام جلد اوّل ص۶۱۲)

۷۔ قل یٰعبادی الذین اسرفوا علیٰ انفسھم الآیہ۔ یعنی ان لوگوں کو کہہ کہ اے میرے بندو خدا کی رحمت سے ناامید مت ہو۔ خدا تمام گناہ بخش دے گا۔ بعد ترجمہ مطلب کی وضاحت کرتے ہوئے لکھا کہ اب دیکھو! یٰعبادِ اللہ کی جگہ یاعبادی کہہ دیا گیا۔ حالانکہ لوگ خدا کے بندے ہیں نہ آنحضرتؐ کے مگر یہ استعارہ کے رنگ میں بولا گیا ہے۔ اس میں تمام مخلوق کو رسول اللہ کا بندہ قرار دیا گیا ہے۔ حقیقۃ الوحی ص۶۴۔

تحریف منصبی کی چند جھلکیاں

۱۔ ومریم ابنۃ عمران التی احصنت فرجھا فنفخنا فیہ من روحنا پ۲۸، سورۃ تحریم — ترجمہ اور دوسری مثال اس امت کے افراد کی مریم عمران کی بیٹی ہے جس نے اپنی عصمت کو محفوظ رکھا۔ تب ہم نے اس کے پیٹ میں اپنی قدرت سے روح پھونک دی یعنی عیسیٰؑ کی رُوح۔ اب خوب غور کر کے دیکھ لو اور دنیا میں تلاش کر لو کہ قرآن شریف کی اس آیت کا بجز میرے کوئی دنیا میں مصداق نہیں۔ پس یہ پیش گوئی سورۃ تحریم میں خاص میرے لئے ہے۔

(حقیقۃ الوحی ص۳۳۸)

۲۔ انا اعطینٰک الکوثر — اس کا ترجمہ بھی غلط کیا ہے "ہم نے کثرت سے تجھے دیا"

۳۔ یٰسٓ انک لمن المرسلین ۲۔ حقیقۃ الوحی ص۱۰۷۔

۴ وما ارسلناك الا رحمة للعٰلمين - ۵ قل ان کنتم تحبون اللّٰہ الآیہ حقیقۃ الوحی ص۸۲

۶ قل انما انا بشر مثلکم یوحیٰ الیّ - (حقیقۃ الوحی ص۲۸۱

۷ انا فتحنا لك فتحًا مبينًا - ضمیمہ حقیقۃ الوحی الاستفتاء ص۸۴ - اراد اللّٰہ

ان یبعثك مقامًا محمودًا ، ایضًا ص۸۶

مندرجہ بالا چھ آیتیں مرزا نے اپنے اوپر منطبق ثابت کی ہیں اور جہاں حقیقۃ الوحی میں الہامات درج کئے ہیں وہیں ان کو بھی درج کیا ہے۔ ایسی نہ معلوم کتنی تحریفات ہیں جن کو مرزا نے بڑی دلیری کے ساتھ انجام دیا ہے۔ اور اسی پر بس نہیں کی بلکہ کلمہ اور درود پاک میں بھی دست درازی کی ہے۔

تحریفِ کلمہ اور دُرود شریف

اصل کلمہ جس کو مسلمان پڑھتے ہیں اور جس پر ایمان ہے وہ یہ ہے لا الٰہ الا اللّٰہ محمد رسول اللّٰہ اللہ کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں اور حضرت محمدؐ اللہ کے رسول ہیں۔ مگر اس کلمہ کی بھی اس نے تحریف کر ڈالی اور "محمد" کی جگہ "احمد" رکھ دیا جس کا ترجمہ یہ ہوتا ہے کہ اللہ کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں اور احمد (مرزا غلام احمد) اللہ کے رسول ہیں (بحوالہ قادیانی نمبر)

اسی طرح درود پاک میں بھی اس تحریف کا ارتکاب کیا ہے۔ اصل درود جو اہل سنت و الجماعت کے عقیدہ کی رو سے درست ہے وہ یہ ہے۔ اللّٰھم صل علی محمد و علیٰ اٰل محمد کما صلیت علیٰ ابراھیم و علیٰ اٰل ابراھیم انك حمید۔ اللّٰھم بارك الخ اس میں اس نے یہ کیا کہ جہاں لفظ "محمد" آیا ہے وہاں اس کے آگے لفظ "احمد" کا بھی اضافہ کر دیا ہے (بحوالہ قادیانی نمبر پاکستان)

یہ ہیں مرزائیوں کے ناقابلِ معافی جرائم جن سے امت مسلمہ کو ایک زبردست مقابلہ کا سامنا ہے اس کشمکش میں ایک طرف تو ایمان کو تنزل ہونے سے محفوظ رکھنا ہے دوسری طرف عظمتِ رسول کو برقرار رکھتے ہوئے خدا کی وحدانیت کے ساتھ قرآن جیسی بیش بہا اور آخری کتاب کی دل و جان سے حفاظت کرنی ہے۔ (انشاء اللہ تم)

قادیانیت

مولانا نظام الدین اسیر ادروی

۱۸۳۵ء میں ایک منحوس ساعت آئی جب پنجاب کے ضلع گورداسپور میں ایک شخص پیدا ہوا اور اس نے انگریزی حکومت کے زیر سایہ اور اس کی تلواروں کی حفاظت میں اپنے نبی ہونے کا دعویٰ کیا، چونکہ یہ حکومت کا خود کاشت پودا تھا اور انگریزوں کا نیّر اقبال عروج پر تھا۔ اس لئے ہندوستان کی آب وہوا اس کے پنپنے اور بڑھنے کے لئے سازگار ثابت ہوئی۔ اس خود ساختہ نبی کا نام مرزا غلام احمد قادیانی تھا۔ جو پنجاب کے ایک مقام قادیان میں ۱۸۳۵ء میں پیدا ہوا اور ۱۸۷۵ء کے آس پاس نبوت کا دعویٰ کیا۔ مرزا غلام احمد قادیانی کے باپ کا نام غلام مرتضیٰ اور اس کے بڑے بھائی کا نام مرزا غلام قادر تھا جو انگریزی حکومت کی طرف سے ضلع گورداسپور کا سپرنٹنڈنٹ تھا۔ اس خاندان کے بعض دوسرے افراد بھی انگریزی حکومت کے ملازم تھے، مرزا غلام احمد نے پہلے مسیح اور مہدی موعود ہونے کا دعویٰ کیا تھا چنانچہ مرکز قادیان سے مرزا غلام احمد کی جو سوانح حیات شائع ہوئی ہے سوانح نگار نے اس میں اس کے دعویٰ مسیحیت کے سلسلہ میں لکھا ہے۔

"جب آپ کی عمر چالیس سال کی ہوئی تو آپ کو الہام ہوا کہ تم ہی وہ مسیح اور مہدی ہو جن کے آنے کا مسیحیوں اور مسلمانوں سے وعدہ تھا جب یہ الہام

آپ کو ہوا تو آپ نے ایک مدت تک اس کو ظاہر پر محمول کیا۔ لیکن بار بار الہام ہونے کے بعد آپ نے اپنے مسیح و مہدی ہونیکا اعلان کیا[1]

چالیس سال کی عمر میں آپ کا پہلا دعویٰ امسیح موعود ہونے کا تھا اور اسی کی تبلیغ واشاعت کرتا رہا۔ جب اس کے حلقہ بگوشوں کی تعداد پانچ، چھ سو سے زائد ہو گئی تو اس نے ایک اور چھلانگ لگائی اور زناج نبوت زیب سر کر کے منصب رسالت کی کرسی زریں پر متمکن ہو گیا۔ دعویٰ مسیحیت کے کئی سال بعد اس نے ایک کتاب لکھی اس میں اس نے غیر مبہم لفظوں میں لکھا۔

"خدا وہ خدا ہے کہ جس نے اپنے رسول کو یعنی اس عاجز کو ہدایت اور دین حق اور تہذیب واخلاق کے ساتھ بھیجا[2]

اب اس نے صراحتاً اپنے نبی و رسول ہونے کا دعویٰ کر دیا، اس سلسلہ میں اس کی سوانحعمری کے مرتب نے مزید تفصیلات مہیا کی ہیں۔ وہ لکھتا ہے۔

"حضور کا وہ مکتوب جو آخری مکتوب کہلاتا ہے اور جو ۲۶ رمئی ۱۹۰۸ء کے اخبار عالم لاہور میں شائع ہوا ہے، جس کی عبارت یہ ہے، جس بنا پر میں اپنے تئیں نبی کہلاتا ہوں وہ صرف اس قدر ہے کہ میں خدا تعالیٰ کی ہمکلامی سے مشرف ہوں، وہ میرے ساتھ بکثرت بولتا اور کلام کرتا ہے اور میری باتوں کا جواب دیتا ہے اور بہت سی غیب کی باتیں میرے پر ظاہر کرتا ہے اور آئندہ زمانوں کے وہ راز میرے اوپر کھولتا ہے۔ جبتک کہ انسان کو اس کے ساتھ خصوصیت کا قرب نہ ہو۔

---

[1] سیرت وسوانح مرزا غلام احمد، شائع کردہ مرکز قادیان ص ۹ -

[2] اربعین مصنفہ مرزا غلام احمد قادیانی ص ۳۴

دوسرے پر دہ اسرار نہیں کھولتا اور انھیں امور کی کثرت کی وجہ سے اس نے میرا نام نبی رکھا ہے۔ سو میں خدا کے حکم کے مطابق نبی ہوں" [1]

مرزا غلام احمد جب نبی بن گیا۔ تو اس کے پاس وحی بھی آنی چاہئے وہ شیطان ہی کی طرف سے کیوں نہ ہو، اس لئے اس پر وحی آئی اور مسلسل آتی رہی۔ اس پر جب وحی آتی تھی تو اس کی کیا کیفیت ہوتی تھی؟ اس کی منظر کشی اسی کے الفاظ میں سنئے،

وحی آسمان سے دل پر ایسی گرتی ہے جیسے کہ آفتاب کی شعاع، میں روز دیکھتا ہوں جب مکالمہ و مخاطبہ کا وقت آتا ہے تو اوّل دل پر ایک ربودگی طاری ہو جاتی ہے۔ تب میں ایک تبدیل یافتہ کے مانند ہو جاتا ہوں اور میری حس اور میرا ادراک اور میرے ہوش گو بگفتن باقی ہوتے ہیں۔ مگر اس وقت میں یوں پاتا ہوں کہ گویا ایک وجود شدید الطاقۃ نے میرے تمام وجود کو اپنی ہستی میں لے لیا ہے اور میں اس وقت محسوس کرتا ہوں کہ میری ہستی کی تمام رگیں اس کے ہاتھ میں ہیں اور جو کچھ میرا ہے اب وہ میرا نہیں ہے بلکہ اس کا ہے، جب یہ حالت ہو جاتی ہے تو سب سے پہلے خدا تعالیٰ دل کے ان خیالات کو میری نظر کے سامنے پیش کرتا ہے جن پر اپنے کلام کی شعاع ڈالنا اس کو منظور ہوتا ہے اور ایسا ہوتا ہے کہ جب ایک خیال دل کے سامنے آیا تو جھٹ اس پر ایک ٹکڑا کلام الٰہی کا شعاع کی طرح گرتا ہے اور بسا اوقات اس کے گرنے کے ساتھ ہی تمام بدن ہل جاتا ہے [2]

مرزا صاحب مہدی سے نبی تک ترقی کر گئے اور الہام سے وحی تک پہونچ گئے اور

---

[1] عقائد احمدیت شائع کردہ انجمن احمدیہ قادیان ص ۹۷، ۹۸۔

[2] عقائد احمدیت شائع کردہ انجمن احمدیہ قادیان ص ۱۱۴، ۱۱۵،

اوران کے حلقہ بگوشوں کی تعداد میں اضافہ ہونے لگا تو انھوں نے اور بھی ہاتھ پاؤں نکالے، اب تک اپنے کو مسلمان بھی کہتے تھے اور مسلمانوں کے سواد اعظم کے عقائد پر قائم رہنے کا بھی اعلان کرتے رہتے تھے لیکن جب نبی بن کر اپنی شریعت خاص کا اجرا کیا تو اپنے متبعین کے سوا سارے مسلمانوں کے خارج از ایمان ہونے کا اعلان کردیا اور کہا کہ

"جو لوگ میری تکذیب کریں گے اُن کو اَلْحَمْدُ سے وَالنَّاس تک پورا قرآن چھوڑنا پڑے گا، پھر سوچو کیا میری تکذیب کوئی آسان امر ہے؟ یہ میں از خود نہیں کہتا، خدا تعالیٰ کی قسم کھا کر کہتا ہوں کہ حق یہی ہے کہ جو مجھ کو چھوڑے گا اور میری تکذیب کرے گا۔ گو زبان سے نہ سہی مگر اپنے عمل سے اس نے پورے قرآن کی تکذیب کردی اور خدا کو چھوڑ دیا۔ اس کی طرف میرے ایک الہام میں بھی اشارہ ہے۔ انتَ مِنّی وَاَنا مِنْکَ بیشک میری تکذیب سے خدا کی تکذیب لازم آتی ہے، پھر میری تکذیب میری تکذیب نہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تکذیب ہے [1]

مذکورہ بالا تفصیل سے یہ بات واضح ہوجاتی ہے کہ مرزا غلام احمد قادیانی مسیلمہ کذاب کی طرح ایک مدعیٔ نبوت ہے اس طرح حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم کے خاتم الانبیاء ہونے سے اس کو انکار ہے اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر ناروا اور نازیبا الزامات لگائے ہیں۔ اس لئے قادیانیت ایک فرقہ نہیں۔ شدید ترین اسلام دشمن ایک مستقل مذہب ہے، اس کی بنیاد ہی اسلام دشمنی پر پڑی ہے۔ اس کی براہ راست زد اسلام پر پڑتی ہے، کیونکہ وہ قرآن و حدیث پر اپنے عقیدہ کا اظہار کرتا ہے۔ اور تمام مذہبی اصطلاحات کو اپنے فرقہ میں استعمال کرتا ہے جو خالص اسلامی

---

[1] عقائد احمدیت ص ۱۲۳ - ۱۲۴

اصطلاحیں ہیں، اس لئے غیر مسلم اقوام کو تو اپنے مذہب میں لانے میں ناکام ہے البتہ مسلمانوں کو مرتد بنانا اس کا اصل مشن ہے، وہ مسلمان گھرانے میں پیدا ہوا، اسلامی نام پایا، اس لئے اس کے دعوئ نبوت کا عذاب مسلمانوں کو بھگتنا پڑرہا ہے، چونکہ مرزا غلام احمد نے پہلے ہی مرحلہ پر نبوت کا دعویٰ نہیں کیا تھا اسلئے مسلمان حلقوں میں اس کی بات سُنی جاتی تھی، پنجاب ہمیشہ سے جاہل اور جعلی پیروں کی جولانگاہ رہا ہے۔ اس لئے بتدریج اس کی پھیلائی ہوئی ضلالت وگمراہی کا دائرہ وسیع ہوتا چلا گیا۔ جب اس کے گردوپیش کچھ افراد جمع ہو گئے تو وہ اپنے اصلی رنگ میں ظاہر ہوا اور پر پُرزے نکالے اور اپنے عقائد کا اعلان کیا تب لوگوں کی آنکھیں کھلیں تب تک رِستا ہوا پانی سیلاب بن چکا تھا اور جب ۱۹۰۸ء میں اسکا انتقال ہوتا ہے تو اس وقت تک قادیانیت ایک طاقتور مذہب کی شکل اختیار کر چکی تھی۔

آج یہ فرقہ دنیا کا مالدار ترین فرقہ ہے، اس کے دو مرکزی دفاتر ہیں۔ ایک ہندوستان کے شہر قادیان میں ہے، یہیں سے اس کے اشاعتی لٹریچر تیار کرکے پورے ملک میں مفت تقسیم کئے جاتے ہیں اور ایک ہفتہ وار اخبار "بدر" کے نام سے نکلتا ہے۔ اس مرکز کے ماتحت کئی درجن باتنخواہ مشنری پورے ملک میں اپنے مذہب کی تبلیغ واشاعت میں شب و روز مصروف رہتے ہیں۔ ان کا دوسرا مرکزی دفتر پاکستان میں چینیوٹ کے قریب اپنے آباد کردہ شہر "ربوہ" میں ہے، اس دفتر سے عالمی پیمانے پر قادیانیت کی نشرواشاعت کے پروگرام بنائے جاتے ہیں۔ یہیں کی تربیت گاہ سے نکلے ہوئے قادیانی دنیا کے مختلف ملکوں میں جاکر اپنے مذہب کی تبلیغ کا فرض انجام دیتے ہیں وہاں ان کے بہت سے مدارس اور کالج ہیں۔ ان میں سب سے اہم احمدیہ مشنری کالج

ہے۔ جس میں قادیانیت کے مشنری تیار کئے جاتے ہیں، قادیان اور ربوہ دونوں مرکزی دفاتر کا سالانہ بجٹ گیارہ کروڑ روپئے سے زیادہ ہے [۱]

یہی دونوں مرکز اپنے عالمی مشنریوں کو منظم کرتے ہیں، ہدایات دیتے ہیں، ان کے دفاتر کا بجٹ پورا کرتے ہیں، ایک سو سے زائد مرکزی مشنری ہیں اور ۱۶۴ لوکل مشنری کام کرتے ہیں اس طرح ۲۶۴ پرجوش، بااختیار، مالیات کی فراہمی سے بے نیاز داعی اور مشنری عالمی پیمانے پر تبلیغ قادیانیت کے نظام کو پوری قوت سے چلا رہے ہیں، یہ طریقہ انھوں نے عیسائی مشنریوں سے لیا ہے اور ٹھیک اسی نہج پر وہ کام کرتے ہیں، ان کے نظام تبلیغ و اشاعت مذہب کی وسعت اور پھیلاؤ کا اندازہ مندرجہ ذیل تفصیل سے کیا جا سکتا ہے امریکہ کی چار ریاستوں میں ۹ مشن کام کرتے ہیں ان کی ۴ مسجدیں ہیں اور تین مدرسے، پانچ اخبارات و رسائل شائع ہوتے ہیں۔ یورپ کے ملکوں میں کنیڈا، انگلینڈ ہالینڈ، سوئزرلینڈ، جرمنی، ڈنمارک، سویڈن، ناروے، بلجیم، اسپین اور اٹلی میں ان کے ۴۲ مشن ۱۳۰ مسجدیں ۲ مدرسے ہیں اور ۹ رسالے اور اخبارات جاری ہیں، مشرقِ وسطیٰ میں فلسطین، شام، لبنان، عدن، مصر، کویت، بحرین مسقط، دبئی اور اُردن میں ۱۰ مشن چار مسجدیں اور ایک مدرسہ ہے اور ایک رسالۃ البشریٰ عربی زبان میں شائع ہوتا ہے، مشرقی افریقہ میں کینیا، تنزانیہ یوگنڈا، زامبیا میں ۶۲ مشن ۹۹ مسجدیں ۵ مدرسے ہیں اور ۵ اخبارات و رسائل شائع ہوتے ہیں، سب سے زیادہ کامیابی ان کو مغربی افریقہ میں ملی ہے وہاں نائیجیریا، گھانا، سیرالیون، گیمبیا، آئیوری کوسٹ، لائبیریا، ٹوگولینڈ، نائیجر، بینن اور صومالیہ میں ۲۳۷ مشن ۴۶۹ مسجدیں ۱۵۴ مدارس اور ۲۵ ہسپتال ہیں اور ۴ اخبارات و رسائل شائع کئے جاتے ہیں، ممالک بحر ہند میں

---

[۱] سیرت و سوانح مرزا غلام احمد قادیانی ص ۶۰۔ شائع کردہ مرکزِ قادیان

ماریشیش، لنکا، برما میں ۷ مشن ۱۳ مسجدیں اور ایک مدرسہ ہے۔ ۳ اخبارات ورسائل جاری ہیں، مشرق بعید میں انڈونیشیا، ملیشیا، فجی آئی لینڈ، جاپان، فلپائن، جنوبی افریقہ میں کیپ ٹاؤن میں ۳، ۷ مشن ۱۲۷ مسجدیں اور ۵ مدرسے ہیں، ۱۶ اخبارات ورسائل ہیں، مشرق بعید میں سب سے زیادہ کامیابی ان کو انڈونیشیا میں حاصل ہوئی جو ایک مسلم ملک کہا جاتا ہے۔ صرف انڈونیشیا میں ۳۰ مشن مصروف کار ہیں اور ۱۱۵ مسجدیں اس کے مختلف شہروں میں موجود ہیں۔

مذکورہ بالا تفصیل سے آپ اندازہ کرسکتے ہیں کہ قادیانیت کی تبلیغ میں کتنی منظم اور کتنی بڑی فوج لگی ہوئی ہے اور یہ ساری فوج صرف امت محمدیہ پر حملہ آور ہے اور اس کی مدافعت میں کوئی منظم جماعت ہماری نگاہوں میں نہیں ہے۔

ان کی سب سے کاری ضرب اسلام پر اُن کے ترجمۂ قرآن سے پڑتی ہے۔ وہ اپنی تائید میں مسلمانوں کی کتاب قرآن کو استعمال کرتے ہیں، اس کا دنیا کی تمام اہم ترین زبانوں میں ترجمہ کرتے ہیں اور ہزاروں نہیں لاکھوں کی تعداد میں شائع کرتے ہیں۔ تمام مترجمین قادیانی ہیں، انھوں نے ترجمہ میں کیا کیا بددیانتیاں کی ہوں گی۔ اس کا تصور نہیں کیا جاسکتا، ان تراجم کو اتنے بڑے پیمانے پر تمام ممالک میں پھیلا چکے ہیں۔ جن کا آپ اندازہ نہیں لگا سکتے۔

قرآن کے انگریزی ترجمہ کے متعدد ایڈیشن کئی لاکھ کی تعداد میں وہ شائع کرچکے ہیں۔ انگریزی زبان میں پانچ جلدوں میں ایک تفسیر بھی شائع کی ہے جو ۳۰۰۰ صفحات پر مشتمل ہے، اس تفسیر کا خلاصہ بھی انگریزی میں شائع کردیا گیا ہے جو ۱۵۰۰ صفحات پر مشتمل ہے، ہالینڈ کی ڈچ زبان میں قرآن کے ترجمے کے تین ایڈیشن اب تک وہ شائع کرچکے ہیں، جرمنی ترجمے کے تین ایڈیشن مشرقی افریقہ میں کینیا کی سواحیلی زبان میں ترجمہ قرآن کے بھی تین ایڈیشن یعنی تین ہزار

نسخے شائع ہو چکے ہیں ۔ نائیجریا کی زبان یوروبا میں قرآن کا ترجمہ کیا گیا، اس کے بھی تین ایڈیشن نکل چکے ہیں، ڈنمارک کی زبان ڈینش میں ترجمہ کر کے اس کو دس ہزار کی تعداد میں طبع کر کے تقسیم کیا گیا، یوگنڈا کی زبان یوگنڈی، یورپ کی جدید زبان اسپرنٹو میں انڈونیشیا کی انڈونیشین میں، فرانس کی زبان فرنچ میں، روسی، اٹالین، سپینش، پرتگالی اور بنگلہ زبان میں قرآن کے ترجمے کرائے گئے ہیں۔ مشرقی افریقہ کی بعض دوسری زبانوں کیکویو، لوگو، کیکامیہ میں بھی قرآن کا ترجمہ کیا جا چکا ہے، آسامی، پنجابی اور سندی زبانوں میں ترجمے ہو چکے ہیں۔ جن میں سے بعض شائع ہو چکے ہیں۔ بعض طباعت کے مرحلے میں ہیں، عنقریب وہ بھی شائع ہو جائیں گے۔ مغربی افریقہ کی مقامی زبانوں میں مثلاً سیرالیون کی زبان بینڈی، گھانا کی زبان فنٹے، توائی، نائیجریا کی ایک زبان ہاؤسا اور فجی کی زبان فیجین میں ترجمہ کا کام جاری ہے۔ مستقبل قریب میں وہ بھی شائع ہو جائیں گے۔ چینی زبان میں بھی ترجمہ کی تیاریاں ہیں۔

ان حالات کے پیشِ نظر آپ اندازہ کر سکتے ہیں کہ قادیانیت کی جڑیں کتنی گہرائی تک پہونچی ہوئی ہیں۔ اس کی بنیادی وجہ یہی ہے کہ اس کی مدافعت میں جتنی توانائیاں ہمیں لگانی چاہئے تھیں۔ ہم نے نہیں لگائیں، ہم چند دلچسپ مباحثوں مناظروں اور اشتہار بازیوں میں مصروف رہے اور اُسے ایک حقیر اور مختصر سی جماعت سمجھ کر اس کی طرف سے بے نیازی برتتے رہے اور وہ خاموشی سے مسلمانوں کے ایمانوں پر ڈاکے ڈالتے رہے اور ہم خاموش تماشائی بنے رہے، قادیانیت کی جنم بھومی ہندوستان کی سرزمین ہے، یہیں کے علماء کا سب سے پہلے فریضہ تھا کہ اس نئے مذہب کی تباہ کاریوں اور ہلاکت آفرینیوں سے تمام عالم اسلام کو باخبر کرتے اور ابتدا ہی سے اس کے خلاف ایک متفقہ اجتماعی پالیسی اختیار کر کے اپنے

فیصلہ سے اسلامی دنیا کو باخبر رکھتے تو شاید اتنے بڑے پیمانے پر یہ تباہی نہ پھیلتی، یہ ہماری کوتاہی تھی، اسلام نے ہمارے اوپر اپنی حفاظت کی جو ذمہ داری عائد کی تھی اس کو کما حقہٗ ہم نے پورا نہیں کیا اور ہزاروں، لاکھوں مسلمانوں کے ایمان کی پونجی ہماری غفلت سے لٹ گئی خدا ہماری کوتاہیوں اور لغزشوں کو معاف فرمائے،

تلافی مافات کے لئے ضروری ہے کہ آج ہم ایک غیر متزلزل لائحہ عمل لے کر اٹھیں اور قادیانیت کے بارے میں غیر مبہم الفاظ میں اپنی رائے دنیائے اسلام کے سامنے پیش کر دیں، اس سلسلہ میں میری تجویز ہے کہ

۱۔ واضح اور غیر مبہم لفظوں میں یہ اعلان کر دیا جائے کہ قادیانیت مسلمانوں کا کوئی فرقہ نہیں بلکہ یہ اسلام دشمن ایک مستقل مذہب ہے، جس کا اسلام سے قطعاً کوئی تعلق نہیں،

۲۔ ان کی پوجا پاٹ کی جگہ کو مسجد نہ کہا جائے اور حتی الامکان اس نام کے استعمال سے ان کو روکا جائے

۳۔ قادیانیوں کا حدود حرم مکہ و مدینہ میں داخلہ ممنوع ہو۔ ان کے ساتھ غیر مسلموں کا سلوک کیا جائے

۴۔ مسلمانوں کے کسی مذہبی اجتماع میں ان کو شرکت کی اجازت نہ دی جائے اور نہ ان کو مدعو کیا جائے۔

۵۔ پورے ملک میں جہاں بھی قادیانی بستے ہوں وہاں کے مسلمانوں کو ان سے ہر طرح کے روابط روکا جائے۔

۶۔ تمام اسلامی ممالک سے اپیل کی جائے کہ مردم شماری میں قادیانیوں کو مسلمانوں کی فہرست میں شمار نہ کیا جائے

۷۔ حکومتِ ہند سے اپیل کی جائے کہ وہ قادیانیوں پر مسلم پرسنل لار کا اطلاق نہ کرے، ان کے مقدمات نکاح و طلاق، وراثت وغیرہ کا فیصلہ عام قوانین ہند کے تحت کیا جائے اور مسلم پرسنل لار کو ان پر نافذ العمل نہ تسلیم کیا جائے۔

۸۔ کانفرنس کے فیصلہ سے تمام عالمِ اسلام کو باخبر کرنے کی ہر امکانی کوشش کی جائے۔ اُردو، عربی اور انگریزی میں طبع کرا کے تمام اہم اور ضروری مقامات، اداروں اور مسلم تنظیموں کو ارسال کیا جائے۔

* * * * *

مسیح اور مہدی، دو شخصیتیں

از جمیل احمد نذیری
جامعہ عربیہ احیاء العلوم مبارکپور اعظم گڈھ

قادیانی عقیدہ کے مطابق "مسیحِ موعود" اور "مہدیٔ معہود" دونوں، دو شخصیتیں نہیں بلکہ دونوں ایک ہی شخصیت کے دو لقب ہیں۔ یہ عقیدہ، مرزا غلام احمد قادیانی کی اُن تحریروں سے وجود میں آیا جو "حقیقۃ المہدی"، حقیقۃ الوحی، نزولُ المسیح، اعجاز احمد، ازالۂ اوہام اور ضرورۃ الامام وغیرہ کی شکل میں موجود ہیں۔ اس کے ساتھ ہی مرزا صاحب کا دعویٰ ہے کہ مسیح موعود اور مہدیٔ معہود، دونوں کے مصداق وہ خود ہیں۔

ایھا الناس اِنّی انا المسیح المحمدی	اے لوگو! میں ہی مسیح محمدی اور میں ہی
واحمد المھدی	احمد مہدی ہوں۔

(خطبات الہامیہ مطبوعہ ۱۹۰۲ء)

"ضرورۃ الامام" میں لکھتے ہیں۔

"اب بالآخر یہ سوال باقی رہا کہ اس زمانہ میں امام الزماں کون ہے جس کی پیروی تمام عام مسلمانوں اور زاہدوں اور خواب بینوں اور مُلہموں کو کرنی خدائے تعالیٰ کی طرف سے فرض قرار دیا گیا ہے، سو میں اس وقت بے دھڑک کہتا ہوں کہ خدائے تعالیٰ کے فضل اور عنایت سے وہ امام الزمان

میں ہوں، اور مجھ میں خدائے تعالیٰ نے وہ تمام علامتیں، شرطیں جمع کی ہیں" (ص۴۲)

چند سطروں کے بعد پھر لکھتے ہیں۔

"پس یہ تمام مختلف رائیں اور مختلف قول ایک فیصلہ کرنے والے حکم کو چاہتے تھے، سو وہ حکم میں ہوں، میں روحانی طور پر کسر صلیب کے لئے اور نیز اختلافات کے دور کرنے کے لئے بھیجا گیا ہوں، انھیں دونوں امروں نے تقاضا کیا کہ میں بھیجا جاؤں۔ (ص۴۳)

مرزا صاحب کے ایک امتی قاضی محمد نذیر لکھتے ہیں۔

"پس یہ ایک حقیقت ہے کہ حضرت بانی سلسلۂ احمدیہ کے ذریعہ مسیح موعود اور مہدی معہود کا بنیادی کام ہو چکا ہے" (امام مہدی کا ظہور ص۵۹)

یہی صاحب ان سطور سے پہلے ص۱۶ پر اپنی جماعت کی تحقیق ان الفاظ میں پیش کر چکے ہیں۔

"امام مہدی اور مسیح موعود ایک ہی شخص ہے"۔ (کتاب مذکور ص۱۶)

قادیانی دعوے کا جائزہ

لیکن مرزا غلام احمد قادیانی اور ان کی جماعت کا یہ دعویٰ صحیح نہیں، احادیث کریمہ میں مسیح موعود (حضرت عیسیٰ علیہ السلام) اور امام مہدی کے بارے میں جو تفصیلات موجود ہیں۔ ان سے پتہ چلتا ہے کہ دونوں دو شخصیتیں ہیں، سب سے پہلے وہ احادیث ملاحظہ کیجئے جن میں مسیح موعود کے نزول کا تذکرہ ہے۔

عن ابی هریرة، قال قال رسول الله صلى الله عليه وسلم والذي نفسي بيده ليوشكن أن ينزل فيكم ابن مريم

حضرت ابو ہریرہؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔ اس ذات کی قسم جس کے قبضہ میں میری جان ہے۔

حَكَمًا عَدْلًا فیکسر الصلیب ویقتل الخنزیر ویضع الجزیة ویفیض المالُ حتی لا یقبله احدٌ حتّٰی تکون السجدة الواحدة خیرًا من الدنیا وما فیها ثم یقول ابو هریرةؓ فاقرأوا إِنْ شِئْتُمْ وَإِنْ مِّنْ أَهْلِ الْكِتَابِ إِلَّا لَيُؤْمِنَنَّ بِهِ قَبْلَ مَوْتِهِ

(بخاری ج ۱ ص۴۹۰، مسلم ج ۱ ص۸۷)

قریب ہے کہ تم میں ابن مریمؑ نازل ہوں، حاکم عادل کی حیثیت سے، پس وہ صلیب کو توڑ دیں گے۔ خنزیر کو قتل کریں گے جزیہ کو ختم کر دیں گے، مال دریا کی طرح بہے گا۔ لیکن اُسے کوئی لینے والا نہ ہوگا یہاں تک کہ سجدۂ واحد دنیا و مافیہا سے بہتر ہوگا۔ پھر حضرت ابوہریرہؓ نے فرمایا اگر تم چاہو تو یہ آیت پڑھو (کیونکہ اس میں اسی زمانہ کی طرف اشارہ ہے) وَإِنْ مِّنْ أَهْلِ الْكِتَابِ الخ بیشک اہل کتاب ضرور بالضرور ایمان لائیں گے حضرت عیسیٰؑ علیہ السلام پر ان کی وفات سے پہلے

دوسری روایت میں ہے

وَاللّٰہِ لَیَنْزِلَنَّ ابن مریم حکمًا عادلًا

(مسلم جلد ۱ ص۸۷)

خدا کی قسم! ابن مریم ضرور بالضرور نازل ہوں گے حاکم عادل بن کر۔

ابن عباسؓ کی روایت میں ہے۔

ینزلُ اخی عیسی بنُ مریم من السماء (کنز العمال ج ۷ ص۲۶۸ و ص۲۵۹)

میرے بھائی عیسیٰ ابن مریمؑ آسمان سے اتریں گے۔

نواس بن سمعانؓ سے مروی ہے۔

فیبعثُ اللّٰہُ المسیحَ بن مریم فینزل عند المنارة البیضاء الشرقی دمشق

پس اللہ تعالیٰ مسیح ابن مریمؑ کو بھیجے گا پس وہ دمشق کے مشرقی سفید منارہ کے پاس

بین مَھْرُوْذَتَیْنِ واضعًا یدیہ علیٰ اَجْنِحَۃِ ملکین۔ دو چادریں اوڑھے ہوئے، دو فرشتوں کے بازوؤں پر اپنے دونوں ہاتھ رکھے ہوئے اتریں گے۔

(مسلم ج۲ ص۴۰۱، ترمذی ج۲ ص۴۷

ابوداؤد ج۲ ص۲۴۵، ابن ماجہ ص۳۰۶)

٭ ٭ ٭ ٭ ٭ ٭ ٭ ٭ ٭

مراسیلِ حسن بصریؒ میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہود سے فرمایا تھا

اِنَّ عیسیٰ لم یمت وانہ راجع الیکم قبل یوم القیامۃ، حضرت عیسیٰؑ کی وفات نہیں ہوئی، وہ تمہاری جانب قیامت سے پہلے اتریں گے۔

(تفسیر ابن کثیر ج۲ ص۲۳۰)

نجران کے عیسائی وفد سے حضورؐ نے فرمایا تھا۔

الستم تعلمون ان ربنا حی لا یموت و ان عیسیٰ یاتی علیہ الفناء (تفسیر کبیر ج۲ ص۳۸۸، دُرِّ منثور ج۲ ص۲۰۳) کیا تم جانتے نہیں کہ ہمارا پروردگار زندہ ہے مرے گا نہیں، اور حضرت عیسیٰؑ پر فنا آئیگی

ان احادیث سے صاف ظاہر ہے کہ مسیح موعود، حضرت عیسیٰ ابن مریم علیہ السلام ہیں اللہ تعالیٰ نے انھیں زندہ آسمان پر اٹھا لیا تھا، قیامت کے قریب انھیں دوبارہ دنیا میں بھیجا جائے گا۔ وہ آسمان سے دو فرشتوں کے سہارے دمشق کے مشرقی سفید منارہ کے پاس اتریں گے۔

ان احادیث، یا جتنی بھی حدیثیں نزولِ مسیح سے متعلق ہیں، کسی میں مثیلِ مسیح کا ذکر نہیں ہے، بلکہ صاف صاف بغیر کسی ابہام و استعارہ کے مسیح ابن مریم، عیسیٰ ابن مریم یا صرف ابن مریم کے الفاظ مذکور ہیں، دوسری قابل غور بات یہ ہے کہ تمام حدیثوں میں "نزول" یعنی اترنے کا تذکرہ ہے۔ جس سے صاف پتہ چلتا ہے کہ حضرت عیسیٰؑ کہیں سے اتریں گے، بعض میں تو آسمان کی بھی صراحت ہے۔ اور ظاہر بات ہے

کہ جب آسمان پر اٹھائے گئے ہیں تو نزول بھی وہیں سے ہوگا۔

نزول کا وقت کیا ہوگا؟ اس کے متعلق یہ احادیث ملاحظہ کیجئے۔

وامامهم رجل صالح فبينما امامهم قد تقدم يصلي بهم الصبح اذ انزل عليهم عيسىٰ بن مريم الصبح فرجع ذالك الامام يَنْكُصُ يمشي القهقهرى لِيُقَدِّمَ عيسىٰ يصلّي فيضع عيسىٰ يدهٗ بين كتفيه۔ ثم يقول لهٗ تقدّم فصلّ فانّها لك اقيمت فيصلّي بهم امامهم۔

ابن ماجه ص۳۰۸

ان کا امام ایک صالح مرد ہوگا۔ پس جس درمیان کہ وہ امام انھیں نماز فجر پڑھانے کے لئے بڑھے گا، اچانک حضرت عیسیٰ ابن مریمؑ اتر آئیں گے۔ پس وہ امام پیچھے ہٹے گا تاکہ حضرت عیسیٰؑ کو آگے بڑھائے کہ وہ نماز پڑھائیں۔ حضرت عیسیٰ اپنا ہاتھ اس کے کندھے پر رکھیں گے اور کہیں گے، آگے بڑھئے اور نماز پڑھائیے، کیونکہ آپ ہی کے لئے اقامت کہی گئی ہے۔ چنانچہ ان کا امام انھیں نماز پڑھائے گا۔

٭ ٭ ٭ ٭ ٭ ٭

دوسری حدیث میں ہے

فينزل عيسىٰ بن مريم فيقول اميرهم تعالَ صلّ لنا فيقول لا انّ بعضكم علىٰ بعض امراء تكرمة الله تعالىٰ لهذه الامّة۔

(مسلم ج ۱ ص۸۷)

پس حضرت عیسیٰ ابن مریم اتریں گے تو ان کا امیر کہے گا، آئیے! ہمیں نماز پڑھائیے۔ وہ کہیں گے نہیں، تم میں کا بعض، بعض پر امیر ہے اس بزرگی کی وجہ سے جو اللہ تعالیٰ نے اس امت کو عطا کی ہیں۔

ایک اور حدیث میں ہے۔

كيف انتم اذا نَزَلَ ابنُ مريم فيكم وامامكم منكم۔ (بخاری ج ۱ ص۴۹۰، مسلم ج ۱ ص۸۷)

تمہارا کیا حال ہوگا؟ جب تم میں ابن مریم اتریں گے اور تمہارا امام، تمہیں میں سے ہوگا۔

حضرت عیسیٰؑ دجّال کو قتل کریں گے۔ حج بھی کریں گے۔ شادی بھی ہوگی، اولاد بھی ہوگی، وفات کے بعد حضورؐ کے پاس دفن ہوں گے۔ (دیکھئے مسلم ج ۱ ص ۸۷ و ج ۲ ص ۴۰۱ مسند احمد ج ۲ ص ۲۹۰، عون المعبود شرح ابی داؤد ج ۴ ص ۲۰۵، مشکوٰۃ ج ۲ ص ۴۸۰ وغیرہ)

امام مہدی کا نام اور خاندان۔

اب امام مہدی کے نام، خاندان اور کام کے متعلق احادیث ملاحظہ کیجئے۔

عن عبد اللہ بن مسعود قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لاتذھب الدنیا حتی یملک العرب من اھل بیتی یواطیٔ اسمہٗ اسمی۔

(ترمذی ج ۲ ص ۴۶)

عبد اللہ بن مسعودؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔ دنیا ختم نہیں ہوسکتی یہاں تک کہ (اس) دنیا کا مالک میرے اہل بیت میں سے ایک عرب نہ ہو جائے جس کا نام میرے ہی نام جیسا ہوگا۔

⁂ ⁂ ⁂ ⁂ ⁂ ⁂ ⁂

یعنی اس کا نام محمد ہوگا، دوسری حدیث سے پتہ چلتا ہے کہ امام مہدی کے باپ کا نام عبد اللہ ہوگا۔

لو یبق من الدنیا الّا یومٌ قال زائدۃ لطوّل اللہُ ذالک الیوم حتی یبعث اللہ فیہ رجلاً منی او من اھل بیتی یُواطیٔ اِسْمُہٗ اسمی واسمُ ابیہ اسم اَبی یملأ الارض قسطاً وعدلاً کما مُلئتْ ظلماً وجوراً۔

(ابوداؤد ج ۲ ص ۲۴۷)

اگر دنیا کا ایک ہی دن رہ جائے تو بھی اللہ تعالیٰ اس کو لمبا کر دے گا یہاں تک کہ اس میں ایک ایسے شخص کو بھیجے گا جو مجھ سے ہوگا۔ یا حضورؐ نے یوں فرمایا کہ میرے اہل بیت میں سے ہوگا۔ اس کا نام میرے نام، اور اس کے باپ کا نام میرے والد کے نام جیسا ہوگا۔ وہ زمین کو عدل وانصاف سے بھر دے گا۔ جبکہ وہ ظلم

⁂ ⁂ ⁂ ⁂ ⁂ ⁂ ⁂

جور سے بھر چکی ہوگی۔

٭ ٭ ٭ ٭ ٭

اس حدیث سے یہ بھی پتہ چلا کہ مہدی کا آنا بالکل یقینی اور شک و شبہ سے بالاتر ہے

ام سلمہؓ کی روایت میں ہے۔

المهدی من عترتی من ولد فاطمة	مہدی میرے خاندان سے اولادِ فاطمہ سے ہوگا

(کتاب مذکور ص ۲۴۸)

امام مہدی کی یہ خصوصیت بکثرت احادیث میں وارد ہوئی ہے کہ وہ دنیا کو۔ جب کہ دنیا ظلم و جور سے بھر چکی۔۔۔ ہوگی۔ عدل و انصاف سے بھر دیں گے۔ بخشش و سخاوت کے دریا بہائیں گے، ان کے زمانہ میں مال و دولت کی فراوانی ہوگی، بارش بھی خوب ہوگی، پیداوار بھی خوب ہوگی، لوگ آرام و راحت اور چین و سکون سے گزر بسر کریں گے۔ (دیکھئے مشکوٰۃ ج ۲ ص ۴۷۱، ص ۴۷۲، باب اشراط الساعة)

صحیح مسلم میں اگرچہ "مہدی" کے لفظ کی صراحت نہیں، مگر جو خصوصیات بیان کی گئی ہیں۔ اور جو وقت بتایا گیا ہے، وہ مہدی کے علاوہ کسی پر صادق نہیں آتا۔

عن جابر بن عبد الله قال قال رسول الله صلی الله علیه وسلم یکون فی آخر امتی خلیفة یحثی المال حثیاً ولا یعده عداً (مسلم ج ۲ ص ۳۹۵)	حضرت جابر بن عبد اللہؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا میری امت کے آخری زمانہ میں ایک خلیفہ ہوگا جو مال عطا کرے گا۔ لیکن اُسے شمار نہیں کرے گا۔

٭ ٭ ٭ ٭ ٭ ٭

عن ابی سعید الخدری قال قال رسول الله صلی الله علیه وسلم من خلفائکم خلیفة یحثو المال حثیاً	حضرت ابو سعید خدریؓ سے فرمایا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تمہارے خلفاء میں سے ایک خلیفہ مال لٹائے گا

ولا یعدّہٗ عدداً (حوالہ مذکورہ) — مگر اُسے شمار نہیں کرے گا۔

ایک اور حدیث میں ہے۔

یکون فی اٰخر الزمان خلیفۃ یُقَسِّمُ المال ولا یعدّہٗ (حوالہ مذکورہ) — آخر زمانہ میں ایک خلیفہ ہوگا جو مال تقسیم کریگا اور اُسے شمار نہیں کریگا۔

امام مہدی کی یہی خصوصیت، بغیر کسی ابہام و اجمال کے لفظ "مہدی" کی صراحت کے ساتھ ترمذی میں یوں موجود ہے۔

قال فیجیٔ الیہ الرجل فیقول یامھدیؑ اَعْطِنی اَعْطِنی قال فحثی لہ فی ثوبہ فلا استطاع ان یحملہٗ (ج ۲ ص۴۶) — رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا، ایک آدمی اس کے پاس آکر کہے گا اے مہدی! مجھے دو، مجھے دو، پس وہ اس کے کپڑے میں دیتا جائے گا یہاں تک کہ وہ اُسے اٹھانے کی استطاعت نہیں رکھے گا۔

* * * * * *

* * * * * *

حاکم ؒ نے مستدرک میں شرط شیخین پر کئی روایات نقل کی ہیں جن میں لفظ "مہدی" کی صراحت ہے۔ اور وقت اور صفات بھی وہی بیان کی گئی ہیں جو احادیث بالا میں ہیں (مقدمہ ابن خلدون ص۳۱۹)

ان تمام احادیث پر جو شخص انصاف کی نظر ڈالے گا، اُسے یہ فیصلہ کرنے میں ذرا بھی تردد نہ ہوگا کہ مسیحِ موعود اور مہدئ معہود، دو الگ الگ شخصیتیں ہیں۔ ایک باحیات ہے، آسمان سے اترے گی، دوسری رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے خاندان میں پیدا ہوگی۔ ایک کا نام عیسیٰ ابن مریمؑ ہے۔ دوسرے کا نام محمد بن عبداللہ۔ اس کے علاوہ اور بھی بہت سی الگ الگ خصوصیات ہیں

پھر اس حدیث نے — جس کی سند کو سلسلۃ الذہب کہا جاتا ہے — نے بالکل ہی

فیصلہ کر دیا کہ مسیح اور مہدی، دو شخصیتیں ہیں۔

عن جعفر عن ابیہ عن جدہ قال قال رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کیف تھلک امۃ انا اولھا والمھدی وسطھا والمسیح اخرھا ولکن بین ذالک فیج اعوج لیسوا منی ولا انا منھم، رواہ رزین

(مشکوٰۃ ج ۲ ص ۵۸۳)

جعفر صادق نے اپنے باپ محمد باقر سے انھوں نے زین العابدین علی بن حسین بن علی رض بن ابی طالب سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا وہ امت کیسے ہلاک ہو سکتی ہے جس کے اوّل میں میں ہوں۔ درمیان میں مہدی اور آخر میں مسیح لیکن درمیان درمیان میں کچھ کج رو گروہ ہونگے جو مجھ سے نہ ہوں گے۔ اور نہ میں اُن سے ہوں گا۔

٭ ٭ ٭ ٭ ٭ ٭ ٭ ٭

حدیث لا مھدی الا" موضوع و منکر ہے

ابن ماجہ میں انس بن مالک رض سے مروی ہے۔

ولا المھدی الا عیسیٰ بن مریم — عیسیٰ ابن مریم ع ہی مہدی ہیں

(ص ۳۰۳ باب شدۃ الزمان)

٭ ٭ ٭ ٭ ٭

اس حدیث کے متعلق قاضی محمد نذیر لکھتے ہیں۔

"اس حدیث نے ناطق فیصلہ دیدیا ہے کہ عیسیٰ ابن مریم ہی "المہدی" ہے اور اس کے علاوہ کوئی "المہدی" نہیں ہے" (امام مہدی کا ظہور ص ۲)

لیکن یہ حدیث "ناطق فیصلہ" تو کیا ہوتی، سرے سے لائق استناد ہی نہیں وجہ یہ ان احادیث کی موجودگی میں جن میں صراحۃً عیسیٰ ابن مریم اور مہدی کو الگ الگ شخصیت قرار دیا گیا ہے۔

اگر قادیانی حضرات اس حدیث کا حوالہ دینے سے پہلے ابن ماجہ کا حاشیہ ہی دیکھ لیتے تو بھی انھیں پتہ چل جاتا کہ یہ حدیث سند کے اعتبار سے کیسی ہے؟ اور اس لائق ہے یا نہیں کہ اُسے مشہور و مستفیض احادیث کے مقابلے میں پیش کیا جائے۔ ابن ماجہ کے حاشیہ پر صاف لکھا ہوا ہے کہ علامہ ذہبیؒ نے میزان الاعتدال میں لکھا ہے کہ ہذا خبر منکر (یہ حدیث منکر ہے) پھر آگے چل کر اُسے منقطع بھی کہا ہے۔ سلسلۂ سند میں ایک راوی محمد بن خالد ہے جس کے متعلق حاکمؒ کہتے ہیں کہ "مجہول" (وہ مجہول ہے) اسی طرح حافظ نے بھی اُسے "رجل مجہول" قرار دیا ہے۔

(ابن ماجہ ۳۰۲ حاشیہ ۳)

مقدمۂ ابن خلدون میں ہے۔

وبالجملة فالحديث ضعيف مضطرب (ص ۳۲۲) خلاصۂ کلام حدیث ضعیف و مضطرب ہے۔

مرقات شرح مشکوٰۃ میں ہے۔

حديث لا مهدى الا عيسىٰ بن مريم ضعيف باتفاق المحدثين كما صرح به الجزرى على انه من باب "لا فتىٰ الا علىٰ" (ج ۵ ص ۱۸۰)

حدیث "لا مہدی الا عیسیٰ بن مریم" باتفاقِ محدثین ضعیف ہے۔ جیسا کہ ابن جزریؒ نے اس کی صراحت کی ہے کہ یہ "لا فتیٰ الا علیٰ" کے باب میں ہے۔

حافظ ابن حجر عسقلانیؒ لکھتے ہیں۔

قال ابو الحسن الخسعى الابدى فى مناقب الشافعى تواترت الاخبار بان المهدى من هذه الامة وان عيسىٰ يصلى خلفه ذكر ذلك ردًا الحديث الذى اخرجه ابن ماجه عن

ابو الحسن خسعی ابدیؒ "مناقب شافعیؒ" میں کہتے ہیں کہ مہدی کے اسی امت میں سے ہونے کے متعلق احادیث متواتر ہیں اور یہ کہ حضرت عیسیٰؑ مہدی کے پیچھے نماز پڑھیں گے ابو الحسن خسعی نے یہ بات اس حدیث پر رد

انس رضؓ و فیہ ولا مھدی الا عیسیٰ۔ (فتح الباری ج ۶ ص ۴۹۳) | کرتے ہوئے لکھی ہے۔ جیسے ابن ماجہ نے انس رضؓ سے روایت کیا ہے کہ حضرت عیسیٰ ہی مہدی ہیں۔

٭ ٭ ٭ ٭ ٭

علامہ طیبیؒ کہتے ہیں کہ مہدی کے اولادِ فاطمہ میں سے ہونے کی احادیث میں تصریح ہے۔ لہٰذا حدیث " لا مھدی الا عیسیٰ بن مریم " ظاہری معنیٰ میں قبول نہیں کی جاسکتی جب کہ وہ سنداً ضعیف بھی ہے۔ (مرقات المفاتیح ج ۵ ص ۱۸۰)

چنانچہ بعض حضرات نے تاویلات بھی کی ہیں اور وہ بھی انھیں آراء کے دوش بدوش موجود ہیں۔ جہاں اُسے ضعیف و منکر کہا گیا ہے۔ مگر جب اِس حدیث کا باتفاقِ محدثین ضعیف و منکر ہونا ثابت ہو چکا ہے۔ تو میرے خیال میں تاویلات کے نقل کرنے کی چنداں ضرورت نہیں رہ جاتی۔

ایک قابلِ غور بات یہ بھی ہے کہ اس حدیث کو ابن ماجہ نے ص ۳۰۲ باب شدۃ الزمان کے تحت نقل کیا ہے۔ جب کہ آگے چل کر ص ۳۰۹ پر خود ہی باب خروج المھدی (مہدی کے خروج کا باب) باندھا ہے۔ وہاں اِس حدیث کو نہیں لائے، وہاں صرف وہی حدیثیں نقل کی ہیں، جو مہدی کے، امتِ محمدیہ یا اولادِ فاطمہ میں سے ہونے کے متعلق ہیں۔ اس سے صاف ظاہر ہے کہ ابن ماجہ خود بھی اس حدیث کو ظاہری معنیٰ پر محمول نہیں کرتے تھے۔ ورنہ باب خروج المھدی میں اُسے ضرور نقل کرتے۔

جہاں تک اس بات کا تعلق ہے کہ کنز العمال میں بھی یہ حدیث موجود ہے تو اس کا جواب یہ ہے کہ وہاں پر اس سند کے ساتھ ہے جو ابن ماجہ میں ہے، لہٰذا اس کے بھی وجوہِ ضعف وہی ہوں گے۔ جو ابن ماجہ کی روایت کے ہیں۔

قادیانی حضرات کی ایک دلیل مسند احمد کی یہ حدیث بھی ہے۔

يُوشِكُ مَنْ عَاشَ مِنْكُمْ اَنْ يَّلْقٰى | قریب ہے کہ تم میں سے جو زندہ رہے وہ

عیسیٰ ابن مریم اماماً مهدیاً حکماً عدلاً الخ۔ ؎ ؎ ؎ ؎ ؎ ؎

عیسیٰ ابن مریمؑ سے ملاقات کرے، درآنحالیکہ وہ امام مہدی اور حاکم عادل ہوں گے۔

اس روایت کے متعلق قاضی محمد نذیر لکھتے ہیں۔

"اس میں صاف الفاظ میں موعود عیسیٰ ابن مریم کو امام مہدی قرار دیا گیا ہے۔ (امام مہدی کا ظہور ص۱۹)

مگر قاضی صاحب کو معلوم ہونا چاہیے کہ یہاں پر حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو "امام مہدی" لغوی معنیٰ میں کہا گیا ہے، نہ کہ اصطلاحی معنیٰ میں۔ "مہدی" کے لغوی معنیٰ ہیں "ہدایت یافتہ" ظاہر ہے کہ پیغمبر ہدایت یافتہ نہ ہوگا تو کون ہوگا؟ اور امام کے معنیٰ ہیں پیشوا اور مقتدیٰ۔ ظاہر ہے کہ پیغمبر پیشوا اور مقتدیٰ ہوتا ہی ہے۔

یہاں پر "مہدی" کو لغوی معنیٰ پر محمول کرنے کی خاص اور بنیادی وجہ یہ ہے کہ جن جن احادیث میں "مہدی" کو اصطلاحی معنیٰ میں استعمال کیا گیا ہے۔ وہاں مہدی کے ساتھ کوئی صفت نہیں لائی گئی۔ بلکہ مطلقاً لفظ "مہدی" لایا گیا ہے۔ (اس سلسلے میں قارئین کرام پچھلے صفحات میں مہدی سے متعلق احادیث کو ایک بار پھر دیکھ لیں

اس کے علاوہ اُن احادیث میں "مہدی" کو مسند الیہ یا متبوع کی حیثیت سے لایا گیا ہے نہ کہ بطور صفت۔ اور یہاں پر "مہدی" "عیسیٰ بن مریم کی صفت واقع ہے۔ اور یہی ایک صفت نہیں ہے بلکہ اس کے علاوہ بھی اس لفظ سے پہلے امام اور بعد میں "حَکَم" اور "عدل" کل تین تین صفات اور بھی موجود ہیں۔ بحث اصطلاحی مہدی سے ہے نہ کہ لغوی مہدی سے۔ لغوی اعتبار سے تو

مسلمانوں کے ہر امیر و خلیفہ کو جو کہ صحیح راہ پر گامزن ہو "امام مہدی" کہا جا سکتا ہے۔ لیکن اس لغوی اطلاق سے وہ اصطلاحی مہدی نہیں بن سکتا۔

"اِمَامُکُمْ مِنْکُمْ" کا مطلب :-

قادیانی حضرات نے عیسیٰ ابن مریمؑ اور امام مہدی کے ایک ہونے کو اس حدیث سے بھی ثابت کیا ہے۔

کیف انتم اذا نزل ابن مریم فیکم وامامکم مِنکُمْ	تم کیسے ہو گے، جبکہ تم میں ابن مریم اتریں گے اور تمہارا امام تمہیں میں سے ہو گا۔

(بخاری ج ۱ ص۴۹ ، مسلم ج ۱ ص۸۷)

حدیث کے الفاظ " وامامکم منکم " کا ترجمہ قادیانی حضرات یوں کرتے ہیں۔

" اور وہ تم میں سے تمہارا امام ہو گا۔ یعنی یہ امام باہر سے نہیں آئے گا، اُمّتِ محمدیہ میں سے قائم ہو گا " (امام مہدی کا ظہور ص۱۱)

قارئین اس بنیادی نکتہ کو یاد رکھیں کہ اس حدیث کے متعلق اصل بحث یہ ہے کہ جب حضرت عیسیٰ علیہ السلام آسمان سے اتریں گے۔ تو نماز کی امامت کون کرے گا؟ حضرت عیسیٰؑ یا امام مہدی؟ اس بات کے صاف ہونے کے بعد ہی ثابت ہو سکے گا کہ قادیانی حضرات کا مذکورہ ترجمہ صحیح ہے یا غلط اور ان کا مقصود اس حدیث سے ثابت ہوتا ہے یا نہیں۔

اس سلسلے میں یہ احادیث ملاحظہ کیجئے

فینزل عیسیٰ بن مریم فیقول امیرھم تعال صلّ لنا فیقول لا اِنّ بعضکم علیٰ بعض امراءُ تکرمۃ اللّٰہ تعالیٰ لھٰذہ الامّۃ۔	پس عیسیٰ ابن مریمؑ اتریں گے، مسلمانوں کا امیر کہے گا، آیئے! ہمیں نماز پڑھایئے۔ وہ فرمائیں گے۔ نہیں۔ تم میں کا بعض، بعض پر امیر ہے، اس تعظیم کی وجہ سے جو

دمشق ۱۷ ص۸) اللہ تعالیٰ نے امتِ محمدیہ کو عطا فرمائی۔

ابن حجر عسقلانیؒ، مسند احمد کے حوالے سے حضرت جابرؓ کی روایت نقل کرتے ہیں

واذا ھم بعیسیٰ فیقال تقدّم	اچانک ان کے سامنے حضرت عیسیٰؑ ہوں گے
یاروح اللہ فیقول لیتقدّم	پس کہا جائے گا۔ اے روح اللہ آگے
امامکم فلیصل بکم،	بڑھئے، وہ کہیں گے، چاہئے کہ تمہارا ہی
(فتح الباری ج۶ ص۴۹۳)	امام آگے بڑھے۔ اور نماز پڑھائے

ابن ماجہ میں اس سے بھی زیادہ صراحت ہوگئی ہے کہ امام حضرت عیسیٰؑ نہ ہوں گے بلکہ امام مہدی ہوں گے۔

وامامھم رجل صالح فبینما	مسلمانوں کا امام ایک مرد صالح ہوگا۔ پس جس درمیان
امامھم قد تقدم یصلی بھم	کہ وہ امام انھیں نمازِ فجر پڑھانے کے لئے آگے
الصبح اذا نزل علیھم عیسیٰ بن	بڑھے گا۔ اچانک حضرت عیسیٰ ابن مریم آترآئیں گے
مریم الصبح فرجع ذالک الامام	، پس وہ امام پیچھے ہٹے گا تاکہ حضرت عیسیٰ کو
ینکصُ یمشی القھقھری لیُقدِّم	آگے بڑھائے کہ وہ نماز پڑھائیں۔ حضرت
عیسیٰ یصلی فیضع عیسیٰ یدہ	عیسیٰ اپنا ہاتھ اس کے کندھے پر رکھیں گے۔
بین کتفیہ ثمّ یقول لہ تقدّم	اور کہیں گے۔ آگے بڑھئے اور نماز پڑھایئے
فصَلِّ فانّھا لک اقیمت فیصلّی	کیونکہ آپ ہی کے لئے اقامت کہی گئی ہے۔
بھم امامھم (ابن ماجہ ص۳۰۷)	چنانچہ ان کا امام انھیں نماز پڑھائے گا۔

اب شارحین کی آراء ملاحظہ کیجئے۔

فتح الباری میں ہے

قال ابوالحسن الخسعی الابدیؒ	ابوالحسن خسعی ابدیؒ مناقب شافعیؒ میں کہتے ہیں
فی مناقب الشافعی تواترت	کہ اس معاملہ میں احادیث تواتر کو پہنچ گئی ہیں کہ

الاخبار بأن المهدی من ھذہ الامۃ و أن عیسٰی یصلی خلفہ (ج ۶ ص ۴۹۳)

کہ مہدی اسی امت کے فرد ہوں گے اور حضرت عیسیٰ ان کے پیچھے نماز پڑھیں گے

عمدۃ القاری میں ہے

معناہ یصلی معکم بالجماعۃ والامام من ھذہ الامۃ (ج ۱۶ ص ۴۰)

امامکم منکم" کا مطلب یہ ہے کہ حضرت عیسیٰ تمہارے ساتھ باجماعت نماز پڑھیں گے۔ اور امام اسی امت میں سے ہوگا

٭ ٭ ٭ ٭

مرقات المفاتیح میں ہے۔

والحاصل ان امامکم واحد منکم دون عیسٰی (ج ۵ ص ۲۲۳)

حاصل یہ کہ امام تمہیں میں کا ایک شخص ہوگا نہ حضرت عیسیٰ۔

ان احادیث و عبارات سے صاف ظاہر ہے کہ نزول کے وقت امامت، امام مہدی ہی کریں گے۔ اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام اس وقت کی نماز امام مہدی ہی کی اقتداء میں ادا کریں گے۔ ان احادیث سے یہ بات بھی صاف طور پر معلوم ہوگئی کہ نزول مسیح کے وقت، امام مہدی پہلے سے موجود ہوں گے۔

لہذا " امامکم منکم" کا ترجمہ — "درآنحالیکہ وہ ابن مریم تم میں سے تمہارا امام ہوگا" صحیح نہیں، بلکہ ترجمہ یوں ہونا چاہئے — "درآنحالیکہ تمہارا امام تمہیں میں سے ہوگا" یعنی وہ امام پہلے سے موجود ہوگا۔ اور حضرت عیسیٰ اسی امام کی اقتداء کریں گے۔

ایک اشکال اور اسکا جواب :-

اس میں کوئی شبہ نہیں کہ حضرت عیسیٰ علی نبینا و علیہ السلام، امام مہدی سے افضل و برتر ہوں گے۔ پھر اشکال یہ ہے کہ آخر حضرت عیسیٰ کے ہوتے ہوئے

امامت، کیوں امام مہدی کریں گے۔ اور خود حضرت عیسیٰ علیہ السلام بھی انھیں کو آگے بڑھانے پر کیوں اصرار کریں گے۔ جبکہ افضل طریقہ یہی ہے کہ امامت افضل شخص ہی کرے۔ پھر حضرت عیسیٰؑ اور امام مہدی، افضل طریقہ چھوڑ کر غیر افضل کیوں اختیار کریں گے؟

اس اشکال کا جواب بھی شارحینِ حدیث نے دیا ہے۔

چنانچہ ابن جوزیؒ کہتے ہیں کہ حضرت عیسیٰ علیہ السّلام امامت کے لئے آگے بڑھ جائیں گے تو یہ شبہ پیدا ہونے لگے گا کہ پتہ نہیں حضرت عیسیٰؑ کا آگے بڑھنا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے خلیفہ اور نائب کی حیثیت سے ہے۔ یا مستقل شارع کی حیثیت سے۔ لہٰذا حضرت عیسیٰ علیہ السّلام اسی شبہ کو دور کرنے کیلئے امام مہدی کے پیچھے مقتدی بن کر نماز پڑھیں گے۔ تاکہ یہ بات صاف ہو جائے کہ ان کا نزول بحیثیت شارع کے نہیں بلکہ بحیثیت شریعتِ مصطفویہ کے ایک متبع کے ہے یہاں تک کہ نبی ہونے کے باوجود انھوں نے امتِ محمدیہ کے ایک فرد کے پیچھے نماز پڑھ لی۔ اس سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اس فرمان لا نبی بعدی (میرے بعد کوئی نبی نہیں مبعوث ہو سکتا) کی عملی تصدیق ہو گئی۔ (فتح الباری ج ۶ ص۴۹۳)

مرقات المفاتیح میں ہے۔

(فیقول لا) ای لا اُمیرُ اماماً لکم لئلا یُتَوَھَّمَ باماَمتی لکم نسخ دینکم (ج ۵ ص۲۲۲)

حضرت عیسیٰؑ فرمائیں گے میں تمہارا امام نہیں بنوں گا۔ یہ اسلئے تاکہ میری امامت میرے ذریعہ تمہارے دین کے نسخ کا وہم نہ پیدا کرے۔

⁂ ⁂ ⁂ ⁂ ⁂ ⁂ ⁂

لیکن امام مہدی کی یہ امامت مستقل امامت نہ ہو گی۔ بلکہ صرف اسی وقت ہو گی جب حضرت عیسیٰؑ کا نزول ہو گا۔ اس کے بعد جب تک حضرت عیسیٰؑ زندہ رہیں گے

رد قادیانیت پر

فضلاء دار العلوم دیوبند کی تصنیفی خدمات

از:- برہان الدین سنبھلی- دار العلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ-

الحمد للہ رب العلمین. والصلوٰۃ والسلام علی رسولہ الامین خاتم النبیین محمد و آلہ واصحابہ اجمعین. ومن تبعہم باحسان الی یوم الدین-

اللہ تعالیٰ نے اپنے علم وحکمت کے تقاضہ سے، ساتویں صدی عیسوی کے اوائل میں کم وبیش چھ سو سال کے طویل فترہ (وقفہ) کے بعد- پھر وحی آسمانی اور ملائکہ ربانی اپنے ایک مقرب ترین بندے اور رسول جناب محمد بن عبد اللہ بن عبد المطلب الہاشمی (علیہ الف الف صلوٰۃ وسلام) کے پاس بھیجے اور تقریباً ۲۳ سال تک یہ آمد وشد جاری رکھنے کے بعد اکمال دین و اتمام نعمت کا اعلان فرما کر ہمیشہ کے لئے یہ سلسلہ بند کر دیا[1] کیونکہ اس میں نہ پھر تبدیلی کی ضرورت تھی، نہ اضافہ کی گنجائش

---

[1] مشہور مصری عالم علامہ خضری (صاحب تصانیف کثیرہ) نے اپنی مشہور زمانہ کتاب "تاریخ التشریع الاسلامی" ص ۶۰۵ میں قول راجح اسے قرار دیا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر پہلی وحی کا نزول ۱۷ رمضان المبارک کو ہوا، اور آخری آیت ۹ ذی الحجہ کو نازل ہوئی اس طرح کل مدت وحی ۲۲ سال ۲ ماہ ۲۲ دن ہوتی ہے
(تاریخ التشریع الاسلامی ص ۶۰۵ مطبوعہ مصر)

حکیم الاسلام حضرت مولانا احمد بن عبدالرحیم المعروف بشاہ ولی اللہ رحمہ اللہ نے اپنے حکیمانہ اسلوب میں فرمایا ہے کہ آخری شریعت کا مادہ فطرت انسانی کے عین مطابق بنایا گیا ہے، یا بالفاظ دیگر قامت انسانی کے لئے ایسا جامہ عطا کر دیا گیا جو ہر طرح لائق ومناسب نیز پائیدار ہے۔ تو پھر اس میں کتر بیونت یا پیوندکاری اور تبدیلی فضول کام ہی قرار پائیگا (جس سے اللہ تعالیٰ۔ جو حکیم وخبیر بھی ہے۔ کی ذات پاک ہے) البتہ یہ ضرورت بہرحال تھی کہ وہ "جامہ" ربودگی وفرسودگی سے محفوظ اور صحیح وسالم رہے چنانچہ اس کی ذمہ داری بھی اسی علیم وقدیر نے خود لے کر اعلان بھی ہمیشہ باقی رہنے والی اپنی کتاب میں فرمایا "وَاِنَّا لَہٗ لَحَافِظُوْن"۔ لیکن عالم اسباب میں جس طرح اسکی صفت ربوبیت ورزاقیت کبھی شفقت مادری کی شکل میں ظاہر ہوتی ہے اور کبھی زمین سے روئیدگی کی صورت میں، اسی طرح اس نے اپنے خاص بندوں کو توفیق بخشکر دین قیم کی حفاظت کا سامان کیا، جس کی اطلاع اسی کے صادق ومصدوق پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم نے مختلف پیرایوں میں دی، مثلاً ایک موقع پر فرمایا یحمل ھذا العلم من کل خلف عدولہ، ینفون عنہ تحریف الغالین وانتحال المبطلین وتأویل الجاھلین (مشکاۃ المصابیح ص $\frac{۳۶}{۱۷۰}$ مطبوعہ اصح المطابع دہلی۔ بحوالہ بیہقی) ایک اور ارشاد ہے لاتزال طائفۃ من امتی ظاھرین علی الحق لایضرھم من خذلھم حتی یأتی امر اللہ" (صحیح مسلم ص $\frac{۱۴۳}{۲ج}$ مطبوعہ مکتبہ رشیدیہ دھلی)

چنانچہ یہ "عدول" اور "طائفہ منصورہ" ہر اس موقع پر۔ کبھی سر بکف اور کبھی دست بقلم۔ میدان میں آیا جب بھی دین کامل کو تحریف۔ یا اور کسی طرح کا خطرہ پیش

لہ شاہ صاحب کے الفاظ یہ ہیں۔ واذا کان کذلک وجب ان تکون مادۃ شریعتہ ما ھو بمنزلۃ المذھب الطبیعی" حجۃ اللہ ص ۱۱۹ ج ۱ مطبوعہ مصر)

آیا، اس پر امت مسلمہ کی پوری تاریخ گواہ ہے، خواہ وہ خطرہ صدرِ اول میں مسیلمۂ کذاب کی شکل میں آیا ہو، یا چودھویں صدی کے مسیلمۂ پنجاب کی صورت میں۔

اس وقت وقت کی قلت کی بنار پر پوری تاریخ تو کیا اس کا مختصر ترین حصہ بھی بیان نہیں کیا جا سکتا، البتہ آخرالذکر فتنہ کے ظہور کے بعد سے اس مؤید و منصور جماعت کے چند افراد کی مساعی جمیلہ کا تذکرہ کرکے سعادت دارین کا سامان اپنے لئے فراہم کرنا مقصود اصلی ہے (یہاں یہ بتانا بھی غیر ضروری ہی معلوم ہو رہا ہے کہ اس مختصر سے وقت میں چند افراد کے تمام کارناموں کا بھی مکمل جائزہ لینا مشکل بلکہ ناممکن ہے)

راقم نے اپنے لئے جیسا کہ مقالہ کے عنوان سے ظاہر ہے۔ ردِ قادیانیت پر فضلاء دارالعلوم کی تصنیفی خدمات" عنوان اختیار کیا ہے، یہ عنوان بظاہر محدود مختصر ہونے کے باوجود واقعہ یہ ہے کہ اپنے اندر سمندر جیسی وسعت و پہنائی رکھتا ہے اور شاید یہ کہنا مبالغہ نہ ہوگا کہ اس" دارالعلوم" کے تمام فضلاء کا نہیں، صرف اس کے ایک فاضل (اور گل سرسبد) علامہ کشمیری کی خدمات کا اگر تفصیلی تذکرہ کیا جائے تو مجھ جیسا بے بضاعت بھی آپ لوگوں کا یہ سارا وقت لے کر بھی غالباً آخر میں یہ کہنے پر مجبور ہوتا کہ "حق تو یہ ہے کہ حق ادا نہ ہوا"

زیر نظر مقالہ میں اگرچہ اصالۃً محدث جلیل علامہ انور شاہ کشمیری رحمۃ اللہ علیہ کی خدمات کو موضوعِ بحث نہیں بنایا گیا ہے بلکہ ان کے تلامیذ کی قادیانیت کے بارے میں مساعی کا تذکرہ اصلاً مقصود ہے لیکن تیمن و تفاؤل کے طور پر مقالہ کی ابتدا علامہ کشمیری ہی کے بعض اہم علمی کارناموں سے کی گئی ہے، کہ اسی ایک چراغ سے اوروں میں بھی روشنی آئی ہے، ع یک چراغ است........

عام طور پر یہ بات واقف لوگوں کو معلوم ہی ہے کہ مرزا غلام احمد قادیانی نے نبوت کا دعوی دفعتہً نہیں کیا بلکہ اس میں چالاکی سے۔ ایک خاص ترتیب و تدریج

ملحد ار کی ۔ چنانچہ پہلے ولایت و مجددیت ، نیز محدثیت و مہدویت کا دعویٰ کیا ، جو پھر شبہ مسیحیت کے مراحل سے گذرتا ہوا بالآخر کامل رسول و نبی ۔ بلکہ افضل الرسل کے برابر ہونے کے انجام تک پہنچا اس ابتداء و انتہا کے درمیان خاصا زمانی فاصلہ ہے جس کی تفصیل الیاس برنی (پروفیسر سلاح الدین محمد الیاس) صاحب کی لاجواب کتاب " قادیانی مذہب " میں مدلل و مفصل طور پر بیان کردی گئی ہے (قادیانیت کی پوری حقیقت جاننے کے لئے اس کتاب کا مطالعہ بہت مفید بلکہ ضروری ہے) مرزا جی نے جیسے ہی اپنے دعووں کا سلسلہ شروع کیا مومنانہ فراست رکھنے والوں نے ان کی تردید کا فرض کفایہ بھی ادا کرنا شروع کردیا ۔

مرزائی دعووں کے ابطال کے لئے اس بات کی بھی ضرورت محسوس کی گئی کہ مرزا اور ان کے اعوان و انصار کی طرف سے مغالطہ انگیز اور نام نہاد علمی انداز میں پیش کئے گئے اقوال سلف اور اٹھائے گئے شبہات کی ایسے مضبوط علمی انداز میں صحیح توجیہ ہو اور شبہات کا ازالہ کیا جائے کہ پھر کسی مخلص طالب حق کے لئے غلط فہمی میں مبتلا ہونا ، اور مرزا کے بچھائے اور پھیلائے ہوئے جال میں پھنسنا ممکن نہ رہ جائے اس اہم کام کے لئے اللہ تعالیٰ کی قدرت و حکمت نے ایک ایسے شخص کا انتخاب کیا اور اسے توفیق بخشی جس سے زیادہ اہل اور موزوں اس خدمت کے لئے کوئی دوسرا نہیں ہو سکتا تھا و للہ جنود السموات والارض ۔ اذا اراد شیئا ان یقول لہ کن فیکون ۔ یوں تو موصوف نے اپنے بے پایاں مطالعہ اور قابل رشک ذہانت کے ذریعہ بہت سے اشکالات رفع فرمائے اور مرزائی مغالطوں کا پردہ چاک کیا ، کہ ان سب کا ذکر کسی مقالہ کا نہیں ، کتاب کا موضوع بن سکتا ہے لیکن بعض اشکال ایسے بھی رفع کئے جو اکابر سلف کے اقوال سے پیدا ہونے کی بنا پر اچھے اچھے اہل علم کے لئے بھی موجب پریشانی اور باعث تشویش بنے ہوئے تھے

اور جن کی موجودگی میں مرزا اور مرزائیوں پر کفر کا فتویٰ لگانا مشکل ہو رہا تھا۔ مثلاً امام ابوحنیفہ سے نقل کیا گیا۔ ان ہی کی طرف منسوب کتاب "فقہ اکبر" کی شرح ملا علی قاری میں، یہ قول کہ امام فرماتے تھے لا نکفر احداً من اھل القبلۃ ...... یا اسی شرح میں، شرح مواقف کے حوالہ سے ذکر شدہ یہ تصریح ان جمھور المتکلمین والفقھاء علی انہ لا یکفر احد من اھل القبلۃ . . ." (شرح فقہ اکبر ملا علی قاری ۱۸۱)

اس طرح کی بکثرت عبارتیں عقائد و کلام کی دیگر کتابوں میں بھی بعض اکابر علماء کی طرف منسوب ملتی ہیں، مثلاً امام غزالی کی شہرہ آفاق کتاب "فیصل التفرقہ بین الاسلام والزندقہ" میں ہے۔ اما الوصیۃ فان تکف لسانك عن اھل القبلۃ ما امکنك ما داموا قائلین لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ غیر مناقضین لھا والمنا قضۃ تجویزھم الکذب علی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لعذر او بغیر عذر فان التکفیر فیہ خطر والسکوت لا خطر فیہ (فیصل التفرقہ ص۵۶)

امام ابوحنیفہ کی طرف یہ قول بھی منسوب کیا گیا ہے کہ "اگر کسی شخص کے قول میں ۹۹ احتمال کفر کے ہوں اور ایک احتمال اسلام کا، تو اسکے کافر ہونے کا فتویٰ نہیں دیا جائیگا (مقدمہ اکفار الملحدین ص --- مقدمہ از مولانا محمد یوسف بنوری مصنفہ علامہ کشمیری)

یہ اور اس جیسی دیگر عبارتوں، اور مسلمات کے درجہ میں پیش کئے جانے والے اقوال کی بنا پر عام اہل علم مدتوں غلام احمد قادیانی اور ان کے متبعین کے بارے میں محتاط رویہ اپنائے رہے، جس سے یہ فرقہ ناجائز فائدہ اٹھا کر بھولے بھالے مسلمانوں کو دام فریب میں گرفتار کرنے بلکہ بہتوں سے مرزائی نبوت کا اعتراف کرا لینے میں کامیاب ہوتا رہا۔ اس لئے شدید ضرورت اس بات

کی تھی کہ ایسی کوئی شخصیت میدان میں آئے جس کی نہ علمی برتری میں کوئی شبہ ہو نہ تقویٰ و دیانت میں، جو اس موضوع پر ایسے انداز میں علمی بحث و گفتگو اور مواد فراہم کرے جس کے بعد پھر کسی جویائے حق کے لئے عذر باقی نہ رہے، چنانچہ اللہ تعالیٰ نے اپنی قدرت و حکمت سے صحیح وقت پر ایسے ہی ... ایک عظیم شخص کو اس کام کی توفیق بخشی یعنی امام عصر، محدث جلیل، ماہر منقول و معقول حضرت علامہ سید محمد انور شاہ کشمیری نے یہ خدمت بطریق احسن انجام دی، کہ اپنے وسیع و عمیق مطالعہ اور بے نظیر حافظہ کی مدد سے اس موضوع پر اتنا مواد جمع کر دیا کہ جو مرزائی عمارت کی تمام دیواروں کو شکستہ و منہدم کرنے کیلئے بالکل کافی ہے اور بعد میں اس راہ پر چلنے والوں کے لیے مزید تحقیق کی حاجت نہ چھوڑی۔

حضرت علامہ موصوف نے اس سلسلے میں متعدد کتابیں خالص علمی انداز پر لکھیں، جن میں "اکفار الملحدین" کا تو گویا خاص موضوع ہی "مذکورہ بالا قسم کے اقوال اور کلامی عبارتوں سے پیدا ہونے والی غلط فہمیوں کا ازالہ ہے"۔ مثلاً امام ابو حنیفہ کی طرف منسوب مذکورہ بالا قول "لانکفر احدا من اهل القبلة" کے بارے میں متعدد معتبر کتابوں کے حوالوں کے ذکر کے بعد تحریر فرماتے ہیں: "و سیاقها عن ابی حنیفة" "ولانکفر اهل القبلة بذنب" فقید بالذنب وهی فی رد المعتزلة والخوارج لاغیر، اذ صورة العبارة تعریض لمن یکفر اهل القبلة بغیر ما یوجب الکفر وهو الذنب واما کلمات الکفر فان لو یکفر بها فلیقل انها لیست بکلمات کفر وهو سفسطة" پھر اس کے بعد شیخ الاسلام علامہ ابن تیمیہ کی کتاب "الایمان" سے اپنی تائید میں یہ عبارت پیش فرمائی: "نحن اذا قلنا اهل السنة متفقون علی انه لایکفر بالذنب فانما نرید به المعاصی کالزنا والشرب" پھر فرمایا۔ "واوضحه القونوی فی شرح

العقيدة الطحاوية: انا لا نكفر هو بذنب كما يفعله الخوارج. قال القونوی وفی قوله "بذنب" اشارة الی تکفیره بفساد اعتقاد، کفساد اعتقاد المجسمة والمشبهة ونحوهم لان ذلك لا يسمّى ذنبا: (اکفار الملحدین ص۲۳)

امام ابوحنیفہ کی طرف منسوب ایک قول (۹۹ احتمال کفر کے ہوں اور ایک اسلام کا تو اسے کافر نہیں کہا جائیگا) کے ذریعہ پھیلائی جانے والی غلط فہمی کے ازالہ کی غرض سے ہی غالبا حسب ذیل افادات "تنبیہ" کے عنوان سے قلم بند فرماتے ہیں۔

اتفقوا فی بعض الافعال علی انها کفر مع انه يمكن فيها ان لا ينسلخ من التصديق لانها افعال الجوارح لا القلب، وذلك كالهزل بلفظ كفر وان يعتقده، وكالسجود لصنم، وكقتل نبی والاستخفاف به ..... واختلفوا فی وجهه الكفر بها بعد الاتفاق علی التكفير" پھر اس تحقیق کی تائید و توجیہ کیلئے متعدد ممتاز علماء و فقہاء مثلاً امام ابوالحسن اشعری، علامہ ابن تیمیہ، علامہ قاسم (المسایرة کے حاشیہ نگار) اور علامہ شامی کی کتابوں اور اقوال سے حوالہ دینے کے بعد لکھتے ہیں

وبالجملة يكفر ببعض الافعال ايضا اتفاقا، وان لم ينسلخ من التصديق اللغوی القلبی، وقال القاضی ابوبكر الباقلانی كما فی الشفاء والمسايرة: فان عصى بقول او فعل نص الله تعالى ورسوله او اجمع المسلمون انه لا يوجد الا من كافر او يقوم دليل على ذلك، فقد كفر، وقال ابوالبقاء فی كلياته: والكفر قد يحصل بالقول تارة وبالفعل اخرى، والقول الموجب للكفر انكار مجمع عليه فيه نص، ولا فرق بين ان يصدر عن اعتقاد او عناد او استهزاء (ایضا ص۔۔)

اسی کے ساتھ شاہ صاحبؒ نے ان امور کی تفصیل بہت شرح و بسط کے ساتھ فرمائی جن کا نام علماء شریعت کی اصطلاح میں ضروریات دین ہے کہ ان میں سے ہر ایک پر ایمان رکھنا ضروری ہے اور کسی ایک کا بھی انکار کفر کا موجب ہوجاتا ہے، یہ بحث

خاصی طویل ہے اختصاراً اسے یہاں پیش نہیں کیا جا رہا ہے

قادیانی عمارت کو سہارا دینے کے لئے متکلمین کے اس اصول سے بھی مرزائی فائدہ اٹھانے کی کوشش کرتے ہیں کہ " کسی نص کی تاویل یا تاویل سے انکار کی بنا پر کوئی شخص کافر نہیں ہو جاتا، علامہ موصوف نے اس اصول کی تشریح فرما کر بتلایا کہ وہ کون سی تاویل ہے جس سے معذور ٹھہرایا جا سکتا ہے یا نہیں، فرماتے ہیں والشارع لم یعذر قط، فی تاویل باطل، فقال، فی عبد اللہ بن حذافۃ امیر السریۃ من عقتہ بدخول النار۔ لو دخلوھا ما خرجوا منھا الی یوم القیمۃ، انما الطاعۃ فی معروف ...... وغیر ذلک من الوقائع ...... مما کان التاویل فیھا فی غیر محلہ، وعلی تعبیر الفقھاء فی فصل غیر مجتھد فیہ (ای لم یکن التاویل فیہ قطعی البطلان، کما یظھر من کلامہ بعد سطرین)

اس کے بعد علامہ تفتازانی کی مشہور کتاب "مقاصد الطالبین فی اصول الدین" سے حسب ذیل عبارت شاہ صاحب نے بطور تائید نقل فرمائی الکافر ان اظھر الایمان خص باسم المنافق وان ابطن عقائد ھی کفر بالاتفاق فبالزندیق" پھر اس کی مزید توضیح بایں طور کی قال فی شرحہ قد ظھر ان الکافر ... وان کان مع اعترافہ بنبوۃ النبی صلی اللہ علیہ وسلم واظھار شعائر الاسلام یبطن عقائد ھی کفر بالاتفاق خص باسم الزندیق...... فالمراد بابطال بعض عقائد الکفر لیس ھو الکتمان من الناس بل المراد ان یعتقد بعض ما یخالف عقائد الاسلام مع ادعائہ ایاہ، وھو المراد بقولھم یبطن الکفر ای یخلط، کما فی فتح الباری ومکرالمجموع من حیث المجموع الکفر لا غیر" اکفار الملحدین ص۱۲)

قادیانی عمارت کا اہم ستون حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بارے میں مغالطہ انگیز اور پُر فریب تاویلات ہیں، جن میں غالباً سب سے اہم یہ فریب ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام

پر موت طاری کی جا چکی ہے، اس لئے اب ان کا دوبارہ دنیا میں واپس آنا ممکن نہیں، اور اپنے اس مغالطہ میں وزن پیدا کرنے کے لئے یہ بھی کہتے ہیں کہ ان کی دوبارہ آمد کے عقیدہ سے ختم نبوت کے عقیدہ پر زد پڑتی ہے حالانکہ خود صراحۃً نبوت کا دعویٰ کر کے ختم نبوت کا انکار کرتے ہیں، "چہ دلاور ست دزدے کہ بکف چراغ دارد" اس قسم کی فریب دہی کے ذریعہ دراصل وہ۔ بزعم خویش۔ یہ ثابت کرنا چاہتے ہیں کہ احادیث نبویہ میں جس مسیح کی آمد کی پیشین گوئیاں کی گئی ہیں اسکا مصداق وہ خود۔ مرزا جی۔ ہیں (العیاذ باللہ) نہ کہ مشہور اسرائیلی پیغمبر (چنانچہ قادیانی امت ان مرزا جی کو ہی مسیح موعود کہتی ہے) مرزائیوں کا یہ دعویٰ اگرچہ اس درجہ لغو اور باطل ہے کہ اس کی تردید تو کیا تذکرہ کی بھی ضرورت نہ ہونی چاہئے تھی، لیکن اسے زمانہ کی ستم ظریفی کہئے۔ یا۔ بقول ایک مفکر۔ انتشار فکر و خیال کے اس دور کی کمزوری کا نام دیجئے کہ ایسا لغو بلکہ بیہودہ دعویٰ نہ صرف قابل غور ٹھہرا بلکہ بہت سے ضعیف العقل لوگ اس کا شکار ہو گئے۔

اس لئے یہ بھی بہت ضروری تھا کہ عیسیٰ علیہ السلام کے آسمان پر اٹھا لئے جانے اور دوبارہ دنیا میں واپس آنے سے متعلق جو احادیث صحیحہ اور قرآنی آیات سے حقائق ثابت ہوتے ہیں وہ سامنے لائے جائیں تاکہ پھر کسی طالب حق کے لئے فریب خوردگی کا امکان نہ رہے، اس غرض سے شاہ صاحب علیہ الرحمہ نے ایک طرف خود "عقیدۃ الاسلام، و تحیۃ الاسلام" کے نام سے گراں قدر علمی مواد اور کثیر الجہات نیز پر مغز مباحث پر مشتمل ایک قیمتی کتاب تصنیف فرمائی، دوسری طرف اپنے شاگرد رشید حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب (جو اسی دار العلوم کے مایۂ ناز فرزند ہیں) سے اپنی راہنمائی و نگرانی میں۔ "التصریح بما تواتر فی نزول المسیح" نامی کتاب مرتب کرائی جس میں تقریباً ستر حدیثیں ہیں جن میں چالیس سے زیادہ صحیح و حسن

گے درجہ کی ہیں، مختلف معتبر، متداول وغیر متداول ماٰخذ سے جمع کرکے ثابت کیا گیا ہے کہ عیسیٰ علیہ السلام کے نزول یعنی دنیا میں قیامت کے قریب دوبارہ تشریف لانے کا مسئلہ احادیث متواترہ سے ماخوذ اور اجماعی ہے، جس پر ہر دور کے اہل سنت صحابہؓ سے لیکر آج تک متفق رہے ہیں۔ مزید یہ کہ قادیانی امت نے اپنی عادت کے موافق جن حضرات (علمائے سلف) پر یہ افترا کیا کہ وہ بھی عیسیٰ علیہ السلام کے بارے میں مرزائیوں جیسا عقیدہ رکھتے تھے (کہ ان کی موت ہو چکی ہے لہٰذا دوبارہ آمد کا گویا امکان نہیں) موصوف نے اس غلط بیانی کا پردہ چاک کرکے مدلل طریقے اور مکمل حوالوں کے ساتھ واضح کیا ہے کہ وہ حضرات بھی دیگر علمائے اہل سنت کی طرح ان کی دوبارہ آمد کے قائل تھے، اس بارے میں ان کی تصریحات۔ معتبر ماٰخذ کے حوالوں سے۔ نقل کی ہیں جس سے ان حضرات کے دامن کا اس الزام سے پاک و صاف ہونا منقح ہو کر سامنے آجاتا ہے، یہ کتابیں دراصل اہل علم کے استفادہ کی غرض سے لکھی گئی ہیں (اسی وجہ سے عربی زبان میں ہیں) اور ان کی قدر و قیمت کا صحیح اندازہ بھی اہل علم ہی کر سکتے ہیں،

ان کے علاوہ شاہ صاحب قدس سرہ کی ایک کتاب فارسی زبان میں بھی — "خاتم النبیین" ہے جو دراصل انھوں نے اپنے اہل وطن کشمیریوں، اور بلوچستان کے رہنے والوں کے واسطے لکھی ہے۔ کیوں کہ ان علاقوں میں فارسی بھی عام طور سے مقامی زبانوں کے علاوہ سمجھی جاتی ہے، جیسا کہ کتاب کے مقدمہ نگار علامہ کے شاگرد مولانا مفتی عتیق الرحمٰن عثمانی مرحوم نے تصریح کی ہے، اس میں مصنف کے بیان کے مطابق قرآن مجید کی سورۂ احزاب کی آیت "خاتم النبیین" کی صحیح تفسیر و تشریح احادیث نبویہ اور اقوال صحابہ و تابعین نیز جمہور امت کی آراء کی روشنی میں کی گئی ہے کہ اس سے مرزائیوں کی غلط توجیہات اور باطل تاویلات کا پردہ چاک ہوجاتا ہے مرزائیوں نے مذکورہ آیت کی ایسی ایسی رکیک اور مضحکہ خیز تاویلات کی ہیں کہ سن کر ان کے علم و فہم

نیز ان کی عقل و خرد پر بے ساختہ ہنسی آجاتی ہے، رسالہ کا تعارف کراتے ہوئے خود مصنف علیہ الرحمہ نے لکھا، ایں مقالہ رسالہ ایست در ختم نبوت، تفسیر آیت کریمہ " خاتم النبیین " کہ در رد الحاد و زندقہ و کفر وارتداد قادیانی علیہ ما علیہ صورت تحریر بست " (مقدمہ خاتم النبیین)

علامہ کشمیری کے بعض تلامیذ کی مساعی

حضرت شاہ صاحبؒ کے نزدیک اس فتنہ (قادیانیت) کی کس قدر اہمیت تھی اس کا اندازہ کرنے کے لئے تنہا یہ بات کافی ہے کہ موصوف نے اپنے ذوق و مزاج کے خلاف، اور دیگر کثیر علمی مشاغل میں اشتغال اور قلت فرصت کے باوجود نہ صرف یہ کہ خود گراں قدر علمی ذخیرہ جمع کر کے اس فتنہ کے قلع قمع کرنے کی فکر کی، بلکہ اپنے متعدد ممتاز تلامیذ کو بھی اس راہ پر لگایا چنانچہ۔ جیسا کہ اوپر ذکر ہوا۔ حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب سے نزولِ عیسیٰ علیہ السلام سے متعلق احادیث جمع کرنے کا کام اپنی راہنمائی اور نگرانی میں انجام دلوایا، جس کے نتیجہ میں " التصریح بما تواتر فی نزول المسیح "، جیسی عظیم و نافع کتاب وجود میں آئی اس کتاب کو بعد میں محقق عصر و محدث روزگار شیخ عبدالفتاح ابوغدہ شامی استاذ جامعۃ الامام محمد بن سعود (ریاض) نے نہایت اہتمام سے شائع کر کے اس کے حسن معنوی و صوری میں غیر معمولی اضافہ کیا (فجزاہ اللہ خیرالجزاء)

اسکے علاوہ مفتی صاحب نے ایک کتاب سلیس اردو زبان میں "ختم النبوۃ" کے نام سے لکھی جو تین حصوں میں مکمل ہوئی، پہلے حصہ "ختم النبوۃ فی القرآن" میں نہایت بسط و تفصیل کے ساتھ آیت " خاتم النبیین "، کی عالمانہ تفسیر و تشریح ہے، کہ اسے پڑھنے کے بعد مرزائی باطل توجیہات اور رکیک تاویلات کا تار پود بکھر کر رہ جاتا ہے موصوف نے اس حصہ میں پوری ایک سو آیتوں سے آنحضرت صلعم

پر نبوت کا سلسلہ ختم ہو جانا ثابت کیا ہے۔

دوسرے حصہ میں مصنف کے بیان کے مطابق دو سو دس احادیث ختم نبوت کے اثبات میں جمع کر کے پیش کی گئی ہیں، تیسرے اور آخری حصہ میں دلائل کے ساتھ یہ بتایا گیا ہے کہ مسئلہ ختم نبوت ان مسائل میں سے ہے جن پر صحابہ تابعین، ائمہ مجتہدین اور جمہور امت کا اجماع و اتفاق رہا ہے، نیز یہ کہ ان چیزوں میں سے جنھیں ضروریات دین کا درجہ حاصل ہے، اس بارے میں خود مصنف کے الفاظ یہ ہیں؛ یہ مسئلہ ملت اسلامیہ کے ان ضروریات میں سے ہے کہ جس پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد مبارک سے لے کر آج تیرہ سو سال تک تمام امت اسلامیہ کے افراد کا قطعی اجماع و اتفاق رہا ہے، جس نے کسی مسلمان گھرانے میں پرورش پائی ہو وہ کبھی اس مسئلہ میں شبہ یا تاویل کے درپے نہیں ہو سکتا (ختم نبوت حصہ سوم ص۱)

علامہ کشمیریؒ ہی کے ایک دوسرے ممتاز شاگرد، جن کی سعی و توجہ سے علامہ کی بخاری شریف کی درسی تقریر "فیض الباری" کے نام سے عربی کا جامہ پہن کر اور زیور طبع سے آراستہ ہو کر زندۂ وجاوید بن گئی، یعنی حضرت مولانا بدر عالم صاحب میرٹھی ثم المدنیؒ کے بھی اس سلسلے میں گراں قدر نقوش ہیں، جن میں ان کا ایک رسالہ "آواز حق" جب منظر عام پر آیا تو اہل نظر نے بڑی قدر کی نگاہ سے دیکھا، چنانچہ پروفیسر صلاح الدین محمد الیاس برنی۔ جن کی تصنیف "قادیانی مذہب" اس موضوع پر سنگ میل کا درجہ رکھنے والی ایسی کتاب ہے جس سے قادیانیت پر کام کرنے والا کوئی شخص بے نیاز نہیں رہ سکتا۔ نے اپنی اسی کتاب کی تمہید میں لکھا ہے "قادیانی صاحبان کی یہ غیر معمولی یورش اور سرگرمیاں دیکھ کر بالآخر مسلمانوں میں بھی توجہ و حرکت پیدا ہوئی، تحقیق کا شوق پھیلا چنانچہ ختم نبوت کے مسئلہ پر مسلمانوں کی طرف سے بھی رسالے نکلنے شروع ہوئے، لیکن اس سلسلہ میں سب سے مدلل اور جامع رسالہ "آواز حق" نکلا، جو مولانا

بدر عالم صاحب میرٹھی استاذ جامعہ اسلامیہ ڈابھیل کا علمی کرشمہ ہے ..... اور حیدر آباد میں شائع ہوا" (قادیانی مذہب ص۳)

اسکے علاوہ مولانا مرحوم نے اپنی گراں قدر بلکہ شاہکار تصنیف "ترجمان السنہ" کے حصہ سوم کے مستقل ایک باب میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے زندہ آسمان پر تشریف لے جانے اور قیامت کے قریب پھر آسمان سے تشریف لانے پر احادیث نبویہ نیز دلائل عقلیہ سے استدلال کرکے اسے ثابت کیا ہے، مولانا نے مسئلہ نزول عیسیٰ علیہ السلام پر اس تفصیل کے ساتھ کلام قادیانی فتنہ کے ہی پیش نظر کیا ہے اور قادیانی تلبیسات کا اچھی طرح جائزہ لے کر پراگندہ نقاب کیا ہے اسی لئے یہ باب کتابی شکل میں مصنف کے پیش لفظ کے ساتھ "نزول عیسیٰ علیہ السلام" کے نام سے پاکستان کے ایک ادارہ (ادارۂ نشریات اسلام، رحیم یار خاں) نے علاحدہ شائع کر دیا ہے اس میں مولانا نے اپنے خاص محققانہ اسلوب میں بہت بصیرت افروز اور علمی طریقہ پر نزول مسیح کے بارے میں اہل سنت کے عقیدہ کا اثبات اور مرزائی دعوائے مسیحیت کا ابطال کیا ہے، موصوف نے بحث کا آغاز ہی ایک نسبتہً اچھوتے اور مؤثر انداز میں کیا ہے، فرماتے ہیں: "حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا رفع و نزول بے شک عالم کے عام دستور کے خلاف ہے،" لیکن ذرا اس پر بھی تو غور کیجئے کہ ان کی ولادت کیا عالم کے عام دستور کے موافق ہے؟ ان کا نزول عالم کے درمیانی واقعات میں سے نہیں بلکہ عالم کے تخریب کی علامات میں شمار ہے، اور تخریب عالم، یعنی قیامت کی بڑی علامات میں سے ایک علامت بھی ایسی نہیں جو عالم کے عام دستور کے موافق ہو" (نزول عیسیٰ ص۹)

اس بارے میں علامہ کشمیری کے ایک اور شاگرد حضرت مولانا محمد منظور نعمانی مدظلہ کی علمی کاوشوں کا ذکر نہ کرنا موصوف کے ساتھ ہی نہیں، موضوع کے ساتھ بھی

ناانصافی ہوگی، مولانا نعمانی کے قلم کی سادگی اور پرکاری عوام، بالخصوص بے پڑھے لکھے یا بہت کم پڑھے لکھے لوگوں کیلئے جس درجہ مفید اور مؤثر ہوتی ہے، اس کا مقابلہ نیز دلوں میں اتر جانے والے ان کے انداز تحریر کا اثر عام لوگ جتنا لیتے ہیں اس کی برابری کم سے کم موجودہ فضلائے دارالعلوم میں شاید ہی کوئی کرسکے، مولانا محترم کے اپنے اسی خاص طرز میں مختصر مگر نہایت جامع اور مؤثر دو رسالے "قادیانیت پر غور کرنیکا سیدھا راستہ" اور "قادیانی کیوں مسلمان نہیں" عام طور پر قادیانیت کے توڑ میں جتنے مفید، بلکہ سم قادیانیت کے بارے میں عوام کے لئے جس درجہ اکسیر ہیں، اس میں غالباً اس درجہ کی کسی اور کتاب کا نام لینا مشکل ہوگا البتہ دارالعلوم کے مستفیدین میں عالمی شہرت کے حامل مفکر اسلام حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندوی مدظلہ، کی کتاب "قادیانیت" خصوصاً جدید تعلیم یافتہ طبقہ کے لئے مرزائیت کے زہر کا تریاق فراہم کرتی ہے، مولانائے محترم نے اس گروہ کی نفسیات اور ان کی ذہنی سطح و مذاق کا پورا لحاظ رکھتے ہوئے عصری اسلوب میں یہ کتاب لکھی ہے اور ایک خاص بات یہ تحریر فرمائی ہے۔ جس کے لئے بعض غیر مسلم ہندوستانیوں کے مضامین بطور حوالہ پیش کئے ہیں. کہ قادیانیوں کو "ہندو" قومیت کے علمبردار ذہین لوگوں کی تائید و حمایت بھی حاصل رہی ہے، کیوں کہ وہ سمجھتے ہیں کہ "قادیانی نبوت پر ایمان لانے والوں کا قبلہ ہندوستان ہوگا نہ کہ حجاز" اور اس "تحویل قبلہ" کے جو دوررس نتائج ہوسکتے ہیں وہ اہل نظر سے مخفی نہیں (دیکھئے قادیانیت ص ۱۷۵ طبع لاہور ۱۳۸۶ھ)

مولانا علی میاں صاحب نے ایک دوسری کتاب "النبی الخاتم" بھی لکھی ہے جس میں اس فتنہ کے بعض اور اہم پہلو بھی سامنے لائے گئے ہیں، مثلاً یہ کہ "ختم نبوت" کا عقیدہ جن ملتوں میں نہیں ہے (مثلاً عیسائیت) وہ اس درجہ

انتشار اور پراگندگی کا شکار ہیں کہ ہر روز نت نئے پیغمبروں سے تنگ آکر وہ ان سب کی تکذیب ہی میں عافیت سمجھنے لگیں، اس پر مولانا نے ان ملتوں کے بعض ذہین لوگوں کی تصانیف شہادت میں پیش کیں (تفصیل کے لئے دیکھئے النبی الخاتم (عربی) از صـ۵۵ تا صـ۶۴)

آخر میں "مسک الختام" کے طور پر دارالعلوم کے اس عظیم فرزند کے ذکر سے قلم کو عزت بخشنا اور مقالہ کا حسنِ اتمام مقصود ہے جس نے نہ صرف زبان و قلم سے اس فتنہ کا مقابلہ کیا بلکہ اس کی سرکوبی کے لئے سربکف میدان میں اتر پڑا کہ پھر جس کی قلندرانہ جسارت کی بنا پر ان فتنہ ساموں کا عرصۂ حیات اسی سرزمین میں تنگ ہوگیا، جو سب سے زیادہ ان کے لئے فراخ، اور اپنے سینہ میں وسعت رکھتی تھی، میری مراد حضرت مولانا سید محمد یوسف صاحب بنوری علیہ الرحمہ سے ہے کہ جن کی مساعی جمیلہ اور تحریک "تحفظ ختم نبوت"، (کہ جس کے آخری اور فیصلہ کن دور میں وہ قائد تھے) کی بدولت پہلے پاکستان میں، پھر اس کی اتباع میں عالم اسلام کے دیگر ملکوں میں قادیانیوں کو غیر مسلم اور کافر قرار دیا گیا ۔

ربنا لا تزغ قلوبنا بعد اذ هديتنا وهب لنا من لدنك رحمة انك انت الوهاب ۔

احقر

محمد برہان الدین

دارالعلوم ندوۃ العلماء ۔ لکھنؤ

رأس الاذکیاء

حضرت مولانا سید احمد حسن محدث امروہی

اور مرزا قادیانی

مولانا مفتی نسیم احمد صاحب فریدی امروہی

حضرت مولانا سید احمد حسن محدث امروہی (م ۱۳۳۰ھ) حضرت قاسم العلوم والمعارف کے ارشد تلامذہ میں سے تھے، حضرت حاجی امداد اللہ مہاجر مکی اور حضرت نانوتوی کے خلیفہ مجاز بھی تھے، تحریر و تقریر میں اپنے استاذ معظم سے بہت مشابہت رکھتے تھے اس لئے ان کو تصویر قاسم[ع] کہا جاتا تھا، حضرت مولانا نانوتوی ہی کے زمانے میں وہ کافی شہرت حاصل کر چکے تھے مدرسہ اسلامیہ خورجہ اور مدرسہ عبدالرب دہلی میں مسند صدارت پر فائز رہے، بعدہ ۱۲۹۶ھ میں وہ حضرت نانوتوی کے ایما سے مدرسہ شاہی مراد آباد کے سب سے پہلے صدر المدرسین ہوئے، ۱۳۰۲ھ میں مدرسہ

ع حضرت شیخ الہند نے حضرت محدث امروہی کا مرثیہ لکھا ہے جس کے چند اشعار یہ ہیں۔

گم ہوئی آج صد حسرت ہمارے ہاتھ سے ؛ حضرت قاسم نشانی دے گئے تھے جو
سید العلماء امام اہل عقل و اہل نقل ؛ پاک صورت پاک سیرت صاحب خلق نکو
جب شبیہ قاسمی سے بھی ہوئے محروم ہم ؛ تم ہی بتلا دو کہ پھر ہم کیا کریں اے دوستو!
لوگ کہتے ہیں کہ چلے علامہ احمد حسن ؛ اور میں کہتا ہوں وفات قاسمی ہو نہ ہو
کامل و اکمل سبھی موجود ہیں پر اسکو کیا؟ ؛ جو کہ مشتاق ادائے قاسم خیرات ہو
اپنی اپنی جگہ پر قائم ہیں سب اہل کمال ؛ پر جگہ استاد کی خالی پڑی ہے دیکھ لو!
باد دل پر پاس آئی کان میں میرے صدا ؛ حک ہوئی تصویر قاسم صفحۂ ہستی سے لو

۱۳۳۰ھ

شاہی سے مستعفی ہو کر مدرسہ اسلامیہ عربیہ جامع مسجد امروہہ کی داغ بیل ڈالی،
دیکھتے ہی دیکھتے یہ مدرسہ بام عروج پر پہونچ گیا اور ملک و بیرون ملک سے جوق در جوق
تشنگان علوم اس دارالعلم میں آتے رہے۔ حضرت محدث امروہی کی شخصیت اور
حضرت نانوتوی کی نسبت کی وجہ سے یہ مدرسہ بھی دیوبند اور سہارنپور کے مدارس
سے کسی طرح کم نہ تھا، حضرت محدث امروہی کے شاگرد رشید، جو حضرت نانوتوی
اور حضرت گنگوہی کے بھی شاگرد نیز حضرت حاجی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے خلیفہ و مجاز
یعنی مفسر قرآن حضرت مولانا حافظ عبدالرحمن صدیقی محشی بیضاوی، حافظ عبدالغنی
صاحب پھلاؤدی اور دیگر باکمال اساتذہ نے اس مدرسہ کو حضرت امروہی کی
رفاقت میں چلایا، استاذالقراء حضرت قاری ضیاء الدین الہ آبادی نے اس مدرسہ میں
درس تجوید دیا اور یہیں دورۂ حدیث پڑھ کر سند فراغ حاصل کی، مولانا سید علی زینبی،
امروہی، بابائے طب حکیم فرید احمد عباسی، مولانا محمد امین الدین مترجم نفیسی جیسے سیکڑوں
باکمال حضرات نے جو اپنے اپنے علاقوں میں صاحب درس و فتویٰ ہوئے اور تعلیم
و تبلیغ کا کام انجام دیا۔ اس چشمۂ فیض سے سیرابی حاصل کی۔

پروفیسر عبدالعزیز میمن نے بھی اس مدرسہ میں کچھ عرصہ تعلیم پائی ہے، معقول
و منقول کی انتہائی تعلیم اس درسگاہ میں ہوتی تھی یہاں کے فارغ شدگان کی
ایک طویل فہرست ہے جس کو یہاں درج کرنا مقصود نہیں۔

حضرت امروہی نے اپنے استاذ حضرت قاسم العلوم والمعارف کی طرح ہر فتنہ
کا مقابلہ کیا اور اپنی تحریر و تقریر سے باطل کو ابھرنے نہ دیا، باطل کی سرکوبی کرنا ان
کا خاص نصب العین تھا، اس کام کو کہاں کہاں اور کس کس تدبیر سے انجام دیا
اس کی تفصیل بھی مدنظر نہیں، مجھے اس مقالہ میں صرف حضرت محدث امروہی کی اس
جدوجہد کو ذکر کرنا ہے جو انھوں نے مرزا قادیانی کے مقابلہ میں کی، بدقسمتی سے امروہہ

میں حکیم محمد احسن جو ایک اچھے خاندان کے فرد تھے مرزا قادیانی کے دام فریب میں آگئے اور قادیان سے ان کا وظیفہ مقرر ہو گیا، قادیانی مذہب کے واقفین پر یہ بات پوشیدہ نہیں ہے کہ حکیم محمد احسن امروہیؒ اور حکیم نورالدین بھیروی قادیانیوں کے یہاں نعوذ باللہ شیخین کا رتبہ رکھتے ہیں اور ان کو رضی اللہ عنہ لکھا جاتا ہے، مرزا کی جھوٹی نبوت کا دار و مدار انھیں دونوں کی دجل آمیز تحقیق پر تھا، حکیم محمد احسن نے اپنے محلہ کے قریب رہنے والے چند اشخاص کو مرزا قادیانی کی طرف مائل کر دیا تھا حضرت مولانا امروہیؒ اور ان کے ذی استعداد شاگردوں نے حکیم محمد احسن کا ڈٹ کر مقابلہ کیا اور وہ اپنی باطل و بیجا کوشش میں امید کے مطابق کامیاب نہ ہو سکے ان لوگوں میں سے جو قادیانی کی طرف مائل ہو گئے تھے بعض لوگوں نے توبہ کر لی تھی حضرت محدث امروہیؒ کو بڑا فکر تھا کہ ان کے وطن میں یہ فتنہ وباء کی طرح پھیلتا جا رہا ہے چنانچہ وہ اپنے ایک مکتوب گرامی میں جو مولانا حافظ سید عبدالغنی صاحب پھلاؤدی کے نام ہے اس فتنہ کا ذکر فرماتے ہیں۔

بندہ نحیف احقر الزمن احمد حسن غفرلہ۔

بخدمت برادر مکرم جامع کمالات عزیزم حافظ مولوی محمد عبدالغنی سلمہ اللہ تعالیٰ

بعد سلام مدعا نگار ہے کہ .... امروہہ میں اور خاص محلہ دربار (کلاں) میں ایک مرض وبائی مہلک یہ پھیل رہا (ہے) کہ محمد احسن جو مرزا قادیانی کا خاص حواری ہے، اس نے حکیم آل محمد کو جو مولانا نانوتوی علیہ الرحمہ سے بیعت تھے مرزا کا مرید بنا چھوڑا اور سید بدر الحسن کو جس نے مدرسہ میں مجھ ناکارہ سے بھی

ــــہ مولانا سید بدرالحسن امروہی حضرت امروہیؒ کے تلامذہ میں سے تھے، ان کی آمد و رفت محمد احسن کے پاس رہنے لگی اور ان کی باتیں سنکر حیات مسیح علیہ السلام میں (بقیہ اگلے صفحہ پر)

کچھ پڑھا رہے) مرزا کی طرف مائل (کردیا) ان دونوں کے بگڑنے سے محمد احسن کی بن پڑی، لن ترانیاں کرنی شروع کیں، طلبہ کے مقابلے سے یوں عقب گذاری (کی) احمد حسن میرے مقابلہ پر آوے، میں جب مناظرہ پر آمادہ ہوا اور یہ پیغام دیا کہ حضرت! مرزا کو بلائیے صَرف راہ میرے ذمہ (دیا) مجھ کو لے چلئے میں خود اپنے صرف کا متکفل (رہوں گا) بسم اللہ آپ اور مرزا دونوں مل کر مجھ سے مناظرہ کیجئے یا میرے طلبہ سے مناظرہ کیجئے ان کی مغلوبی میری مغلوبی، تب مناظرہ کا دعویٰ چھوڑ، مباہلہ کا ارادہ کیا، بنام خدا میں اس پر آمادہ ہوا اور بے تکلف کہلا بھیجا، بسم اللہ مرزا آوے، مباہلہ، مناظرہ جو شق وہ اختیار کرے میں موجود ہوں (یعنی) اسکے بعد جامع مسجد (امروہہ میں) ایک وعظ کہا اور اس پیغام کا بھی اعلان کردیا اور مرزا کے خیالاتِ فاسدہ کا پورا رد کیا۔

کل بروز جمعہ دوسرا وعظ ہوا جو بفضلہ تعالیٰ بہت پرزور تھا اور بہت زور کے

(بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ) ان کو شک و تردد ہوگیا، بہت سے علماء نے ہر چند ان کو سمجھایا لیکن ان میں باطل کا اثر ہوگیا تھا اسلئے کسی کی نہ سنتے تھے اور الٹا مناظرہ کرتے تھے، حضرت محدث امروہی کو اس کی اطلاع ہوچکی تھی ایک دن ان کو حضرت کے پاس لایا گیا یا وہ خود بخود آئے۔ حضرتؒ نے ان کو دیکھ کر فرمایا مولوی بدالحسن، حقیقت میں تم ہمارے طبیب روحانی ہو، ہمیں غرور ہوچلا تھا کہ ہمارا شاگرد اور ہمارے پاس بیٹھنے والا باطل میں گرفتار نہیں ہوسکتا، اب معلوم ہوا کہ یہ بات غلط ہے تم نے ہمارا غرور توڑ دیا۔ نہ معلوم کس جذبہ سے یہ الفاظ فرمائے تھے کہ مولوی بدرالحسن زار زار رونے لگے اور قدموں پر لوٹتے لوٹتے پھرے اور اپنے فاسد عقیدہ سے توبہ کی یہی بدرالحسن حضرت رحمۃ اللہ علیہ کے ساتھ مجلس مناظرہ رامپور میں موجود تھے۔

ساتھ یہ پکار دیا کہ دیکھو مولوی فضل حق کا یہ اشتہار مطبوعہ (اور) میرا یہ اعلان مرزا صاحب کو کوئی صاحب لوجہ اللہ غیرت دلائیں، کب تک خلوت خانہ میں چوڑیاں پہنے بیٹھے رہوگے؟ میدان میں آؤ اور اللہ برتر کی قدرتِ کاملہ کا تماشا دیکھو کہ ابھی تک خدا کے کیسے کیسے بندے تم سے دجالِ امت کی سرکوبی کے واسطے موجود ہیں۔ اگر تم کو اور تمہارے حواریین کو غیرت ہے تو آؤ ورنہ اپنے ہفوات سے باز آؤ۔ بفضلہ تعالیٰ ان دونوں وعظوں کا اثر شہر میں امید سے زیادہ پڑا اور دشمن مرعوب ہوا۔

پیش گوئی تو یہ ہے کہ نہ مباہلہ ہو، نہ مناظرہ مگر دعا نے ہر وقت یاد رکھنا، مولانا گنگوہی مدظلہٗ (اور) مولوی محمود حسن صاحب دیوبندی نے بہت کلماتِ اطمینان تحریر فرمائے ہیں، ارادہ (ہے) دو چار وعظ اور کہوں۔

(۲۰ ذیقعدہ ۱۳۱۹ھ مطابق یکم مارچ ۱۹۰۲ء از امروہہ)

خود حضرت محدث امروہیؒ نے مرزا کو براہ راست بھی ایک مکتوب گرامی تحریر فرمایا جو قادیانیوں کی روئیداد مباحثہ رامپور میں درج ہے۔ حضرت تحریر فرماتے ہیں "بسم اللہ آپ تشریف لائیے، میں آپ کا مخالف ہوں، آپ مسیح موعود نہیں اور نہ ہو سکتے ہیں آپ اپنے کو مسیح موعود ہونے کا دعویٰ کرتے ہیں، میں بنام خدا مستعد ہوں، خواہ مناظرہ کیجئے یا مباہلہ آپ اپنے اس دعویٰ کا احادیث معتبرہ سے ثبوت دیجئے میں انشاء اللہ تعالیٰ اس دعوے کی قرآن و احادیث صحیحہ سے تردید کروں گا۔ والسلام علیٰ من اتبع الہدیٰ

راقم خادم الطلبہ احقر الزمن احمد حسن غفرلہٗ

مدرس مدرسہ عربیہ امروہہ

(حاشیہ اگلے صفحہ پر دیکھیں) (رسالہ ضروری مباحثہ رامپوری ص۵)

ان تمام کوششوں کا ذکر مرزائے قادیان کے سامنے بھی ان کی جماعت کی طرف سے بذریعہ خط یا براہ راست کیا جاتا ہوگا، مرزا کو جہاں دیگر علماء حق سے عناد تھا حضرت امروہیؒ سے بھی دلی بغض ہوگیا اور ایک رسالہ دافع البلاء لکھا جس میں ایک بڑی لمبی چوڑی تمہید کے بعد حضرت امروہیؒ کو مخاطب کیا ہے، مخاطبت میں جو الفاظ استعمال کئے ہیں ان سے اندازہ ہوتا ہے کہ مرزا کو حضرتؒ کی ذات سے اپنے لئے بڑا خطرہ لاحق ہوگیا تھا، دافع البلاء سے مرزا کی تحریر کے چند جملے یہاں پیش کئے جاتے ہیں۔

(حاشیہ صفحہ گذشتہ) ؏ حضرت محدث امروہیؒ کی ایک تحریر مجھے ملی ہے جو عربی زبان میں ہے اور جس کو میں رسالہ دارالعلوم دیوبند بابت شعبان ۱۳۷۳ھ میں سلسلہ سوانح حضرت محدث امروہیؒ شائع کراچکا ہوں اس کا ترجمہ ذیل میں پیش کیا جاتا ہے "اس میں کوئی شبہ نہیں کہ مسیح ابن مریم علیہما السلام کو اللہ تعالیٰ نے زندہ آسمان کی طرف اٹھایا اور انکو قتل وصلیب سے بچا لیا وہ قرب قیامت میں خروج دجال کے بعد جامع دمشق کے منارۂ شرقی سے اتریں گے اور وہ دو زرد چادروں میں لپٹے ہوں گے اور دو فرشتوں پر اپنے دونوں ہاتھ رکھے ہوئے ہوں گے ان کے سر سے پانی ٹپک رہا ہوگا، گویا وہ ابھی غسل کرکے غسل خانہ سے برآمد ہوئے ہیں وہ صلیب کو توڑ دیں گے، خنزیر کو قتل کردیں گے، جزیہ موقوف کردینگے دجال اکبر ان کے ہاتھ سے قتل ہوگا ان کے سانس سے کافر مرجائیگا، جہاں تک ان کی نظر جائے گی باطل ختم ہوجائیگا، یہ باتیں حق ہیں اس میں باطل کو راہ نہیں۔ کتاب اللہ سے اور نبی صادق ومصدوق صلی اللہ علیہ وسلم کے اقوال سے یہی ثابت ہے، جو شخص یہ دعویٰ کرتا ہے کہ مسیح ابن مریم وفات پاگئے اور وہ خود نعوذ باللہ (باقی آگے)

...... مولوی احمد حسن صاحب امروہی کو ہمارے مقابلہ کیلئے خوب موقع مل گیاہے ہم نے سنا ہے کہ وہ بھی دوسرے مولویوں کی طرح اپنے مشرکانہ عقیدہ کی حمایت میں، تاکہ کسی طرح حضرت مسیح ابن مریم کو موت سے بچائیں اور دوبارہ اتار کر خاتم الانبیاء بنا دیں بڑی جانکاہی سے کوشش کر رہے ہیں.... اگر مولوی احمد حسن صاحب کسی طرح باز نہیں آتے تو اب وقت آگیا ہے کہ آسمانی فیصلہ سے ان کو پتہ لگ جائے یعنی اگر وہ درحقیقت مجھے جھوٹا سمجھتے ہیں اور میرے الہامات کو انسان کا افترا خیال کرتے ہیں نہ خدا کا کلام تو سہل طریق یہ ہے کہ جس طرح میں نے خدا تعالیٰ سے الہام پاکر انہ اوی القریۃ لولا الاکرام لھلک المقام وانہ اوی الامروھہ لکھ دیں مومنوں کی دعا تو

(بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ) مسیح موعود ہے اس نے اللہ اور اسکے رسول سے بغاوت کی اور اس نے کتاب اللہ اور احادیث کی نصوص ظاہرہ سے اعراض کیا اور امر ثابت کی مخالفت کی وہ ومن یشاقق الرسول آلآیہ کا مصداق ہے، یہ مرزائی جھوٹ بولتے ہیں، یہ نزول عیسیٰ علیہ السّلام کے منکر ہیں، عنقریب اللہ تعالیٰ ان کے قول کو باطل کر دکھلائیگا اور حق کی فتح ہوگی، اللہ تعالیٰ بہترین کارساز ہے، اے مسلمانو! اور اے کتاب اللہ و احادیث رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے شیدائیو! تم اس گمراہ اور گمراہ کن شخص سے بچتے رہو اور اسکے میل جول سے سخت پرہیز رکھو اس لئے کہ یہ اس امت کا دجال ہے حضور سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے کہ قیامت قائم نہ ہوگی جب تک تیس جھوٹے دجال نہ آجائیں ان میں سے ہر ایک یہ دعویٰ کرے گا کہ میں اللہ کا رسول ہوں۔ حررہ خادم الطلبہ احقر الزمن

احمد حسن الحسینی الامروہی غفرلہ ولوالدیہ واحسن الیہما والیہ

خدا سنتا ہے وہ شخص کیسا مومن ہے کہ ایسے شخص کی دعا اسکے مقابلہ میں تو سنی
جاتی ہے جس کا نام اس نے دجال اور بے ایمان اور مفتری رکھا ہے مگر اس کی اپنی دعائیں
نہیں سنی جاتیں. پس جس حالت میں میری دعا قبول کر کے اللہ تعالیٰ نے فرمادیا کہ
میں قادیان کو اس تباہی سے محفوظ رکھوں گا خصوصاً ایسی تباہی سے کہ لوگ
کتوں کی طرح طاعون کی وجہ سے مریں یہاں تک کہ بھاگنے اور منتشر ہونے کی نوبت
آوے. اسی طرح مولوی احمد حسن صاحب کو چاہیئے کہ اپنے خدا سے جس طرح
ہو سکے امروہہ کی نسبت دعا قبول کرالیں کہ وہ طاعون سے پاک رہے گا
اور اب تک یہ دعا قریب قیاس بھی ہے کیوں کہ ابھی تک امروہہ طاعون سے
دو سو کوس کے فاصلہ پر ہے لیکن قادیان سے طاعون چاروں طرف سے بفاصلہ
دو کوس آگ لگا رہی ہے[عہ]، یہ ایک ایسا صاف صاف مقابلہ ہے کہ اس میں لوگوں کی
بھلائی بھی ہے اور نیز صدق اور کذب کی شناخت بھی کیونکہ اگر مولوی احمد حسن
صاحب لعنت باری کا مقابلہ کر کے دنیا سے گذر گئے تو اس سے امروہہ
کو کیا فائدہ ہوگا، لیکن اگر انھوں نے اپنے فرضی مسیح کی خاطر دعا قبول کرا کے
خدا سے یہ بات منوالی کہ امروہہ میں طاعون نہیں پڑے گی تو اس صورت میں
نہ صرف ان کو فتح ہوگی بلکہ تمام امروہہ پر ان کا ایسا احسان ہوگا کہ لوگ اس کا
شکر نہیں کر سکیں گے اور مناسب ہے کہ ایسے مباہلہ کا مضمون اس اشتہار کے
کے شائع ہونے سے پندرہ دن تک بذریعہ چھپے ہوئے اشتہار کے دنیا میں
شائع کر دے جس کا یہ مضمون ہو کہ میں یہ اشتہار مرزا غلام احمد کے مقابل پر شائع
کرتا ہوں جنھوں نے مسیح موعود ہونے کا دعویٰ کیا ہے اور میں جو مومن ہوں
دعا کی قبولیت پر بھروسہ کر کے یا الہام پا کر یا خواب دیکھ کر یہ اشتہار دیتا ہوں

[عہ] مرزا قادیانی کے یہاں طاعون مؤنث ہے

کہ امروہہ ضرور بالضرور طاعون کی دست برد سے محفوظ رہے گا لیکن قادیان میں تباہی پڑے گی کیونکہ مفتری کے رہنے کی جگہ ہے" اس اشتہار سے غالب آئندہ جاڑے تک فیصلہ ہو جائیگا، دوسرے تیسرے جاڑے تک ...... اول یہ کارروائی (طاعون) پنجاب میں شروع ہوئی لیکن امروہہ بھی مسیح موعود کی محیط ہمت سے دور نہیں، اس لئے اس مسیح کا کافر کش دم ضرور امروہہ تک بھی پہونچیگا یہی ہماری طرف سے دعویٰ ہے، مولوی احمد حسن اس اشتہار کے شائع ہونے کے بعد جس کو وہ قسم کے ساتھ شائع کرے گا امروہہ کو طاعون سے بچا سکا اور کم سے کم تین جاڑے امن سے گذر گئے تو میں خدا تعالیٰ کی طرف سے نہیں، پس اس سے بڑھ کر اور کیا فیصلہ ہوگا اور میں بھی خدا تعالیٰ کی قسم کھا کر کہتا ہوں کہ میں مسیح موعود ہوں اور وہی ہوں جس کا نبیوں نے وعدہ دیا ہے اور میری نسبت اور میرے زمانے کی نسبت توریت اور انجیل اور قرآن شریف میں خبر موجود ہے کہ اس وقت آسمان پر خسوف وکسوف ہوگا اور زمین پر طاعون پڑے گی، اور میرا یہی نشان ہے کہ ہر ایک مخالف خواہ وہ امروہہ میں رہتا ہو اور خواہ امرتسر میں اور خواہ دہلی میں اور خواہ کلکتہ میں اور خواہ لاہور میں اور خواہ گولڑہ میں اور خواہ بٹالہ میں اگر وہ قسم کھا کر کہے گا کہ اس کا فلاں مقام طاعون سے پاک رہیگا تو ضرور وہ مقام طاعون میں گرفتار ہو جائیگا. کیونکہ اس نے خدائے تعالیٰ کے مقابل پر گستاخی کی اور یہ امر کچھ مولوی احمد حسن صاحب تک محدود نہیں بلکہ اب تو آسمان سے عام مقابلہ کا وقت آگیا اور جس قدر لوگ مجھے جھوٹا سمجھتے ہیں جیسے شیخ محمد حسین بٹالوی جو مولوی کرکے مشہور ہیں اور پیر مہر علی شاہ گولڑوی جس نے بہتوں کو خدا کی راہ سے روکا ہوا ہے اور عبد الجبار اور عبد الحق اور عبد الواحد غزنوی

جو مولوی عبداللہ کی جماعت میں سے ملہم کہلاتے ہیں، اور منشی الٰہی بخش صاحب۔
اکاؤنٹنٹ جنھوں نے میرے مخالف الہام کا دعویٰ کرکے مولوی عبداللہ صاحب کو سید
بنادیا ہے اور اس قدر صریح جھوٹ سے نفرت نہیں کی اور ایسا ہی نذیر حسین دہلوی
جو ظالم طبع اور تکفیر کا بانی ہے ان سب کو چاہیے کہ ایسے موقعہ پر اپنے الہاموں اور اپنے
ایمان کی عزت رکھ لیں اور اپنے اپنے مقام کی نسبت اشتہار دے دیں کہ وہ طاعون
سے بچایا جائیگا اس میں مخلوق کی سراسر بھلائی اور گورنمنٹ کی خیرخواہی ہے اور ان
لوگوں کی عظمت ثابت ہوگی اور ولی سمجھے جائیں گے ورنہ وہ اپنے کاذب اور مفتری
ہونے پر مہر لگا دیں گے اور ہم عنقریب انشاء اللہ اس بارے میں مفصل اشتہار
شائع کریں گے۔ والسلام علیٰ من اتبع الہدیٰ

(ماخوذ از دافع البلاء، ص۱۵ تا ص۱۸ مطبوعہ ضیاء الاسلام قادیان مورخہ اپریل ۱۹۰۲ء)

طاعون کی پیش گوئی کا انجام

قادیان میں طاعون کا آنا:۔ مولانا ثناء اللہ امرتسری نے مرزا کی بہت سی
پیش گوئیوں کا اثر دکھانے کے بعد اس پیش گوئی پر بھی اپنے رسالے
الہاماتِ مرزا میں بہت تفصیل سے لکھا ہے، میں اس موضوع پر ان کے لکھے ہوئے مضامین میں سے چند
اقتباسات پیش کرتا ہوں، مولانا امرتسری فرماتے ہیں

"اس پیش گوئی پر تو مرزا جی نے اپنی صداقت کا بہت کچھ مدار رکھا ہے، رسالہ
دافع البلاء میں تو اس قدر زور ہے کہ تمام دنیا کے لوگوں کو للکارا جاتا ہے:" کوئی ہے
کہ وہ بھی ہماری طرح اپنے اپنے شہر کی بابت کہے انہ اوی القریۃ۔ یہاں (قادیان
میں) طاعون کیوں نہیں آتا؟ بلکہ جو کوئی باہر کا آدمی قادیان میں آجاتا ہے وہ بھی اچھا
ہوجاتا ہے:" مگر خدا کی شان کیا ہی کسی نے سچ کہا ہے۔ شعر

حباب بحر کو دیکھو وہ کیسا سر اٹھاتا ہے
تکبر وہ بری شئی ہے کہ فوراً ٹوٹ جاتا ہے

چند روز تو مرزا جی نے بہت کوشش کی کہ قادیان کے طاعون کا اظہار نہ ہو مگر بکری کی ماں کب تک خیر منائے۔ آخر جب یہ امر ایسا متحقق ہو گیا کہ مرزا جی کو اپنی جان کے لالے پڑ گئے تو ایک اعلان جلی حرفوں میں جاری کیا جو درج ذیل ہے۔

اعلان :- "چونکہ آج کل مرض طاعون ہر جگہ بہت زور پر ہے اس لئے اگرچہ قادیان میں نسبتاً آرام ہے لیکن مناسب معلوم ہوتا ہے کہ بر عایت اسباب بڑا مجمع جمع ہونے سے پرہیز کیا جائے اس لئے یہ قرین مصلحت ہوا کہ دسمبر کی تعطیلوں میں جیسا کہ پہلے اکثر احباب قادیان میں جمع ہو جایا کرتے تھے، اب کی دفعہ اس اجتماع کو بلحاظ مذکورہ بالا ضرورت کے موقوف رکھیں اور اپنی اپنی جگہ پر خدا سے دعا کرتے رہیں کہ وہ اس خطرناک ابتلاء سے ان کو اور ان کے اہل و عیال کو بچا دے"

(اخبار البدر قادیان ۱۹ دسمبر ۱۹۰۲ء)

اللہ اللہ کیسی دبی زبان سے قادیان میں طاعون ہونے کا اقرار ہے کس سوچ بچار سے لکھا گیا ہے کہ "نسبتاً آرام" ہے جس سے دام اعتقادوں کو بالکل آرام ہی معلوم ہو مگر دانا اس نسبتاً کے لفظ کی نسبت کو سمجھتے ہیں اور اس کی جانچ کرنے کو سرکاری رپورٹیں پیش کرتے ہیں، چنانچہ قادیان کے اخبار البدر (جو مرزا جی کا ڈائری نویس ہے) کے نمبر ۱ صفحہ ۲ پر لکھا ہے کہ۔

رائے پرتاپ سنگھ نے (جو قادیان میں لوگوں کو ٹیکہ لگانے آئے تھے) کہا کہ میں مرزا صاحب سے بھی کہتا مگر انھوں نے ڈھنگ بنایا ہوا ہے اس لئے میں نے سر دست ان کی خدمت میں کچھ نہیں کہتا۔ میں یہاں نہ آتا مگر چونکہ متواتر رپورٹ پہونچ رہی ہے کہ (یہاں) چوہڑوں میں طاعون ہے اس لئے آیا ہوں

یہ سنکر جناب مرزا صاحب کس نازو ادا سے بعد تسلیم وجود طاعون دبی زبان سے تاویل فرماتے ہیں۔

انہ اوی القریہ میں قریہ کا لفظ ہے قادیان کا نام نہیں اور قریہ قیرا سے نکلا ہے جس کے معنی جمع ہونے اور اکٹھے بیٹھ کر کھانے کے ہیں وہ لوگ جو آپس میں مواکلت رکھتے ہیں، اس میں ہندو اور چوہڑے داخل نہیں۔

(اخبار مذکور، ۱۳ر اکتوبر ۱۹۰۲ء)

حالانکہ دافع البلاء مطبوعہ ریاض ہند مش پر لکھتے ہیں " خدا نے سبقت کر کے قادیان کا نام لے دیا ہے۔ اب یہاں صاف ہی انکار ہے۔ خدا کی شان کہ ابھی کل ہی کا ذکر ہے کہ یوں لکھا جاتا تھا اور شور مچایا جاتا تھا کہ

(تیسری بات جو اس وحی (متعلق طاعون) سے ثابت ہوتی ہے وہ یہ ہے کہ خدا تعالیٰ بہرحال جب تک کہ طاعون دنیا میں رہے گو ستر برس تک رہے) قادیان کو اس کی خوفناک تباہی سے محفوظ رکھیگا کیونکہ یہ اس کے رسول کا تخت گاہ رہے) اور یہ تمام امتوں کے لئے نشان ہے"

مولانا امرتسری اس عبارت کو درج کرنے کے بعد فرماتے ہیں۔

مگر آج یہ بات کھلی کہ قادیان کا نام ہی نہیں قادیان کے رہنے والوں سے ہم نے بگوش خود سنا کہ اگر مرزا یہ پیش گوئی نہ کرتا تو قادیان میں کبھی طاعون نہ آتا، جب سے اس نے پیش گوئی کی ہے ہم نے اسی روز سے سمجھا تھا کہ ہماری خیر نہیں، خدا اس کی تکذیب کرنے کو قادیان میں ضرور ہی طاعون بھیجے گا، سو ایسا ہی ہوا۔

۱۷ر اپریل ۱۹۰۲ء کے اخبار البدر قادیان میں مندرجہ ذیل ایک نوٹ ایڈیٹر کی طرف سے نکلا تھا (وہ یہ ہے)

قادیان آریہ سماج کے دوسرے سالانہ جلسہ پر جو کہ ۲-۳ اپریل کو ہوا، سنا گیا ہے کہ یوگیندر پال صاحب نے بڑے دعوے سے یہ پیش گوئی کی تھی کہ ہم بذریعہ ہَوَن کے قادیان کو (طاعون سے) پاک و صاف کریں گے ۔ سو جلسہ کا ختم ہونا تھا کہ یوگندر پال تو کیا صاف کرتے خود طاعون نے صفائی شروع کر دی

اخبار اہل حدیث امرتسر مورخہ ۲۰ مئی ۱۹۰۴ء کے پرچہ میں معتبر شہادت کے حوالہ سے بتلایا گیا ہے کہ مارچ اپریل ۱۹۰۴ء کے دو مہینوں میں ۳۱۴ آدمی قادیان میں طاعون سے مرے ہیں حالانکہ کل آبادی ۲۸۰۰ کی ہے، سب لوگ اِدھر اُدھر بھاگ گئے تمام قصبہ ویران سنسان نظر آتا ہے ۔

مولانا ثناء اللہ امرتسری مرزا غلام احمد قادیانی کی مندرجہ ذیل عبارت حقیقت الوحی ص‍ سے نقل فرماتے ہیں ۔

" طاعون کے دنوں میں جب کہ قادیان میں طاعون زور پر تھا میرا لڑکا شریف احمد بیمار ہوا (ماخوذ از الہامات مرزا مصنفہ مولانا ثناء اللہ امرتسری)

مناظرۂ رام پور

رامپور میں منشی ذوالفقار علی قادیانی ہو گئے تھے (جو مولانا محمد علی جوہر کے بڑے بھائی تھے) اور ان کے چچا زاد بھائی حافظ احمد علی خان شوق رامپوری، جماعت حقہ کے ساتھ تھے دونوں ہی نواب رامپور کے خاص ملازم تھے، مولانا ثناء اللہ امرتسری کے قول کے مطابق ان دونوں میں بحث و مباحثہ ہوا کرتا تھا، نواب حامد علی خاں والیٔ ریاست رامپور نے اس بحث و مباحثہ کا حال معلوم کر کے کہا کہ دونوں فریق سرکاری خرچ پر اپنے اپنے علماء کو بلائیں، چنانچہ ۱۵ر جون مناظرہ کے لئے مقرر ہوئی، اہل حق کی طرف سے حضرت محدث امروہی تلمیذ شیخ الہند

مولانا محمود حسن دیوبندیؒ، حضرت مولانا حافظ محمد احمدؒ، حضرت مولانا تھانوی وغیرہم کو مدعو کیا گیا، ابوالوفاء مولانا ثناء اللہ امرتسری نے مناظرہ کیا، فریق ثانی کی حمایت کے لئے حکیم محمد احسن امروہی، خواجہ کمال الدین وغیرہما رامپور پہونچے تھے حضرت مولانا امروہیؒ نے مولانا حافظ عبدالغنی پھلاودیؒ کو ایک مکتوب گرامی میں اس مناظرہ کے بارے میں یوں تحریر فرمایا تھا

...... امسال ایک مرتبہ دہرہ دون جانا ہوا اور پھر بھاگلپور، اب ریاست رامپور میں فیمابین اہل سنت وجماعت وگردہ قادیانی مناظرہ قرار پایا ہے، رئیس (نواب) کی خواہش ہے میری مشافہت میں مناظرہ ہو، قادیانیوں نے مولوی محمد احسن امروہیؒ (مولوی سَرور) اور دو چار اور کو منتخب کیا ہے، ادھر سے اول میرا نام لیا گیا ہے اور مولوی محمد اشرف علی صاحب کا (اور) مولوی خلیل احمد، مولوی مرتضیٰ حسن چاندپوری کا، نیز پندرہ جون مقرر ہے۔ کل بطلب بندہ رجسٹری خط آیا کہ آپ بروز پنجشنبہ دس جون کو رامپور آجاویں امور ضروریہ آپ کے سامنے طے ہونے ہیں، غالباً جمعہ کے بعد روانہ ہوں، میں نے مولانا محمود حسن صاحب صاحبزادہ صاحب (مولانا حافظ محمد احمدؒ) اور مولانا حبیب الرحمٰن صاحب کو لکھا ہے کہ (امروہہ) جمعہ پڑھیں اور ایک ساتھ روانہ ہوں، غالباً سب حضرات تشریف لاویں آپ کو ضروریہ تکلیف دی جاتی ہے کہ دعا اور ہمت قلبی سے اعانت کریں۔

(۱۹ر جمادی الاول ۱۳۲۷ھ بروز چہارشنبہ (مطابق) ۹ر جون ۱۹۰۹ء)

اپنے دوسرے مکتوب گرامی میں اس مناظرہ میں جو نمایاں کامیابی ہوئی اس کو مولانا حافظ عبدالغنی پھلاودیؒ کے نام ایک مکتوب میں یوں ارقام فرماتے ہیں۔

بندہ نحیف احقر الزمن احمد حسن غفرلہٗ ــــ بخدمت جامع کمالات

برادر مکرم مولوی حاجی حافظ محمد عبد الغنی صاحب سلمہم

بعد سلام مسنون مکلّف ہے۔

...... رامپور جانے کے بعد سہ شنبہ کے روز مناظرہ شروع ہوا مسئلہ وفات مسیح کا مولوی محمد احسن قادیانی.... مرزائی نے ثبوت پیش کیا مولوی ثناء اللہ امرتسری نے اہلِ اسلام کی طرف سے تحقیقی و الزامی وہ جوابات دنداں شکن دیئے کہ ماشاء اللہ مجلس میں ہر خاص و عام پر محمد احسن کی مغلوبی اور مولوی ثناء اللہ کا غلبہ واضح و ثابت ہوگیا، اسی روز رامپور میں عام شہرت ہوگئی (کہ) قادیانی پسپا ہوئے مگر وہ بے غیرت اگلے روز بھی آکر زیادہ ذلیل ہوئے، محمد احسن کو ناقابل مان کر خود ان کے گروہ نے دوسرا مناظر مقرر کیا وہ بھی کامیاب نہ ہوسکا، تیسرے روز الزامی جوابات میں بہت ذلیل ہوئے، نواب صاحب نے فرمایا یہ مسئلہ ختم ہوا اور حاضرین کو حق و ناحق معلوم ہوگیا، اب نبوتِ مرزا کا ثبوت دیجئے آمادہ نہ ہوئے اور ایک شب کی مہلت لی، شب میں یہ درخواست لکھی کہ حضور (نواب صاحب) اہل اسلام کے حامی ہیں بمقابلہ حضور ہم کو مناظرہ کرنا منظور نہیں، نیز مناظر اہل اسلام بدزبان ہے ہمارے مقتدا وسیلۂ نجات (مرزا قادیانی) کی بھاری گستاخی کرتا ہے، لہذا ہم کو مناظرہ کرنا کسی حال میں منظور نہیں، معاف فرمایئے۔ یہ درخواست لکھ کر بعضے شب میں ہی روانہ ہوئے اور بعضے دن میں راہی... والحمد للہ.......

(۲۸ رجون ۱۹۰۹ء)

اب مناسب خیال کرتا ہوں کہ مناظرہ رامپور کی کچھ روئیداد ہفت روزہ اخبار دبدبۂ سکندری رامپور سے پیش کی جائے

دبدبۂ سکندری کے دو پرچوں میں مناظرہ کا مختصر حال لکھا ہے مفصل طور پر مناظرہ کی رپورٹ نہیں لکھی ہے۔ ایک پرچہ سے معلوم ہوا کہ حافظ احمد علی صاحب نے

مناظرہ کی مکمل روئیداد دبدبۂ سکندری کو بھیجنے کا وعدہ کیا تھا، لیکن وہ بعض موانع
کی وجہ سے پوری کیفیت تحریر کرکے دبدبۂ سکندری کو نہ بھیج سکے، ممکن ہے مولانا
ثناء اللہ امرتسری نے اپنے رسالہ اہل حدیث میں مناظرہ کے تمام احوال وکوائف
شائع کر دیئے ہوں، لیکن رامپور کی رضا لائبریری میں اخبار اہل حدیث کا کوئی
فائل ۱۹۱۱ء سے پہلے کا نہیں ہے، حضرت محدث امروہیؒ کی ایک معرکۃ الآراء
تقریر بھی مناظرہ کے دوران یا اختتام پر نواب کی موجودگی میں ہوئی تھی اس کا بھی
حاضرین پر بہت اثر پڑا تھا، مولانا عبدالوہاب خاں رامپوری مرحوم نے مجھ سے
فرمایا تھا کہ میں نے یہ تقریر سنی تھی، یہ مناظرہ قلعہ رامپور کے اندر ہوا تھا اور
اندازہ ہوتا ہے کہ علاوہ خواص کے شہر کے اور بھی بہت سے تعلیم یافتہ
اشخاص کو سماعت کا موقع ملا تھا، مناظرہ ۱۵ر جون ۱۹۰۹ء کو شروع ہوا اخبار
دبدبۂ سکندری کے پرچوں میں اس کی جو روئیداد چھپی ہے اس کی تلخیص یہ ہے -

اس ہفتہ میں کئی روز حضرات علماء اسلام اور جماعت احمدیہ قادیانی میں
نہایت عمدہ مناظرہ ہوا، اس مناظرہ کے محرک و مجوز جناب حافظ احمد علی خاں
صاحب حنفی نقشبندی مہتمم کارخانہ جات، ذات خاص حضور اور منشی ذوالفقار
علی خانصاحب سپرنٹنڈنٹ محکمہ آبکاری ریاست رامپور رہیں -

بہت سے حضرات علماء اسلام مناظرہ میں تشریف لائے ہیں، جن میں
سے چند حضرات کے نام نامی یہ ہیں - (حضرت) مولانا احمد حسن امروہیؒ حضرت
مولانا خلیل احمد صاحب سہارنپوری، حضرت مولانا اشرف علی تھانوی، جناب
مولانا محمد ثناء اللہ صاحب امرتسری، جناب مولانا محمد ابراہیم صاحب سیالکوٹی،
جناب مولانا محمد الدین صاحب امرتسری. جناب مولانا محمد برکات علی صاحب لدھیانوی
جناب مولوی محمد ابراہیم صاحب دہلوی، جناب مولوی محمد عاشق الٰہی صاحب میرٹھی

جناب مولوی محمد یحییٰ صاحب کاندھلوی، جناب حاجی محمد عبدالغفار صاحب سوداگر دہلی، جناب مولوی حکیم قیام الدین صاحب جونپوری، جناب مولوی محمد حامد رضا خاں صاحب حنفی قادری بریلوی، جناب ڈاکٹر محمد عبدالحکیم صاحب اسسٹنٹ سرجن پٹیالہ، حضرت مولانا سید محمد شاہ صاحب محدث رامپوری، جناب مولوی عبدالغفار خاں صاحب حنفی نقشبندی رامپوری جناب مولوی محمد لطف اللہ صاحب مفتی ریاست رامپور، جناب مولانا محمد فضل حق صاحب رامپوری مدرس اول مدرسہ عالیہ ریاست رامپور

جماعت قادیانی کی طرف سے یہ اشخاص آئے ہیں

مولوی محمد احسن صاحب امروہی، میاں سردر شاہ صاحب، منشی مبارک علی صاحب، منشی قاسم علی صاحب، منشی محمد علی صاحب ایم، اے، خواجہ کمال الدین صاحب وکیل لاہور، منشی یعقوب علی صاحب ایڈیٹر الحکم قادیان، حافظ روشن علی صاحب، ڈاکٹر محمد یعقوب خاں لاہوری، شیخ رحمت اللہ سوداگر لاہور وغیرہ۔

۱۵ر جون ۱۹۰۹ء — حیات وممات مسیح علیہ السلام کی بحث چلی، سب سے پہلے جماعت قادیانی کی طرف سے محمد احسن امروہی نے ایک تحریری مضمون پڑھا مولانا محمد ثناء اللہ صاحب امرتسری نے ان کے چاروں استدلالوں پر نقض قائم کر دیئے مولوی محمد احسن کے بیان کی بے ربطی کا خود قادیانی جماعت نے اقرار کیا اور اس امر کو ان کی پیرانہ سالی کے سر منڈھا۔

۱۶ر جون ۱۹۰۹ء — کو بعد معزولی محمد احسن منشی قاسم علی نے تحریری بیان وفات مسیح علیہ السلام پر پڑھنا شروع کیا، بجائے اسکے کہ مولانا محمد ثناء اللہ کے کل کے چار اعتراضات کا جواب دیا جاتا دو ڈیڑھ گھنٹہ کی تقریر کے بعد صرف ایک اعتراض کی جانب پلٹ کر آئے

۱۷ر جون ۱۹۰۹ء — کو ناسازی طبع کی وجہ سے نواب صاحب جلسہ مناظرہ

میں نہیں آئے اور ان کی قائم مقامی چیف سکریٹری اور ریونیو سیکریٹری نے کی،
(آج) قادیانی جماعت کے مناظر سے کہا گیا کہ وہ مولانا امرتسری کے اعتراضات کا
جواب دیں مگر جماعت قادیانی کی جانب سے جواب دینے میں پہلو تہی کی گئی ۔

۱۸ رجون ۱۹۰۹ء ــــ کو مناظرہ نہیں ہوا ۔

۱۹ رجون ۱۹۰۹ء ــــ کو مناظرہ ہوا ۔ آج بھی قادیانی مناظر وفات
مسیح علیہ السلام کا کوئی ثبوت پیش نہ کرسکے ۔ (اخبار دبدبۂ سکندری ۲۱ جون ۱۹۰۹ء)

۲۰ رجون کو اہل اسلام نے کہا کہ قادیانی ثبوت وفات مسیح علیہ السلام دینے سے
گریز کرتے ہیں اور بار بار کے اصرار پر بھی عاجز ہیں کل سے حضرات علماء اہل اسلام
ابطال نبوت مرزا پر گفتگو کریں گے ، اس پر خواجہ کمال الدین نے مناظرہ سے جان
بچانے کے ڈھنگ نکالے اور ہٹ دھرمی سے کام لینا چاہا ، بہت رد و قدح کے
بعد قادیانیوں سے کہا گیا کہ وفات حضرت مسیح علیہ السلام پر آپ کو جو کچھ کہنا ہو
کہیں تاکہ مسئلہ تو ختم ہو چنانچہ منشی قاسم علی نے تحریری مضمون پڑھنا شروع
کیا اور اہل اسلام کی طرف سے جو نقض ان پر وارد ہوئے تھے بعض کا جواب دیا ،
قادیانیوں کی تحریر کے ختم پر جناب مولانا ثناء اللہ صاحب کھڑے ہوئے ، اور
تھوڑی دیر میں انھوں نے فریق مخالف کے تمام دلائل کو تارِ عنکبوت کی طرح
توڑ دیا ۔ اسی دن قادیانیوں نے یہ لکھا کہ ہم مناظرہ کرنا نہیں چاہتے الحق یعلو ولا یعلیٰ

اللہ تعالیٰ نے دین حق کی نصرت فرمائی اور قادیانی خائب و خاسر ۳۰ رجون
کی شب اور ۱ر جون کو یہاں سے چلے گئے ، جناب مولانا قیام الدین صاحب بخت
جونپوری نے کیا خوب تاریخ کہی ۔

قادیانی پئے احقاقِ حق	رام پور آئے مگر کھائی شکست
احمدی کہتے ہیں اپنے کو وہ لوگ	لیکن این نسبت آنہا غلط است

بحث نے لکھی یہ سچی تاریخ — احمدیوں کو ہوئی فاش شکست

۱۳۲۷ھ

(اخبار دبدبۂ سکندری ۲۸ر جون ۱۹۰۹ء)

اخبار دبدبۂ سکندری ۲۲ر جون ۱۹۰۹ء کو ایک تحریر "فیصلہ حضرات علماء کرام اہل اسلام دربارہ مسئلہ حیات و ممات حضرت مسیح علیہ السلام" کے عنوان سے چھپی ہے جس کے آخر میں علماء امروہہ، مرادآباد، رامپور، بسولی، دیوبند، سہارنپور، کاندھلہ، میرٹھ دہلی، امرتسر، سیالکوٹ، جونپور کے علماء کے دستخط ہیں، ذیل میں فیصلہ کی تحریر اور دستخط کنندگان کے نام لکھے جاتے ہیں۔

۱۵،۱۶ر جون ۱۹۰۹ء کو مباحثہ

بموجودگی نواب صاحب رامپور، یہ مباحثہ مجمع عام میں ہم لوگوں کے سامنے تواریخ مذکورہ میں ہوا، جماعت اہل اسلام کی طرف سے جناب مولانا مولوی ابوالوفاء محمد ثناء اللہ صاحب مولوی فاضل امرتسری مناظر مقرر ہوئے (پہلے دن جماعت قادیانی کے مولوی محمد احسن صاحب نے ایک تحریر پڑھی جس پر اعتراضات ہوئے) مگر دوسرے تیسرے روز جماعت قادیانی کی طرف سے منشی قاسم علی صاحب دہلوی نے تحریر پڑھی وفات مسیح علیہ السلام کے متعلق جتنے دلائل قادیانی جماعت کی طرف سے پیش ہوئے اسلامی مناظر نے ایک ایک کا جواب بڑی خوبی سے دیا، نمایاں طور پر حیات مسیح علیہ السلام کو ثابت کر دیا۔ فجزاہ اللہ عنا وسائر المسلمین خیراً۔ اس بحث سے شکستہ خاطر ہو کر قادیانیوں کو دوسرے مسئلہ (نبوت مرزا قادیانی) پر باوجود قرارداد وعدہ بحث کرنے کی جرأت نہ ہوئی لہٰذا وہ دوسرا مسئلہ پیش کئے بغیر خود بخود چلے گئے فللہ الحمد علیٰ ذالک صدق اللہ العلی العظیم جاء الحق وزھق الباطل ان الباطل کان زھوقا

(مولوی) محمد عبدالغفار رامپوری (مولوی) محمد لطف اللہ (ابن مفتی سعد اللہ رامپوری) (مولوی) محمد اعجاز حسین وکیل رامپوری (مولوی) محمد فضل اللہ رامپوری (مولوی) محمد بشیر احمد مدرس اول مدرسہ انوار العلوم رامپور (مولوی) محمد اسلم (مولوی) فضل حق رامپوری مدرس اول مدرسہ عالیہ رامپور (مولوی) افضال الحق رامپوری (مولوی) محمد نبی رامپوری (مولوی) مرتضیٰ حسن چاندپوری مدرس مدرسہ عربیہ دیوبند (مولوی) ابراہیم سیالکوٹی (مولانا) محمود حسن مدرس اول مدرسہ اسلامیہ دیوبند (مولانا) عبدالرحمٰن مدرس اول مدرسہ شاہی مرادآباد (مولوی) محمود حسن سہسوانی مدرس دوم مدرسہ شاہی مرادآباد (مولانا) محمد اشرف علی تھانوی (مولانا) احمد حسن امروہی، مدرس اول مدرسہ اسلامیہ جامع مسجد امروہہ (مولوی) محمد امین مدرس مدرسہ جامع مسجد امروہہ (مولوی) رضا حسن مدرس مدرسہ امروہہ (مولوی) عبدالرؤف امروہی (ابن مولانا سید رانت علی) (مولوی) محمد شفیق احمد امروہی (مولوی) محمد معظم حسین امروہی (مولوی) محمد سلیم سکندرپوری مدرس مدرسہ عالیہ رامپور (مولوی) سید محمد شاہ (محدث) رامپوری (مولوی) سید حامد شاہ رامپوری (مولوی) محمد منور علی (محدث) رامپوری، مدرس درجہ حدیث مدرسہ عالیہ رامپور (مولوی) محمد طیب عرب (مولوی) محمد قیام الدین جونپوری (مولانا) محمد سہول بھاگلپوری مدرس مدرسہ اسلامیہ دیوبند (مولوی) محمد ابراہیم دہلوی (مولوی) محمد قدرت اللہ مدرس مدرسہ شاہی مرادآباد (مولانا) خلیل احمد (محدث) سہارنپوری مدرس اول مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور (مولوی) محمد عاشق الٰہی میرٹھی (مولوی) محمد یحییٰ مدرس دوم مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور (والد شیخ الحدیث[1]) (مولوی) محمد اسمٰعیل انصاری امروہی (مولوی) سید بدر الحسن امروہی (مولوی) سردار احمد امروہی (مولانا) محمد خلیل اللہ محدث مقیم رامپور (مولوی) احمد [illegible] مدرس دوم مدرسہ عالیہ رامپور (مولوی) احمد نور مدرس مدرسہ عالیہ رامپور (مولوی) غلام رسول

---

[1] حاشیہ اگلے صفحہ پر ہے

مدرس مدرسہ عالیہ رامپور (مولوی) صاحبزادہ محمد الطاف المعروف میاں نجاں خاں رامپوری، (مولوی) معز اللہ خاں (مدرس مدرسہ عالیہ رامپور) (مولوی) محمد یوسف (مقیم رامپور) غلام رحمانی مقیم رامپور، (مولوی) سید سجاد علی بسولوی مقیم رامپوری (مولوی) وزیر محمد خان مدرس مدرسہ عالیہ رامپور (مولوی) محمد فضل کریم مقیم رامپور (مولوی) دیانت حسین مقیم رامپور (مولوی حافظ) عبدالغفار دہلوی (مولانا حافظ) — نور الدین احمد دہلوی۔

نواب رامپور نے اس مناظرہ کا جو فیصلہ دیا ہے اس کو مولانا ثناءاللہ امرتسری نے صحیفۂ محبوبیہ اور الہاماتِ مرزا کے آخر میں درج کیا ہے، ذیل میں اس کو بھی نقل کیا جاتا ہے۔

"رامپور میں قادیانی صاحبوں سے مناظرہ کے وقت مولوی ابوالوفاء محمد ثناء اللہ صاحب کی گفتگو ہم نے سنی۔ مولوی صاحب نہایت فصیح البیان ہیں اور بڑی خوبی یہ ہے کہ برجستہ کلام کرتے ہیں۔ انھوں نے اپنی تقریر میں جس امر کی تمہید کی اسے بدلائل ثابت کیا ہم ان کے بیان سے محظوظ و مسرور ہوئے۔

(محمد حامد علی خان والئ ریاست رامپور)

(حاشیہ صفحہ گذشتہ) دبدبۂ سکندری میں بجائے محمود حسن کے محمد میاں لکھا گیا ہے، جو غالبًا نامہ نگار کی عدم واقفیت کا نتیجہ ہے۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

فتنۂ قادیانیت اور

حضرت مونگیریؒ کی خدمات جلیلہ

از:- امیر شریعت بہار و اڑیسہ حضرت مولانا سید منت اللہ رحمانی مدظلہٗ مونگیر

فرق باطلہ میں قادیانی فرقہ بڑی تیزی سے ابھرا، بڑھا، اور مسلمانوں میں پھیلتا چلا گیا، اس سے جاہل عوام اور ناخواندہ مسلمان ہی متاثر نہ ہوئے، تعلیم یافتہ بھی ان کے حلقہ بگوش ہوئے، قادیانی فرقہ نے جس زمانے میں اپنی تحریک و دعوت کا آغاز کیا یہ وہ زمانہ تھا کہ متحدہ ہندوستان کے مسلمان مختلف گروہوں، ٹولیوں میں منقسم تھے، ہر فرقہ دوسرے فرقہ کی تردید میں سرگرم اور کمربستہ تھا، مذہبی مناظروں اور مباحثوں کا بازار گرم تھا، جس کے نتیجے میں اکثر مارپیٹ، قتل وخون، اور عدالتی چارہ جوئیوں کی نوبت آئی، گویا سارے ہندوستان میں مذہبی خانہ جنگی قائم تھی اس صورت حال سے علماء کے وقار اور دین کے احترام کو بڑا نقصان پہونچا تھا، نیز سارے مسلمان اختلافی باتوں کے سننے پڑھنے اور سمجھنے کے عادی ہو چکے تھے اور انھیں اس میں بڑا لطف آتا تھا، یہ تو دینی حالات کا ایک اجمالی خاکہ ہے جس میں اس وقت کے ہندوستانی مسلمان مبتلا تھے، سیاسی لحاظ سے مسلمان شکست خوردگی سے چور تھے، حکومت برطانیہ کے قدم ہندوستان میں جم چکے تھے اور ۱۸۵۷ء میں آزادی کی جدوجہد میں ناکامی کے بعد مسلمان تنگ دل اور

کم ہمت ہو چکے تھے۔ ان کے سامنے ماحول تاریک تھا اور راستے مسدود، مسلمانوں کے احساسِ شکست خوردگی سے فائدہ اٹھاتے ہوئے مرزا غلام احمد قادیانی مذہبی لبادہ اوڑھ کر مسلمانوں کے درمیان آئے۔ "براہین احمدیہ" نامی کتاب پانچ جلدوں میں لکھ کر کافی نام پیدا کیا، شہرت بڑھی اور عوام سے لے کر خواص تک میں ان کا خاصہ تعارف ہوا جبکہ آنجہانی مرزا صاحب خود تحریر فرماتے ہیں: "یہ وہ زمانہ تھا جس میں مجھے کوئی نہیں جانتا تھا، نہ کوئی موافق تھا نہ کوئی مخالف، کیونکہ میں اس زمانے میں کچھ بھی چیز نہ تھا اور ایک احد من الناس اور زاویۂ گمنامی میں پوشیدہ تھا، اس قصبہ قادیان کے لوگ اور دوسرے ہزارہا لوگ جانتے ہیں کہ اس زمانے میں درحقیقت میں اس مردے کی طرح تھا جو قبر میں صدہا سال سے مدفون ہو اور کوئی نہ جانتا ہو کہ یہ کس کی قبر ہے" (تتمہ حقیقۃ الوحی ص۲۷-۲۸)

۱۸۸۶ء میں مرزا صاحب نے ہشیار پور میں ایک آریہ سماج سے مناظرہ کیا اس مناظرہ کے متعلق ایک کتاب لکھی جس کا نام "سرمۂ چشم آریہ" ہے، اس کتاب سے مرزا صاحب کی شخصیت اور نمایاں ہوئی، مرزا صاحب نے محسوس کیا کہ ان میں اپنے ماحول کو متاثر کرنے اور ایک دینی تحریک کے چلانے کی اچھی صلاحیت ہے چنانچہ اس احساس نے ان کے ذہن میں ایک نئی تبدیلی پیدا کی، اور اب ان کا رخ عیسائیوں اور آریہ سماجیوں سے ہٹ کر خود مسلمانوں کی طرف ہوا۔

تدریجی ارتقاء

مرزا غلام احمد نے پہلے (سنہ ۱۸۹۰ء تک) مجدد و مامور ہونے کا دعویٰ کیا پھر بمشورہ حکیم نور الدین ۱۸۹۱ء میں مسیح موعود ہونے کا دعویٰ کیا، اور اپنے دعویٰ کی حمایت میں "فتح اسلام" نامی کتاب لکھی۔ سنہ ۱۹۰۰ء کی بات ہے کہ قادیان (ضلع گورداسپور پنجاب) کی مسجد کے امام عبدالکریم صاحب نے جمعہ کے خطبہ میں آنجہانی مرزا صاحب کا نام لیا اور ان کے لئے

نبی اور رسول کے الفاظ استعمال کئے، خطبہ میں ان باتوں کو سنکر مولوی محمد احسن امروہی پیچ و تاب کھانے لگے، دوسرے جمعہ میں پھر مولوی عبد الکریم صاحب نے مرزا صاحب کو مخاطب کرتے ہوئے کہا کہ میں آپ کو خدا کا رسول اور نبی مانتا ہوں، اگر میں غلطی پر ہوں تو میری اصلاح فرمادیں، نماز کے بعد جب مرزا صاحب جانے لگے تو پھر مولوی عبد الکریم صاحب نے مخاطب کیا تو اسکے جواب میں مرزا نے کہا:" مولوی صاحب ہمارا بھی یہی مذہب اور دعویٰ ہے جو آپ نے بیان کیا" مولوی عبد الکریم اور مولوی محمد احسن صاحب میں اس موضوع پر باتیں تیز ہونے لگیں، مرزا صاحب گھر سے باہر آئے، اور ظالم نے یہ آیت پڑھی:" یاایھا الذین آمنوا لا ترفعوا اصواتکم فوق صوت النبی " (القرآن) جس میں آواز اونچی کرنے والوں کو ہدایت بھی ہے اور اپنے نبی ہونے کا دعویٰ بھی ہے۔ مرزا صاحب متعدد مراحل طے کرنے کے بعد نبوت تک پہونچے، اس دعوے کے بعد کوئی مسلمان خاموش ہو کر بیٹھ نہیں سکتا تھا۔ مسلمان تو یہ عقیدہ رکھتا ہے کہ حضور اقدس محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم خدا کے آخری رسول ہیں اور آپ پر نبوت کا سلسلہ ختم ہو جاتا ہے اور شریعت قیامت تک کے لئے ہر لحاظ سے کامل اور مکمل ہے نہ اس میں کمی کی ضرورت ہے اور نہ ہی زیادتی کی گنجائش ہے، اگر مرزا صاحب کی کتابوں کو پڑھا جائے اور ان کی عیاری کو مرتب کیا جائے تو یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ آنجہانی مرزا صاحب ایک متوازی نبوت اور متوازی امت قائم کرنا چاہتے ہیں جو نبوت کی طرح حضرت اقدس محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت سے کم نہیں، اور جو امت کہ امت محمدیہ علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام سے کم تر نہیں بلکہ فائق ہی ہے۔

اس دعویٰ کے بعد علمائے اسلام پر ان کی بدنیتی اور اسلام کے خلاف

ان کی سازش کھل کر سامنے آئی چنانچہ مولوی عبدالحق صاحب غزنوی مقیم امرتسر مرزا کی مخالفت میں برابر سرگرم رہے اور اشتہارات کے ذریعہ مرزا صاحب کے فاسد خیالات کی دھجیاں بکھیرتے رہے اور وہ مباہلہ کیلئے تیار ہوئے جسے مرزا صاحب نے منظور کیا، اس وقت جو اشتہار شائع ہوا اس کا مضمون یہ تھا

:- اطلاع عام برائے اہل اسلام :-

از مولوی صوفی عبدالحق غزنوی مباہل مرزا

اس میں کچھ شک نہیں کہ میں مرزا صاحب کے مباہلہ کا مدت سے پیاسا ہوں، اور تین برس سے اس سے یہی درخواست ہے کہ اپنی کفریات پر جو تو نے اپنی کتابوں میں شائع کئے ہیں مجھ سے مباہلہ کر ـــ لہذا میں نے یہ خط مسطور الذیل بتاریخ ۶ ذیقعدہ ۱۳۱۰ھ ارسال کیا کہ ہمکو آپ سے مباہلہ بدل وجان منظور ہے مگر تاریخ تبدیل کر دو۔ مرزا صاحب نے اس کے جواب میں ۷/ ذیقعدہ ۱۳۱۰ھ میں خط لکھا کہ میں مباہلے کیلئے تیار ہوں چنانچہ ۱۰/ ذیقعدہ ۱۳۱۰ھ کو امرتسر کی عیدگاہ میں دونوں صاحبوں کا مباہلہ ہوا اور دونوں فریق امن وامان سے واپس آگئے، لیکن مرزا صاحب اپنے مباہل مولوی عبدالحق غزنوی کی موجودگی میں ۲۶/ مئی ۱۹۰۸ء مطابق ۲۴ ربیع الثانی ۱۳۲۶ء کو فوت کر گئے اور الحمد للہ مولوی عبدالحق صاحب غزنوی مرزا صاحب کی وفات کے بعد بھی کئی برس زندہ رہے

مولانا محمد نذیر حسین دہلوی کا مناظرہ :-

مولانا سید نذیر حسین صاحب کے شاگرد رشید مولوی محمد حسین صاحب بٹالوی شروع ہی سے مرزا صاحب کی شدت سے مخالفت کر رہے تھے، مرزا صاحب نے خود انکے بجائے ان کے استاذ سے مناظرہ کرنا پسند کیا چنانچہ مرزا صاحب نے ایک اشتہار نکالا اور اس میں مناظرہ کی دعوت دی جس میں لکھا کہ مولوی نذیر حسین صاحب حضرت مسیح ابن مریم کو زندہ سمجھنے میں حق پر

ہوں، اور قرآن کریم اور احادیث صحیحہ سے اس کی زندگی ثابت کر سکتے ہیں، کہ میرے ساتھ بپابندی شرائط مندرجہ اشتہار ۲ر اکتوبر ۱۸۹۱ء بالاتفاق بحث کریں۔ اگر انھوں نے بقبول شرائط اشتہار ۲ر اکتوبر ۱۸۹۱ء بحث کے لئے مستعدی ظاہر نہ کی اور پوچ اور بے اصل بہانوں سے ٹال دیا تو سمجھا جائیگا کہ انھوں نے مسیح ابن مریم کی وفات کو قبول کر لیا، چنانچہ حضرت میاں صاحب نے مناظرہ کو قبول کیا، میاں صاحب کے متکلم مولوی بشیر احمد صاحب تھے، انھوں نے پہلے دن حیات مسیح پر پانچ دلائل حاضرین مجلس کو سنائے اور پھر اس پر دستخط کر کے مرزا صاحب کو دیئے مرزا صاحب نے مجلس بحث میں جواب لکھنے سے عذر کیا، دوسرے دن بھی جواب نہ پیش کر سکے اور اس طرح مناظرہ سے شکست کھا کر واپس ہو گئے (حوالہ رسالہ الحق الصریح ص۲)

مولانا ثناء اللہ صاحب امرتسری فاضل دیوبند

مرزا کی مخالفت پنجاب میں کھل کر مولانا ثناء اللہ صاحب کرتے رہتے تھے، اس لئے مرزا غلام احمد نے مولانا ثناء اللہ صاحب امرتسری کو قادیان آنے اور گفتگو کرنے کی دعوت دی، دعوت نامہ میں وہ لکھتے ہیں "مولوی ثناء اللہ اگر سچے ہیں تو قادیان میں آکر کسی پیشین گوئی کو جھوٹی تو ثابت کریں اور ہر ایک پیشین گوئی کے لئے ایک ایک سو روپے انعام دیا جائیگا۔ اور آمد و رفت کا کرایہ علیحدہ (اعجاز احمدیہ ص۱۱)

آگے پھر وہ لکھتے ہیں۔ واضح رہے کہ "مولوی ثناء اللہ کے ذریعہ سے عنقریب تین نشانیاں میرے ظاہر ہوں گی۔

۱۔ وہ قادیان میں تمام پیشین گوئیوں کی پڑتال کے لئے میرے پاس ہرگز نہیں آئینگے اور سچی پیشین گوئیوں کی اپنے قلم سے تصدیق کرنا ان کے لئے موت ہوگی۔

۲۔ اگر اس چیلنج پر وہ مستعد ہوئے کہ کاذب، صادق سے پہلے مر جائے، تو ضرور وہ

پہلے مریں گے اور سب سے پہلے اس اردو مضمون اور عربی قصیدہ کے مقابلہ سے عاجز رہ کر
جلد تر ان کی روسیاہی ثابت ہو جائے گی (ص ۳۷)

مولانا ثناء اللہ صاحب ۱۰ر جنوری ۱۹۰۳ء کو قادیان پہونچے اور مرزا صاحب کو
اطلاعی خط لکھا کہ خاکسار قادیان میں اس وقت حاضر ہے مگر مرزا صاحب ٹال مٹول
کرتے رہے اور بیجا شرطیں لگاتے رہے اسلئے دونوں حضرات میں مباحثہ نہ ہوسکا۔

مولانا ثناء اللہ صاحب امرتسری نے مرزا صاحب سے تقریری مقابلہ بھی کیا اور
تحریری بھی، مختلف کتابوں، رسائل اور اشتہارات کے ذریعہ ان کی کذب بیانی اور دروغ
بانی اور افترا پردازی کی دھجیاں بکھیرتے رہے اور اپنے لطائف سے مرزا صاحب کو ذلیل
و خوار کرتے رہے، بالآخر عاجز آکر مرزا صاحب مولانا ثناء اللہ صاحب کو یہ خط لکھتے ہیں کہ
"اگر یہ دعویٰ مسیح موعود ہونے کا محض میرے نفس کا افترا ہے اور میں تیری نظر میں مفسد
اور کذاب ہوں، اور دن رات افترا کرنا میرا کام ہے تو اے میرے پیارے مالک! میں عاجزی
سے تیری جناب میں دعا کرتا ہوں کہ مولوی ثناء اللہ صاحب کی زندگی میں مجھے ہلاک کر
اور میری موت سے ان کو اور ان کی جماعت کو خوش کر دے (آمین) مگر اے میرے کامل
اور صادق خدا! اگر مولوی ثناء اللہ ان تہمتوں میں جو مجھ پر لگاتا ہے حق پر نہیں تو میں
عاجزی سے تیری جناب میں دعا کرتا ہوں کہ میری زندگی میں ہی ان کو نابود کر، مگر نہ انسانی
ہاتھوں سے بلکہ طاعون و ہیضہ وغیرہ امراض مہلکہ سے۔

اس لئے اب میں تیری ہی تقدس اور رحمت کا دامن پکڑ کر تیری جناب میں ملتجی ہوں
کہ مجھ میں اور ثناء اللہ میں سچا فیصلہ فرما۔ اور جو تیری نگاہ میں حقیقت میں مفسد اور
کذاب ہے اس کو صادق کی زندگی میں ہی دنیا سے اٹھا لے یا کسی اور نہایت سخت
آفت میں جو موت کے برابر ہو مبتلا کر، اے میرے پیارے مالک ایسا ہی کر۔"
(اخبار بدر قادیان مورخہ ۱۵ اپریل ۱۹۰۷ء)

پھر مرزا صاحب اعلان کرتے ہیں کہ "ثناء اللہ کے متعلق جو کچھ لکھا گیا ہے یہ در اصل ہماری طرف سے نہیں بلکہ خدا ہی کی طرف سے اس کی بنیاد رکھی گئی ہے"

(حوالہ۔ اخبار ۲۵ راپریل ۱۹۰۷ء کالم ۲)

اللہ تعالیٰ نے مرزا صاحب کے کذب وافترا کو دنیا پر آشکارا فرمایا، اور مرزا غلام احمد ۲۶ رمئی ۱۹۰۸ء کو فوت کر گئے۔ اور بحمد اللہ مولانا ثناء اللہ صاحب ہر طرح صحت و عافیت سے بہت دن زندہ رہے۔

حضرت مولانا محمد علی مونگیری اور فتنۂ قادیانی

جب فتنۂ قادیانی پنجاب سے نکل کر دوسری جگہوں پر پھیلا، تو علمائے حق بے چین ہو گئے، ان کا آرام حرام ہو گیا، اور ان کی راتوں کی نیند اڑ گئی، اسی گروہ کے سرخیل مجدد علم و عرفان حضرت مولانا سید محمد علی مونگیری رحمہ اللہ بھی ہیں، جن کو اس فتنہ کا اتنا شدید احساس ہوا کہ تہجد کے وقت بھی فتنۂ قادیانیت سے متعلق رسائل تصنیف کرتے کتابیں لکھتے اور اس کی اشاعت کا انتظام کرتے، حضرت مولانا مونگیری کے اضطراب کو اس خط میں دیکھا جا سکتا ہے "قادیانی کی سعی اور کوشش اس قدر انتھک اور منتظم ہے کہ جس کو دیکھ کر ایک مسلمان کا دل لرز جاتا ہے کہ الٰہی یہ کیا طوفان کفر اور سیلاب ارتداد ہے اسکو روکنے کی کیا صورت ہو، ہندوستان میں کوئی جگہ نہیں جہاں ان کے لوگ تبلیغ نہ کرتے ہوں، اور ہندوستان کے علاوہ یورپ، انگلستان، جرمنی، امریکہ اور جاپان میں بڑے زوروں اور نہایت نظم سے اپنے مذہب کی اشاعت کر رہے ہیں، ان کے پاس کوئی بینک نہیں، کوئی ریاست نہیں، صرف ایک بات ہے کہ مرزا نے کہہ دیا ہے کہ ہر مرید حسب استطاعت ماہانہ مذہب کی اشاعت کیلئے کچھ دے، اور جو تین ماہ تک کچھ نہیں دیگا وہ بیعت سے خارج ہے اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ بیت المال میں

لاکھوں روپے جمع ہو گئے، اور ان کا ہر مرید اپنی آمدنی کا کم از کم دسواں حصہ اور بعض تو تہائی اور چوتھائی حصہ قادیان بھیجتے رہتے ہیں جس سے وہ خاطر خواہ اپنے مذہب کی اشاعت کر رہے ہیں (کمالات محمدیہ ص۲۷)

حضرت مونگیریؒ نے یہ محسوس کیا کہ اگر پوری قوت کے ساتھ اس تحریک کا مقابلہ نہ کیا گیا تو اس سے بڑے افسوسناک نتائج ظاہر ہو سکتے ہیں، یہی وہ موڑ تھا جہاں حضرت مونگیری اپنی ساری صلاحیتوں کے ساتھ میدان میں اتر آئے اور اپنا سارا وقت اور ساری قوت اس کے لئے وقف کر دی، اپنے تمام مریدین و مسترشدین رفقا اور اہل تعلق کو اس میں بڑھ چڑھ کر حصہ لینے کی تلقین کی اور صاف صاف کہا کہ جو اس معاملہ میں میرا ساتھ نہ دیگا میں اس سے ناخوش ہوں (کمالات محمدیہ ص۴۳)

بہار میں قادیانیوں نے چار ضلعوں میں بہت کامیابی حاصل کی تھی، خاص طور پر مونگیر اور بھاگلپور کے متعلق یہ اندیشہ پیدا ہو گیا تھا کہ یہ دونوں ضلع قادیانی ہو جائینگے بھاگلپور میں آنجہانی مولوی عبدالماجد صاحب پورینی، بھاگلپور (جو ایک جیّد عالم اور اچھے مدرس تھے منطق اور فلسفہ میں بڑی دستگاہ حاصل تھی اور انھوں نے شرح تہذیب پر حاشیہ لکھ کر فن منطق سے اپنی مناسبت کا پورا ثبوت پیش کیا، اور ان کا حاشیہ آج بھی کتب خانہ رحمانیہ خانقاہ مونگیر میں موجود ہے) قادیانی ہو چکے تھے اور اپنی پوری صلاحیت اس باطل مذہب کی اشاعت و تبلیغ میں صرف کر رہے تھے، مونگیر کا تو کہنا ہی کیا، مونگیر میں آنجہانی مرزا صاحب کے خاص سمدھی اور مرزا بشیر محمود آنجہانی کے خسر مولوی حکیم خلیل احمد صاحب آنجہانی تشریف فرما تھے اور خدا کی دی ہوئی ذکاوت اور ہلا تنت لسانی کو مرزا صاحب کے نوزائندہ مذہب کی حمایت میں شب و روز صرف کر رہے تھے ان دو حضرات نے بھاگلپور اور مونگیر کی فضا کو بہت زیادہ مسموم کر رکھا تھا اور اس کا خطرہ تھا کہ ان دونوں جگہوں پر رہنے والے مسلمان رفتہ رفتہ قادیانی

مذہب اختیار کرلیں گے، پٹنہ اور ہزاری باغ میں قادیانی تحریک زوروں پر پھیل رہی تھی، حضرت مولانا مونگیری نے اپنے خط میں ذکر کیا ہے کہ بہار کے علاوہ بنگال میں بھی اس نے مہم شروع کر دی ہے۔

حضرت مولانا مونگیری نے قادیانیت کے خلاف باقاعدہ اور منظم طریقے پر زبردست مہم شروع کی، اس کے لئے دورے کئے خطوط لکھے، رسائل اور کتابیں تصنیف کیں، دہلی اور کانپور سے کتابیں طبع کرا کے مونگیر لانے اور اشاعت فرمانے میں خاصہ وقت صرف ہوتا تھا، اور حالات کا تقاضا یہ تھا کہ اس میں ذرا بھی تاخیر نہ ہو اسلئے مولانا نے خانقاہ میں پریس اسی مقصد کیلئے قائم کیا اس پریس سے سو سے زائد چھوٹی بڑی کتابیں رد قادیانیت پر شائع ہوئیں جو سب مولانا کے قلم سے ہیں، اس قدر ضعف اور سلسلۂ علالت کے ساتھ اتنا وسیع اور عظیم تصنیفی کام بجائے خود ایک کرامت سے کم نہیں اور جس کی توجیہ تائید الٰہی و توفیقِ خداوندی کے سوا کسی اور چیز سے نہیں کی جاسکتی اس سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ وہ خدا کی طرف سے اس کام پر مامور تھے، ہر چیز میں خدا کا فضل ان کے شامل حال تھا۔

حضرت مونگیری نے اپنے ایک معتمد اور خادم خاص کو ایک خط میں اس بات کی طرف اشارہ کیا ہے اور بے تکلفی اور سادگی کے ساتھ اپنے جذبات کا اظہار کرتے ہوئے لکھا ہے کہ میرا ضعف و ناتوانی اے عزیز تم پر اور اس کے سب بھائیوں پر ظاہر ہے کہ میں مدت سے بیکار ہو چکا ہوں، اور میرے ظاہری قویٰ نے جواب دیدیا ہے مگر خدائی ارشاد "انا نحن نزلنا الذکر وانا لہ لحافظون" نے اپنی غیر محدود قدرت کو ایک ضعیف و ناتوان ہستی میں جلوہ گر فرما کر وہ کام لیا جس کا خیال و خطرہ بھی نہ تھا، اس قدر رسائل اس ضعف و ناتوانی میں لکھوا دینا اسی کا کام ہے (کمالات محمدیہ)

حضرت مولانا محمد علی مونگیری علیہ الرحمہ نے قادیانیت کی تردید میں سو سے زیادہ

کتابیں اور رسائل تصنیف کئے جس میں سے صرف چالیس کتابیں ان کے نام سے طبع ہوئیں اور بقیہ دوسرے ناموں سے یا ابو احمد کے نام سے جو حضرت کی کنیت تھی حضرت مولانا نے فتنۂ قادیانیت کے ہر گوشہ اور ہر پہلو پر گفتگو کی اور رسائل لکھے اور اس باطل مذہب کے رد میں لکھنے کیلئے کوئی چیز نہ چھوڑی انھوں نے قادیانیت کی بیخ کنی کی، اور اسکے استیصال کو وقت کا اہم ترین جہاد قرار دیا ہے. حضرت مونگیری کتاب پر کتاب تردید میں لکھتے جاتے اور لوگوں میں مفت تقسیم کرتے اور مناسب جگہوں پر پہونچاتے اس راہ میں ہزاروں روپے صرف کئے، اس مہم میں اپنے دوستوں، عزیزوں، اور عقیدتمندوں کو بھی متحد اور منظم ہوکر مقابلہ کرنے کی ہدایت کرتے، حضرت مونگیریؒ اپنے ایک گرامی نامہ میں تحریر فرماتے ہیں :"میں چاہتا ہوں کہ مخالفینِ اسلام کی بے انتہا سعی اور کوشش کا جواب دیا جائے بالخصوص مرزائی جماعت کا فتنہ رفع کرنے میں جو کچھ ہوسکے اس سے دریغ نہ کیا جائے، اور نہایت انتظام کے ساتھ یہ سلسلہ میرے بعد جاری رہے اس لئے رائے یہ ہے کہ ایک انجمن قائم کی جائے جس کا نظم تم لوگ اپنے ہاتھ میں لو، اور اس کیلئے ہر وہ شخص جو مجھ سے ربط و تعلق رکھتا ہے وہ اس میں حسب حیثیت التزام کے ساتھ ماہانہ شرکت کرے ورنہ جو شخص میرے اس دینی اور ضروری ہدایت کی طرف بھی متوجہ نہ ہوگا میں اس سے ناخوش ہوں اور وہ خود یہ سمجھ لے کہ اس کو مجھ سے کیا تعلق باقی رہا۔ (کمالات رحمانی صفحہ ۲۰۶)

حضرت مونگیریؒ کو فتنۂ قادیانی کا شدید احساس تھا اور اسکے مقابلہ کا ان کو اس قدر اہتمام تھا کہ آپ اکثر فرمایا کرتے " اتنا لکھو اور اس قدر طبع کراؤ اور تقسیم کرو کہ ہر مسلمان جب صبح کو سوکر اٹھے تو اپنے سرہانے ردِّ قادیانی کی کتاب پائے۔ حضرت مونگیریؒ نے تصنیف و تالیف ہی کے ذریعہ قادیانی کی تردید پر اکتفا نہ کیا بلکہ مناظرہ بھی کیے، مونگیر کے مناظرہ سے قادیانیت کی تحریک پر ضرب کاری لگی جس سے اس کے قدم

اکھڑ گئے، اور ملتِ اسلامیہ کو اس سے بڑا فائدہ پہونچا۔

یہ مناظرہ ۱۹۰۶ء میں ہوا جس میں تقریباً چالیس علماء شریک ہوئے مرزا صاحب کی طرف سے حکیم نورالدین وغیرہ آئے اس کی تفصیل یہ ہے۔ مرزا صاحب کے نمائندے حکیم نورالدین صاحب، سرور شاہ صاحب اور روشن علی صاحب مرزا صاحب کی تحریر لے کر آئے کہ ان کی شکست میری شکست ہے، ان کی فتح میری فتح، اس طرف سے مولانا مرتضیٰ حسن چاند پوری صاحب ناظم تعلیمات دارالعلوم دیوبند، علامہ انور شاہ کشمیری مولانا شبیر احمد عثمانی، مولانا عبدالوہاب بہاری، مولانا ابراہیم صاحب سیالکوٹی (تقریباً چالیس علماء) بلائے گئے تھے، لوگوں کا بیان ہے کہ عجیب منظر تھا صوبہ بہار کے اضلاع کے لوگ تماشائی بن کر آئے تھے، معلوم ہوتا تھا کہ خانقاہ میں علماء کی ایک بڑی بارات ٹھہری ہوئی ہے، کتابیں الٹی جا رہی ہیں، حوالے تلاش کئے جا رہے ہیں اور بحثیں چل رہی ہیں سوال یہ پیدا ہوا کہ مولانا محمد علیؒ کی طرف سے مناظرہ کا وکیل اور نمائندہ کون ہو۔؟ قرعۂ فال مولانا مرتضیٰ حسن صاحب کے نام پڑا، آپ نے مولانا مرتضیٰ حسن صاحبؒ کو تحریراً اپنا نمائندہ بنایا، علماء کی یہ جماعت میدان مناظرہ میں گئی وقت مقرر تھا، اس طرف مولانا مرتضیٰ حسن صاحبؒ اسٹیج پر تقریر کیلئے آئے اور اس طرف آپؒ سجدہ میں گئے اور اس وقت تک سر نہ اٹھایا جب تک کہ فتح کی خبر نہ آگئی بڑوں کا کہنا ہے کہ میدان مناظرہ کا منظر عجیب تھا مولانا مرتضیٰ حسن صاحب کی ایک ہی تقریر کے بعد جب قادیانیوں سے جواب کا مطالبہ کیا گیا تو مرزا صاحب کے نمائندے جواب دینے کے بجائے انتہائی حیرانی اور گھبراہٹ میں کرسیاں اپنے سر پر لئے ہوئے یہ کہتے بھاگے کہ ہم جواب نہیں دے سکتے

فیصلۂ آسمانی

مولانا کی سب سے پہلی تصنیف فیصلۂ آسمانی ہے جو قادیانیوں کے حق میں واقعی فیصلۂ آسمانی ثابت ہوئی یہ کتاب تین جلدوں میں ہے، اس کے تین ایڈیشن مولانا کی زندگی ہی میں شائع

ہو گئے لیکن کسی قادیانی کو اس کا جواب دینے کی ہمت نہ ہوئی، مولانا کی وفات کے بعد بھی کسی قادیانی نے اس کا جواب دینے کی جرأت نہ کی قادیانیت کے خلاف سارے لٹریچر میں جواب تک لکھا گیا ہے یہ کتاب ایک خاص امتیاز رکھتی ہے اور اپنے محکم طرزِ استدلال، اسلوب کی وضاحت اور صفائی و صحیح و طاقتور گرفت کے اعتبار سے بہت کم کتابیں اس معیار پر پوری اترتی ہیں، اس راہ کے نشیب و فراز کو دیکھتے ہوئے اعدا کے ایک بڑے مبصر کی رائے یہ ہے کہ قادیانیت کی رد میں لکھی ہوئی اکثر کتابوں میں بعض بعض جگہ احتمال کی گنجائش نکل آتی ہے، لیکن اس کتاب میں کسی جگہ احتمال کی گنجائش یا استدلال میں کوئی خامی اور کمزوری نظر نہیں آتی۔

مرزا صاحب نے اپنے کمال و اعجاز کیلئے "اعجاز احمدی" لکھی یا لکھوائی تھی، اور اس کا دعویٰ کیا تھا کہ اس رسالہ اور قصیدۂ اعجازیہ کی ادبی بلاغت اور فنی کمال کی نظیر کوئی دوسرا پیش نہیں کر سکتا، مولانا نے اس قصیدہ کا بہت پر لطف قصہ بیان کیا ہے اور اس سارے جال کا تار و پود بکھیر دیا ہے جو مرزا صاحب نے علماء اور عام مسلمین دونوں کو بیک وقت فریب دینے کے لئے پھیلایا تھا، بلکہ یہ کہنا زیادہ صحیح ہوگا کہ وہ اس جال میں خود ہی گرفتار ہو گئے، اور تدبیر ان کے لئے الٹی پڑ گئی، مرزا صاحب نے ۵ر نومبر ۱۸۹۹ء میں یہ اعلان کیا تھا۔ اے میرے مولیٰ اگر میں تیرے حضور میں سچا ہوں تو ان تین سالوں کے اندر جو جنوری ۱۹۰۰ء سے آخر دسمبر ۱۹۰۲ء تک ختم ہو جائینگے کوئی ایسا نشان دکھلا جو انسانی ہاتھوں سے بالاتر ہو اگر تین برس کے اندر میری تائید اور تصدیق میں کوئی نشان نہ دکھلاوے تو میں نے اپنے لئے یہ قطعی فیصلہ کر لیا ہے کہ اگر میری یہ دعا قبول نہ ہو تو میں ایسا ہی مردود اور ملعون اور کافر اور بے دین اور خائن ہوں جیسا کہ مجھے سمجھا گیا۔ مولانا لکھتے ہیں کہ اس دعا کے بعد مرزا صاحب تین برس اسی فکر و تجویز میں رہے کہ کوئی نشان تراش کر مسلمانوں کو دکھایا جائے، میرے خیال میں

انھوں نے یہ تدبیر سوچی کہ ہندوستان میں عربی ادب کا مذاق نہیں ہے اس لئے ایک عربی قصیدہ لکھوا کر اور اس کی تمہید اردو میں لکھ کر رسالہ شائع کر کے اعجاز کا دعویٰ کیا جائے، یہ اس زمانہ میں ایک عرب طرابلس کے رہنے والے ہندوستان میں آئے ہوئے تھے، جا بجا وہ پھرتے رہے اور حیدر آباد میں ان کا قیام زیادہ رہا ہے یہ عربی کے شاعر تھے اور مزاج میں آزادی بھی شاعروں کی سی رکھتے تھے، اس شہر میں مرزا کی زیادہ ہیں انھوں نے مرزا صاحب سے ربط کرا دیا اور خط و کتابت ہونے لگی، انھوں نے قصیدہ کی فرمائش کی، عرب صاحب نے روپیہ لے کر قصیدہ لکھ دیا، مولانا محمد سہول صاحب بھاگلپوری مفتی دارالعلوم دیوبند کہتے ہیں کہ حیدر آباد میں، میں نے ان سے ادب کی کتابیں پڑھی ہیں، بڑے ادیب تھے، کہتے تھے کہ مجھے روپیہ کی ضرورت پیش آتی تھی، میں نے مرزا کو لکھا اس نے قصیدہ لکھوایا میں نے لکھ دیا اس نے سب مجھے روپے دیئے (فیصلہ آسمانی ص۵۹)

اس شخص نے جان بوجھ کر کچھ ایسی غلطیاں بھی قصیدہ میں شامل کر دی تھیں جو اہلِ زبان سے مستبعد ہیں، اس کے متعلق مولانا لکھتے ہیں۔

"سعید (شاعر کا نام) مرزا کو جھوٹا جانتا تھا اور یہ بھی جانتا تھا کہ عربی ادب سے مرزا کو مَس نہیں ہے اس لئے اس نے قصداً غلطیاں رکھیں تاکہ اہلِ علم اس سے واقف ہو کر اس کی تکذیب کرے چونکہ عرصہ تک ہند میں رہا ہے اور بعض علوم عقلیہ اس نے یہاں پڑھے ہیں اس لئے وہ ہندی محاورات سے بھی واقف تھا اسلئے مرزا صاحب کو فریب دیا اور بعض ہندی الفاظ بھی قصیدہ میں داخل کر دیئے۔ الحاصل یہ قصیدہ مرزا صاحب کا اعجاز نہیں ہے، اگر اعجاز کہا جائے تو سعید شامی کا اعجاز ہوگا (ایضاً)

حضرت مونگیری کی اس سعیٔ پیہم اور آہِ سحر گاہی نے بہار کا مخصوص نقشہ پلٹا اور پھر سے لوگ دائرۂ اسلام میں داخل ہوئے۔

فتنہ قادیان اور علمائے دیوبند

فتنہ قادیانیت کے استیصال کے سلسلے میں علمائے دیوبند کی خدمات

اور کوششیں بھی نہایت اہم اور ناقابل فراموش ہیں، حضرت مولانا مرتضیٰ حسن صاحب ناظم تعلیمات دارالعلوم دیوبند جو راقم الحروف کے استاذ بھی ہیں نے اس سلسلہ میں دورے کئے تقریریں کیں اور مناظرے بھی کئے اور مونگیر کے مناظرہ میں مولانا مرحوم ہی حضرت مونگیری علیہ الرحمہ کے وکیل اور نمائندہ تھے ساتھ ہی ساتھ آپ نے ردّ قادیانیت پر متعدد رسائل بھی تصنیف کئے جو مطبع رحمانی مونگیر اور دوسرے مطابع سے شائع ہوئے

حضرت علامہ انور شاہ کشمیری رحمۃ اللہ علیہ صدر المدرسین دارالعلوم دیوبند نے اس فتنہ کی طرف خصوصی توجہ فرمائی اور بہاولپور کے مقدمہ میں جا کر شہادت دی اور اپنے علمی و تحقیقی بیان سے ججوں کو قادیانی کے خلاف فیصلہ لکھنے پر مجبور کر دیا اس مقدمہ میں شہادت دینے والوں میں حضرت مولانا مرتضیٰ حسن صاحب بھی شامل تھے پھر حضرت شاہ صاحب کشمیری علیہ الرحمہ نے حیاتِ مسیح پر ایک نہایت قیمتی بیالیس صفحہ کا رسالہ لکھ کر مرزا صاحب کے دعویٰ مسیح موعود کے سامنے لوہے کی دیوار کھڑی کر دی حضرت شاہ صاحب کا یہ رسالہ "التصریح بما تواتر فی نزول المسیح" دارالاشاعت دیوبند سے شائع ہوا ہے، اسی طرح حضرت علامہ شبیر احمد عثمانی صاحب اور دوسرے علمائے دیوبند نے اس طرف اپنی توجہ مبذول کی اور قابل قدر خدمات انجام دی ہیں۔

اور پھر اس عاجز کے استاذ المحترم حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب دیوبندی ثم پاکستانی نے مسئلہ ختم نبوت پر تین رسالے لکھ کر ختم نبوت کو قیامت تک کے لئے دفن کر دیا۔

ختم نبوت فی القرآن، ختم نبوت فی الاحادیث، ختم نبوت فی الآثار، یہ تینوں رسالے مسئلہ ختم نبوت پر حرف آخر کی حیثیت رکھتے ہیں اس موضوع کا مطا

کے استیصال کے لئے جن علمائے کرام نے جد و جہد کی ہے، ان کا استقصار مقصود نہیں ہے، یقیناً جن حضرات کے نام لکھے ہیں، ان سے کہیں زیادہ وہ لوگ ہیں جن کا ذکر اس مختصر سے مقالہ میں نہیں کر سکا ہوں، تقریباً یہ سب واصل بحق ہو چکے ہیں، حق تعالیٰ ان کی سعی کو مشکور فرما دے ان کے مراتب بلند کرے اور ہمیں ان کے نقش قدم پر چلنے کی توفیق عطا فرمائے۔

اس موقعہ پر نامناسب ہوگا اگر پروفیسر محمد الیاس صاحب برنی عثمانیہ یونیورسٹی حیدر آباد دکن کا نام نہ لیا جائے، انھوں نے قادیانی مذہب کے نام سے ایک ہزار صفحوں پر کتاب لکھ کر خود قادیانیوں کے ہاتھ میں آئینہ دیدیا ہے کردہ اپنی صورت اور قادیانیت کے سارے خدوخال صاف طریقہ پر قادیانی مذہب کے آئینہ میں دیکھ سکتے ہیں، اس کتاب میں الیاس صاحب مرحوم و مغفور نے اپنی طرف سے کچھ نہیں لکھا، اس میں جو کچھ ہے وہ قادیانی سربراہوں اور ان کے رہنماؤں اور مبلغوں کی تقریریں، اور تحریریں ہیں جو صحیح حوالے کے ساتھ درج کردی گئی ہیں، پروفیسر صاحب مرحوم نے ان تحریروں اور تقریروں کو مختلف حصوں اور ابواب میں جمع کر کے عنوان لگا دیا ہے، اس کتاب کی قدر و قیمت مطالعہ کے بعد ہی معلوم ہو سکتی ہے، پروفیسر صاحب مرحوم اس وقت دنیا میں نہیں ہیں، ہم ان کے لئے سعادت و نجات کی دعا کرتے ہیں۔
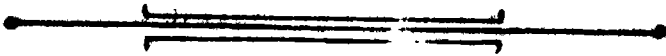
ردِّ قادیانیت پر دو اہم رسائل

مولانا عبدالحیٔ فاروقی ایم۔اے (عربی) ایم۔اے (معاشیات) نئی دہلی

مرزا غلام احمد قادیانی (۱۸۳۵ء - ۱۹۰۸ء) نے جب سے اپنے باطل دعاوی کا آغاز کیا اسی وقت سے علماء حق نے ان کے خلاف آواز اٹھانا شروع کردی تھی۔ تاریخ شاہد ہے کہ جب کبھی حق وصداقت کی راہ میں رخنے ڈالے گئے، طاغوتی طاقتوں نے سر اٹھانا شروع کیا اور اسلام کی پاکیزہ تعلیمات کو مسخ کرنے کی کوشش کی جانے لگی تو اس کے خلاف جو طبقہ سب سے پہلے سامنے آیا وہ ہمارے علمائے کرام ہی کا تھا حضرت مجدد الف ثانی شیخ احمد سرہندیؒ (م ۱۶۲۴ء) شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ (م ۱۷۶۲ء) شاہ عبدالعزیز دہلویؒ (م ۱۸۲۴ء) حضرت سید احمد شہیدؒ (ش ۱۸۳۱ء) مولانا سید محمد علی مونگیریؒ (م ۱۳۴۶ھ) اور شیخ الاسلام حضرت مولانا سید حسین احمد مدنیؒ (م ۱۹۵۷ء) وغیرہ ایسے ہی مجاہد علماء حق میں سے تھے جو مذہب کے نام پر پیدا ہونے والی ہر اسلام مخالف تحریک کے خلاف سربکف اور کفن بردوش اٹھ کھڑے ہوئے اور یہاں تک نبرد آزما ہوتے رہے جب تک کہ حق و باطل کے درمیان حدِ فاصل قائم نہیں ہوگئی، قادیانیت بھی اسی قسم کی ایک اسلام دشمن اور نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کی ذات مقدسہ سے بغض وعناد رکھنے والی ایک جماعت ہے جس نے ہندوستان میں جنم لے کر پورے عالم اسلام کو اپنے

گرداب بلا میں لپیٹنا چاہا تھا مرزا کے تحریرات کے منظر عام پر آنے کے بعد ہی سے علماء نے ان کے عزائم اور مستقبل کی خطرناکیوں کو اچھی طرح بھانپ لیا تھا، لہذا اس کے سدباب کے لئے قلمی اور لسانی جہاد کا آغاز کیا گیا، مضامین لکھے گئے رسائل اور کتابیں تصنیف کی گئیں اور آخیر میں براہ راست مناظرے بھی کئے گئے تاکہ عوام وخواص کو عقائد کی گمراہیوں سے بچایا جا سکے، اسی کا نتیجہ ہے کہ ردِ قادیانیت پر دیکھتے ہی دیکھتے اچھا خاصا ذخیرہ معرضِ وجود میں آگیا جس کی مدد سے دین کی فہم وفراست رکھنے والوں کو اس فرقہ کو سمجھنے اور اس کو خارج از اسلام قرار دینے میں بڑی مدد ملی افسوس ہے کہ آج ہمارے تردیدی لٹریچر میں اب ایسے بہت سے رسائل اور کتب اگر نایاب نہیں تو کمیاب ضرور ہوتی جا رہی ہیں، اس وقت ہم ایسے ہی دو کمیاب مطبوعہ رسائل پر گفتگو کرنا چاہتے ہیں جو اپنے موضوع پر نہایت جامع اور مکمل ہیں ان دونوں رسائل کا تعلق مشہور عالم دین اور مصلح امت حضرت مولانا عبدالشکور لکھنوی مدیر النجم[1] کی علمی تحقیقات سے ہے۔

---

[1] حضرت مولانا عبدالشکور صاحب فاروقی لکھنوی ۲۲ ذی الحجہ ۱۲۹۳ھ کو قصبہ کاکوری ضلع لکھنؤ میں پیدا ہوئے آپ کے والد ماجد مولوی حافظ ناظر علی صاحب ضلع فتح پور یوپی میں تحصیلدار تھے آپ کی ابتدائی تعلیم اور عربی کتب درسیہ یعنی جلالین ہدایہ قطبی اور نور الانوار ضلع فتحپور رہی میں مختلف مقامات پر مکمل ہوئیں لیکن بعد کی ساری کتابیں استاذ الاساتذہ حضرت مولانا سید عین القضاۃ صاحب حیدرآبادی ثم لکھنوی بانی مدرسہ عالیہ فرقانیہ لکھنؤ سے پڑھیں جو حضرت مولانا عبدالحی فرنگی محلی کے ارشد تلامذہ میں سے تھے، ۱۳۱۷ھ میں آپ نے تعلیم سے فراغت پائی آپ اپنے استاذ کے نہایت معتمد اور مقرب شاگردوں میں سے تھے، شروع (باقی آگے صفحہ)

پہلا رسالہ اس سلسلہ کا پہلا رسالہ "صیحۂ رنگون بر پیروان دجال زبون" ہے ایک سو چھیالیس صفحات پر مشتمل یہ رسالہ اس مناظرے کی روداد ہے جو مولانا لکھنوی اور قادیانیوں کی لاہوری پارٹی کے سربراہ خواجہ کمال الدین بی، اے، ایل ایل، بی کے درمیان ۱۹۳۰ء میں بمقام رنگون ہوا تھا، اس مناظرے کا اہتمام جمعیۃ علمائے رنگون نے کیا تھا جس کے سربراہ مولانا احمد بزرگ سملکی تھے جو اس وقت جامع سورتی رنگون کے مہتمم اور مفتی بھی تھے، آپ ہی کی خصوصی دعوت پر مولانا لکھنوی رنگون تشریف لے گئے تھے آپ کے ساتھ آپ کے صاحبزادے مولانا عبدالمومن صاحب فاروقی (م ۱۹۶۷ء) اور حضرت مولانا محمد منظور نعمانی صاحب مدیر الفرقان دامت برکاتہم بھی شریکِ سفر تھے۔

اس رسالہ کو ایک مقدمہ، دو ابواب اور ایک خاتمہ میں منقسم کیا گیا ہے، مقدمہ میں مرزا اور مرزائیت کی مختصر تاریخ دلچسپ انداز میں بیان کی گئی ہے، پہلے باب میں خواجہ

(بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ) کے کچھ دنوں دارالعلوم ندوۃ العلماء، مدرسہ عالیہ فرقانیہ اور مدرسہ عالیہ امروہہ یوپی میں تدریسی خدمات انجام دیں لیکن جلد ہی ملازمتوں کا سلسلہ ختم کر کے ساری زندگی تصنیف و تالیف میں بسر کی ۱۳۳۲ھ میں اپنا مشہور ماہنامہ "علم الفقہ" اور ایک ہفت روزہ رسالہ "النجم" لکھنو سے جاری کیا، النجم ۱۹۳۷ء تک نکلتا رہا ۱۳۵۱ھ میں لکھنو میں ایک دینی ادارہ "دارالمبلغین" کی بنیاد ڈالی جواب بھی باقی ہے، تقریباً ۸۰ کتابیں آپ نے تصنیف و تالیف اور ترجمہ کیں، رد قادیانیت اور رد بدعت کے علاوہ رد شیعیت میں آپ نے نمایاں کارنامے انجام دیئے اسی بنا پر اسلامیان ہند کی طرف سے آپ کو "امام اہلسنت" کے خطاب سے نوازا گیا، سلسلۂ نقشبندیہ کے مشہور بزرگ حضرت شاہ ابو احمد صاحب بھوپالی سے آپ کو بیعت و خلافت حاصل تھی، ۱۳۸۱ھ مطابق ۱۹۶۲ء میں لکھنو میں آپ نے وفات پائی۔

کمال الدین اور مولانا لکھنویؒ کے رنگون پہونچنے کے بعد خواجہ صاحب کے مقابلہ میں اتمام حق کی جتنی بھی کارروائیاں ہوئیں تھیں ان کا مفصل بیان ہے، دوسرے باب میں مرزا اور مرزائیت کے باطل اور خارج از اسلام ہونے کے دلائل بیان کئے گئے ہیں، اسی سلسلہ میں جن امور کا تفصیلی ذکر کیا گیا ہے ان میں حسب ذیل قابلِ ذکر ہیں۔

(۱) مرزا کی کذب گوئی خود انہی کی کتابوں سے (۲) مرزا کے اقوال توہین انبیاء علیہم السلام (۳) مرزا کا دعویٰ نبوت (۴) مرزا کا منکرِ ضروریاتِ دین ہونا (۵) ختم نبوت کی بحث (۶) حیات مسیح علیہ السلام کی بحث (۷) مرزائیوں کے شائع کردہ انگریزی ترجمۂ قرآن مجید کے کچھ مفاسد اور خاتمہ میں مرزا اور مرزائیوں کے کفر پر علماء اسلام کے فتوے، اس کے بعد حکومتِ وقت کا ایک فیصلہ درج کیا گیا ہے جس میں مرزائیوں کا خارج از اسلام ہونا اور مسلمانوں کے قبرستانوں سے ان کا بیدخل ہونا ظاہر کیا گیا ہے، اس رسالہ کے متعلق مولانا احمد بزرگ صاحبؒ تحریر فرماتے ہیں

"الحمد للہ کہ یہ کتاب ایسی جامع و مکمل تیار ہوگئی ہے کہ جو شخص اس کو اول سے آخر تک دیکھ لے وہ مرزائیت کی پوری حقیقت سے واقف ہونے کے علاوہ بڑے سے بڑے مرزائی کو بحث میں مغلوب و مبہوت کر سکتا ہے[۱]"

کادیان یا قادیان؟

ضلع گرداسپور پنجاب میں ایک قصبہ "کادیان" ہے مرزا غلام احمد وہیں کے رہنے والے تھے، اس قصبہ کا صحیح اور اصلی نام کادیان ہے، اہل پنجاب اب بھی اس کو اسی نام سے پکارتے ہیں پنجابی زبان "کادی" کیوڑہ کو کہتے ہیں چونکہ اس بستی میں زیادہ تر کیوڑہ فروش رہا کرتے تھے اسلئے پوری بستی کو "کادیان" کہا جانے لگا۔ مرزا صاحب کو جہاں دینی و مذہبی ماخذ میں توڑ مروڑ، تحریف اور تاویل کرنے کا چسکہ لگا ہوا تھا وہاں وہ دنیاوی معلومات

---

[۱] صیفہ رنگون ص۲۔

میں بھی ردوبدل اور حقائق کی پردہ پوشی کیا کرتے تھے، لہٰذا اپنی اسی ذہنیت کی بنا پر انھوں نے کافی روپیہ خرچ کرکے سرکاری کاغذات میں اس کو "قادیان" لکھوایا اور مشہور یہ کیا کہ یہ لفظ درحقیقت قاضیان تھا جواب بگڑ کر قادیان ہو گیا[1]

چند اعتراضات اور ان کے جوابات

فرق باطلہ کا ہمیشہ یہ دستور رہا ہے کہ وہ براہ راست مناظرے سے گریز کرتے ہیں لیکن آڑ میں بیٹھ کر خطوط یا اشتہار بازی سے کام لیکر عوام کو گمراہ کرنے کی کوشش کرتے ہیں، خواجہ کمال الدین مرزائی نے بھی رنگون میں یہی کیا اور صرف مراسلات واشتہارات ہی کو ذریعۂ تخاطب بنایا براہ راست مناظرے کی نوبت نہیں آنے دی، اپنے آخری اشتہار میں خواجہ صاحب نے اسلامی معتقدات کے خلاف چار سوالات قائم کرکے شائع کئے اور اپنے دماغ میں یہ مفروضہ قائم کرلیا کہ علماء اسلام سے ان کا جواب دیتے نہ بن پڑیگا، لیکن حضرت مولانا لکھنویؒ نے فی الفور ان سوالات کے جوابات لکھ کر شائع کر دیئے۔ جو حسب ذیل ہیں۔

پہلا اعتراض ۔ قرآن مجید ظاہر کرتا ہے کہ ہر رسول پر اسی قوم کی زبان میں وحی آئی ہے جس کی طرف وہ بھیجا گیا ہے اسی طرح یہ بھی کہا گیا ہے کہ قرآن عربی زبان میں اس لئے نازل ہوا ہے تاکہ مخاطب لوگ اس کو سمجھ سکیں، لہٰذا معلوم ہوا کہ قرآن اور محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) صرف عرب ہی کیلئے آئے تھے اس لئے یہ دعویٰ کیوں کیا جاتا ہے کہ قرآن ساری دنیا کے لئے آیا ہے؟

جواب :۔ قرآن مجید میں مذکورہ مضمون صرف ان نبیوں کی بابت آیا ہے جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے پہلے آئے تھے کیونکہ آپؐ سے پہلے کسی نبی کی نبوت ساری دنیا کے لئے نہیں ہوئی تھی چنانچہ ہر نبی صرف ایک خاص قوم کے لئے ہوتا تھا اور اسی قوم کی

---

[1] صحیفہ رنگون ص۳)

زبان میں ان پر وحی اترتی تھی۔ اس قضیہ کو الٹ کر یہ نتیجہ نکالنا کہ جس نبی کی جو زبان ہو اس کی نبوت اسی قوم کے ساتھ مخصوص ہے غلط ہے۔ قرآن عربی زبان میں اس لئے آیا ہے کہ سب سے پہلے اس کی روشنی عرب میں پھیلے اور پھر اس کے ذریعہ ساری دنیا منور ہو، چنانچہ قرآن مجید میں ارشاد باری ہوتا ہے۔

لِتَكُونُوا شُهَدَاءَ عَلَى النَّاسِ وَيَكُونَ الرَّسُولُ عَلَيْكُمْ شَهِيدًا۔ [1]

اے اہل عرب تم سب لوگوں کے سامنے گواہی دینے والے بنو اور رسول تمہارے سامنے گواہی دینے والے بنیں۔

یہاں قرآن یہ صاف تصریح کر رہا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت اور قرآن کی ہدایت ساری دنیا کے لئے ہے، چنانچہ اس سلسلہ میں حسب ذیل آیتیں مزید اس کی شاہد ہیں

۱۔ قُلْ يَا أَيُّهَا النَّاسُ إِنِّي رَسُولُ اللَّهِ إِلَيْكُمْ جَمِيعًا ...... فَآمِنُوا بِاللَّهِ وَرَسُولِهِ النَّبِيِّ الْأُمِّيِّ۔ [2]

اے نبی کہہ دیجئے کہ میں تم سب کی طرف اللہ کا رسول ہوں، پس ایمان لاؤ اللہ پر اور اس کے رسول نبی امی پر

۲۔ وَمَا أَرْسَلْنَاكَ إِلَّا كَافَّةً لِلنَّاسِ بَشِيرًا وَنَذِيرًا۔ [3]

اے نبی ہم نے آپ کو تمام لوگوں کیلئے خوشخبری سنانے والا اور ڈرانے والا بنا کر بھیجا ہے۔

۳۔ وَأُوحِيَ إِلَيَّ هَٰذَا الْقُرْآنُ لِأُنذِرَكُمْ بِهِ وَمَنْ بَلَغَ۔ [4]

یہ قرآن مجھ پر وحی کیا گیا تاکہ میں تمکو اس کے ذریعہ سے ڈراؤں اور نیز ان تمام لوگوں کو (ڈراؤں) جن تک یہ قرآن پہنچ جائے

---

[1] سورۃ البقرۃ: ۱۴۳۔ [2] سورۃ الاعراف: ۱۵۸۔ [3] سورۃ سبا: ۲۸۔
[4] سورۃ الانعام: ۱۹۔

۴۔ تَبٰرَكَ الَّذِیْ نَزَّلَ الْفُرْقَانَ عَلٰی عَبْدِہٖ لِیَکُوْنَ لِلْعٰلَمِیْنَ نَذِیْرًا۔[1]

برکت والا وہ خدا جس نے اپنے بندوں پر قرآن اتارا تاکہ وہ تمام دنیا کے لئے ڈرانے والا بنے۔

لہذا جب قرآن مجید کی یہ واضح تصریح ہے تو اسکے خلاف آیت کا مطلب لینا کیسے صحیح ہوسکتا ہے کیونکہ کسی کلام سے کوئی ایسا مفہوم استنباط کرنا جو اس کلام کے دوسرے حصہ کی تصریح کے خلاف ہو یہ عقلاً بھی جائز نہیں ہے۔

دوسرا اعتراض —— قرآن دوسرے مذاہب کے خدائی آغاز کو تسلیم کرتا ہے اور توریت کو نور و ہدایت کہتا ہے اس لئے ایسی حالت میں اگر یہ دھیان کامل تھیں تو کیوں منسوخ ہوئیں اور اگر کامل نہیں تھیں تو وہ لوگ کیوں کامل چیز سے محروم کئے گئے!۔

جواب:۔ قرآن شریف نے بیشک یہ بیان کیا ہے کہ ہر قوم اور ہر ملک میں نبی آئے اور ہدایت اتری ہے مگر یہ کہیں نہیں بیان کیا گیا کہ دنیا کے موجودہ مذاہب بعینہ وہی ہیں جن کی تعلیم ان کے نبیوں نے دی تھی جبکہ اس کے برعکس یہ تصریح متعدد آیتوں میں ہے کہ انبیاء کی تعلیمات اور ان کی خدائی کتابوں میں ان نبیوں کے بعد بہت کچھ تحریف و ترمیم کردی گئی ہے، اس تحریف و ترمیم کا ثبوت تاریخی واقعات اور دوسرے دلائل سے بھی ہمکو ملتا ہے، لہذا یہ سمجھ لینا چاہئے کہ اگلی شریعتوں کے منسوخ ہونے کے دو اسباب ہیں، ایک یہ کہ وہ شریعتیں اصلی حالت پر باقی نہیں رہی تھیں اور ان میں بہت کچھ تحریفات کردی گئی تھیں، دوسرے یہ کہ قرآن مجید دین کامل لے کر آیا ہے جبکہ اگلی شریعتیں بہ نسبت شریعت محمدیہ کے دین کامل لے کر نہیں آئی تھیں جیسا کہ قرآن مجید میں ارشاد فرمایا ہے۔

---

[1] سورۃ الفرقان: ۱۔

اَلْيَوْمَ اَكْمَلْتُ لَكُمْ دِيْنَكُمْ[1]   آج میں نے تمہارا دین تمہارے لئے کامل کر دیا
لہذا اگلی شریعتوں کے بہ نسبت شریعت محمدیہ کا مکمل ہونا اور مذکورہ بالا دوسری شریعتوں کے مسائل دیکھنے سے بھی بخوبی واضح ہو جاتا ہے

اب یہ کہنا کہ اگلی قومیں کیوں ایسے دین کامل سے محروم کی گئیں یہ ایک بے جا اعتراض ہے، نظام عالم ہمکو تبلا رہا ہے کہ قانون قدرت یہی ہے کہ ترقی بتدریج ہوتی ہے چنانچہ جب انسان پیدا ہوتا ہے تو وہ اس وقت کمزور ہوتا ہے کیونکر بولنا چلنا پھرنا اور تمام وہ قوتیں جو انسان سے تعلق رکھتی ہیں وہ بتدریج اس میں پیدا ہوتی ہیں اور ترقی کرتی ہیں لہذا اس پر یہ اعتراض کرنا کہ پہلے ہی سب قوتیں انسان کو کیوں نہ مل گئیں اور بچے اس کمال سے کیوں محروم کئے گئے قانون فطرت پر اعتراض کرنا ہے

تیسرا اعتراض ـــــ بہائی لوگ کہتے ہیں کہ پیغمبری ختم نہیں ہوئی ہے، خدا نے حضرت آدمؑ سے وعدہ کیا تھا کہ ہم وقتاً فوقتاً پیغمبر بھیجتے رہیں گے اس لئے بنی آدم میں ہمیشہ نبوت کا سلسلہ قائم رہنا چاہیے اور محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) پر نبوت ختم ہونے کا عقیدہ غلط ہے۔

جواب :ـــ بہائی لوگوں کا، یا اُن سے سیکھ کر مرزا غلام احمد قادیانی اور ان کے پیروؤں کا یہ کہنا کہ نبوت ختم نہیں ہوئی ہے قرآن اور عقل دونوں کے خلاف ہے، قرآن واضح طور پر کہتا ہے کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر نبوت ختم ہو گئی ہے۔

مَا كَانَ مُحَمَّدٌ اَبَآ اَحَدٍ مِّنْ رِّجَالِكُمْ   محمد صلی اللہ علیہ وسلم کسی مرد کے باپ نہیں
وَلٰكِنْ رَّسُوْلَ اللّٰهِ وَخَاتَمَ النَّبِيّٖنَ[2]   ہیں بلکہ اللہ کے رسول اور خاتم الانبیاء ہیں

قرآن مجید کی وہ آیات جن کا حوالہ اعتراض میں ہے ان کا مطلب وہ نہیں ہے جو بہائی اور مرزائی بیان کرتے ہیں بلکہ ان کا مفہوم صرف اس قدر ہے کہ خدا کی طرف سے نبی

---

[1] سورۃ المائدہ : ۴۔ [2] سورۃ الاحزاب : ۴۰

آئیں گے اور ہدایت آئے گی کسی لفظ سے اشارۃً بھی یہ نہیں نکلتا کہ نبوت کبھی ختم نہیں ہوگی، یہ بات دوسرا اعتراض کے جواب میں بیان ہو چکی ہے کہ اگلی شریعتیں کیوں منسوخ ہوئی ہیں چونکہ منسوخیت کی وہ وجہ شریعت محمدیہ میں نہیں ہے اسلئے محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر نبوت کا ختم ہو جانا عقل کے بھی موافق ہے، اگلی شریعتیں دین کامل نہیں تھیں اور شریعت محمدیہ دین کامل ہے اگلی شریعتوں میں تحریف ہو گئی تھی لیکن شریعت محمدیہ کے محفوظ رہنے کا خود خدا تعالیٰ ذمہ دار ہے۔

اِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّكْرَ وَاِنَّا لَهٗ لَحَافِظُوْنَ [1]	یہ نصیحت ہم نے آتاری ہے اور ہم خود (ہی) اسکے محافظ ہیں۔

شریعت محمدیہ کا محفوظ رہنا ان سلسلۂ اسانید کے علاوہ جو اہل اسلام کے پاس ہیں تاریخی واقعات اور غیر مسلم اصحاب کی شہادت سے بھی بخوبی ظاہر ہے

چوتھا اعتراض —— قرآن کسی خاص پیغمبر کی پیروی میں نجات کو منحصر نہیں کرتا جیسا کہ دوسرے پارے کی آیت سے ظاہر ہے، لہذا صرف دین اسلام ہی قبول کرنے کی کیا ضرورت ہے؟

جواب :- کسی خاص پیغمبر کی پیروی میں نجات کا منحصر نہ ہونا صرف خواجہ کمال الدین ہی کا قول ہے ورنہ قرآن کی بہت سی آیتوں میں بیان ہوا ہے کہ نجات دین اسلام میں منحصر ہے۔

وَمَنْ يَّبْتَغِ غَيْرَ الْاِسْلَامِ دِيْنًا فَلَنْ يُّقْبَلَ مِنْهُ [2]	جو شخص اسلام کے سوا کوئی دوسرا دین اختیار کرے گا تو وہ ہرگز اس سے قبول نہ کیا جائیگا۔

دوسرے پارے کی وہ آیت جس کا حوالہ لائق معترض نے دیا ہے اس کا مطلب انھوں نے صحیح بیان نہیں کیا ہے، اس آیت کا منشار صرف اس قدر ہے کہ قرآن نجات

---

[1] سورۃ الحجر: ۹ - [2] سورۂ آل عمران: ۸۵ -

کو کسی قوم کے ساتھ مخصوص نہیں بناتا جیسا کہ یہودیوں کا قول تھا اَلَّذِیْنَ اٰمَنُوْا اور نَصَارٰی اور صَابِئِیْنَ وغیرہ الفاظ مذہبی حیثیت سے متجاوز ہو کر قومیت کے معنی میں مستعمل ہونے لگے تھے۔ لفظ، عرب، قومیت کے معنی میں مخصوص ہے مگر 'تمدنِ عرب' کا مصنف مذہبی معنوں میں استعمال کرتا ہے یعنی مسلمانوں کو خواہ کسی بھی قوم کے ہوں، وہ 'عرب' کہتا ہے اسلئے قرآن نے بتایا کہ جو شخص اسلام قبول کرے خواہ وہ کسی قوم کا ہو نجات کا حقدار ہے، اگر آیت کے وہ معنی لیے جائیں جو خواجہ کمال الدین کہتے ہیں تو معاذ اللہ یہ ایک مہمل کلام ہوا جاتا ہے اس لئے کہ اَلَّذِیْنَ اٰمَنُوْا کے ساتھ مَنْ اٰمَنَ کا لفظ کسی طرح نہیں لگ سکتا یعنی ایمان والوں کے لئے یہ شرط لگانا کہ وہ ایمان لائیں بے معنی ہے[1]

رسالہ کے بعض دوسرے مباحث

ان مکمل جوابات کے بعد پھر خواجہ صاحب کی طرف سے کوئی جواب الجواب نہیں آیا اور وہ انتہائی ذلت و رسوائی کے ساتھ رنگون سے روانہ ہوگئے، اس رسالہ کا ایک اہم حصہ وہ ہے جس میں مرزا غلام احمد کی تحریروں کے ستائیس اقتباسات بطور نمونہ پیش کئے گئے ہیں جن سے پوری طرح ثابت ہوتا ہے کہ وہ مدعی نبوت تھے، یہ اس لئے ضروری ہوا کہ مرزائیوں کی لاہوری پارٹی اکثر مسلمانوں کو دھوکہ دینے کے لئے یہ کہہ دیتی ہے کہ مرزا صاحب نے دعویٰ نبوت تو کیا ہے مگر یہ دعوی محض مجازی ظلی، بروزی اور غیر مستقل نبوت کا ہے اور یہ کہ انھوں نے صاحب شریعت ہونے کا دعویٰ نہیں کیا ہے[2]، اس کے علاوہ اس رسالہ کا سب سے زیادہ لائق توجہ وہ حصہ ہے جس میں ختم نبوت کے مسئلہ پر گفتگو کی گئی ہے یہ مسئلہ ایسا مہتم بالشان ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد مبارک سے لیکر اس وقت تک ہر زمانہ اور ہر مقام کے مسلمانوں کا اس پر اجماع قطعی

---

[1] صیحۂ رنگون ص۲۵ تا ص۳۲۔ [2] صیحۂ رنگون ص۱۰۱۔

ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر نبوت ختم ہو چکی ہے لہٰذا جو شخص بھی آپ کے بعد نبوت کا دعویٰ کرے وہ کذاب و دجال ہے اور قطعاً کافر ہے۔

ایک بار مولانا لکھنوی سے مناظرہ کرنے کیلئے مرزا غلام احمد کے خلیفہ حکیم نور الدین (م ۱۳۳۲ھ) نے تین مرزائی مولویوں کو جن کے نام مولوی سرور شاہ، مفتی محمد صادق، اور میر قاسم علی دہلوی تھے لکھنؤ بھیجا تھا ان لوگوں نے زبانی مناظرہ کرنے کے بجائے تحریری مناظرہ کی خواہش ظاہر کی، چنانچہ مولانا ممدوح نے اپنے رسالہ "النجم" لکھنؤ کی جلد ۱۰ نمبر ۱۳ میں ایک مضمون ختم نبوت پر اور ایک مضمون حیاتِ مسیح پر سپرد قلم کیا جس کا آج تک کسی مرزائی نے کوئی جواب نہیں دیا۔[1]

کفر کا فتویٰ رسالہ کے آخر میں ۲۸۸ علماء اسلام کے اسماء گرامی درج ہیں جنہوں نے اس فتویٰ پر دستخط کئے تھے کہ مرزا غلام احمد اور ان کے متبعین قطعاً کافر ہیں، ان کے ساتھ کوئی اسلامی معاملہ جائز نہیں ہے، نہ انکے ساتھ مناکحت درست ہے، نہ ان کے ہاتھ کا ذبیحہ حلال ہے نہ انکو اپنی مسجدوں میں نماز کی اجازت دینی چاہیئے اور اور نہ ہی ان کے مردوں کو اپنے قبرستانوں میں دفن کرنے کی، ان دستخط کنندگان میں مولانا سید عطاء اللہ بخاری (م ۱۳۸۱ھ) مولانا محمد داؤد غزنوی (م ۱۹۶۳ء) مولانا ثناء اللہ امرتسری (م ۱۳۶۷ھ) مولانا محمد یحییٰ قاضی شہر بھوپال، مولانا مفتی کفایت اللہ صاحب دہلوی (م ۱۳۷۲ھ) مولانا مفتی محمد سہول صاحب بھاگلپوری (م ۱۳۶۷ھ) شیخ الہند مولانا محمود حسن صاحب (م ۱۳۳۹ھ) مولانا شبیر احمد صاحب عثمانی (م ۱۳۶۹ھ) مولانا محمد ابراہیم بلیاوی (م ۱۳۸۷ھ) شیخ الادب مولانا اعزاز علی صاحب (م ۱۳۷۴ھ) مولانا خلیل احمد صاحب سہارنپوری (م ۱۳۴۶ھ) مولانا شاہ عبدالرحیم صاحب رائپوری (م ۱۹۱۹ء) مولانا شاہ عبدالقادر صاحب رائپوری (م ۱۳۸۲ھ) مولوی عبدالرؤف صاحب داناپوری، مولانا عبدالباری صاحب فرنگی محلی (م ۱۳۴۴ھ) مولانا عبدالشکور صاحب لکھنوی --- اور مولانا سید فخر الدین صاحب مرادآبادی (م ۱۹۷۲ء) وغیرہم کے نام ہائے خاص طور سے قابل ذکر ہیں۔[2]

---

[1] صحیفۂ رنگون ص ۱۱۳ - [2] صحیفۂ رنگون ص ۱۳۲ تا ص ۱۴۲ -

اس فتوے کے بعد قادیانیوں کے خلاف ایک عدالتی فیصلہ بھی درج کیا گیا ہے جو مسلمانانِ اڑیسہ کی درخواست پر کٹک کی عدالت نے ۱۰ر فروری ۱۹۱۹ء کو صادر کیا تھا اس مقدمہ کی پوری کارروائی اخبار "دی اڑیا کٹک" نے ۲۶ر مارچ ۱۹۱۹ء کو شائع کی تھی۔

دوسرا رسالہ

اس سلسلہ کے دوسرے رسالہ کا نام ہے "صولتِ محمدیہ برفرقہ غُلمَدِیَّہ" سب سے پہلے رسالہ ۱۹۲۳ء میں "النجم" لکھنؤ کے صفحات پر قسطوار شائع ہوتا رہا پھر اسکے بعد علیحدہ سے کتابی شکل میں شائع کر دیا گیا، اسکے مرتب و ناشر مولانا عبدالسلام صاحب فاروقی (م ۱۹۷۳ء) تھے جو دارالعلوم دیوبند کے فاضل اور حضرت لکھنویؒ کے صاحبزادے تھے، اس رسالہ کے اندر ایک تاریخی مقدمہ کی کارروائی درج ہے جو غیر منقسم ہندوستان کی مشہور ریاست بھاولپور (پنجاب) کی عدالت میں مسلمانوں اور قادیانیوں کے درمیان دائر تھا، اصل مسئلہ یہ تھا کہ مضافات بھاولپور میں مولوی الٰہی بخش نامی ایک صاحب نے اپنی لڑکی کا نکاح ایک شخص کے ساتھ کیا ابھی رخصتی نہیں ہونے پائی تھی کہ وہ شخص مرتد ہو کر قادیانی ہو گیا، مولوی صاحب نے عدالت میں فسخ نکاح کا مقدمہ دائر کر دیا، لیکن بعض "روشن خیال" افسران نے قانونِ وقت کے مطابق اس دعویٰ کو خارج کرا دیا، مجبور ہو کر مولوی الٰہی بخش نے ریاست کی عدالت میں جو کہ ایک اسلامی ریاست تھی اپیل دائر کر دی، اسلامی عدالت نے فریقین کو ہدایت دی کہ وہ اپنے مشہور اور مستند علماء کی مذہبی شہادت عدالت میں پیش کریں، اس عرصہ میں یہ معاملہ بجائے شخصی کے ایک ملی معاملہ بن گیا، لہٰذا اس کی پیروی انجمن مؤید الاسلام بھاولپور نے اپنے ہاتھ میں لے لی، مولانا غلام محمد صاحب شیخ الجامعہ جامعہ عباسیہ بھاولپور نے جو کہ ریاست کے صدر الصدور بھی تھے اس وقت کے اکابر اور اماثل کو عدالت کے سامنے قادیانیت کے خلاف شہادت دینے کیلئے دعوت دی، جن علماء نے بھاولپور جا کر عدالت میں شہادت دی ان میں مولانا سید مرتضیٰ حسن چاندپوری

(م ۱۳۷۶ھ) سابق صدر المدرسین مدرسہ امدادیہ مراد آباد، مولانا نجم الدین صاحب (م ۱۹۵۲ء) سابق پروفیسر اورینٹل کالج لاہور، مولانا محمد شفیع صاحب (م ۱۳۹۶ھ) سابق مفتی دارالعلوم دیوبند، مولانا محمد حسین صاحب ساکن کولوتارڑ ضلع گوجرانوالہ اور مولانا عبدالشکور صاحب لکھنوی (م ۱۹۶۲ء) تھے[1]

علماء کا فیصلہ

ان حضرات کی شہادتوں کا خلاصہ یہ تھا کہ مرزا غلام احمد اور ان کے متبعین کافر و مرتد ہیں، ان کے ساتھ مناکحت حرام ہے اگر نکاح کے بعد کوئی شخص مرزائی ہو جائے تو وہ نکاح بغیر قضاء قاضی فسخ ہو جاتا ہے اور اس کی منکوحہ کو دوسری جگہ نکاح کر لینا درست ہے[2]

مرزا غلام احمد کے کافر و مرتد ہونے کے پانچ وجوہ بیان کیے گئے تھے: اول یہ کہ انھوں نے اپنے اوپر وحی نازل ہونے کا دعویٰ کیا تھا، دوم یہ کہ انھوں نے اپنے نبی ہونے کا دعویٰ کیا تھا، سوم یہ کہ انھوں نے حضرات انبیاء علیہم السلام کی اور حضرت سیدالانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کی شان میں سخت گستاخیاں کی تھیں، چہارم یہ کہ انھوں نے ضروریات دین کا مثلاً حشر جسمانی وغیرہ کا انکار کیا تھا اور پنجم یہ کہ انھوں نے تمام دنیا کے اُن مسلمانوں کو جو ان کو نبی نہیں تسلیم کرتے کافر کہا ہے[3]

اس فرقہ کو احمدی کہنا گناہ ہے

مولانا لکھنوی فرماتے ہیں کہ مرزا کے ماننے والے اپنے کو "احمدی" لکھتے اور کہتے ہیں اور اکثر مسلمان بھی اپنی نادانی اور کم علمی کی بنا پر انھیں "احمدی" کہہ دیتے ہیں حالانکہ ان کو احمدی کہنے میں تین گناہ ہیں۔

اول۔ "احمدی" کہنا گویا اُس افترا کی تصدیق کرنا ہے جو وہ اپنی کتابوں میں لکھ گیا ہے کہ آیۂ کریمہ

---

[1] صولت محمدیہ ملتقطاً ۲۴۱ [2] صولت محمدیہ ۲۲ [3] صولت محمدیہ ۱۲۳

وَمُبَشِّرًا بِرَسُوْلٍ يَّأْتِیْ مِنْ بَعْدِی اسْمُهٗ اَحْمَدُ ۔ؔ ؎	اور میں بشارت سناتا ہوں کہ ایک پیغمبر جو میرے بعد آئیں گے ان کا نام احمد ہوگا۔

کا مصداق میں ہی ہوں۔

دوم ـــ "احمدی" کہنے میں اس امر کا شبہ ہوتا ہے کہ شاید یہ نسبت سیدالانبیا صلی اللہ علیہ وسلم کے نام مبارک "احمد" کی طرف ہے، جب کہ ایسا بالکل نہیں ہے۔

سوم ـــ آج سے بہت پہلے لفظ "احمدی" امام ربانی مجدد الف ثانی حضرت شیخ احمد سرہندیؒ کے متوسلین کا مخصوص لقب رہ چکا ہے، چنانچہ اس سلسلہ کے اکابر بطور شعار یہ لفظ اپنے نام کے ساتھ استعمال کیا کرتے تھے جیسے (شاہ) غلام علی احمدی اور (شاہ) احمد سعید احمدی وغیرہ۔ ان حضرات کی مہروں میں یہ نسبت اسی طرح کندہ تھی اس لئے قادیانیوں کو احمدی کہنا گویا اکابر امت کے ایک امتیازی لقب کا غصب کرنا ہے۔ ؎

فِرقۂ غُلَمْدِیَّہ اس فرقہ کا ایک مشہور نام مرزائی ہے لیکن یہ لوگ اس نام سے چڑھتے ہیں۔ حضرت مولانا سید محمد علی مونگیریؒ اس فرقہ کو "جدید عیسائی" کہا کرتے تھے، کیونکہ ان کا مقتدیٰ اپنے عیسیٰ ہونے کا مدعی تھا لیکن حضرت مولانا عبدالشکور صاحب لکھنویؒ اس فرقہ کو "غلمدی" کہا کرتے تھے، غلام احمد نام میں دو جزء ہیں اور دونوں کی طرف نسبت اس نام میں آگئی ہے، عربی قاعدہ کے مطابق بھی یہ طریق نسبت کثیر الاستعمال ہے جیسے عبد شمس سے عبشمی، عبدالدار سے عبدری اور عبدالقیس سے عبقسی وغیرہ۔ علمی حلقوں میں یہ نام بہت مستعمل ہوا تھا

؎ سورۃ الصف ۶۔ ؎ صولت محمدیہ ص۲۰۔

حضرت مونگیری نے بھی اس نام کو بہت پسند کیا تھا چنانچہ ان کے متوسلین اس نام کو برابر اپنی مطبوعہ اور غیر مطبوعہ تحریروں میں استعمال کیا کرتے تھے [1]

یہ پورا رسالہ چھپا ۶۶ صفحات پر پھیلا ہوا ہے اس کے اکثر و بیشتر مضامین وہی ہیں جو صیحۂ رنگون بر پیروانِ دجال زبون میں لکھے گئے ہیں لہٰذا ان کی تکرار کی کوئی ضرورت نہیں ہے لیکن یہ وقت کا اہم تقاضہ ہے کہ ایسے رسائل اور کتابیں جو اب نایاب ہوتی جارہی ہیں انھیں دوبارہ شائع کیا جائے تاکہ ان سے روشنی حاصل کرکے آنے والی نسلیں صحیح اور سیدھی راہ کو اختیار کرسکیں اور عقائد کی گمراہیوں سے خود بھی بچ سکیں اور دوسروں کو بھی بچا سکیں۔

(بقیہ صفحہ ۲۱۶ کا)

حضرت عیسیٰ علیہ السلام ہی امامت فرمائیں گے۔ یعنی جو افضل ہوگا۔ وہی امامت کرے گا۔ البتہ پہلے دن امامت سے گریز اس لئے ہوگا۔ تاکہ جو شبہ پیدا ہونے والا ہو۔ وہ زائل ہو جائے۔ اب جب ایک وقت (وہ بھی آتے ہی) امام مہدی کی اقتدار میں نماز پڑھ لی، وہ احتمال رفع ہو گیا۔ اور شریعتِ محمدیہ کا استقلال و دوام ثابت ہوگیا تو بعد میں حضرت عیسیٰؑ کی امامت سے کسی قسم کا اشکال پیدا ہونے کا سوال ہی نہ ہوگا۔ اسی لئے مستقلاً حضرت عیسیٰؑ ہی امامت فرمائیں گے۔ (دیکھئے تفصیلات کے لئے فتح الملہم ج ۲ ص ۳۰۳، مرقات المفاتیح ج ۵ ص ۲۲۴)

کوئی شبہ کر سکتا ہے کہ

مسلم شریف کی بعض روایات میں " وامّکم منکم " اور " فامّکم منکم "

---

[1] صولت محمدیہ ص ۲۱

کے الفاظ آئے ہیں، جن سے ظاہر ہوتا ہے کہ امامت حضرت عیسیٰؑ ہی فرمائیں گے اور امام مہدی مقتدی ہوں گے۔ مگر ہم کہتے ہیں کہ اس سے بھی قادیانی حضرات کا مدعا ثابت نہیں ہوسکتا۔ کیونکہ ہمارے مذکورہ بالا جواب سے صاف ظاہر ہے کہ امام مہدی کے مقابلے میں اصل اور واقعی امام (افضلیت کے اعتبار سے) حضرت عیسیٰؑ ہی ہوں گے اور صرف ایک وقت امام مہدی کا امامت کرنا اسی شبہ کو زائل کرنے کیلئے ہو گا۔ جو اوپر بیان کیا گیا اور اس وقت کی امامت بھی حضرت عیسیٰؑ کے ہی حکم اور مرضی سے ہوگی۔

اس کے ساتھ ہی مسلم شریف کی اس روایت نے قادیانی حضرات کے ایک اعتراض کا جواب بھی فراہم کر دیا جو ان کے خیال میں نہایت ہی معرکتہ الآرا اعتراض ہے۔ اور غالباً وہ سمجھتے ہیں کہ ہمارے پاس اس کا جواب نہیں ہے۔

اعتراض یہ ہے۔

(۱) حضرت عیسیٰؑ کی بعثت بنی اسرائیل کی طرف ہوئی تھی اور حضورؐ کی بعثت سارے عالم کی طرف، اب اگر یہ عقیدہ رکھا جائے کہ حضرت عیسیٰؑ ہی مسیح موعود بن کر آئیں گے؟ اور کیا یہ عقیدہ حضورؐ کی اس خصوصیت (سارے عالم کے لئے نبی ہونا) کو نہیں توڑتا؟

(۲) اگر ختم نبوت کا مطلب یہ ہے کہ حضورؐ کے بعد کوئی نبی نہ آئے، تو حضرت عیسیٰؑ کا آنا کیا ختم نبوت کے منافی نہ ہوگا؟

(۳) اس اعتبار سے خاتم النبیین، حضرت عیسیٰ علیہ السّلام ہوئے کیونکہ ان کے بعد کوئی نبی نہ آئے گا، حضور صلی اللہ علیہ وسلم خاتم النبیین نہ ہوں گے۔ کیونکہ ان کے بعد حضرت عیسیٰ علیہ السلام آئیں گے۔ (دیکھئے نزول المسیح ص۲۵ از قاضی محمد نذیر)

اس اعتراض کا بہت ہی آسان اور سیدھا سادہ جواب ہے، جو اعتراض کی

تینوں شقوں کو شامل ہے، جواب یہ ہے کہ حضورؐ کے بعد کوئی نبی نہ آنے کا مطلب یہ ہے کہ حضورؐ کے بعد کوئی نبی مبعوث نہ ہوگا۔ ظاہر ہے کہ حضرت عیسیٰؑ کا نزول، حضرت عیسیٰؑ کی بعثت نہ ہوگی۔ کیونکہ حضرت عیسیٰؑ تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے کئی سو سال پہلے مبعوث ہو چکے تھے۔ اور جب بعثت نہ ہوئی تو یہ سوال ہی ختم ہو جاتا ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام صرف بنی اسرائیل کے لئے نبی ہوں گے یا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی طرح سارے عالم کے لئے۔ بعثت پر ہی دار و مدار تھا۔ عقیدۂ ختم نبوت کا بھی، جب بعثت نہ ہوئی تو حضرت عیسیٰؑ کا نزول ختم نبوت کے منافی نہ ہوا۔ اس طرح خاتم النبیین حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہی رہے نہ کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام، کیونکہ خاتم النبیین کا مطلب ہی یہی ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد کوئی نبی مبعوث نہ ہو اور ظاہر ہے کہ حضورؐ کے بعد کوئی نبی مبعوث نہ ہوگا۔

رہا یہ سوال کہ کیا ثبوت ہے کہ حضرتؑ کا نزول، بحیثیت بعثت نہ ہوگا، اس کا جواب مسلم شریف کی اسی زیر بحث روایت میں موجود ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے متعلق ارشاد فرمایا تھا۔

وَأَمَّکُمْ مِنْکُمْ — اور وہ امامت کریں گے تمہاری، تمہیں میں سے

یعنی تمہاری شریعت کے مطابق نماز پڑھائیں گے (نہ کہ اپنی شریعت کے مطابق)

اس روایت کے ایک راوی ابن ابی ذئبؒ ہیں اور ان سے روایت کرنے والے ولید بن مسلمؒ ہیں، ولید بن مسلمؒ کہتے ہیں کہ ابن ابی ذئبؒ نے مجھ سے کہا، أَتَدْرِيْ مَا أَمَّکُمْ مِنْکُمْ (کیا تم جانتے ہو کہ حضرت عیسیٰ تمہاری کیا امامت کریں گے۔ تمہیں میں سے؟) ولید بن مسلم نے کہا تخبرنی (آپ ہی بتایئے) انھوں نے کہا۔

فأمکم بکتاب ربکم عز وجل وسنۃ نبیکم صلی اللہ علیہ وسلم — پس وہ تمہاری امامت کریں گے تمہارے رب عزوجل کی کتاب (قرآن) اور تمہارے

(مسلم ج ۱ ص۸۷، فتح الباری ج ۶ ص۴۹۳
فتح الملہم ج ۲ ص۳۰۲)

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت کے مطابق۔

طبرانی میں عبداللہ بن مغفل رضؓ کی روایت میں ہے۔

ینزل عیسیٰ بن مریم مصدقا بمحمد علی ملتہ (فتح الباری ج ۶ ص۴۹۱)

عیسیٰ ابن مریمؑ اتریں گے، محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی تصدیق کرتے ہوئے ان کے مذہب پر

نووی میں ہے۔

ای ینزل حاکما بھذہ الشریعۃ لا ینزل نبیا برسالۃ مستقلۃ و شریعۃ ناسخۃ بل ھو حاکم من حکام ھذہ الامۃ (نووی علی المسلم ج ۱ ص۸۷)

حضرت عیسیٰ علیہ السلام اتریں گے، اسی شریعت کے مطابق، مستقل رسالت و شریعت لے کر نہیں آئیں گے کہ وہ ادیانِ باقیہ کے لئے ناسخ بن جائے بلکہ وہ اسی امت کے حکام میں سے ایک حاکم ہوں گے۔

فتح الملہم میں ہے۔

قال الطیبی المعنیٰ یؤمکم عیسیٰؑ حال کونہ فی دینکم (ج ۲ ص۳۰۳)

طیبیؒ فرماتے ہیں یؤمکم کا مطلب یہ ہے کہ حضرت عیسیٰؑ تمہاری امامت کریں گے۔ اُن کے ہونے کی حالت میں تمہارے دین پر۔

مرقات المفاتیح میں ہے

ای یؤمکم عیسیٰؑ حال کونہ من دینکم۔
(ج ۵ ص۲۲۲)

امامت کریں گے عیسیٰؑ ان کے ہونے کی حالت میں تمہارے دین پر۔

ایک نکتہ!

ایک قابل غور نکتہ یہ بھی ہے کہ زیر بحث حدیث میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے امت محمدیہ کی خوش قسمتی اور نصیبہ وری کو بیان فرمایا ہے۔ کَیْفَ اَنْتُمْ اِذَا نَزَلَ ابْنُ مَرْیَمَ فِیْکُمْ وَاِمَامُکُمْ مِنْکُمْ (تم کتنے اچھے اور خوش قسمت ہوگے۔ جب تم میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام نازل ہوں گے، حال یہ کہ تمہارا امام تمہیں میں سے ہوگا۔)

اس خوش قسمتی کی دو ہی شکل ہو سکتی ہے، تیسری نہیں۔

(۱) حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے ہوتے ہوئے، امتِ محمدیہ کا یہ اعزاز ہو کہ امامت، امت کا ہی کوئی فرد کرے۔

ملا علی قاریؒ لکھتے ہیں۔

کیف حالکم وانتم مُکَرَّمُوْنَ عند اللہ تعالیٰ والحالُ ان عیسیٰ ینزل فیکم وامامُکم منکم وعیسیٰؑ یقتدی بامامکم تکرِمَۃً لدینکم ویشھدُ لہ الحدیث الآتی الخ (مرقات المفاتیح ج ۵ ص ۲۲۲)

کیا حال ہوگا تمہارا (یعنی تم کتنے خوش قسمت ہوگے کہ) اللہ تعالیٰ کے نزدیک بھی قابلِ اعزاز و اکرام ٹھہروگے، حال یہ کہ عیسیٰ ابن مریم تم میں اتریں گے۔ اور تمہارا امام تمہیں میں سے ہوگا۔ اور عیسیٰؑ تمہارے امام کی اقتداء کریں گے تمہارے دین کے اعزاز کو ظاہر کرتے ہوئے۔ اور اس کی تائید آنے والی حدیث (روایت جابرؓ) بھی کرتی ہے [1]

---

[1] یہ حدیث گذر چکی ہے

(۲) امامت حضرت عیسیٰ علی نبینا وعلیہ السلام ہی کریں، لیکن اپنی شریعت کے مطابق نہیں، بلکہ امتِ محمدیہ کو عطا کردہ شریعت کے مطابق، جیسا کہ ابن ابی ذئب کی روایت سے پتہ چلا۔

دونوں میں سے جو مفہوم بھی لیا جائے، قادیانی حضرات کا یہ دعویٰ ثابت نہیں ہو سکتا کہ امامت کرنے والے عیسیٰ، امتِ محمدیہ میں سے ہوں گے، وہ عیسیٰ ابن مریمؑ نہ ہوں گے۔ جن کے متعلق رفع الی السماء کا عقیدہ ہے۔

مذکورہ بالا مباحث سے صاف ظاہر ہے کہ حضرت عیسیٰ، وہی حضرت عیسیٰ علی نبینا وعلیہ السلام ہوں گے۔ جو زندہ آسمان پر اٹھالئے گئے اور مہدی امتِ محمدیہ کے ایک فرد ہوں گے، جو نزولِ مسیح کے وقت موجود ہوں گے، لہٰذا دونوں ایک شخصیت نہیں، دو شخصیتیں ہیں

(ختم شد)

Regd. No. SHN-L-13-NP-21-67

DARUL ULOOM MONTHLY

Deoband (U.P.)

فہرست مطبوعات مکتبہ دارالعلوم دیوبند

کتاب	قیمت	کتاب	قیمت	کتاب	قیمت
فتاوی دارالعلوم دیوبند مکمل بارہ جلدوں میں	۴۱۱/-	قرآنی پیشین گوئی	۴/-	جماعت اسلامی کا دینی رخ مکمل در چہار حصص	۲۶/-
		انتصار الاسلام	۱۲/۵۰		
مقامات حریری	۲۵/-	قبلہ نما	۳۵/-	مودودی دستور و عقائد کی حقیقت	۲/-
دیوان المتنبی	۱۵/-	براہین قاسمیہ	۱۴/-		
حسامی	[illegible]	حکمت قاسمیہ مجلد	۵/-	ایمان و عمل	۷/-
ملا حسن	[illegible]	قرآن محکم	۶/-	غلط فہمیوں کا ازالہ	۵/-
عقیدہ طحاوی	۱۵/-	حجۃ الاسلام	۱۵/-	دو ضروری مسئلے	۱/۵۰
مشکوۃ الآثار	۱۲/-	مدارج سلوک	۲۴/-	مشاہیر علماء دیوبند	۱۰/-
الفیۃ الحدیث	۱۷/-	جائزہ تراجم قرآنی	۱۶/-	علماء دیوبند اور علم حدیث	۱۴/-
الفتحیہ	۵/-	دینی دعوت کا قرآنی اصول	۱۲/-	دارالعلوم کی تاریخ سیاست	۱۳/-
نفحۃ الادب	۹/-	اسرائیل	۴/۵۰	نکاح و طلاق	۱۰/-
مقدمہ ابن الصلاح	۱۵/-	حقیقت معراج	۳/-	دُرِّ منثور اول	۲/-
المنار الانوار	۱۰/-	دارالعلوم کا ایک فتویٰ اور اس کی حقیقت	۴/-	دُرِّ منثور دوم	۱/۵۰
الاشباہ والنظائر	۴۲/-			اسلام اور قادیانیت کا تقابلی مطالعہ	۲۵/-
تفسیر مدارک التنزیل	۱۱/-	ناقابل فراموش واقعات	۳۲/-	نزول عیسیٰ اور ظہور مہدی	۸/-
تفسیر معوذتین	۵/-	تفہیم القرآن کا تحقیقی و تنقیدی جائزہ	۱۶/-	تحقیق الکفر والایمان	۷/-
ماثورہ دعائیں، دو رنگ میں	۲/-	اجتماع گنگوہ	۱/۵۰	اسلام اور مرزائیت کا اصولی اختلاف	۱/۵۰
مثنوی فروغ	۵/-	اسلامی عقائد اور سائنس	۴/-	دعاوی مرزا	۴/-
ملفوظات مکمل در دو جلد	۴۹/-	مودودی مذہب	۵/-	ختم نبوت	۵/-
تاریخ دارالعلوم مکمل اردو دو جلد	۱۰۰/-	نظریۂ دو قرآن پر ایک نظر	۷/-	مسیح موعود کی پہچان	۲/۵۰
تاریخ دارالعلوم مکمل انگریزی "	۳۱۰/-	مکتوب ہدایت	۷/-	قادیانیت پر غور کرنے کا سیدھا راستہ	۳/-
مصابیح التراویح	۱۰/-	مکتوبات ثلٰثہ	۶/-	تناقضات مرزا	۲/[illegible]
سوانح قاسمی مکمل در سہ جلد	۱۲/-	اعفاء اللحیہ	۳/-	فلسفہ ختم نبوت	[illegible]

ستمبر ۱۹۸۷ء

دار العلوم دیوبند کا ترجمان

ماہنامہ

دار العلوم

مدیر

حبیب الرحمٰن قاسمی

دارالعلوم دیوبند کا ترجمان

ماہنامہ

دارالعلوم

دیوبند

شمارہ نمبر ۶ | بابتہ ماہ ستمبر ۱۹۸۷ء مطابق محرم الحرام ۱۴۰۸ھ | جلد نمبر ۷۱

نگران

حضرت مولانا مرغوب الرحمٰن صاحب مہتمم دارالعلوم دیوبند

مدیر

مولانا حبیب الرحمٰن القاسمی

فی شمارہ ۴/= ——— سالانہ ۴۰/=

سالانہ بدل اشتراک بیرونِ ممالک سے

سعودی عرب، افریقہ، برطانیہ، امریکہ، کناڈا وغیرہ کا سالانہ ۱۶۵/=

پاکستان سے ۷۵/- روپے. بنگلہ دیش ۵۰/= ہندوستانی

سرخ نشان اس بات کی علامت ہے کہ آپ کا زرِ تعاون ختم ہو گیا ہے

فہرست مضامین

ہندوستانی و پاکستانی خریداروں سے ضروری گذارش

۱۔ ہندوستانی خریداروں سے ضروری گذارش یہ ہے کہ ختم خریداری کی اطلاع پاکر اول فرصت میں اپنا چندہ نمبر خریداری کے حوالہ کے ساتھ منی آرڈر سے روانہ کریں۔

۲۔ پاکستانی خریدار اپنا چندہ مبلغ ۔/۷۵ روپے ہندوستانی مولانا عبدالستار صاحب مہتمم جامعہ عربیہ محمودیہ داؤد والا براہ شجاع آباد ضلع ملتان پاکستان کو بھیجدیں اور انہیں لکھیں کہ وہ اس چندہ کو رسالہ دارالعلوم کے حساب میں جمع کرلیں

۳۔ خریدار حضرات پتہ پر درج شدہ نمبر محفوظ فرمالیں۔ خط و کتابت کے وقت خریداری نمبر ضرور لکھیں۔

والسلام

منیجر رسالہ دارالعلوم۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

حرف آغاز

حادثۂ حرم پاک شیعیت کے منفی کردار کی روشنی میں

فرقہ شیعہ دراصل یہودیت کی پیداوار ہے۔ جس طرح سینٹ پال (پولوس رسول) یہودی نے ازراہ تعصب مسیحیت کا لبادہ اوڑھ کر دین مسیحؑ کی صداقت اور عقیدۂ توحید کو ثنیت اور شرک سے آلودہ کردیا۔ ٹھیک اسی طرح صنعاء کے ایک یہودی عبداللہ بن سبا نے منافقانہ طور پر اسلام میں داخل ہوکر اسلام کے صاف وشفاف چشمے کو اپنے مشرکانہ عقائد سے مکدر کرنے کی ناپاک کوشش کی۔ یہ یہودی منافق اگرچہ "انا نحن نزلنا الذکر وانا لہٗ لحافظون" کے خدائی وعدہ حفاظت کی بنا پر اپنے ناپاک مقصد میں کامیاب تو نہ ہوسکا لیکن ملتِ اسلامیہ کے اندر اختلاف وانتشار کا ایسا بیج ہوگیا کہ امت اسوقت سے لیکر آج تک اتفاق واتحاد سے محروم ہے

یہی ابن سبا یہودی شیعیت کا مؤسس دبانی ہے اسی لئے مشہور تابعی امام شعبیؒ فرماتے تھے کہ "شیعہ اس امت کے یہود ہیں" (الفصل ج ۴ ص ۱۸۰) یہی امام شعبیؒ ایک دوسرے موقع پر اپنے تلامذہ کو خطاب کرتے ہوئے فرماتے ہیں۔

"احذرکم اھل ھذہ الاھواء المضلۃ وشرھا الرافضۃ لم یدخلوا فی الاسلام رغبۃ ولا رھبۃ ولیکن مقتاً لاھل الاسلام وبغیا علیھم وقد نفاھم علی رضی اللہ عنہ الی البلدان منھم عبد اللہ بن سبا یھودی من یھود صنعاء نفاہ الی ساباط وعبد اللہ بن یسار الی خازر"
(الصراع بین الاسلام والوثنیۃ)

یہودیت اور شیعیت کے تقابلی مطالعہ سے امام شعبی کے قول کی حرف بہ حرف تائید ہوتی ہے کیونکہ فرقہ شیعہ کے بیشتر عقائد، اخلاق اور اعمال یہودیت ہی کی صدائے بازگشت معلوم ہوتے ہیں بطور مثال و نمونے کے چند امور یہاں ذکر کئے جاتے ہیں۔

۱- یہود حضرت عزیر علیہ السلام کو خدا کا بیٹا کہہ کر انھیں الوہیت کا درجہ دیتے ہیں۔ اسی طرح عبداللہ بن سبا اور اس کے پیرو شیعہ حضرت علی کی الوہیت کے قائل ہیں

۲- یہودیوں کے نزدیک خلافت و حکومت آل داؤد کے ساتھ مخصوص ہے اسی طرح شیعوں کے نزدیک خلافت و امامت آل رسول و آل بیت ہی کا حصہ ہے۔

۳- یہود حضرت جبرئیلؑ کے بارے میں کہتے ہیں۔ وھو عدونا من الملائکۃ۔ شیعہ بھی یہی کہتے ہیں۔

۴- یہود نے اپنی کتاب تورات میں تحریف کی، شیعہ فرقے نے بھی قرآن کریم میں تحریف کی ناپاک کوشش کی

۵- یہود مسح علی الخفین کو جائز نہیں سمجھتے۔ یہی مسلک شیعوں کا بھی ہے۔

۶- یہود اپنے علاوہ کسی کو جنتی نہیں سمجھتے لن یدخل الجنۃ الامن کان یہودًا۔ شیعہ فرقہ کا بھی یہی زعم باطل ہے

۷- یہود اشتباک نجوم تک نماز کو مؤخر کرتے ہیں۔ اسی طرح شیعہ نماز مغرب کو اشتباک النجوم کے بعد ادا کرتے ہیں۔

۸- یہود الجری والمرماہی مچھلی کو حرام سمجھتے ہیں۔ یہی مذہب شیعوں کا بھی ہے۔

۹- یہودیوں کے یہاں عورتوں پر عدت نہیں ہے۔ یہی بات شیعہ بھی کہتے ہیں

۱۰- یہود تمام غیر یہودیوں کے اموال کو اپنے لئے حلال سمجھتے ہیں۔ اسی نظریہ کے قائل شیعہ بھی ہیں وتلک عشرۃ کاملۃ، ان کے علاوہ اور بھی ایسے بہت سے امور ہیں۔ جن میں شیعہ اہل اسلام کے بجائے یہودیوں کے مذہب کی پیروی کرتے ہیں۔ چونکہ اس فرقہ کا مؤسس اصلاً یہودی ہے اس لئے شیعیت اور یہودیت میں یہ مناسبت و مطابقت فطری ہے۔

فرقۂ شیعہ اپنے ابتدائے وجود سے عالم اسلام کے لئے ایک خطرہ بنا ہوا ہے اور ہمیشہ سے اس کی یہی کوشش رہی ہے کہ ملت اسلامیہ میں اختلاف و انتشار پیدا کر کے اسکے شیرازہ کو منتشر کر دے ۔ چنانچہ اس کے بانی ابن سبا، نے اپنی خفیہ سازشوں کے ذریعہ خلیفۂ ثالث داماد رسول حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کے خلاف بغاوت برپا کی جس کے نتیجہ میں ۳۵ھ میں حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کی شہادت کا واقعہ پیش آیا، بانی تشیعیت کی منافقانہ سازشوں کی بنا پر ۳۶ھ میں واقعہ جمل اور ۳۷ھ میں صفین کا حادثہ پیش آیا۔ جس کے نتیجہ میں اسلامی متحدہ قوت دو حصوں میں تقسیم ہو گئی اور اس کے نقصان دہ اثرات سے آج تک امت مسلمہ چھٹکارا حاصل نہ کر سکی، شیخ الشیعہ نصیر طوسی اور وزیر علقمی شیعی کی دوہری کوششوں سے ہلاکو خاں کے ہاتھوں ۶۵۶ھ میں خلافت عباسیہ کا سقوط اور مسلمانوں کا قتل عام ہوا۔ تاریخ اسلام کے یہ ایسے دردناک اور ہلاکت خیز حادثات ہیں جن سے اسلام اور مسلمانوں کو محض شیعوں کی فتنہ پردازیوں اور درپردہ سازشوں کی بنا پر دوچار ہونا پڑا ہے۔ (تفصیل کیلئے "تاریخ طبری، تاریخ کامل، تاریخ ابن کثیر وغیرہ کا مطالعہ کیا جائے)

چونکہ شیعوں کے نزدیک مکہ میں رہنے والے مسلمان خدا کے کھلے ہوئے منکر اور اہل مدینہ مکہ والوں کی بہ نسبت ستر گنا پلید ہیں (اصول کافی ج ۲ ص ۴۰۹) نیز ان کے نزدیک حرمین شریفین کے مقابلہ میں نجف اور کربلا زیادہ محترم و مقدس ہیں (اصول کافی، و الشیعہ والمنار ص ۲۵) اس لئے حرمین شریفین کے مسلمانوں کو قتل کرنا اور حرمین کی مرکزیت کو ختم کرنا اُن کے نزدیک کار ثواب ہے۔ اسی بناء پر شیعوں کو جب بھی اقتدار نصیب ہوا ہے انھوں نے حرمین شریفین بالخصوص مکہ معظمہ کی مرکزیت کو پامال کرنے کی پوری کوشش کی ہے چنانچہ فرقہ امامیہ کی مشہور شاخ اسماعیلیہ نے اپنے دور اقتدار میں ملت اسلامیہ کو جس طرح اپنے ظلم و ستم کا نشانہ بنایا اور اہل سنت والجماعت کے عمائدین کو جس طرح چن چن کر انھوں نے قتل کیا تاریخ اسلام کے اوراق اس خونچکاں داستان سے لالہ زار ہیں ۔ علاوہ ازیں اس فرقہ نے اپنے دور اقتدار میں مکہ معظمہ کی مرکزیت کو ختم کرنے کی غرض سے ایسی ایسی انسانیت سوز حرکتیں کی ہیں۔ جنھیں یاد کر کے رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں۔ چنانچہ ۳۱۷ھ میں انھوں نے مکہ معظمہ سے حج کر کے

واپس ہونے والے حجاج کے قافلوں پر زبردست حملے کئے اور تقریباً بیس ہزار حاجیوں کو شہید کر ڈالا پھر اسی گروہ نے ۳۱۷ھ میں اپنے سردار ابوطاہر سلیمان کی زیر قیادت ایام حج میں مکہ معظمہ پر حملہ کیا اور خاص یوم ترویہ میں حاجیوں پر شب خوں مار کر ان کے مال و اسباب لوٹ لئے اور بہت سارے حاجیوں کو بیت الحرام میں قتل کیا۔ حجر اسود کو نکال کر اپنے دارالخلافہ لے گئے تاکہ مسلمان مکہ معظمہ میں حج کرنے کے بجائے ہمارے دارالسلطنت میں حج کرنے آیا کریں۔ حسب بیان احمد امین اس قتل و غارتگری کا سلسلہ بارہ دن تک جاری رہا (ظہر الاسلام)

فرقۂ امامیہ کی دوسری مشہور و معروف شاخ اثنا عشریہ بھی اس وقت اسی منفی کردار کو دہرا رہی ہے۔ چنانچہ اپنے قائد امام، پیشوا اور نائب امام غائب علامہ خمینی کی ہدایت کے مطابق یہ لوگ ہر سال حج کے موقع پر انتشار و اختلال پیدا کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ حتیٰ کہ گذشتہ حج کے نام پر آنے والے ان دہشت گرد پاسداران خمینی کی اٹیچیوں میں اچھی خاصی مقدار میں پلاسٹک بم اور دیگر آتش گیر مادے پکڑے گئے تھے کہ ان کی تھوڑی سی مقدار ہزاروں کو ختم کرنے کے لئے کافی تھی۔ حج کے موقع پر پاسداران خمینی کی ان دہشت انگیزیوں کا مقصد یہ ہے کہ حجاج اس طرح کے اتھل پتھل سے گھبرا کر یہاں آنا بند کر دیں اس طرح سے مکہ کی مرکزیت از خود ختم ہو جائے گی اس کے بعد اس پر قبضہ کرنا آسان ہو جائے گا۔ جس کا خواب خمینی ایک عرصہ سے دیکھ رہے ہیں۔

حرم پاک کے اس حادثہ کو جو لوگ ایک وقتی حادثہ سمجھ رہے ہیں وہ غالباً شیعیت کے اس تاریخی منفی کردار سے یا تو واقف نہیں ہے یا جان بوجھ کر سہل انگاری سے کام لے رہے ہیں۔ ورنہ درحقیقت شیعیت کی طرف سے ملت اسلامیہ کو ایک چیلنج ہے جس کا جواب نہ صرف سعودیہ حکومت ہی کے ذمہ نہیں ہے بلکہ پوری ملت اسلامیہ پر اس کی جوابدہی شرعاً لازم ہے ؎ ایک ہوں مسلم حرم کی پاسبانی کے لئے
نیل کے ساحل سے لے کر تا بخاک کاشغر

ہندوستان کے مدارس کی جائیدادیں وقف یا املاک عامہ

از: مولانا ریاست علی صاحب بجنوری

اسلام نے جس وقت ارض حجاز سے قدم باہر رکھا تو اس کے ایک ہاتھ میں فتح و نصرت کا پرچم اور دوسرے میں علم و فن کا چراغ تھا۔ وہ جس سرزمین میں بھی پہنچا وہاں علوم و معارف کی محفلیں آراستہ کردیں۔ یہی علمی محفلیں آگے چل کر "مدارس" کے نام سے یاد کی جانے لگیں۔

ابتداء میں ان مدارس کے لئے علاحدہ اور مستقل عمارتیں نہیں تھیں بلکہ عام طور پر مساجد ہی سے درسگاہوں کا کام لیا جاتا تھا۔ مؤرخین کی تحقیق کے اعتبار سے ۳۹۵ھ سے مدارس کیلئے علاحدہ عمارتوں کے سلسلۂ خیر کی ابتداء ہوئی پھر تو ہر امیر و رئیس کا یہ عمومی طریقۂ کار بن گیا کہ وہ اپنے اپنے دور میں مدارس کی تعمیر اور ان کے مصارف کیلئے جاگیروں اور وظائف کا انتظام اپنی نیک نامی کے لئے ضروری سمجھتے تھے

دیگر ممالکِ اسلامیہ کی طرح برصغیر میں بھی مدارس اور اسلامی درسگاہوں کا سلسلہ سلاطین اور ان کے امراء کی داد و دہش ہی سے متعلق رہا۔ اور "ہر کہ آمد عمارتے نو ساخت" ہر سلطان اور اس کے نیک دل وزراء و امراء نے شہر و قصبات میں اسلامی مدارس کا ایک جال پھیلا دیا جس کا سلسلہ ہندوستان میں ایسٹ انڈیا کمپنی نے تسلط تک جاری رہا۔ لیکن جب برطانوی سامراج نے ملک کے اقتدار کو اپنے پنجۂ استبداد میں پوری طرح جکڑ لیا تو نہ صرف یہ سلسلۂ خیر ختم ہوگیا بلکہ قدیم درسگاہوں اور ان کی جاگیروں کو بھی ضبط کر لیا گیا۔

اس صورتِ حال کی سنگینی اور اس کے دوررس نتائج بد علمائے فن کی نگاہوں کے سامنے ایک حقیقت کی طرح نمایاں تھی وہ اپنے نورِ بصیرت سے دیکھ رہے تھے کہ علمی درسگاہیں اسی طرح بے خانماں برباد رہیں تو پھر مادی اقتدار کے ساتھ ملت اپنے اسلامی عقائد و اعمال سے بھی محروم ہوجائے گی۔ چنانچہ خانوادۂ ولی اللّٰہی سے منسلک اکابر دیوبند اس صورت حال سے مقابلے کی ایک نئی اسکیم سوچی کہ اب تک مدارس اور ان کے مصارف مسلمان امراء و رؤساء کی داد و دہش پر موقوف تھے۔ لیکن اب اسلامی درسگاہیں عوامی چندے کی بنیاد پر قائم کی جائیں۔ اس کا اولین تجربہ دیوبند ہی کی سرزمین میں کیا گیا جو سو فی صد کامیاب رہا اس لیئے اس تجربہ کے بعد اسی نہج پر پورے برصغیر میں مدارس کا جال پھیلا دیا گیا۔ اور اور اس وقت خیال یہی ہے کہ برصغیر کے تمام تر مدارس عوامی چندے ہی سے قائم ہیں کسی شخص واحد نے اپنی مخصوص املاک و جائیداد کے ذریعہ انھیں قائم نہیں کیا ہے۔ قدیم و جدید درسگاہوں میں یہ ایک ایسا بنیادی امتیاز ہے جسے مدارس کے موضوع پر بحث و گفتگو میں نظر انداز نہیں کیا جا سکتا۔

ادھر چند سالوں سے بعض حلقوں کی جانب سے بڑی شدت کے ساتھ یہ آواز بلند کی جا رہی ہے کہ یہ مدارس وقف ہیں اس شدت کا اندازہ اس بات سے لگایا جا سکتا ہے کہ یہ حضرات مدارس کے نام کے ساتھ "وقف" کا لاحقہ ضرور لگاتے ہیں یہ الگ بات ہے کہ ان وقف وقف کی رٹ لگانے والوں کا مقصد اسلامی مدارس اور ان کی جائیدادوں کی فقہی حیثیت واضح کرنی نہیں ہے بلکہ یہ لوگ اس کے پردے میں بحق تولیت ان مدارس میں اپنی وراثت قائم کرنا چاہتے ہیں اور ملت کے سرمایہ کو اپنی ذاتی جاگیر کے طور پر استعمال کرنے کی فکر میں لگے ہیں۔ اپنے متولیوں کے ہاتھوں آج مسلم اوقاف کا جو حشر ہو رہا ہے۔ وہ بزبانِ حال اس بات کا شاہد ہے بایں ہمہ یہ ایک ایسا موضوع ہے جس پر اب تک پوری توجہ نہیں کی گئی ہے لیکن اب ضرورت ہے کہ اس مسئلہ کو پورے طور پر منقح کیا جائے۔ زیر نظر مقالہ اس سلسلے کی ایک کوشش ہے جو علماء کی توجہ کے لیئے پیش کی جا رہی ہے۔ ——— حبیب الرحمٰن قاسمی

حضرات فقہاء کرام ہر جائیداد کو وقف نہیں کہتے بلکہ وقف جائیداد کی ایک خاص نوع اور شریعت کی ایک خاص اصطلاح ہے، اس کی ایک مستقل تعریف، شرائط، الفاظ اور مقاصد ہیں اور فقہاء کرام نے ان تمام چیزوں کی انسانی امکان کی حد تک تفصیل اور وضاحت کردی ہے کہ ہر جزئیہ منقح ہوگیا ہے، اگر کسی جائیداد پر وقف کی تعریف صادق نہ آئے یا اس کے شرائط نہ پائے جائیں تو اس کو وقف کہنا، لفظ وقف کا مجازی استعمال ہے۔

وقف کے لغوی معنی ہیں روکنا، باندھنا، اور اصطلاحی تعریف امام اعظم ابوحنیفہ کے یہاں ہے۔ حبس العین علی ملک الواقف والتصدق بمنفعتها او صرف منفعتها الی من احب، یعنی امام صاحب کے یہاں کسی مخصوص چیز کی ملکیت کو، مالک کی ملک میں روک کر، اسکے منافع کو واقف کی منشاء کے مطابق نیک کاموں کے لئے مخصوص کردینا وقف کہلاتا ہے۔ امام صاحب کے الفاظ کا خلاصہ یہ ہے کہ مالک کے تصرفات کی حدبندی کردی جائے کیونکہ ملکیت تو اصل مالک ہی کی قائم رہتی ہے لیکن حقوقِ تصرف میں حدبندی کردی جاتی ہے کہ فلاں کام کرسکتے ہو اور فلاں کام نہیں کرسکتے، اسی وجہ سے امام صاحب کے یہاں تسجیل یعنی رجسٹریشن اور حاکم کا فیصلہ ضروری ہے۔

جبکہ قاضی ابویوسف اور امام محمد کے نزدیک وقف کی تعریف حبس العین لا علی ملک احد غیر اللہ ہے۔ یعنی شئے موقوفہ سے مالک کی ملکیت ختم ہوجاتی ہے اور وہ معنوی طور پر خدا کی ملکیت میں اس طرح آجاتی ہے کہ اس کے منافع سے مخلوق جائز طور پر مستفید ہوتی رہے۔ امام صاحب اور صاحبین کے نقطۂ نظر سے وقف کی یہ تعریف "ہدایہ" سے لی گئی ہے۔

حضرت مولانا فتح محمد صاحب تائب لکھنوی نے وقف کی تعریف اس طرح کی ہے۔

"کسی مال کا نفع بغرض خوشنودیٔ نفس یا رضائے الٰہی دائمی طور پر کسی شخص یا کسی کام کیلئے مخصوص کر دینا" (تطہیر الاموال ص۱۴۲)

"مجموعۂ قوانینِ اسلام" میں وقف کی تعریف یہ کی گئی ہے۔

"کسی قیمتی شے کی ذات (Corpus of Property) کو خدا کی ملکیت میں مقید کر دینا اور اس کی منفعت کو دوسروں پر بہ اغراض مذہبی و خیراتی نیک نیتی کے ساتھ دائماً صدقہ کر دینے کا صاف اور صریح اظہار وقف کہلاتا ہے۔" (مجموعہ قوانین اسلام ص۱۰۴۴)

خلاصہ یہ ہے کہ ہر جائیداد محض نیت کر لینے سے وقف نہیں ہو جاتی۔ بلکہ جائیداد کو مخصوص تصرف کے ذریعہ وقف کیا جاتا ہے اور اس کے شرائط بھی ہیں، ڈاکٹر تنزیل الرحمٰن صاحب نے مجموعہ قوانین اسلام میں ان شرائط کی تفصیل کی ہے جن کا جواز وقف کیلئے ہونا ضروری ہے۔

(۱) واقف عاقل، بالغ اور آزاد ہو (۲) وقف کے وقت غیر مجبور ہو (۳) وقف کے وقت شے موقوفہ کا مالک ہو۔ (۴) وقف کا اعلان نیک نیتی اور حقیقی ارادے کے ساتھ ہو۔ (۵) وقف ماسوائے وصیت فوری ہو اور کسی شرط پر موقوف نہ ہو الّا یہ کہ وہ شرط یقیناً موجود ہو یا موجود ہو جانے والی ہو۔ (۶) شے موقوفہ معروف اور مشخص ہو (۷) بیع یا ہبہ کرنے کی شرط نہ کی گئی ہو۔ (۸) وقف دوامی ہو۔ (مجموعہ قوانین اسلام ص۱۰۵۳)

وقف کے جواز کی یہ شرطیں، شے موقوفہ، واقف اور موقوف علیہم تینوں ہی سے متعلق ہیں، ہم یہاں چونکہ صرف مدارسِ عربیہ کی املاک سے بحث کر رہے ہیں جو ہندوستان میں عام طور پر چندہ سے خریدی جاتی ہیں اس لئے یہاں وقف کی جملہ اقسام اور احکام کی تفصیل بیان نہیں کی جائے گی بلکہ یہ بیان کرنے کی کوشش کریں گے کہ مدارسِ عربیہ کی جائیدادوں اور املاک کی کیا نوعیت ہے، اور کیا ان سب املاک پر وقف کا اطلاق حقیقی ہے یا مجازی، یا بعض جائیدادوں پر اطلاق حقیقت اور بعض پر مجاز ہے تو اس سلسلے میں یہ عرض ہے

کہ فقہاء کرام کا مندرجہ ذیل باتوں پر اتفاق ہے کہ

(الف) جائیداد موقوفہ کا وقف کے وقت، واقف کی ملکیت میں ہونا ضروری ہے

(ب) وقف کرنے کیلئے معنی وقفی پر دلالت کرنے والے الفاظ، یا ایسی تعبیر کا اختیار کرنا ضروری ہے جو اُن کے ہم معنیٰ ہو۔

(ج) جو چیز یا جائیداد وقف کی جائے وہ خود باقی رہنے والی ہو، تاکہ اصل کی بقاء کے ساتھ منافع، واقف کی تصریح کے مطابق مستحقین پر خرچ کئے جائیں۔

چنانچہ اگر کسی شخص نے اپنی مملوکہ جائیداد، کسی مدرسہ کیلئے تمام شرائطِ وقف کو پورا کرتے ہوئے صریح الفاظ یا اُن کے ہم معنیٰ الفاظ کے ساتھ وقف کی ہو تو وہ یقیناً وقف ہو جائے گی۔ لیکن اگر وہ جائیداد کسی کی ذاتی ملک نہیں تھی بلکہ چندہ کی رقم سے خریدی گئی یا کسی شخص نے اپنی جائیداد وقف کے طور پر نہیں بلکہ ہبہ اور تصدق کے طور پر مدرسہ کو دی تو یہ دونوں جائیدادیں مدرسہ کی ملک ضرور بن جائیں گی مگر وقف کا اطلاق اُن پر حقیقت نہ ہوگا۔

پہلی صورت یعنی چندہ کے ذریعہ خریدکردہ جائیداد کے وقفِ حقیقی نہ ہونے کیلئے اتنا سمجھ لینا کافی ہے کہ چندہ کسی ایک کی ذاتی ملک نہیں تھا بلکہ مالکین کی تعداد اتنی زیادہ تھی کہ ان سب کو ایک نقطۂ نظر پر متفق کرنے کیلئے کوئی اقدام نہیں کیا گیا، دوسرے یہ کہ چندہ خود وقف نہیں ہوتا۔ کیونکہ وقف میں یہ ضروری ہے کہ اس کی اصل باقی رہے۔ اور منافع مستحقین میں صرف کئے جائیں، اور اسی بنیاد پر قطب العالم حضرت گنگوہی، فقیہ الاسلام حضرت مولانا خلیل احمد صاحب سہارن پوری اور حکیم الامت مولانا اشرف علی صاحب تھانوی نے چندہ کے وقف ہونے سے انکار فرمایا ہے۔ ملاحظہ ہو علی الترتیب تذکرۃ الرشید ج ۱ ص ۱۶۴، فتاویٰ خلیلیہ ج ۱ ص ۳۱۹، اور امداد الفتاویٰ ج ۲ ص ۵۷۲۔

اس لئے جب چندہ خود وقف نہیں تو اس کے ذریعہ خریدکردہ جائیداد پر بھی وقف کا

اطلاق مجازہی قرار دیا جائے گا۔

رہی دوسری صورت، یعنی ذاتی جائیداد کو وقف کے کلمات کے بجائے، ہبہ یا تصدق کے کلمات کے ذریعہ مدارس وغیرہ میں دینا، تو اس میں معنیٰ وقف پر دلالت کرنے والے کلمات نہ ہونے کی بنیاد پر وقف کی حقیقت متحقق نہیں ہوتی۔

حضرت مولانا فتح محمد صاحب تائب لکھنوی لکھتے ہیں۔

"مبطل وقف وہ کلمے ہیں جو معنی خلاف پر دلالت کریں، مثلاً کہے کہ یہ گاؤں درویشوں کو دیا، یہ مکان مدرسہ کیلئے ہے۔ یہ وقف نہیں، ہبہ وتصدق ہے"

(عطر ہدایہ ص۱۷۳)

آگے تحریر فرماتے ہیں۔

"وہ تمام معافیاں اور جائیدادیں جن کے وقف ناموں میں اس قسم کی عبارتیں ہوں ہبہ ہیں وقف نہیں" (عطر ہدایہ ص۱۷۳)

حضرت مولانا فتح محمد صاحب رحمہ اللہ نے مسئلہ بالکل صراحت کے ساتھ لکھدیا کہ اگر فرد واحد نے اپنی ملکیت کا مکان مدرسہ کو دیا۔ لیکن وقف کی تصریح نہیں کی بلکہ یہ کہا کہ یہ مکان مدرسہ کے لئے ہے تو وہ مکان مدرسہ کی ملکیت میں تو آجائے گا۔ لیکن اس کو وقف قرار نہیں دیا جائے گا۔ بلکہ ایسی تمام جائیدادیں جن کے وقف ناموں میں اس طرح کی عبارتیں ہوں وہ ہبہ قرار دی جائیں گی، وقف نہیں کہلائیں گی۔

حضرت مولانا کی عبارت سے یہ بات بھی واضح ہوگئی کہ ہبہ کے کلمات کے ذریعہ مدارس کو دی جانے والی جائیدادوں پر اگر وقف کا اطلاق کیا بھی گیا ہو تو یہ مجازی اطلاق ہوگا کیونکہ اس جزئیہ کو موصوف نے مثال دے کر واضح کیا ہے کہ اگر اس قسم کی عبارتیں ہوں" کہ یہ گاؤں درویشوں کو دیا، یا یہ مکان مدرسہ کے لئے ہے" تو یہ ہبہ ہے وقف نہیں۔

مدرسہ اشرف العلوم کانپور کی جائیداد کے سلسلے میں علماء کے فتاویٰ

فرد واحد اگر اپنی ذاتی ملکیت کو کسی مدرسہ میں وقف کی تصریح کے بغیر دیدے تو وہ مدرسہ کی ملک تو ہو جاتی ہے لیکن وقف نہیں ہوتی اور وقف کا یہ اطلاق مجازی ہوتا ہے اس سلسلے میں مناسب معلوم ہوتا ہے کہ مدرسہ اشرف العلوم کانپور کے بارے میں پیش آنے والے واقعہ کی مختصر روداد پیش کردی جائے۔

مدرسہ اشرف العلوم ایک مسجد میں قائم تھا کہ وہاں کے مہتمم کو یہ پیش کش کی گئی کہ تم مدرسہ کیلئے کوئی جگہ تلاش کرلو، ایک صاحب خیر اس کو خرید کر اس پر مدرسہ کے لئے عمارت بنوادیں گے چنانچہ وہاں کے مہتمم نے جگہ تلاش کی، وہ جگہ مدرسہ کے لئے خریدلی گئی، پھر اس پر تعمیر کی گئی۔ اور مدرسہ شروع ہو گیا لیکن دوچار دن کے اندر ہی مہتمم مدرسہ اور ان صاحب خیر کے درمیان اختلاف ہو گیا تو ان صاحب خیر نے مدرسہ کی عمارت خالی کرالی اور اس کو ایک یتیم خانے کے نام وقف کردیا۔

اس صورت میں مہتمم مدرسہ کا دعویٰ تو یہ تھا کہ جائیداد مدرسہ کیلئے خریدی گئی ہے اور مدرسہ ہی کیلئے تعمیر کی گئی ہے اس لئے وہ مدرسہ ہی کی ہے، اور یتیم خانہ کے متولی کا استدلال یہ تھا کہ صاحب خیر نے اگرچہ اس نیت سے جائیداد خریدی اور تعمیر کی تھی کہ مدرسہ کیلئے وقف کیجائیگی مگر ابھی تک اس کی نوبت نہیں آئی تھی اس لئے صاحب خیر کا مدرسہ اشرف العلوم کے بجائے یتیم خانہ کے لئے وقف کرنا صحیح ہونا چاہئے۔

چنانچہ دونوں فریق نے اپنے اپنے بیانات قلمبند کرکے، علماء کرام سے فتاویٰ حاصل کئے، مہتمم مدرسہ نے تفصیلی واقعات لکھ کر جو استفتاء مرتب کیا اس میں درج تھا کہ

۱- یہ جائیداد مدرسہ اشرف العلوم کیلئے وقف ہوگئی یا نہیں؟

۲ - یہ وقف نامہ جو یتیم خانہ کے حق میں لکھا گیا ہے وہ شرعاً صحیح ہے یا باطل -
چنانچہ مولانا ظفر احمد صاحب نے تھانہ بھون سے جواب دیا -
۱ - "یہ عمارت مدرسہ اشرف العلوم کی ہے اور مدرسہ مذکور کیلئے وقف ہو چکی ہے (۲) جب یہ زمین وعمارت مدرسہ اشرف العلوم کیلئے وقف ہو چکی ہے تو اب یتیم خانہ کیلئے اس کا وقف بالکل باطل ہے - (ابراز المکتوم ضمیمہ عطر ہدایہ ص۲۷)

جبکہ مولانا عبدالحفیظ صاحب ملیح آبادی نے اس کے خلاف فتویٰ دیا، مولانا صدرالدین صاحب صدر مدرس جامع العلوم کانپور، مولانا غلام یحییٰ اور دہلی کے بیشتر علماء نے اس کی تصدیق کی، اس کا خلاصہ یہ تھا -

"کہ محض نیت سے وقف نہیں ہوتا، اب جبکہ یہ جائیداد صاحب خیری کی ملکیت میں ہے اور اشرف العلوم کیلئے نہ انھوں نے وقف کیا اور نہ وقف ثابت ہوا تو یہ جائیداد ابھی تک انہی کی ملکیت میں رہی، لہذا اس کا یتیم خانہ کیلئے وقف کرنا بالکل صحیح ہے - (ایضاً ص۲۷۳)

ان متضاد فتاویٰ کے بعد، پھر خانقاہ امدادیہ تھانہ بھون سے، شیخ الاسلام حضرت مولانا سید حسین احمد صاحب مدنی رح سے، اور حضرت مولانا مفتی سعید احمد رح صاحب کانپوری سے رجوع کیا گیا، خانقاہ امدادیہ سے اصل جواب تو مولانا عبدالکریم صاحب نے لکھا - لیکن حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی صاحب تھانوی قدس سرہٗ نے اس پر ایک خلاصہ تحریر فرمایا، حضرت کی عبارت یہ ہے

"خلاصہ یہ ہے کہ اگر یہ زمین مدرسہ اشرف العلوم کیلئے وقف ہو تب بھی اور اگر مدرسہ کیلئے وقف نہ ہو مگر مدرسہ کی ملک ہو تب بھی، یہ حکم مشترک ہے کہ زمین کسی حال میں شیخ عبداللطیف کی ملک نہیں، اس لئے ان کو دوسری جگہ اس کے دینے کا کوئی حق نہیں، بہر حال میں مدرسہ کا حق ہے خواہ ملکاً للمدرسہ، خواہ وقفاً للمدرسہ
کتبہٗ اشرف علی

حضرت حکیم الامت رح نے ، اشرف العلوم کے لئے وقف ہونے کی صراحت کے ساتھ توثیق یا تردید نہیں فرمائی ، بلکہ انھوں نے اس جائیداد کے یقینی طور پر وقف ہونے سے انکار فرمادیا اور لکھا کہ یہ زمین اور تعمیر مدرسہ اشرف العلوم ہی کی ہوگی خواہ اس کو مدرسہ کی ملک قرار دیا جائے یا اس کو مدرسہ کے حق میں وقف قرار دیا جائے ۔

اس کے ساتھ یہ ہوا کہ دونوں فریق کے کاغذات شیخ الاسلام حضرت مولانا سید حسین احمد صاحب مدنی رح کے پاس روانہ کئے گئے تو آپ نے تحریر فرمایا ۔

"میرے نزدیک یہ زمین خالص ملک مدرسہ اشرف العلوم کی ہے اور عمارت بھی اسی کی ، نہ صاحب خیر کو اس میں کوئی حق تصرف ہے نہ یتیم خانہ کو ان میں سے کسی کو بھی اس میں حق مداخلت نہیں اور وقف نامہ (برائے یتیم خانہ) باطل ہے الخ (ایضاً ص۲۸۲)

حضرت شیخ الاسلام قدس سرہٗ نے مدرسہ کے لئے وقف ہونے کی صراحت سے تردید نہیں فرمائی ، لیکن ملک قرار دینا وقف ہونے کی تردید ہی ہے اس لئے کہا جائے گا کہ صاحب خیر نے جو زمین مدرسہ کو خرید کر دی تھی پھر اس پر مدرسہ ہی کے لئے تعمیر کرائی تھی وہ سب مدرسہ کی ملکیت بن گئی ۔ لیکن چونکہ وقف کو ثابت کرنے والا کوئی کلمہ نہیں تھا اس لئے اس کو مدرسہ کے لئے وقف قرار نہیں دیا گیا ۔

اس کے بعد فریقین کے بیانات ، ان تمام فتاویٰ کے ساتھ ، حضرت مولانا فتح محمد صاحب کے صاحبزادے اور شیخ الہند کے تلمیذ رشید حضرت مولانا سعید احمد صاحب لکھنوی رحمہ اللہ کی خدمت میں پہنچے تو حضرت مولانا نے تحریر فرمایا ۔

"چونکہ معطی کا ایک لفظ بھی تقریراً یا تحریراً ایسا مذکور نہیں جو چھبیس (۲۶) لفظوں مخصوصہ وقف میں سے ہو یا جس کی دلالت معنیٔ وقفی پر ہوتی ہو ۔ اس لئے صورت مسئولہ میں احقر کے نزدیک زمین و عمارت کا مدرسہ اشرف العلوم پر وقف ہونا ہمارے ائمہ ثلاثہ میں سے کسی کے

مذہب پر ثابت نہیں ہوتا ہے پس مولانا ظفر احمد صاحب مولانا عبدالکریم صاحب کے فتووں میں جو حکم وقف لگایا گیا ہے وہ صحیح نہیں " (ایضاً ص ۲۸۲)

پھر مفصل بحث کے بعد لکھا ۔

" یہ زمین مدرسہ ہی کی ملک میں آئے گی اور مدرسہ ہی اس کا مالک ہوگا نہ کہ عبداللطیف (صاحبِ خیر) صاحب خیر نے جو اس میں تعمیر کی ہے وہ بھی مدرسہ ہی کیلئے ہوگی نہ کہ عبداللطیف کیلئے (پھر چند صفحات کے بعد) چونکہ حسب تصریح فقہا رصحت وقف کیلئے ، موقوف کا بوقت وقف مملوک واقف ہونا ضروری ہے اس لئے اس کا یتیم خانہ کیلئے وقف بالکل باطل ہے اور اس عمارت کو مدرسہ اشرف العلوم کے قبضہ میں دینا واجب ہے ۔ (ایضاً ص ۲۸۹)

ابراز المکتوم فی اثبات التصدق علیٰ اشرف العلوم "، کے نام سے مدرسہ اشرف العلوم کانپور کی زمین وعمارت کے سلسلے میں کی گئی یہ فقہی بحث عطرِ ھدایہ کے ضمیمہ کے طور پر تقریباً تیس ۳۰ صفحات میں پھیلی ہوئی ہے ۔

اس کا خلاصہ یہ ہوا کہ مدرسہ اشرف العلوم کانپور کیلئے ، ایک صاحبِ خیر نے زمین خرید کی ، پھر اس پر اپنے ذاتی مصارف سے تعمیر کرائی اور اکابر علماء نے اس پر یہ فتویٰ دیا کہ یہ جائیداد مدرسہ اشرف العلوم کی ملک ہے مگر وقف نہیں ہے ، وجہ یہی ہے کہ وقف شریعت کی ایک مخصوص اصطلاح ہے اور وہ شریعت کی مقررہ شرائط کے بغیر متحقق نہیں ہوتا ، یہ صاحب خیر جنھوں نے مدرسہ اشرف العلوم کیلئے زمین خرید کر عمارت تعمیر کرائی وہ اپنی رقم کے تنہا مالک تھے لیکن اس کے باوجود علماء کرام نے ان کی زر خرید زمین اور ان کی تعمیر کردہ عمارت کو مدرسہ کیلئے وقف نہیں قرار دیا اور اگر یہ صورت ہو کہ جو شخص خرید رہا ہے وہ اس رقم کا مالک ہی نہیں جیسے مثلاً چندہ میں ہوتا ہے یا جو جائیداد وہ دے رہا ہے وہ خود اس جائیداد کا مالک نہیں ۔ جیسے سلاطین کی جانب سے بیت المال کی

جائیدادیں، افراد یا اداروں کے لئے نامزد کی جاتی ہیں تو مسئلہ اور زیادہ واضح ہو جاتا ہے کہ اس طرح ان املاک سے استفادہ کی راہ تو قائم ہو جائے گی۔ لیکن انھیں حقیقی وقف قرار نہیں دیا جاسکے گا۔

سلاطین کی جانب سے دیجانے والی جائیدادیں وقف نہیں ہیں؛

درمختار میں تصریح ہے کہ سلاطین کی جانب سے علماء یا تعلیم گاہوں کے لئے جو جائیدادیں مقرر کردی جاتی ہیں وہ اوقاف نہیں ہیں بلکہ ان کا نام ارصاد، یعنی مصارف تعلیم کے انتظام میں مقرر کردہ جائیداد ہے۔ درمختار میں ہے۔

والارصاد من السلطان لیست باوقاف البتۃ۔ (درمختار صـ۲۸۹)

سلطان کی جانب سے دی گئی جاگیریں ارصاد کہلاتی ہیں وہ وقف یقیناً نہیں ہیں

اس پر علامہ شامی قدس سرہٗ نے تحریر فرمایا۔

الرصد الطریق ورصدتہ من باب قتل قعدت لہ علی الطریق وقعد فلان بالرصد ای بطریق الارتقاب والانتظار ومنہ سمی ارصاد السلطان بعض القریٰ و المزارع من بیت المال علی المساجد والمدارس ونحوھا لمن یستحق من بیت المال کالقراء والائمۃ والمؤذنین ونحوھم کأن ما أرصدہٗ قائم علی طریق حاجاتھم یراقبھا

رصد کے معنی راستہ کے ہیں اور رصدتہ باب قتل (نصر) سے آتا ہے، کسی کا راستہ پر انتظار کرنا، قعد فلان بالرصد کے معنیٰ ہیں کہ راستہ میں بیٹھکر کسی کا انتظار یا نگہبانی کرنا، اسی لغت سے ارصاد السلطان کی اصطلاح ماخوذ ہے کہ سلطان بیت المال کی جائیداد میں سے کچھ کاشت کی زمین یا گاؤں وغیرہ کو مسجدوں، مدرسوں یا بیتُ المال کی آمدنی کا استحقاق رکھنے والے علماء، ائمہ اور موذنین کو دیدیں تو یہ وہ

وانما لم یکن وقفاً حقیقۃ لعدم ملک السلطان لہ، بل ھو تعیین شیئ من بیت المال علی بعض مستحقیہ فلا یجوز لمن بعدہٗ ان یغیرہٗ و یبدّ لہ کما قدّمنا ذٰلک مبسوطاً۔

(درمختار ص ۲۹ ج)

امداد ہے جو ضروریات زندگی کے راستہ میں ان حضرات کا انتظار کر رہی ہے، سلطان کی جانب سے بیت المال سے دیجانیوالی یہ املاک حقیقۃً وقف اس لئے نہیں ہیں کہ وہ سلطان کی ملکیت میں نہیں تھیں بلکہ سلطان کا یہ عمل بیت المال کی کسی چیز کو بعض مستحقین کیلئے خاص کرنے کا عمل ہے اور اس لئے بعد میں آنے والے کسی حاکم کیلئے اس میں تغییر و تبدیل جائز نہیں جیسا کہ یہ بحث مفصّل گذر چکی ہے۔

اس عبارت میں فرمایا گیا ہے کہ سلاطین کی جانب سے اگر مساجد یا مدارس وغیرہ کو کچھ جائیداد، بیت المال کی املاک میں سے دیدی جائیں یا ان لوگوں کو دیدی جائیں جو بیت المال سے امداد کے مستحق تھے تو حقیقی طور پر ان کو وقف قرار نہیں دیا جاسکتا، کیونکہ وقف کیلئے یہ ضروری ہے کہ وقف کرنے والا اس جائیداد کا مالک ہو اور وہ اپنی شخصی ملکیت ختم کرکے اس کو وقف کرے، یہاں سلطان چونکہ بیت المال کے اموال و املاک پر ملکیت نہیں رکھتے اس لئے ان کا بیت المال کی جائیداد کو کسی کام کیلئے یا کسی فرد کے لئے دینا وقف قرار نہیں دیا جاسکتا، البتہ یہ کہا جائے گا کہ انھوں نے مستحقین کو ان کا حق پہنچا دیا، سلاطین کے اس عمل کے لئے فقہاء احناف نے وقف کے علاوہ ایک اور مستقل اصطلاح ارصاد استعمال کی کہ سلاطین کا یہ عمل ارصاد کے نام سے موسوم کیا جاسکتا ہے۔ علامہ شامی نے لغوی معنیٰ سے، اصطلاحی معنیٰ کی مناسبت بیان کرتے ہوئے فرمایا کہ رصدٌ کے معنیٰ راستے کے ہیں اور رصَدَ کے معنیٰ راستہ پر بیٹھکر

انتظار کرنے کے ہیں، اس لئے ارصاد کے معنیٰ ہوئے وہ اموال جو زندگی کی راہوں میں ضرورت مندوں کے منتظر رہتے ہیں، گویا ضروریاتِ زندگی کی تکمیل کے طور پر، مستحقین کو بیت المال سے کچھ املاک، سلطان کی جانب سے دیدی جاتیں تو وہ "ارصاد" ہیں وقف نہیں ہیں۔

علامہ شامی فرماتے ہیں کہ یہ بحث ہم تفصیل سے کرچکے ہیں، یہ بحث جس کا انھوں نے حوالہ دیا ہے بڑے قیمتی افادات پر مشتمل ہے۔ بیت المال کی جائیداد اور سلاطین و امراء کے اوقاف پر بحث کرنے کے بعد لکھا ہے۔

ففی هذا تصریح بان اوقاف السلاطین من بیت المال ارصادات لا اوقاف حقیقة وان ما کان منها علی مصارف لا ینقض بخلاف ما وقفه السلطان علی اولاده او عتقائه مثلاً وانه حیث کانت ارصاداً لا یلزم مراعاة شرطها لعدم کونها وقفا صحیحا فان شرط صحته ملك الواقف، والسلطان بدون الشراء من بیت المال لا یملکه وقد علمت موافقة الاکمل علی ذالك وهو موافق لما مر عن المبسوط وعن المولی ابی السعود ولما سیذکره الشارح فی الوقف عن النهر من ان

اس سے یہ بات صراحت سے معلوم ہوئی کہ سلاطین نے بیت المال کے اموال سے جو وقف کئے ہیں وہ ارصادات ہیں، حقیقۃً اوقاف نہیں ہیں اور یہ کہ جو ارصادات ان لوگوں کے لئے ہوں جو بیت المال کا مصرف تھے ان کو ختم کرنا جائز نہیں۔ بخلاف ان املاک کے جن کو سلطان نے اپنی اولاد یا اپنے موالی کیلئے وقف کیا ہو (کہ ان کا ختم کرنا جائز ہے) اور جب کہ یہ ارصاد کی صورت ہے تو وقف کی شرائط کا ملحوظ رکھنا لازم نہ ہوگا۔ کیونکہ یہ وقف صحیح نہیں ہے، کیونکہ وقف کے صحیح ہونے کی شرط یہ ہے کہ وہ واقف کی ملکیت ہو اور سلطان، ان املاک کو بیت المال سے

وقف الاقطاعات لایجوز الا اذا کانت ارضا مواتا او ملکا للامام فاقطعها رجلا وهذا خلاف ما فی التحفة المرضیة عن العلامة قاسم من ان وقف السلطان لارض بیت المال صحیح — قلت: ولعل المراد انه لازم لایغیر اذا کان علی مصلحة عامة کما نقل الطرطوسی عن قاضی خان من ان السلطان لو وقف ارضا من بیت مال المسلمین علی مصلحة عامة للمسلمین جاز۔ قال ابن وهبان: لانه اذا ابده علی مصرفه الشرعی فقد منع من یصرفه من امراء الجور فی غیر مصرفه اھ۔ فقد افاد ان المراد من هذا الوقف تابید صرفه علی هذه الجهة المعینة التی عینها السلطان مما هو مصلحة عامة وهو معنی الارصاد والسابق فلا ینافی ما تقدم۔

خریدے بغیر ان کا مالک نہیں ہے۔ یہ معلوم ہو چکا ہے کہ علامہ اکمل الدین کی اس سلسلے میں یہی رائے ہے اور جو مبسوط سے، اور مولیٰ ابو السعود سے نقل کیا گیا تھا وہ بھی اسی کے موافق ہے اور شارح جو کتاب النہر سے وقف کے باب میں نقل کریں گے وہ بھی یہی ہے کہ بیت المال سے نامزد کردہ جاگیروں کو وقف قرار دینا صحیح نہیں ہے الا یہ کہ وہ زمین غیر آباد اور بنجر رہی ہو یا امام کی اپنی ملکیت ہو پھر اس نے کسی شخص کے نام اسکو الاٹ کردیا ہو البتہ یہ مضمون اسکے خلاف ہے جو تحفہ مرضیہ میں علامہ قاسم کی جانب منسوب کیا گیا ہے کہ سلطان کا بیت المال کی زمین کو وقف کرنا صحیح ہے۔

میں عرض کروں گا کہ شاید وقف سے مراد حقیقتِ وقف نہیں بلکہ یہ ہے کہ عوامی مصلحت کیلئے ایسا کیا گیا ہے تو اب یہ نامزدگی لازم ہوگئی ہے اور تغیر جائز نہیں ہے جیسا کہ طرسوسی نے قاضی خاں سے نقل کیا ہے کہ سلطان اگر مسلمانوں کی عام مصلحت کیلئے بیت المال کی زمین وقف کردے تو جائز ہے ابن وہبان نے اس کی تشریح یہ کی ہے کہ اگر سلطان نے ابدی طور پر اس کا مصرف شرعی معین کردیا تو اس نے ظالم امراء کو دوسرے غیر شرعی

مصرف میں صرف کرنے سے روک دیا۔ اس کا مفہوم یہ ہوا
کہ یہاں لفظ وقف کے اطلاق سے مراد وقف کے حقیقی معنیٰ
نہیں ہیں بلکہ یہاں وقف کے معنیٰ سلطان کی جانب سے
عوامی مصلحتوں کے لئے مصرف شرعی کا ابدی طور پر تعین ہے
اور بالکل یہی معنیٰ اس لفظ ارصاد کے ہیں جو زیر بحث ہے
اس لئے معنیٰ امرادی کے اعتبار سے کوئی تعارض نہیں ہے

علامہ شامی کی اس عبارت میں پہلے تو یہ بیان کیا گیا ہے کہ بیت المال کے جو اموال سلاطین کی جانب سے وقف کئے جاتے ہیں وہ اوقاف نہیں ہیں۔ دلیل یہ ہے کہ وقف تو اسی وقت صحیح قرار دیا جا سکتا ہے کہ اس پر واقفیت کی ملکیت، وقف سے پہلے قائم ہو۔ پھر اس شخص نے اپنی ذاتی ملکیت کو ختم کر کے اس کو ملکیتِ خداوندی میں دیدیا ہو۔ لیکن جہاں واقف خود مالک ہی نہیں ہے تو دوسروں کی ملکیت کو یہ وقف کیسے کر سکتا ہے۔ اس مضمون کو علامہ شامیؒ نے چار اکابر علماء کی طرف منسوب کیا ہے۔

۱۔ علامہ اکمل الدین شارح ہدایہ کی یہی رائے ہے۔
۲۔ مبسوط میں امام سرخسی نے بیت المال کی زمینوں کے سلسلے میں یہی فرمایا ہے
۳۔ مولیٰ ابوالسعود جو اوقاف سلطانیہ کے سلسلے میں بڑی گہری نظر رکھتے ہیں ان کی یہی رائے ہے۔
۴۔ اور خود صاحب درمختار آئندہ "نہر" سے نقل کریں گے کہ سلطان کی جانب سے جائیدادوں کو صرف اسی صورت میں وقف کیا جا سکتا ہے جب وہ زمین غیر آباد اور افتادہ ہوں۔ یا امام نے اپنی ملکیت کو وقف کیا ہو، لیکن اگر وہ سلطان کی ذاتی ملکیت نہیں تھی بلکہ بیت المال کی ..... ملکیت تھی اور وہ بھی غیر آباد نہیں بلکہ آباد زمین تھی تو ایسی جائیداد کی نامزدگی وقف نہیں ارصاد ہے جس کی تشریح گذر چکی ہے۔

اس مضمون کو چار حوالوں سے نقل کرنے کے بعد، علامہ شامی نے ان حضرات کے قول کی تاویل کی ہے جنھوں نے اس طرح کی جائیداد پر وقف کا اطلاق کیا ہے، انھوں نے بتلایا کہ تحفۂ مرضیہ میں علامہ قاسم حنفی کی جانب منسوب کیا گیا ہے کہ انھوں نے سلطان کی جانب سے بیت المال کی زمینوں پر اس طرح کے تصرف کو وقف صحیح قرار دیا ہے، مگر علامہ شامی کی تحقیق یہ ہے کہ ایسی زمینوں پر وقف کا اطلاق مجاز ہے کیونکہ یہاں وقف کا اطلاق شخصی ملکیت ختم کرکے ملکیت خداوندی کو قائم کرنے کے معنیٰ میں نہیں اس لئے کہ شخصی ملکیت تو قائم ہی نہیں تھی بلکہ یہاں اگر وقف کے الفاظ استعمال بھی ہوئے ہیں تو یہ اطلاق مجازی ہے کہ سلطان نے بیت المال کے بعض اموال کا مصرفِ شرعی، ابدی طور پر معین کر دیا ہے، پھر انھوں نے بتلایا کہ وقف کے یہ معنیٰ مجازی وہی ہیں جو ارصاد کے مرادف ہیں علامہ شامی رحمہ اللہ کی گفتگو کا خلاصہ یہ ہوا کہ بیت المال میں، سلطان کے اسطرح کے تصرفات کو وقف حقیقی قرار نہیں دیا جائے گا، اور جن علماء نے بیت المال کی املاک میں سلاطین کے اس طرح کے تصرفات کو وقف کہا ہے انھوں نے وقف کے اصطلاحی معنیٰ مراد نہیں لئے بلکہ مجازی معنیٰ مراد لئے ہیں۔

غور کرنے کا مقام ہے کہ سلطان جیسی ولایت عامّہ رکھنے والی ذات کی جانب سے اگر اپنی ذاتی ملکیت کے علاوہ، بیت المال کی عوامی یا قومی ملکیت میں تصرف کو جب حقیقی وقف قرار نہیں دیا جا سکتا تو چندہ کے ذریعہ حاصل ہونے والی عوامی ملکیت کو، مدارس عربیہ کے محدود دائرے میں ولایت کا حق رکھنے والے اولوالامر کے تصرفات کو کس طرح وقف حقیقی قرار دیا جا سکتا ہے؟ کیونکہ عوامی چندے کے ذریعہ جو جائیدادیں مدارس کیلئے خریدی جاتی ہیں ان پر وقف کی حقیقت منطبق ہی نہیں ہوتی۔

اولاً تو اس لئے منطبق نہیں کہ یہاں شخصی ملکیت ہی نہیں تھی جس کو اٹھا کر وقف کیا گیا ہو، جب کہ وقف میں یہ شرط ہے کہ شئے موقوف، وقف کے وقت واقف کی ملکیت میں ہو

ثانیاً اس لئے کہ چندہ کے ذریعہ خرید کردہ ان املاک کو، چندہ دہندگان یا مجلس اولوالامر یا ارباب انتظام میں سے کسی نے وقف قرار نہیں دیا۔ نہ خرید تے وقت الفاظ وقف میں سے کوئی لفظ یا اس کا کوئی مرادف استعمال کیا گیا، بعد کے علماء میں سے کسی نے اس پر وقف کا اطلاق کیا بھی ہے تو علامہ شامی کی تاویل کے مطابق یہ اطلاق مجاز ہے، حقیقتِ وقف سے اُس کا کوئی تعلق نہیں ۔

پھر اگر یہ حقیقت بھی ملحوظ رہے کہ مدارسِ عربیہ میں آنے والا چندہ وقف نہیں ہے تو حقیقت اور زیادہ نکھر جاتی ہے، قطب العالم حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی، حضرت مولانا خلیل احمد صاحب سہارن پوری، اور حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانوی رحمہا کا اتفاق ہے کہ چندہ وقف نہیں ہے ۔

یہ معلوم ہو چکا ہے کہ چندہ کے ذریعہ مدارس عربیہ کے انتظام کا طریقہ، دارالعلوم سے پہلے عالمِ اسلام میں کہیں رائج نہیں تھا۔ ہندوستان میں اسلامی حکومت کے ختم ہو جانے کے بعد علماء ہندوستان نے اس کی ابتداء کی ہے۔ اس لئے اس سے پہلے اس نوعیت کا عوامی چندہ نہ کہیں زیر بحث آیا اور نہ اس کی شرعی حیثیت واضح ہوئی، جب قطب العالم حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی قدس سرہٗ سے معلوم کیا گیا کہ مدرسہ میں جو چندہ وغیرہ کا روپیہ آتا ہے وہ وقف ہے یا مملوک اگر وقف ہے تو بقاء عین واجب ہے اور صرف بالاستہلاک ناجائز، اگر مملوک ہے اور مہتمم صرف وکیل تو معطی چندہ اگر مر جاوے تو غرباء دورثاً کا حق ہے وغیرہ، تو حضرت اقدس نے جواب تحریر فرمایا۔

"مدرسہ کا مہتمم قیم و نائب جملہ طلبہ کا ہوتا ہے جیسا (کہ) امیر نائب جملہ عالم کا ہوتا ہے، پس جو شے کسی نے مہتمم کو دی، مہتمم کا قبضہ خود طلبہ کا قبضہ ہے اسکے قبض سے ملک معطی سے نکلا اور ملک طلبہ کا ہو گیا اگرچہ وہ مجہول الکمیت والذوات ہوں مگر نائب معین ہے، پس بعد موت معطی کے ملک ورثہ معطی کی اس میں

نہیں ہو سکتی اور مہتمم بعض وجوہ میں وکیل معطی کا بھی ہو سکتا ہے بہرحال نہ یہ وقف مال ہے اور نہ ملک ورثہ معطی کی رہے گی اور نہ خود ملک معطی کی رہے گی۔"

(تذکرۃ الرشید ص۱۶۴ جلد اوّل)

بالکل یہی جواب حضرت مولانا خلیل احمد صاحب نے، اس طرح کے سوال کے جواب میں دیا "عاجز کے نزدیک مدارس کا رُوپیہ وقف نہیں مگر اہل مدرسہ مثل عمال بیت المال معطین وآخذین کی طرف سے وکلاء نہیں، لہٰذا نہ اس میں زکوٰۃ واجب ہو گی اور نہ معطین واپس لے سکتے ہیں۔

(فتاویٰ مظاہر العلوم جلد اوّل ص۳۱۹)

حضرت حکیم الامت قدس سرہٗ سے بھی اسی طرح کا سوال کیا گیا کہ چندہ کے احکام وقف کے ہوں گے یا اور، تو جواب میں تحریر فرمایا۔ " یہ وقف نہیں "

(امداد الفتاویٰ ص۵۲۷ جلد دوم)

گویا چندہ کے سلسلے میں اکابر دیوبند کا تقریباً اتفاق ہے کہ یہ وقف نہیں، پھر اسی کے ساتھ یہ حقیقت بھی ان حضرات کے نزدیک ثابت شدہ ہے کہ مدارس کے ارباب انتظام، مستحق طلبہ کے قائم مقام ہو کر ان اموال پر قبضہ کرتے ہیں اور ان کا قبضہ نیابۃً اہل استحقاق کا قبضہ ہوتا ہے اور اس طرح یہ اموال معطی کی ملک سے نکل جاتے ہیں اور یہ محدود اختیارات رکھنے والے ارباب انتظام کی تحویل میں، محدود تصرفات کی اجازت کے ساتھ آجاتے ہیں۔ اس چندہ سے اگر کوئی جائیداد خریدی جاتی ہے تو اس پر وقف کی تعریف صادق نہیں آتی

اس تفصیل کے مطابق کہا جا سکتا ہے کہ ہندوستان کے عربی مدارس اپنے مقصد تاسیس اور مقاصدِ عظمیٰ کے لحاظ سے اسلام کے تحفظ کے قلعے اور اسلام کی دعوت وتبلیغ کے مراکز ہیں طریق کار کے اعتبار سے یہ دینی اور مذہبی تعلیم گاہ ہیں اور اقتصادی نظم کے اعتبار سے یہ محدود قسم کا بیت المال ہیں یعنی یہاں مجلس اولوالامر کی اجازت سے محدود ذرائع آمدنی

اور اس کے معین مصارف ہیں۔ اسلامی بیت المال کی طرح ان کے ذرائع آمدنی اور مصارف عام نہیں ہیں مثلاً فے، خراج، عشر اور محصول وغیرہ کی آمدنی یہاں نہیں ہے مصارف میں عام غربار و مساکین کی امداد اور نظاراتِ نافعہ (پی، ڈبلو، ڈی) کا تصور تک نہیں ہے نیز آمدنی کی وصولیابی کیلئے جبر کا بھی کوئی حق نہیں ہے بلکہ اس محدود بیت المال میں کچھ صدقاتِ واجبہ اور کچھ صدقاتِ نافلہ کی آمدنی ہوتی ہے۔ اور علم دین کیلئے اپنی زندگی کو وقف کرنے والے طلبہ و علماء، خاص طریق کار کے ساتھ اس کے مصارف ہیں پچھلے صفحات میں یہ واضح کیا جا چکا ہے کہ سلطان جیسی ولایت عامّہ رکھنے والے صاحب اختیار کا، بیت المال کی املاک کو طلبہ و علماء کیلئے وقف کرنا حقیقی اور صحیح وقف نہیں، تو محدود بیت المال میں ارباب انتظام جیسی کمزور ولایت رکھنے والے حضرات کا ان املاک کو وقف کرنا بدرجۂ اولیٰ حقیقی اور صحیح وقف نہیں ہے۔

اسی طرح پیش کردہ تفصیلات سے یہ فیصلہ بھی کیا جا سکتا ہے کہ اگر کسی فقیہ یا عالم نے مدارسِ عربیہ یا ان کی جائیداد کے بارے میں وقف کا لفظ استعمال بھی کیا ہو تو علامہ شامی کی توجیہ کے مطابق یوں کہا جائے گا کہ یہ اطلاق مجازی ہے کیونکہ وقف کی اصطلاحی تعریف اس پر صادق نہیں آتی۔ ہاں اگر واقعتہً کسی مدرسہ پر وقف کی اصطلاحی تعریف صادق آئے تو اُسے وقف قرار دیا جائے گا۔ بلکہ زیادہ صحیح بات یہ ہے کہ ہندوستان کے مدارسِ عربیہ کی نوعیتیں الگ الگ ہیں اور ان کے احکام مختلف ہیں، مثلاً ہم ان مدارس کو تین طرح کے الگ الگ احکام رکھنے والے مدارس میں تقسیم کر سکتے ہیں۔

۱۔ اگر یہ صورت ہے کہ کسی شخص نے اپنی ذاتی جائیداد کو اصطلاحی طور پر وقف کر کے مدرسہ قائم کیا ہے تو وہ یقیناً حقیقی وقف ہے۔

۲۔ اگر مدرسہ کرایہ کی عمارت میں چل رہا ہے اور اس کی اپنی کوئی ملکیت ہی نہیں۔

جو چندہ آتا ہے وہ طلبہ اور علماء کی ضروریات میں خرچ ہوتا رہتا ہے تو ایسا مدرسہ کسی بھی طرح کا حقیقی یا مجازی وقف نہیں ہے۔ کیونکہ وقف املاک ہوتی ہیں اور اس کی کوئی جائیداد ہی نہیں ہے۔

۳۔ اگر مدرسہ کے تحت مختلف املاک نہیں تو دیکھا جائے گا کہ ان کی کیا نوعیت ہے۔ جو جائیدادیں ارباب خیر نے وقف کی شرائط پورا کرتے ہوئے مدرسہ کے نام وقف کی ہیں وہ وقف رہیں گی۔ اور جو جائیدادیں چندہ کی رقم سے خریدی گئی ہیں ان میں عمومی اور خصوصی چندے پر تفصیلی گفتگو آئندہ کسی شمارے میں پڑھیے۔

تحقیق والد حضرت سیدنا ابراہیم علیہ السلام

از۔ مولوی نسیم احمد مظفر پوری فاضل دار العلوم دیوبند

حضرت سیدنا ابراہیم خلیل اللہ علیہ السلام کا شمار اولو العزم پیغمبروں میں ہوتا ہے، آپ کو خداوند قدوس نے مختلف طریقے سے آزمایا، طرح طرح سے آپ کا امتحان کیا، ظالم و جابر نمرود کے ہاتھوں آپ کو آگ میں ڈلواکر زر خالص بنایا اور اسی پر اکتفا نہیں کیا اپنے وطن اور ملک سے ہجرت کر جانے کا حکم دیا۔ پھر سال ہا سال کی تمناؤں اور آرزوؤں کے بعد پیدا ہونے والے بیٹے اسماعیل کو قربان کرنے کا حکم دیا اس حکم خداوندی کے بھی آگے اللہ کے خلیل حضرت ابراہیم نے سر تسلیم خم کر دیا۔ بلا کسی تردد و تامل کے اپنے لخت جگر اسماعیل کو ذبح کرنے کیلئے ان کے حلقوم پر چھری پھیر دی مگر قدرت کو تو صرف اپنے خلیل کا امتحان مقصود تھا ندا آئی قد صدقت الرویا انا کذالک نجزی المحسنین،، جب حضرت ابراہیم علیہ السلام سارے امتحانات میں اعلیٰ پوزیشن سے کامیاب ہو گئے تو قدرت نے انی جاعلك للناس اماما کا زریں تمغہ عنایت کیا اور آپ کو دنیا کی تمام قوموں کا پیشوا اور مقتدا بنایا، چنانچہ دنیا کی تین مشہور آسمانی مذہب رکھنے والی قومیں مسلمان یہود، نصاریٰ سیدنا ابراہیم کو اپنا جد امجد اور پیشوا مانتی ہیں۔

صاحب قصص القرآن علامہ ابو الفضل ابراہیم ع کی تحقیق کے مطابق سیدنا ابراہیم علیہ السلام کی ولادت سیدنا آدم علیہ السلام کے دنیا میں تشریف آوری کے تقریباً ۳۳۲۳ سال کے بعد ظالم و جابر نمرود بن کنعان بن کوش بن سام کے دور حکومت میں ہوئی۔

حضرت سیدنا ابراہیم علیہ السلام کے والد کے نام کی تعیین میں مفسرین، مورخین

اور نسابین کا شدید اختلاف ہے بعض نے آپ کے والد کا نام آذر بتایا ہے اور بعض نے تارخ، اور بعض نے کہا کہ حضرت ابراہیمؑ کے والد کا نام تارخ تھا اور آذر لقب تھا بعض نے کہا نام تو تارخ ہی تھا مگر بت تراش ہونے کی وجہ سے آذر کے لقب سے مشہور ہو گئے۔ کیونکہ آذر بڑے پجاری کو کہتے ہیں،، میں اپنے اس زیر نظر مضمون میں قرآن پاک کی آیت اذ قال ابراھیم لابیہ اتتخذ اصناماً کی روشنی میں اقوال مفسرین ومورخین کو سامنے رکھکر یہ واضح کروں گا کہ آذر حضرت سیدنا ابراہیم علیہ السّلام کے والد ہی کا نام تھا۔ اور آزر کو اگر آپ کا والد تسلیم کیا جائے تو اس میں نہ تو سیدنا حضرت ابراہیمؑ کی شان میں گستاخی ہوتی ہے اور نہ حضور اکرمؐ کی شان مبارک میں،، جیسا کہ تفسیر جلالین کے محشی الشیخ احمد الصادی کا رجحان اس کی طرف معلوم ہوتا ہے کہ اگر حضرت ابراہیمؑ کے والد آزر کو قرار دیا جائے تو اس میں ان کی گستاخی ہے،، سب سے پہلے آزر کے سلسلے میں مفسرین ومؤرخین کے اقوال ملاحظہ کیجئے پھر آخر میں صاحب قصص القرآن کی فیصلہ کن بات سنئے!

صاحب البدایہ والنہایہ رقمطراز ہیں۔ اذ قال ابراھیم لابیہ آذر؛ ھذا یدل علی ان اسم ابی ابراھیم آذر وقال جمھور اھل النسب منھم ابن عباس ان اسم ابیہ تارخ، وقال ابن جریر والصواب ان اسمہ آذر ولعل لہ اسمان علمان او احدھما لقب والآخر: علم ص۱۴۲ ج اول، قصہ ابراہیم کہ اللہ کا قول اذ قال ابراھیم لابیہ آذر، دلالت کرتا ہے کہ حضرت ابراہیم کے والد کا نام آزر تھا۔ اور جمہور اہل نسب کے نزدیک جن میں سے ابن عباس بھی ہیں ان کے والد کا نام تارخ تھا، اور ابن جریر طبری مشہور مفسر قرآن یہ کہتے ہیں کہ صحیح بات یہ ہے حضرت ابراہیم کے والد کا نام آزر ہی تھا اور ہو سکتا ہے کہ ان کے دو نام رہے ہوں، یا ایک نام ہو اور ایک لقب حضرت ابن عباس کے قول سے صرف یہ معلوم ہوتا ہے

کہ حضرت ابراہیمؑ کا حقیقی نام آذر نہیں بلکہ تارخ تھا اب رہی یہ بات کہ ان کا لقب آذر تھا یا نہیں تو اس کی کوئی تصریح حضرت ابن عباسؓ کی تفسیر میں نہیں ملتی، مگر ابن جریر والصواب کہکر حضرت ابراہیمؑ کے والد کا نام آذر ہی بتلاتے ہیں یا ان کے نزدیک اگر آذر علم نہیں تو تارخ کا وصفی نام تو ضرور تھا، تفسیر کبیر میں امام رازی اللہ تبارک وتعالیٰ کے قول واذ قال ابراهیم لابیه آذر کی تفسیر کرتے ہوئے لکھتے ہیں قیل اسمهٗ بالسریانیه تارخ وآذر لقبهٗ المشهور وقیل اسم صنم لقب هو للزومه عبادته فهو عطف بیان لابیه اوبدل منه وقال الضحاك ومعناه الشیخ الهرم وقال الزجاج المخطی وقال الفرّاء وسلیمان التیمی المعوج فهو نعت لهٗ

ترجمہ، کہا جاتا ہے کہ سریانی زبان میں آزر کا نام تارخ ہے، اور آذر حضرت ابراہیمؑ کے والد کا مشہور لقب ہے۔ اور کہا گیا ہے کہ آذر بت کا نام ہے مگر اس بت کی عبادت کرنے کی وجہ سے تارخ کا لقب آذر پڑگیا اس قول کے اعتبار سے آذر ابیہ کیلئے عطف بیان یا بدل ہوگا۔ اور ضحاک نے کہا کہ آذر کے معنیٰ پیر فرتوت کے ہیں۔ زجاج نے اس کے معنیٰ مخطی اور فراء اور سلیمان تیمی نے کج رو کے بتاتے ہیں۔ اس اعتبار سے آذر ابیہ کی صفت قرار پائے گا۔

امام رازی کی اس پوری عبارت کا خلاصہ یہ نکلتا ہے کہ عبرانی زبان میں حضرت ابراہیم کے والد کا نام تارح ہے اور آذر انہی کا لقب ہے، خواہ یہ لقب ان کا جس وجہ سے بھی پڑا ہو۔

قاضی بیضاوی آیت بالا کی تفسیر کرتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں هو عطف بیان لابیه وفی کتب التواریخ ان اسمه تارح فقیل هما علمان له کاسرائیل ویعقوب وقیل العلم تارخ وآذر وصف لهٗ معناه الشیخ او المعوج وقیل

اسم صنم یعبد ولقب بہ للزوم عبادتہ تفسیر بیضاوی ص۲۵۹ ج۲ مطبوعہ لکھنؤ
یعنی آزرا بیہ کا عطف بیان ہے اور جس کا مطلب یہ ہے کہ ابیہ سے مراد آزر ہے
یعنی حضرت ابراہیم کے والد کا نام آزر تھا، تاریخ کی کتابوں میں مذکور ہے کہ ان کے
والد کا نام تارخ تھا تو اس اعتبار سے گویا کہ ان کے دو نام ہوتے جس طرح اسرائیل
اور یعقوب دونوں ایک ہی شخص کے نام تھے اور دونوں کے مصداق ایک تھے اسی
طرح کتب تواریخ کا تارخ اور قرآن کا آذر دونوں ایک ہی شخصیت کے دو نام ہیں
اور بعض نے کہا کہ تارخ حضرت ابراہیمؑ کے باپ کا علمی نام تھا اور آذر وصف جس کے
معنیٰ بوڑھے یا کج رو کے ہیں، اور بعض نے کہا کہ آذر اس بت کا نام تھا جس کی عبادت
تارخ کرتا تھا اور اسی بت کی عبادت لازم پکڑنے کی وجہ سے تارخ کا لقب آذر پڑگیا،
قاضی بیضاوی کی مذکورہ تفصیل سے بھی یہی ثابت ہوا کہ یا تو تارخ و آذر دونوں حضرت
ابراہیمؑ کے والد کا نام تھا یا تارخ نام تھا۔ اور آزر لقب، اس قول سے بھی تاریخ کے
تارخ اور قرآن کے آذر کی مصداق ایک ہی ذات ہے۔ ارواح ثلثہ کے اندر اذقال
ابراهیم لابیہ آذر کی تفسیر میں لکھا ہے، ھو لقبہٗ واسمہٗ تارخ ص۲۵۶ ا
کہ آذر حضرت ابراہیمؑ کے والد کا لقب تھا اور ان کا نام تارخ تھا۔ جیسا موضح القرآن
شاہ عبدالقادرؒ ابن شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ مشہور مترجم قرآن آیت مذکورہ کا ترجمہ کرتے
ہوئے لکھتے ہیں، جب کہا ابراہیمؑ نے اپنے باپ آذر کو، امام راغب اصفہانی متوفی ۵۰۳ھ
اپنی مشہور و معروف قرآنی لغت المفردات فی غریب القرآن طبع پاکستان کے ص۱۰ پر لکھتے
ہیں۔ قیل کان اسم ابیہ تارخ نعرب نجعل آذر وقیل آذر معناہ الضال
فی کلامھم» (کہا گیا ہے کہ حضرت ابراہیمؑ کے والد کا نام تارخ تھا پھر اُسے عربیا کر
آذر کر دیا گیا۔ اور بعض نے کہا کہ آذر کا معنیٰ ان کے کلام میں گمراہ اور راہ گم گشتہ کے آتے
ہیں۔ امام راغب کی مذکورہ عبارت سے پتہ چلتا ہے کہ آذر اصل میں تارخ ہی تھا جیسا کہ

توراۃ اور کتب تواریخ میں مذکور ہے مگر لغت عربی کی مشہور ڈکشنری لسان العرب مؤلفہ ابن المنظور کے صفحہ ۶/۵۷ پر ہے۔ "وآذر اسم اعجمی وھو اسم ابی ابراھیم" آذر عجمی اسم ہے، جو حضرت ابراہیم علیہ السلام کے والد کا نام ہے۔

مشہور مفسر قرآن علامہ محمود آلوسی بغدادی حنفی متوفی ۱۲۷۰ھ اپنی معرکۃ الآراء تفسیر روح المعانی ج ۳ صفحہ ۱۹۴ پر لکھتے ہیں۔ "وآذر بزنۃ آدم علم عجمی لابی ابراھیم علیہ السلام"، آذر آدم کے وزن پر عجمی زبان میں حضرت ابراہیمؑ کے والد کا نام ہے۔ کتب تاریخ وتفسیر کی ورق گردانی سے یہی معلوم ہوتا ہے کہ علماء متقدمین ومتأخرین کی اکثریت اسی خیال اور رائے کی حامی ہے کہ قرآن کا آذر اور تاریخ والقراۃ کا نام تارح دونوں ایک ہی شخص ہیں جو حضرت سیدنا ابراہیم علیہ السلام کے والد تھے، چنانچہ علامہ ابن جریر طبری متوفی ۳۱۰ھ نے اذ قال ابراھیم لابیہ آذر کے تحت اپنی مشہور تفسیر میں دو قسم کی روایتیں ذکر کی ہیں۔ اس میں سے ایک مجاہد تابعیؒ کی روایت ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ آذر اس زمانے کی کسی بت اور دیوتا کا نام تھا، ایسی روایت کے مطابق آذر حضرت ابراہیمؑ کے والد کا نام نہیں ہوگا اور دوسری روایت سے ثابت ہوتا ہے کہ آذر اور تارح دونوں ایک ہی شخص کے نام تھے ان میں ایک نام ہے اور دوسرا لقب جیسا کہ یعقوب واسرائیل دونوں ایک ہی شخص کے نام ہیں پھر اس کے بعد علامہ طبری لکھتے ہیں۔ "غیر محال ان یکون لہ اسمان کالکثیر من الناس فی زماننا ھذا"، یعنی یہ امر محال نہیں ہے کہ آذر کے دو نام ہوں جیسا کہ ہمارے زمانے میں بہت سوں کے دو دو نام ہوتے ہیں، پہلی روایت اور اس روایت کے اندر بھی کوئی تعارض نہیں ہے۔ پہلی روایت کو بھی دوسری روایت پر محمول کیا جاسکتا ہے وہ اس طرح کہ آذر تو اس بت کا نام تھا جس کی پوجا اور عبادت تارح کرتے تھے۔ مگر اس بت کی عبادت کرنے کی وجہ سے ان کا لقب آذر پڑ گیا

جیسا کہ امام رازی اور دوسرے مفسرین کرام نے ذکر کیا ہے، یہ بھی ہوسکتا ہے کہ اُن کے والدین نے آذر بت کے نام پر اُن کا نام آذر رکھدیا ہو جیسا کہ بت پرستوں کے یہاں اُس کا عام رواج ہے کہ وہ بتوں کے ناموں پر اپنی اولاد کا نام رکھتے ہیں۔

تفسیر خازن جلد ۲ صـ۱۲۲ میں امام المغازی محمد ابن اسحاق اور ضحاک کا قول نقل کیا ہے کہ آذر حضرت ابراہیمؑ کے والد تارخ کا نام ہے، پھر لکھا ہے کہ ممکن ہے کہ حضرت ابراہیمؑ کے باپ کے دو نام ہوں یعنی آذر اور تارخ، جس طرح یعقوبؑ و اسرائیل ایک ہی شخص کے نام تھے، یہ بھی ممکن ہے کہ حضرت ابراہیمؑ کے والد کا نام تارخ ہوا اور آذر اُن کا لقب، یا اس کے برعکس بھی ہوسکتا ہے کہ آذر ان کا اصل نام ہوا اور تارخ لقب، اس تفصیل کے نقل کرنے کے بعد اپنی رائے ان الفاظ میں ظاہر کررہے ہیں۔ والصحیح ھو الاوّل ان آذر اسم ابی ابراھیم لان اللہ تعالیٰ سمّاہ بہ، صحیح پہلا ہی قول ہے کہ آذر حضرت ابراہیم علیہ السلام کے والد کا نام تھا۔ کیونکہ خود قرآن پاک میں اللہ تبارک تعالیٰ نے انھیں اسی آذر کے نام سے موسوم کیا ہے۔ جو اس بات کی سب سے قوی دلیل ہے کہ حضرت ابراہیمؑ کے والد کا نام آذر ہی تھا خواہ مخواہ قرآن میں تاویل اور حقیقت چھوڑ کر مجاز مراد لینے کی کیا ضرورت؟ کسی شرعی قباحت اور خرابی کی وجہ سے حقیقت ترک کرکے معنیٰ مجاز مراد لیا جاتا ہے اور اس جگہ لفظ حقیقت ترک کرنے کا کوئی قرینہ اور دلیل شرعی نہیں ہے، اسی وجہ سے مؤرخین ومفسرین کی اکثریت اس بات کی قائل ہے کہ آذر حضرت ابراہیمؑ ہی کے والد کا نام ہے علامہ علاء الدین بغدادی اس قول کی تائید اور استشہاد میں امام المحدثین محمد بن اسماعیل کی الجامع الصحیح المعروف بالبخاری کی ایک روایت ذکر کی ہے جس کو امام بخاریؒ نے کتاب الانبیاء میں حضرت ابوہریرہ سے روایت نقل کی ہے۔

عن ابی ھریرۃ عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال یلقی ابراھیمؑ اباہ آذر یوم

القيامة وعلى وجه آذر قترة وغبرة فيقول له ابراهيم الم اقل لك لا تعصنى فيقول ابوه فاليوم لا اعصيك فيقول ابراهيم يارب انك وعدتنى ان لا تخزنى يوم يبعثون فاى خزي اخزى من ابى الابعد فيقول الله انى حرمت الجنة على الكافرين ثم يقال يا ابراهيم ما تحت رجليك فينظر فاذا هو بذيخ متلطخ فيوخذ بقوائمه فيلقى فى النار

بخاری شریف ج ۱، کتاب الانبیاء صفحہ ۴۷۳، مطبوعہ اصح المطابع دہلی،،

ترجمہ،، حضرت ابوہریرۃ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد گرامی نقل کرتے ہیں کہ قیامت کے دن سیدنا حضرت ابراہیم علیہ السلام اپنے والد آذر کو اس حال میں پائیں گے کہ ان کا چہرہ سیاہ اور خاک آلود ہوگا۔ اس وقت حضرت ابراہیم علیہ السلام اپنے باپ آذر سے فرمائیں گے کہ کیوں میں نے تم سے دنیا ہی میں نہیں کہا تھا کہ میری نافرمانی اور حکم عدولی نہ کرو تو باپ جواب دے گا کہ آج میں تیری نافرمانی نہیں کروں گا تو حضرت ابراہیم علیہ السلام خداوند قدوس سے عرض کریں گے کہ اے میرے پروردگار تو نے مجھ سے وعدہ کیا تھا کہ قیامت کے دن تو مجھکو ذلیل و رسوا نہیں کرے گا تو اس دور افتادہ رحمت باپ سے بڑھکر اور کیا رسوائی ہوگی۔ اللہ تبارک تعالیٰ ارشاد فرمائے گا کہ میں نے جنت کو کافروں پر حرام کر دیا ہے، پھر کہا جائے گا اے ابراہیم دیکھو تمہارے پیروں تلے کیا ہے آپ جب اپنے پاؤں کی طرف نظر ڈالیں گے تو دیکھیں گے کہ ایک نجاست آلود، گھنے بالوں والا خون میں لت پت بجو پڑا ہوا ہوگا۔ پھر اس کی ٹانگیں پکڑ کر اسے جہنم میں ڈالدیا جائے گا، اور اس طرح خدا اپنے خلیل حضرت ابراہیمؑ کو رسوائی سے بچالے گا۔ گویا کہ آذر کو جانور کی شکل میں مسخ کر کے آگ میں ڈال دیا جائے گا۔

بخاری شریف کی اس روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت ابراہیم کے والد کا

نام آذر ہی تھا کیونکہ اس حدیث میں صراحۃً نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں یلقی ابراہیم اباہ آذر،، اگر آذر حضرت ابراہیمؑ کے باپ کا نام نہ ہوتا تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اس موقع پر ضرور تصریح فرمادیتے تاکہ قرآنی آیت اذ قال ابراھیم لابیہ آذر کی تفسیر بھی ہوجاتی، پھر کلام شارع میں اصل یہ ہے کہ اُسے اپنے حقیقی اور اصلی معنٰی ومفہوم پر محمول کیا جائے، بلاوجہ حقیقی معنٰی کو چھوڑ کر مجازی معنٰی مراد لینا مناسب نہیں، اور سب کے نزدیک کلام عرب میں لفظ اب کا حقیقی معنٰی باپ ہے مجازاً اس کا اس کا اطلاق عم (چچا) پر کردیا جاتا ہے۔ اور قرآن کی مذکورہ بالا آیت اور مذکورہ حدیث میں کوئی قرینہ نہیں ہے جس کی وجہ سے حقیقی معنٰی کو ترک کردیا جائے اور مجازی معنٰی چچا کو مراد لیا جائے،،

اسی بنا پر جمہور مفسرین ومؤرخین اس سے باپ ہی مراد لیتے ہیں۔ علامہ جلال الدین سیوطی نے اپنی مشہور کتاب الاتقان فی علوم القرآن کے ص۱۳۹ پر محمد بن اسحاق امام المغازی کے حوالے سے حضرت لوط کا نسب نامہ اس طرح درج کیا ہے لوط بن معاد ان ابن آذر اور حضرت لوط علیہ السلام حضرت ابراہیمؑ کے برادر زاد تھے جیسا کہ حاکم نے اپنی مستدرک میں تصریح کی ہے لہذا اس اعتبار سے بھی حضرت ابراہیمؑ کے والد کا نام آذر متعین ہوتا ہے۔ سیرت نبویؐ کی معرکۃ الآراء کتاب المبتدا والمبعث والمغازی کے صفحہ پر سیدالانبیاء حضرت محمد رسول اللہ کا نسب نامہ درج ہے اس میں ہے ابراہیم خلیل الرحمٰن بن تارخ وھو آذر (حضرت ابراہیم علیہ السلام تارح کے بیٹے ہیں جو آذر ہیں) ابن ہشام کی سیرت جو قدیم ترین سیرت کی کتابوں میں ہے اس میں بھی حضرت ابراہیم ابن تارح وھو آذر مذکور ہے،،

ان سارے تفسیری اقوال اور آپ کے نسب نامہ سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ تارح اور آذر دونوں ایک ہی شخص کا نام ہے لہذا صاوی علی الجلالین کے مصنف کا یہ کہنا کہ تارح ابوہ مات فی الفترۃ ولم یثبت سجودہ لصنم۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے والد تارح تھے ان کا وصال زمانۂ فترت میں ہوا۔ جمہور مفسرین ومؤرخین کے اقوال کے بالکل مخالف ہے۔ جو لائق اعتبار نہیں ہے۔

سو سالہ جھگڑے کا آسان فیصلہ

حافظ محمد اقبال رنگونی مانچسٹر، انگلینڈ

بسم اللہ الرحمن الرحیم! اما بعد - مندرجہ بالا عنوان سے مرزائیوں کے چوتھے سربراہ مرزا طاہر کا ایک بیان ٹریکٹ کی صورت میں آٹھ صفحات کا لندن سے شائع کیا گیا ہے جس میں موصوف نے وفات مسیح کے مسئلہ پر دل کھول کر وضاحت کی ہے موصوف گستاخی کی کس حد کو پار کر گئے وہ ملاحظہ فرمایئے! موصوف کے بیان کی آخری تان اس گستاخانہ جملے پر ٹوٹتی ہے۔

"خدا کی قسم عیسیٰ مر چکا ہے اور اسلام زندہ ہے آج اسلام کی زندگی تم سے ایک فدیہ چاہتی ہے وہ کیا ہے؟ عیسیٰ کی موت! اسلئے عیسیٰ کو مرنے دو اسی میں اسلام کی زندگی ہے"۔

یہ وہی انداز ہے جو موصوف کے باپ دادا اختیار کر چکے ہیں۔ یقین نہ آئے تو مرزا غلام احمد کی اس عبارت کو پڑھ لیجئے!

عیسیٰ کی موت میں اسلام کی زندگی ہے اور عیسیٰ کی زندگی میں اسلام کی موت ہے۔ (ضمیمہ براہین ۵ ص۲۰۶)

سیدنا حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی وفات کا عقیدہ یہودیوں، عیسائیوں اور قادیانیوں کا ہے۔ اسلام اور مسلمان اس عقیدے سے بری ہیں۔ قادیانیوں نے اس موضوع پر جو جو دلائل مہیا کئے تھے ان کی حقیقت بھی کھل گئی ہے۔ اور ان کی دھجیاں فضائے آسمانی میں بکھر چکی ہیں۔ یہ اس وقت کا موضوع نہیں، کہنا یہ ہے کہ قادیانی اس موضوع

پر ہمیشہ اپنے خبث باطن کا اظہار کرتے رہتے ہیں۔ اس لئے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی حیات میں ان کی موت ہے۔ ہم بھی عرض کریں گے کہ!

خدا کی قسم عیسیٰ علیہ السّلام حیات ہیں (اے مسلمانو!) آج اسلام کی زندگی تم سے ایک عقیدہ چاہتی ہے۔ وہ کیا ہے۔ حیات عیسیٰ علیہ السلام۔ اس لئے حیات عیسیٰ کا عقیدہ رکھو اسی میں قادیانیوں کی موت ہے۔

۲۔ مرزا طاہر احمد نے سو سالہ جھگڑے کو ختم کرنے کا آسان حل یوں تجویز کیا کہ!

میں جماعتِ احمدیہ کی طرف سے چیلنج دیتا ہوں اور اسی بات پر جھگڑا ختم ہو جاتا ہے کہ اگر حضرت عیسیٰ علیہ السّلام کو تم نے آسمانوں سے زندہ اتار دیا تو خدا کی قسم میں اور میری ساری جماعت سب سے پہلے بیعت کریگی (ص۶)

مرزا طاہر نے اختلاف ختم کرنے کا جو احمقانہ حل تجویز کیا ہے وہ کسی پر پوشیدہ نہیں مرزا طاہر اس بات سے واقف ہیں کہ ہم مسلمانوں کا اعتقاد یہ ہے کہ ہم خدا کے بندے اور اس کے غلام ہیں۔ خدا یا خدائی طاقتوں کے مالک نہیں، ہاں قادیانیوں کا یہ عقیدہ ضرور ہے کہ مرزا صاحب، خدائی طاقتوں کے مالک و مختار تھے۔ ایک فرعون تھا جس نے أَنَا رَبُّكُمُ الْأَعْلَىٰ کا نعرہ بلند کیا تھا مگر دریائے نیل کی موجوں نے ہمیشہ کیلئے اسے نمونۂ عبرت بنا کر باہر ڈال دیا تو دوسرا مرزا غلام احمد تھا جس نے اپنے آپ کو خدا کی مانند (حاشیہ اربعین) اور زندہ کرنے اور مارنے کی صفت کے موجود ہونے کا اعلان کیا (خطبہ الہامیہ ص۲۳) مگر دنیا نے یہ ہوش ربا منظر بھی دیکھا کہ مرزا صاحب کی متعفن لاش دجّال کے گدھے (مرزا صاحب کا کہنا تھا کہ ریل گاڑی دجال کا گدھا ہے) پر لاد کر لائی گئی اور قادیان کے ایک گڑھے میں ہمیشہ کیلئے دبا دی گئی۔ سو قادیانیوں کا مرزا صاحب کے بارے میں یہ عقیدہ ضرور ہے۔

(۲) مرزا طاہر کے اس چیلنج کو پڑھکر نگاہوں میں تھوڑی دیر کیلئے وہ منظر بھی دوڑ

گیا کہ جب انبیاء کرامؑ قیامت کے آنے کی خبریں دیتے اور قیامت کے برحق ہونیکا اعلان فرماتے تو کفار و منکرین کا بھی یہی وطیرہ و طریقہ تھا جو مرزا طاہر کا ہے۔ وہ کہا کرتے تھے کہ اگر قیامت برحق ہے تو پھر لاکر دکھاؤ۔ آخر کب یہ واقع ہوگا؟ قرآن کریم میں ہے۔

ویقولون متیٰ ھٰذا الوعد ان کنتم صادقین ○ اور یہ منکر کہتے ہیں کہ یہ (قیامت کا) وعدہ کب ہوگا اگر تم سچے ہو تو سامنے لاکر دکھاؤ)

مرزا طاہر اور کفار و منکرین کے انداز تخاطب کا موازنہ فرمالیجئے! مرزا طاہر کا بھی یہی سوال ہے کہ اگر سیدنا حضرت عیسیٰ علیہ السلام حیات ہیں اور انھیں اس دنیا میں آنا ہے تو تم لاکر دکھا دو! آخر کب لاؤ گے؟ کفار و منکرین کے اس باطل اور مردود قول کا رد کرتے ہوئے قرآن کریم نے انبیاء کرام علیہم السلام کی زبان فیض ترجمان سے ہمیشہ کیلئے اعلان کرا دیا کہ۔

قل انما العلم عند الله وانما أنا نذیر مبین ○ آپ فرما دیجئے (کہ اسکی) خبر تو اللہ ہی کے پاس ہے۔

چنانچہ ہمارا جواب بھی قرآن کریم کی اس تعلیم کی روشنی میں یہی ہے کہ سیدنا حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی تشریف آوری کب ہوگی؟ اس کا علم خدا ہی کے پاس ہے جس طرح قیامت کا علم اسی کے پاس ہے؟ قیامت کے بارے میں جب ہمارا ایمان وایقان ہے کہ اُسے آنا ہے اسی طرح سیدنا حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے نزول پر بھی ایمان ہے کہ آپ قرب قیامت تشریف لائیں گے اور احادیث کریمہ اس پر شاہد ہیں۔

مرزا طاہر نے اختلاف کے ختم ہونے کا جو احمقانہ حل تجویز کیا ہے ہمارے نزدیک اس کی کوئی حیثیت اور وقعت نہیں ہے۔ آیئے ہماری ایک تجویز بھی سُن لیجئے! جو آسان بھی اور قادیانیوں کو اس کا ثابت کرنا ضروری بھی! ہم امید کریں گے کہ مرزا

طاہر اپنے دئے ہوئے عنوان کی لاج رکھکر اپنے پیغمبر کو کذاب ہونے سے بچائیں گے!

مرزا طاہر اپنی ایک مجلس میں کہتے ہیں۔

آپ کا (یعنی مرزا غلام کا) دعویٰ یہ تھا کہ میں وہ امام مہدی ہوں جس کی خبر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے دی تھی اور میں وہ مسیح ہوں جس کے آنے کی آپ نے پیش گوئی فرمائی۔ (ٹیپ سے ماخوذ)

اس سے معلوم ہوا کہ مرزا غلام احمد سے لیکر۔ مرزا طاہر تک سب کا اس پر اتفاق ہے کہ مرزا غلام قادیانی مسیح موعود ہے۔ مرزا صاحب نے اپنے دعویٰ کو ثابت کرنے کے لئے چند احادیث پیش کیں اور مخالفین کو بزعم خود خاموش کر دیا تھا! ہم مرزا طاہر سے صرف اور صرف یہ پوچھنا چاہیں گے کہ وہ احادیث صحیحہ اور نصوص قرآنیہ حدیث کی کون کون سی کتابوں میں اور قرآن کریم کی کن کن آیتوں میں موجود ہے۔ اگر ہے تو آیئے چشم ما روشن دل ماشاد! جھگڑا ہی ختم۔ لیجئے مرزا صاحب فرماتے ہیں!

انبیاء گذشتہ کے کشوف نے اس بات پر مہر لگادی ہے کہ وہ مسیح موعود چودہویں صدی کے سر پر آئے گا اور نیز یہ کہ پنجاب میں ہوگا۔ (اربعین ۲ ص۲۳)

غالباً مرزا طاہر اس سے ناواقف نہ ہوں گے کہ انبیاء کرام علیہم السلام کی تعداد کم وبیش ایک لاکھ چوبیس ہزار ہے۔ مرزا طاہر کتب احادیث میں سے کسی نبی کے حوالہ سے یہ دکھادیں کہ انھوں نے کہا ہو مسیح موعود چودہویں صدی کے سر پر آئے گا نیز یہ کہ وہ پنجابی ہوگا پھر جھگڑا ہی ختم!

(۲) مرزا طاہر کے صادق پیغمبر مرزا غلام احمد لکھتے ہیں:

ایسا ہی احادیث صحیحہ میں آیا تھا کہ مسیح موعود صدی کے سر پر آئے گا اور چودہویں صدی کا مجدد ہوگا! (براہین احمدیہ ص۳۵۹)

مرزا طاہر "احادیث صحیحہ" کا حوالہ پیش کرکے اپنے صادق مرزا صاحب کو کذاب

کذاب ہونے سے بچالیں! تو بہت خوب ہو!

۳۔ مرزا غلام احمد قادیانی ہی رقمطراز ہے۔

صحیح بخاری کی وہ حدیثیں جن میں آخری زمانہ میں بعض خلیفوں کی نسبت خبر دی گئی ہے خاص کر وہ خلیفہ جس کی نسبت بخاری میں لکھا ہے کہ آسمان سے اس کی نسبت آواز آئے گی کہ "ھٰذا خلیفۃ اللہ المھدی" سوچو کہ یہ حدیث کس پایہ اور مرتبہ کی ہے جو ایسی کتاب میں درج ہے جو اصح الکتب بعد کتاب اللہ ہے۔

(شہادۃ القرآن ص۴۱)

بخاری شریف کا نام تو مرزا طاہر نے سنا ہی ہوگا! کم یاب و نایاب نہیں۔ ہر جگہ مل جاتی ہے۔ عربی میں نہ پڑھ سکتے ہوں تو اردو، انگریزی میں بھی مل جاتی ہے۔ کیا بخاری شریف میں مرزا صاحب کا دیا ہوا حوالہ موجود ہے! اگر ہے تو دکھا دیجئے۔ اگر نہیں تو مرزا صاحب کے کذاب ہونے کی سند ہم سے لیجئے!

(۴) مرزا غلام احمد قادیانی لکھتا ہے!

علاوہ نصوص صریحہ قرآن شریف اور احادیث کے تمام اکابر اہل کشوف کا اس پر اتفاق ہے کہ چودہویں صدی وہ آخری زمانہ ہے جس میں مسیح موعود ظاہر ہوگا۔ (تحفہ گولڑویہ ص۱۵۸)

حدیث شریف سے معاملہ اوپر کو اٹھا اور نصوص قرآن تک پہنچا، اب مرزا طاہر ہی تبلائیں گے کہ قرآن کریم کے کس پارے میں کس سورۃ میں اور کس رکوع و آیت میں مندرجہ بالا حوالہ "صریحہ" موجود ہے۔ اگر ہے تو بہت خوب! اگر نہیں تو وہ کذاب ہے یا نہیں؟ آپ خود ہی فیصلہ کریں! ہم اگر عرض کریں گے تو شکایت ہوگی!

۵۔ مرزا غلام احمد قادیانی رقم طراز ہے۔

نہ صرف حدیثوں میں بلکہ قرآن شریف سے بھی یہی مستنبط ہوتا ہے کیونکہ سورۂ تحریم میں صریح طور پر بیان کیا گیا ہے کہ بعض افراد اس امت کا نام مریم رکھا گیا ہے اور پھر پوری اتباع شریعت کی وجہ سے اس مریم میں خدا تعالیٰ کی طرف رُوح پھونکی گئی اور رُوح پھونکنے کے بعد اس مریم سے عیسیٰ پیدا ہو گیا۔ اور اسی بناء پر خدائے تعالیٰ نے میرا نام عیسیٰ بن مریم رکھا۔ (ضمیمہ براہین احمدیہ ۵ صلا ۳۶۱)

قرآن کریم کسی غار میں یا کسی تہہ خانہ میں ڈھکا چھپا نہیں ہے۔ الحمدللہ ہر جگہ عام دستیاب ہے، مرزا طاہر بھی شاید اس کی تلاوت کا شرف نہیں تو کم از کم الماری کی زینت بنا کر رکھتے ہوں گے تو ذرا زحمت فرما کر "سورۂ تحریم" کی وہ صریح آیت تو دکھا دیں جس میں مرزا صاحب کا نام خدا نے عیسیٰ رکھا ہو! اور جھگڑا ختم فرما دیں۔

سردست یہ پانچ حوالے پیش کئے ہیں ورنہ ؏

قیاس کن ز گلستان من ز بہار مرا

آیئے ثابت کیجئے۔ اگر ثابت نہیں کر سکتے تو قادیانیت کو ترک کر کے حلقہ اسلام میں داخل ہو جایئے۔

وما علینا الا البلاغ

نوٹ: ماہ اکتوبر و نومبر ۱۹۸۶ء دونوں ماہ کے شمارے مشترک نومبر میں شائع ہوں گے۔ لہذا قارئین دارالعلوم اکتوبر کے شمارہ کا انتظار نہ کریں۔ (شکریہ) والسلام۔ مینجر رسالہ

پارچہ باف علماء علامہ سمعانی کی نظر میں

از مولانا عبدالقیوم صاحب ۔ دارالعلوم حقانیہ اکوڑہ خٹک

آج کی گفتگو کا موضوع لفظ نساج کی تحقیق، اور نساجی کے پیشہ سے تعلق رکھنے والے ارباب علم وفضل کا تذکرہ و تبصرہ اور علوم نبوت کی میراث پانے والے نساجیوں کے علمی و روحانی مراتب اور ان کے دینی وخدمات کا جائزہ لینا ہے۔

نساج عربی کا لفظ ہے، اُسے نون کی زبر، سین مہملہ کی تشدید اور آخر پر جیم کے سکون کے ساتھ "نسّاج" پڑھا جاتا ہے۔ نَسْجٌ سے ماخوذ ہے جس کے معنیٰ کپڑا بننے کے آتے ہیں۔ عربی میں کپڑا بننے اور آراستہ کرنے والے کو نساج کہتے ہیں۔

علامہ سمعانیؒ نے ارشاد فرمایا۔

اِشْتَهَرَ بِهٰذِهِ النِّسْبَةِ جَمَاعَةٌ يَنْتَسِبُوْنَ اِلَىٰ نَسْجِ الثِّيَاب (الانساب ص۵۵۸)	علماء کی ایک جماعت اسی لقب (نساج) سے مشہور ہوئی اور وہ کپڑا بننے والوں کی طرف منسوب ہونے لگی۔

وجہ یہ تھی کہ انھوں نے تحصیل و اشاعت علم اور تدریس و تبلیغ کے ساتھ ساتھ رزق حلال اور قوت لایموت کیلئے کپڑا بننے اور اُس کی آرائش کرنے کا کاروبار شروع کردیا تھا۔

ائمہ وقت، محدث زماں، مفسر قرآن، شیخ وقت اور مخدوم خلائق ہونے کے باوجود انھوں نے عقیدت مندوں کے ہدایا، محبین کے تحائف اور نذرانوں پر اپنے

ہاتھوں کی کمائی کو ترجیح دی، دولت مندی، جاہ و منصب کی طلب اور مرجعِ خلائق بننے کے بجائے۔ فقر و درویشی اور خدمت و عبادت کی راہ اختیار کی اور راجع الی اللہ ہوئے۔ علم و عمل اور بلند روحانی مقامات پر فائز ہونے کے باوجود، ان کی زندگی کے کسی ایک زاویہ، کسی ایک گوشہ اور کسی ایک ادا میں بھی شیخت و مخدومیت کی بو نہیں پائی جاتی تھی۔

جہاں علم اور خدمتِ دین کے اعلیٰ اور بلند ترین مقامات اور عظیم درجات حاصل کئے وہاں کپڑا بننے کے کاروبار میں بھی اسوۂ نبوی ؐ کے مطابق اپنے ہاتھوں سے رزق حلال کمایا اور تجارت کا پیشہ اختیار کیا۔ اس میں اللہ تعالیٰ نے بے انتہا خیر و برکت اور وسعت ڈالی مگر اس کے باوجود ان کی تواضع، سادگی، جذبۂ خدمتِ دین و اشاعتِ علم میں کوئی فرق نہ آنے پایا۔

اپنے تلامذہ تو کجا، عام خادموں کو بھی تعظیم سے خطاب کرتے، سینکڑوں خدام، عشاق، تلامذہ اور مریدانِ باصفا موجود رہتے مگر اس کے باوجود وہ اپنے ہاتھ سے سب کام کرتے، جھاڑو دیتے، پانی بھرتے، لکڑی کاٹ کر لاتے، گارا ڈھوتے، میٹیریل تیار کرتے، اور کپڑے کا تانا بنتے، کھانا پکانے میں بھی خادموں کے ساتھ اور اگر گھر میں ہوتے تو اہلِ خانہ کے ساتھ برابر کے شریک رہتے اور کوشش کرتے کہ سب کام اُن کے اپنے ہاتھوں سے انجام پائیں

علامہ سمعانیؒ نے کپڑا بننے والے ائمہ اور علماء کبار کے تذکرہ میں سرِفہرست علامہ ابوحمزہ مجمع بن سمعان النساج کا ذکر کیا ہے۔ جو اپنے زمانے کے بہت بڑے عالم و عارف اور عالی ہمت بزرگ تھے۔

جہاں اللہ تعالیٰ نے انھیں علم و تقویٰ کی دولت سے مالا مال کیا تھا وہاں اُن کا دل، استغناء، قناعت، صبر و توکل اور اخلاص و للّٰہیت کے نور سے بھی معمور تھا۔

تانے بانے کی زندگی میں رہ کر، زندگی بھر علمِ دین کی چادریں بُنتے رہے۔ محنت و مشقت اور ریاضتِ شاقہ سے جسدِ اسلام کے حلّے اور پیراہن تیار کرتے رہے۔ اپنے زمانہ کے نیکوکار، پرہیزگار اور عبّاد و زہّاد لوگوں میں شمار کیے جاتے تھے۔ اپنے کریمانہ اخلاق، محاسن و اوصاف بزرگی، علم و حلم، سخاوت اور جذبۂ تبلیغ و اشاعت اور دوسرے فضائل میں بے نظیر تھے۔

آپ کے جلیل القدر اساتذہ میں محدث ابوصالح کا نام سرِفہرست ہے۔ آپ کی علمی قدر و منزلت اور ثقاہت کیلئے یہ بات کافی ہے کہ علامہ سفیان بن عیینہ جیسے عظیم محدث کو آپ سے شرفِ تلمذ پر ناز و افتخار رہے۔ اُن کی زندگی کا اصل جوہر جس نے انھیں اقران میں ممتاز مقام بخشا اور آج انھیں امّت کیلئے نجم ہدایت ہونے کی عظمتیں حاصل ہیں وہ یہ تھا کہ تحصیل و تدریسِ علم خدمت و اطاعت اور ذوق عبادت کے ساتھ ساتھ روزمرّہ کی زندگی اور عبادات میں بھی اتباعِ سنّت، تقویٰ اور ہمیشہ عزیمت پر اُن کا عمل تھا۔

ابومحمد جرتومہ بن عبداللہ نساج، اپنے وقت کے علماء راسخین اور اولیاء کاملین سے تھے۔ دنیاطلبی سے دل برداشتہ تھے۔ خداطلبی کی راہ اختیار کر چکے تھے۔ دن اُن کے اشاعت و خدمتِ دین کے جذبہ سے معمور اور رات ان کی یادِ خدا سے پُرنور تھی۔ زندگی بھر مخلوق کے سامنے جبیں سائی نہیں کی، صرف اللہ کے سامنے جبینِ نیاز جھکاتے رہے۔ اپنے رزقِ حلال کی کمائی پر خوش ہوتے۔ اسی غرض سے نساجی یعنی کپڑا بُننے کا کام اختیار کئے ہوئے تھے۔ بصرہ کے رہنے والے ہیں تابعین سے ہیں انھیں اپنے زمانے کے علماء، اور ائمہ میں بھی ممتاز مقام حاصل تھا صحابہؓ میں حضرت انسؓ کی ملاقات سے مشرف ہوئے ہیں۔ بہت بڑے محدث تھے۔ علمِ حدیث ان کا خاص محبوب مشغلہ رہا۔ علماء کے نزدیک ثقہ اور معتبر ہیں۔

حضرت جرثومہ بہت بڑے متقی، کامل العلم، بزرگ ہیں ان کا ظاہر و باطن اتباع سنت سے آراستہ اور ان کی ساری زندگی اور تمام اوقات سُنن و مستحبات سے معمور ہیں۔ کپڑے کا تانا بُننا، گذر اوقات کیلئے اختیار کیا تھا ہمیشہ فقر و فاقہ پر قانع رہے دنیا کی بُو بھی اپنے پاس نہیں آنے دیتے تھے۔

ان کے علمی کارنامے، علم حدیث کی خدمت و اشاعت اور اسلامی تعلیمات کی ترویج میں ان کی ریاضت و استقامت تعلیم و تدریس اور دعوت و تبلیغ کا کام کرنے والوں کے لئے قابلِ رشک ہے۔

آپ کے اساتذہ میں امام حسن بصری، علامہ ثابت بکری، اور علامہ عبداللہ مزنی، زیادہ مشہور ہیں جن سے آپ نے علم حدیث کی تحصیل اور تکمیل کی ہے۔ آپ کے تلامذہ میں موسیٰ بن اسماعیل، بیوذکی، حماد بن زید، علی بن عثمان واقفی جیسے جلیل القدر محدثین ائمہ فن کا تذکرہ ملتا ہے۔ جو آپ کی محدثانہ عظمت اور علمی جلالتِ قدر کی کافی شہادت ہے

دراصل علامہ سمعانی رح نے نساجیوں یعنی کپڑا بُننے والوں کی اس فہرست میں جن اکابر علماء اور اسلافِ امت کے نام گنوائے۔ سب ایک سے ایک بڑھ کر تھے۔ سب مقبولانِ ازلی تھے۔ جن کو فیاضِ ازل کی طرف سے ایسی استعداد و قابلیت اور صلاحیت نصیب ہوئی کہ ان کا ہر قال، ہر حال اور زندگی کا ہر لمحہ علم و اشاعتِ دین کی عظمت کا آئینہ دار تھا۔ اپنے دوستوں، رفیقوں اور ہر قسم کے ماحول اور سوسائٹی میں جہاں جاتے علم دین کی عظمت اجاگر کرتے، ان کے وجود علوم نبوت کے چلتے پھرتے مدرسے تھے۔ جو بھی اُن سے مَس ہوتا یا انھیں دیکھ لیتا۔ اس کی زندگی میں ایک نیا علمی ولولہ اور اسلامی و روحانی انقلاب آجاتا۔

آج کی مجلس میں علامہ سمعانی موج میں تھے۔ اور طبیعت پورے نشاط پر تھی۔ نساجیوں یعنی کپڑا بُننے والے اکابر علماء اور ائمہ سلف کا تذکرہ کر رہے تھے سامعین و

ناظرین ہمہ تن گوش تھے۔ اسلاف کی تاریخ سب کے لئے دعوتِ عمل تھی اور ان کا کردار زبانِ حال بن کر سب کو پکار رہا تھا ؎

آغشتہ ایم ہر سرِ خارے بہ خونِ دل
قانونِ باغبانیٔ صحرا نوشتہ ایم

تیسرے نمبر پر علامہ سمعانی رحؒ نے امام ابوالقاسم بکر بن یحییٰ نساج کا تذکرہ کیا۔

علامہ ابوالقاسم نساج شہر واسط کے رہنے والے تھے وہیں حدیث کی روایت کرتے رہے۔ آپ کا علمی شہرہ اور محدثانہ جلالتِ قدر اپنے زمانہ میں مسلم تھی علمی تبحر، اصابتِ فکر، محققانہ اور شگفتہ اندازِ فکر محققانہ تدریس کی وجہ سے طالبانِ علومِ نبوت کے مرجع قرار پائے، ان کی تقریر میں غیر معمولی تاثیر اور علمی گہرائی پائی جاتی تھی۔ ان کا مطالعہ وسیع، نگاہ عمیق اور ذہن کھلا ہوا تھا، تحصیل علم، تدریس و اشاعتِ دین کے خارزار میں سفر کی صعوبتوں کو خندہ جبینی اور ہنستے ہوئے برداشت کرنے کے ساتھ ساتھ نساجی یعنی کپڑا بُننے کا کاروبار کر کے اپنے ہاتھوں سے رزقِ حلال کمانے کے عادی ہو گئے تھے۔ علمِ حدیث کی تدریس ان کا خاص موضوع اور زندگی کا محبوب ترین شغل رہا۔

ان کے تلامذہ حدیث میں حافظ ابونعیم، احمد بن عبداللہ اور قاضی ابوالعلاء جیسے اکابر اور رجالِ علم کا نام سرِ فہرست ہے۔ جس سے علامہ ابوالقاسم کی محدثانہ شان اور علمی قدر و منزلت کا اندازہ کیا جا سکتا ہے۔

نساجیوں کی اس فہرست میں علامہ سمعانی نے علامہ ابوالحسن خیر بن عبداللہ کا چوتھے نمبر پر تذکرہ فرمایا، موصوف عابد، زاہد اور اولیاء کاملین سے تھے۔ مناقب عرفانی اور مدارجِ روحانی پر فائز تھے۔ علم و فضل اور تفقہ و سلوک میں بلند پایہ رکھتے

تھے۔ نساجی یعنی کپڑا بننا رزقِ حلال کا ذریعہ تھا۔ تدریس واشاعتِ علم اور خدمتِ دین زندگی بھر کا شعار رہا، فقیروں میں شاہی شان رکھتے تھے۔ اخلاق کے معلّم اور روحانیت کے پیکر تھے۔ "الصوفی" کے لقب سے مشہور تھے ان کا محبوب مشغلہ علمِ دین کی خدمت واشاعت، ذکر وفکر اور تزکیہ وتصوف تھا۔ سُرّمَن رائے کے رہنے والے تھے۔ بغداد تشریف لائے تو پھر یہیں کے ہو کر رہے آپ مدتوں اکابر علماء ومشائخ اور اپنے زمانہ کے مشہور ولی اور شیخ کامل شیخ ابوحمزہ محمد بن ابراہیم صوفی کی مجلس ومعیت اور صحبت میں رہے اور ان کی خدمت وقربت کو وسیلۂ فیض سمجھا یہ آپ ہی کی طلبِ صادق اور شیخ کامل کے فیضِ صحبت کی برکت تھی کہ آپ پر دنیا کا ہوش وفرزانگی کے بجائے فکرِ آخرت، تزکیۂ وتصوف اور اشاعتِ علم وتبلیغ دین کی مستی اور دیوانگی غالب رہی۔

آپ کی مجلس وصحبت اکسیر بن گئی تھی وہ دل جو معصیت کی نحوست، گناہوں کی نجاست، سوسائٹی کی بے مہری، قانون کی سنگدلی اور زندگی کی محرومیوں سے پتھر کی طرح سخت ہوگئے تھے آپ کی نگاہِ شفقت کی دلنوازیوں سے پگھلنے لگتے آپ کی معمولی سی توجہ اور ایک نگاہِ الفت متوحش اور باغی روحوں کو خرید لیا کرتی تھی۔

مشہور صوفی اور صاحبِ حال بزرگ ابراہیم خوّاص اور ابوبکر شبلی نے بھی آپ کی صحبتیں اٹھائیں اور بہت کچھ حاصل کیا علامہ عبدالکریم سمعانی نے ارشاد فرمایا۔

وللصوفیہ عنه حکایات غریبة	حضرات صوفیاء کے ہاں آپ کے متعلق
وامور مستظرفة عجیبة	خوارق وکرامات کے عجیب وغریب واقعات مشہور ہیں۔

موصوف کی علمی فضیلت، روحانی قدر ومنزلت، بلند رتبہ اور عظمتِ مقام کیلئے بس اتنا ہی کافی ہے کہ آپ کے حلقہ سے ابراہیم خوّاص اور شبلی جیسے نادرِ روزگار

شخصیتیں نکلی ہیں وہی خوش نصیب رہا جسے آپ کی صحبت میں چند ساعتیں حاصل ہوگئیں ؎

یہ بزم مے ہے یاں کوتاہ دستی میں ہے محرومی!
جو بڑھ کر خود اٹھالے ہاتھ میں مینا اسی کا ہے۔

اس کے بعد علامہ سمعانی نے ابو منصور مقرب بن حسن نساج کا اجمالی تذکرہ سنایا۔ موصوف بغداد کے رہنے والے تھے۔ اکابر علماء اور ائمہ حدیث سے تحصیل علم کی سعادت حاصل کی۔ آپ کے اساتذۂ حدیث میں ابو یعلیٰ محمد بن حسین فراء ابوالحسن محمد بن علی اور ابو جعفر محمد بن احمد زیادہ مشہور ہیں۔

نساجی یعنی کپڑا بننے کے کاروبار کی وجہ سے نساج کے لقب سے مشہور ہوئے مقبول اور ثقہ محدث تھے طالبانِ علوم نبوت کے مرجع قرار پائے۔ خود علامہ سمعانی نے بھی اعتراف کیا ہے کہ رَحَلَ ثونا عنہ یعنی دیگر علماء کے واسطے سے علامہ کی روایات ان تک پہنچی ہیں۔

نیز اکابر علماء، اربابِ علم و فضل، اساتذۂ حدیث اور مشائخ نے ان کی ثقاہت، خدمت و اشاعتِ علم اور ان کی دینی خدمات و مساعی کی بڑی تعریف اور توصیف کی ہے۔ بڑے پارسا، متقی پرہیز گار اور خدا رسیدہ انسان تھے۔

آپ کے صاحبزادے احمد بن مقرب نساج بھی اپنے والد نامدار کی طرح نادرۂ روزگار علمی اور روحانی شخصیت تھے۔ علامہ سمعانی فرماتے ہیں۔ کَانَ شیخاً صَالحاً فقیھاً (وہ شیخ، صالح اور فقیہ تھے) نساجیوں یعنی کپڑا بننے کا کاروبار کرنے والے اربابِ علم و فضل کے تذکرے کی فہرست کے آخر میں علامہ سمعانی نے ابو الخطاب نصیر بن احمد قاری کا ذکر کیا ہے جو قرآن کے قاری علوم نبوت کے حافظ، اپنے وقت کے جلیل القدر محدث، معاشی اور کاروباری لحاظ سے حائک اور نساج یعنی کپڑا بننے کا کاروبار کرنے والے تھے ان کی علمی عظمت اور محدثانہ جلالت قدر کیلئے اتنا کافی ہے کہ خود علامہ سمعانی نے ان سے شرفِ تلمذ کو ناز و افتخار کے ساتھ بیان کرتے ہوئے فرمایا۔

وسمعتُ منہ احادیث۔ مجھے بھی ان سے سماعِ حدیث کا شرف حاصل رہا۔

فخر الاسلام حضرت مولانا سید فخر الدین احمد صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے
افادات
ایضاح البخاری
• بخاری شریف کا مکمل متن با اعراب، سلیس اور بامحاورہ ترجمہ کے ساتھ دیا گیا ہے
• تراجم بخاری، امام بخاری کی دقتِ نظر کا سب سے اعلیٰ شاہکار ہیں۔ تراجم پر بحث کے سلسلے میں حضرت مولانا نے جو دادِ تحقیق دی ہے وہ مطالعہ کے قابل ہے۔
• اکابر دیوبند کے جو علوم اب تک سینوں کی امانت تھے۔ ایضاح البخاری کی صورت میں اب سفینوں میں منتقل ہو رہے ہیں اسی لئے ہند و پاک کے مقتدر علماء اس کی ہر تازہ اشاعت کا انتظار کرتے ہیں
• شارحین بخاری نے عربی و فارسی زبان میں صدیوں کی مدت دراز میں جو تحقیقات پیش کی ہیں ایضاح البخاری میں ان سب کا نچوڑ حسین انداز میں آگیا ہے۔ احناف کے مسلک کی وجوہ ترجیح، عصر حاضر کے مسائل کی تشریح اور تمام مسائل پر سیر حاصل بحثیں۔
پروگرام
اب تک ۱۳ حصے طبع ہو گئے ہیں، چودھویں حصہ سے پروگرام پھر شروع کیا جا رہا ہے
اس پتہ سے رابطہ قائم فرمائیں
مکتبۂ قاسم المعارف دیوبند (یو، پی)